مطبع ـــــــــــ تخلیق مرکز پرنٹرز لاہور

کتابت ـــــــــــ اقبال اختر، عبدالرحمٰن ناصر۔ خوشی محمد ناصر

متن ـــــــــــ بشکریہ تاج کمپنی لمیٹڈ۔ کراچی

فوٹوگرافی ـــــــــــ حاجی رحیم بخش (الیف۔ آر۔ پروسیسنگ)

تعداد ـــــــــــ تین ہزار

تاریخ طباعت ـــــــــــ ربیع الثانی ۱۴۰۰ھ

ناشر ـــــــــــ ضیاء القرآن پبلی کیشنز۔ لاہور

فہرست مضامین

تحقیقاتِ لغویّہ

	سُورة	حاشیہ نمبر
ا ـــــ		
اَشِر	۵۴	۲۱
انام	۵۵	۱۰
الاء	۵۵	۱۳
المومن	۵۹	۳۵
آنٍ	۵۵	۴۴
اجاج	۵۶	۲۷
یأنِ	۵۷	۲۱
الامیّین	۶۲	۲
یؤفکون	۶۳	۸
انّٰی	۶۳	۸
مؤتفکٰت	۶۹	۸
ارائك	۷۶	۱۶
استبرق	۷۶	۲۰
اسرھم	۷۶	۲۷
ابًّا	۸۰	۱۶
اخدود	۸۵	۴
آنیة	۸۸	۳
ابابیل	۱۰۵	۴
احد	۱۱۲	۱
مؤتفکة	۵۳	۴۹
ازفت الآزفة	۵۳	۵۳

	سُورة	حاشیہ نمبر
استبرق	۵۵	۳۸
ب ـــــ		
تبوّؤا	۵۹	۱۷
باری	۵۹	۳۷
بطائن	۵۵	۳۸
بُسّت	۵۶	۵
منبثًّا	۵۶	۵
تبارك	۶۷	۱
تبتّل	۷۳	۸
بشر	۷۴	۱۸
بَرِق	۷۵	۷
بصیرا	۷۵	۱۱
باسرة	۷۵	۱۶
ابرار	۷۶	۸
بعثرت	۸۱	۱
بیّنة	۹۸	۱
ابتر	۱۰۸	۳
ت ـــــ		
مترفین	۵۶	۱۶
ترائب	۸۶	۴
متربه	۹۰	۱۰

	سورة	حاشیہ نمبر
شکور	۶۴	۲۶
شهیقا	۶۷	۱۰
شرکاء	۶۸	۱۷
الشویٰ	۷۰	۱۲
شطط	۷۲	۵
شامخات	۷۷	۱۲
شتّٰی	۹۲	۲
الم نشرح	۹۴	۱
شانئ	۱۰۸	۳
ص—		
صاحب	۵۳	۲
المصور	۵۹	۳۷
صلصال	۵۵	۱۴
یصدّعون	۵۶	۹
صدّوا	۶۳	۳
صغت	۶۶	۵
صٰفّٰت	۶۷	۲۳
الصریم	۶۸	۱۱
صرصر	۶۹	۶
صبّا	۸۰	۱۶
الصاخة	۸۰	۱۴
المصیطر	۸۸	۹
ض—		
ضلّ	۵۳	۲
ضیزیٰ	۵۳	۲۱

	سورة	حاشیہ نمبر
الضنین	۸۱	۱۷
ضریع	۸۸	۵
ضحٰی	۹۱	۱
ضحٰی	۹۳	۱
تضلیل	۱۰۵	۳
ط—		
طغٰی	۵۳	۱۸
طمسنا	۵۴	۲۲
طلح	۵۶	۱۲
طباقا	۶۷	۵
طائف	۶۸	۱۱
طاغیة	۶۹	۵
اطوارا	۷۱	۱۲
طرائق	۷۲	۱۰
طُمست	۷۷	۴
مستطیرا	۷۶	۱۱
الطامة	۷۹	۲۳
طارق	۸۶	۱
طحٰی	۹۱	۶
ظ—		
یظاهرون	۵۸	۱
ظهیر	۶۶	۴
ع—		
عسر	۵۴	۱۱
تعاطٰی	۵۴	۲۱

	سُورة	حاشیہ نمبر		سُورة	حاشیہ نمبر
وقارا	۷۱	۱۱	وسواس	۱۱۴	۲
وطأ	۷۳	۵	ۂ		
وبيلا	۷۳	۱۵	هوى	۵۳	۱
وزر	۷۵	۹	هوى	۵۳	۴۹
"	۹۴	۲	مهطعين	۵۴	۱۰
اولى لك فاولى	۷۵	۲۲	منهمر	۵۴	۱۴
ويل	۷۷	۴	مهيمن	۵۹	۳۵
وهاجا	۷۸	۱۱	الهيم	۵۶	۱۹
واجفة	۷۹	۸	همّاز	۶۸	۸
الاوتاد	۸۹	۸	هلوع	۷۰	۱۲
مؤصدة	۹۰	۱۴	مهيلا	۷۳	۱۳
مؤصدة	۱۰۴	۸	هل	۷۶	۱
موريات	۱۰۰	۱	همزة	۱۰۴	۱
موازين	۱۰۱	۴	ی		
تواصوا	۱۰۳	۴	ميمنة	۵۶	۶
وقب	۱۱۳	۳			

بمنّه تعالى وفضله تم الشروع العظيم الحمد لله رب العلمين
والصلوٰة والسلام على رحمة للعلمين وعلى اله واصحابه اجمعين

۱۵۔صفر المظفر ۱۴۰۰ھ
۴۔جنوری ۱۹۸۰ء

محمد کرم شاہ
دربار شریف پیر بھارہ

تحقیقاتِ نحویّہ

فہرست مطالب

اللہ جل مجدہٗ

توحید

دلائلِ توحید

	سورة	آیت
کیا زمین سے پہلے آسمان کی تخلیق ہوئی	۷۹	۳۰ حاشیہ
آسمان، پہاڑ، زمین سب اس کی قدرت کی جلوہ گاہیں ہیں	۸۸	۱۸، ۱۹، ۲۰
اسی نے زمین کو بچھونا بنایا اور پہاڑوں کو میخیں۔	۷۸	۶ - ۷
اسی نے تمھارے اوپر سات مضبوط آسمان بنائے۔	۷۸	۱۲
قطرۂ آب سے اِنسان کو اللہ ہی نے پیدا کیا۔	۵۶	۵۷-۵۸ ۵۹
اسی نے اِنسان کو حُسنِ صورت سے نوازا	۹۴	۳
اسی نے اِنسان کو پیدا کیا اور اسے سمع، بصر اور قلب کی نعمتیں بخشیں۔	۶۷	۲۳
اسی نے تمھیں زمین میں پھیلا دیا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے	۶۷	۲۴
اسی نے اِنسان کو حقیر قطرۂ آب سے پیدا کیا۔	۷۷	۲۰ تا ۲۳
اِنسانی تخلیق میں قدرتِ الٰہی کی حکمتیں	۸۰	۱۸ تا ۲۲
اِنسان کی بقا اور نشوونما کے لیے دسترخوان نعمت بچھا دیا	۸۰	۲۴ تا ۳۲
اِنسان کے مویشیوں کے لیے چارے کا انتظام فرمایا۔	۸۰	۳۲

	سورة	آیت
زمین پھل - اناج - بھوسہ - پھول اس کی قدرت کی نشانیاں ہیں	۵۵	۱۰-۱۱-۱۲
کھیتوں کو وہی اُگاتا ہے	۵۶	۶۳ تا ۶۷
میٹھا پانی وہی برساتا ہے	۵۶	۶۸ تا ۷۰
آگ اسی نے پیدا فرمائی ہے	۶۶	۷۱-۷۲
اُس کی توحید کے متعدد تکوینی دلائل	۷۸	۶ تا ۱۶
	۷۹	۲۷ تا ۳۳
* * * * * * *		
دو دریاؤں کا پانی میلوں ساتھ ساتھ بہتا چلا جاتا ہے لیکن برزخ کے باعث مِل نہیں سکتا	۵۵	۱۹-۲۰
ان سے موتی اور مرجان نکلتے ہیں	۵۵	۲۲ مع حاشیہ
بڑے سمندری جہاز سطحِ آب پر تیرتے چلے جاتے ہیں۔	۵۵	۲۴
ہر چیز اس کے درِ کرم پر سوالی ہے ہر روز وہ نئی شان سے تجلی فرماتا ہے	۵۵	۲۹ مع حاشیہ
فضا میں پرندوں کی پرواز اس کی قدرت کی نشانیاں ہیں	۶۷	۱۹
اُونٹ کی طرف دیکھو اُسے کیسا بنایا	۸۸	۱۷
اُسی نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا۔	۶۱	۹
اُسی نے اُمیوں میں ایک جلیل القدر رسول مبعوث فرمایا۔	۶۲	۲

صفاتِ الٰہی

	سُورة	آیت
علمِ الٰہی		
ان کے سارے اعمال صحائف میں مرقُوم ہیں	۵۴	۵۲
ہر چھوٹی بڑی چیز ان میں لکھی ہے	۵۴	۵۳
اللہ تعالیٰ مرنے والے سے زیادہ قریب ہوتا ہے	۵۶	۸۵
وُہ ہر چیز کو خُوب جانتا ہے (وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ)	۵۷	۳
〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃	۵۸	۷
〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃	۶۴	۱۱
〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃	۶۵	۱۲
زمین میں جو داخل ہوتا ہے اور جو نکلتا ہے آسمان سے جو نازل ہوتا ہے اور جو عروج کرتا ہے اُسے وُہ جانتا ہے۔	۵۷	۴
وُہ ہر وقت تمھارے ساتھ ہوتا ہے	۵۷	۴
جو تم کرتے ہو اُسے دیکھ رہا ہے	۵۷	۴
وُہ سینے کے رازوں کو جاننے والا ہے	۵۷	۶
جو تم کرتے ہو اُس سے خبردار ہے (بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ)	۵۷	۱۰
〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃	۶۳	۱۱
〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃	۵۸	۱۱
〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃	۵۸	۱۳
جو تم کرتے ہو اُس سے خبردار ہے (بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ)	۵۹	۱۸
〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃	۶۴	۸
اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر ہے	۵۸	۱
اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے کہ کون اس کے رسُولوں کی امداد کرتا ہے	۵۷	۲۵
تمام اعمال کو گن رکھا ہے	۵۸	۶
وُہ ہر چیز پر گواہ ہے	۵۸	۶
زمین و آسمان کی ہر چیز کو جانتا ہے	۵۸	۷
〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃	۶۴	۴
وُہ تمھارے ظاہر و باطن کو جانتا ہے	۶۴	۴
〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃	۸۷	۷
وُہ دلوں کے رازوں کو جانتا ہے	۶۴	۴
اگر وُہ تین ہوں تو چوتھا وُہ ہوتا ہے اگر وُہ پانچ ہوں تو چھٹا وُہ ہوتا ہے الخ	۵۸	۷
وُہ غیب و شہادت کا جاننے والا ہے	۵۹	۲۲
〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃	۶۴	۱۸
جو تم کرتے ہو وُہ دیکھ رہا ہے	۶۰	۳
〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃	۶۴	۲
〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃	۶۷	۱۹
وُہ علیم و حکیم ہے	۶۰	۱۰
〃 〃 〃 〃 〃	۶۶	۲

	سُورۃ	آیت
وُہ علیم و حکیم ہے	۷۶	۳۰
تم آہستہ بات کرو یا بلند آواز سے، وُہ دِلوں کے بھیدوں کو جانتا ہے	۶۷	۱۳
وُہ اپنی مخلوق کو جانتا ہے اَور لطیف و خبیر ہے	۶۷	۱۴
جو گمراہ ہیں وُہ اُن کو بھی جانتا ہے اَور جو ہدایت یافتہ ہیں وُہ اُن سے بھی واقف ہے	۵۳	۳۰
» » » » » » » » »	۶۸	۷
وُہ ظالموں کو خُوب جانتا ہے	۶۲	۷
جب تم شکمِ مادر میں تھے اللہ اس وقت بھی تمھیں جانتا تھا	۵۳	۳۲
وُہ متقیوں کو بھی جانتا ہے	۵۳	۳۲
ان کا رب اُس دن اُن سے خُوب باخبر ہوگا	۱۰۰	۱۱

رحمت و مغفرتِ الٰہی

	سُورۃ	آیت
وُہ رحمٰن ہے۔ اُسی نے قرآن سکھایا	۵۵	۱-۲
اُس کی شانِ رحمانیت	۵۵	ا کا حاشیہ
اُس کی نعمتوں کا اِنکار نہیں کیا جاسکتا	۵۵	۱۳
زمین و آسمان کی ہر چیز اُس کے درِ کرم پر سوالی ہے	۵۵	۲۹
ہر روز وُہ ایک نئی شان سے تجلّی فرماتا ہے	۵۵	۲۹
اس کا نام بڑی برکت والا، وُہ خود عظمت والا اِحسان فرمانے والا ہے	۵۵	۷۸
اللہ تعالیٰ تمھارے ساتھ رؤف رحیم ہے	۵۷	۹
یہ اللہ کا فضل ہے وُہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے	۵۷	۲۱
اللہ فضلِ عظیم کا مالک ہے	۵۷	۲۱
اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے	۵۷	۲۸
» » » » »	۵۸	۱۲
» » » » »	۶۰	۷
» » » » »	۶۰	۱۲
فضل اللہ تعالیٰ کے اِختیار میں ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے	۵۷	۲۹
وُہ صاحبِ فضلِ عظیم ہے	۵۷	۲۹
» » » »	۶۲	۴
اللہ تعالیٰ عفوّ غفور ہے	۵۸	۲
وُہ رحمٰن رحیم	۵۹	۲۲
اللہ تعالیٰ غنیّ حمید ہے	۶۰	۶
اللہ تعالیٰ رحمٰن ہے۔ اسی پر ہم نے توکّل کیا ہے	۶۷	۲۹
اِنسان کی کمزوری کے پیشِ نظر شب بیداری میں تخفیف کردی	۷۳	۲۰ مع حاشیہ
وُہ اہل التقویٰ اَور اہل المغفرۃ ہے	۷۴	۵۶
آپ کے رب کی مغفرت بڑی وسیع ہے	۵۳	۳۲
وُہ غفور، ودود اَور عرشِ مجید کا مالک ہے	۸۵	۱۴-۱۵
راہنمائی کرنا ہمارے ذمۂ کرم پر ہے	۹۲	۱۲

وُہ ہر چیز کا خالق و مالک ہے

	سُورۃ	آیت
ہر چیز کو اندازے سے پیدا فرمایا	۵۴	۴۹
» » » » » » »	۶۵	۳

	سُورۃ	آیت
وُہ بادشاہ ہے۔ قادرِ مُطلق ہے	۵۴	۵۵
اِنسان کو اسی نے پیدا فرمایا	۵۵	۳
قطرۂ آب سے اِنسان کی تخلیق اُسی کا شاہکار ہے	۵۶	۵۷ تا ۵۹
اِنسان کو پیدا کیا اَور اسے حُسن وجمال کا مرقع بنادیا۔	۶۴	۳
اپنے رب کا نام لے کر پڑھیئے جس نے سب کو پیدا فرمایا۔ جس نے اِنسان کو خُون کے لوتھڑے سے تخلیق کیا	۹۶	۱
جس نے قلم کو ذریعۂ علم بنایا	۹۶	۴
اِنسان کو اس کا علم دیا جس کو وُہ نہیں جانتا	۹۶	۵
اسی نے موت کو تمھارے لیے مقرر فرمایا	۵۶	۶۰
موت وحیات کا وُہی خالق ہے	۵۷	۲
آسمانوں اَور زمین میں اسی کی بادشاہی ہے	۵۷	۲ - ۵
آسمانوں اَور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا	۵۷	۴
وُہ الملک القدوس ہے	۵۹	۲۳
〃 〃 〃	۶۲	۱
وُہی خالق، باری اَور مصوّر ہے	۵۹	۲۴
زمین اَور آسمان کے خزانے اُسی کے ہیں	۶۳	۷
ملک اَور حمد اسی کے لیے ہے	۶۴	۱
آسمانوں اَور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا۔	۶۴	۳
ساتوں آسمانوں اَور زمین کو پیدا کیا	۶۵	۱۲
اس کے احکام کا ان میں ہر وقت نزول ہوتا رہتا ہے	۶۵	۱۲

	سُورۃ	آیت
سب بادشاہی اُسی کے دستِ قُدرت میں ہے	۶۷	۱
سات آسمانوں کو اُوپر نیچے پیدا کیا۔	۶۷	۳
وُہ مشرق ومغرب کا رب ہے اُسے اپنا کارساز بنایئے۔	۷۳	۹
وُہی پیدا کرنے والا وُہی لوٹانے والا ہے	۸۵	۱۳
جو چاہتا ہے کرتا ہے (فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ)	۸۵	۱۶
ہر چیز کو اُسی نے پیدا کیا پھر اُسے دُرست کیا۔ اس کا اندازہ مقرر کیا۔ پھر اُسے راہِ راست دکھائی۔	۸۷	۲ - ۳
جانوروں کے لیے چارہ پیدا کیا	۸۷	۴ - ۵
اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین ہے	۹۵	۸
دُنیا وآخرت سب اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے	۵۳	۲۵
زمین وآسمان کی ہر چیز اللہ کی ہے	۵۳	۳۱
اُسی نے نر اَور مادہ کو منی سے پیدا کیا	۵۳	۴۵-۴۶

ہر چیز پر قادر ہے

	سُورۃ	آیت
وُہی ہنساتا وُہی رُلاتا ہے	۵۳	۴۳
وُہی زندہ کرتا اَور مارتا ہے	۵۳	۴۴
وُہی دُوسری بار پیدا فرمائے گا	۵۳	۴۷
وُہی غنی کرتا ہے وُہی مفلس بناتا ہے	۵۳	۴۸
وُہی شعریٰ ستارے کا رب ہے	۵۳	۴۹ مع حاشیہ
اُسی نے عاد، ثمود اَور قومِ نوح کو برباد کیا	۵۳	۵۰ - ۵۱ - ۵۲

اللہ تعالیٰ کن سے محبت کرتا ہے

وُہ کن سے محبت نہیں کرتا

وُہ کسے ہدایت نہیں دیتا

متفرق

	سُورۃ	آیت
وُہ غنی حمید ہے	۵۷	۲۴
* * *	۶۴	۶
وُہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے	۶۲	۱۱
جب وقت آجاتا ہے تو اللہ تعالےٰ کسی کو ڈھیل نہیں دیتا	۶۳	۱۱
اللہ تعالیٰ شکور حلیم ہے	۶۴	۱۷
قیامت کے روز دیدار الٰہی	۷۵	۲۳ مع حاشیہ
ذکرِ الٰہی سے قربِ الٰہی نصیب ہوتا ہے	۷۳	۱۹ مع حاشیہ
سب نے لوٹ کر ہماری طرف آنا ہے	۸۸	۲۵
سب کا حساب ہم خود لیں گے	۸۸	۲۶

سیّدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم

نبوّت و رسالت

	سُورۃ	آیت
اللہ تعالیٰ معجزات اور کتاب دے کر رسُول مبعُوث کرتا ہے تاکہ وُہ عدل قائم کریں	۵۷	۲۵
اس مقصد کی تکمیل کے لیے انھیں لوہے کا ڈنڈا (قوتِ مادی) بھی عطا فرماتا ہے	۵۷	۲۵ مع حاشیہ
آخرکار اللہ اور اُس کے رسُولوں کو ہی غلبہ حاصل ہوتا ہے	۵۸	۲۱
دینِ حق غالب ہونے کے لیے آیا ہے	۶۱	۹
نبی کریم کی بعثت کے مقاصد۔ تلاوتِ آیات، تزکیۂ قلوب، تعلیمِ کتاب و حکمت	۶۲	۲
نبی اللہ زندہ ہیں اور رزق دیے جاتے ہیں	۶۲	۹ کا حاشیہ
اگر نبی خود کلام گھڑ کر اللہ کی طرف منسوب کرے تو اس کی رگِ جان کاٹ دی جائے	۶۹	۴۶
ابتدائی احکام۔ اُٹھیے لوگوں کو ڈرایئے، اللہ کی بڑائی بیان کیجیے۔	۷۴	۲ تا ۷
آپ لوگوں کو نصیحت کیا کریں۔ جو اللہ سے ڈرتا ہے وُہ سمجھ جائے گا۔ بدبخت دُور بھاگے گا	۸۸	۲۱-۲۲
ماضل صاحبکم وما غوٰی	۵۳	۲
آپ اپنی مرضی سے بات ہی نہیں کرتے	۵۳	۳-۴

رحمت و خُلقِ عظیم

	سُورۃ	آیت
حضرت اوس بن صامت پر ظہار کا کفارہ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رافت و شفقت	۵۸	ا مع حاشیہ
مُسلمان عورتوں کے لیے استغفار کا حکم (واستغفرلھن)	۶۰	۱۲
حضرت حاطب سے لغزش اور حضور کا درگزر	۶۰	۱
فیضانِ نبوت فضلِ الٰہی ہے جس کو چاہتا ہے اُسے اس سے سرفراز فرماتا ہے	۶۲	۳
حضور اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لے جاتے ہیں	۶۵	۱۱
رحمتِ فراواں کے باعث حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو منافقین پر سختی کرنے کا حکم دیا جارہا ہے (واغلظ علیھم)	۶۶	۹
حضور خلقِ عظیم کے مالک ہیں	۶۸	۴
خلق کی تعریف اور دیگر مباحث اس آیت کے حاشیے میں ملاحظہ فرمائیں۔		
کفّار نے نزولِ عذاب کی دُعا مانگی اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب تک میرا حبیب تم میں ہے میں عذاب نازل نہیں کروں گا	۷۰	ا کا حاشیہ

	سورۃ	آیت
اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم اپنے حبیب کو خود پڑھایا ہے	۸۷	۶ - ۷
حضور کو قرآن کی تعلیم دینے والا اللہ ہے	۵۳	۵ - ۶
فرمایا: اے علی! پچھلوں میں سب سے زیادہ بدبخت آپ کا قاتل ہے	۹۱	۱۲ حاشیہ
حضور کا علم (الم نشرح لك صدرك)	۹۴	۱
علم اللوح والقلم سطر من سطور علمه ونهر من بحور علمه (ملا علی قاریؒ)	۹۴	۱ مع حاشیہ
مالم يعلم سے اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو ایسے علوم سکھائے گا جن کا احاطہ عقل نہیں کر سکتی	۹۶	۵ حاشیہ
حضور کو علوم الاولین والآخرین عطا فرمائے	۹۶	۵
اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ	۱۰۸	۱
کیا حضور اجتہاد کیا کرتے تھے؟	۵۳	۴ حاشیہ

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت

	سورۃ	آیت
سنتِ نبوی بیانِ قرآن ہے۔ اور وہ بھی تعلیمِ الٰہی ہے	۵۵	۴

	سورۃ	آیت
اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو	۵۸	۱۳
اطاعتِ رسول کا حکم	۶۴	۱۲
کتابتِ حدیث کا حکم اُکْتُبْ مَا خَرَجَ مِنِّیْ اِلَّا الْحَق	۵۳	۴ حاشیہ
جو اللہ کا رسول تمہیں دے اسے پکڑ لو جس سے منع کرے اس سے رک جاؤ	۵۹	۷
جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے گا ذلیل ہوگا	۵۸	۲۰
منکرینِ سنت کا اعتراض اور اس کا جواب، قرآن کا بیان بھی منزل من اللہ ہے	۷۵	۱۶ تا ۱۹

اظہارِ عبودیت

	سورۃ	آیت
اپنے رب کے حکم کے لیے صبر کرو کسی گنہگار، ناشکر گزار کی پیروی مت کرو	۷۶	۲۴
عَبَسَ وَتَوَلّٰی عتاب کی حکمت	۸۰	۱ تا ۱۰ مع حواشی
فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ	۱۰۸	۲
جب فتح و نصرت نصیب ہو تو اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کیجئے	۱۱۰	۳

اِسلام

	سُورۃ	آیت
زیادہ بدلے کے لیے احسان مت کرو وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ	۷۴	۶
صبرو ترحم کی وصیت کرنا	۹۰	۱۷
جو شخص سخاوت، تقویٰ اور تصدیق حق کو اپنا شعار بنالیتا ہے۔ راہِ فطرت اس کے لیے آسان ہوجاتی ہے	۹۲	۵-۶-۷
جو بخل کرتا ہے اور بے پروا بنتا ہے وہ خلافِ فطرت طریقہ کا دلدادہ بن جاتا ہے	۹۲	۸-۹-۱۰
تمہاری کوششیں متنوع قسم کی ہیں	۹۲	۱ تا ۴
جب ایک کام سے فارغ ہو تو فوراً دوسرا	۹۴	۷
کام شروع کردو۔ بے کار مت رہو	۹۴	۷
حضرت فاروق اعظمؓ کا ارشاد۔ مومن مشکل پسند ہوا کرتا ہے	۹۴	۷ حاشیہ
ہلاکت ہے اس کے لیے:۔ جو رُوبرُو طعنے دیتا ہے پس پُشت عیب جوئی کرتا ہے مال جمع کرتا ہے اور گن گن کر رکھتا ہے۔ اور سمجھتا ہے کہ مال اُسے لافانی بنادے گا	۱۰۴	۱-۲-۳

انبیاء علیہم السلام

	سُورۃ	آیت
ابراھیم علیہ السلام		
ہم نے ابراہیم کو رسول بنا کر بھیجا اور اس کی نسل کو بھی نبوت و کتاب سے سرفراز فرمایا	۵۷	۲۶
دشمنانِ اسلام سے قطع تعلقی میں حضرت ابراہیم کے اُسوہ پر عمل کرو	۶۰	۴
صالح علیہ السلام		
قوم ثمود نے آپ کو جھٹلایا	۵۴	۲۳
ہم اپنے جیسے بشر کی اطاعت نہیں کریں گے	۵۴	۲۴
دیگر اعتراضات	۵۴	۲۵
اُونٹنی	۵۴	۲۶
ان کا دردناک انجام	۵۴	۲۷ تا ۳۱
ثمود نے قیامت کو جھٹلایا۔ ان کا انجام	۶۹	۴-۵
ثمود جنہوں نے چٹانوں کو تراشا اپنی بدکاریوں کے باعث تباہ ہوگئے	۸۹	۹-۱۱-۱۲-۱۳
قوم ثمود نے سرکشی کی۔ اُونٹنی کی کونچیں کاٹیں۔ تباہ کردیے گئے	۹۱	۱۱ تا ۱۵

	سُورۃ	آیت
آپ کا کشتی میں سوار ہونا اور اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں روانہ ہونا	۵۴	۱۳-۱۴
ہم نے نوح کو رسُول بنا کر بھیجا اور نبوت و کتاب سے اس کی نسل کو بھی سرفراز کیا	۵۷	۲۶
حضرت نوح کی بیوی۔ اس کی خیانت اور انجام	۶۶	۱۰
حضرت نوح کو اُن کی قوم کی طرف ڈرانے کے لیے بھیجا گیا ہے	۷۱	۱
آپ کا نسب نامہ، آپ کے آباء سب مومن تھے	۷۱	۱ حاشیہ
آپ کا وعظ	۷۱	۲-۳-۴
بارگاہِ الٰہی میں آپ کی فریاد	۷۱	۵-۶-۷
" " " " "	۷۱	۲۱
آپ کا وعظ، اس میں عقلی اور تکوینی دلائل	۷۱	۸ تا ۲۰
کفار کے لیے بددُعا کہ ان کا نام و نشان مٹا دے	۷۱	۲۶

	سُورۃ	آیت
ان پانچ بتوں کی تحقیق جن کی عبادت قوم نوح کیا کرتی تھی	۷۱	۲۳ مع حاشیہ
آپ کی اپنے لیے، اپنے والدین اور اہل ایمان کے لیے دُعا	۷۱	۲۸
ہُود علیہ السّلام		
قوم عاد نے آپ کو جھٹلایا	۵۴	۱۸
قوم کا دردناک انجام	۵۴	۱۹-۲۰
عاد نے قیامت کو جھٹلایا	۶۹	۴
ان پر سات رات آٹھ دن آندھی چلتی رہی جس نے ان کو تباہ کر دیا	۶۹	۶-۷-۸
قوم عاد ارم ذات العماد۔ ان کا جو انجام ہوا کیا تم اسے جانتے ہو	۸۹	۶-۷-۸
یُونس علیہ السّلام		
یُونس علیہ السّلام کا واقعہ اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم نے ان کی چارہ سازی کی۔ انہیں چُن لیا اور نیکوں میں شامل کر لیا۔	۶۸	۴۸ تا ۵۰

اِنسان

	سورۃ	آیت
اس کی عظمت کا قرآنی تصور		
انسان کو الرحمٰن نے پیدا فرمایا	۵۵	۳
اسے قرآن اور اس کا بیان سکھایا	۵۵	۲-۴
انسان کو مٹی اور جانّ کو آگ سے پیدا کیا	۵۵	۱۴-۱۵
تخلیقِ آدم کے تدریجی مرحلے	۵۵	۱۴ مع حاشیہ
جنّات کے وجود اور ان کے مکلف ہونے کا ثبوت	۵۵	۱۵ حاشیہ
اے جن و انس تم زمین و آسمان کی سرحدوں سے سلطان کے بغیر نہیں نکل سکتے	۵۵	۳۳
سلطان کی تشریح	۵۵	۳۳ کا حاشیہ
آیات نازل فرمائیں تاکہ تم سمجھو	۵۷	۱۷
اہلِ علم و ایمان کے درجات کو بلند فرماتا ہے	۵۸	۱۱
انسان کو چاہیے کل کی فکر کرے	۵۹	۱۸
جو خدا فراموش ہوتا ہے وہ خود فراموش ہوتا ہے	۵۹	۱۹
انسان کو حسن و جمال کا مرقع بنایا	۶۴	۳
مفلس کون ہے	۶۴	۹ حاشیہ
بعض بیویاں اور بچے تمہارے دشمن ہیں ان سے ہوشیار رہو	۶۴	۱۴
مال و اولاد فتنہ ہے	۶۴	۱۵

	سورۃ	آیت
مقدور بھر تقویٰ اختیار کرو	۶۴	۱۶
جسے بخل سے بچایا گیا وہ فلاح پا گیا	۶۴	۱۶
موت و حیات سے تمہاری آزمائش مقصود ہے	۶۷	۲
انسان کی تربیت میں خوفِ الٰہی کا بڑا حصہ ہے	۶۷	۱۲ مع حاشیہ
انسان کو سمع، بصر اور قلب کی نعمتوں سے سرفراز فرمایا	۶۷	۲۳
قلم اور ما یسطرون کی قسم کھا کر علم کی عزت افزائی فرمائی	۶۸	۱
انسان کی فطری کمزوریاں اور ان کی اصلاح کا اسلامی طریقہ	۷۰	۱۹ تا ۳۵
انسان کو مہمل نہیں چھوڑ دیا جائے گا	۷۵	۳۶
انسان اپنے اعمال میں گروی ہے	۷۴	۳۸
ہر انسان پر ایک ایسا وقت گزرا ہے جب وہ قابلِ ذکر چیز نہ تھا	۷۶	۱
انسان کو عقل و فہم کی جو نعمتیں بخشی گئی ہیں اس سے مقصد اس کی آزمائش ہے	۷۶	۲-۳
تخلیقِ انسان اور اس پر گوناگوں نوازشات	۸۰	۱۸ تا ۲۲
ما غرّک بربک الکریم۔ جس نے تجھ پر بے حساب انعامات کیے	۸۲	۶ تا ۸
قیامت پر ایمان نہ ہونے کی وجہ سے یہ	۸۲	۹

	سورۃ	آیت
اللہ سے ڈرتے رہا کرو	۵۸	۹
	۵۹	۱۸
✽ ✽ ✽		
اللہ کے دین کے مددگار بن جاؤ	۶۱	۱۴
اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ فلاح پاؤ	۶۲	۱۰
موت سے پہلے اللہ کے دیئے ہوئے مال سے خرچ کرلو ورنہ پچھتاؤ گے	۶۳	۱۰
جتنا تمہاری طاقت ہے اتنا اللہ سے ڈرو	۶۴	۱۶
اپنے آپ کو، اپنے اہل و عیال کو آتش دوزخ سے بچاؤ	۶۶	۶
اپنے رب کے نام کا ذکر کرو وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا	۷۳	۸
اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنے کا حکم	۸۷	۱
اے قریش! اس گھر کے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں رزق اور امن دیا	۱۰۶	۳-۴
اے حبیب! جو ہمارے ذکر سے روگردانی کرے اس سے رخ انور پھیر لیجئے	۵۳	۲۹

بنی اسرائیل

	سورۃ	آیت
قبیلہ بنی نضیر کی غداری اور جلاوطنی	۵۹	۲
ان کا یہ خیال غلط ثابت ہوا کہ ان کے قلعے ان کی حفاظت کریں گے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا وہ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے برباد کر رہے ہیں	۵۹	۲
وہ خدا سے زیادہ تم سے ڈرتے ہیں	۵۹	۱۳
یہ بزدل ہیں۔ کھلے میدان میں تمہارے ساتھ جنگ نہیں کریں گے	۵۹	۱۴
وہ بظاہر متحد نظر آتے ہیں درحقیقت متفرق ہیں	۵۹	۱۴
موسیٰ علیہ السلام کو اذیت رسانی	۶۱	۵
حضرت عیسیٰ کے بتانے کے باوجود انہوں نے حضور کو ماننے سے انکار کر دیا اور "سحر مبین" کہا	۶۱	۶
جنہیں تورات دی گئی لیکن انہوں نے اس پر عمل نہ کیا ان کی مثال گدھے کی ہے جس پر کتابوں کا انبار لدا ہو	۶۲	۵
اگر تمہارا یہ دعویٰ درست ہے کہ تم اللہ کے دوست ہو تو موت کی تمنا کیوں نہیں کرتے	۶۲	۶
وہ اپنے کرتوتوں کے پیش نظر یہ تمنا ہرگز نہ کریں گے	۶۲	۷
اہل کتاب دلائل کے باوجود فرقوں میں بٹ گئے ہیں	۹۸	۴
حالانکہ انہیں حکم ملا تھا کہ وہ خلوص کے ساتھ اللہ کی عبادت کریں۔ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ یہی سچا دین ہے	۹۸	۵
یہ جہنمی ہیں۔ یہ شر البریۃ ہیں	۹۸	۶

جبر و قدر

	سورۃ	آیت
جو مصیبت پہنچتی ہے وہ پہلے لکھی جا چکی ہے	۵۷	۲۲

سیاسیات

شرک اور اس کا ابطال

(نوٹ: وہ تمام دلائل جو توحید کے ثبوت کے لیے قرآن کریم میں مذکور ہیں اُن سے شرک کا ابطال بھی ہوتا ہے۔)

شریعت اسلامیہ

۱۔ شریعت اسلامیہ کی خصوصیات

صحابہ کرام اہل بیت عظام اُمّتِ مُسلمہ

	سُورۃ	آیت
صحابہ کرام السابقون السابقون ہیں	۵۶	۱۰
یہی حضرات مقرب ہیں اور جنّتِ نعیم میں ہیں	۵۶	۱۱-۱۲
ابتدا میں ان کی تعداد زیادہ بعد میں کم	۵۶	۱۳-۱۴
ان کی عزت افزائیاں	۵۶	۱۵ تا ۲۶
حضرت عکاشہ ان ستر ہزار میں سے ہیں جن سے حساب نہیں لیا جائے گا	۵۶	۳۹ کا حاشیہ
صحابہ کی سجدہ گاہوں اور مزارات کی قسم	۵۶	۷۵ حاشیہ
جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے مال خرچ کیا اور جہاد کیا بعد میں آنے والے ان کے ہمسر نہیں ہو سکتے	۵۷	۱۰
ان کا درجہ بہت بڑا ہے (اولئك اعظم درجة)	۵۷	۱۰
فتح کے بعد خرچ کرنے والوں اور جہاد کرنے والوں کو بھی ان کا اجر ملے گا	۵۷	۱۰
حضرت صدیقؓ کا عبا، کو کانٹوں سے کانٹھنا، رضائے الٰہی کو نوید حاملین عرش کا یہی لباس زیب تن کرنا	۵۷	۱۱ حاشیہ
حضرت ابو دحداح کی شانِ ایثار، یہ آیت سن کر بڑا قیمتی باغ اللہ تعالیٰ کو قرض دے دیا	۵۷	۱۱ حاشیہ
حضرت فاروق اعظمؓ کا علم، بڑھیا کی باتیں دیر تک کھڑے سنتے رہے	۵۸	۱ حاشیہ

	سُورۃ	آیت
سیدنا علی المرتضیٰؓ کے سوالات حضور کے جوابات	۵۸	۱۲ حاشیہ
اہل ایمان دُشمنانِ اسلام سے محبت نہیں کرتے۔ خواہ وُہ ان کے باپ ہوں یا بیٹے یا قریبی رشتہ دار	۵۸	۲۲
جنگ کے میدان میں صحابہ کا اپنے کافر رشتہ داروں کو قتل کرنا	۵۸	حاشیہ آیت ۲۲
ان کے دلوں میں ایمان نقش کر دیا گیا ہے۔ روحٌ منہ سے ان کی تائید، جنّت کا مژدہ، اللہ ان سے راضی وُہ اللہ سے راضی	۵۸	۲۲
یہی اللہ کا لشکر ہیں اور یہی غالب ہیں	۵۸	۲۲
حضرت صدیقؓ نے پہلے پہل جامِ شہادت نوش کرنے کی اجازت طلب کی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ انت منی بمنزلة سمعی وبصری۔ تو میرے کانوں اور آنکھوں کی جا بجا ہے	۵۸	حاشیہ آیت ۲۲
مہاجرین اللہ کے فضل اور اس کی رضا کے طالب ہیں	۵۹	۸
اللہ اور اس کے رسُولوں کی مدد کرتے ہیں۔ اولئك هم الصادقون۔ یہی سچے ہیں	۵۹	۸
انصار کا اپنے مہاجر بھائیوں کے لیے ایثار	۵۹	۹

قرآن کریم

دیگر آسمانی کُتب

	سُورۃ	آیت
صُحُفِ ابراہیم و موسیٰ میں بھی وُہی ہدایات ہیں جو اس قرآن کریم میں ہیں کہ آخرت اس دُنیا سے بہتر ہے اور باقی رہنے والی ہے	۸۷	۱۸-۱۹

قیامت

	سُورۃ	آیت
قیامت بالکل قریب آگئی ہے	۵۴	ا ع حاشیہ
اس کی دلیل	۵۴	۱
روزِ قیامت آسمان پھٹ جائے گا اور اس کا رنگ سُرخ ہو جائے گا	۵۵	۳۷
اس کے گناہ کے بارے میں کسی جن و انس سے نہ پُوچھا جائے گا۔ وُہ خود ہی جواب دہ ہو گا	۵۵	۳۹
مجرموں کا حال	۵۵	۴۱ تا ۴۴
قیامت ضرور واقع ہو گی کوئی جھٹلا نہ سکے گا	۵۶	۱-۲
قیامت کسی کو ذلیل اور کسی کو سرفراز کرے گی	۵۶	۳
وقوعِ قیامت کا ہوشربا منظر	۵۶	۴-۵-۶
قیامت کے روز اوّل آخر سب جمع کیے جائیں گے	۵۶	۴۹-۵۰
قیامت کے روز تمہیں پیدا کرنا مشکل نہیں	۵۶	۶۱-۶۲-۶۳
روزِ قیامت رشتہ دار اور اولاد فائدہ نہ دے گی	۶۰	۳
کفار کا انکارِ قیامت اور اس کی پُرزور تردید	۶۴	۷
قیامت کو یوم تغابن کہنے کی وجہ	۶۴	۹
کفار پُوچھتے ہیں قیامت کب آئے گی؟ آپ فرمایئے اس کا علم اللہ کے پاس ہے	۶۷	۲۵-۲۶

	سُورۃ	آیت
قُربِ قیامت کے وقت کفار کی حالت	۶۷	۲۷
قیامت آکر رہے گی۔ (الحاقۃ)	۶۹	۱-۲-۳
قیامت پر ایمان اصلاح کا ضامن ہے	۵۹	حاشیہ آیت بالا
جب صُور پھونکا جائے گا تو زمین اور پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے۔ آسمان پھٹ جائے گا۔	۶۹	۱۳ تا ۱۶
فرشتے ہر طرف کھڑے کر دیئے جائیں گے	۶۹	۱۷
آٹھ فرشتے عرش الٰہی کو اُٹھائے کھڑے ہوں گے	۶۹	۱۷
قیامت کے روز آسمان اور پہاڑوں کی حالت	۷۰	۸-۹
کوئی جگری دوست کسی جگری دوست کو نہیں پُوچھے گا	۷۰	۱۰
وُہ چاہے گا کہ اپنے بچوں، بیوی بلکہ سب کو بطور فدیہ دے دے اور خود چھُوٹ جائے لیکن ناممکن	۷۰	۱۱ تا ۱۸
قسمیں کھا کر بتایا کہ قیامت ضرور آئے گی	۷۵	۱-۲
انسان کا یہ خیال باطل ہے کہ وقوعِ قیامت ناممکن ہے	۷۵	۳-۴
قیامت کے انکار کی وجہ	۷۵	۵
وقوعِ قیامت کے وقت کا منظر	۷۵	۶ تا ۹
اُس روز کفار کے لیے کوئی پناہ گاہ نہ ہو گی	۷۵	۱۰-۱۱-۱۲
انسان کو اس کے اعمال سے آگاہ کیا جائے گا	۷۵	۱۳
انسان ہزار بہانے بنائے اُسے حقیقتِ حال کا علم ہے	۷۵	۱۴-۱۵

	سُورۃ	آیت
اہلِ ایمان کے چہرے تروتازہ ہوں گے	۷۵	۲۲-۲۳
بدکاروں کے چہروں پر نحوست برس رہی ہوگی	۷۵	۲۴-۲۵
جس نے اِنسان کو قطرۂ آب سے بنایا اُس کو دوبارہ زندہ بھی کر سکتا ہے	۷۵	۳۷ تا ۴۰
جب صُور پھونکا جائے گا تو کفار کے لیے وُہ بڑا سخت دن ہوگا	۷۴	۸-۹-۱۰
دوزخ بہت بڑی آفت ہے	۷۴	۳۲ تا ۳۶
پانچ قسمیں کھا کر بتایا کہ قیامت ضرور آئے گی	۷۷	۱ تا ۷
قیامت کا ہولناک منظر	۷۷	۸ تا ۱۴
اُس روز جھٹلانے والوں کی تباہی ہوگی	۷۷	۱۵
جہنم کا ہولناک منظر	۷۷	۲۹ تا ۳۳
روزِ قیامت "یوم الفصل" ہے مجرموں سے قوتِ گویائی سلب کر لی جائے گی	۷۷	۳۵ تا ۳۹
قیامت کے بارے میں ان کے شکوک اور اُن کا رد	۷۸	۱ تا ۵
وقوعِ قیامت پر تکوینی دلائل	۷۸	۶ تا ۱۶
وقوعِ قیامت کے لیے ایک وقت مقرر ہے	۷۸	۱۷
منظرِ قیامت	۷۸	۱۸ تا ۲۰
عذابِ قیامت	۷۸	۲۱ تا ۲۶
قیامت ضرور آئے گی	۷۹	۱ تا ۵
وقوعِ قیامت پر کفار کا اظہارِ حیرت	۷۹	۱۰ تا ۱۲
جب قیامت برپا ہوگی انسان کو اپنے	۷۹	۳۵

	سُورۃ	آیت
سارے اعمال یاد آجائیں گے	۷۹	۳۵
روزِ حشر انسان اپنے بھائی، ماں، باپ، بیوی اور بچوں سب سے بھاگے گا	۸۰	۳۳ تا ۳۷
کتنے چہرے خوش و خرم مسکراتے ہوں گے	۸۰	۳۸-۳۹
کئی چہرے غبار آلود اور سیاہ ہوں گے	۸۰	۴۰-۴۱
وقوعِ قیامت کا منظر	۸۰	۴۳
سُورج اور ستارے بے نُور، پہاڑ محوِ گردش، سمندر کے شعلے (اس کی وجہ)	۸۱	۱ تا ۶
زندہ درگور لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ اُسے کیوں زندہ درگور کیا گیا تھا	۸۱	۸
جو کچھ اُس نے کیا روزِ قیامت عیاں ہو جائے گا	۸۲	۱ تا ۵
کئی قسمیں کھا کر فرمایا قیامت ضرور آئے گی	۸۹	۱ تا ۵
جب قیامت برپا ہوگی اُس وقت انسان کی آنکھ کھلے گی لیکن بے سُود	۸۹	۲۱ تا ۲۴
وقوعِ قیامت کا منظر	۹۹	۱ تا ۵
روزِ قیامت لوگ گروہ در گروہ نکلیں گے۔ جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی اُسے اس کا اجر ملے گا جس نے ذرہ برابر گناہ کیا ہوگا اُسے اس کی سزا ملے گی	۹۹	۶-۷-۸
سخت کڑک، لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح اور پہاڑ اُون کی مانند ہوں گے	۱۰۱	۱ تا ۹
اُس روز جس کے پلڑے بھاری ہوں گے وُہ خوش و خرم ہوگا	۱۰۱	۶

کفّار و مُشرکین

معاشیات

مومنین اور متقین

	سُورۃ	آیت
جو تقوٰی اختیار کرے گا اس کی بُرائیوں کو محو کر دیا جائے گا اور اُسے بڑا اجر ملے گا۔	۶۵	۵
اہلِ ایمان ہی اہلِ خرد ہیں	۶۵	۱۰
جو بن دیکھے اللہ سے ڈرتے ہیں ان کے لیے مغفرت اور اجرِ کبیر ہے	۶۷	۱۲
متقین کے لیے جنتِ نعیم ہے	۶۸	۳۴
مسلمان اور کافر یکساں نہیں	۶۸	۳۵-۳۶
اہلِ ایمان کو ان کے نامہ ہائے عمل دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔ ان کی خوشی	۶۹	۱۹ تا ۲۴
جذبِ الٰہی اور شیخِ کامل کی توجہ کے بغیر فنائے قلب کے مقام تک رسائی ممکن نہیں	۷۰	۴ حاشیہ
شیخِ کامل کی توجہ سے وُہ مقام ملتا ہے جو ہزار سالہ عبادت و ریاضت سے نہیں ملتا	۷۳	۸ کا حاشیہ
ابرار کے لیے جنت کی نعمتیں	۷۶	۵-۶
ابرار کی صفاتِ حمیدہ۔ وُہ نذر پُوری کرتے ہیں اور قیامت سے ڈرتے ہیں۔	۷۶	۷
اللہ کی محبت کے لیے وُہ مسکین، یتیم اور اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں	۷۶	۸-۹-۱۰
اللہ تعالٰے اُنہیں قیامت کے شر سے بچائے گا	۷۶	۱۱
دیگر انعامات	۷۶	۱۱ تا ۲۲

	سُورۃ	آیت
متقین پر عنایات	۷۸	۳۱ تا ۳۳
مدبرات امر میں وُہ شامل ہیں	۷۸	۵
ان کی قبوُر کی زیارت کی وجہ سے زائرین کی مشکلیں حل ہوتی ہیں	۷۸	۵ کا حاشیہ
اللہ کے مقبولوں کو روزِ قیامت کوئی حزن نہ ہو گا	۷۹	۹ حاشیہ
جو اللہ کی جناب میں حاضر ہونے سے ڈرتا رہا اور نفس کو سرکشی سے روکتا رہا اس کا مقام جنت ہے	۷۹	۴۰-۴۱
ہوائے نفس سے بچنے کا طریقہ۔ شیخِ کامل کا دامن مضبوطی سے پکڑے۔	۷۹	۴۰ کا حاشیہ
جس کتاب میں ابرار کے اعمال محفوظ ہیں اس کا نام علیین ہے	۸۳	۱۸-۱۹-۲۰
علیین کی مزید تحقیق	۸۳	حاشیہ آیتِ بالا
ابرار پر مزید عنایات	۸۳	۲۲ تا ۲۸
ان کو نامۂ عمل دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور وُہ خوشی خوشی واپس لوٹیں گے	۸۴	۷-۸-۹
اہلِ ایمان کے لیے نہ ختم ہونے والا اجر ہے	۸۴	۲۵
جو تزکیۂ نفس کرتا ہے۔ اپنے رب کا ذکر کرتا ہے۔ نماز ادا کرتا ہے۔ وُہ کامیاب ہو گا	۸۷	۱۴-۱۵
اہلِ ایمان کے شگفتہ چہرے اور دیگر بے شمار انعامات	۸۸	۸ تا ۱۶
نفسِ مطمئنہ کو بشارتیں (ارجعی الی ربک)	۸۹	۲۷،۲۸،۲۹،۳۰
متقی اور سخی آگ سے بچ جائیں گے	۹۲	۱۷ تا ۲۰

	سُورۃ	آیت
حضرت غوثِ اعظمؒ کا ارشاد (قدمی هذه علی رقبة کل ولی الله)	۹۳	۱۱ حاشیہ
ایمان والوں کے لیے اجر غیر ممنون ہے	۹۵	۶ مع حاشیہ
اہل ایمان خیر البریہ ہیں انہیں جنت ملے گی	۹۶	۷ - ۸
اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی	۹۶	۸
یہ سعادت اُسے ملتی ہے جو اللہ سے ڈرتا ہے	۹۶	۸
مُرشدِ کامل کی توجہ سے مُریدوں کے فطری نقائص اور خامیاں بھی دُور ہو جاتی ہیں	۱۱۰	۴ کا حاشیہ

مُنافقین

	سُورۃ	آیت
روزِ قیامت منافق کہیں گے۔ اے اہل ایمان ہمیں بھی اپنے ساتھ لے چلو۔ تاکہ تمہارے نورِ ایمان میں ہم بھی یہ فاصلہ طے کریں۔ ان کا جواب	۵۷	۱۳
منافق پکاریں گے کیا دُنیا میں ہم تمہارے ساتھ نہ تھے۔ مسلمانوں کا جواب	۵۷	۱۴
آج ان سے اور کفار سے کوئی فدیہ قبول نہ ہو گا	۵۷	۱۵
مُنافقین گناہ، ظلم اور رسُول کی نافرمانی کے لیے سرگوشیاں کرتے ہیں حالانکہ انہیں روکا گیا ہے	۵۸	۸
منافقین کی دلی ہمدردیاں کفار کے ساتھ ہیں	۵۸	۱۴ حاشیہ
وُہ جھُوٹی قسمیں کھاتے ہیں	۵۸	۱۴
ان کے لیے شدید عذاب تیار ہے	۵۸	۱۵
اُنہوں نے قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے		
اِس طرح وُہ لوگوں کو اسلام سے روکتے ہیں	۵۸	۱۶
ان کے مال اور ان کی اولاد اُنہیں عذابِ الٰہی سے بچا نہ سکے گی	۵۸	۱۷
یہ قیامت کے دن بھی جھُوٹی قسمیں کھائیں گے	۵۸	۱۸
شیطان نے ان پر تسلط جما رکھا ہے اور یادِ خُدا سے اُنہیں غافل کر دیا ہے	۵۸	۱۹
یہی لوگ حزب الشیطان ہیں	۵۸	۱۹
منافقین نے بنی نضیر کو کہلا بھیجا کہ وُہ ہرگز مدینہ نہ چھوڑیں۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں تمہارے ساتھ مریں گے اکٹھے یہاں سے نکلیں گے	۵۹	۱۱
وُہ ہرگز ایسا نہیں کریں گے۔ وُہ پرلے درجے کے جھُوٹے اور بُزدل ہیں	۵۹	۱۲
منافقین اور یہود کی مثال ایسی ہے جیسے شیطان اور انسان	۵۹	۱۷-۱۶
منافق زبانی حضُور کی رسالت کی گواہی دیتے۔ اللہ تعالیٰ ان کی تکذیب فرماتا ہے	۶۳	۱
اپنی قسموں کو اُنہوں نے ڈھال بنا رکھا ہے	۶۳	۲
ان کے کرتوتوں کے باعث ان کے دلوں پر مُہر لگا دی گئی	۶۳	۳
ان کے ظاہر خوشنما، باتیں بڑی رسیلی۔ لیکن خود بے کار	۶۳	۴

نواہی

سرٹیفکیٹ

میں نے اس قرآن مجید کو حرفاً حرفاً نہایت غور اور امعان نظر سے پڑھا ہے اور میں تصدیق کرتا ہوں کہ اس کے متن میں کوئی کمی بیشی اور کتابت کی کوئی غلطی نہیں ہے۔

ابوالفیض محمد عبدالکریم
خطیب جامع مسجد خانقاہ ڈوگراں
ضلع شیخوپورہ

ابوالفیض محمد عبدالکریم
ابدالوی چشتی

تعارف سُورۃ النجم

نام: اس سورۂ مبارکہ کا نام النجم ہے جو اس کا پہلا کلمہ ہے۔ اس میں تین رکوع باسٹھ آیتیں، ۳۶۰ کلمے اور ۱۴۰۵ حروف ہیں۔
زمانۂ نزول: حضرات حسن بصری، عکرمہ، عطاء، جابر اور دیگر علماء کے نزدیک یہ سورۃ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس کے مدنی ہونے کا قول محض غلط ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے: ھی اول سورۃ اعلنھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بمکۃ۔ یعنی یہ پہلی سُورۃ ہے جس کو حضورؐ نے مکہ مکرمہ میں علانیہ مجمع عام میں پڑھ کر سنایا۔ جب آخری آیت کی تلاوت کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سجدہ ریز ہوئے تو سامعین پر محویت کا ایسا عالم طاری تھا کہ مومن اور مشرک سب کے سب سجدے میں گر گئے۔ ان لوگوں میں وہ کافر بھی تھے جو قرآن سننا بھی گوارا نہ کرتے تھے لیکن جب حضورؐ نے حرم شریف میں اس کی تلاوت شروع کی تو اس کے اسلوب بلیغ نے ان کو یوں وارفتہ کر دیا کہ مخالفت کے سارے منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے اور وہ اس کو سننے میں محو ہو گئے۔

سورۂ والنجم کے سال نزول کے بارے میں بعض مصنفین نے یہ لکھا ہے کہ یہ سورت نبوت کے پانچویں سال ماہ رمضان میں نازل ہوئی اسکی دلیل انہوں نے یہ بیان کی ہے کہ یہ سورت جب نازل ہوئی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حرم شریف میں مجمع عام میں اسکی تلاوت فرمائی اور جب اس کی آخری آیت تلاوت کی فاسجدوا للہ واعبدوا تو حضورؐ نے بھی سجدہ کیا اور اس محفل میں مسلمان اور کافر جتنے حاضرین تھے سب سربسجود ہو گئے۔ اس سے یہ بات عام ہو گئی کہ تمام اہل مکہ مشرف باسلام ہو گئے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ افواہ حبشہ میں ہجرت کر کے جانے والے مسلمانوں تک بھی جا پہنچی جو ماہ رجب میں ہجرت کر کے وہاں پہنچے تھے ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ چنانچہ ان میں سے بعض تو حبشہ میں ہی سکونت پذیر رہے لیکن بعض نے فیصلہ کیا کہ جب اہل مکہ مسلمان ہو گئے ہیں تو ظلم و ستم کا وہ دور ختم ہو گیا ہو گا، اس لیے جلاوطنی کی زندگی بسر کرنے کے بجائے ان کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ اپنے وطن واپس چلے جائیں چنانچہ وہ ماہ شوال میں مکہ پہنچے لیکن یہاں وہی کفر و شرک کی ظلمت چھائی ہوئی تھی اور مسلمانوں پر حسب سابق ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے۔ اب ان لوگوں کے لیے اس کے بغیر کوئی چارۂ کار نہ رہا کہ وہ مشرکین میں سے کسی کی پناہ لے کر مکہ میں داخل ہوں یا اس طرح چوری چھپے اپنے شہر میں داخل ہوں کہ کسی کافر کو ان کی واپسی کی خبر تک نہ ہو۔ اس واقعہ سے ان مصنفین نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ یہ سورۂ مبارکہ نبوت کے پانچویں سال ماہ شوال سے پہلے نازل ہو چکی تھی چنانچہ انہوں نے ماہ رمضان کو اس کے نزول کا مہینہ متعین کیا ہے لیکن اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو یہ استدلال کئی وجوہ سے ناقابل تسلیم ہے۔

اس سورت کے مضامین اس قول کی تردید کرتے ہیں کہ اس کا نزول بعثت کے پانچویں سال میں ہوا کیونکہ اس کی ابتدائی آیتوں میں معراج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تذکرہ ہے خصوصاً عند سدرۃ المنتھیٰ عندھا جنۃ الماویٰ یہ دو آیتیں اس امر پر قطعی دلالت

کرتی ہیں کہ اس سورت کے ابتدائی حصّہ میں ان احوال کا بیان ہے جو سفر معراج میں پیش آئے کیونکہ علیٰ اختلاف الروایات وہاں جبرئیل امین کا دیدار ہوا ہو یا رویت باری کا شرف حاصل ہوا ہو۔ یہ رویت بہرحال سدرۃ المنتہیٰ کے مقام پر ہوئی اور سدرۃ المنتہیٰ پر حضور کی معراج کی رات میں تشریف آوری ہوئی ہے اس سے پہلے نہیں ہوئی اور معراج کے بارے میں محدثین کا اتفاق ہے کہ یہ واقعہ ہجرت سے ایک سال یا ڈیڑھ سال قبل وقوع پذیر ہوا۔ اس لیے وہ سورت جس میں ایسا واقعہ مذکور ہے جو نبوت کے دسویں یا گیارھویں سال رونما ہوا۔ اس سورت کا نزول نبوت کے پانچویں سال میں کیونکر متصور ہو سکتا ہے۔ دوسری وجہ جو اس قول کی تردید کرتی ہے وہ یہ ہے کہ علامہ ابن ہشام نے اپنی سیرت کی شہرۂ آفاق کتاب میں مہاجرین حبشہ کے حالات کو بڑی شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ حتیٰ کہ تمام مہاجرین کے اسماء اور انکے قبائل کے نام بھی بالترتیب درج کیے ہیں۔ وہ آخر میں لکھتے ہیں: وَبَلَغَ اَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِيْنَ خَرَجُوْا اِلٰی اَرْضِ الْحَبَشَةِ اِسْلَامُ اَهْلِ مَكَّةَ فَاَقْبَلُوْا لَمَّا بَلَغَهُمْ مِنْ ذٰلِكَ حَتّٰی اِذَا دَنَوْا مِنْ مَكَّةَ بَلَغَهُمْ اَنَّ مَا كَانُوْا تَحَدَّثُوْا بِهِ مِنْ اِسْلَامِ اَهْلِ مَكَّةَ كَانَ بَاطِلًا۔ (سیرت ابن ہشام ص ۳۸۸ ج ۱)

یعنی رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وہ اصحاب جو سرزمین حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تھے، انہیں یہ اطلاع ملی کہ اہل مکہ نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ یہ سن کر وہ واپس لوٹے لیکن جب وہ مکہ کے نزدیک پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ اہل مکہ کے مسلمان ہونے کی اطلاع جھوٹی تھی۔

اس روایت میں نہ تو علامہ مذکور نے یہ ذکر کیا ہے کہ حضور نے سورہ النجم کی تلاوت کی اور اسے سن کر تمام کفار نے سجدہ کیا اس وجہ سے یہ افواہ مہاجرین حبشہ کو ملی تھی اور نہ انہوں نے مہاجرین کی واپسی کے لیے نبوت کے پانچویں سال کے ماہ شوال کو تعیین کیا ہے۔ اگر یہ روایت قابل اعتنا ہوتی تو علامہ مذکور نے جب دیگر تمام تفصیلات کا احاطہ کیا تھا وہ ان دونوں چیزوں کا تذکرہ بھی ضرور کرتے۔

اسی طرح امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں حضرت ام المومنین ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا کے واسطے سے ہجرت حبشہ کا مفصل حال نقل کیا ہے۔ اس میں بھی واپسی کے بارے میں سورہ النجم کے نزول کا کوئی ذکر نہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جب سورہ النجم نازل ہوئی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حرم شریف کے صحن میں ایک مجمع عام کے سامنے اسکی تلاوت کی اور آیت سجدہ کی تلاوت کے بعد حضور نے خود بھی سجدہ کیا اور تمام حاضرین نے جنہیں مسلمان کافر جن انس سب شامل تھے۔ اس روایت میں نہ حبشہ کے مہاجرین کی واپسی کا ذکر ہے اور نہ پانچویں سال کا تذکرہ ہے۔

امام مسلم، ابوداؤد، نسائی اور دیگر مستند محدثین نے اسی طرح کی روایات نقل کی ہیں۔ وہ روایت جس میں سورۃ النجم کی تلاوت اور تمام حاضرین کے سربسجود ہونے کے ساتھ ۵ نبوی میں مہاجرین حبشہ کی واپسی کا بھی تذکرہ ہے اس میں "تلک الغرانیق العلیٰ" والے من گھڑت اور جھوٹے قصے کا بیان بھی ہے جس کی علماء محققین نے شدومد سے تکذیب بھی کی ہے اور عقلی ونقلی دلائل سے اس کی تردید بھی کی ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمایئے سورہ حج کی آیت ۵۲ کا حاشیہ ضیاء القرآن جلد سوم صفحہ ۲۲۳ تا ۲۲۷۔

اسلیے وہ روایت قطعاً اس قابل نہیں کہ اس پر اعتماد کرتے ہوئے سورہ النجم کے نزول کے لیے نبوت کا پانچواں سال متعین کیا جائے۔

بیشک حبشہ میں یہ افواہ پھیلی تھی کہ اہل مکہ مسلمان ہو گئے ہیں لیکن اسکی وجہ یہ نہ تھی جو اس روایت میں بیان کی گئی ہے بلکہ اس کا باعث یہ امر تھا کہ انکی مکہ سے روانگی کے بعد دو ایسی ہستیاں مشرف باسلام ہو گئی تھیں، جن کی قوت، شجاعت اور ہیبت سے سارا مکہ خائف اور ترساں رہتا تھا یعنی

حضرت سیدنا حمزہ اور حضرت سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ ان کے مشرف باسلام ہونے سے مسلمانوں کی بے بسی اور بیکسی کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ اب وہ کھلے بندوں حرم کعبہ میں عبادت کیا کرتے اور باجماعت نماز ادا کرتے۔ اس خوش کن تبدیلی کے باعث یہ افواہ گرد کے قبائل میں پھیل گئی کہ اہل مکہ مسلمان ہو گئے ہیں اور یہ بات حبشہ کے مہاجرین نے بھی سنی نیز حبشہ میں بھی خانہ جنگی کے شعلے بھڑکنے لگے تھے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے خلاف آئے روز بغاوتیں شروع ہو گئی تھیں۔ ان وجوہات کے باعث مسلمانوں نے مکہ واپس آنے کا عزم کیا۔ لیکن جب وہ مکہ پہنچے، تو یہاں حالات ان کی توقعات کے بالکل برعکس تھے اس لیے ان میں سے جو وہاں کسی کی پناہ لیکر آرام کی زندگی بسر کر سکتے تھے وہ وہیں رک گئے اور اکثر حبشہ واپس چلے گئے۔ شیخ محمد ابو زہرہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سیرت کی کتاب خاتم النبیین میں اس افواہ کی ایک اور وجہ بھی تحریر کی ہے جو قرین قیاس ہے کہ عمرو بن عاص جب نجاشی کو اس بات پر برانگیختہ کرنے میں ناکام رہے کہ وہ مسلمانوں کو حبشہ سے نکل جانے کا حکم دیدے تو انہیں اپنی یہ ناکامی بہت گراں گزری۔ انہوں نے یہ چال چلی کہ اس خبر کو حبشہ میں اپنے کارندوں کے ذریعے مشہور کر دیا کہ اہل مکہ مسلمان ہو گئے ہیں۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح مسلمان خود بخود اپنے وطن واپس چلے آئیں گے اور ہم ان کو دبوچ لیں گے اور ظلم و ستم سے جس طرح چاہیں گے ان کا کچومر نکال دیں گے۔

بہرحال اس افواہ کے مشہور ہونے کی کوئی اور وجہ تو ہو سکتی ہے لیکن یہ وجہ ہرگز نہیں ہو سکتی جو اس روایت پر اعتماد کرنے والے مصنفین نے ذکر کی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

مضامین: اس سورت میں سب سے پہلے ان الزامات کی تردید کی گئی ہے جو کفار سر عالم پر عائد کیا کرتے تھے کبھی کہتے یہ راہ راست سے بھٹک گئے ہیں بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں اپنی ساری قوم کی تکذیب کرتے ہیں اور جو کلام یہ پڑھ کر سناتے ہیں اسے خود گھڑ کر لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ پہلی آیتوں میں قسم اٹھا کر ان الزامات کی تردید فرما دی۔ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ... الخ۔ ساتھ ہی یہ بتا دیا کہ نہ یہ خود ان آیتوں کو گھڑتے ہیں اور نہ سنی سنائی باتیں کرتے ہیں بلکہ جو ذات انہیں یہ کلام بلاغت نظام سکھاتی ہے اسکا انہوں نے دیدار بھی کیا ہے۔ بات شنید تک محدود نہیں بلکہ دید تک جا پہنچی ہے اسلیے کفار کا اس کلام کے بارے میں شک معقولیت سے کوسوں دور ہے۔ اس کے بعد کفار کو خطاب فرمایا کہ جن معبودانِ باطل کو تم پوجتے ہو ان کی حقیقت بس اتنی ہے کہ تم نے اپنی کج فہمی سے چند نام گھڑ رکھے ہیں جن کی بنیاد وہم و گمان کے سوا کچھ نہیں ان کی حقانیت ثابت کرنے کیلئے نہ تمہارے پاس کوئی عقلی دلیل ہے اور نہ نقلی دلیل ہے۔ تم اپنے نفس کی خواہشات سے اس قدر مغلوب ہو کہ تمہارا نفس جو کہتا ہے اسی کو حق یقین کر لیتے ہو تم نے کبھی ان باتوں میں چھان بین کی ضرورت محسوس ہی نہیں کی تم خود سوچو کیا ظن و تخمین میں اتنی طاقت ہے کہ وہ ٹھوس حقائق کو بدل ڈالیں؟ تمہارے کہنے سے نہ حق باطل بن جائیگا اور نہ تمہارے انکار سے حق مٹ جائیگا۔ تمہاری سلامتی اسی میں ہے کہ تم نفس کی اندھی پیروی کو ترک کر دو اور چشم حقیقت شناس سے حق کے رُخِ زیبا کو دیکھو اور پہچانو۔

اس کے باوجود کفار اپنے آپ کو ہدایت یافتہ یقین کرتے تھے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ جو لوگ ان کے راستے سے ہٹ گئے ہیں وہ گمراہ ہیں۔ بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ اس حقیقت کو بہتر جانتا ہے کہ کون کس حال میں ہے؟ کون گم کردہ راہ ہے؟ اور کس کے دل کو نورِ ہدایت سے منور کر دیا گیا ہے؟

بعد ازاں چند ایسے احکام کا ذکر کر دیا جو قرآن کریم کے نزول سے ہزاروں سال پہلے نازل ہونے والے صحیفوں میں مندرج تھے جو حضرت ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام پر نازل ہوئے تاکہ اہل مکہ جنہیں ابراہیمی نسبت پر فخر و ناز ہے انہیں معلوم ہو جائے کہ نبی کریم کوئی نیا دین اور زندگی کے لیے کوئی انوکھا نظام لے کر نہیں آئے بلکہ یہ انہی سچائیوں کی دعوت دے رہے ہیں جن کی دعوت پہلے انبیاء دیتے رہے ہیں خصوصاً حضرت ابراہیم خلیل اللہ جن کی تم اولاد ہو، جن کے تعمیر کردہ کعبے کی مجاوری کے باعث تم جہاں جاتے ہو لوگ فرطِ عقیدت سے تمہاری راہ میں آنکھیں بچھاتے ہیں۔

آخر میں تنبیہ فرمادی کہ ان سچائیوں کا انکار کرنے والے تم پہلے لوگ نہیں ہو۔ تم سے پیشتر بھی کئی بدنصیب قوموں نے ان کو ماننے سے انکار کیا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ تباہ کر دی گئیں۔ اگر تمہارا بھی یہی وتیرہ رہا تو سن لو اس کا نتیجہ بھی مختلف نہ ہوگا۔ اس نصیحت پر اس سورت کا اختتام ہو رہا ہے کہ اے مکہ کے باشندو! کلام الٰہی سن کر تم غرور و نخوت سے اکڑتے ہوئے بڑی بے پروائی سے گزر جاتے ہو۔ یہ مہلت کی گھڑیاں ختم ہونے والی ہیں۔ پھر واویلا کرنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ تمہاری نجات اسی میں ہے کہ تمام معبودان باطل سے رشتہ توڑ کر اپنے حقیقی خالق اور سچے معبود کی عبادت میں مصروف ہو جاؤ۔

سُورَةُ النَّجْمِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اثْنَتَانِ وَسِتُّونَ آيَةً وَثَلَاثُ رُكُوعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ النجم مکی ہے اس میں ۶۲ آیات اور تین رکوع ہیں
اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ﴿۱﴾ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ﴿۲﴾ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ

قسم ہے اس روشن ستارے کی جب وہ نیچے اترے [1] نہیں بھٹکا تمہارا (زندگی بھر کا) ساتھی نہ راہِ حق سے بھٹکا اور نہ بہکا [2] اور وہ تو بولتا ہی نہیں اپنی

[1] آیت کے الفاظ کا مفہوم پہلے ذہن نشین کر لیجیے۔ نجم: مطلق ستارہ کو بھی کہتے ہیں اور النجم ذکر کر کے اس سے ثریا (پروین) مراد لینا بھی اہلِ عرب میں عام مروج ہے۔ یہاں دونوں معنے لیے جا سکتے ہیں۔ ھَوٰی: یہ مادہ دو بابوں میں مستعمل ہوتا ہے: باب عَلِمَ یَعْلَمُ: ھَوِیَ یَھْوٰی۔ اس وقت اس کا معنی محبت کرنا ہوتا ہے۔ ھَوَاہُ: اَحَبَّہٗ۔ دوسرا باب ضَرَبَ یَضْرِبُ: ھَوٰی یَھْوِیْ جیسے یہاں مذکور ہے۔ اس صورت میں یہ دو متضاد معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ نیچے گرنا اور بلند ہونا۔ چنانچہ ھوی الشیئ: سقط من علو الی اسفل۔ ارتفع وصعد۔ جب کوئی چیز اوپر سے نیچے گرے تب بھی کہتے ہیں ھوی الشیئ اور جب کوئی چیز پستی سے بلندی کی طرف جائے اس وقت بھی کہتے ہیں ھوی الشیئ۔ البتہ مصدر دونوں حالتوں میں الگ الگ ہوگا۔ نیچے گرنے کے معنی میں ہو تو کہیں گے ھَوٰی یَھْوِیْ ھُوِیًّا اور بلند ہونے کے معنی میں ہو تو کہیں گے ھَوٰی یَھْوِیْ ھَوِیًّا۔

ستارہ رات کے اندھیرے میں روشنی بھی بہم پہنچاتا ہے۔ فضا کو بھی اپنی تابناکی سے حسن و زینت بخشتا ہے۔ لق و دق صحراؤں میں مسافر ستاروں ہی سے اپنی منزل کی سمت کا تعین کرتے ہیں۔ ستارہ جب آسمان کے وسط میں ہو تو اس وقت وہ راہنمائی نہیں کر سکتا اس لیے صرف النجم کی قسم نہیں اٹھائی، بلکہ اس کی خاص حالت کی جب وہ طلوع ہو رہا ہو یا ڈھل رہا ہو، کیونکر رہنمائی کا فائدہ اسی وقت حاصل ہوتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ھو النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وھُوِیُّہٗ نزولہٗ من السماء لیلۃ المعراج ویجوز علی ھذا ان یراد بھوا صعودہ وعروجہ علیہ الصلوٰۃ والسلام الی منقطع الاین۔ (روح المعانی)

یعنی النجم سے مراد ذاتِ پاک مصطفٰی علیہ اطیب التحیۃ والثناء ہے۔ اِذَا ھَوٰی سے مراد حضور کا شب معراج آسمان سے واپس زمین پر نزول فرمانا ہے۔ اس کے بعد آلوسی فرماتے ہیں کہ اذا ھوٰی سے یہ مراد لینا بھی جائز ہے کہ حضور کا شب معراج وہاں تک عروج کرنا جہاں مکان کی سرحدیں ختم ہو جاتی ہیں۔

قرآن کریم کی وہ مقدار جو ایک مرتبہ نازل ہو اس کو بھی نجم کہتے ہیں۔ بعض علماء نے یہاں النجم سے بھی قرآن کریم کا نازل شدہ حصہ مراد لیا ہے۔ قیل اراد بذالک القرآن المُنَجَّم المنزل قدرًا فقدرًا۔

یہاں النجم مقسم بہ ہے۔ اس کا جو معنی لیا جائے وہاں خاص مناسبت پائی جاتی ہے جو اہلِ نظر پر عیاں ہے۔

[2] یہ جوابِ قسم ہے۔ آیت کے کلمات کی تحقیق پہلے سماعت فرمائیے۔ آیت میں صاحبکم سے مراد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

الْهَوٰى ۝۳ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰى ۝۴ عَلَّمَهٗ شَدِیْدُ الْقُوٰى ۝۵ ذُوْ مِرَّةٍ

خواہش سے ۳ نہیں ہے یہ مگر وحی جو ان کی طرف کی جاتی ہے ۴ انہیں سکھایا ہے زبردست قوتوں والے نے ۵ بڑے دانا نے ۶

کی ذات بابرکات ہے۔ صاحب کا معنی سید اور مالک بھی ہے۔ کہتے ہیں صاحب البیت، گھر کا مالک اور اس کا معنی ساتھی اور رفیق بھی ہے لیکن صرف ایسے ساتھی کو صاحب کہا جاتا ہے جس کی رفاقت اور سنگت کثرت ہو ولا یقال فی العرف الا لمن کثرت ملازمته (مفردات) علامہ راغب ضلال کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: الضلال: العدول عن الطریق المستقیم ویضاده الهدایة ویقال الضلال لکل عدول عن المنهج عمداً کان او سهواً یسیراً کان او کثیراً (مفردات) سیدھے راستے سے روگردانی کو ضلال کہتے ہیں۔ اس کی ضد ہدایت ہے۔ بعض نے مزید تشریح کی ہے کہ راستے سے روگردانی دانستہ ہو یا بھول کر، تھوڑی ہو یا زیادہ ہو اس کو ضلال کہتے ہیں اور فاضل موصوف غوی کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: الغی جهل من اعتقاد فاسد۔ (مفردات) یعنی وہ جہالت جو باطل عقیدہ کی وجہ سے ہو۔ علامہ اسمٰعیل حقی لکھتے ہیں: الغوایة هی الخطاء فی الاعتقاد خاصة والضلال اعم منها یتناول الخطاء فی الاقوال والافعال والاخلاق والعقائد۔ (روح البیان) عقائد کی غلطی کو غوایۃ کہتے ہیں اور ضلال عام ہے۔ یہ اقوال، افعال، اخلاق اور عقائد کی غلطی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

حضور رحمت عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب توحید کی دعوت کا آغاز کیا اور اہل مکہ کو کفر و شرک سے باز آنے کی تبلیغ شروع کی تو اہل مکہ نے کہنا شروع کیا کہ آپ گمراہ ہو گئے ہیں، اپنی قوم کا راستہ چھوڑ دیا ہے، ان کا عقیدہ بگڑ گیا ہے۔ خالق ارض و سما نے پہلے قسم کھائی پھر ان کے الزام کی تردید کی۔ فرمایا ان کے قول، عمل اور کردار میں گمراہی کا نام و نشان تک نہیں۔ ان کے عقیدہ میں کوئی غلطی اور کجی نہیں اور صاحبکم فرما کر اپنے حبیب کی کتاب حیات کھول کر ان کے سامنے رکھ دی یعنی یہ کوئی اجنبی نہیں جو دیار غیر سے آ کر یہاں فروکش ہو گئے ہیں اور نبوت کا دعویٰ شروع کر دیا ہے۔ تم ان کے ماضی سے، ان کے خاندانی پس منظر سے، ان کے اطوار و احوال سے اور سیرت و کردار سے اچھی طرح واقف ہو۔ ان کا بچپن تمہارے سامنے گزرا۔ ان کا عہد شباب اسی ماحول میں اور تمہارے اس شہر میں بسر ہوا۔ انہوں نے تمہارے ساتھ اور تمہارے سامنے کاروبار بھی کیا ہے۔ سماجی، قومی اور ملکی مسائل میں ان کی فراست کے تم چشم دید گواہ ہو۔ ان کی کتاب زیست کا کون سا باب ہے جو تم سے پوشیدہ ہے، کون سا ورق ہے جو تم سے مخفی ہے۔ جب ان کی ساری زندگی شبنم کی طرح پاکیزہ، پھول کی طرح شگفتہ اور آفتاب کی طرح بے داغ ہے تو تمہیں ان پر ضلالت و غوایت کے الزام لگاتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ کتنا بارعب، حسین اور مدلل انداز بیان ہے۔

نیز اس آیت سے وَوَجَدَكَ ضَالًّا کا مفہوم بھی واضح ہو گیا کہ اس آیت میں ضال کا معنی گمراہ نہیں بلکہ کسی کی محبت میں سرگرداں اور حیران ہونا ہے جو اس لفظ کا دوسرا معنی ہے۔ تحقیق سورۃ الضحیٰ میں ملاحظہ فرمایئے۔

۳؎ پہلی آیت کی مزید تاکید کی جا رہی ہے یعنی کوئی غلط قدم اٹھانا، کسی باطل عقیدہ کو اپنانا تو بڑی دور کی بات ہے ان کا تو یہ عالم ہے کہ وہ خواہش نفس سے لبوں کو جنبش بھی نہیں دیتے۔ ان کی زبان پر کوئی ایسی بات آتی ہی نہیں جس کا محرک ان کی ذاتی خواہشات ہوں۔

۴؎ هُوَ کا مرجع قرآن کریم ہے۔ یہ آیت ایک سوال کا جواب ہے۔ جب وہ اپنی خواہش سے بولتے ہی نہیں تو پھر جو کلام یہ لوگوں کو پڑھ کر سناتے ہیں یہ کیا ہے؟ اس کا جواب دیا یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کیا جاتا ہے اور جیسے وحی نازل ہوتی ہے بعینہٖ وہ اسی

طرح لوگوں کو پڑھ کر سنا دیتے ہیں، اس میں سر مو ردّو بدل ناممکن ہے۔

بعض علماء کی رائے ہے کہ ھُوَ کا مرجع صرف قرآن کریم نہیں، بلکہ قرآن کریم اور جوبات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان فیض ترجمان سے نکلتی ہے، وہ سب وحی ہے۔ وحی کی دو قسمیں ہیں: جب معانی اور کلمات سب منزل من اللہ ہوں تو اسے وحی جلی کہتے ہیں جو قرآن کریم کی شکل میں ہمارے پاس موجود ہے اور جب معانی کا نزول تو من جانب اللہ ہو لیکن ان کو الفاظ کا جامہ حضور نے خود پہنایا ہو تو اسے وحی خفی یا وحی غیر متلو کہا جاتا ہے جیسے احادیث طیبہ۔ بعض علماء نے ان آیات کے پیش نظر حضور کے اجتہاد کا انکار کیا ہے یعنی حضور کوئی بات اپنے اجتہاد سے نہیں کہتے، بلکہ جو ارشاد ہوتا ہے وہ وحی الٰہی کے مطابق ہوتا ہے لیکن جمہور فقہاء نے حضور کے اجتہاد کو تسلیم کیا ہے اور ساتھ ہی تصریح فرمائی ہے کہ یہ اجتہاد بھی باذن اللہ ہوا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ خود ہی اس اجتہاد کی پاسبانی کرتا ہے۔ حضور جو بات بذریعہ اجتہاد فرماتے ہیں وہ بھی عین منشاء خداوندی ہوا کرتی ہے۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں: ان اللہ اذا سوغ لہ علیہ الصلوٰۃ والسلام الاجتھاد کان الاجتھاد وما یستند الیہ وحیاً لا نطقاً عن الھویٰ (روح المعانی)

کتب احادیث میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کا یہ واقعہ منقول ہے وہ کہتے ہیں میرا یہ دستور تھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے جو کچھ سنتا، وہ لکھ لیا کرتا۔ قریش کے بعض احباب نے مجھے اس سے منع کیا اور کہنے لگے تم حضور کا ہر قول لکھ لیا کرتے ہو، حالانکہ حضور انسان ہیں، کبھی غصے میں بھی کوئی بات فرمایا کرتے ہیں، چنانچہ میں نے لکھنا بند کر دیا۔ بعد میں اس کا ذکر بارگاہ رسالت میں ہوا اور میں نے سلسلۂ کتابت بند کرنے کی وجہ بیان کی، تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اُكْتُبْ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ مَا خَرَجَ مِنِّي اِلَّا الْحَقُّ. اے عبداللہ! تم میری ہر بات کو لکھ لیا کرو۔ اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے، میری زبان سے کبھی کوئی بات حق کے سوا نہیں نکلی۔ اس مسئلے پر مزید تحقیق کے لیے ملاحظہ فرمائیے فقیر کی تصنیف سنّتِ خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

ث اس آیت سے لے کر لقد رأی من آیات ربہ الکبریٰ تک کی تفسیر میں علمائے کرام میں اختلاف ہے۔ ایسی روایات موجود ہیں جن سے صراحۃً پتہ چلتا ہے کہ عہد صحابہ میں بھی ان آیات کے بارے میں اختلاف موجود تھا۔ جہاں تک آیات کی نصوص کا تعلق ہے ان سے دونوں مفہوم اخذ کیے جا سکتے ہیں اور کوئی ایسی حدیث مرفوع بھی موجود نہیں جو ان آیات کے مفہوم کو متعین کر دے، ورنہ ایسے ارشاد نبوی کی موجودگی میں ایسا اختلاف سرے سے رونما ہی نہ ہوتا۔ اسی طرح بعد میں آنے والے علمائے کرام ان آیات کے بارے میں دو گروہوں میں منقسم ہیں۔ اپنی دیانتدارانہ تحقیق کی روشنی میں ہمیں یہ حق تو پہنچتا ہے کہ ان دو قولوں میں سے کوئی ایک قول اختیار کر لیں لیکن ہمیں یہ حق ہرگز نہیں کہ دوسرے قول کے قائلین کے بارے میں کسی بدگمانی کا شکار ہوں۔

یہ بندۂ حقیر پہلے عام مفسرین کی رائے کے مطابق ان آیات کی تشریح پیش کرے گا اور اس کے بعد دوسرے مکتب فکر کی تحقیق پیش کی جائے گی۔ قارئین کرام اس کے بعد خود فیصلہ کر لیں کہ کس فریق کا قول زیادہ قرین صواب ہے۔

عام مفسرین کے نزدیک شدید القویٰ سے مراد حضرت جبرئیل ہیں یعنی جبرئیل امین نے حضور کو قرآن کریم سکھایا۔ جبرئیل کے شدید القویٰ ہونے میں کسی کو کیسے شک ہو سکتا ہے جو چشم زدن میں سدرۃ المنتہیٰ سے فرش زمین پر پہنچ جائے، جو وحی کے بار گراں کا متحمل ہو، جس نے لوط کی بستیوں کو جڑ سے اکھیڑا، پھر انہیں آسمان کی بلندیوں تک اٹھایا، پھر انہیں اوندھا کر کے پھینک دیا۔ ایسی ہستی کی قوت و طاقت کا کیا کہنا۔

فَاسْتَوٰى ۝٦ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۝٧ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝٨ فَكَانَ قَابَ

پھر اس نے (بلندیوں کا) قصد کیا ؎ اور وہ سب سے اونچے کنارہ پر تھا ؎ پھر وہ قریب ہوا اور قریب ہوا ؎ یہاں تک کہ صرف دو کمانوں کے برابر فاصلہ

؎۶ مِرَّة: اصل میں رسی کو بٹنے اور بل دے کر پختہ اور مضبوط بنانے کو کہتے ہیں۔ اصله من شدة فتل الحبل (قرطبی) اسی لیے ذو مرہ کا معنی ذو قوۃ یعنی طاقتور اور زور آور کیا گیا ہے۔ یہ لفظ جسمانی اور ذہنی دونوں قوتوں کے لیے استعمال ہوتا ہے اس لیے حکیم اور دانا کو بھی ذو مرۃ کہتے ہیں۔ وقال قطرب: تقول العرب لكل جزل الرأي حصيف العقل ذو مرة۔ (قرطبی)

شدید القوٰی سے حضرت جبرئیل کی جسمانی قوتوں کا بیان ہے اور ذُو مِرَّة سے ان کی دانشمندی اور عقلمندی کا ذکر ہے۔ بیشک جو ہستی تمام انبیائے کرام کی طرف اللہ تعالیٰ کی وحی لے کر نازل ہوتی رہی اور پوری دیانت داری سے اس امانت کو ادا کرتی رہی اس کی دانشمندی اور فرزانگی کے بارے میں کیسے شک ہو سکتا ہے۔

؎۷ فاستوٰی کا فاعل بھی جبرئیل امین ہیں۔ مطلب یہ ہے فاستقام على صورته الحقيقية التي خلقه الله تعالى عليها۔ یعنی جبرئیل امین اپنی حقیقی شکل میں نمودار ہوئے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ اپنی اصلی شکل میں ظاہر ہو کر پیش ہوں۔ اوائل نبوت کا زمانہ ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام غارِ حرا کے باہر تشریف فرما ہیں مشرقی افق پر جبرئیل اپنے چھ سو پروں سمیت نمودار ہوئے۔ آپ کے وجود سے آسمان کے شرقی غربی کنارے بھر گئے۔ حالانکہ ابھی آپ نے اپنے چھ سو پروں سے صرف دو پر ہی پھیلائے تھے۔ انبیائے کرام میں سے صرف حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہی جبرئیل کو اپنی اصلی شکل میں دیکھا۔

فاستوٰی کا ایک اور مطلب بھی ذکر کیا گیا ہے۔ ای فاستوى القرآن في صدره۔ یعنی جو قرآن جبرئیل نے آپ کو سکھایا وہ آپ کے سینہ مبارک میں قرار پکڑ گیا۔ اب اس کے بھول جانے کا کوئی امکان نہیں۔

؎۸ هُوَ کا مرجع بھی جبرئیل امین ہیں۔ اُفُق اس کنارے کو کہتے ہیں جہاں آسمان و زمین آپس میں ملتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ اَعْلٰى: بلند ترین۔ آیت کا مطلب یہ ہوا کہ جبرئیل آسمان کے شرقی کنارے پر جہاں سے سورج طلوع ہوتا ہے اپنی اصلی شکل میں نمودار ہوئے۔

؎۹ دَنٰی اور فَتَدَلّٰی دونوں فعلوں کا فاعل بھی جبرئیل امین ہیں۔ دَنٰی کا معنی ہے قریب ہونا اور تَدَلّٰی کا معنی کسی بلند چیز کا نیچے کی طرف اس طرح لٹکنا کہ اس کا تعلق اپنی اصلی جگہ سے بھی قائم رہے۔ جب ڈول کو کنوئیں میں لٹکایا جائے اور اس کی رسی لٹکانے والے نے پکڑی بھی ہو تو کہتے ہیں اَدْلٰى دَلْوًا۔ اسی طرح پھلوں کے وہ گچھے جو شاخوں سے لٹک رہے ہوتے ہیں ان کو بھی دوالی کہتے ہیں۔ الدوالي: الثمر المعلق كعناقيد العنب۔ جو شخص پلنگ پر بیٹھا ہو اور اپنی ٹانگیں لٹکائے ہو اس کے بارے میں بھی کہتے ہیں: دَلّٰى رِجْلَيْهِ مِنَ السَّرِيْرِ۔ (روح المعانی)

علامہ قرطبی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اصل التدلي: النزول الى الشيء حتى يقرب منه۔ اس صورت میں آیت

قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ﴿۹﴾ فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ﴿۱۰﴾ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ

اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا ۱۰؎ پس وحی کی اللہ نے اپنے محبوب بندے کی طرف جو وحی کی ۱۱؎ نہ جھٹلایا دل نے جو دیکھا

مَا رَاٰى ﴿۱۱﴾ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ﴿۱۲﴾ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ﴿۱۳﴾

(چشم مصطفےٰ) نے ۱۲؎ کیا تم جھگڑتے ہو ان سے اس پر جو انہوں نے دیکھا ۱۳؎ اور انہوں نے تو اسے دوبارہ بھی دیکھا ۱۴؎

کا مفہوم ہوگا کہ جبرئیل جو اپنی اصلی شکل میں اپنے چھ سو پروں سمیت شرقی افق پر نمودار ہوئے تھے' وہ حضور کے نزدیک آئے اور افق کی بلندیوں سے نزول کر کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بالکل قریب ہو گئے۔

۱۰؎ جبرئیل امین رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کس قدر قریب ہوئے' اس کو اس آیت میں بیان فرمایا جا رہا ہے۔ قاب کا معنی مقدار اور اندازہ ہے۔ قوسین' قوس (کمان) کا تثنیہ ہے۔ نہایت قرب کو بیان کرنے کے لیے اہل عرب یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عہد جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ دو قبیلوں کے سردار جب اپنی باہمی دوستی کا اعلان کرنا چاہتے' تو وہ اپنی اپنی کمانوں کو ملا دیتے۔ یکجا شدہ کمانوں میں ایک تیر رکھ کر دونوں سردار اس کو چھوڑتے۔ یہ گویا اس بات کا اعلان ہوتا کہ یہ دونوں سردار متحد و متفق ہو گئے ہیں۔ ان میں سے کسی پر بھی کسی نے حملہ کیا یا زیادتی کی تو دونوں مل کر اس کے مقابلے میں سینہ سپر ہوں گے۔

بعد میں یہ الفاظ کامل یگانگت اور اتحاد کو ظاہر کرنے کے لیے استعمال کیے جانے لگے۔

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جبرئیل رسول کریم کے بالکل نزدیک آ گئے جس طرح دو ملی ہوئی کمانیں ایک دوسرے کے نزدیک ہوتی ہیں۔ او ادنیٰ کہہ کر مزید قرب کی طرف اشارہ کر دیا کہ دو کمانوں میں تو پھر بھی کچھ نہ کچھ فاصلہ اور مغائرت باقی رہتی ہے' یہاں تو اس سے بھی زیادہ قرب تھا۔ آیت میں اَوْ تشکیک کے لیے نہیں' بلکہ بَلْ کے معنی میں استعمال ہوا ہے جس طرح وارسلنا الی مائۃ الف او یزیدون یعنی بل یزیدون (مظہری)

۱۱؎ اَوْحیٰ کا فاعل بھی جبرئیل ہے۔ عبدہ کی ضمیر کا مرجع بالاتفاق اللہ تعالیٰ ہے' یعنی جبرئیل امین نے اللہ تعالیٰ کے بندے کی طرف وحی کی جو وحی کی۔ بعض نے پہلے اَوْحیٰ کا فاعل جبرئیل اور دوسرے اَوْحیٰ کا فاعل اللہ تعالیٰ کو قرار دیا ہے۔ اس وقت آیت کا ترجمہ ہوگا جبرئیل نے اللہ تعالیٰ کے بندے کو وحی کی جو اللہ تعالیٰ نے جبرئیل پر وحی کی تھی۔

۱۲؎ یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب جبرئیل امین کو ان کی اصلی شکل میں اپنی ان آنکھوں سے دیکھا تو دل نے اس کی تصدیق کی کہ آنکھیں جو کچھ دیکھ رہی ہیں یہ ایک حقیقت ہے۔ واقعی یہ جبرئیل ہے جو اپنی اصلی صورت میں نظر آ رہا ہے۔ یہ نظر کا فریب نہیں' نگاہوں نے دھوکا نہیں کھایا کہ حقیقت کچھ اور ہو اور نظر کچھ اور آ رہا ہو۔ ہر شخص کو کبھی نہ کبھی اس صورت حال سے ضرور واسطہ پڑا ہوگا کہ آنکھوں کو تو کچھ نظر آ رہا ہے لیکن دل اس کو ماننے کے لیے تیار نہیں۔ فرمایا جا رہا ہے کہ یہاں ایسی صورت حال نہیں ہے۔ آنکھیں جبرئیل کو دیکھ رہی ہیں اور دل تصدیق کر رہا ہے کہ واقعی یہ جبرئیل ہے۔ دل کو یہ عرفان اور ایقان کیونکر حاصل ہوتا ہے؟ اللہ تعالیٰ

عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ﴿۱۴﴾ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوٰى ﴿۱۵﴾ اِذْ يَغْشَى

سدرة المنتہٰی کے پاس ۱۵ اس کے پاس ہی جنت الماویٰ ہے ۱۶ جب سدرہ پر

السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ﴿۱۶﴾ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ﴿۱۷﴾ لَقَدْ رَاٰى مِنْ

چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا ۱۷ نہ درماندہ ہوئی چشم (مصطفیٰ) اور نہ (حد ادب سے) آگے بڑھی ۱۸ یقیناً انہوں نے اپنے

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو شیطان کی وسوسہ اندازیوں اور نفسانی شکوک و شبہات سے بالکل محفوظ رکھتا ہے۔ جس طرح ان کو منجانب اللہ اپنی نبوت پر یقین محکم ہوتا ہے، اس بارے میں انہیں قطعاً کوئی تردد نہیں ہوتا، اسی طرح ان پر جو وحی اتاری جاتی ہے، جو فرشتے ان کی طرف بھیجے جاتے ہیں، جن انوار و تجلیات کا انہیں مشاہدہ کرایا جاتا ہے، ان کے بارے میں انہیں ذرا تردد نہیں ہوتا۔ یہ علم اور یقین اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں عطا کیا جاتا ہے۔ اسی طرح کا یقین حسب مراتب انسانوں بلکہ حیوانات کو بھی مرحمت ہوتا ہے۔ ہمیں اپنے انسان ہونے کے بارے میں قطعاً کوئی تردد نہیں۔ بطخ کے بچے کو انڈے سے نکلتے ہی یہ عرفان بخشا جاتا ہے کہ وہ پانی میں تیر سکتا ہے، چنانچہ وہ بلا تامل پانی میں کود جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

۱۳ تمارون: المراء سے ماخوذ ہے۔ اس کا معنی ہے جھگڑنا، بحث و تکرار کرنا۔ من المراء وھو المجادلۃ۔ یعنی اے کفار! تم میرے رسول سے اس بات پر جھگڑتے ہو جس کا مشاہدہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے کیا ہے۔ یہ تمہاری سراسر زیادتی ہے۔

۱۴ تم تو اس بات پر جھگڑ رہے ہو کہ میرے رسول نے جبرئیل کو ایک بار بھی دیکھا ہے یا نہیں، حالانکہ انہوں نے جبرئیل کو دوسری مرتبہ بھی دیکھا ہے۔

۱۵ دوسری بار دیکھنے کی جگہ کا ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ دوسری دید سدرۃ المنتہیٰ کے قریب ہوئی۔ سدرۃ: عربی میں بیری کے درخت کو کہتے ہیں۔ منتہیٰ: آخری کنارہ، آخری سرحد۔ اس کا لفظی ترجمہ یہ ہوگا کہ بیری کا وہ درخت جو مادی جہاں کی آخری سرحد پر ہے۔ اس کے بارے میں کتاب و سنت میں جو کچھ ہے، ہم اس کو بلا تامل تسلیم کرتے ہیں، البتہ وہ درخت کیسا ہے؟ اس کی حقیقت کیا ہے؟ اس کی شاخوں، پتوں اور پھلوں کی نوعیت کیا ہے؟ ہمیں ان کی ماہیت معلوم نہیں اور نہ ان کی ماہیت جاننے میں ہمارا کوئی دنیوی اور اخروی مفاد ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ اس حقیقت کو خود بیان فرما دیتا۔ یہ ان اسرار میں سے ہے جنہیں اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی جانتا ہے۔

۱۶ ماویٰ: اسم ظرف ہے۔ اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں انسان قرار کرتا ہے، آرام کرتا ہے۔ اس جنت کو جنت الماویٰ کیوں کہا گیا ہے، علمائے کرام نے اس کی متعدد توجیہیں ذکر کی ہیں۔ شہداء کی روحیں یہاں تشریف فرما ہیں۔ جبرئیل اور دیگر ملائکہ کی یہ رہائش گاہ ہے۔ پرہیزگار اہل ایمان کی روحیں یہاں ٹھہرتی ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

۱۷ یعنی جن انوار و تجلیات کے ہجوم نے سدرہ کو ڈھانپ لیا، ان کو بیان کرنے کے لیے نہ کسی لغت میں کوئی لفظ موجود ہے اور نہ اس کی حقیقت کو سمجھنے کی کسی میں طاقت ہے۔ یہ جس طرح ذکر و بیان سے ماوراء ہے، اسی طرح فہم و ادراک کی رسائی سے بھی بالاتر

ہے۔ اس دلآویز منظر کی تصویر کشی اس کے بغیر ممکن نہیں کہ یہ کہہ دیا جائے اِذۡ یَغۡشَی السِّدۡرَۃَ مَا یَغۡشٰی۔

۱۸ علامہ جوہری نے زاغ کے دو معنی لکھے ہیں۔ الزیغ: المیل وقد زاغ یزیغ وزاغ البصر ای کل (صحاح) یعنی کسی چیز کا دائیں یا بائیں مڑ جانا، اِدھر اُدھر ہو جانا۔ اس کو بھی زیغ کہتے ہیں۔ اس معنی کے مطابق آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ سرور عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نگاہ اپنے مقصود کی دید میں محو رہی۔ اِدھر اُدھر، دائیں بائیں کسی چیز کی طرف مائل نہیں ہوئی۔ دوسرا معنی ہے نگاہ کا درماندہ ہو جانا۔ جیسے دوپہر کے وقت انسان سورج کو دیکھنے کی کوشش کرے تو آنکھ سورج کی روشنی کی تاب نہیں لا سکتی اور چندھیا جاتی ہے۔ فرمایا میرے محبوب کی آنکھیں ان انوار کی چمک دمک سے خیرہ ہو کر چندھیا نہیں گئیں، درماندہ ہو کر بند نہیں ہو گئیں، بلکہ جی بھر کر ان کا دیدار کیا۔

وما طغٰی سے اپنے حبیب کی چشم پاک کی دوسری شان بیان کی گئی ہے۔ طغی کہتے ہیں حد سے تجاوز کر جانا۔ طغی یطغی ویطغو ای جاوز الحد (صحاح)

یہاں تک ہم نے ایک کتب فکر کے مطابق ان آیات کی تشریح کی ہے۔ اس ضمن میں الفاظ کی لغوی تحقیق بھی کافی حد تک کر دی گئی ہے۔ ان کے اعادے کی چنداں ضرورت نہیں پڑے گی۔

دوسرے کتب فکر کے علمائے اعلام کے سرخیل امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان حضرات نے ان آیات کی جو تفسیر بیان کی ہے اس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

علّمہ کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔ شدید القوٰی اور ذو مرۃ اللہ تعالیٰ کی صفتیں ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ جو زبردست قوتوں والا ہے اس نے اپنے نبی کریم کو قرآن کریم کی تعلیم دی۔ جس طرح الرحمٰن علم القرآن میں صراحۃً مذکور ہے۔

فاستوٰی کا فاعل نبی کریم ہیں۔ یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قصد فرمایا جب کہ آپ سفر معراج میں افق اعلیٰ پر تشریف فرما ہوئے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکان کی سرحدوں کو پار کرتے ہوئے لامکاں میں رب العزت کے قریب ہوئے اور وہاں فائز ہو کر فتدلّٰی (سجدہ ریز ہو گئے) پس اتنے قریب ہوئے جتنا دو کمانیں قریب ہوتی ہیں جب انہیں ملایا جاتا ہے بلکہ ان سے بھی زیادہ قریب۔ اس حالت قرب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندے پر وحی فرمائی جو وحی فرمائی۔ اس حریم ناز میں صفاتی تجلیات اور ذاتی انوار کا جو مشاہدہ بے تاب نگاہوں نے کیا، دل نے اس کی تصدیق کی اور تمہارا یہ جھگڑا کہ یہ دیکھا وہ نہیں دیکھا، محض بے سود ہے۔ دکھلانے والے نے جو دکھانا تھا، دکھا دیا۔ دیکھنے والے نے جو دیکھنا تھا وہ جی بھر کے دیکھ لیا۔ اب تم بے مقصد بحثوں میں وقت ضائع کر رہے ہو۔ یہ نعمت دیدار فقط ایک بار نصیب نہیں ہوئی بلکہ اترتے ہوئے دوسری بار بھی نصیب ہوئی۔ یہ دوبارہ شرف دید سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ہوا۔

اس پُرتقصیر کے نزدیک یہی قول راجح ہے اور اس کی کئی وجوہ ہیں۔ عبد کی عبد سے ملاقات کو اس اہتمام، اس تفصیل اور اس کیف انگیز اسلوب سے بیان نہیں کیا جاتا۔ اگر یہاں حضور کی جبرئیل امین سے ملاقات کا ذکر ہوتا تو ایک آیت ہی کافی تھی۔ کیف انگیز انداز بیان صاف بتا رہا ہے کہ یہاں عبد کامل کی اپنے معبود برحق کے ساتھ ملاقات کا ذکر ہے۔ جہاں ایک طرف عشق بے نیاز ہے اور دلدادگی ہے اور دوسری طرف حُسن ہے، شانِ صمدیت ہے اور شانِ بندہ نوازی اپنے جوبن پر ہے۔ حضور کی ملاقات جبرئیل سے بھی بے شک بڑے فوائد کی حامل ہے لیکن حضور کے لیے باعث ہزار سعادت و وجہ فضیلت فقط اپنے محبوب حقیقی کی ملاقات ہے۔ ان آیات کو

ایک مرتبہ پھر پڑھیے۔ آپ کا وجدان اسلوب بیان کی رعنائیوں پر جھوم جھوم اٹھے گا۔

نیز کفار کا اعتراض یہ تھا کہ جو کلام آپ پڑھ کر انہیں سناتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں۔ یا یہ خود گھڑ کر لاتے ہیں یا انہیں کوئی اگر سکھا پڑھا جاتا ہے۔ اس کی تردید اسی طرح ہونی چاہیے کہ فرمایا جائے یہ کلام نہ انہوں نے خود گھڑا ہے نہ کسی نے انہیں سکھایا ہے بلکہ اس خالق کائنات نے انہیں اس کی تعلیم دی ہے جو بڑی قوتوں والا ہے اور حکیم و دانا ہے۔ اس کے علاوہ انتشار ضمائر کی وجہ سے ذہن میں جو پریشانی پیدا ہوتی ہے اور جو قرآن کے معیار فصاحت سے بھی مناسبت نہیں رکھتی اس سے رستگاری کا صرف یہی راستہ ہے کہ حضرت حسن بصری کے قول کو تسلیم کیا جائے۔

ان تمام وجوہ ترجیح کو اگر نظر انداز بھی کر دیا جائے تو وہ احادیث صحیحہ جن میں واقعات معراج کا بیان ہے وہ اس مفہوم کی تائید کے لیے کافی ہیں۔ میں یہاں فقط دو احادیث نقل کرنے پر اکتفا کروں گا اور ان کا بھی فقط وہ حصہ جس سے ان آیات کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

امام مسلم اپنی صحیح میں ایک مفصل حدیث روایت کرتے ہیں جس کا وہ حصہ درج ذیل ہے جس کا ہمارے مدعا سے تعلق ہے۔

. . . . ثم عرج بنا الى السماء السابعة فاستفتح جبرئيل فقيل من هذا قال جبرئيل. قيل ومن معك قال محمد صلى الله تعالى عليه وسلم قيل قد بعث اليه قال قد بعث اليه ففتح لنا فاذا انا بابراهيم عليه الصلوة والسلام مسندا ظهره الى البيت المعمور واذا هو يدخله كل يوم سبعون الف ملك لا يعودون اليه ثم ذهب بي الى السدرة المنتهى فاذا ورقها كآذان الفيل واذا ثمرها كالقلال قال فلما غشيها من امر الله ما غشي تغيرت وما احد من خلق الله يستطيع ان ينعتها من حسنها فاوحى الى ما اوحى ففرض على خمسين صلوة في كل يوم وليلة فنزلت الى موسى عليه السلام فقال ما فرض ربك على امتك قلت خمسين صلوة قال ارجع الى ربك فاسئله التخفيف فان امتك لا يطيقون ذلك فاني قد بلوت بني اسرائيل وخبرتهم قال فرجعت الى ربي فقلت يا رب خفف على امتي وحط عني خمسا فرجعت الى موسى وقلت حط عني خمسا قال ان امتك لا يطيقون ذلك فارجع الى ربك فاسئله التخفيف قال فلم ازل ارجع بين ربي وبين موسى عليه السلام حتى قال يا محمد انهن خمس صلوات كل يوم وليلة لكل صلوة عشر كذلك خمسون صلوة ومن هم بحسنة فلم يعملها كتبت له حسنة فان عملها كتبت له عشرا ومن هم بسيئة ولم يعملها لم تكتب له شيئا فان عملها كتبت سيئة واحدة قال فنزلت حتى انتهيت الى موسى عليه السلام فاخبرته فقال ارجع الى ربك فاسئله التخفيف وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلت قد رجعت الى ربي حتى استحييت منه۔

(مسلم شریف جلد اول ص ۹۱)

. . . . پھر مجھے اور جبرئیل کو ساتویں آسمان پر لے جایا گیا جبرئیل نے دروازہ کھولنے کے لیے کہا، آواز آئی کون ہے؟ کہا میں جبرئیل ہوں۔ پوچھا ساتھ کون ہے؟ جبرئیل نے کہا محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام)۔ پھر پوچھا کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ جبرئیل نے کہا ہاں۔ پس دروازہ کھلا۔ میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت المعمور کے ساتھ ٹیک لگائے تشریف فرما ہیں۔ بیت المعمور وہ

مقدس مقام ہے جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں لیکن دوبارہ انہیں یہ سعادت کبھی نصیب نہیں ہوتی۔ پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ تک لے جایا گیا۔ (فقط مجھے لے جایا گیا) اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کی مانند اور پھل مٹکوں کے برابر ہیں۔ حضور نے فرمایا پھر جب ڈھانپ لیا اس سدرہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس نے ڈھانپ لیا" تو وہ اتنا خوبصورت ہو گیا کہ مخلوق میں سے کوئی بھی اس کے حسن و جمال کو بیان نہیں کر سکتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی میری طرف جو وحی فرمائی اور مجھ پر دن رات میں پچاس نمازیں فرض کیں۔ میں وہاں سے اتر کر موسیٰ کے پاس آیا۔ انہوں نے پوچھا فرمایئے آپ کے رب نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا ہے۔ میں نے کہا پچاس نمازیں۔ موسیٰ نے کہا اپنے رب کی طرف واپس جایئے اور تخفیف کی التجا کیجیے۔ آپ کی امت اس بوجھ کو نہیں اٹھا سکے گی میں نے بنی اسرائیل کو آزما کر دیکھا ہے۔ چنانچہ میں اپنے رب کی طرف لوٹا اور عرض کی اے پروردگار! میری امت پر تخفیف فرما۔ پس اللہ تعالیٰ نے پانچ کم کر دیں . . . . . .
چنانچہ میں بار بار اپنے رب اور موسیٰ کے درمیان آتا جاتا رہا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محبوب! یہ تعداد میں تو پانچ ہیں لیکن حقیقت میں پچاس ہیں۔ (اپنے حبیب کی امت پر مزید کرم کرتے ہوئے فرمایا) آپ کے امتیوں میں سے جس نے نیک کام کرنے کا ارادہ کیا" لیکن اس ارادہ پر عمل نہ کیا" تو میں اس کے لیے ایک نیکی لکھ دوں گا اور اگر اس پر عمل بھی کیا" تو دس نیکیاں لکھوں گا اور جس نے برائی کا ارادہ کیا" لیکن اس پر عمل نہ کیا" تو کچھ بھی نہ لکھا جائے گا اور اگر اس نے اس برائی کو کیا" تو اس کے بدلے ایک گناہ لکھا جائے گا۔ اس کے بعد میں اتر کر موسیٰ کے پاس آیا اور انہیں خبر دی۔ انہوں نے کہا پھر اپنے رب کے پاس جایئے اور تخفیف کے لیے عرض کیجیے" تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں کئی بار اپنے رب کے حضور میں حاضر ہوا ہوں اب مجھے شرم آتی ہے۔"

اس حدیث کے خط کشیدہ جملوں کو دوبارہ غور سے پڑھیے" حقیقت حال روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی۔ ساتویں آسمان تک تو جبرئیل گئے۔ یہاں تک کے لیے عَرَجَ بِنَا جمع کی ضمیر استعمال کی جاتی رہی۔ اس کے آگے جبرئیل کی حد پرواز ختم ہو گئی اور حضور کو اکیلے لے جایا گیا" اس لیے ذُهِبَ بِیْ میں واحد متکلم کی ضمیر استعمال کی گئی۔ پھر فاوحی الی ما اوحی اور فاوحی الی عبدہ ما اوحی میں جو یکسانیت ہے" وہ محتاج بیان نہیں۔ وحی کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اور اس مقام پر وحی کی جا رہی ہے جہاں جبرئیل امین کی مجال نہیں۔ پھر فَرَضَ کا فاعل خود اللہ تعالیٰ ہے۔ موسیٰ علیہ السلام سے جب ملاقات ہوتی ہے" تو وہ بارگاہ الٰہی میں واپس لوٹنے کا مشورہ دیتے ہیں" جبرئیل کے پاس نہیں۔ حضور فرماتے ہیں میں بار بار اپنے رب کی بارگاہ عزت و جلال میں شرف باریابی حاصل کرتا رہا۔
دنی فتدلی فکان قاب قوسین او ادنیٰ فاوحی الی عبدہ ما اوحی ما کذب الفؤاد ما رأی۔ . . ولقد راٰہ نزلۃ اُخریٰ
ان کلمات طیبات میں آپ جتنا غور کریں گے" حقیقت آشکارا ہوتی چلی جائے گی۔

نویں مرتبہ جب بارگاہ رب العزت میں حاضری ہوئی تو صرف پانچ نمازیں ہی معاف نہیں کیں" بلکہ مزید کرم یہ فرمایا کہ اے حبیب! تیری امت کا کوئی فرد اگر نیکی کا ارادہ کرے گا تو اسے ایک ثواب دوں گا اور اگر عمل کرے گا تو دس نیکیاں اس کے نامہ عمل میں لکھوں گا" لیکن اگر برائی کا ارادہ کرے گا تو اس کے نامہ عمل میں کوئی گناہ نہیں لکھا جائے گا اور جب گناہ کر بیٹھے گا تو فقط ایک گناہ لکھا جائے گا۔

قربان جائے انسان اللہ تعالیٰ کے محبوب کی نیاز مندیوں پر اور قربان جائے انسان اس کے رب کریم کی بندہ نوازیوں پر۔

یہاں یہ امر بھی توجہ طلب ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ آخر میں پانچ نمازیں ہی فرض کی جائیں گی" تو پھر پہلے پچاس فرض

کرنے میں کونسی حکمت ہے۔ اس میں بھی اپنے بندوں کو اپنے محبوب کے احسانوں کو بتانا مقصود ہے کہ یہ سارا لطف و کرم اس محبوب کریم کے صدقے تم پر ہوا ہے۔ اگر اس کا واسطہ درمیان میں نہ ہوتا تو تمہارے کندھوں پر یہ بار گراں لاد دیا جاتا۔ اس کے بعد یہ چیز بھی توجہ طلب ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے محبوب نے تخفیف کے لیے التجا کی تو ایک بار ہی پینتالیس نمازیں کیوں نہ معاف کردی گئیں؟ اس راز کو صرف اہل محبت ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو یہ ادا بہت ہی پسند ہے کہ میرا حبیب مانگتا جائے' میں دیتا جاؤں' وہ بار بار دامن طلب پھیلاتا جائے اور میں اس کو بھرتا جاؤں۔ اس بار بار کے مانگنے اور بار بار کے دینے میں جو لذت و سرور ہے اس سے بہرہ ور کوئی لطف اندوز نہیں ہو سکتا۔

موسیٰ علیہ السلام نے ایک بار پھر حاضر ہونے کا مشورہ دیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے اب اپنے رب سے حیا آتی ہے کہ میری امت ایسی نااہل ہے اور اتنی ناشکر گزار ہے کہ وہ چوبیس گھنٹے میں پانچ بار بھی اپنے خالق و مالک کی بارگاہ میں سجدہ ریز نہیں ہوگی۔ ہم غلامان مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کا فرض ہے کہ حدیث کے اس آخری جملے کو کبھی فراموش نہ کریں۔

اب آئیے' ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیے :

"۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ثم مررت بابراهيم عليه السلام فقال مرحبا بالنبي الصالح والابن الصالح قال قلت من هذا قال هذا ابراهيم. قال ابن شهاب واخبرني ابن حزم ان ابن عباس وابا حبة الانصاري يقولان قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم عرج بي حتى ظهرت لمستوى اسمع فيه صريف الاقلام قال ابن حزم وانس بن مالك قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ففرض الله على امتي خمسين صلوة قال فرجعت بذلك حتى امر بموسى عليه السلام وقال موسى ماذا فرض ربك على امتك قال قلت فرض عليهم خمسين صلوة قال لي موسى فراجع ربك فان امتك لا تطيق ذالك قال فراجعت ربي فوضع شطرها الخ

(مسلم شریف صفحہ ۹۳ مشکوٰۃ شریف متفق علیہ)

ترجمہ "۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ حضور فرماتے ہیں پھر میں ابراہیم کے پاس سے گزرا۔ آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا اے نبی صالح مرحبا! اے فرزند ارجمند خوش آمدید! میرے پوچھنے پر جبرئیل نے بتایا یہ ابراہیم ہیں۔ ابن شہاب کہتے ہیں مجھے ابن حزم نے خبر دی کہ ابن عباس اور ابو حبۃ انصاری کہا کرتے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہاں سے مجھے اوپر لے جایا گیا یہاں تک کہ میں اس مقام پر پہنچ گیا جہاں سے مجھے اقلام تقدیر کے چلنے کی آواز سنائی دینے لگی۔ ابن حزم اور انس بن مالک کہتے ہیں کہ حضور نے فرمایا وہاں اللہ تعالیٰ نے مجھ پر پچاس نمازیں فرض کیں۔ جب میں لوٹا اور موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو آپ نے پوچھا کہ آپ کے رب نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا ہے؟ میں نے بتایا ان پر پچاس نمازیں فرض کی ہیں تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا اپنے رب کے پاس لوٹ کر جاؤ۔ آپ کی امت اس بوجھ کو نہیں اٹھا سکے گی۔ چنانچہ میں اپنے رب کے حضور میں لوٹ کر گیا اور کچھ حصہ معاف ہوا۔ ۔ ۔ ۔ الخ"

ان خط کشیدہ جملوں کو ذرا غور سے پڑھیے۔ کیا جس مقام کا یہاں ذکر ہے وہاں جبرئیل موجود تھے؟ کیا ان کی رسائی وہاں ممکن تھی؟ کیا نمازوں کی فرضیت میں جبرئیل واسطہ تھے یا بار بار کی تخفیف میں کوئی اور واسطہ تھا؟ اب یہ آپ کے ذوق پر منحصر ہے کہ آپ علمہ شدید القویٰ سے لے کر ما زاغ البصر وما طغیٰ تک کی آیات کو جبرئیل پر منطبق کرتے ہیں یا ان احوال و واقعات پر جو زبان رسالت

سے ان احادیث صحیحہ میں ذکر کیے گئے ہیں۔

سبحانك لا علم لنا الا ما علمتنا انك انت العليم الحكيم۔

اس مقام پر انہی آیات کی تفسیر کرتے ہوئے علماء مفسرین نے اس مسئلے پر سیر حاصل بحث کی ہے کہ کیا حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو شب معراج دیدار الٰہی نصیب ہوا یا نہیں۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے پیروکار اس طرف گئے ہیں کہ شب معراج دیدار الٰہی نصیب نہیں ہوا، لیکن حضرت ابن عباس، دیگر صحابہ، تابعین اور ان کے ہمنواؤں کی یہ رائے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شب معراج اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دولت دیدار سے مشرف فرمایا۔ آیئے فریقین کے پیش کردہ دلائل کا تجزیہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ہماری رہنمائی فرمائے۔ آمین!

جہاں تک امکان رویت کا تعلق ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں سب تسلیم کرتے ہیں کہ اس دنیا میں بیداری کی حالت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن ہے۔ اگر محال ہوتا تو موسیٰ علیہ السلام اس کا سوال نہ کرتے، کیونکہ انبیا کو اس کا علم ہوتا ہے کہ فلاں چیز ممکن ہے اور فلاں چیز محال اور ممتنع۔ محال اور ممتنع کے بارے میں سوال کرنا درست ہی نہیں ہوتا۔

پہلے ہم وہ دلائل پیش کریں گے جن سے رویت باری کا انکار کرنے والے استدلال کرتے ہیں:

۱۔ عن ابن مسعود فی قولہ تعالیٰ وکان قاب قوسین او ادنیٰ وفی قولہ ما کذب الفؤاد ما رأی وفی قولہ لقد رأی من آیات ربہ الکبریٰ۔ رأی جبرئیل علیہ السلام لہ ستمائۃ جناح۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ نے ان آیات کے بارے میں فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جبرئیل کو دیکھا کہ ان کے چھ سو پر تھے۔

۲۔ ما کذب الفؤاد ما رأی، قال ابن مسعود رأی رسول اللہ جبرئیل فی حُلّۃ من رفرف قد ملأ ما بین السماء والارض۔ (رواہ الترمذی)

ابن مسعود نے اس آیت کی یوں تشریح کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل کو ایک ریشمی حُلّہ (پوشاک) میں دیکھا کہ آپ نے آسمان و زمین کے مابین خلا کو پُر کر دیا۔

۳۔ وللترمذی والبخاری فی قولہ تعالیٰ لقد رأی من آیات ربہ الکبریٰ۔ قال ابن مسعود رأی رفرفا اخضر سد افق السماء۔

ترمذی اور بخاری نے اس آیت کے ضمن میں لقد رأی الآیۃ میں لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعود نے فرمایا کہ حضور نے سبز رفرف کو دیکھا جس نے آسمان کے افق کو ڈھانپ دیا تھا۔

۴۔ عن الشعبی قال لقی ابن عباس کعبا بعرفۃ فسألہ عن شیئ فکبر حتی جاوبتہ الجبال فقال ابن عباس انا بنو ھاشم فقال کعب ان اللہ قسم رؤیتہ وکلامہ بین محمد وموسیٰ۔ وکلم موسیٰ

مرتین و راٰہ محمد مرتین. قال مسروق فدخلت علی عائشۃ فقلت ھل رأی محمد ربہ فقالت لقد تکلمت بشیء قف لہ شعری قلت رویدا ثم قرأت لقد رأی من اٰیات ربہ الکبریٰ فقالت این تذھب بک انما ھو جبرئیل من اخبرک ان محمدا رأی ربہ . . . . . فقد اعظم الفریۃ ولکنہ رأی جبرئیل ولم یرہ فی صورتہ الا مرتین. مرۃ عند سدرۃ المنتھیٰ ومرۃ فی اجیاد قد سد الافق. (رواہ الترمذی)

ترجمہ: شعبی کہتے ہیں عرفہ کے میدان میں ابن عباس نے کعب سے ملاقات کی اور ان سے کسی چیز کے بارے میں دریافت کیا۔ حضرت کعب نے زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا جس کی گونج پہاڑوں میں سنائی دی۔ ان کی حیرت کو دیکھ کر ابن عباس نے کہا کہ ہم بنو ہاشم ہیں۔ ہمارا تعلق خاندان نبوت سے ہے۔ میں کوئی معمولی آدمی نہیں کہ آپ میرے سوال کو ٹال دیں' تو کعب نے کہا، گویا یہ حضرت ابن عباس کے سوال کا جواب تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دیدار اور اپنے کلام کو محمد اور موسیٰ کے درمیان تقسیم کر دیا۔ موسیٰ سے دو مرتبہ کلام فرمایا اور محمد مصطفیٰ نے دو مرتبہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا۔ علیہم السلام۔ مسروق کہتے ہیں یہ سن کر میں حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے یہی سوال پوچھا کیا حضور نے اپنے رب کو دیکھا؟ آپ بولیں تو نے ایسی بات کی ہے جسے سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ میں نے عرض کی مادر محترم' ذرا ٹھہریے۔ پھر میں نے یہ آیت پڑھی لقد رأی الاٰیۃ آپ نے فرمایا تم کدھر جا رہے ہو۔ اس سے مراد تو جبرئیل ہے۔ جو شخص تمہیں یہ خبر دے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے' اس نے بہت بڑا بہتان باندھا ہے' بلکہ حضور نے جبرئیل کو دیکھا اور اس کی اصلی صورت میں صرف دو مرتبہ دیکھا ایک بار سدرۃ المنتہیٰ کے پاس اور ایک بار اجیاد کے پاس کہ اس نے سارے افق کو ڈھانپ لیا۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں: عن مسروق قال کنت متکئا عند عائشۃ فقالت یا ابا عائشۃ ثلاث من تکلم بواحدۃ منھن فقد اعظم علی اللہ الفریۃ. قلت ما ھن قالت من زعم ان محمدا رأی ربہ فقد اعظم علی اللہ الفریۃ قال وکنت متکئا فجلست فقلت یا ام المؤمنین انظرینی فلا تعجلینی الم یقل اللہ تعالیٰ ولقد راٰہ بالافق المبین ولقد راٰہ نزلۃ اخریٰ فقالت انا اول ھذہ الامۃ سأل عن ذلک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال انما ھو جبرئیل علیہ السلام لم ارہ علی صورتہ التی خلق علیھا غیر ھاتین المرتین رأیتہ منھبطا من السماء سادا عظم خلقہ ما بین السماء والارض فقالت اولم تسمع ان اللہ عزوجل یقول لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار وھو اللطیف الخبیر۔ اولم تسمع ان اللہ یقول وما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا او من وراء حجاب او یرسل رسولا۔ الاٰیۃ (مسلم)

ترجمہ: مسروق سے مروی ہے انہوں نے کہا میں اُمّ المؤمنین کی خدمت میں حاضر تھا' تو آپ نے فرمایا اے مسروق! (ابو عائشہ ان کی کنیت ہے) تین چیزیں ہیں جس نے ان میں سے کسی کے ساتھ تکلم کیا اس نے اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا بہتان باندھا۔ میں نے پوچھا وہ کیا ہیں؟ آپ نے کہا جو شخص یہ خیال کرے کہ حضور نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو اس نے اللہ تعالیٰ پر بڑا بہتان باندھا۔ میں ٹیک لگائے ہوئے تھا' اٹھ کر بیٹھ گیا اور عرض کی اے اُمّ المؤمنین! میری طرف دیکھیے۔ جلدی نہ کیجیے کیا اللہ تعالیٰ نے

خود نہیں فرمایا: ولقد رأٰہ بالافق المبین کہ آپ نے اسے افق مبین میں دیکھا اور دوبارہ دیکھا۔ آپ نے جواب دیا اس امت سے میں پہلی ہوں جس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس آیت کے بارے میں دریافت کیا۔ حضور نے فرمایا وہ جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ میں نے ان کو ان کی اصلی شکل میں صرف دو مرتبہ دیکھا۔ . . . . . اے مسروق! کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سنا لاتدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار وھو اللطیف الخبیر کہ آنکھیں اس کو نہیں پا سکتیں۔ وہ آنکھوں کو پا لیتا ہے۔ وہ لطیف و خبیر ہے۔

اور کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سنا وماکان لبشر الایۃ کسی انسان کو یہ طاقت نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام کرے مگر بذریعہ وحی یا پس پردہ یا کوئی فرشتہ بھیجے۔ (مسلم)

۵۔ روی الشیخان قال مسروق قلت لعائشۃ این قولہ ثم دنٰی فتدلّٰی فکان قاب قوسین او ادنٰی قالت ذاک جبرئیل کان یاتیہ فی صورۃ رجل وانہ اتاہ فی ھذہ المرۃ فی صورتہ التی ھی صورتہ فسد الافق۔ (مشکوٰۃ شریف)

ان روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی بھی یہ رائے تھی کہ حضور نے اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں کیا۔ حضرت عائشہ بھی اس بارے میں بڑی متشدد تھیں۔ انہوں نے اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لیے دو آیتوں سے استدلال بھی کیا ہے۔

اب ان لوگوں کے دلائل سماعت فرمائیے جو دیدار الٰہی کے قائل ہیں:

۱۔ عن ابن عباس ماکذب الفؤاد مارأی ولقد رأٰہ نزلۃ اخرٰی قال رأٰہ بفؤادہ مرتین۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابن عباس نے ان آیات کے بارے میں فرمایا کہ حضور نے اپنے رب کا دیدار اپنے دل کی آنکھوں سے دو مرتبہ کیا۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں قال ابن عباس رأی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ربہٗ قال عکرمۃ قلت الیس اللہ یقول لاتدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار قال ویحک ذاک اذا تجلّٰی بنورہ الذی ھو نورہٗ وقد رأی ربہ مرتین۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کا دیدار کیا۔ عکرمہ (آپ کے شاگرد) کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں لاتدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار کہ آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں۔ آپ نے فرمایا افسوس تم سمجھے نہیں، یہ اس وقت ہے جبکہ وہ اس نور کے ساتھ تجلی فرمائے جو اس کا نور ہے۔ حضور نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "ابن عمر دریں مسئلہ مراجعت بوے کردہ پرسید کہ ھل رأی محمد ربہ؟ پس وے گفت رآہ پس ابن عمر تسلیم نمودہ و قطعاً براو تردد و انکار نرفتہ"۔ (اشعۃ اللمعات چہارم صـ۴۳۱)

ترجمہ: حضرت ابن عمر نے حضرت ابن عباس سے اس مسئلہ کے بارے میں رجوع کیا اور پوچھا کیا حضور نے اپنے رب کا دیدار کیا پس ابن عباس نے جواب دیا کہ حضور نے اپنے رب کا دیدار کیا۔ حضرت ابن عمر نے ان کے اس قول کو تسلیم کیا اور تردد و انکار کا راستہ اختیار نہیں کیا۔

۲۔ علامہ بدرالدین عینی شرح بخاری میں مندرجہ ذیل روایات نقل کرتے ہیں:

روی ابن خزیمہ باسناد قوی عن انس قال رای محمد ربہ وبہ قال سائر اصحاب ابن عباس وکعب الاحبار والزھری وصاحبہ معمر۔

ترجمہ: ابن خزیمہ نے قوی سند سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے کہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے رب کو دیکھا۔ اسی طرح ابن عباس کے شاگرد، کعب احبار، زہری اور معمر کہا کرتے تھے۔

۳۔ اخرج النسائی باسناد صحیح وصححہ الحاکم ایضا من طریق عکرمۃ عن ابن عباس اتعجبون ان تکون الخلۃ لابراھیم والکلام لموسیٰ والرؤیۃ لمحمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

یہ روایت نسائی نے سند صحیح کے ساتھ اور حاکم نے بھی صحیح سند کے ساتھ عکرمہ کے واسطے سے حضرت ابن عباس سے نقل کی ہے۔ آپ کہا کرتے کہ کیا تم لوگ اس پر تعجب کرتے ہو کہ خلت کا مقام ابراہیم علیہ السلام کے لیے اور کلام کا شرف موسیٰ علیہ السلام کے لیے اور دیدار کی سعادت محمد رسول اللہ کے لیے ہو۔

۴۔ امام مسلم حضرت ابوذر سے روایت کرتے ہیں: قال سألت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ھل رأیت ربک قال نور انی اراہ۔ اس لفظ کو دو طرح سے پڑھا گیا ہے۔ نُوْرٌ اَنّٰی اَرَاہُ۔ دوسرا نُوْرًا اَنِّیْ اَرَاہُ۔ پہلی صورت میں اس کا معنی یہ ہوگا: ابوذر کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا کیا حضور نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے۔ آپ نے فرمایا وہ نور ہے، میں اسے کیونکر دیکھ سکتا ہوں۔ دوسری صورت میں معنی یہ ہوگا کہ وہ سراپا نور ہے، میں نے اسے دیکھا۔

۵۔ مسلم کے اسی صفحے پر ایک روایت ہے: عن عبد اللہ بن شقیق قال قلت لابی ذر لو رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لسألتہٗ فقال عن ای شیئ کنت تسألہ قال کنت اسألہٗ ھل رأیت ربک قال ابو ذر قد سألتہٗ فقال رأیتُ نُوْرًا کہ میں نے نور دیکھا ہے۔ یہ روایت بھی دوسری توجیہ کی تائید کرتی ہے۔

۶۔ حکی عبد الرزاق عن معمر عن الحسن انہ حلف ان محمدا رای ربہٗ (عمدۃ القاری ص ۱۹۸ جلد ۱۹) کہ حسن بصری اس بات پر قسم کھاتے تھے کہ حضور نے اپنے رب کا دیدار کیا۔

۷۔ واخرج ابن خزیمۃ عن عروۃ بن زبیر اثباتا۔ عروہ بن زبیر سے ابن خزیمہ نے نقل کیا ہے کہ وہ بھی رؤیت کے قائل تھے۔

۸۔ علامہ ابن حجر نے امام احمد کے بارے میں لکھا: فروی الخلال فی کتاب السنۃ عن المروزی قلت لاحمد انھم یقولون ان عائشۃ قالت من زعم ان محمدا رای ربہ وقد اعظم علی اللہ الفریۃ فبای شیئ یدفع قولھا۔ قال

بقول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رأیت ربی قول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اکبر من قولھا۔ (فتح الباری ص ۴۹۴ جلد ۸)

ترجمہ: مروزی کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے کہا کہ لوگ کہتے ہیں ام المومنین یہ کہا کرتی ہیں کہ جس نے یہ کہا کہ حضور نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو اس نے اللہ تعالیٰ پر بڑا بہتان باندھا ہے' تو حضرت عائشہ کے اس قول کا کیا جواب دیا جائے؟ آپ نے فرمایا حضور کے اس ارشاد کے ساتھ رأیت ربی کہ میں نے اپنے رب کو دیکھا حضرت عائشہ کے قول کا جواب دیں گے اور حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد حضرت عائشہ کے قول سے بہت بڑا ہے۔

یہ مختلف اقوال ہیں جو قائلین رویت کی طرف سے بطور استدلال پیش کیے جاتے ہیں۔ ان میں فحول صحابہ مثلاً ابن عباس، کعب احبار، انس، ابی ذر کے علاوہ کبار تابعین عروہ بن زبیر، حسن بصری، عکرمہ جیسے اکابر تابعین بھی موجود ہیں اور حضرت امام احمد کا قول بھی آپ سن چکے ہیں۔ ان اقوال کے علاوہ متعدد احادیث بھی ذکر کی گئی ہیں۔

ان تمام دلائل کو بالتفصیل پیش کرنے کے بعد علامہ نووی لکھتے ہیں:

اذا صحت الروایات عن ابن عباس فی اثبات الرویۃ وجب المصیر علی اثباتھا فانھا لیست مما یدرک بالعقل ویؤخذ بالظن فانما یتلقی بالسماع ولا یستجیز احد ان یظن بابن عباس انہ تکلم بھذہ المسئلۃ بالظن والاجتہاد ثم ان ابن عباس اثبت شیئا نفاہ غیرہ والمثبت مقدم علی النافی۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس سے جب صحیح روایات ثبوت کو پہنچ گئیں کہ انہوں نے ایسا کہا ہے' تو اب ہم یہ خیال نہیں کر سکتے کہ آپ نے اتنی بڑی بات محض اپنے قیاس اور ظن کی بنا پر کہی ہو۔ یقیناً انہوں نے کسی مرفوع حدیث کی بنا پر ایسا کہا ہوگا۔ نیز ابن عباس ایک چیز کو ثابت کر رہے ہیں، دوسرے حضرات نفی کر رہے ہیں اور یہ قاعدہ ہے کہ مثبت کا قول نافی پر مقدم ہوتا ہے۔

خلاصہ کلام کو علامہ نووی ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

الحاصل ان الراجح عند اکثر العلماء ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رأی ربہ بعینی رأسہ لیلۃ الاسراء ...... وھذا مما لا ینبغی ان یتشکک فیہ کہ حاصل بحث یہ ہے کہ اکثر علماء کے نزدیک راجح قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شب معراج اللہ تعالیٰ کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا اور اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔ علامہ نووی نے یہ بھی کہا ہے کہ حضرت ابن مسعود اور حضرت صدیقہ نے اپنے موقف کی تائید میں کوئی حدیث مرفوع پیش نہیں کی بلکہ محض اپنے قیاس اور اجتہاد سے کام لیا ہے۔ اس پر علامہ ابن حجر نے کہا ہے کہ صحیح مسلم جس کی شرح علامہ نووی کر رہے ہیں اسی کے اگلے صفحے پر حدیث مرفوع موجود ہے۔ ام المومنین نے فرمایا کہ میں نے ولقد راٰہ بالافق المبین اور ولقد راٰہ نزلۃ اخری کے بارے میں حضور سے پوچھا تو حضور نے فرمایا وہ جبرئیل امین تھے۔ جب مسلم میں یہ حدیث موجود ہے تو حیرت ہے کہ شارح مسلم علامہ نووی نے کیسے انکار کیا۔

علامہ ابن حجر کے اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ حضرت صدیقہ نے ولقد راٰہ بالافق المبین کے بارے میں حضور

سے استفسار کیا اور حضور نے فرمایا کہ وہ جبرئیل ہیں اور یہ بلاشبہ درست ہے کیونکہ یہ آیت سورۃ تکویر کی ہے اور وہاں حضرت جبرئیل کا ہی ذکر ہے۔ ارشاد ہے وانہ لقول رسول کریم ذی قوۃ عند ذی العرش مکین مطاع ثم امین وما صاحبکم بمجنون ولقد راٰہ بالافق المبین۔ یہ سارا ذکر جبرئیل امین کا ہے۔ ہم پہلے بتا آئے ہیں کہ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب انہیں ان کی اصلی صورت میں دیکھنے کی خواہش کی تو آپ آسمان کے افق پر نمودار ہوئے۔ وہ افق جہاں جبرئیل نمودار ہوئے اسے افق مبین کہا گیا ہے لیکن یہاں جس افق کا ذکر ہو رہا ہے وہ ھو بالافق الاعلیٰ ہے۔ آسمان اور زمین کے افق کو افق مبین تو کہہ سکتے ہیں لیکن افق اعلیٰ وہ ہوگا جو تمام آفاق سے بلند تر ہو یعنی فلک الافلاک کا کنارہ۔ اس لیے امام نووی کا قول ہی درست ہے کہ شب معراج نفی رویت کے بارے میں کوئی حدیث مرفوع نہیں ہے۔

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ان آیات کی تفسیر و تشریح سے فارغ ہونے کے بعد دیدار الٰہی کے بارے میں اپنی ذاتی رائے کو یوں بیان کرتے ہیں:

وانا اقول برؤیتہ صلی اللہ علیہ وسلم ربہ سبحانہ وبدنوہ منہ سبحانہ علی الوجہ اللائق (روح المعانی)

اور میں یہ کہتا ہوں کہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے رب کریم کے دیدار سے مشرف ہوئے اور حضور کو قرب الٰہی نصیب ہوا لیکن اس طرح جیسے اس کی شان کبریائی کے لائق ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے جب دریافت کیا جاتا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے رب کا دیدار کیا تو آپ جواب میں فرماتے:

راٰہ راٰہ حتی ینقطع نفسہ (روح المعانی)

ہاں حضور نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا، ہاں حضور نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ یہ جملہ اتنی بار دہراتے کہ آپ کا سانس ٹوٹ جاتا۔

مولانا سید انور شاہ صاحب اس مسئلے پر مفصل بحث کرنے کے بعد رقمطراز ہیں:

ولکنہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشرف برؤیتہ تعالیٰ ومنّ علیہ ربہ بہا وکرمہ وتفضل علیہ بنوالہ و افاض علیہ من افضالہ فرأٰہ کما قال احمد رحمہ اللہ مرتین الا انہ راٰہ کما یریٰ الحبیب الی الحبیب والعبد الی مولاہ لا ھو یملک ان یکف عنہ نظرہ ولا ھو یستطیع ان یشخص الیہ بصرہ وھو قولہ تعالیٰ ما زاغ البصر وما طغیٰ۔ (فیض الباری شرح البخاری)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیدار الٰہی سے مشرف ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دولت سرمدی سے آپ کو نوازا اور اپنے فضل واحسان سے عزت افزائی فرمائی۔ پس حضور نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ حضور نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا جس طرح امام احمد نے فرمایا ہے مگر یہ دیدار ایسا تھا جیسے حبیب اپنے حبیب کا دیدار کرتا ہے۔ نہ وہ آنکھیں بند کرنے کی قدرت رکھتا ہے اور نہ اس میں یہ طاقت ہوتی ہے کہ ٹکٹکی باندھ کر روئے دلدار کو دیکھتا رہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا یہی مفہوم ہے ما زاغ البصر وما طغیٰ۔

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے اشعۃ اللمعات کی جلد چہارم میں اس مسئلے کی تحقیق کرتے ہوئے اسی قول کو پسند فرمایا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے دیدار کا شرف حاصل کیا۔ والحمد للہ علیٰ ذالک۔

أَيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ﴿۱۸﴾ أَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ﴿۱۹﴾ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ

رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں ۔ ۱۹ (اے کفار!) کبھی تم نے غور کیا لات و عزیٰ کے بارے میں ۲۰ اور مناۃ کے بارے میں جو

۱۹ آیاتِ کبریٰ کی تشریح کرتے ہوئے علامہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

والمراد بالآیات العجائب الملکوتیۃ التی رآھا فی لیلۃ المعراج فی مسیرہ وعودہ من البراق والسموات والانبیاء والملائکۃ والسدرۃ المنتھی وجنۃ الماوی. (تفسیر مظہری)

یعنی آیاتِ کبریٰ سے مراد عالمِ ملکوت کی وہ عجیب و غریب چیزیں ہیں جن کا مشاہدہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سفرِ معراج پر جاتے ہوئے اور واپسی کے دوران میں کیا جیسے براق، سموات، انبیاء، فرشتے، سدرۃ المنتہیٰ، جنت الماویٰ وغیرہا۔

پھر علامہ مذکور فرماتے ہیں اگرچہ کائنات کی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت کی بہت بڑی نشانی ہے ان اشیاء کو آیاتِ کبریٰ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان آیات کے ساتھ جن مخصوص تجلیات کا تعلق ہے اور اللہ کی رحمتوں اور برکات کا نزول جس کثرت سے ان پر ہوتا ہے، وہ کسی دوسری آیت کو نصیب نہیں۔

۲۰ خداوند ذوالجلال کی صفاتِ کمال کے بیان کے بعد اب مشرکین کو زجر و توبیخ کی جا رہی ہے کہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ اس حی و قیوم قادر و حکیم خدا کو چھوڑ کر تم بے جان مجسموں کی پوجا پاٹ میں اپنی عمریں برباد کر رہے ہو۔ اگرچہ کفارِ عرب بے شمار بتوں کی پوجا کیا کرتے تھے، تین سو ساٹھ بت تو صرف کعبے میں رکھے ہوئے تھے، مگر یہاں ان تین دیویوں کا نام لے کر ان کا ذکر کیا جن کی جزیرۂ عرب میں بڑی کثرت سے پرستش ہوتی تھی۔ قربانی کے جانور لا کر ان کے لیے ذبح کیے جاتے تھے اور نذرانوں کے ڈھیر لگتے تھے۔

پہلے ہم ان بتوں کی وجہ تسمیہ، ان کے مخصوص مقامات اور جو قبائل ان کے خاص طور پر معتقد تھے، ان کا ذکر کریں گے بعد میں آیات کی تشریح کی جائے گی۔

لات: قتادہ کہتے ہیں کہ لات قبیلۂ ثقیف کا بت تھا جس کا استھان طائف میں تھا۔ اس شعر سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

وفرت ثقیف الی لاتھا بمنقلب الخائب الخاسر

یعنی بنو ثقیف خائب اور خاسر ہو کر بھاگتے ہوئے اپنے لات کے پاس لوٹ آئے۔

بنو ثقیف اس کے بڑے معتقد تھے۔ جب ابرہہ کا لشکر کعبے کو گرانے کے قصد سے مکہ جاتے ہوئے طائف سے گزرا تو انہوں نے اسے رہبر مہیا کیے اور دیگر سہولتیں بہم پہنچائیں تاکہ وہ ان کے معبود لات کے استھان کو منہدم نہ کرے۔

لات کے ماخذ کے بارے میں علماء کے متعدد اقوال ہیں۔ بعض کے نزدیک "تا" اس کا حرفِ اصلی ہے۔ اس کے اصل حروف ل۔ ی۔ ت یا ل۔ و۔ ت ہیں۔ بعض کہتے ہیں اس کا اصل لوی یلوی ہے جس کا معنی جھکنا اور مڑنا ہے، کیونکہ اس کے

پرستار اس کے اردگرد چکر لگایا کرتے اور جھک جھک کر اس کو سجدے کیا کرتے' آداب بجالایا کرتے اس لیے اس کو لات کہا گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ لت یلت سے ماخوذ ہے جس کا معنی ستو میں گھی وغیرہ ڈال کر تھیڑنا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں ایک شخص حجاج کے لیے ستو اسی طرح تیار کیا کرتا تھا۔ اس کے مرجانے کے بعد جس چٹان پر بیٹھ کر وہ یہ کام کیا کرتا تھا' اس کی پرستش شروع ہوگئی۔ کہتے ہیں یہ شخص طائف کا رہنے والا تھا۔

لیکن مجھے ان تمام توجیہات سے علامہ راغب کی تحقیق زیادہ پسند ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

واصل اللات الله فحذ فوا منه الهاء وادخلوا التاء فيه وانثوه تنبيها على قصوره عن الله وجعلوه مختصا لما يتقرب به الى الله تعالى فى زعمهم (مفردات)

ترجمہ: اس کا اصل اللہ ہے۔ ہ کو حذف کر دیا اور اس کے آخر میں تا داخل کر دی گئی تاکہ یہ مؤنث بن جائے اور اس چیز پر دلالت کرے کہ اس کا درجہ اللہ سے کم ہے۔ وہ اپنے گمان میں اسے تقرب الی اللہ کا ذریعہ خیال کیا کرتے تھے۔

عُزّٰی: اس کا ماخذ عزت ہے یہ اعزّٰی کی تانیث ہے۔ سوق عکاظ کے قریب وادی نخلہ میں حراض نامی ایک بستی تھی عزّٰی کا مندر اس جگہ تھا۔ بنو غطفان اس کی پوجا کیا کرتے تھے۔ بعض کے نزدیک یہ بنی شیبان کی دیوی تھی جو بنی ہاشم کے حلیف تھے۔ قریش اور دوسرے قبائل اس کی زیارت کے لیے آیا کرتے۔ قربانی کے جانور یہاں لاکر ذبح کرتے اور نذرانے چڑھاتے۔ تمام دوسرے بتوں سے زیادہ اس کی عزت و تکریم کی جاتی۔

منات: اس کا مندر قُدَید کے مقام پر تھا جو مکہ اور مدینہ کے درمیان بحر احمر کے کنارے ایک آبادی ہے۔ یثرب کے اوس و خزرج کے علاوہ بنو خزاعہ بھی اس کے بہت معتقد تھے۔ کعبہ کی طرح اس کا حج بھی کیا جاتا۔ قربانی کے جانور بھی اس کے لیے ذبح کیے جاتے۔ حج کعبہ سے فارغ ہونے کے بعد جو لوگ اس کا حج کرنا چاہتے وہ وہیں سے لبیک لبیک کے نعرے لگاتے ہوئے قُدَید کی طرف چل پڑتے۔

اگرچہ ان بتوں کے مخصوص مندر مختلف مقامات پر تھے جس طرح آپ پڑھ آئے ہیں' لیکن ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ انہی ناموں کے بُت کعبے میں بھی رکھے ہوئے تھے اور دوسرے بتوں کے ساتھ ان کی وہاں بھی پوجا پاٹ کی جاتی تھی۔ علامہ ابو حیان اندلسی نے 'بحر محیط' میں اسی رائے کو ترجیح دی ہے اور دلیل یہ پیش کی ہے کہ اُحد کے میدان میں ابو سفیان نے بڑے فخر و ناز سے کہا تھا لنا العزّٰی ولا عزّٰی لکم کہ ہمارے لیے تو عزّٰی دیوی ہے اور تمہارے پاس کوئی عزّٰی نہیں۔ نیز افرأیتم میں خطاب کی ضمیر کا مرجع قریش مکہ ہیں۔

قال ابو عبيدة كانت بالكعبة ايضا واستظهر ابو حيان انها ثلاثتها كانت فيها۔ قال: لان المخاطب فى قوله افرأيتم قريش۔ (روح المعانی)

ان بتوں کی پوجا کرنے والوں کا یہ عقیدہ تھا کہ فرشتے (معاذ اللہ) اللہ کی بیٹیاں ہیں اور یہ بت جنیات کا مسکن ہیں اور یہ جنیات بھی اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ بعض کا یہ خیال تھا کہ یہ بت فرشتوں کے ہیکل ہیں اور یہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ (نعوذ باللہ

الْاُخْرٰى ۝ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ۝ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِیْزٰى ۝

تیسری ہے۔ کیا تمہارے لیے تو بیٹے ہیں اور اللہ کے لیے نری بیٹیاں۔ یہ تقسیم تو بڑی ظالمانہ ہے ۲۱

اِنْ هِیَ اِلَّاۤ اَسْمَآءٌ سَمَّیْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ

نہیں ہیں یہ مگر محض نام جو رکھ لیے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادا نے نہیں نازل کی اللہ نے

من ذالک۔)

ان باتوں کو ذہن نشین کرنے کے بعد اب آیت کا معنی سمجھنے کی کوشش کیجیے :

پہلا کلمہ افرأیتم ہے۔ اس پر غور کیجیے۔ ہمزہ استفہام انکار کے لیے ہے۔ فا تعقیب کے لیے ہے۔

فالمعنی اعقیب ما سمعتم من اثار کمال عظمة اللہ فی ملک وملکوتہ وجلالہ وجبروتہ واحکام قدرتہ ونفاذ امرہ فی الملأ الاعلی وتحت الثری وما بینھما رأیتم ھذہ الاصنام مع غایة حقارتھا بنات لہ تعالٰی (روح المعانی وغیرہ)

یعنی ملک اور ملکوت میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اس کے جلال و جبروت' اس کی محکم قدرت اور آسمان و زمین میں اس کے احکام کی تنفیذ کے آثار دیکھنے سننے کے بعد بھی تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ حقیر و ذلیل بت اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ تم خود سوچو اس سے بڑھ کر کوئی حماقت اور نادانی ہو سکتی ہے۔

بعض کتب تفسیر میں یہاں ایک روایت لکھ دی گئی ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حرم شریف کے صحن میں کفار کے مجمع کے سامنے یہ سورت تلاوت فرمائی تو اس آیت کے بعد حضور کی زبان سے یہ جملہ نکلا (العیاذ باللہ)

تلک الغرانیق العلی وان شفاعتھن لترتجی۔

یہ جملہ سن کر مشرکین کے دلوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ وغیرہ وغیرہ۔

یہ روایت سراسر لغو، باطل، موضوع اور جھوٹ کا پلندہ ہے۔ اس پر سیر حاصل بحث ضیاء القرآن سورۃ الحج کی آیت ۵۲ کے ضمن میں آپ ملاحظہ فرمائیں۔

۲۱۔ مشرکین کو کہا جا رہا ہے کہ تمہاری حماقت کی بھی کوئی حد ہے۔ اپنے لیے تو تم لڑکے پسند کرتے ہو کسی کے گھر میں بیٹی پیدا ہوتی ہے تو اس کے ہاں صف ماتم بچھ جاتی ہے اور جو خالق کائنات ہے جسے نہ بیٹے بیٹیوں کی ضرورت ہے نہ خواہش ہے جو بے نیاز اور برتر ہے اس کے لیے نری بیٹیاں ہی تجویز کرتے ہو۔

تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِیْزٰى۔ نحو و لغت کے امام الکسائی لفظ ضیزی کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں : یقال ضاز یضیز ضیزا وضاز یضوز ضوزا وضاز یضاز ضازا اذا ظلم وتعدی وبخس انتقص قال امرؤ القیس ؎

ضازت بنو اسد بحکمھم اذ یجعلون الراس کالذنب

بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ

ان کے بارے میں کوئی سند ۲۲؎ نہیں پیروی کر رہے یہ لوگ مگر گمان کی اور جسے ان کے نفس چاہتے ہیں ۲۳؎

وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ۝۲۳ اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى ۝۲۴

حالانکہ آگئی ہے ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت ۲۴؎ کیا انسان کو ہر وہ چیز مل جاتی ہے جس کی وہ تمنا کرتا ہے۔

یہ مادہ تین باب پر آتا ہے ضَرَبَ یَضْرِبُ، نَصَرَ یَنْصُرُ اور مصموز العین۔ اس کا معنی ہے ظلم کرنا، زیادتی کرنا، کسی کے حصہ میں کمی کرنا۔ امرؤ القیس کہتا ہے "بنو اسد نے اپنا فیصلہ کرتے ہوئے بڑی زیادتی کی ہے کہ انہوں نے سر کو دم کی مانند بنا دیا ہے۔" (قرطبی)

ضِیزٰی کا اصل وزن فُعْلٰی ہے مثل طُوبٰی اور حُبلٰی، لیکن یٰ کی وجہ سے اس کے ماقبل کو کسرہ دے دیا۔

یعنی تمہاری یہ تقسیم عدل و انصاف سے دور کا واسطہ بھی نہیں رکھتی۔ عقل و خرد بھی اس کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔ تمہارا دعویٰ تو یہ ہے کہ تم بڑے دانا اور زیرک ہو، بڑے عادل اور منصف ہو لیکن تمہاری زبان سے باتیں ایسی نکلتی ہیں جن کو سن کر فکرِ سلیم سر پیٹ لیتی ہے اور عقل رو پڑتی ہے۔

۲۲؎ یہ دیویاں، یہ دیوتا جن کو تم اپنا معبود اور مسجود یقین کیے ہو ان میں الوہیت کا نام و نشان تک نہیں۔ یہ تمہارے من گھڑت نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے بغیر کسی معقول دلیل کے تجویز کیے ہیں۔ اگر تمہارے پاس کوئی اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی سند موجود ہے تو ہمیں بھی دکھاؤ۔

۲۳؎ نہ ان کے پاس کوئی آسمانی نوشتہ ہے جس سے معلوم ہو کہ ان پتھر کے اصنام میں الوہیت کی ادنیٰ سی کوئی جھلک بھی پائی جاتی ہے، نہ عقل سلیم اس کو ماننے کے لیے تیار ہے کہ انسان جو اشرف المخلوقات ہے، ان بتوں کو اپنا خدا بنائے جو ان کے کسی کاریگر نے کسی دھات سے ان کی آنکھوں کے سامنے گھڑے ہیں یا کسی ماہر سنگتراش نے کسی پتھر سے تراشے ہیں جو نہ دیکھ سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں نہ چل پھر سکتے ہیں۔ جب حقیقت یہ ہے تو پھر یہ کفار جو دنیا کے معاملات میں بڑے زیرک ہیں، کیوں ایسا کرتے ہیں۔ بتا دیا کہ یہ سب کچھ ان کے ظن و تخمین کی گل کاریاں ہیں اور ان کے نفوس کی خواہشات ہیں جن کی وہ پیروی کر رہے ہیں۔ ایسی چیزوں کو معبود ماننے پر انہیں کوئی اعتراض نہیں جو کچھ نذر و نیاز لے کر ان کے خیال کے مطابق ان کی مصیبتوں کو ٹال دیں اور اگر بفرضِ محال قیامت قائم ہو جائے تو ان کی شفاعت کی ذمہ داری قبول کر لیں۔ ایسے خداؤں کو وہ ماننے کے لیے تیار ہیں اور ان کے لیے قربانی کے جانور ذبح کرنے کے لیے تیار ہیں، لیکن ایسے خدا کو ماننا جو احکام صادر کرے، ایسے احکام جو ان کے بنیادی مفاد کو نقصان پہنچانے کا سبب بن سکتے ہیں، ایسے احکام جو ان کی بساطِ عیش و طرب کو الٹنے کا موجب بن سکتے ہیں، جو ان کی آزادی پر قدغن لگا دیتے ہیں، ایسے خدا کی خدائی وہ تسلیم کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں۔

حقیقت میں وہ ان بتوں کے پجاری نہیں بلکہ خواہشاتِ نفس کے پرستار ہیں۔ ایسے لوگوں سے یہ توقع عبث ہے

فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى ﴿۲۵﴾ وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِى السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِىْ

پس اللہ کے دستِ قدرت میں ہے آخرت اور دنیا ۲۵ اور کتنے فرشتے ہیں آسمانوں میں جن کی شفاعت

شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ﴿۲۶﴾

کسی کام نہیں آسکتی مگر اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ اذن دے جس کے لیے چاہے اور پسند فرمائے ۲۶

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ﴿۲۷﴾

بے شک جو لوگ ایمان نہیں لاتے آخرت پر وہ فرشتوں کے نام عورتوں کے سے رکھتے ہیں۔

کہ وہ عقل و خرد سے صحیح کام لیں گے اور اللہ کے رسولوں کی دعوت کو غور سے سنیں گے۔

۲۴ یتبعون کی ضمیر سے حال ہے یعنی اللہ کی طرف سے ان کی رہنمائی کے لیے ایسا رسول کامل تشریف لے آیا ہے جو اپنے نورانی ارشادات سے ان کے دلوں کی تاریک دنیا کو منور کر رہا ہے۔ ان کے پاس قرآن جیسی کامل کتاب بھی ہے لیکن یہ بد نصیب اللہ کی بھیجی ہوئی ہدایت کو در خورِ اعتنا نہیں سمجھتے اور رذیل خواہشات کی دلدل میں دھنستے چلے جا رہے ہیں آیت میں الھدیٰ سے مراد یا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات ہے یا اس سے مراد قرآن مجید ہے۔

۲۵ آیت میں الانسان سے مراد یا تو کافر ہے۔ اس وقت آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ ان کفار نے ان بتوں سے جو طرح طرح کی توقعات وابستہ کر رکھی ہیں کہ یہ بت ان کو رزقِ وافر، اولادِ نرینہ دیں گے اور اگر بالفرض قیامت برپا ہو گئی تو وہ ان کو خدا کے عذاب سے چھڑا لیں گے۔ یہ محض فریب اور دھوکہ ہے ان کی یہ توقعات کبھی پوری نہیں ہوں گی۔ یا الانسان سے مراد عام انسان بھی لیا جا سکتا ہے۔ اس وقت آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ ایسا نہیں ہوا کرتا کہ انسان جو چاہے وہ ضرور پورا ہو کر رہے۔ کچھ امیدیں بر آتی ہیں اور کچھ پوری نہیں ہوتیں۔ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ اس دنیا میں جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہو رہا ہے اس کے اذن سے ہو رہا ہے اور عالم آخرت میں جو کچھ ہوگا اس کے حکم سے ہوگا۔ دونوں جہانوں کی بادشاہی اسی کے لیے مخصوص ہے۔

۲۶ کفار کی اس غلط فہمی کو دور کیا جا رہا ہے جس میں وہ بری طرح مبتلا تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ ان کی یہ دیویاں اور دیوتا قیامت کے روز ان کی شفاعت کریں گے اور عذابِ جہنم سے انہیں بچا لیں گے۔ انہیں بتایا جا رہا ہے کہ ان بے چارے بتوں کی تو حقیقت ہی کیا ہے کہ وہ ہماری جناب میں ان مشرکوں کی شفاعت کے لیے لب کشائی کی جرأت کر سکیں۔ فرشتے جو نورانی مخلوق ہیں اور ہر وقت ہماری عبادت اور اطاعت میں مشغول رہتے ہیں ان کی بھی یہ مجال نہیں کہ جس کی چاہیں خود بخود شفاعت کریں اور اس کو بخشوا کر جنت میں پہنچا دیں بلکہ فرشتے بھی اس وقت شفاعت کریں گے جب ہم انہیں اس

وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ

حالانکہ انہیں اس کا کچھ علم ہی نہیں ۲۷ ؎ وہ محض ظن کی پیروی کرتے ہیں۔ اور ظن حق کے مقابلہ میں کسی کام

مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ۚ ﴿۲۸﴾ فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى ۙ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا

نہیں آسکتا ۲۸ ؎ پس آپ رخ انور پھیر لیجیے اس (بد نصیب) سے جس نے ہمارے ذکر سے روگردانی کی اور نہیں خواہش رکھتا

الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ

مگر دنیوی زندگی کی ۲۹ ؎ یہ ہے ان کا مبلغ علم ۳۰ ؎ بے شک آپ کا رب ہی خوب جانتا ہے جو

کی اجازت دیں گے اور فقط ان کے لیے شفاعت کریں گے جو شفاعت کے اہل ہوں۔ جن بدبختوں کی موت کفر پر ہوگی وہ تو اس قابل ہی نہیں کہ ان کی شفاعت کی جائے۔ شفاعت تو گناہگار اہل ایمان کے لیے ہے۔ جب فرشتے بھی کفر و شرک پر مرنے والوں کی شفاعت نہیں کر سکتے تو یہ بت تمہاری نجات کا سبب کیونکر بن سکتے ہیں؟

۲۷ ؎ جو لوگ فرشتوں کو مونث خیال کرتے ہیں اور انہیں خدا کی بیٹیاں بنائے ہوئے ہیں اور اس لیے ان کی پوجا پاٹ میں لگے رہتے ہیں اور ان سے طرح طرح کی توقعات وابستہ کیے ہوئے ہیں ان کی ان لغزشوں اور غلطیوں کا ایک ہی سبب ہے کہ وہ قیامت کے وقوع پر ایمان نہیں رکھتے' اس لیے ان میں ذمہ داری کا احساس بالکل ختم ہو گیا ہے۔ کسی چیز کو مانتے ہیں تو اس لیے نہیں کہ ان کے پاس اسے ماننے کی کوئی ٹھوس دلیل ہے یا اگر کسی چیز کا انکار کرتے ہیں تو اس لیے نہیں کہ کسی اللہ کے نبی نے انہیں انکار کا حکم دیا ہے یا ان کی عقل سلیم نے اس کے انکار کا فیصلہ کیا ہے' بلکہ جب ترنگ میں آئے کسی چیز کو مان لیا اور جب چاہا کسی چیز کا انکار کر دیا۔ احساس ذمہ داری کا چراغ جب سے بجھا ہے' انہوں نے عقل و خرد سے کام لینا چھوڑ دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بغیر کسی دلیل اور تحقیق کے انہوں نے فرشتوں کو مونث بنا ڈالا ہے اور پھر ان پر خدا کی بیٹیاں ہونے کی تہمت لگا دی ہے۔

۲۸ ؎ حقیقی علم کا سرچشمہ تو نبی کی ذات ہوتی ہے جسے بارگاہ الٰہی سے براہ راست علم و عرفان کی دولت عطا فرمائی جاتی ہے۔ نبی کی ذات سے تو انہیں بیر ہے۔ وحی کے چشمۂ صافی سے سیراب ہونے کی تو انہیں توفیق ہی نہیں۔ ان کے پاس لے دے کے ظن و تخمین کے گھوڑے ہیں جن پر سوار ہو کر وہ وہم و گمان کے ریگزاروں میں خاک اڑاتے پھرتے ہیں' اس لیے زندگی کی بنیادی سچائیوں تک یہ رسائی حاصل نہیں کر سکتے اور بھاگ دوڑ میں عمر برباد کر دیتے ہیں اور انہیں حقیقت کا سراغ نہیں ملتا۔ وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ ان کے طائر فکر کی پرواز بڑی اونچی ہے۔ ان کی جھولی سچے موتیوں سے بھری ہوئی ہے' حالانکہ ان کے پاس کچھ بھی نہیں۔

ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى ﴿٣٠﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

بھٹک گیا اس کی راہ سے اور وہی بہتر جانتا ہے جس نے راہِ راست پائی ۳۱ اور اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے

وَمَا فِي الْاَرْضِ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ

اور جو کچھ زمین میں ہے تاکہ وہ بدلہ دے بدکاروں کو ان کے اعمال کا اور بدلہ دے نیکوکاروں کو

اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ﴿٣١﴾ اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا

ان کی نیکیوں کا ۳۲ جو لوگ بچتے رہتے ہیں بڑے بڑے گناہوں سے اور بے حیائی کے کاموں سے مگر

۲۹ آیت میں ذکر سے مراد قرآن مجید بھی ہو سکتا ہے، حضور کے مواعظِ حسنہ اور نصائحِ جلیلہ بھی اور مطلق ذکرِ الٰہی بھی۔ مطلب یہ ہے کہ جن کے سامنے ہماری کتاب کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں، لیکن وہ ان کی طرف التفات نہیں کرتے۔ میرا رسول انہیں وعظ و نصیحت کرتا ہے تو اس کے سننے کے لیے بھی وہ تیار نہیں ہوتے یا جہاں میرے بندے میرے ذکر کی شمع روشن کیے بیٹھے ہوتے ہیں، وہاں سے بھی وہ دُور بھاگتے ہیں نیز دنیوی زندگی کی لذتوں اور زیب و آرائش میں وہ یوں کھوئے ہوئے ہیں کہ عاقبت کے بارے میں انہوں نے غور و فکر کرنے کی زحمت کبھی گوارا نہیں کی۔ رات دن دولت سمیٹنے میں مصروف رہتے ہیں۔ اے حبیب! اس قماش کے لوگ ہرگز اس لائق نہیں کہ آپ ان کے لیے متفکر ہوں۔ انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیجیے انہیں بادیۂ ضلالت میں دھکے کھانے دیجیے۔ اگر قعرِ مذلت میں چھلانگ لگانے کا یہ لوگ قصد کر چکے ہیں تو انہیں مت روکیے۔ جب اپنے کرتوتوں کا ذائقہ چکھیں گے تو خود بخود ان کی آنکھیں کھل جائیں گی۔

۳۰ ان کے علم کی رسائی یہاں تک ہی ہے۔ ان کی عقل کی آنکھ دنیوی لذتوں سے ماورا کچھ دیکھ ہی نہیں سکتی۔ اس کے علاوہ وہ کچھ اور سوچ ہی نہیں سکتے۔ ان دُوں ہمتوں اور کم نظروں کو ان کے حال پر چھوڑ دیجیے۔

۳۱ جو لوگ کفر و شرک کے مرتکب ہیں اور اس کے باوجود دعویٰ کرتے ہیں کہ وہی راہِ حق پر گامزن ہیں، جو کچھ وہ کر رہے ہیں وہی درست ہے، جس منزل پر وہ پہنچنے کے لیے کوشاں ہیں، انسانی زندگی کی صحیح منزل وہی ہے اور جنہوں نے اسلام کی دعوت قبول کر لی ہے، انہیں مارا پیٹا جاتا ہے۔ طرح طرح کے دُکھ پہنچائے جاتے ہیں، لیکن اے حبیب! وہ تیرا دامن چھوڑنے کے لیے ہرگز تیار نہیں۔ ان اہلِ حق کو یہ لوگ نادان اور گم کردہ راہ سمجھتے ہیں۔ یہ سراسر ان کی زیادتی ہے اور ان کی بھول ہے۔ کون گمراہ ہے، کون ہدایت یافتہ ہے، اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ خود کرے گا جو سب سے زیادہ علم والا ہے اور اسی کا فیصلہ صحیح اور آخری ہو گا۔

۳۲ وہ ذاتِ پاک جو گمراہ اور ہدایت یافتہ کو جانتی ہے، جس کی بادشاہی کا پرچم آسمانوں کی بلندیوں اور زمین کی پستیوں میں لہرا رہا ہے، اسی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ بدکاروں کو ان کی بدکاریوں کی سزا دے اور نیکوکاروں کو ان کی نیکیوں

اللَّمَمَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ۚ هُوَ أَعْلَمُ بِكُمْ إِذْ أَنشَأَكُم مِّنَ

شاذ و نادر۔ بلاشبہ آپ کا رب وسیع بخشش والا ہے ۳۳؎ وہ اس وقت سے خوب جانتا ہے تمہیں جب اس نے تمہیں زمین سے

کی جزا دے۔

۳۳؎ یہ آیت الذین احسنوا کا بدل ہے یا عطف بیان ہے یا صفت ہے۔ یہاں مضارع کا صیغہ اس لیے بیان کیا گیا ہے تاکہ اجتناب کے تجدد اور استمرار پر دلالت کرے۔ وہ ہمیشہ گناہوں سے اجتناب کرتے رہتے ہیں۔

گناہ کبیرہ اور فاحشہ کے مفہوم کے بارے میں علماء کے متعدد اقوال ہیں جن میں سے چند پیش کیے جاتے ہیں:

کبائر الاثم سے مراد شرک ہے کیونکہ یہ تمام کبیرہ گناہوں سے بڑا اور گھناؤنا گناہ ہے اور فاحشہ سے مراد زنا ہے جو بے حیائی کی انتہا ہے۔

مقاتل کہتے ہیں ہر گناہ جس کی سزا آتش جہنم ہے وہ کبیرہ ہے اور جس کی سزا کوئی شرعی حد ہے وہ فاحشہ ہے۔

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا ارشاد ہے کہ کبیرہ گناہ سات ہیں۔ صحیحین کی اس حدیث سے بھی آپ کے ارشاد کی تصدیق ہوتی ہے:

اجتنبوا السبع الموبقات الاشراك بالله تعالى والسحر وقتل النفس التى حرم الله تعالى الا بالحق واكل مال اليتيم واكل الربو والتولى يوم الزحف وقذف المحصنات الغافلات المومنات۔

ترجمہ: سات برباد کرنے والی چیزوں سے اجتناب کیا کرو۔ شرک باللہ، جادو، قتل بے گناہ، یتیم کا مال کھانا، سود کھانا، میدان جنگ سے بھاگنا، پاک دامن بے خبر مومن عورتوں پر تہمت لگانا۔

گناہ کبیرہ کے بارے میں متعدد روایات ہیں۔ کسی میں ان کی تعداد پانچ، کسی میں سات، کسی میں چودہ اور کسی میں پچیس مذکور ہے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر وہ کام جس سے کتاب و سنت کی صریح نص سے منع کیا گیا ہو یا اس کے لیے کوئی حد شرعی مقرر ہو یا جس کی سزا جہنم بتائی گئی ہو یا جس کے مرتکب کو لعنت کا مستحق قرار دیا گیا ہو یا جس پر غضب کے نزول کی خبر دی گئی ہو، ایسی تمام باتیں کبیرہ گناہ ہیں۔ ان کے علاوہ جو دوسرے گناہ ہیں، انہیں گناہ صغیرہ کہا جاتا ہے۔ یاد رہے کہ گناہ صغیرہ پر اصرار اور شریعت کے کسی فرمان کا استخفاف اور تحقیر کا شمار بھی کبیرہ گناہوں میں ہوتا ہے۔

اللمم کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ راغب لکھتے ہیں: اللمم مقاربة المعصية ويعبر به عن الصغيرة ويقال فلان يفعل كذا لمما اى حينا بعد حين (مفردات)

یعنی معصیت کے قریب ہونے کو لمم کہتے ہیں۔ گناہ صغیرہ کو بھی لمم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ نیز جو کام گاہے گاہے کیا جائے اس کو بھی لمم کہتے ہیں۔

قال ابو اسحق الزجاج: اصل اللمم والالمام مايعمله الانسان المرة بعد المرة ولايتعمق فيه ولايقيم عليه يقال

الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ

پیدا کیا اور جبکہ تم حمل تھے اپنی ماؤں کے شکموں میں پس اپنی خودستائی نہ کیا کرو۔

هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ﴿۳۲﴾ اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ تَوَلّٰى ﴿۳۳﴾ وَاَعْطٰى قَلِيْلًا وَّ

وہ خوب جانتا ہے کہ کون پرہیزگار ہے ۳۴ کیا آپ نے ملاحظہ فرمایا جس نے روگردانی کی ۳۵ اور تھوڑا سا مال دیا پھر

المت به اذا زرته وانصرفت عنه (قرطبی)

یعنی زجاج کہتے ہیں کہ لمم اور المام اس کام کو کہتے ہیں جو کبھی کبھی کیا جائے اور اس میں تعمق نہ کیا جائے اور اس میں ہمیشگی نہ کی جائے۔ جب تو کسی آدمی کی ملاقات کے لیے جائے اور مل کر فوراً واپس چلا جائے تو کہتے ہیں المتُ بہ۔

عرب شاعر کا ایک شعر بھی اسی مفہوم پر دلالت کرتا ہے:

المت فحیت ثم قامت فودعت   فلما تولت کادت النفس تزھق

ترجمہ: وہ تھوڑی دیر کے لیے آئی، اس نے سلام کیا، پھر وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور اس نے الوداع کہا۔ جب اس نے پیٹھ پھیری تو قریب تھا کہ رُوح پرواز کر جائے۔

آیت کے ان کلمات کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ بڑے بڑے گناہوں سے گریزاں رہتے ہیں، بے حیائی کے کاموں سے دُور بھاگتے ہیں، الّا یہ کہ کبھی کبھی ان سے کوئی غلطی صادر ہو جاتی ہے تو فوراً اس سے دامن کش ہو جاتے ہیں۔ اے محبوب! آپ کا رب انہیں اپنی مغفرت کے وسیع دامن میں پناہ دے گا۔ بے شک آپ کے رب کی مغفرت کا دامن بڑا وسیع ہے۔

۳۴ بعض کم ظرف لوگ اپنی نیکیوں پر اترانے لگتے ہیں، اپنی پارسائی اور پرہیزگاری کے قصے جھوم جھوم کر بیان کرتے ہیں۔ یہ باتیں اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہیں۔ یہ خودنمائی اور خودستائی ان کے سارے اعمالِ حسنہ کا بیڑا غرق کر دے گی، اس لیے منع فرمایا جا رہا ہے کہ لوگوں پر اپنے تقویٰ اور نیکی کا رعب جمانے کی عادت ترک کر دو، کیونکہ تمہارا معاملہ اللہ تعالیٰ سے ہے جو تمہارے ظاہر اور باطن کو خوب جانتا ہے۔ صرف آج سے ہی نہیں بلکہ اس وقت سے جب تمہارا نطفہ رحمِ مادر میں قرار پانے کے بعد اپنی تکمیل کے مرحلے طے کر رہا تھا، بلکہ اس سے بھی ہزاروں سال پہلے جب تمہارے باپ آدم کا خمیر مٹی سے تیار کیا جا رہا تھا اور تمہارا ہیولیٰ اس کی پشت میں ودیعت کیا جا رہا تھا۔ جو خدا تمہیں ابتدائے آفرینش سے جانتا ہے اس کے سامنے شیخی بگھارنا تمہیں زیب نہیں دیتا۔ وہ خود جانتا ہے کہ تم میں سے متقی اور پرہیزگار کون ہے اور فسق و فجور کی آلائشوں سے کون آلودہ ہے۔ تمہارے بتانے کی اسے حاجت نہیں۔ اگر وہ تمہاری لغزشوں پر فوری گرفت نہیں کرتا یا تمہارے جرائم کا پردہ فاش نہیں کرتا تو یہ محض اس کا لطف و کرم ہے۔ اس میں تمہاری پاکبازی کا کوئی دخل نہیں۔

۳۵ بعض علمائے تفسیر نے لکھا ہے کہ یہ آیت ولید ابن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ ولید حضور علیہ الصلوٰۃ

کنجوس بن گیا ۳۵ کیا اس کے پاس علمِ غیب ہے اور وہ دیکھ رہا ہے ۳۶ کیا وہ آگاہ نہیں ہوا جو

والسلام کی خدمتِ عالیہ میں اکثر حاضر ہوتا اور آیاتِ قرآنی سُناکرتا جنہیں سُن کر وہ بے اختیار کہہ اٹھتا کہ بخدا یہ کلام بڑا سرسبز ہے اس کی شاخیں پھلوں سے لدی ہیں۔ اس کی رونق و شگفتگی دل موہ لینے والی ہے۔ نہ یہ جادو ہے اور نہ شعر۔

اس کے احباب اور رشتہ داروں کو جب ان باتوں کا پتہ چلا تو انہیں یہ فکر دامنگیر ہوئی کہ کہیں وہ اسلام قبول کرنے کا برملا اعلان نہ کر دے، چنانچہ اس کا ایک بے تکلف دوست اس کے پاس آیا اور اسے بڑی لعنت ملامت کی کہ تم اپنے آباء و اجداد اور اپنے بڑوں کے مذہب کو چھوڑ رہے ہو اور ایک نیا دین اختیار کر رہے ہو۔ بڑے شرم کی بات ہے۔ اس نے کہا کہ مجھے عذابِ قیامت سے بڑا ڈر لگتا ہے۔ اس دوست نے کہا کہ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تم اتنا مال مجھے دے دو تو قیامت کے روز میں تمہارے حصے کا عذاب بھی اپنے سر پر اٹھا لوں گا، چنانچہ ولید نے اسلام لانے کا ارادہ ترک کر دیا اور جس مال کا وعدہ اس ضامن سے کیا تھا اس میں سے کچھ تو اسے دے دیا بقیہ دینے سے مُکر گیا۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسولِ کریم کو فرماتے ہیں کہ کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے حق قبول کرنے سے منہ پھیر لیا، پھر اپنے ضامن کو پورا معاوضہ بھی نہ دیا، یہ شخص کتنا احمق ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ روزِ حساب کوئی شخص اس کے حصے کا عذاب برداشت کرے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ کتنا بڑا بخیل ہے کہ جتنا مال دے کر اپنی جان بخشی کروانے کا اس نے سودا کیا تھا وہ بھی اس نے پورا ادا نہیں کیا۔ حماقت اور بخل دونوں عیب اس میں پائے جاتے ہیں۔

۳۶ اَکْدٰی، علامہ راغب لکھتے ہیں اَلْکُدْیَۃُ صلابۃ فی الارض یقال حفر فاکدیٰ اذا وصل الی کُدیۃ و استعیر ذٰلک للطالب المخفق والمعطی المقل (مفردات)

ترجمہ: زمین کھودتے ہوئے اگر پتھریلی تہہ آجائے تو عرب کہتے ہیں حَفَرَ فَاَکْدٰی اس نے زمین کھودی اور نیچے سے چٹان نکل آئی۔ بطور استعارہ ناکام طلبگار اور تھوڑا دینے والے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

علامہ فیروز آبادی قاموس میں لکھتے ہیں، اکدیٰ: بخل او قلّ خیرہ او قلّ عطاءہ۔ بخل کرنا، کسی کی بھلائی کا کم ہونا، کسی کی عطا کا قلیل ہونا۔ المنجد میں ہے اکدیٰ اکداءً: بخل فی العطاء: اس نے دینے میں بخل سے کام لیا۔

۳۷ یعنی اس نے جو یہ خیال کر لیا کہ فلاں شخص قیامت کے روز اتنی رقم کے بدلے میں اس کا عذاب اپنے سر لے لے گا۔ کیا اس کے پاس غیب کا ایسا علم ہے جس کے باعث اس کو اپنی اس سودا بازی کے درست ہونے کا یقین ہو گیا ہے۔

صُحُفِ مُوْسٰى ﴿٣٦﴾ وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰۤى ﴿٣٧﴾ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ

موسیٰ (علیہ السلام) کے صحیفوں میں ہے اور ابراہیم (علیہ السلام) کے صحیفوں میں جو پوری طرح احکام بجالائے ۳۸؎ کہ کوئی شخص دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں

اُخْرٰى ﴿٣٨﴾ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴿٣٩﴾ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ

اٹھائے گا ۳۹؎ اور نہیں ملتا انسان کو مگر وہی کچھ جس کی وہ کوشش کرتا ہے ۴۰؎ اور اس کی کوشش کا نتیجہ جلد

۳۸؎ اگر اس نے سابقہ آسمانی کتابوں کا مطالعہ کیا ہوتا تو اسے اپنی اس غلط اندیشی کا علم ہو جاتا۔ صحف، صحیفہ کی جمع ہے۔ صحف موسیٰ سے مراد تورات ہے جو متعدد اسفار پر مشتمل ہے۔ یہ محرف شکل میں آج بھی موجود ہے۔ صحف ابراہیم سے مراد وہ آسمانی کتاب ہے جو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوئی تھی۔ اس وقت اس کا کہیں نام و نشان نہیں ملتا۔ اس کے اہم مضامین کے بارے میں قرآن کریم نے ہی کچھ بتایا ہے۔ صحفِ ابراہیم کا ذکر قرآن کریم میں دو مقامات پر آیا ہے۔ ایک اس مقام پر، دوسری مرتبہ سورۃ الاعلیٰ کی آخری آیت میں۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھی صحیفے نازل ہوئے تھے۔ ان دو مقامات پر ان تعلیمات کا اشارتاً ذکر کر دیا جو ان میں مندرج تھیں۔

۳۹؎ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے یہ قانون رائج تھا کہ اگر ایک شخص کسی کو قتل کرتا تو قاتل کی سزا اس کے باپ، اس کے بیٹے، اس کے بھائی اور اس کی بیوی یا اس کے غلام کو بھی دی جاتی۔ ان میں سے کسی کو پکڑ کر قتل کر دیا جاتا۔

قال البغوی عن عکرمۃ عن ابن عباس قال کانوا قبل ابراھیم علیہ السلام یاخذون الرجل بذنب غیرہ وکان الرجل یُقتل بقتل ابیہ وابنہ واخیہ وامرأتہ وعبدہ۔

جب آپ مبعوث ہوئے تو آپ نے اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام سنایا:

الا تزر وازرۃ وزر اخریٰ کہ کسی کا گناہ کسی دوسرے پر نہیں ڈالا جائے گا یوں اس ظالمانہ قانون کا قلع قمع ہوا۔

یہ نہ سمجھا جائے کہ کسی سابق رسول کی شریعت کا یہ مسئلہ تھا، بلکہ یہ ان کے دور جاہلیت کا ایک رواج تھا جو صدیوں سے ان میں چلا آرہا تھا اور کبھی کسی نے اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند نہ کی تھی۔ بعینہٖ اسی طرح جیسے حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے عرب میں یہ دستور تھا کہ اگر کسی غریب قبیلے کا غلام یا عورت طاقت ور قبیلے کے کسی فرد کو قتل کر دیتی تو طاقت ور قبیلہ بطور قصاص اس قاتل غلام یا عورت کو قتل کر کے مطمئن نہ ہوتا، بلکہ عورت کے بجائے ان کے کسی مرد اور غلام کے بجائے ان کے کسی آزاد مرد کو قتل کیا جاتا۔ الحر بالحر والعبد بالعبد الخ۔ نازل ہوئی تو جہالت کے اس ظالمانہ دستور کا خاتمہ ہوا۔

بظاہر بعض آیتیں اور حدیثیں اس آیت سے متعارض معلوم ہوتی ہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے من سن سنۃ سیئۃ فلہ وزرھا و وزر من عمل بھا الی یوم القیامۃ۔ اخرجہ احمد ومسلم من حدیث جریر ابن عبد اللہ۔

یعنی امام احمد اور مسلم نے جریر بن عبداللہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جو شخص بُرا طریقہ رائج کرتا ہے اس پر اس کا بوجھ بھی لادا جائے گا اور قیامت تک جو لوگ اس طریقے کو اختیار کریں گے، ان کا بوجھ بھی اس پر لادا جائے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ دوسروں کے گناہ کا بوجھ بھی کسی پر لاد دیا جاتا ہے، حالانکہ آیت اس کی نفی کرتی ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ چونکہ یہ شخص قیامت تک آنے والے بدکاروں کی بدکاری کا سبب بنا ہے، اس لیے وہ ان بدکاریوں میں شریک ہے۔ اسی کی سزا اسے ملے گی۔ یہ نہیں کہ ان بدکاروں کو کوئی سزا نہ دی جائے گی اور ان سب کی سزا اس شخص کو دی جائے گی۔

دوسری حدیث ہے جس کے راوی ابن عمر ہیں : اذا انزل اللہ بقوم عذابا اصاب العذاب من کان فیہ ثم بعثوا علی اعمالھم (متفق علیہ)

یعنی جب کسی قوم پر اللہ تعالیٰ عذاب نازل کرتا ہے تو اس قوم کے تمام افراد (نیک و بد) اس عذاب میں مبتلا ہوتے ہیں پھر قیامت کے دن وہ اپنے اعمال کے مطابق قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔

اس حدیث سے بھی یہ معلوم ہوا کہ عذاب ان لوگوں پر بھی نازل ہوتا ہے جو مجرم نہیں ہوتے، حالانکہ آیت اس کی تردید کرتی ہے، تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے جو لوگ ان جرائم کا ارتکاب نہیں کیا کرتے تھے، لیکن مجرموں کو منع بھی نہیں کرتے تھے بلکہ خاموشی سے ان گناہوں کو دیکھتے رہتے تھے، ان کی یہ خاموشی ان کا گناہ تھا جس کی وجہ سے وہ اس عذاب میں مبتلا کیے گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک حدیث جو سنن اربعہ میں مروی ہے اس میں یہ تصریح موجود ہے کہ جب لوگ ظالم کو دیکھتے ہیں اور ظلم سے اس کا ہاتھ نہیں پکڑ لیتے تو ان پر بھی عذاب نازل ہوگا۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں بتایا گیا ہے کہ جب انسان فوت ہوتا ہے اور اس کے رشتہ دار ماتم کرتے ہیں تو ان کے ماتم کرنے کے گناہ کا عذاب اس میت کو دیا جاتا ہے۔

یہ حدیث بھی اس آیت کے منافی ہے۔ اس کے بارے میں علما فرماتے ہیں کہ میت کو اس وقت عذاب ہوگا جب یا تو وہ وصیت کر جائے کہ مجھ پر ماتم کرنا یا اسے معلوم تھا کہ اس کے گھر والے اس کے مرنے پر ماتم کریں گے اور اس نے ان کو منع نہیں کیا۔ اب یہ عذاب اس کے اپنے گناہ کا ہوگا۔

بہرحال اس آیت سے معلوم ہو گیا کہ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں میں جو یہ حکم نازل ہوا تھا وہ شریعتِ محمدیہ میں بھی باقی ہے۔ کسی کے گناہ کے بدلے میں کسی دوسرے کو سزا نہیں دی جائے گی، ہر شخص اپنے فعل کا خود ذمہ دار ہے۔

۴۰؎ یہ حکم صحفِ موسیٰ اور ابراہیم علیہما السلام میں بھی موجود تھا اور شریعتِ اسلامیہ میں بھی یہ قانون باقی ہے، لیکن بعض کج فہموں نے اس آیت کو ایسے معانی پہنائے ہیں جن سے متعدد دوسری آیات کی تردید اور تکذیب ہوتی ہے، اس لیے ہمیں بڑے اطمینان سے ان باطل معانی کا جائزہ لینا چاہیے اور اس کے حقیقی مفہوم کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے، کیونکہ یہ طریقہ کسی طرح بھی مستحسن نہیں کہ ایک آیت کی ایسی من مانی تشریح کی جائے جس سے متعدد آیات کی تغلیط ہوتی ہو۔

اشتراکی ذہنیت رکھنے والے جو محنت کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں وہ اس آیت کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں

کہ ہر انسان صرف اسی چیز کا حقدار ہے جو اس نے اپنی محنت اور کوشش سے حاصل کی ہو اور اپنے اس نظریہ کو قرآن کریم کی اس آیت کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو ہمیں ان سے کسی بحث کی ضرورت نہ تھی۔ ہر شخص اپنی پسند کے مطابق جس نظریہ کو چاہے اپنائے۔ ہمیں اس پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے، لیکن اپنے من گھڑت نظریات کو قرآن کی طرف منسوب کرنا ایک ایسی زیادتی ہے جس پر خاموش رہنا ہمارے لیے ممکن نہیں۔ ہم ان صاحبان سے پوچھتے ہیں کہ کیا قرآن کریم کی متعدد آیات میں میراث کے احکام مذکور نہیں۔ باپ کے مرنے کے بعد اولاد کو جو جائیداد منقولہ اور غیر منقولہ ورثہ میں ملتی ہے کیا اس میں ان کی محنت اور کوشش کا کوئی دخل تھا۔ ایسی جائیداد کا قرآن نے انہیں کامل مالک ٹھہرایا ہے۔ خصوصاً بچیاں یا شیر خوار بچے جنہوں نے کسی طرح بھی اس جائیداد کے بنانے میں کوئی حصہ نہیں لیا، وہ بھی وارث ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ زکوٰۃ، صدقات جب کوئی شخص کسی مستحق کو دیتا ہے تو مستحق اس کا کامل مالک بن جاتا ہے۔ اس میں ہر قسم کا تصرف کر سکتا ہے، حالانکہ اس نے اس مال کے کمانے میں ایک قدم تک نہیں اٹھایا۔ آیت کا یہ خود ساختہ مفہوم اختیار کر کے کیا یہ لوگ ان صدہا آیات پر قلم تنسیخ پھیر دیں گے جن میں میراث، وصیت، زکوٰۃ، صدقات اور ہبہ کے احکام مذکور ہیں۔

ان اشتراکی اذہان کے علاوہ ایک اور فرقہ گزرا ہے جو تاریخ اسلام میں معتزلہ کے نام سے مشہور ہے۔ انہوں نے اس آیت کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ کسی کے عمل کا ثواب کسی دوسرے انسان کو نہیں پہنچ سکتا۔ ہر شخص کو انہی اعمال کا اجر ملے گا جو اس نے خود کیے ہیں، کیونکہ قرآن کریم کی اس آیت میں تصریح کی گئی ہے کہ لیس للانسان الا ما سعی۔

ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ اگر کسی کا عمل کسی کے لیے نفع بخش نہیں ہے تو قرآن کریم کی متعدد آیات میں مسلمانوں کے لیے استغفار کا حکم دیا گیا ہے اور متعدد آیات میں یہ بتایا گیا ہے کہ فرشتے مسلمانوں کے گناہوں کی بخشش کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ کئی ایسی آیتیں ہیں جن میں انبیائے کرام نے اپنے والدین، اپنی اولاد اور مومن مردوں اور عورتوں کے لیے بخشش کی دعائیں مانگی ہیں۔ اگر استغفار اور دعاؤں کا میت کو کوئی نفع نہیں پہنچتا تو پھر ان لاحاصل کاموں میں انبیاء اور ملائکہ کیوں وقت ضائع کرتے ہے اور ہمیں مسلمان بھائیوں کے لیے دعائے مغفرت کا کیوں حکم دیا گیا ہے۔ ساری امت مسلمہ نماز جنازہ ادا کرتی ہے۔ اس میں کسی فرقہ کی تخصیص نہیں۔ یہ نماز جنازہ بھی دعائے مغفرت ہے۔ اگر یہ بے سود اور لاحاصل ہے تو اس تکلف کو بجا لانے کا اسلام نے کیوں حکم دیا۔ معتزلہ کے اس مفہوم کو اگر صحیح تسلیم کر لیا جائے تو قرآن کریم کی کثیر التعداد آیتیں بے معنی ہو کر رہ جاتی ہیں۔ اس لیے امت کا اجماع اس بات پر ہے کہ ہم اپنے اعمال کا ثواب اپنے والدین اور دوسرے مومنین کو پہنچا سکتے ہیں اور اس سے انہیں فائدہ بھی پہنچتا ہے۔ اصولی طور پر تو تمام علمائے اسلام کا اس پر اتفاق ہے۔ تفصیلات میں کچھ اختلاف ہے جس کا خلاصہ پیش نظر ہے:

عبادات کی کئی قسمیں ہیں۔ خالص بدنی عبادات مثلاً نماز، روزہ، تلاوت قرآن۔ خالص مالی عبادات جیسے صدقات وغیرہ۔ مالی اور بدنی عبادات کا مرکب جیسے حج وغیرہ۔

امام مالک اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ خالص بدنی عبادات کا ثواب دوسرے کو نہیں پہنچ سکتا، البتہ عبادات کی دوسری دو قسموں کا ثواب دوسرے کو پہنچ سکتا ہے، لیکن احناف کا مسلک یہ ہے کہ ہر شخص اپنے ہر نیک عمل کا ثواب دوسرے کو بخش سکتا

ہے خواہ اس نیک عمل کا تعلق عبادت کی کسی قسم سے ہو نماز، روزہ، تلاوت قرآن، ذکر، صدقہ، حج، عمرہ جو نیک عمل بھی وہ کرے اس کے بارے میں وہ اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کر سکتا ہے الٰہی اس کا ثواب فلاں شخص کو پہنچا۔ اس بارے میں اتنی کثرت سے صحیح احادیث موجود ہیں کہ کوئی مسلمان ان کے انکار کی جرأت نہیں کر سکتا۔

یہاں ہم ان میں سے چند احادیث ہدیۂ ناظرین کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں:

۱۔ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا مات الانسان انقطع عملہ الا من ثلاث صدقۃ جاریۃ وعلم ینتفع بہ او ولد صالح یدعولہٗ (رواہ مسلم)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے، بجز تین اعمال کے کہ ان کا سلسلہ منقطع نہیں ہوتا۔ صدقۂ جاریہ، ایسا علم جس سے نفع حاصل کیا جائے یا نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرے۔

پہلے دو کام تو ایسے ہیں جن میں اس شخص کا بھی کچھ عمل دخل ہے، لیکن لڑکے کی دعا لڑکے کا اپنا فعل ہے۔ اس سے بھی میت کو فائدہ پہنچتا ہے۔

۲۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ لیرفع الدرجۃ للعبد الصالح فی الجنۃ فیقول یارب انّٰی لی ھٰذہ فیقول باستغفار ولدک لک (رواہ طبرانی)

ترجمہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جنت میں کسی عبد صالح کے درجے کو بلند فرما دیتا ہے۔ وہ بندہ پوچھتا ہے یارب میرا درجہ کیسے بلند ہوا؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تیرے لڑکے نے تیرے لیے استغفار کی اس کی برکت سے تیرا درجہ بلند ہوا۔

۳۔ عن ابن عباس قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما المیت فی قبرہ الا شبہ الغریق المتغوث ینتظر دعوۃ ملحقۃ من أب وام او ولد او صدیق ثقۃ واذا الحقتہ کانت احب الیہ من الدنیا وما فیھا وان اللہ لیدخل علی القبور من دعاء اھل الارض امثال الجبال وان ھدیۃ الاحیاء الی الاموات الاستغفار لھم (رواہ بیہقی والدیلمی)

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قبر میں میت کی مثال ڈوبنے والے کی طرح ہوتی ہے جو فریاد کر رہا ہوتا ہے اور اس چیز کا منتظر ہوتا ہے کہ اس کے باپ، اس کی ماں یا لڑکے یا باوفا دوست کی دعا اسے پہنچے اور جب وہ دعا اسے پہنچتی ہے تو اس کی قدر و منزلت اس کے نزدیک دنیا و مافیہا سے زیادہ ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اہل زمین کی دعاؤں کی برکت سے قبروں پر رحمت کے پہاڑ بھیجتا ہے اور مرے ہوؤں کے لیے دوستوں کا تحفہ یہ ہے کہ وہ ان کے لیے دعائے مغفرت کیا کریں۔

۴۔ عن عائشۃ ان رجلا قال یارسول اللہ ان امی افتلتت نفسھا ولم توص واظنھا لو تکلمت تصدقت فھل لھا اجر ان تصدقت عنھا قال نعم (متفق علیہ)

ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! میری ماں اچانک فوت ہو گئی اور کوئی وصیت نہ کر سکی۔ میرا خیال ہے اگر اسے

بولنے کا موقع ملتا تو وہ صدقہ دیتی۔ اگر میں اس کی طرف سے صدقہ دوں تو کیا اسے اس کا اجر ملے گا۔ حضور نے فرمایا بے شک!

۵۔ عن ابن عباس ان سعد بن عبادہ توفیت امہ وھو غائب فاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم ان امی ماتت وانا غائب فھل ینفعھا ان تصدقت عنھا قال نعم وقال انی اشھدک ان حائطی صدقۃ عنھا۔ (رواہ البخاری)

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ سعد ابن عبادہ کی والدہ نے وفات پائی تو آپ موجود نہ تھے جب واپس آئے تو حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گزارش کی یارسول اللہ! میری والدہ نے میری غیر حاضری میں وفات پائی۔ اگر میں اس کی طرف سے صدقہ دوں تو کیا اسے کوئی نفع پہنچے گا تو حضور نے فرمایا ہاں پہنچے گا۔ انہوں نے عرض کی حضور آپ گواہ رہیں میں نے اپنا باغ اس کی طرف سے صدقہ کیا۔

۶۔ عن انس سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول مامن اھل بیت یموت منھم ویتصدقون عنہ بعد موتہ الا اھدیٰ لہٗ جبرائیل علی طبق من نور ثم یقف علی شفیر القبر فیقول یا صاحب القبر العمیق ھٰذہٖ ھدیۃ اھداھا الیک اھلک فاقبلھا فیدخل علیہ فیفرح بھا فیستبشر ویحزن جیرانہ الذین لا یُھدیٰ الیھم شیئٌ (رواہ طبرانی فی الاوسط)

حضرت انس کہتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب کوئی شخص کسی گھر سے فوت ہوتا ہے اور گھر والے اس کی طرف سے صدقہ کرتے ہیں تو جبرئیل امین نور کے تھال پر اسے رکھتے ہیں پھر اس کی قبر کے دہانے پر کھڑے ہو کر کہتے ہیں اے گہری قبر کے رہنے والے! یہ ہدیہ ہے جو تیرے گھر والوں نے تیری طرف بھیجا ہے تو اسے قبول کر۔ اس کی خوشی اور مسرت کی کوئی حد نہیں رہتی اور اس کے پڑوسی جن کی طرف کوئی ہدیہ نہیں بھیجا جاتا وہ بڑے غمناک ہوتے ہیں۔

۷۔ عن انس قال جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان ابی مات ولم یحج حجۃ الاسلام فقال ارأیت لو کان علی ابیک دین کنت تقضیہ عنہ قال نعم قال فانہ دین علیہ فاقضہ (رواہ بزاز والطبرانی بسند حسن)

حضرت انس فرماتے ہیں ایک شخص نبی کریم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا میرا باپ فوت ہو گیا ہے اور اس نے حج نہیں کیا۔ حضور نے فرمایا یہ بتاؤ اگر تیرے باپ پر قرضہ ہوتا تو کیا تو اسے ادا کرتا۔ اس نے عرض کیا یارسول اللہ! ہاں ادا کرتا۔ حضور نے فرمایا یہ حج بھی اس پر قرض ہے۔ اس کو ادا کرو۔

۸۔ عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ من مر علی المقابر وقرأ قل ھو اللہ احد احد عشر مرۃ ووھب اجرہ للاموات اعطی من الاجر بعدد الاموات۔ (رواہ ابو محمد السمرقندی)

ابو محمد سمرقندی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے یہ حدیث مرفوع نقل کی ہے کہ جو شخص قبرستان میں سے گزرے اور گیارہ مرتبہ قل شریف پڑھ کر اہل قبرستان کو بخشے تو جتنے لوگ وہاں دفن ہوں گے ان کی تعداد کے برابر اسے ثواب ملے گا۔

۹۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من دخل المقابر ثم قرأ فاتحۃ الکتاب وقل ھو اللہ احد والھاکم التکاثر ثم قال انی جعلت ثواب ما قرأت من کلامک لاھل المقابر من المومنین والمومنات کانوا شفعاء لہ الی اللہ (رواہ ابوالقاسم سعد ابن علی)

ابوالقاسم سعد ابن علی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص قبرستان میں داخل ہو پھر سورہ فاتحہ، قل شریف اور الھاکم التکاثر پڑھے پھر یہ کہے کہ الٰہی میں نے تیرے کلام سے جو پڑھا ہے اس کا ثواب اس مقبرہ کے مومن مردوں اور عورتوں کو بخشتا ہوں۔ تو یہ لوگ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی جناب میں اس کی شفاعت کریں گے۔

۱۰۔ عن انس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من دخل المقبرۃ فقرأ سورۃ یٰس خفف اللہ عنھم۔ (اخرجہ عبدالعزیز صاحب الخلال بسندہ)

حضرت انس سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص قبرستان میں داخل ہوتا ہے اور سورۃ یٰس پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اہل قبور پر تخفیف کر دیتا ہے۔

کثیر التعداد احادیث میں سے یہ چند مرفوع احادیث ہیں جو اوپر نقل کی گئی ہیں صحابہ کرام کا بھی اسی پر تعامل تھا۔

حضرت امام حسن اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد آپ کو ایصال ثواب کرنے کے لیے غلام آزاد کیا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بھائی حضرت عبدالرحمٰن وفات پا گئے تو حضرت عائشہ نے ان کے لیے غلام آزاد کیا اور فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ وفات کے بعد یہ چیز انہیں نفع پہنچائے گی۔

مسلمانوں کا ہمیشہ سے یہ معمول رہا ہے کہ وہ اپنے وفات پانے والوں کی روح کو ایصال ثواب کرتے ہیں، علامہ پانی پتی لکھتے ہیں قال الحافظ شمس الدین ابن عبد الواحد ما زالوا فی کل مصر یجتمعون و یقرؤن لموتاھم من غیر نکیر فکان ذلک اجماعا۔

ترجمہ: حافظ شمس الدین ابن عبدالواحد کہتے ہیں ہر شہر میں مسلمانوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ اکٹھے ہوتے ہیں اور اپنے فوت شدگان کے لیے قرآن کریم کی قرأت کرتے ہیں اور کبھی کسی عالم نے اس پر اعتراض نہیں کیا گویا اس پر امت کا اجماع ہے۔

۱۱۔ اخرج الخلال عن الشعبی کانت الانصار اذا مات لھم المیت اختلفوا الی قبرہ یقرؤن القرآن۔

امام شعبی سے مروی ہے کہ انصار کا یہ طریقہ تھا کہ جب ان کا کوئی آدمی فوت ہوتا تو وہ اس کی قبر پر جایا کرتے اور وہاں قرآن کریم کی تلاوت کیا کرتے۔

۱۲۔ وفی الاحیاء عن احمد ابن حنبل قال اذا دخلتم من مقابر فاقرؤا بفاتحۃ الکتاب والمعوذتین وقل ھو اللہ احد واجعلوا ذلک لاھل المقابر فانہ یصل الیھم۔

امام احمد بن حنبل نے فرمایا جب تم قبرستان میں داخل ہو تو سورۂ فاتحہ اور تینوں آخری قل پڑھو، پھر اس کا ثواب

يُرٰى ﴿٤٠﴾ ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ﴿٤١﴾ وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ﴿٤٢﴾ وَ

نظر آجائے گا ۴۱ پھر اس کو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا ۴۲ اور یہ کہ سب کو آپ کے رب کے پاس ہی پہنچنا ہے ۴۳ اور

قبرستان والوں کو پہنچاؤ۔ وہ انہیں پہنچے گا۔

جب اس کثرت سے ایصال ثواب کے بارے میں احادیث موجود ہیں تو پھر اس کا انکار کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتا' لیکن آیت کے بارے میں کیا کہا جائے گا۔

حضرت ابن عباس کا ارشاد ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اور اس کی ناسخ یہ آیت ہے:

والذين امنوا واتبعتهم ذريتهم بايمان الحقنا بهم ذريتهم۔

یعنی جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کرتی رہی تو ہم (مدارج اور مراتب میں) ان کی اولاد کو ان کے ساتھ ملا دیں گے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ آباؤ اجداد کی نیکیاں اولاد کے مراتب کو بلند کر دیتی ہیں۔ بعض نے اس آیت کی توجیہہ یہ کی ہے کہ یہاں الانسان سے مراد کافر ہے کہ کفار کو کسی کی نیکیاں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتیں۔ لیکن اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو الجھن خود بخود دور ہو جاتی ہے۔ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ ایصال ثواب سے صرف اس شخص کو نفع پہنچتا ہے جو ایمان کی حالت میں فوت ہوا ہو جس کی موت کفر پر ہوئی ہو اسے قطعاً کوئی نفع نہیں پہنچتا' تو معلوم ہوا کہ یہ سارے اعمال صالحہ جن کا ثواب ایک مومن کو پہنچایا جا رہا ہے درحقیقت اس کے ایمان کے درخت کا پھل ہیں اور ایمان کا درخت اس شخص کی اپنی سعی کا نتیجہ ہے تو گویا یہ ساری چیزیں اس کی ذاتی کوشش میں شمار ہوں گی یہی وجہ ہے کہ جو لوگ اپنے ایمان کے درخت کی اعمال صالحہ سے آبیاری کرتے رہتے ہیں اور گناہوں کی ژالہ باری سے اس کو بچائے رکھتے ہیں ان پر پھل بھی زیادہ لگتا ہے اور لوگ کثرت سے ان کی ارواح کو ایصال ثواب کرتے ہیں۔ اولیائے کرام کے مزارات پر فاتحہ پڑھنے والوں کا ہجوم اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ ان مقبول ترین بندوں نے ایمان کا جو درخت لگایا اور عمر بھر اپنے گریۂ سحری سے اسے سینچتے رہے اس کی بہار اور اس کا جوبن قابل دید ہے۔

ارشاد ربانی ہے مثل كلمة طيبة كشجرة طيبة اصلها ثابت و فرعها فى السماء تؤتى اكلها كل حين باذن ربها۔ کہ کلمۂ طیبہ کی مثال ایک پاکیزہ درخت کی طرح ہے جس کی جڑیں پاتال تک چلی گئی ہیں اور اس کی شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں۔ یہ درخت ہر لحظہ پھل دے رہا ہے۔

اس مسئلہ کے دیگر مباحث ضیاء القرآن سورہ النحل کی آیت ۱۱۵ کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیے۔

(نوٹ: اس آیت کی تشریح میں ایصال ثواب کے بارے میں جو احادیث درج کی گئی ہیں اور جو آثار نقل کیے گئے ہیں وہ تفسیر مظہری سے ماخوذ ہیں۔)

۴۱ ہر انسان اپنی زندگی کے لمحات کو جن مقاصد کے لیے صرف کر رہا ہے اور اپنی ساری قوتیں اور توانائیاں ان کے

أَنَّهُ هُوَ أَضْحَكَ وَأَبْكَىٰ ﴿٤٣﴾ وَأَنَّهُ هُوَ أَمَاتَ وَأَحْيَا ﴿٤٤﴾ وَأَنَّهُ خَلَقَ

یہ کہ وہی ہنساتا ہے اور رلاتا ہے ۴۳ اور یہ کہ وہی مارتا ہے اور جلاتا ہے اور یہ کہ اسی نے پیدا فرمائیں

حصول کے لیے وقف کیے ہوئے ہے، قیامت کے روز ان کی پوری طرح جانچ پڑتال کی جائے گی اور اس کے مقاصد اور اس کی نیت کے مطابق اس کی جد و جہد کے نتائج برآمد ہوں گے، اس لیے آج اپنے اعمال کا خود احتساب کیا کرو تاکہ قیامت کے روز تمہیں نادم اور شرمسار نہ ہونا پڑے۔

۴۲ ہر شخص کو اس کے اعمال اور اس کی مساعی کی پوری پوری جزا دی جائے گی۔ اگر وہ زندگی بھر نفس کی خواہشات کی تکمیل میں لگا رہا، کبھی اپنے رب کی یاد اور عبادت کا اسے خیال نہ آیا تو اس کا بدلہ ملے گا اور جو شخص اپنے کریم پروردگار کی رضا حاصل کرنے کے لیے مصروف رہا، مصائب و آلام کی پروا کیے بغیر تسلیم و رضا کی راہ پر قدم بڑھاتا رہا تو اس کی جو پذیرائی ہو گی اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔

۴۳ ہر چیز کو روزِ حشر اپنے رب کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے۔ کوئی شخص کہیں چھپ نہیں سکے گا اور کوئی شخص کہیں بھاگ کر روپوش نہیں ہو جائے گا۔

بعض حضرات نے اس کا دوسرا مفہوم بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ منتہیٰ مصدر میمی ہے۔ اس کا معنی انتہا ہے یعنی فکرِ انسانی حقائق اشیا کے میدان میں گرم سیر رہتا ہے، لیکن جب حرم ذات تک پہنچ جاتا ہے تو پھر رک جاتا ہے۔ اس سے آگے دم مارنے کی اسے مجال نہیں ہوتی۔

وقیل المعنی انه عزوجل منتهی الافکار فلا تزال الافکار تسیر فی بیداء حقائق الاشیاء وماهیاتها والاحاطة بما فیها حتی اذا وجهت الی حرم ذات الله عزوجل وحقائق صفاته وقفت وحرنت وانتهی سیرها۔

حضرت ابن عباس کی روایت اس قول کی تصدیق کرتی ہے:

قال مر النبی صلی الله تعالی علیه وسلم علی قوم یتفکرون فی الله فقال تفکروا فی الخلق ولا تفکروا فی الخالق فانکم لن تقدروه۔ (ابن ماجه)

یعنی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ایک روز ایک ایسی قوم کے پاس سے گزرے جو ذاتِ الٰہی میں غور و فکر کر رہے تھے تو حضور نے انہیں ارشاد فرمایا مخلوق میں تو بے شک غور و فکر کیا کرو، لیکن ذاتِ خالق کو اپنی سوچ کا موضوع مت بناؤ کیونکہ یہ چیز تمہاری طاقت اور قدرت سے ماورا ہے۔

حضرت ابوذرؓ سے بھی اسی سے ملتی جلتی حدیث منقول ہے:

قال رسول الله صلی الله تعالی علیه وآله وسلم تفکروا فی خلق الله ولا تفکروا فی الله فتهلکوا۔ (روح المعانی)

یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ کی مخلوق میں تو غور و فکر کیا کرو، لیکن اس کی ذات میں فکر نہ کیا کرو، ورنہ

الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنْثٰى ﴿٤٥﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى ﴿٤٦﴾ وَاَنَّ عَلَيْهِ

دونوں قسمیں نر اور مادہ (وہ بھی) ایک بوند سے جب ٹپکتی ہے۔ اور یہ کہ اسی (اللہ تعالیٰ) کے ذمہ

النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى ﴿٤٧﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَاَقْنٰى ﴿٤٨﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ

ہے دوسری بار پیدا فرمانا ۴۵ اور یہ کہ وہی غنی کرتا ہے اور مفلس بناتا ہے ۴۶ اور یہ کہ وہی شعریٰ (ستارے) کا

الشِّعْرٰى ﴿٤٩﴾ وَاَنَّهٗ اَهْلَكَ عَادَا لِۨالْاُوْلٰى ﴿٥٠﴾ وَثَمُوْدَاۡ فَمَاۤ اَبْقٰى ﴿٥١﴾ وَقَوْمَ

رب ہے ۴۷ اور یہ کہ اسی نے ہلاک کیا عادِ اوّل (قوم ہود) کو ۴۸ اور ثمود کو بھی پھر کسی کو نہ چھوڑا۔ اور ہلاک کیا قوم

ہلاک ہو جاؤ گے۔

۴۴ چاہے تو کسی کو خوش کر کے ہنسا دے اور چاہے تو کسی کو غم واندوہ میں مبتلا کر کے اسے رُلا دے۔ مسرتیں اور غم اسی کے دستِ قدرت میں ہیں۔ عقل مندی کا تقاضا تو یہ ہے کہ اسی کی بندگی کا قلادہ گلے میں ڈال کر اس کے دربار میں حاضر ہو جاؤ۔ اس سے خوشی کی بھیک مانگو اور حزن وملال سے اسی کی پناہ طلب کرو۔ اس کے در کو چھوڑ کر ادھر ادھر خوشیوں کی تلاش میں بھٹکتے پھرنا محض جہالت اور نادانی ہے۔

۴۵ موت وحیات بھی اسی کے دستِ قدرت میں ہے۔ منی کی بوند ایک جیسی ہوتی ہے۔ وہ اپنی حکمت سے کسی سے نر پیدا کرتا ہے اور کسی سے مادہ۔ جو خالق اتنی طاقت اور قوت کا مالک ہے اس کے لیے قطعاً یہ امر مشکل نہیں کہ وہ قیامت کے روز تمہارے بکھرے ہوئے ذروں کو جمع کر کے ان میں نئی زندگی پھونک دے۔

۴۶ اللہ تعالیٰ کی ایک دوسری شان بیان فرمائی جا رہی ہے۔ مال ودولت کے خزانے بھی اسی کے قبضے میں ہیں۔ چاہے تو کسی کو مالا مال کر دے اور اسے بے حساب رزق عطا فرمائے اور چاہے تو کسی کو مفلس اور کنگال کر دے وہ پارہ نان کے لیے ترستا ہے اور اسے وہ بھی نصیب نہ ہو۔ یہ اس کی حکمت کے کرشمے ہیں۔ ان میں جو اسرار پنہاں ہیں ان کی حقیقت سے وہی خوب واقف ہے۔ اقنیٰ کے کئی اور معانی بھی بتائے گئے ہیں لیکن میرے نزدیک اس کا وہی معنی یہاں زیادہ مناسب ہے جو میں نے بیان کیا ہے۔

۴۷ ایک نہایت روشن ستارہ ہے جو جوزا کے بعد طلوع ہوتا ہے۔ اس کو شعریٰ کہتے ہیں۔ شعریٰ نام کے دو ستارے ہیں۔ ایک کو شعریٰ عبور اور دوسرے کو شعریٰ غمیصا کہتے ہیں۔ اساطیرِ عرب میں ہے کہ یہ دونوں سہیل ستارہ کی بہنیں ہیں۔ بعض عربی خرافات میں یوں مذکور ہے کہ سہیل اور شعریٰ دونوں میاں بیوی تھے۔ سہیل نیچے کی طرف ڈھل آیا اور یمانی ہو گیا۔ شعریٰ اس کی بیوی کہکشاں کو عبور کر کے اس کے پیچھے پیچھے پہنچ گئی۔ اس لیے اسے الشعریٰ العبور کہتے ہیں اور دوسری وہیں رک گئی اس لیے اس کو الشعریٰ الغمیصا کہتے ہیں۔ اس کا دوسرا نام کلب الجبار بھی ہے کیونکہ یہ جوزا، جسے جبار کہا جاتا ہے، اس کے پیچھے پیچھے کتے کی طرح چلتا ہے۔

نُوۡحٍ مِّنۡ قَبۡلُ ؕ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا هُمۡ اَظۡلَمَ وَ اَطۡغٰى ﴿۵۲﴾ وَ الۡمُؤۡتَفِكَةَ

نوح کو ان سب سے پہلے۔ وہ بڑے ظالم اور سرکش تھے۔ اور (لوط کی) اوندھی بستی کو بھی

اَهۡوٰى ﴿۵۳﴾ فَغَشّٰهَا مَا غَشّٰى ﴿۵۴﴾ فَبِاَىِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ﴿۵۵﴾ هٰذَا

برباد کر دیا ۴۹ پس ان پر چھا گیا جو چھا گیا ۵۰ پس اے سننے والے بتا تو اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلائے گا ۵۱ یہ

اگرچہ اللہ تعالیٰ تمام ستاروں کا رب ہے لیکن اسے خصوصیت سے رب الشعریٰ کہا گیا ہے کیونکہ بقول سدی حمیر اور خزاعہ کے قبیلے اس کی عبادت کیا کرتے تھے۔ سب سے پہلے جس نے اس کی عبادت شروع کی اس کا نام ابوکبشہ ہے۔ عرب کے دوسرے قبائل اگرچہ اس کی عبادت نہیں کیا کرتے تھے لیکن اس کی عزت و تکریم کرنے میں سب شریک تھے اور ان کا یہ عقیدہ تھا کہ شئون کائنات میں یہ بہت موثر کردار ادا کرتا ہے۔

شعریٰ ستارے کے انگریزی میں کئی نام ہیں۔ اسے SIRIUS ، DOG STAR اور CANIS MAJORIS بھی کہا جاتا ہے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں SIRIUS کے عنوان کے ضمن میں جو معلومات فراہم کی گئی ہیں ان کا خلاصہ پیش خدمت ہے : یہ ستارہ مجموعہ نجوم میں روشن ترین ستارہ ہے۔ سورج سے بھی اس کی روشنی اکیس گنا زیادہ ہے اور حجم میں بھی یہ سورج سے بڑا ہے۔ اس کی سطح کا درجہ حرارت بھی کافی زیادہ ہے۔ زمین سے اس کا فاصلہ آٹھ اعشاریہ چھ (۸۰۶) نوری سال ہے۔ قدیم مصری اس کو بہت مقدس مانتے تھے کیونکہ جس موسم میں یہ طلوع ہوتا اس وقت دریائے نیل میں سیلاب کی آمد آمد ہوتی۔ تمام علاقہ سیراب ہو کر سرسبز و شاداب ہو جاتا۔ مصریوں کا عرصہ دراز تک یہی عقیدہ رہا کہ شعریٰ ستارہ کے طلوع کے باعث مصر میں خوشحالی کا دور دورہ ہوتا ہے اس لیے وہ اسے ہر قسم کی سرسبزیوں اور شادابیوں کا خالق یقین کرتے تھے اور اس کی عبادت کیا کرتے تھے۔ (انسائیکلوپیڈیا، جلد ۲۰)

ہو سکتا ہے کہ اہل عرب میں اس کی عبادت کا تصور مصر ہی سے آیا ہو۔

۴۸ عاد اولیٰ سے مراد عاد بن ارم بن عوص بن سام بن نوح کی اولاد ہے۔ اسے اولیٰ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ نوح علیہ السلام کی قوم کی غرقابی کے بعد سب سے پہلے اس قبیلے پر عذاب نازل ہوا۔ ان کی طرف ہود علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا تھا لیکن جب ان کی سرکشی حد سے تجاوز کر گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر زور دار جھکڑ بھیجا جس نے ان کو برباد کر کے رکھ دیا۔ ان میں سے فقط وہی لوگ بچے جو حضرت ہود پر ایمان لائے تھے۔ انہیں کی اولاد کو عاد الآخرہ کہا جاتا ہے۔

ثمود جو حضرت صالح علیہ السلام کی قوم تھی اور قوم نوح جب ان کی نافرمانیاں اور عصیاں شعاریاں انتہا کو پہنچ گئیں تو ان کو بھی تباہ و برباد کر دیا گیا۔

۴۹ اس سے مراد مدائن قوم لوط علیہ السلام ہیں جنہیں جڑوں سے اکھیڑ کر اوپر اٹھایا گیا اور اوندھا کر کے ان کو زمین پر دے مارا گیا۔ اس کا مادہ اِفْكٌ ہے۔ عرب کہتے ہیں افکتہ ای قلبتہ و صرفتہ یعنی میں نے کسی چیز کو الٹ پلٹ کر پھینک دیا۔ ائتفکت

هٰذَا نَذِيرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى ﴿۵۶﴾ اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ﴿۵۷﴾ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ﴿۵۸﴾ اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَتَضْحَكُوْنَ وَ

ڈرانے والا رسول عربی بھی پہلے ڈرانے والوں کی طرح ہے ۵۲ قریب آنے والی قریب آگئی ۵۳ اللہ کے سوا اس کو کوئی ظاہر کرنے والا نہیں ۵۴ بھلا کیا تم اس بات سے تعجب کر رہے ہو ۵۵ اور بے شرموں کی طرح ہنس رہے ہو اور

بھم ای انقلبت وصار عالیھا سافلھا۔

اَھْوٰی: ای خسف بھم بعد رفعھا: یعنی پہلے اٹھایا اور پھر زور سے اوندھا پھینک دیا تاکہ وہ زمین میں دھنس جائے۔

۵۰ قوم لوط کی بستیاں زمین میں دھنس گئیں اور بحر مردار کا پانی ان پر چھا گیا اور ان کو موجوں سے ڈھانپ لیا۔ ابھی تک بحر مردار کے پانی میں یہ بستیاں ڈوبی ہوئی ہیں۔ سمندر کا پانی ان پر چھایا ہوا ہے۔

۵۱ تتماریٰ: تشکک وتجادل (مظہری) تتماریٰ کے دو معنی ہیں۔ کسی چیز میں شک کرنا اور جھگڑا کرنا۔ سامعین کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ عاد، ثمود، قوم نوح کیوں عذاب کی چکی میں پیس کر رکھ دی گئیں۔ ان کا یہی تو جرم تھا کہ وہ اللہ کی نعمتوں میں شک کرتے تھے۔ انہیں یہ یقین نہ تھا کہ ان انعامات سے انہیں ان کے رب نے سرفراز کیا ہے، بلکہ وہ بتوں کو بھی اس میں شریک سمجھتے تھے اور جب ان کے انبیاء انہیں اس غلط فہمی سے نجات کا راستہ بتاتے تو یہ ان سے جھگڑتے۔ ان کو جھٹلاتے، ان پر طرح طرح کی الزام تراشیاں کرتے، ان کا مذاق اڑاتے۔ وہ اپنے کیے کی سزا پا گئے۔ اے سننے والے! کیا تو بھی یہی روش اختیار کرنا چاہتا ہے۔ اگر ایسا ہے تو پھر ایسے دردناک عذاب اور عبرت ناک انجام کے لیے تمہیں بھی تیار رہنا چاہیے۔

جن انبیاء اور اقوام کا یہاں ذکر ہوا ہے ان سب کا تعلق ابراہیم علیہ السلام کے ماقبل زمانے سے ہے، اس لیے ہو سکتا ہے کہ یہاں تک جو مضامین بیان ہوئے ہیں وہ صحف ابراہیم میں ہوں اور انہیں ہی یہاں ذکر کر دیا گیا ہو، کیونکہ ان میں ہدایت کا جو درس ہے، حاملین قرآن کے لیے بھی اسی طرح مفید ہے جس طرح امت ابراہیمی کے لیے مفید تھا۔

۵۲ ھٰذا کے مشار الیہ کے بارے میں تین قول ہیں۔ (۱) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا کہ پیغمبر اسلام بھی پہلے ڈرانے والوں کی طرح ہیں۔ (۲) قرآن کریم یعنی یہ قرآن بھی پہلی آسمانی کتابوں کی طرح ڈرانے والا ہے۔ (۳) یہ واقعات جو تمہیں سنائے گئے ہیں، گزشتہ برباد ہونے والی قوموں کے حالات ہیں۔

۵۳ علامہ جوہری صحاح میں ازف کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں، اَزِفَ التّرحل یأزف اَزَفا: دنا واَفِدَ۔ کوچ کے وقت کا قریب ہونا۔ بتایا جا رہا ہے کہ قیامت لحظہ بلحظہ قریب سے قریب تر ہو رہی ہے۔ تمہاری موت کی گھڑی بھی نزدیک آتی جا رہی ہے اور تمہیں معلوم بھی نہیں کہ کس لمحے تمہاری زندگی کا چراغ بجھ جائے گا، اس لیے لیت ولعل میں قیمتی وقت ضائع نہ کرو۔ ابھی جو کچھ کرنا ہے کر لو۔ ایسا نہ ہو کہ مہلت کی گھڑیاں اچانک ختم ہو جائیں اور پھر تمہیں کف افسوس ملنا پڑے۔

لَا تَبْكُوْنَ ۝ وَاَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ۝ فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ۝

روتے نہیں ہو ۵۶ اور تم نے کھیل مذاق بنا رکھا ہے ۵۷ پس سجدہ کرو اللہ تعالیٰ کے لیے اور اس کی عبادت کیا کرو ۵۸

۵۴ کشف کا معنی ظاہر کرنا کسی چھپی ہوئی چیز سے پردہ ہٹا دینا۔ یعنی قیامت کو ظاہر کرنا صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے جب وہ چاہے گا اس کو آشکارا کرے گا اور برپا ہو جائے گی۔ علامہ قرطبی نے اس کا ایک اور مفہوم بھی بیان کیا ہے۔ کہتے ہیں ای لیس لھا من دون اللہ من یؤخرھا او یقدمھا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا اسے کوئی مؤخر کر سکتا ہے اور نہ مقدم کر سکتا ہے۔

۵۵ یہاں تعجب سے مراد وہ تعجب ہے جو کسی چیز کو ناقابلِ تسلیم خیال کرتے ہوئے کیا جاتا ہے۔ کفار کو سرزنش کی جا رہی ہے کہ میرا رسول ایسی کتاب لے کر تمہارے پاس تشریف لایا ہے جس کی ہر آیت سے ہدایت کے انوار پھوٹ رہے ہیں تمہیں تو اس کی قدر کرنی چاہیے تھی اور ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اس پر ایمان لے آنا چاہیے تھا۔ اُلٹے تم اس کی ہدایات پر اظہارِ حیرت و تعجب کر رہے ہو۔ گویا یہ کوئی ایسی باتیں ہیں جو تمہارے لیے تسلیم کرنے کے قابل ہی نہیں۔

۵۶ تمہیں تو چاہیے تھا گزشتہ برباد ہونے والی قوموں کے حالات پڑھ کر تم خوفِ الٰہی سے رو پڑتے اور اپنی گزشتہ لغزشوں پر آنسوؤں کے دریا بہا دیتے۔ اُلٹا تم بے حیاؤں کی طرح ہنس رہے ہو۔

۵۷ علامہ راغب سمد کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ السامد اللاھی الرافع رأسہ، جو شخص غفلت سے بڑے اپنی سے سر اٹھا کر چلا جا رہا ہو اسے سامد کہتے ہیں۔ علامہ قرطبی نے اس کے کئی اور معانی بیان کیے ہیں۔ حضرت ابن عباس نے اس کا معنی لاھون معرضون کیا ہے یعنی غفلت سے منہ موڑنے والے۔ عکرمہ نے آپ سے یہ معنی بھی نقل کیا ہے وھو الغناء بلغۃ حمیر۔ گانے بجانے کو سمود کہتے ہیں۔ حضور جب انہیں قرآن کریم پڑھ کر سناتے تو وہ گانے بجانے میں مشغول ہو جاتے تاکہ یہ پاک کلام انہیں سنائی نہ دے مبادا اس کی تاثیر سے وہ اپنے باطل عقائد کو چھوڑنے پر مجبور ہو جائیں۔

قال الضحاک سامدون شامخون متکبرون۔ وفی الصحاح سمد سمودًا رفع رأسہ تکبرا۔

۵۸ یہ سورۃ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حرمِ کعبہ میں مشرکین کے مجمعِ عام میں پڑھ کر سنائی۔ سارے حاضرین پر ایک عجیب کیفیت طاری تھی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ آیت پڑھی تو سجدے میں گر گئے۔ سامعین جن میں کفار اور مشرکین کی بھی بہت بڑی تعداد تھی سب کے سب سجدہ ریز ہو گئے۔ امیہ بن خلف بھی وہاں موجود تھا۔ اس نے نیچے سے مٹی اٹھائی اسے ہتھیلی پر رکھا اور اسی پر ماتھا رکھ دیا کہنے لگا میرے لیے اتنا ہی کافی ہے۔

کفار کی خرمستیوں اور غفلت شعاریوں کو بیان کرنے کے بعد اہلِ ایمان کو حکم دیا کہ تم عجز و نیاز سے اپنے پروردگار کی جناب میں سجدہ ریز ہو جاؤ۔ تمام باطل معبودوں کو چھوڑ کر صرف اسی وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرو جو عبادت کے لائق ہے۔ یہی معراجِ انسانیت ہے ——— یہی وہ سب سے اونچی چوٹی ہے جس پر رسائی حاصل کرنے سے انسان اپنی منزلِ مراد پر پہنچ جاتا ہے۔

یہ آیت سجدہ ہے۔ امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور اکثر اہل علم کے نزدیک اس آیت کی تلاوت کرنے والے اور اسے سننے والے پر سجدہ واجب ہے۔ امام مالک کے نزدیک یہاں سجدہ واجب نہیں۔ اگر اپنی مرضی سے کوئی کرے تو ٹھیک ہے۔ امام مالک جب یہ آیت تلاوت کرتے تو خود سجدہ کیا کرتے۔

احناف کے پاس اس سجدے کے وجوب کی کئی دلیلیں ہیں۔ ایک تو یہی روایت جو ابھی مذکور ہوئی کہ حرم شریف میں حضور نے اس سورۃ کی تلاوت فرمائی اور خود بھی سجدہ کیا اور سامعین بھی سجدہ ریز ہو گئے۔

اس کے علاوہ مؤطا میں امام مالک نے حضرت عمر کا یہ فعل نقل کیا ہے کہ آپ نے صبح کی نماز میں سورہ النجم پڑھی پھر سجدۂ تلاوت کیا، پھر اٹھے اور سورۂ زلزال پڑھی، پھر رکوع کیا۔

الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی رحمۃ للعلمین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

قد فرغت من تسوید ھذہ السطور بعد الساعۃ الثامنۃ صباح یوم الجمعۃ المبارک۔

وانا سجین فی سجن مدیریۃ سرگودھا۔ ۶ مایو سنۃ ۱۹۷۷م

وشیئ الی احب من اعماق قلبی ان تکون کلمۃ اللہ ھی العلیا وکلمۃ الذین کفروا السفلی۔

ربنا ھب لنا من ازواجنا وذریاتنا قرۃ اعین واجعلنا للمتقین اماما۔

تعارف

القمر

نام : پہلی آیت میں القمر کا کلمہ ہے۔ یہی اس کا نام ہے۔ اس میں تین رکوع، پچپن آیتیں، تین سو بیالیس کلمے اور ایک ہزار چار سو تئیس حروف ہیں۔

نزول : اس کے نزول کے بارے میں یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ اس وقت نازل ہوئی جب انشقاق قمر کا معجزہ رونما ہوا اور یہ معجزہ مکہ مکرمہ میں ہجرت سے پانچ سال پہلے منیٰ کے میدان میں ظہور پذیر ہوا۔

مضامین : آئے روز وہ ایسے معجزات کا مشاہدہ کرتے رہتے تھے جن کو دیکھنے کے بعد کوئی سلیم الطبع انسان حضور کی رسالت کا انکار نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن عقل کے اندھے ان کو جادو کہہ کر ٹال دیا کرتے۔ آخر کار ایک شان کی فرمائش پر شق القمر کا معجزہ دکھایا گیا۔ مکہ کے سارے باشندے منیٰ کے کھلے میدان میں حاضر تھے۔ آسمان پر چاند چمک رہا تھا۔ سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والتحیات نے انگلی کا اشارہ کیا۔ اشارہ کرنے کی دیر تھی کہ چاند کا کرہ دو ٹکڑے ہو گیا۔ دیکھنے والوں کو یوں محسوس ہوا کہ اس کا ایک حصہ پہاڑ کے اس طرف اور دوسرا دوسری طرف چلا گیا ہے۔ پھر وہ آناً فاناً جڑ گیا۔ کفار یہ دیکھ کر تصویر حیرت بن گئے اُن کے پاس حضور کی رسالت کے انکار کا اب کوئی عذر باقی نہ رہا۔ اتنے میں ابو جہل بولا کہ بڑا زبردست جادوگر ہے اس کا جادو آسمان پر بھی اثر کرتا ہے۔

اُن کے اس طرح انکار سے حقیقت تو مسخ نہیں کی جا سکتی۔ آخر انہوں نے اس چیز کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا تھا کہ اتنا بڑا کرہ جو ان کی زمین سے کئی گنا بڑا ہے پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا۔ اگر یہ کرہ پھٹ سکتا ہے تو دوسرے کرے کیوں پھٹ نہیں سکتے۔ یہی تو قیامت ہے جس کا وہ انکار کیا کرتے ہیں۔ بتا دیا کہ اُن کے انکار کی وجہ کوئی عقلی استحالہ نہیں بلکہ یہ لوگ محض اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں۔ اور کیونکہ ان کا عشرت پسند نفس یہ چاہتا ہے کہ قیامت کبھی نہ آئے اس لیے یہ قیامت کا انکار کرتے ہیں۔ ان بدنصیبوں کو اس وقت ہوش آئے گا جب قیامت کے دن فرشتے ان کو ہانک کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لے جا رہے ہوں گے۔ اس کے بعد ان کے سامنے چند گزشتہ قوموں کے احوال بیان کیے گئے کہ کس طرح انہوں نے اللہ کے نبیوں کو جھٹلایا۔ اُن کی دعوت کا مذاق اُڑایا۔ اپنی ظاہری قوت کے باعث ظلم و تشدد اور فسق و فجور کی زندگی بسر کرتے رہے لیکن جب مُہلت کی مقررہ مُدت ختم ہو گئی تو عذاب خداوندی آیا اور ان کو نیست و نابود کر کے رکھ دیا۔

ہر قوم کے حالات ذکر کرنے کے بعد ولقد یسرنا القرآن للذکر فهل من مدکر کی آیت کو دہرایا گیا جس سے قارئین کو تنبیہ کی گئی کہ قرآن کوئی معموں کی کتاب نہیں جس کو سمجھنا ان کے بس سے باہر ہو۔ یہ تو ایک کھلی اور واضح کتاب ہے۔ جو شخص بھی خلوصِ نیت سے اس کو سمجھنے کی کوشش کرے گا۔ اس کے لیے اس کو سمجھنا آسان ہوگا۔

گزشتہ قوموں کی بربادی کے قصے بیان کرنے کے بعد کفارِ مکہ کو مخاطب کیا جارہا ہے کہ کیا تمہیں کوئی سرخاب کے پر لگے ہیں کہ تم جو کچھ کرتے رہو تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا؟ کیا تمہارے پاس اللہ کا لکھا ہوا کوئی وعدہ ہے کہ تم حرمِ خلیل میں اگر تین سو ساٹھ بتوں کی پرستش کرتے رہو گے تو تمہیں معاف کر دیا جائے گا۔ اگر تمہیں اپنی جمعیت اور اپنے جنگجو بہادروں کی قوت پر ناز ہے تو کان کھول کر سن لو کہ تم اور تمہارے لڑاکے اللہ تعالیٰ کا مقابلہ کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔

ہم نے تمہارے تمام اعمال کو لکھ رکھا ہے۔ روزِ محشر تم اپنی غلط کاریوں اور کرتوتوں کا انکار نہیں کر سکو گے۔

نیو ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا

۳۰۔۴۔۷۷

سُوْرَةُ الْقَمَرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورہ قمر مکی ہے اس کی ۵۵ آیات اور ۳ رکوع ہیں۔ اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ﴿١﴾ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا

قیامت قریب آگئی ہے [1] اور چاند شق ہو گیا [2] اور اگر وہ کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہنے لگتے ہیں

[1] حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ اس اثنا میں سورج غروب ہونے کے قریب ہو گیا تو رحمت عالم نے فرمایا مابقی من دنیا کم فیما مضٰی الا مثل ما بقی من ھذا الیوم فیما مضٰی۔ یعنی دنیا کی مقررہ مدت میں سے اب اسی قدر وقت باقی ہے جتنا اس دن سے سورج غروب ہونے میں باقی ہے۔ یعنی کافی زمانہ گزر گیا اب وقوع قیامت میں تھوڑی مدت باقی رہ گئی ہے۔ حضرت سہل ابن سعدؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا بعثت انا والساعة ھکذا و اشار باصبعیه السبابة والوسطی۔ حضورؐ نے اپنی دو انگلیوں سبابہ اور وسطیٰ سے اشارہ کیا اور فرمایا میری بعثت اور قیامت یوں ملی ہوئی ہیں۔ اس آیت میں بھی یہی بتایا کہ قیامت برپا ہونے کا اللہ تعالیٰ نے جو وقت متعین کیا ہے وہ اب قریب آلگا ہے۔ زیادہ عرصہ گزر چکا اب تھوڑا وقت باقی ہے۔

[2] تم لوگ وقوع قیامت کا انکار کرتے ہو۔ تمہیں بڑا اچنبھا ہوتا ہے کہ کس طرح یہ سارا نظام درہم برہم کر دیا جائے گا آسمان پہاڑ، ستارے اتنی بڑی بڑی قوی ہیکل چیزیں کہاں جائیں گی۔ دیکھو چاند کو دو ٹکڑے ہوتے تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اگر چاند دو ٹکڑے ہو سکتا ہے تو باقی تمام چیزیں خواہ کتنی ہی بڑی ہوں اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ بھی ٹوٹ پھوٹ سکتی ہیں۔

علامہ قرطبی نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ مشرک اکٹھے ہو کر حضورؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے اگر آپ سچے ہیں تو چاند کو دو ٹکڑے کر دکھایئے۔ حضورؐ نے فرمایا ان فعلت تؤمنون۔ اگر میں ایسا کر دوں تو کیا ایمان لے آؤ گے؟ وہ بولے ضرور۔ اس رات کو چودھویں تاریخ تھی۔ اللہ کے پیارے رسول نے اپنے رب سے عرض کی کہ کفار نے جو مطالبہ کیا ہے اسے پورا کرنے کی قوت دی جائے۔ چنانچہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مشرکین کا نام لے کر فرما رہے تھے یا فلان یا فلان اشھدوا۔ اے فلاں اے فلاں اب اپنی آنکھوں سے دیکھ لو اور اس بات پر گواہ رہنا۔ تمہاری فرمائش پوری ہو گئی۔ حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کفار نے جب اس عظیم معجزہ کو دیکھا تو ایمان لانے کے بجائے انہوں نے کہا ھذا من سحر ابن ابی کبشة۔ یہ ابی کبشہ کے بیٹے کی نظر بندی کا اثر ہے۔ اس نے تمہاری آنکھوں پر جادو کر دیا ہے۔ چند دنوں تک باہر سے قافلے آنے والے ہیں۔ ہم ان سے پوچھیں گے۔ اس جادو کی حقیقت خود بخود کھل جائے گی۔ جب وہ قافلے کہ آئے اور ان سے پوچھا گیا کہ کیا فلاں رات کو چاند کو شق ہوتے تم نے دیکھا ہے۔ سب نے اس کی تصدیق کی لیکن اس کے باوجود کفار مکہ کو ایمان لانے کی توفیق نصیب نہ ہوئی۔

یہ معجزہ ہجرت سے پانچ سال پہلے وقوع پذیر ہوا۔ یہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ بڑے جلیل القدر صحابہ نے اسے روایت کیا ہے جن میں سے بعض کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ سیدنا علی مرتضیٰ، انس، ابن مسعود، حذیفہ، جبیر ابن مطعم، ابن عمر، ابن عباس وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں والاحادیث الصحیحۃ فی الانشقاق کثیرۃ۔ یعنی شق قمر کے بارے میں صحیح احادیث بکثرت ہیں۔ یہاں تک کہ بعض نے انہیں متواتر بھی کہا ہے۔ شارح مواقف کی بھی یہی رائے ہے۔

امام تاج الدین سبکی ابن حاجب کی المختصر کی شرح میں لکھتے ہیں الصحیح عندی ان انشقاق القمر متواتر منصوص علیہ فی القرآن مروی فی الصحیحین وغیرھما من طرق شتی بحیث لا یمتری فی تواترہ (روح المعانی) علامہ سبکی کہتے ہیں کہ میرے نزدیک انشقاق قمر متواتر ہے اور قرآن کریم کی نص سے ثابت ہے۔ صحیحین کے علاوہ دیگر کتب احادیث میں بھی اتنی سندوں سے مروی ہے کہ اس کے تواتر میں شک کی گنجائش نہیں رہتی۔

بعض قصہ گوؤں نے اس واقعہ پر مضحکہ خیز اضافے کیے ہیں کہ چاند حضور کے گریبان میں داخل ہوا اور آستین سے نکل گیا۔ علماء نے کہا ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں اور یہ سراسر باطل ہے۔

کثیر التعداد صحیح احادیث کے باوجود بعض لوگ اس واقعہ کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ واقعہ وقوع قیامت کے وقت ظہور پذیر ہوگا۔ انشق اگرچہ ماضی کا صیغہ ہے لیکن یہاں مستقبل پر دلالت کرتا ہے اور لغت عرب میں اس کی بکثرت مثالیں موجود ہیں۔ ان کے انکار کی کئی وجوہات ہیں۔ وہ کہتے ہیں اگر ایسا واقعہ پیش آیا ہوتا تو ساری دنیا میں اس کی دھوم مچی ہوتی۔ اس زمانہ کے مورخ اپنی تاریخوں میں اس کا ذکر کرتے۔ علم نجوم کے ماہرین اپنی تصنیفات میں اس کو بطور یادگار واقعہ نقل کرتے۔ اس کے متعلق گزارش ہے کہ چونکہ یہ واقعہ رات کو پیش آیا تھا اس لیے جزیرۂ عرب کے مغرب میں جو ممالک تھے وہاں اس وقت دن تھا لہٰذا وہاں تو دیکھے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نیز یہ واقعہ رات کو پیش آیا اور اچانک پیش آیا۔ لوگوں کو کیا خبر تھی کہ ایسا واقعہ رونما ہونے والا ہے تاکہ وہ بے تابی سے اس کا انتظار کرتے۔ رات کو دنیا سو رہی ہوگی۔ کسی کو کیا خبر کہ آن کی آن میں کیا وقوع پذیر ہوگیا۔ اگر کوئی اس وقت جاگ بھی رہا ہو تو ممکن ہے وہ کسی اور کام میں مشغول ہو اور اس نے اس کی طرف توجہ ہی نہ کی ہو یا توجہ کی ہو اور اس نے دیکھا بھی ہو لیکن ان پڑھ ہو یا لکھا بھی ہو اور پھر ضائع ہوگیا۔ غرضیکہ بیسیوں احتمالات ہو سکتے ہیں۔ اتنے احتمالات کی موجودگی میں ہم صحیح روایات سے ثابت شدہ واقعہ کو کس طرح غلط کہہ سکتے ہیں۔

علامہ سلیمان ندوی نے اپنی کتاب خطبات مدراس میں لکھا ہے کہ ابھی ابھی سنسکرت کی ایک پرانی کتاب ملی ہے جس میں لکھا ہے کہ مالابار کے راجہ نے اپنی آنکھوں سے چاند کو دو ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔

بعض لوگ اس وجہ سے اس واقعہ کا انکار کرتے ہیں کہ اتنا بڑا کرہ پھٹ کر دو ٹکڑے ہو جائے اور وہ دونوں ٹکڑے اگر جڑ جائیں، یہ ناممکن ہے۔ لیکن جدید سائنسی تحقیقات کی روشنی میں اسے ناممکن کہنا مشکل ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک کرہ کے اندر آتش فشاں مادہ ہو اور وہ اس طرح سے پھٹے کہ اس کے دو ٹکڑے ہو جائیں، لیکن مرکز کی مقناطیسی قوت آہنی طاقت ور ہو کہ وہ ان دونوں ٹکڑوں کو پھر سے یکجا کر دے۔ ہمیں ان تکلفات کی تب ضرورت پیش آتی جب خود بخود چاند کے پھٹنے کا واقعہ رونما ہوتا۔ جب ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ

سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝۲ وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ۝۳

یہ بڑا زبردست جادو ہے ۳؎ اور انہوں نے جھٹلایا (رسول خدا کو) اور پیروی کرتے رہے اپنی خواہشات کی ۴؎ اور ہر کام کے لیے ایک انجام ہے ۵؎

نے اپنے محبوب کی رسالت کی تصدیق کے لیے چاند کو دو ٹکڑے کیا تو اب کسی کو شک کی مجال نہیں رہتی کیونکہ جس خالق حکیم نے اس چاند کو بنایا ہے وہ اسے توڑ بھی سکتا ہے اور توڑ کر جوڑ بھی سکتا ہے۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ انشقاقِ قمر وقوعِ قیامت کے وقت ہوگا' قرآن کا سیاق وسباق ان کی اس توجیہ کو قبول نہیں کرتا کیونکہ ان یروا آیۃ والا جملہ صاف بتا رہا ہے کہ انہوں نے انشقاقِ قمر دیکھا ۔۔۔ اتنے عظیم الشان اور محیر العقول معجزہ کا مشاہدہ کیا ۔۔۔ لیکن پھر بھی ایمان لانے سے انکار کر دیا۔ یہ کلام اسی وقت درست ہو سکتا ہے جبکہ شق قمر ہو چکا ہو۔ واللہ علی کل شیئ قدیر۔

۳؎ انہوں نے اس معجزہ کا خود مطالبہ کیا تھا اور وعدہ کیا تھا کہ اگر یہ معجزہ انہیں دکھا دیا جائے تو وہ ضرور ایمان لائیں گے' لیکن جب یہ معجزہ ظہور پذیر ہوا تو ان کو ایمان کی توفیق نہ ہوئی۔ الٹا کہنے لگے یہ ایک بڑا زبردست جادو ہے۔

مُستمر کے دو معنی بتائے گئے ہیں۔ قال ابو العالیہ والضحاک: محکم قوی شدید وھو من المرۃ وھی القوۃ۔ ابو العالیہ اور ضحاک کہتے ہیں کہ یہ مِرّۃ جس کا معنی قوت ہے' سے ماخوذ ہے۔ اس کا معنی ہے مضبوط' طاقت ور۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ان کا جادو بڑا زور والا ہے۔ زمین پر ہی نہیں آسمانی چیزوں پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔ لیکن قتادہ' مجاہد اور دوسرے حضرات نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے ذاھب من قولھم مر الشیئ واستمر اذا ذھب (قرطبی) اس کا معنی ہے گزر جانے والا۔ جب کوئی چیز آئے اور گزر جائے تو عرب کہتے ہیں مر الشیئ واستمر۔

دوسری صورت میں اس جملہ کا مقصد یہ ہوگا کہ وہ اپنے دوستوں کو تسلی دینے لگے کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ پلک بھر شق قمر رہا پھر ٹھیک ہو گیا۔ یہ آنی فانی چیز تھی۔ لوگ اس کو جلدی بھول جائیں گے۔ ہمارے بتوں کی خدائی کو ایسے جادو سے کوئی خطرہ نہیں۔

۴؎ اس سے پتہ چلتا ہے جب تک انسان ہٹ دھرمی کی روش کو ترک نہ کرے' اتنا بڑا معجزہ بھی اس کی ہدایت کا سبب نہیں بن سکتا۔ ہدایت ایسی چیز نہیں جو بلا طلب کسی پر ٹھونس دی جائے۔ یہ تو متاعِ عزیز ہے' صرف اسی کو بخشی جاتی ہے جو اس کے حصول کے لیے بے تاب ہو۔

جب کفار ایمان لانے کے لیے تیار ہی نہ ہوئے تو انہیں نعمتِ ایمان سے آخر کیوں سرفراز کیا جاتا۔ انہوں نے تو دل میں یہ طے کر لیا تھا کہ وہ کسی قیمت پر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ عقل کا چراغ انہوں نے گل کر دیا تھا اور غور وتدبر کا دروازہ انہوں نے سختی سے بند کر دیا تھا۔ ایسے لوگوں کو ہدایت نصیب ہو جائے یہ سنتِ الٰہی کے خلاف ہے' اس لیے انہوں نے اس کے باوجود اللہ کے رسول کی تکذیب کی اور وحی کی روشن آیات کو چھوڑ کر اپنے نفس کی خواہشات کی تکمیل میں لگ گئے۔

۵؎ یعنی ہر کام کا کوئی نہ کوئی انجام ہے۔ جو ایمان لائے گا اور تقویٰ کا راستہ اختیار کرے گا اس کا انجام یہ ہوگا کہ اُولٰئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ کا تاج اس کے سر پر سجا دیا جائے گا اور جس شخص نے کفر و نافرمانی کو اختیار کیا' نفس وشیطان کا غلام بے دام بنا رہا اس کا

وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ﴿۴﴾ حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا

اور بے شک آ چکی ہیں ان کے پاس (پہلی قوموں کی بربادی کی) اتنی خبریں جن میں بڑی عبرت ہے ۶ وہ خبریں سراسر حکمت ہیں پس ڈرانے والوں

تُغْنِ النُّذُرُ ﴿۵﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ ۘ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ ﴿۶﴾

نے کوئی فائدہ نہ پہنچایا ۸ پس آپ رخ انور پھیر لیں ان سے۔ ایک روز بلائے گا (انہیں) بلانے والا ایک ناگوار چیز کی طرف ۸

خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ

(خوف سے) ان کی آنکھیں جھکی ہوں گی ۹ قبروں سے یوں نکلیں گے جیسے وہ پراگندہ ٹڈیاں

انجام یہ ہوگا اُولٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ کے زمرہ میں اسے داخل کردیا جائے گا۔ علامہ قرطبی نے اس کا معنی کیا ہے ای لیستقر بکل عامل عمله الخیر مستقر باهله فی الجنة والشر مستقر باهله فی النار۔ یعنی ہر عمل اپنے عامل کو کسی خاص ٹھکانے پر پہنچائے گا عمل خیر لوگوں کو جنت میں لے جائے گا اور عمل شر دوزخ میں۔

۶ ان کو راہ راست پر لانے کی یہ پہلی کوشش نہیں۔ گزشتہ گمراہ قوموں کے عبرتناک انجام سے انہیں بار بار خبردار کیا گیا ہے۔ یہ واقعات اتنے اثر انگیز تھے کہ اگر ان کے کان حق نیوش ہوتے تو انہیں کسی مزید تنبیہ کی ضرورت نہ رہتی۔

مزدجر: ازدجر سے ہے۔ اس کا معنی ہے طردہ وصاح به۔ بلند آواز سے کسی کو کسی کام سے باز رکھنا اور جھڑکنا۔ یعنی یہ واقعات انہیں سختی سے منع کر رہے تھے کہ تم گمراہی کی یہ روش چھوڑ دو۔

۷ پہلی آیت میں جو ما ہے اس کا یہ بدل ہے۔ یعنی وہ چیزیں ان کو باز رکھنے والی بھی تھیں اور سراپا حکمت بھی تھیں۔ بدل من ما فاعل جاء او خبر لمبتدا و محذوف ای هو۔ یا ھو مبتدائے محذوف کی یہ خبر ہے۔

نذر: یا تو نذیر کی جمع ہے، یعنی آپ سے پہلے بھی کئی انبیاء تشریف لائے اور یا مصدر ہے اور اس کا معنی ڈرانا ہے۔

۸ اے حبیب! آپ ان کے ایمان نہ لانے سے غمزدہ نہ ہوں بلکہ ان سے اپنا رخ انور ہی پھیر لیں۔ انہیں خوب رنگ رلیاں منانے دیں۔ وہ دن آنے والا ہے جب انہیں ایک بلانے والا ایسی چیز کی طرف بلائے گا جو انہیں ازحد ناگوار ہوگی۔ علامہ پانی پتی لکھتے ہیں۔ الداعی اسرافیل علیہ السلام یقف علی صخرة بیت المقدس یقول ایتها العظام النخرة والجلود المتمزقة والاشعار المتقطعة ان اللّٰه یامرکن ان تجمعن لفصل الخطاب۔ (مظہری) یعنی اسرافیل علیہ السلام بیت المقدس کی چٹان پر کھڑے ہو کر کہیں گے اے بوسیدہ ہڈیو! اے پھٹے ہوئے چمڑو! اے ٹوٹے ہوئے بالو! اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم اکٹھے ہو جاؤ اور فیصلے کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہو جاؤ۔ نکر: فظیع خوفناک یعنی قیامت کا دن۔

۹ لفظ خشع کی تحقیق کرتے ہوئے ابن منظور لکھتے ہیں خشع واختشع وتخشع: رمی ببصره نحو الارض

مُّنْتَشِرٌ ﴿۷﴾ مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ ۭ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ﴿۸﴾

ہیں۔ ڈرتے ڈرتے بھاگے جا رہے ہوں گے بلانے والے کی طرف ؎۱۰ کافر کہتے ہوں گے یہ بڑا سخت دن ہے ؎۱۱

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا وَقَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ ﴿۹﴾

جھٹلایا ان سے پہلے قوم نوح نے یعنی انہوں نے جھٹلایا ہمارے بندے کو اور کہا یہ دیوانہ ہے اور اسے جھڑکا بھی گیا ؎۱۲

فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ﴿۱۰﴾ فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَاۗءِ بِمَاۗءٍ

آخرکار آپ نے دعا مانگی اپنے رب سے کہ میں عاجز آگیا ہوں پس تو (ان سے) بدلہ لے ؎۱۳ پھر ہم نے کھول دیے آسمان کے دروازے موسلادھار بارش

وغضہ وخفض صوتہ۔ نگاہ زمین میں گاڑ لینا، آنکھیں بند کر لینا اور آواز کا آہستہ ہو جانا۔ خُشَّعًا جمع ہے۔ اس کا واحد خاشع ہے۔ یخرجون میں ھم ضمیر کا حال ہے اس لیے منصوب ہے۔

؎۱۰ ابن منظور لکھتے ہیں هطع واهطع، اقبل مسرعا خائفا ولا یکون الا مع خوف (لسان العرب) یعنی ڈرتے ہوئے تیزی سے کسی کی طرف جانا۔ هطع اس تیزی کو کہتے ہیں جس میں خوف بھی پایا جاتا ہو۔ مقصد یہ ہے کہ جب بلانے والا انہیں بلائے گا تو ان کی مجال نہیں ہوگی کہ اس پکار پر سستی برتیں بلکہ سینوں میں دل خوف سے دھڑک رہے ہوں گے پھر بھی کشاں کشاں دوڑے چلے جا رہے ہوں گے۔ ان آیات میں ان کے قبروں سے نکلنے اور وہاں سے بھاگنے کی منظر کشی کی جا رہی ہے۔ یعنی جب وہ قبروں سے باہر نکلیں گے تو شرم سے آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی۔ ترساں و لرزاں بھاگتے ہوئے بلانے والے کی طرف جا رہے ہوں گے۔ یوں معلوم ہوگا جیسے ٹڈیوں کا ایک بہت بڑا لشکر ایک متعین سمت میں اڑا چلا جا رہا ہے۔

؎۱۱ اس وقت کافر کہیں گے کہ یہ دن تو بڑا خوفناک اور ہولناک ہے۔ عَسِر: ای یوم شدید الھول عبوس قمطریر۔ لیکن اس روز قیامت کے دن کے بارے میں ان کا یہ کہنا بے سود ہوگا۔ اے کفار مکہ! وہ سخت دن آئے گا اور ضرور آئے گا۔ اس دن سر پیٹنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ آج ہی چشم ہوش وا کرو۔ آج ہی میرے رسول کا دامن پکڑ لو۔

؎۱۲ یہاں سے چند گزشتہ قوموں کے عبرت ناک انجام کا ذکر شروع ہو رہا ہے۔ ان کے مفصل حالات مختلف مقامات پر پہلے گزر چکے ہیں۔ تفصیلات کے لیے ادھر رجوع کیا جائے۔ یہاں فقط مشکل کلمات کی تشریح یا کوئی نئی چیز مذکور ہوئی ہے تو اس کی وضاحت پر اکتفا کیا جائے گا۔ نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب اپنی قوم کو کفر و شرک اور بدکاریوں سے روکا تو ان کم بختوں نے صرف ان کو جھٹلایا ہی نہیں، صرف انہیں دیوانہ ہی نہیں کہا بلکہ ان کو بری طرح جھڑکتے اور دھمکیاں بھی دیتے تھے کہ اگر تم نے اپنے وعظوں کا سلسلہ بند نہ کیا تو ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے۔ ازدجر: ای انتھروہ وزجروہ وتواعدوہ لئن لم تنتہ یا نوح لتکونن من المرجومین۔ انہوں نے انہیں سختی سے جھڑکا اور دھمکی دی کہ اے نوح! اگر تم باز نہ آئے تو تمہیں رجم کر دیا جائے گا۔

؎۱۳ نو سو سال سے زیادہ عرصہ آپ ان کو وعظ و نصیحت کرتے رہے لیکن ان کی حالت اور بگڑتی گئی اور ان کی شرشت

مُّنْهَمِرٍ ۝١١ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ

کے ساتھ ۱۳ اور جاری کر دیا ہم نے زمین سے چشموں کو پھر دونوں پانی مل گئے ایک مقصد کے لیے جو پہلے مقرر ہو چکا

قُدِرَ ۝١٢ وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ۝١٣ تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا ۚ جَزَآءً

تھا ۱۴ اور ہم نے سوار کر دیا نوح کو تختوں اور میخوں والی (کشتی) پر ۱۵ وہ بہتی جا رہی تھی ہماری آنکھوں کے سامنے ۱۶

لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ۝١٤ وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اٰيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝١٥ فَكَيْفَ

(یہ طوفان) بدلہ تھا اس (نبی) کا جس کا انکار کیا گیا تھا اور ہم نے باقی رکھا اس (قصہ) کو بطور نشانی پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا ۱۷ سو کیسا (خوفناک)

كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ۝١٦ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ

تھا میرا عذاب اور (کتنے سچے تھے) میرے ڈراوے اور بے شک ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن کو نصیحت پذیری کے لیے پس ہے کوئی نصیحت قبول

اور زیادہ بری ہوتی گئی تو آپ نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی۔ الٰہی! میں مغلوب اور بے بس ہوں، تو میری مدد فرما یا تو میرا انتقام لے۔

۱۳ منھمر: المنصب المتدفق۔ موسلا دھار اور بڑی قوت سے پانی گرنے لگا۔ زمین کی تہہ میں جو پانی کے سمندر رواں تھے انہیں حکم ملا وہ جگہ جگہ سے چشموں کی طرح بہ نکلے۔

۱۴ ادھر زمین اپنے پانی کے ذخائر کو انڈیل رہی تھی ادھر آسمان سے پانی کا سیلاب امڈا آرہا تھا۔ دونوں پانی یکجا ہوئے تو سارا علاقہ زیر آب آگیا۔ اونچے اونچے مکانات، بلند ٹیلے بلکہ پہاڑ بھی غرقاب ہو گئے اور اس مجرم قوم کو تباہ کرنے کا جو فیصلہ کیا گیا تھا وہ پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔

۱۵ نوح علیہ السلام نے حکم الٰہی کے مطابق لکڑی کے لمبے لمبے تختے چیر کر اور انہیں بڑے بڑے کیلوں اور مضبوط میخوں سے جوڑ کر جو کشتی تیار کی تھی اس میں آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ سوار ہو گئے۔

اَلْوَاح جمع ہے لوح کی، لکڑی کے تختے۔ دُسُر: اس کا واحد دسار ہے۔ اس کا معنی المسمار یعنی میخ یا کیل ہے۔

۱۶ بے شک کشتی بڑی مضبوط تھی لیکن طوفان بڑا تند اور اس میں اٹھنے والی لہریں بڑی خطرناک تھیں۔ کشتی کا ان کی زد سے بچ نکلنا آسان نہ تھا۔ فرمایا کشتی ہماری حفاظت میں چل رہی تھی۔ ہم خود اس کی نگہبانی فرما رہے تھے۔ اس لیے اسے کوئی خطرہ نہ تھا۔ وہ سلامتی سے ان طوفانی موجوں میں خراماں خراماں تیرتی چلی جا رہی تھی۔

۱۷ ہم نے اس طوفان کی یاد کو تازہ رکھا۔ لوگ نسلاً بعد نسلٍ ایک دوسرے کو بتاتے گئے۔ واقعہ نگاروں نے اسے اپنی کتابوں میں تحریر کیا تاکہ آنے والے لوگ اس کو سن کر نصیحت قبول کریں۔ ترکنٰھا کی ضمیر واقعہ کی طرف ہے۔ یرید ھذہ الفعلۃ

مُّدَّكِرٍ ﴿١٧﴾ كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿١٨﴾ إِنَّا أَرْسَلْنَا

کرنے والا؟ ۱۸؎ عاد نے بھی جھٹلایا تھا پھر کیسا (خوفناک) تھا میرا عذاب اور میرے ڈراوے۔ ہم نے ان

عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴿١٩﴾ تَنزِعُ النَّاسَ

پر تند و تیز آندھی بھیجی ایک دائمی نحوست کے دن میں ۲۰؎ وہ اکھاڑ کر پھینک دیتی لوگوں

كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنقَعِرٍ ﴿٢٠﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿٢١﴾ وَ

کو گویا وہ ٹنڈ ہیں اکھڑی ہوئی کھجور کے۔ پس کیسا (سخت) تھا میرا عذاب اور (کتنے سچے تھے) میرے ڈراوے۔

عبرة۔ (قرطبی) بعض علماء نے اس ضمیر کا مرجع کشتی کو بتایا ہے۔ قتادہ کہتے ہیں ابقاھا اللہ بباقردی من ارض الجزیرة عبرة وآیة۔ اللہ تعالیٰ نے اسے باقی رکھا اور وہ سرزمین جزیرہ کے باقردی گاؤں میں ہزاروں سال پڑی رہی یہاں تک کہ جب مسلمانوں نے اس علاقہ کو فتح کیا اس وقت بھی اس کے آثار باقی تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۹؎ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ قرآن ایک آسان سی کتاب ہے ہر کوئی اس کے اسرار و رموز تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ آیت میں کوئی ایسا لفظ نہیں جس کا یہ معنی ہو کہ قرآن آسان ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو شخص نصیحت قبول کرنے اور ہدایت پانے کے لیے قرآن کریم کی طرف رجوع کرتا ہے ہم اس کے لیے اس کتاب مقدس کو آسان کر دیتے ہیں۔ اس کی فہم کو نور فراست سے روشن کر دیتے ہیں۔ اس کے ذہن کو جلا اور اس کے فکر کو بالغ نظری بخش دیتے ہیں۔ عروس معنی الفاظ کا نقاب خود اٹھا دیتی ہے لیکن جو ہدایت پذیری کے لیے اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتا اس کو صحیح سمجھ سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ وہ سر پٹخ کر رہ جاتا ہے اور قرآن کے الفاظ اس سے گفتگو ہی نہیں کرتے۔ اس کا ایک اور مفہوم بھی بیان کیا گیا ہے کہ سمجھانے کے دو طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ مجرم کو اس کے جرم کی سزا دی جائے۔ قاتل کو تختہ دار پر لٹکا دیا جائے۔ اس وقت وہ سمجھ جاتا ہے کہ اس نے برا کام کیا تھا۔ اسی کی سزا میں آج اس کے گلے میں پھانسی کا پھندا ڈالا جا رہا ہے۔ سمجھ تو انسان اس طرح جاتا ہے اور خوب سمجھ جاتا ہے لیکن سمجھنے اور سمجھانے کا یہ انداز بڑا سخت اور تلخ ہے اور سمجھنے والے کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ سمجھانے کا دوسرا طریقہ یہ ہے جو قرآن نے اختیار کیا ہے۔ وہ لوگ جو گمراہ ہیں اور نافرمانیوں میں اپنی عمر برباد کر رہے ہیں ان کے سامنے بڑے مؤثر پیرائے میں اس فعل بد پر مرتب ہونے والے الم ناک نتائج سے اس گم کردہ راہ کو قبل از وقت آگاہ کر دیا جائے اور اس کے سامنے ایسے واقعات کے ڈھیر لگا دیئے جائیں جن سے اسے یقین ہو جائے کہ اگر وہ اپنے کرتوتوں سے باز نہ آیا تو اس کا بھی یہی حال ہوگا۔ ہر شخص خود فیصلہ کرے کہ قرآن کا انداز افہام و تفہیم آسان ہے یا عذاب کے شکنجہ میں جکڑے جانے کے بعد کسی کی آنکھ کھل جائے تو یہ آسان ہے۔

۲۰؎ قوم عاد نے اپنے نبی کی دعوت کو مسترد کر دیا۔ آخر کار ان پر تیز جھکڑ کا عذاب بھیجا گیا۔ ہوا کے بے رحم جھونکے انہیں اٹھاتے اور اٹھا کر انہیں زمین پر پٹخ دیتے۔ ان کے لمبے تڑنگے بھاری بھرکم لاشے دیکھ کر یوں لگتا کہ یہ کسی کھجور کے ٹنڈ ہیں جنہیں کسی تیز آندھی نے جڑ سے

لَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۳۲﴾ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ﴿۲۳﴾

بے شک ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن کو نصیحت پذیری کے لیے پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا۔ ثمود نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا۔

فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿۲۴﴾ ءَاُلْقِيَ

پھر وہ کہنے لگے کیا ایک انسان جو ہم میں سے ہے (اور) اکیلا ہے ہم اس کی پیروی کریں پھر تو ہم گمراہی اور دیوانگی میں مبتلا ہو جائیں گے۔ کیا اتاری گئی

الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ﴿۲۵﴾ سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ

ہے وحی اس پر ہم سب میں سے (یہ کیونکر ممکن ہے) بلکہ وہ بڑا جھوٹا شیخی باز ہے۔ کل انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون بڑا

الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ﴿۲۶﴾ اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ

جھوٹا شیخی باز ہے۔ ہم بھیج رہے ہیں ایک اونٹنی ان کی آزمائش کے لیے پس (اے صالح!) ان کے انجام کا انتظار کرو

وَاصْطَبِرْ ﴿۲۷﴾ وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴿۲۸﴾

اور صبر کرو۔ اور انہیں آگاہ کر دیجیے کہ پانی تقسیم کر دیا گیا ہے ان کے درمیان۔ سب اپنی اپنی باری پر حاضر ہوں ۲۱

اٹھاتا ہے اور زمین پر دے مارتا ہے۔

فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ۔ علامہ سید محمود آلوسی نے یہاں بڑی تفصیل سے بحث کی ہے۔ بہت سی ایسی روایات اور اقوال نقل کیے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ فلاں دن مبارک ہے اور فلاں دن منحوس۔ فلاں دن یہ کام کرنا چاہیے اور فلاں دن یہ کام۔ آخر میں فرماتے ہیں اس قسم کی تمام روایات صحیح سند سے ثابت نہیں بلکہ بعض تو بالکل ساقط الاعتبار اور موضوع ہیں۔ ان کا آخری جملہ نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ وقصارى ما اقول ما شاء الله كان وما لم يشاء لم يكن لا دخل في ذلك لوقت ولا لغيره۔ یعنی المختصر حقیقت یہ ہے اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا۔ وقت کو یا کسی اور چیز کو اس میں کوئی دخل نہیں۔ پھر فرماتے ہیں نعم لبعض الاوقات شرف لا ينكر كيوم الجمعة وشهر رمضان وغير ذلك (روح المعانی) ہاں بعض اوقات برکت اور شرف والے ہوتے ہیں جیسے جمعہ کا دن یا رمضان کا مہینہ۔

۲۱۔ یہاں سے قوم ثمود کی بد باطنی کا ذکر ہو رہا ہے۔ جب صالح علیہ السلام نے انہیں آکر توحید کی دعوت دی تو وہ آپے سے باہر ہو گئے اور کہنے لگے اگر ہم اس کی بات کو مان لیں پھر تو ہم راہ راست سے بھٹک جائیں گے اور اردگرد کے قبائل ہمیں دیوانہ اور احمق کہیں گے۔ ایک تو یہ ہماری طرح بشر ہے پھر ہماری قوم کا ایک فرد ہے اور اس کے ساتھ کوئی جتھہ بھی نہیں۔ ایسے شخص کو نبی مان لینا پڑے

فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ ﴿٢٩﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿٣٠﴾

پس ثمودیوں نے بلایا اپنے ایک ساتھی (قدار) کو پس اس نے وار کیا اور (اونٹنی کی) کونچیں کاٹ دیں۔ پھر (معلوم ہے) کیسا تھا میرا عذاب اور میرے ڈراوے۔

اِنَّاۤ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ صَیْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِیْمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿٣١﴾

ہم نے بھیجی ان پر ایک چنگھاڑ پھر وہ اس طرح ہو کر رہ گئے جیسے روندی ہوئی خاردار باڑھ۔

وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿٣٢﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍ

بے شک ہم نے آسان کر دیا قرآن کو نصیحت پذیری کے لیے پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا۔ قوم لوط نے بھی جھٹلایا تھا

بِالنُّذُرِ ﴿٣٣﴾ اِنَّاۤ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ حَاصِبًا اِلَّاۤ اٰلَ لُوْطٍ نَجَّیْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ﴿٣٤﴾

پیغمبروں کو۔ ہم نے بھیجی ان پر پتھر برسانے والی ہوا سوائے لوط کے گھرانے کے۔ ہم نے ان کو بچا لیا سحری کے وقت۔

نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا كَذٰلِكَ نَجْزِیْ مَنْ شَكَرَ ﴿٣٥﴾ وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ

یہ خاص مہربانی تھی ہماری طرف سے۔ اسی طرح ہم جزا دیتے ہیں جو شکر کرتا ہے۔ اور بے شک ڈرایا تھا انہیں (لوط علیہ السلام) نے ہماری پکڑ

بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ﴿٣٦﴾ وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَیْفِهٖ فَطَمَسْنَاۤ

سے پس جھگڑنے لگے ان کے ڈرانے کے بارے میں ٣٢ اور انہوں نے پھسلانا چاہا لوط کو اپنے مہمانوں سے تو ہم نے میٹ دیا ان کی آنکھوں کو

درجہ کی گمراہی اور نادانی ہے۔ سُعُر کا معنی جنون ہے (لسان العرب) ان گستاخوں نے آپ پر ایمان لانے سے ہی انکار نہیں کیا بلکہ بدزبانی کی حد کر دی۔ کہنے لگے یہ کذاب اشر ہے۔ کذاب مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اس کا معنی ہے بڑا جھوٹا یا پہلے درجہ کا جھوٹا۔ اَشِر: بطر۔ وہ شخص جو ایسے کمال کا دعویٰ کرے جو اس میں نہ پایا جائے۔ جو بغیر استحقاق کے بڑا بننے کی کوشش کرے۔

شِرب: پانی کی باری۔ فتعاطیٰ: تناول۔ کسی کام کو کرنا۔ عقر: کونچیں کاٹ ڈالنا۔ المحتظر: بریوں کے لیے نادار ڈھنگروں سے جو باڑہ بنایا جاتا ہے اسے عربی میں حظیرہ کہتے ہیں اور باڑہ بنانے والے کو المحتظر کہتے ہیں۔ ریوڑ کے بار بار گزرنے سے جب ڈھنگر ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں تو ان چورہ شدہ ڈھنگروں کو ہشیم کہتے ہیں۔ ہشیم المحتظر فرما کر یہ بتا دیا کہ جب خوفناک کڑک ہوئی اور وہ بے سدھ ہو کر زمین پر گر پڑے تو ان کی یہی حالت تھی جیسے کسی باڑہ کے چورا چورا ہو جانے والے ڈھنگر ہوں۔

سورۂ اعراف اور سورۂ ہود میں یہ واقعہ با تفصیل گزر چکا ہے۔ ضیاء القرآن جلد دوم ملاحظہ فرمائیے۔

٣٢ تَمَارَوْا: جھگڑا کرنا اور شک کرنا۔ دونوں معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ رَاوَدُوْا: بہلانا، پھسلانا۔ فطمسنا: طمس کہتے ہیں کسی چیز کا

أَعْيُنَهُمْ فَذُوقُوا عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿٣٧﴾ وَلَقَدْ صَبَّحَهُم بُكْرَةً عَذَابٌ

اور اب چکھو اے بے حیاؤ! میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزہ ۔ پس صبح سویرے ان پر ٹھہرنے والا عذاب

مُّسْتَقِرٌّ ﴿٣٨﴾ فَذُوقُوا عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿٣٩﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ

نازل ہوا۔ تو اب چکھو میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزہ ۔ اور بے شک ہم نے آسان کر دیا قرآن کو نصیحت پذیری کے لیے

فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ﴿٤٠﴾ وَلَقَدْ جَاءَ آلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴿٤١﴾ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كُلِّهَا

پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا ۔ اور آئے آلِ فرعون کے پاس ڈرانے والے ۲۳؎ انہوں نے جھٹلایا ہماری ساری آیتوں کو

فَأَخَذْنَاهُمْ أَخْذَ عَزِيزٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿٤٢﴾ أَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ أُولَٰئِكُمْ أَمْ لَكُم

پھر ہم نے ان کو پکڑ لیا جیسے کوئی زبردست قوت والا پکڑتا ہے ۔ کیا تمہاری قوم کے کفار بہتر ہیں ان سے یا تمہارے لیے

بَرَاءَةٌ فِي الزُّبُرِ ﴿٤٣﴾ أَمْ يَقُولُونَ نَحْنُ جَمِيعٌ مُّنتَصِرٌ ﴿٤٤﴾ سَيُهْزَمُ

معافی لکھ دی گئی ہے آسمانی نوشتوں میں ۔ یا وہ کہتے ہیں کہ ہم ایسی جماعت ہیں جو غالب ہی رہے گی ۔ عنقریب پسپا ہوگی

الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ﴿٤٥﴾ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَىٰ

یہ جماعت اور پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے ۲۴؎ بلکہ ان کے وعدہ کا وقت (روزِ) قیامت ہے اور قیامت بڑی خوفناک

نام و نشان مٹا دینا۔ جب ان کی قوم کو پتہ چلا کہ چند خوش شکل نوجوان لوط علیہ السلام کے پاس آئے ہیں تو دندناتے ہوئے آ دھمکے پہلے محبت و پیار سے ان کو قائل کرنا چاہا کہ وہ ان نوجوانوں کو ان کے حوالے کر دیں۔ بعد میں ہاتھا پائی پر اتر آئے تو ان کی آنکھوں کو سلب کر لیا گیا یا جبریل نے پر مارا اور ان کی آنکھوں کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔ سارا چہرہ سپاٹ ہو گیا گویا یہاں کبھی کوئی آنکھ تھی ہی نہیں۔

لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کا تفصیلی تذکرہ ضیاء القرآن جلد اول اور دوم میں ملاحظہ فرمائیے۔

۲۳؎ یہی حال فرعون اور اس کی قوم کا بھی ہوا۔

۲۴؎ اے اہلِ عرب! تم سے پہلے جن قوموں نے انبیاء کی تکذیب کی ان کے ساتھ گستاخانہ سلوک کیا ان قوموں کو جس انجام بد سے دوچار ہونا پڑا وہ تم سن چکے ہو۔ لیکن ابھی تک کوئی ایسے آثار نظر نہیں آتے کہ تم اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہو رہے ہو۔ کیا تم اس گھمنڈ میں ہو کہ تم کچھ بھی کرتے رہو تم سے باز پرس نہیں ہوگی۔ تمہاری اس خام خیالی کی آخر کیا وجہ ہے۔ کیا تمہارے کافر پہلے کافروں سے بہتر ہیں؟ ان کا لحاظ

وقف لازم

وأمر ۝ إن المجرمين في ضلل وسعر ۝ يوم يسحبون في

اور تلخ ہے۔ بے شک مجرم گمراہی اور پاگل پن کا شکار ہیں۔ اس روز انہیں گھسیٹا جائے گا

النار على وجوههم ذوقوا مس سقر ۝ إنا كل شيء خلقنه

آگ میں منہ کے بل (انہیں کہا جائے گا) چکھو اب آگ میں جلنے کا مزہ۔ ہم نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے ایک

بقدر ۝ وما أمرنا إلا واحدة كلمح بالبصر ۝ ولقد أهلكنا

اندازے سے۔ اور نہیں ہوتا ہمارا حکم مگر ایک بار جو آنکھ جھپکنے میں واقع ہو جاتا ہے ٢٥۔ اور بے شک ہم نے ہلاک کر دیا

أشياعكم فهل من مدكر ۝ وكل شيء فعلوه في الزبر ۝ و

جو (کفر میں) تمہارے ہم مشرب تھے پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا۔ اور جو کچھ انہوں نے کیا ہے ان کے نامۂ اعمال میں درج ہے۔ اور

کیا جانے گا یا تم نے کسی آسمانی کتاب میں یہ لکھا ہوا دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے عرب کے کفار کچھ بھی کرتے رہیں ہم انہیں کچھ بھی نہیں کہیں گے یا تم اس زعم میں ہو کہ تم بڑے جنگجو اور بہادر ہو۔ تمہاری جمعیت اور نفری بہت زیادہ ہے۔ پہلی قومیں بزدل اور کمزور تھیں اس لیے خدا کے غضب نے انہیں آکر دبوچ لیا اور تمہیں اللہ تعالیٰ کا عذاب کچھ گزند نہیں پہنچا سکتا۔ یہ تینوں باتیں سراسر غلط ہیں۔ عنقریب جب اسلام کے شیروں سے تمہارا مقابلہ ہوگا تمہارے لشکر کو بڑی عبرت ناک شکست ہوگی اور تم وہاں سے دم دبا کر بھاگ نکلو گے۔ چنانچہ بدر کے میدان میں یہ پیشینگوئی پوری ہوگئی۔

حضرت سعد ابن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو میں سمجھ نہ سکا کہ وہ کونسا لشکر ہے جو پسپا ہو کر بھاگے گا لیکن جب روز بدر میں نے حبیب کبریا علیہ التحیۃ والثناء کو زرہ زیب تن فرمائے ہوئے دیکھا اور اپنے رب سے یہ التجا کرتے سنا اللهم ان قريشا جاءتك تحادك وتحاد رسولك بفخرها وخيلائها فاحنهم الغداة ثم قال سيهزم الجمع ويولون الدبر فعرفت تاويلها۔ یا اللہ یہ قریش ہیں۔ تجھ سے اور تیرے رسول سے مقابلہ کرنے کے لیے بڑے فخر و غرور سے آئے ہیں۔ الٰہی! کل انہیں ہلاک کر دے۔ پھر حضور نے یہ آیت پڑھی سيهزم الجمع ويولون الدبر۔ اس وقت مجھے اس آیت کا مصداق معلوم ہوا۔ (قرطبی)

٢٥ ہم ایک بار ہی حکم دیں گے اور چشم زدن میں اس کی تعمیل ہو جائے گی۔ لمح کہتے ہیں تیزی سے دیکھنا النظر بالعجلة۔ اشیاعکم۔ قرطبی لکھتے ہیں اشباهكم في الكفر من الامم الخالية۔ یعنی گزری ہوئی امتوں میں سے جو عقیدہ اور عمل میں تمہاری مثل تھے۔ مستطر: مکتوب۔

كُلُّ صَغِيرٍ وَّكَبِيرٍ مُّسْتَطَرٌ ﴿۵۳﴾ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ﴿۵۴﴾

ہر چھوٹی اور بڑی بات (اس میں) لکھی ہوئی ہے۔ بے شک پرہیزگار باغوں میں اور نہروں میں ہوں گے ۲۶

فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۵۵﴾

بڑی پسندیدہ جگہ میں عظیم قدرت والے بادشاہ کے پاس (بیٹھے) ہوں گے ۲۷

۲۶۔ آخر میں اپنے مقبول بندوں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ وہ جنتوں میں ابدی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے میٹھے پانی، شراب طہور، صاف مصفّٰی شہد اور تازہ دودھ کی نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ اواخر آیات کی رعایت کرتے ہوئے لفظ واحد ذکر کیا ہے، لیکن مراد انہار ہے۔

۲۷۔ مقعد: بیٹھنے کی جگہ۔ صدق: مرضیٰ یعنی پسندیدہ۔ یہاں موصوف صفت کی طرف مضاف ہے۔ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مدح المکان بالصدق فلا یقعد فیه الا اهل الصدق یعنی اللہ تعالیٰ نے اس جگہ کو صفت صدق سے موصوف فرمایا ہے اس لیے وہاں اہل صدق ہی کو بیٹھنے کی جگہ ملے گی۔ اس نشست گاہ کو مقعد صدق اس لیے فرمایا گیا ہے وهو المقعد الذی یصدق الله تعالیٰ مواعید اولیاءه بانه یبیح عز وجل لهم النظر الی وجهه الکریم۔ (روح المعانی) کہ یہ وہ مقام ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کے ساتھ جو وعدے فرمائے ہیں وہ پورے فرمائے گا۔ اس وقت ان عاشقان دلفگار کو اذن عام ہو گا کہ اے آتش عشق میں جلنے والو! اے شوق دیدار میں ماہیٔ بے آب کی طرح عمر بھر تڑپنے والو! محبوب ازل اپنے رخ زیبا سے پردہ اٹھا رہا ہے آنکھیں اٹھاؤ اور سیر ہو کر شاہد رعنا کا دیدار کرو۔

علامہ قرطبی خالد بن معدان سے نقل کرتے ہیں: ہمیں یہ خبر پہنچی کہ قیامت کے روز دو فرشتے مومنین کے پاس حاضر ہوں گے اور کہیں گے یا اولیاء اللہ انطلقوا: اے اللہ کے دوستو تشریف لے چلیے۔ وہ پوچھیں گے کدھر؟ فرشتے کہیں گے جنت کی طرف۔ اہل ایمان جواب دیں گے: انکم تذهبون بنا الی غیر بغیتنا اے ملائکہ! تم ہمیں ادھر تو نہیں لے جا رہے ہو جو ہماری آرزو و تمنا تھی۔ فرشتے پوچھیں گے تمہاری آرزو کیا تھی؟ فیقولون مقعد صدق عند ملیك مقتدر۔ ہم تو قدرت والے بادشاہ کی بارگاہ میں حاضر ہونا چاہتے ہیں۔

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک رات مسجد میں گیا۔ کچھ وقت گزرا تو مجھے خیال آیا کہ صبح ہو گئی ہے لیکن پتہ چلا کہ ابھی رات ہے۔ وہاں میرے سوا کوئی نہ تھا چنانچہ میں پھر سو گیا۔ میں نے اپنے پیچھے کوئی حرکت سنی میں گھبرا گیا۔ میں نے سنا کوئی کہہ رہا ہے ایها المتلئ قلبه فرقا لا تفرق وقل اللّٰهم انك ملیك مقتدر ما تشاء من امر یکون ثم سل ما بدا لك۔ قال فما سالت الله تعالیٰ شیئا الا استجاب لی۔ یعنی اے شخص جس کا دل خوف سے بھر گیا ہے مت گھبرا بلکہ پہلے یہ کہہ اللّٰهم انك ملیك مقتدر ما تشاء من امر یکون اے اللہ! تو بادشاہ ہے بڑی قدرت والا ہے جو کام تو چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے۔ یہ کہنے کے بعد جو تیرے جی میں آئے وہ مانگ۔ سعید کہتے ہیں جو بھی میں اپنے رب سے مانگتا ہوں وہ مجھے عطا فرماتا ہے۔

یہ لکھنے کے بعد علامہ سید محمود آلوسی لکھتے ہیں: انا اقول (میں کہتا ہوں) اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ناچیز بندہ بھی عرض کرتا ہے:

اللّٰهم انك ملیك مقتدر ما تشاء من امر یکون فاسعد فی الدارین وکن لی ولا تكن علی وانصرنی علی من بغی علی واعذنی من هم الدین وقهر الرجال وشماتة الاعداء وصل اللّٰهم وسلم علی سیدنا محمد وعلی اٰله وصحبه والحمد لله رب العٰلمین۔

تعارف

سُورۃ الرّحمٰن

نام : اس مبارک سورۃ کا پہلا کلمہ الرحمٰن ہے۔ یہی اس کا نام ہے۔ نیز اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ کی شانِ رحمانیت کی تجلیاں ہر سُو جلوہ طراز ہیں۔ اس لیے اس سورت کے مضامین سے یہ نام بڑی مناسبت رکھتا ہے۔ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے اس کا نام "عروس القرآن" بھی مروی ہے۔

اس میں تین رکوع، چھتر یا اٹھتر آیتیں، تین سو اکیاون کلمے، ایک ہزار چھ سو چھتیس حروف ہیں۔

نزول : اگرچہ چند حضرات نے اسے مدنی سورتوں میں شمار کیا ہے لیکن اکثر علمائے تفسیر کی یہی رائے ہے کہ اس کا نزول مکہ مکرمہ میں ہوا۔ اس کے مضامین بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ روایاتِ صحیحہ میں بھی اس کی صراحت موجود ہے۔ علامہ قرطبی اس سورت کے ابتدائیہ میں لکھتے ہیں :

"حضرت عروہ ابن زبیر سے مروی ہے کہ ایک روز صحابہ کہنے لگے کہ قریش نے آج تک قرآن کو سنا نہیں بغیر سُنے اس کی مخالفت کرتے رہتے ہیں۔ اگر کوئی صاحب ہمت کرکے اور بلند آواز سے ان کو قرآن حکیم سُنائے تو کتنا اچھا ہو۔ حضرت ابن مسعود نے کہا یہ سعادت میں حاصل کروں گا۔ صحابہ نے کہا تمہارا سنانا مناسب نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں کمزور اور ضعیف سمجھ کر زدو کوب کریں۔ کسی ایسے آدمی کو یہ فریضہ انجام دینا چاہیے جس کا قبیلہ زور آور ہو تاکہ اس کے خوف سے کوئی کافر اس پر دست درازی نہ کر سکے لیکن ابن مسعود نے ان کی ایک نہ سُنی۔ اُٹھے مقامِ ابراہیم کے پاس جا کر کھڑے ہو گئے۔ اور اپنی سُریلی آواز سے بلند آواز میں سورۃ الرحمٰن کی تلاوت شروع کر دی۔ قریش جو اپنی اپنی مجلس جمائے بیٹھے تھے پہلے تو انہوں نے کوئی توجہ نہ دی۔ بعد میں جب انہیں پتہ چلا کہ یہ قرآن کی تلاوت کر رہے ہیں تو اٹھ کھڑے ہوئے اور اُن کے قریب آکر انہیں مارنا شروع کیا۔ بڑی بیدردی سے انہیں پیٹا یہاں تک کہ اُن کا چہرہ زخمی ہو گیا۔"

اس سے معلوم ہوا کہ یہ سورت مکہ مکرمہ میں اس واقعہ سے پہلے نازل ہو چکی تھی۔

نخلہ کے مقام پر جب جنات کا ایک گروہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس سے گزرا تو اس وقت حضورؐ نماز صبح میں اسی سورت کی تلاوت کر رہے تھے اور یہ واقعہ بھی ہجرت سے پہلے کی زندگی کا ہے۔ ان روایاتِ صحیحہ کے بعد اس کے نزول کے بارے میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

مضامین : اسمائے حُسنٰی میں سے الرحمٰن کے ساتھ اس سورۃ کا آغاز ہو رہا ہے۔ الرحمٰن رحمت و لُطف کی ان وسعتوں اور بلندیوں کو شامل ہے جن کا تصور کرنا بھی ہمارے حیطۂ امکان سے باہر ہے۔ انسان کو اس نے پیدا فرمایا اس میں ایسی صلاحیتیں ودیعت کیں اور ایسی استعدادوں کی تخم ریزی کی۔ جن میں سے بعض کا تعلق اس کی رُوحانی بالیدگی اور ارتقاء سے ہے اور بعض کا تعلق اس کی مادی زندگی کی نشوونما سے ہے۔

پہلے اُس نعمت کو بیان کیا جس کا تعلق اُس کے قلب و رُوح سے ہے یعنی قرآن کریم کا علم اور اسکے اظہار و بیان کی قوت۔ اس کے بعد آسمانی اور زمینی اُن نعمتوں کا ذکر کیا جو انسان کی غذا اور اس کی صحت کے لیے ناگزیر ہیں۔ اس کے ضمن میں چند احکامات بھی ارشاد فرمائے۔ ساتھ ساتھ اپنی شانِ کبریائی کا بھی تذکرہ کر دیا۔

نوعِ انسانی کے ساتھ ایک دُوسری نوع کا ذکر بھی یہاں خصوصیت سے کیا گیا ہے جسے جن کہا جاتا ہے۔ ان دونوں کے مادۂ تخلیق میں جو فرق ہے۔ وہ بھی بتا دیا اور فبای اٰلآء ربکما تکذبان کے بار بار تکرار سے اس حقیقت سے بھی آگاہ کر دیا کہ قرآن کے مخاطب صرف انسان ہی نہیں بلکہ جنات بھی ہیں اور جب وہ قرآن کے احکام پر عمل کرنے کے مکلف ہیں تو واضح ہو گیا کہ وہ حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی ہیں اور حضور جن و انس دونوں کے نبی ہیں۔

دوسرے رکوع میں جن و انس میں سے جو سرکش افراد ہیں اُن کے انجام کے بارے میں بڑی وضاحت سے بتا دیا اور آخری رکوع میں بڑے رُوح پرور انداز سے اُن انعامات اور احسانات کا تذکرہ کر دیا جو مولائے کریم جن و انس میں سے اپنے نیک اور فرماں بردار بندوں پر فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی نافرمانی سے بچائے اور اپنے ہر قسم کے عذاب سے پناہ دے، اپنے پیارے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غلامی کی توفیق رحمت فرماوے اور محبت کی دولت سے مالا مال کرے۔ اور اپنے اُن سعادت مند بندوں میں شامل کرے جن پر وہ راضی ہے۔ اللھم نسئلک و انت اکرم المسئولین بجاہ حبیبک رحمۃ للعالمین۔

نیو ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا

۳۰ - ۴ - ۷۷

سُورَةُ الرَّحْمٰنِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانٌ وَسَبْعُونَ آيَةً وَثَلٰثُ رُكُوعَاتٍ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

سورہ رحمان مدنی ہے اس کی ۷۸ آیات اور ۳ رکوع ہیں ۔ اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

اَلرَّحْمٰنُ ۝١ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝٢ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝٣ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝٤

رحمٰن نے ۱ (اپنے حبیب کو) سکھایا ہے قرآن ۲ پیدا فرمایا انسان (کامل) کو ۳ (نیز) اسے قرآن کا بیان سکھایا۔

۱ اس سورۂ مبارکہ میں ان تمام روحانی اور جسمانی، دنیوی اور اخروی نعمتوں کا ذکر تفصیل سے ہو رہا ہے جن سے جن وانس کو ابتدائے آفرینش سے سرفراز فرمایا گیا، سرفراز فرمایا جا رہا ہے یا عالم آخرت میں سرفراز فرمایا جائے گا۔ اس لیے اس کی ابتدا الرحمٰن سے ہوئی جو مبالغہ کا صیغہ ہے۔ از حد مہربان بہت ہی رحمت فرمانے والا جس کا دسترخوان جود وکرم اتنا کشادہ ہے کہ مومن وکافر، مطیع وعاصی، اپنے اور بیگانے کسی نہ کسی صورت میں مستفید ہو رہے ہیں اور جس کا دامن رحمت اتنا وسیع ہے کہ فقط یہ دنیائے فانی ہی نہیں بلکہ از ازل تا ابد سب اس کے سایۂ عاطفت میں پناہ لیے ہوئے ہیں۔

حضرت امام غزالی الرحمٰن کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الرحمٰن: العطوف على العباد بالايجاد اولاً وبالهداية الى الايمان واسباب السعادة ثانياً والاسعاد بالآخرة ثالثاً والانعام بالنظر الى وجهه الكريم رابعاً۔

یعنی الرحمٰن اپنے بندوں پر از حد لطف وعنایت فرمانے والا۔ اس کا پہلا احسان تو یہ ہے کہ پیدا فرمایا۔ دوسرا لطف یہ ہے کہ پیدا کرنے کے بعد وادیٔ ضلالت میں آوارہ بھٹکنے کے لیے نہیں چھوڑ دیا بلکہ حق کی طرف رہنمائی فرمائی اور اسباب سعادت سے بہرہ ور فرمایا۔ تیسری ذرہ نوازی یہ کرے گا کہ روز حشر ان کی مغفرت فرمائے گا اور غایت رحمت کا ظہور اس وقت ہو گا جب عاشقان زار کو، محبان دلفگار کو، مشتاقان دیدار کو شرف دیدار سے مشرف فرمائے گا۔

نیز کفار کے ایک سوال کا جواب بھی ہے۔ انھوں نے جب اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں الرحمٰن سنا تو کہنے لگے۔ الرحمٰن کون ہے۔ ہم تو اس کو نہیں جانتے۔ بتا دیا کہ الرحمٰن وہ ہے جس کی شان رفیع تم اس سورۂ مبارکہ میں سنو گے۔

۲ اپنے بے شمار انعامات میں سے سب سے پہلے تعلیم قرآن کا ذکر کیا کیونکہ یہی وہ آفتاب ہے کہ جب مطلع حیات پر طلوع ہوتا ہے تو زندگی کی شب دیجور صبح سعادت سے آشنا ہوتی ہے۔ انسان جب اس کی ہدایات کو خضر راہ بناتا ہے تو شرف انسانی کی منزل تک پہنچ جاتا ہے۔ یہی وہ صحیفۂ رشد وہدایت ہے کہ بھٹکے ہوئے انسان کا رشتہ اپنے خالق کریم سے جوڑ دیتا ہے۔

عَلَّمَ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے یعنی کس کو سکھایا اور کیا سکھایا۔ یہاں دوسرا مفعول تو ذکر کر دیا کہ قرآن کی تعلیم دی لیکن پہلا مفعول کہ کس کو تعلیم دی، مذکور نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مفعول اتنا عیاں ہے کہ عدم ذکر کے باوجود کسی کو اس کے بارے میں تردد نہیں ہو سکتا اور وہ ہے ذات پاک محمد مصطفےٰ، حبیب کبریا علیہ اطیب التحیۃ واجمل الثنا۔ حضور کے سوا علوم قرآنیہ

سے جتنا کچھ حصہ کسی کو ملا ہے وہ سب حضورؐ کے واسطے اور حضورؐ کے طفیل ملا ہے۔

ذرا غور فرمائیے، متعلم محمد ابن عبد اللہ روحی وقلبی فداہ ہے اور معلم خود خالق ارض وسما ہے۔ شاگرد مکہ کا اُمی ہے اور استاد عالم الغیب والشہادۃ ہے اور پڑھایا کیا جا رہا ہے؟ قرآن . . . . کون سا قرآن؟ جو سراپا رحمت ہے، جو مجسم ہدایت ہے، جو نورٌ علیٰ نور ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا هٰذا بيان للناس وهُدى وموعظة للمتقين. جس کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے لا رطب ولا يابس الا في كتاب مبين (کوئی خشک وتر چیز ایسی نہیں جس کا ذکر اس کتاب مبین میں موجود نہ ہو) اس تعلیم سے جو بحر بے پیدا کنار اس صدر فشرح میں موجزن ہوا اس کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔

خلیفۃ اللہ فی الارض آدم علیہ السلام کے متعلق فرمایا علم آدم الاسماء كلها اور خلیفۃ اللہ فی العالم کے بارے میں فرمایا علم القرآن . . . .

ع ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

۳ے اس سے نعمت ایجاد کا ذکر ہو رہا ہے۔ یہاں انسان سے مراد نوع انسانی ہے۔ بعض علما کا خیال ہے کہ اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ قول بھی منقول ہے کہ الانسان سے مراد حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ قال ابن عباس ايضا وابن كيسان الانسان هٰهنا يراد به محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم (قرطبی)

علامہ پانی پتی لکھتے ہیں جاز ان يقال خلق الانسان يعني محمدا صلى الله تعالىٰ عليه واله وسلم علمه البيان يعني القرآن فيه بيان ما كان وما يكون من الازل الى الابد۔ یعنی یہ درست ہے کہ یہاں انسان سے مراد محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور علمه البيان سے قرآن مراد ہو جس میں ما كان وما يكون جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہو رہا ہے ازل سے ابد تک کا بیان ہے۔

علامہ پانی پتی فرماتے ہیں فعلى هذ الجملتان الاخيرتان بيان وتفصيل للاولىٰ ولهذا لم يورد العاطف بينها وكلها اخبار مترادفة للرحمٰن. یعنی جب الانسان سے حضورؐ کی ذات والاصفات مراد ہو اور علمه البيان سے بھی حضورؐ کو بیان کی تعلیم ہو تو یہ دونوں آیتیں پہلی آیت کی تفصیل ہوں گی یعنی جس کو قرآن کا علم دیا ہے اسی انسان کی پیدائش اور اسی کو بیان سکھانے کا ذکر ہو رہا ہے۔ الرحمٰن مبتدا ہے اور یہ تینوں یکے بعد دیگرے اس کی خبریں۔ علامہ خازن، علامہ بغوی اور دیگر مفسرین نے بھی اس آیت کی تفسیر میں یہی قول نقل کیا ہے۔

خلق الانسان میں الانسان سے مراد اگر نوع انسانی ہو اور علمه البيان میں بھی اسی کو بیان کی تعلیم کا ذکر ہو تو بلاشبہ یہ بھی الرحمٰن کی شانِ رحمانیت کا روشن ظہور ہے۔ لیکن آپ خود بتائیں "الانسان" سے مراد اگر وہ باعثِ تخلیقِ کائنات، فخرِ آدم و بنی آدم ہو جسے خداوند کریم نے رحمۃ للعالمین کے دلنواز لقب سے مشرف فرمایا ہے اور "علمه البيان" سے مراد بیانِ حقیقت اور اظہارِ اسرار کی وہ بے پناہ صلاحیت ہو جو شانِ نبوت کا خاصہ ہے تو شانِ رحمانیت کی ضیاباریوں کا کیا عالم ہوگا۔

یہ بھی بتا دیا کہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول اور برگزیدہ بندے کو قرآن سکھایا اور خود ہی اسے بیانِ قرآن کی تعلیم دی۔ ۵

الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ۝ وَالسَّمَآءَ

سورج اور چاند حساب کے پابند ہیں ۵؎ اور آسمان کے تارے اور زمین کے درخت اسی کو سجدہ کناں ہیں ۶؎ اور آسمان اسی

رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۝ اَلَّا تَطْغَوْا فِى الْمِيْزَانِ ۝ وَاَقِيْمُوا

نے بلند کیا ۷؎ اور میزانِ (عدل) قائم کی ۸؎ تاکہ تم تولنے میں زیادتی نہ کرو۔ اور وزن کو

قرآن اس نے خود گھڑا ہے اور نہ اس کا بیان خود ساختہ ہے۔ قرآن بھی اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے اور اس کا بیان بھی اسی نے سکھایا ہے۔ اب جو شخص آیاتِ قرآنی کو وہ معانی پہناتا ہے جو سنتِ نبوی کے خلاف ہیں تو وہ صرف سنت کا انکار نہیں کر رہا بلکہ قرآن کے بیانِ خداوندی سے رُوگردانی کر رہا ہے۔

۵؎ اس مہر و ماہ کے ذکر کے بعد جس سے عالمِ روحانیت کے در و بام جگمگا رہے ہیں، اب اس شمس و قمر کا ذکر کیا جا رہا ہے جن سے ہماری یہ مادی دنیا اکتسابِ نور کر رہی ہے۔ فرمایا کہ یہ سورج اور چاند مقررہ حساب کے مطابق حرکت کر رہے ہیں۔ جو منزلیں اور بروج ان کے لیے مقرر ہیں نہ ان سے تجاوز کرتے ہیں اور نہ رُوگردانی۔ اپنے مدار میں مصروفِ سیر ہیں۔ کیا مجال کہ سرِ مُو دائیں بائیں سرکیں یا لمحہ بھر کی بھی تقدیم و تاخیر ہو۔ قال ابن عباس وقتادة ای یجریان بحساب فی منازل لا یعدوانها ولا یحیدان عنها۔ اسی نظام کی پابندی کے باعث وقت پر موسم بدلتے ہیں۔ وقت پر دن طلوع ہوتا ہے اور رات آتی ہے۔ ہر روز مقررہ وقت پر ان کا طلوع و غروب ہوتا ہے اسی لیے تم ماہ و سال کا حساب کر سکتے ہو۔ اگر اس نظام میں ذرا سا خلل بھی آ جائے تو ساری کائنات چشم زدن میں درہم برہم ہو جائے۔ نظامِ شمسی میں جو باقاعدگی اور نظم و ضبط ہے کیا یہ اللہ کی شانِ رحمانیت کا ظہور نہیں ہے؟ یقیناً ہے۔

۶؎ شجر اس درخت کو کہتے ہیں جس کا تنا ہو اور نجم ان جڑی بوٹیوں کو کہتے ہیں جن کا تنا نہ ہو جیسے ترکاریاں، بیلیں وغیرہ۔ النجم ما لا ساق له والشجر ما له ساق۔

سجود سے مراد اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سر جھکا دینا ہے۔ اصل السجود فی اللغة الاستسلام والانقیاد لله عز وجل یعنی قضا کے عظیم کرے جس طرح ایک ضابطہ پر سختی سے کاربند ہیں اسی طرح ہماری زمین کے درخت اور ادنیٰ جڑی بوٹیاں بھی قانونِ الٰہی کی پابند ہیں۔ اگر النجم سے مراد ستارے لیے جائیں تو یہ بھی درست ہے۔ ترجمہ اسی کے مطابق کیا گیا ہے۔

۷؎ آسمان کو اللہ تعالیٰ نے ہی بلند کیا ہے۔ نہ یہ مادے میں ہیجان کے باعث خود بخود معرضِ وجود میں آیا ہے اور نہ کسی اور دیوی دیوتا نے اس کی تخلیق کی ہے۔ اس کی موجودہ ساخت میں بھی اللہ تعالیٰ کی شانِ رحمانیت جلوہ نما ہے۔

۸؎ علامہ آلوسی اس جملہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ای شرع العدل وامر به۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ہی عدل کا قانون بنایا اور اس پر عمل کرنے کا حکم دیا۔ اسی عدل کے باعث نظامِ کائنات بایں حُسن و خوبی قائم ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے بالعدل قامت السمٰوات والارض۔ اور یہاں عدل کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان اور اس میں آباد ہر چیز کو اس طرح پیدا کیا

الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ ۝۹ وَالْأَرْضَ وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ ۝۱۰

ٹھیک رکھو انصاف کے ساتھ ؏ اور تول کو کم نہ کرو ؏ اور اس نے زمین کو پیدا کیا ہے مخلوق کے لیے ؏

ہے جو اس کے مناسب تھی۔ ان کی بقا اور نشو ونما کے لیے ایسے وسائل مہیا کر دیے ہیں جن کی انہیں ضرورت تھی۔ مجاہد، ابن جریر طبری اور اکثر علماء سے وضع المیزان کا یہی مفہوم منقول ہے۔ کئی علماء نے یہاں بھی میزان سے ترازو مراد لیا ہے یعنی جس نے آسمان کو بلند بنایا اسی نے ترازو بھی بنایا ہے تاکہ لین دین میں عدل و انصاف ملحوظ رہے۔

؏ جب تم ایک ایسی کائنات میں رہتے ہو جہاں عدل و انصاف کی فرمانروائی ہے اور ہر اعلیٰ اور ادنیٰ چیز قانون اور ضابطہ کی پابند ہے تو اے اولادِ آدم! تم پر بھی ضروری ہے کہ اپنے قول و عمل میں عدل و انصاف کو ملحوظ رکھو۔

علامہ راغب اصفہانی نے وزن کے لفظ کے ماتحت اس آیت کا یہی مفہوم بیان کیا ہے۔ هذا اشارة الى مراعاة المعدلة فى جميع مايتحراه من الافعال والاقوال۔ مجاہد اور دیگر علمائے تفسیر نے اس آیت کا یہ معنی بتایا ہے کہ "وزن کرو تو انصاف کے ساتھ، نہ دیتے وقت کم تولو اور نہ لیتے وقت زیادہ تولو۔

؏ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کاروباری دیانت کا سبق دیا ہے اور ان ہدایات پر سختی سے عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ بھی اس کی شانِ رحمانیت کا ایک ظہور ہے۔ جس معاشرہ میں لین دین میں دیانت داری ختم ہو جاتی ہے۔ بددیانتی اور لوٹ کھسوٹ کا رواج ہو جاتا ہے وہ معاشرہ زیادہ دیر تک پھل پھول نہیں سکتا۔ وہ ایسے اخلاقی اور معاشی بحرانوں میں پھنس جاتا ہے جن سے اس کا بچ نکلنا ممکن نہیں رہتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم ہی ہے کہ اس نے ہمیں اس راہ پر قدم اٹھانے سے روک لیا جو بربادی کی راہ ہے۔

؏ علامہ راغب وضعها کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں الوضع هنا الايجاد والخلق یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین کو اس طرح بنایا ہے کہ اس میں ہر جاندار آرام اور سکون سے اپنی زندگی بسر کر سکتا ہے۔ ہوا، روشنی، پانی، آگ، اشیائے خوردنی، آسائش و آرام کے دیگر لوازمات یہاں فراہم کر دیے گئے ہیں تاکہ ہر چیز اپنی ضروریاتِ زندگی حاصل کر سکے اور طبعی مقاصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچا سکے۔ انام: قال ابن عباس وغيره الحيوان كله۔ قال الحسن الانس والجن۔ ابن عباس فرماتے ہیں ہر جاندار کو انام کہتے ہیں۔

بعض لوگ اشتراکیت کی عینک سے قرآن کا مطالعہ کرتے ہیں اور بے جھجک اس کی آیات سے اشتراکی تعلیمات ثابت کرتے ہیں۔ یہاں بھی انہوں نے ٹھوکر کھائی۔ انہوں نے لغتِ عرب کے ساتھ زیادتی کرتے ہوئے انام کو انسان کا مترادف قرار دیا اور کہا کہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ زمین سب انسانوں کے لیے مشترک ہے اور چونکہ ہر ملک کی حکومت وہاں کے باشندوں کی نمائندہ ہوتی ہے اس لیے زمین کی ملکیت کے حقوق صرف حکومت کو حاصل ہیں۔ اس طرح یہ لوگ قرآن کی آیت پر زیادتی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے بھی نہیں شرماتے۔ انام سے مراد انسان، حیوان، چرند پرند، مور و ملخ سب جاندار چیزیں ہیں۔

فِيهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْأَكْمَامِ ﴿۱۱﴾ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ

اس میں گوناگوں پھل ہیں اور کھجوریں غلافوں والی ۱۱ اور اناج بھی بھوسہ والا

وَالرَّيْحَانُ ﴿۱۲﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۱۳﴾ خَلَقَ الْإِنسَانَ مِن

اور خوشبودار پھول ۱۲ پس اے انس وجان تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ۱۳ پیدا فرمایا انسان کو بجنے والی

۱۱۔ اکمام، جمع ہے کِمّ کی۔ اس سے مراد وہ غلاف ہے جو قدرتی طور پر پھلوں پر چڑھا ہوتا ہے تاکہ ان کی رس اور ان کا نرم گودا ضائع نہ ہو جائے۔ موسمی تغیرات اس کو خراب نہ کر دیں۔ مکھیاں اور مچھر اس کو گندا نہ بنا دیں۔ جس مولائے کریم نے تمہاری خوراک کے قدرتی اسباب کو اتنی خوبصورتی سے "پیک" کر دیا ہے اور ان کو ہر طرح کے بیرونی مضر اثرات سے بچا رکھا ہے تاکہ جب تیرے منہ میں کھجور کا دانہ یا آم کی کوئی قاش پہنچے تو وہ بالکل پاک صاف اور تازہ ہو۔ کیا اس کی شانِ رحمانیت کا تم انکار کر سکتے ہو۔

۱۲۔ الحَبُّ: اناج کے دانے۔ العصف، گندم اور جو کے پودے کے پتے جو بھوسہ کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ الرَّیحان: طرح طرح کے خوشبودار پھول یعنی جو اجناس پیدا کیے ہیں ان کا کچھ حصہ تمہارے کھانے کے کام آتا ہے۔ ان کا کچھ حصہ تمہارے جانوروں کی خوراک بنتا ہے اور کہیں رنگ برنگے پھول کھلے ہیں جو تمہاری افسردہ طبیعت کو تازگی اور شگفتگی بخش رہے ہیں۔ الغرض جدھر بھی تم دیکھو اور جو چیز بھی دیکھو اس کی رحمت کے جلوے تمہیں نظر آئیں گے۔

۱۳۔ آلاء، جمع ہے۔ اس کا واحد أَلَى وإِلَىٰ وإلْیٌ ہے۔ اس کا معنی ہے النعم نعمتیں۔ (لسان العرب)

سورۃ کے آغاز سے کر یہاں تک بڑی بڑی عظیم الشان نعمتوں کو شمار کیا۔ ان میں ایسی نعمتیں بھی ہیں جن پر ہماری روحانی اور اُخروی زندگی کی کامیابی کا انحصار ہے۔ بعض وہ ہیں جن سے ہماری یہ دنیوی زندگی طرح طرح کی راحتوں اور آسائشوں سے بہرہ مند ہوتی ہے۔ بعض وہ ہیں جن میں ہماری مرضی اور رائے کو دخل نہیں۔ نیز عدل وانصاف کے بارے میں ایسے احکام بھی ہیں جن سے ہمیں امن وسکون میسر آسکتا ہے۔ ان نعمتوں کے ذکر کرنے کے بعد اب جنوں اور انسانوں کو کہا جارہا ہے کہ تم ہماری ان بے شمار نعمتوں میں سے کس کس کا انکار کرو گے۔

حضرت جابر ابن عبد اللہؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے پوری سورۃ الرحمٰن کی تلاوت فرمائی۔ پھر فرمایا کیا وجہ ہے کہ تم بالکل گم سم ہو کر بیٹھے رہے۔ تم سے تو جنوں نے بہتر جواب دیا۔ جب بھی میں یہ آیت پڑھتا (فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ) تو وہ جواب میں کہتے وَلَا بِشَيْءٍ مِنْ نِعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ۔ اے ہمارے رب ہم تیری کسی نعمت کا انکار نہیں کرتے اور سب تعریفیں تیرے لیے ہیں۔

ہم پر ضروری ہے کہ جب ہم یہ سورۃ سنیں اور جب بھی یہ آیت پڑھی جائے تو اس کے جواب میں ہم بھی یہ کہیں۔

مٹی سے ٹھیکری کی مانند ۱۴؎ اور پیدا کیا جان کو آگ کے خالص شعلے سے ۱۵؎ پس (اے انس وجان)

۱۴؎ یہاں انسان سے مراد بالاتفاق آدم علیہ السلام ہیں کیونکہ آپ ہی کی تخلیق بلاواسطہ صلصال سے ہوئی۔ آدم علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر قرآن کریم میں مختلف مقامات پر کیا گیا ہے۔

پہلے مٹی (تراب) لی گئی۔ پھر اس میں پانی ملا کر گارا تیار کیا گیا جسے طین کہا گیا۔ پھر وہ گارا کچھ عرصہ یونہی پڑا رہا یہاں تک کہ اس میں چکناہٹ اور لیس پیدا ہوگئی۔ اسے طین لازب فرمایا گیا۔ اسی طرح کچھ عرصہ وہ گارا اور پڑا رہا تو اس میں بدبو پیدا ہوگئی اور اس کی رنگت سیاہی مائل ہوگئی۔ اسے حمأ مسنون کہا گیا۔ پھر وہ لیس دار اور بدبودار گارا خشک ہوگیا اور وہ یوں بجنے لگا جس طرح پکا ہوا ٹھیکرا بجتا ہے۔ اس کے بعد اس کو بشریت کا جامہ پہنایا گیا۔ پھر اس میں اپنی خاص روح پھونکی گئی۔ اب وہ آدم خاص کی عظمت وشان کے آگے ملائکہ سجدہ ریز ہوگئے۔

قرآن کریم میں ان تدریجات کا یوں ذکر کیا گیا ہے:

کمثل آدم خلقہ من تراب (العمران ۵۹) بدء خلق الانسان من طین (السجدہ ۷) انا خلقنٰھم من طین لازب (الصٰفٰت ۱۱) ولقد خلقنا الانسان من صلصال من حمأ مسنون (الحجرات ۲۶) خلق الانسان من صلصال کالفخار۔

کیونکہ ان آیات میں تخلیق آدم کے مختلف مدارج کو بیان کیا گیا ہے اس لیے ان میں کوئی تضاد نہیں۔ پھر تخلیق آدم کے بعد نسل انسانی کی تخلیق ایک قطرہ آب سے ہوئی جو رحم مادر میں قرار پکڑ کر مختلف مرحلے طے کرتا ہوا انسانی شکل میں پیدا ہوتا ہے۔

۱۵؎ جانّ جنوں کے پہلے باپ کا نام ہے۔ جس طرح آدم علیہ السلام کی تخلیق مٹی سے ہوئی اسی طرح جان کی تخلیق خالص آگ سے ہوئی۔ پھر جنوں کی نسل کو چلانے کے لیے ازدواج کا وہی نظام یہاں بھی جاری ہے جو انسانوں میں ہے۔ مارج کہتے ہیں خالص آگ کو جس میں دھوئیں کا نام ونشان نہ ہو۔ قرآن کریم کی ان دو آیتوں میں صراحتہً بتا دیا کہ انسان اور جن دو مختلف نوع ہیں۔ ایک کا اصل مٹی ہے اور دوسرے کا اصل آگ ہے۔ اب جو لوگ جنات کو الگ نوع تسلیم نہیں کرتے بلکہ نوع انسانی کے بعض افراد کو جن کہنے پر بضد ہیں وہ قرآن کریم کی ان آیتوں کو بار بار پڑھیں۔

اس سے کئی اور مسائل بھی معلوم ہوجاتے ہیں کہ جس طرح انسان باشعور اور بااختیار ہونے کے باعث احکام شرعی کی بجا آوری کا مکلف ہے اسی طرح جنات بھی باشعور اور بااختیار ہیں اور احکام شرعیہ کی بجا آوری ان پر بھی ضروری ہے۔

نیز حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس طرح بنی نوع انسان کی طرف نبی بن کر تشریف لائے ہیں اسی طرح جنات کے لیے بھی نبی ہیں۔ نیز فبای الاء ربکما تکذبٰن میں ضمیر تثنیہ کا مرجع جن وانس دونوں ہیں۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ جنات مادہ سے مجرد نہیں۔ بلکہ انسان کے خاکی پیکر کی طرح ان کا آتشی پیکر ہے۔ وفی الاٰیۃ رد علی من یزعم ان الجن نفوس مجردۃ۔

الآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿١٦﴾ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ﴿١٧﴾ فَبِاَيِّ

تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ۱۶؎ وہی دونوں مشرقوں کا رب ہے اور دونوں مغربوں کا رب ہے ۱۷؎ پس اے جن وانس!

الآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿١٨﴾ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ﴿١٩﴾ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ

تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ اس نے رواں کیا ہے دونوں دریاؤں کو جو آپس میں مل رہے ہیں۔ ان کے درمیان آڑ ہے آپس میں

لَّا يَبْغِيٰنِ ﴿٢٠﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٢١﴾ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ

گڈمڈ نہیں ہوتے ۱۸؎ پس اے جن وانس! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ نکلتے ہیں ان سے موتی

۱۶؎ اے انسان! تیری اصل مٹی ہے۔ دیکھ تیرے رب نے اس مشتِ خاک کو کتنا حسین پیکر بخشا ہے اور اس میں بے شمار قوتیں پیدا کر دی ہیں۔ آنکھ دیکھتی ہے، کان سنتے ہیں، زبان کلام کرتی ہے، دل تمام جسم میں خون پہنچاتا ہے۔ تیرے کاسۂ سر میں کیسے خودکار آلات نصب کر دیے ہیں۔ تیرے شکم میں نظامِ ہضم کو کیسی مستحکم بنیادوں پر قائم کر دیا ہے۔ یہی حال جنات کا ہے۔ ان کو بھی مخصوص حواس اور بے پایاں قوتیں بخشی گئی ہیں۔ اے جن وانس! تم بتاؤ کہ تم اللہ تعالیٰ کی کس کس نعمت پر ناشکری کرو گے۔

۱۷؎ موسم گرما کا مشرق اور ہے اور موسم سرما کا مشرق اور۔ اسی طرح دونوں کے مغرب بھی الگ الگ ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہر دن کا مشرق و مغرب الگ ہے۔ وہ مشرقین و مغربین کا ہی رب نہیں بلکہ وہ تو رب المشارق والمغارب ہے۔ خود ہی بتاؤ مشرقین و مغربین میں کس کی خدائی کا پرچم لہرا رہا ہے اور کس کے حکم کے آگے ہر چیز سرافگندہ ہے۔ فبای الآء ربکما تکذبن۔ اگر سال بھر ایک ہی مشرق اور ایک ہی مغرب ہوتا تو نہ موسم بدلتے اور نہ ہر موسم کے ساتھ مخصوص پھل، اناج اور دیگر چیزیں پیدا ہوتیں۔ تمہاری زراعت، تمہاری باغبانی بلکہ صنعت و حرفت کی ترقی کے امکانات بالکل محدود ہوتے اور تمہاری راتیں بے کیف اور تمہارے دن اتنے بوجھل ہوتے کہ تم شاید زندگی کا بوجھ زیادہ دیر تک نہ اٹھا سکتے۔ بتاؤ تم اپنے رب کی کس نعمت کا انکار کرتے ہو۔

۱۸؎ جب آپ کسی جانور کو چرنے کے لیے کھلا چھوڑ دیں تو کہا جاتا ہے مرجت الدابۃ۔ اسی لیے چراگاہ کو بھی عربی میں مرج و مروج کہتے ہیں۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں پانی میٹھے اور کھاری کو آزاد چھوڑ دیا ہے۔ اپنی اپنی بہنے کی جگہوں میں بہے چلے جا رہے ہیں۔ گلے سے گلے آپس میں مل بھی جاتے ہیں لیکن ایک دوسرے میں خلط ملط نہیں ہوتے۔ قدرت نے ان دونوں کے درمیان ایک ایسی رکاوٹ قائم کر دی ہے جو دکھائی نہیں دیتی لیکن مضبوط اتنی ہے کہ انہیں آپس میں گڈمڈ نہیں ہونے دیتی۔ میٹھا پانی الگ اور کڑوا الگ میلوں ایک ساتھ بہتا چلا جاتا ہے۔ طالب علمی کے زمانے میں اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ مراد آباد سے ہم نینی تال کے لیے روانہ ہوئے۔ ریلوے کا آخری سٹیشن شاید کاٹھ گودام تھا۔ رات وہاں بسر کی اور شوقِ سیاحت میں

وَالْمَرْجَانُ ﴿۲۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۳﴾ وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ

اور مرجان ۱۹ پس اے جن وانس! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ اور اسی کے زیر فرمان ہیں وہ جہاز جو سمندر میں

فِی الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿۲۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۵﴾ كُلُّ مَنْ

پہاڑوں کی مانند بلند نظر آتے ہیں ۲۰ پس اے جن وانس! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ۲۱ جو کچھ زمین پر ہے

فیصلہ کیا کہ یہاں سے پیدل سیر وسیاحت کرتے ہوئے نینی تال جائیں گے۔ راستے میں ہم نے دو مختلف وادیوں سے دو نالے آتے ہوئے دیکھے۔ ایک کا رنگ نیلا تھا اور دوسرے کا رنگ سفید۔ وہ ایک جگہ آکر اکٹھے ہو جاتے ہیں اور کئی فرلانگ تک ہم اس کے کنارے کنارے چلتے گئے۔ دونوں پانی یکجا بہنے کے باوجود آپس میں خلط ملط نہ ہوئے۔ یہ میرا ذاتی مشاہدہ ہے۔ سمندر میں سفر کرنے والے لوگوں نے عجیب عجیب انکشافات کیے ہیں کہ سمندر میں جہاں کھاری پانی ٹھاٹھیں مار رہا ہوتا ہے اس کے عین وسط میں میٹھے پانی کے قطعات ہوتے ہیں۔ بحری سفر کرنے والے ان سے اپنے ذخائر بھر لیتے ہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں ضیاء القرآن جلد سوم سورۂ فرقان: ۵۳) اے جن وانس! تم کہاں تک اپنے ربِّ کریم کی نعمتوں کا انکار کرتے رہو گے اور اس کے کس کس انعام کی ناشکری کرو گے۔

۱۹ میٹھا اور کھاری پانی جہاں ملتا ہے وہاں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں۔ جن کو تم زینت و آرائش کے لیے کام میں لاتے ہو۔ مختلف بیماریوں میں یہ دوا کا کام بھی دیتے ہیں۔ اور یوں ان سے طرح طرح کے تم فائدے اٹھاتے ہو۔ لؤلؤ: بڑا موتی۔ مرجان: مونگا اور چھوٹے موتی کو بھی مرجان کہتے ہیں۔

۲۰ جوار: السفن الکبار جمع جاریة۔ یعنی بڑی کشتیاں۔ اس کا واحد جاریۃ ہے۔ المنشئات: السفن المرفوعة الشرع۔ وہ کشتیاں جن کے بادبان بلند کر دیے جاتے ہیں۔ اعلام جمع ہے علم کی۔ اس کا معنی ہے پہاڑ یعنی سمندروں میں پہاڑوں کی مانند بڑی بڑی کشتیاں اور جہاز تمہیں تیرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ دیکھو کس شان سے سطحِ آب پر یہ اپنی منزلِ مقصود کی طرف بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ یہ سب اسی خالقِ حقیقی کے تابع فرمان ہیں۔ اسی خالقِ حکیم نے پانی میں یہ خوبی پیدا کر دی ہے کہ وہ لاکھوں ٹن بوجھ اٹھائے رہتا ہے۔ اس نے ایسی چیزیں پیدا فرمائی ہیں جن سے کشتیاں اور جہاز بنتے ہیں۔ بھاری بھرکم ہونے کے باوجود ڈوبتے نہیں بلکہ تیرتے چلے جاتے ہیں اور اسی نے انسان کو وہ سمجھ عطا فرمائی جس سے اس نے جہاز سازی کی صنعت میں کمال حاصل کیا۔

۲۱ اللہ تعالیٰ اگر ایسی چیزیں پیدا نہ فرماتا جو پانی پر تیر سکتی ہیں یا پانی میں یہ صلاحیت نہ ہوتی کہ اس میں آسانی سے جہاز رانی ہو سکے بلکہ دلدل کی طرح ہر چیز اس میں دھنستی چلی جاتی تو کیا دور دراز ملکوں میں جن کے درمیان بحر اوقیانوس اور بحر الکاہل جیسے سمندر حائل ہیں تمہاری آمد ورفت ممکن ہو سکتی یا تم ایک ملک کی مصنوعات اور خوردنی اجناس دوسرے ممالک میں لے جا سکتے؟ کیا یہ سب اس کی رحمت کے کرشمے نہیں۔ اے جن وانس! چشمِ ہوش کھولو۔ اپنے خالق ومالک کو پہچانو اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرو۔ انکار اور ناشکری کی راہ پر کب تک چلتے رہو گے۔

عَلَيْهَا فَانٍ ﴿۲۶﴾ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿۲۷﴾ فَبِاَيِّ

فنا ہونے والا ہے۔ اور باقی رہے گی آپ کے رب کی ذات جو بڑی عظمت اور احسان والی ہے ۲۲ پس (اے گروہ) جن وانس!

اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۸﴾ يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلَّ يَوْمٍ

تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ۲۳ مانگ رہے ہیں اس سے (اپنی حاجتیں) سب آسمان والے اور زمین والے ۲۴ ہر روز وہ ایک نئی

هُوَ فِىْ شَاْنٍ ﴿۲۹﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۰﴾ سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ

شان سے تجلی فرماتا ہے ۲۵ پس (اے) جن وانس! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ہم عنقریب توجہ فرمائیں گے تمہاری طرف

۲۲ ؎ اگر کسی کو عزت وجاہ حاصل ہو، اگر کسی کے پاس دولت و ثروت کی فراوانی ہو، اگر اسے کسی محدود علاقے میں اقتدار و اختیار مل جائے تو اسے اکڑنا نہیں چاہیے۔ اپنے رب کریم کو بھلا کر شیطان سے یارانہ نہیں گانٹھ لینا چاہیے۔ اسے یہ حقیقت اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ وہ خود اور اس کا جاہ وحشم بلکہ اس زمین میں جو کچھ اسے دکھائی دے رہا ہے سب فانی ہے۔ سب ناپائیدار ہے۔ بقا اور دوام فقط اللہ ذوالجلال والاکرام کا حصہ ہے۔ وجہ: وجود الباری تعالیٰ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الظّوا بیاذا الجلال والاکرام یعنی دعا مانگتے وقت یاذا الجلال والاکرام ضرور کہا کرو۔

۲۳ ؎ زندگی نعمت ہے تو فنا اور موت بھی نعمت ہے۔ ان سے پوچھیے جو کسی اذیت ناک بیماری میں مبتلا ہوتے ہیں۔ رات کو قرار ہے نہ دن کو چین۔ ہر وقت درد سے تڑپتے رہتے ہیں۔ ان بوڑھوں سے پوچھیے جن کی لمبی عمر ان کے لیے وبالِ جان بن گئی۔ نہ آنکھیں دیکھتی ہیں، نہ زبان بولتی ہے، نہ ہاتھ ہلتے ہیں، نہ ٹانگیں چلتی ہیں۔ معدہ کمزور، جگر بے کار اور دل بیمار ہے۔ دماغ نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے۔ انسان اپنے اہل وعیال کے لیے بھی ایک ناپسندیدہ اور ناقابل برداشت بوجھ بن کر رہ گیا ہے۔ کیا ان کے لیے موت کی آغوش امید افزا اور راحت بخش نہیں، نیز موت تو وہ راستہ ہے جس پر چل کر انسان مصائب و آلام کی اس دنیا سے چھٹکارا حاصل کر کے عالم آخرت کی ابدی نعمتوں سے بہرہ ور ہوتا ہے اور اہل محبت تو کہتے ہیں الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب کہ موت ایک پل ہے جو یار کو یار سے ملاتا ہے۔

۲۴ ؎ زمین و آسمان میں جو چیز ہے: نوری ہو یا خاکی، آبی ہو یا ناری، بڑی ہو یا چھوٹی، عزیز ہو یا حقیر بلا استثناء سب کے سب اس کے دربارِ دُربار میں اپنے سوال کا دامن پھیلائے ہوئے ہیں اور اس کے جود و کرم پر آس لگائے بیٹھے ہیں۔ بیمار صحت مانگ رہا ہے، بھوکا رزق مانگ رہا ہے۔ طالب علم گوہرِ علم کے لیے جھولی پھیلائے ہے۔ دولت کے طلب گار سیم و زر مانگ رہے ہیں اور اربابِ صدق و اخلاص اس کی رضا مانگ رہے ہیں۔ کون ہے جو وہاں سائل نہیں، کون ہے جو اس در کا گدا نہیں۔

۲۵ ؎ مخلوق کا تو یہ حال ہے اور خالق اپنی مخلوق کی التجاؤں کو سن رہا ہے اور ان کی دعاؤں کو قبول فرما رہا ہے۔ کسی کو تاجِ سلطانی بخشا جا رہا ہے۔ کسی کو نعمتِ علم عطا ہو رہی ہے۔ کسی کے سینہ میں چراغِ معرفت فروزاں کیا جا رہا ہے اور کسی کو اپنے درد کی نعمت بخشی جا رہی ہے

الثَّقَلٰنِ ۞ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۞ یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ

اے جن وانس! لقلہ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ اے گروہ جن و انس!

اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ فَانْفُذُوْا

اگر تم میں طاقت ہے کہ تم نکل جاؤ آسمانوں اور زمین کی سرحدوں سے تو نکل کر بھاگ جاؤ۔

کوئی پیدا ہو رہا ہے، کوئی مر رہا ہے، کوئی بن رہا ہے، کوئی بگڑ رہا ہے۔ کہیں قحط کی چیرہ دستیاں ہیں اور کہیں ابر رحمت برس رہا ہے۔ کسی کو نوازا جا رہا ہے اور کسی کو اس کی پیہم ناشکر گزاریوں کے باعث اپنی نعمتوں سے محروم کیا جا رہا ہے۔ ہر روز اس کی شان کا ظہور ہے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کسی بادشاہ نے اپنے وزیر سے اس آیت کا مفہوم پوچھا۔ وہ نہ بتا سکا اور کل تک کی مہلت طلب کی اور بڑا افسردہ اور پژمردہ گھر آیا۔ اس کا ایک سیاہ فام غلام تھا۔ اس نے پوچھا میرے آقا آپ پریشان کیوں ہیں؟ اس نے پریشانی کی وجہ بتائی۔ غلام نے کہا آپ مجھے سلطان کے پاس لے چلیں۔ میں اسے اس آیت کا مفہوم بتاؤں گا۔

وہ غلام جب سلطان کے سامنے پیش کیا گیا تو وہ گویا ہوا۔ ایھا الامیر! شانہ ان یولج اللیل فی النھار ویولج النھار فی اللیل ویخرج الحی من المیت ویخرج المیت من الحی یشفی سقیما ویسقم سلیما ویبتلی معافا ویعافی مبتلا ویعز ذلیلا و یذل عزیزا ویفقر غنیا ویغنی فقیرا۔

یعنی اے بادشاہ! اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ وہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے۔ وہ بیمار کو صحت یاب اور صحت یاب کو بیمار کرتا ہے۔ آرام و عافیت والے کو مصیبت میں مبتلا کرتا ہے اور جو مصیبت میں مبتلا ہے اس کو آرام و سکون عطا فرماتا ہے۔ وہ ذلیل کو عزت بخشتا ہے اور عزت والے کو ذلیل کرتا ہے۔ وہ غنی کو فقیر اور فقیر کو غنی بناتا ہے۔ بادشاہ نے یہ سن کر اسے قلمدانِ وزارت سونپ دیا۔ غلام نے کہا یا مولائی ھذا من شان اللہ تعالیٰ میرے آقا یہ بھی میرے اللہ تعالیٰ کی ایک شان ہے۔

عبد اللہ ابن طاہر نے حسین ابن فضل کو بلایا اور کہا کہ جب یہ بات صحیح ہے کہ ان القلم جف بما ھو کائن الی یوم القیٰمۃ کہ قیامت تک جو کچھ وقوع پذیر ہونے والا ہے وہ لکھا جا چکا ہے اور قلم اب خشک ہو چکا ہے یعنی اب مزید کچھ نہیں لکھا جائے گا تو پھر اس آیت کا کیا مطلب ہے کل یوم ھو فی شان۔ حسین نے برجستہ جواب دیا فانھا شئون یبدیھا لا شئون یبتدیھا۔ یعنی شان سے مراد ازل میں طے شدہ فیصلوں کا اظہار اور نفاذ ہے نہ کہ نئے فیصلوں کا آغاز۔

لقلہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس وقت بہت مصروف ہے۔ بڑی کٹھن مہمات درپیش ہیں۔ بڑے اہم معاملات تصفیہ طلب ہیں۔ تم سے نمٹنے کے لیے اس کے پاس وقت نہیں۔ جب ان مہمات سے فراغت ہو گی تو پھر تم سے باز پرس فرمائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات والاصفات اس سے برتر ہے کہ کوئی کام اسے یوں مشغول کر دے کہ وہ دوسرے کام کرنے سے معذور

لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴿۳۳﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۴﴾ یُرْسَلُ

(سنو) تم نہیں نکل سکتے بجز سلطان کے (اور وہ تم میں مفقود ہے) ۲۷؎ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ بھیجا جائے گا

ہو جائے۔ یہاں فرغ بمعنی قصد مستعمل ہوا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن منظور لکھتے ہیں۔ سنفرغ لکم ایها الثقلٰن قال ابن الاعرابی ای سنعمد لکم واحتج بقول جریر فرغت الی العبد المقید فی الحجل قال معنی فرغت قصدت وفی حدیث ابی بکر رضی اللہ تعالٰی عنہ افرغ الی اضیافك ای اعمد واقصد (لسان العرب) کہ سنفرغ کا معنی توجہ کرنا، قصد کرنا ہے۔ جریر کے مصرع میں فرغت بمعنی قصدت ہے اور حضرت صدیق کے اس قول افرغ الی اضیافك کا معنی ہے اپنے مہمانوں کی طرف متوجہ ہو۔ نیز عرب جب کسی کو دھمکی دیتے ہیں تو کہتے ہیں اذا اتفرغ الیك ای اقصدك کہ میں اب تیری طرف متوجہ ہوں گا اور تیری خبر لوں گا۔ اور ثقلان سے مراد جن و انس ہیں۔ حضرت امام جعفر صادق فرماتے ہیں گناہوں سے بوجھل ہونے کی وجہ سے انہیں ثقلان کہا گیا ہے۔ لانهما مثقلان بالذنوب۔

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ابھی تو ہم نے تمہیں غور و فکر کرنے سوچنے اور اپنی اصلاح کر لینے کی مہلت دی ہوئی ہے۔ تم گناہ کرتے ہو، نافرمانی کرتے ہو، ہم درگزر کر دیتے ہیں۔ لیکن جب مہلت کی گھڑیاں ختم ہو جائیں گی یا دارالعمل سے تم دارالجزاء میں پہنچ جاؤ گے اس وقت ہم تمہاری طرف متوجہ ہوں گے، پھر دیکھیں گے کون بچنے خان ہے جو سرتابی کی جرأت کرتا ہے۔

۲۷؎ جنات کو اپنی قوت و طاقت پر بڑا گھمنڈ ہوتا ہے اس لیے یہاں ان کا ذکر صراحت سے کیا اور انسانوں سے پہلے کیا۔ یعنی اگر تم غلط فہمی میں مبتلا ہو کہ تمہیں کوئی نہیں پکڑ سکتا یا اگر تمہیں پکڑنے کے لیے کوئی فرشتہ آیا تو تم کنی کترا کر دوسری طرف نکل جاؤ گے اور ہماری دسترس سے باہر چلے جاؤ گے تو اس غلط خیال کو اپنے دل سے نکال دو۔ تم زمین و آسمان سے نکل کر کہیں نہیں جا سکتے۔ جب حشر کے میدان میں تمہیں لا کر کھڑا کیا جائے گا تو ساتوں آسمانوں کے فرشتے تمہارے اردگرد گھیرے ڈال لیں گے۔ کیا ان سات گھیروں کو توڑ کر تم نکل کر کہیں جا سکو گے۔ ساتھ ہی فرما دیا کہ اس گھیرے کو توڑنے کے لیے تو سلطان (قوت و طاقت) چاہیے۔ تم نحیف و ناتواں کب یہ حلقہ توڑ سکتے ہو۔

عارف باللہ مولانا پانی پتی فرماتے ہیں بسلطان سے مراد (بسلطانی) میری قوت ہے۔ یعنی ویسے تو زمین و آسمان کے دائرہ کو توڑ کر نکلنا ممکن نہیں البتہ میری قوت کسی کو حاصل ہو جائے تو وہ ان حد بندیوں سے باہر نکل سکتا ہے۔ کما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نفذ ببدنہ لیلۃ المعراج من السموات السبع الی سدرۃ المنتہی والصوفی ینفذ من دائرۃ الامکان الی مدارج القرب بحول اللہ وقوتہ (مظہری)

یعنی جس طرح نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج اپنے جسم اطہر کے ساتھ ساتوں آسمانوں سے پار تشریف لے گئے اور صوفی دائرۂ امکان سے مدارجِ قرب تک نفوذ اللہ تعالٰی کی طاقت اور قوت سے کرتا ہے۔

عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ﴿٣٥﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ

تم پر آگ کا شعلہ اور دھواں ۲۸ پھر تم اپنا بچاؤ بھی نہ کرسکو گے ۲۹ پس اے جن وانس تم اپنے رب

رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٦﴾ فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ﴿٣٧﴾

کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ۳۰ پھر جب پھٹ جائے گا آسمان تو سرخ ہو جائے گا۔ جیسے رنگا ہوا سرخ چمڑا ۳۱

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٨﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْــَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖۤ اِنْسٌ

پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ تو اس روز کسی انسان اور جن سے اس کے گناہ کے بارے میں

وَّلَا جَآنٌّ ﴿٣٩﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٤٠﴾ يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ

نہ پوچھا جائے گا ۳۲ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ پہچان لیے جائیں گے مجرم

۲۸ اگر اس روز تم نے بھاگنے کی کوشش کی تو تم پر آگ کا خالص شعلہ اور کالا دھواں چھوڑا جائے گا۔ وہ اسی قدم پر تمہیں بھون کر رکھ دے گا۔ شواظ: اللهب الذی لا دخان فیه۔ وہ شعلہ جس میں دھوئیں کا نام ونشان نہ ہو۔

نحاس: الدخان الذی لا لهب فیه۔ وہ دھواں جس میں شعلہ نہ ہو۔ نحاس کا دوسرا معنی پگھلا ہوا تانبا بھی ہے۔

۲۹ پھر تم اپنی مدد بھی نہ کرسکو گے یا تم ایک دوسرے کی مدد نہ کرسکو گے۔ نہ جن انسانوں کی نہ انسان جنوں کی۔

۳۰ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا انعام ہے کہ اس نے بدکاروں کو بروقت ان کے انجام بد سے خبردار کر دیا تاکہ اگر وہ بچنا چاہیں تو بروقت توبہ کرلیں۔

۳۱ وقوع قیامت کے وقت آسمان کی کیفیت بیان کی جا رہی ہے۔ وردة، گلاب کا پھول جس کا رنگ سرخ ہوتا ہے۔ الدھان: رنگا ہوا سرخ چمڑا۔

۳۲ یعنی جس شخص نے گناہ کیا ہے اسی سے باز پرس ہوگی۔ کسی اور انسان یا جن کو اس کا جواب دہ قرار نہیں دیا جائے گا۔ قال ابو العالیه لا یسئل غیر المجرم عن ذنب المجرم۔

اس آیت کا یہ معنی بھی بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ ضرورت نہیں ہوگی کہ وہ مجرم سے پوچھے کہ اس نے یہ جرم کیا ہے کیونکہ وہ تو پہلے ہی جانتا ہے، بلکہ اس سے یہ سوال کیا جائے گا کہ تم نے ایسا کیوں کیا۔

بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ ﴿۴۱﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

اپنے چہروں سے تو انہیں پکڑ لیا جائے گا پیشانی کے بالوں سے اور ٹانگوں سے ۳۳ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں

تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۲﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ يَطُوْفُوْنَ

کو جھٹلاؤ گے۔ یہی وہ جہنم ہے جسے جھٹلایا کرتے تھے مجرم۔ وہ گردش کرتے رہیں گے جہنم

بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ﴿۴۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۵﴾ وَلِمَنْ خَافَ

اور کھولتے ہوئے پانی کے درمیان جو از حد گرم ہوگا ۳۴ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ اور جو ڈرتا ہے اپنے رب کے

مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۷﴾ ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ﴿۴۸﴾

روبرو کھڑا ہونے سے اس کو دو باغ ملیں گے ۳۵ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ دونوں باغ ہری بھری ٹہنیوں والے ہوں گے ۳۶

۳۳ فرشتے دور سے دیکھ کر ہی مجرم کو پہچان لیں گے۔ ان کے چہرے سیاہ اور ان کی آنکھیں خوف سے نیلی ہوں گی۔ انہیں پیشانی کے بالوں اور پاؤں سے پکڑ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ اس وقت انہیں کہا جائے گا کہ یہ ہے وہ جہنم جس کا تمہارے ساتھ وعدہ کیا گیا تھا اور جس کا تم انکار کیا کرتے تھے۔

۳۴ جحیم اور حمیم کے درمیان سرگرداں پھرتے رہیں گے۔ جہنم کے دہکتے انگاروں اور لپکتے ہوئے شعلوں سے ننگ آ جائیں گے اور پیاس کی شدت کے باعث پانی پانی کہیں گے تو انہیں کھولتا ہوا گرم پانی دیا جائے گا۔ شدید پیاس کے باعث اسے ہونٹوں کے قریب لے جائیں گے تو اس کی حدت ہونٹوں کو جلا کر رکھ دے گی۔ آنٍ: ماء بالغ من الحرارة اقصاها۔ وہ پانی جو انتہا درجہ گرم ہو۔

۳۵ یہاں مقام اگر اسم ظرف ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ لوگ جو اس جگہ سے ہر وقت خائف و لرزاں رہتے ہیں جہاں کھڑا کر کے ان سے حساب لیا جائے گا اور اگر اسے مصدر میمی بنایا جائے تو پھر اس کے دو مفہوم ہوں گے۔ ایک یہ کہ جو لوگ ہر وقت اس بات سے خوف زدہ رہتے ہیں کہ ان کا رب ان کی نگرانی کر رہا ہے۔ وہ ان کے افعال و اقوال سے پوری طرح باخبر ہے۔ وہ ڈرتے ہیں کہ کوئی ایسی بھول نہ ہو جائے جس کے باعث ان کا رب ان سے ناراض ہو جائے۔ دوسرا مفہوم یہ ہوگا کہ وہ لوگ جو اپنے رب کی جناب میں کھڑا ہونے سے ہر وقت ڈرتے رہتے ہیں۔

عطاء سے منقول ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک روز قیامت کے بارے میں سوچنے لگے۔ میزان، جنت و دوزخ وغیرہ واقعاتِ مابعد پر غور کرتے کرتے لرز اٹھے اور کہنے لگے اے کاش میں چارہ ہوتا کوئی جانور آ کر مجھے چر لیتا یا میں پیدا ہی نہ ہوتا۔ ہولِ قیامت اور اللہ تعالیٰ کے جلال کا خیال کر کے بے قرار ہوتے رہے۔ اس وقت یہ آیتیں اتریں کہ جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان کو

وقف لازم

ع ۲
۱۲

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٤٩﴾ فِیْهِمَا عَیْنٰنِ تَجْرِیٰنِ ﴿٥٠﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ

پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ دونوں باغوں میں دو چشمے جاری ہوں گے۔ پس تم اپنے رب کی

رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٥١﴾ فِیْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ ﴿٥٢﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ

کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ان دونوں باغوں میں ہر طرح کے میووں کی دو دو قسمیں ہوں گی ٣٧؎ پس اے جن وانس! تم اپنے

اللہ تعالیٰ ایک نہیں کئی کئی جنتیں عطا فرمائے گا۔

جنت سے یہاں اس کا لغوی معنی باغ اور گلستان مراد لینا بہت مناسب ہے۔ یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ڈرتے زندگی بسر کرتے ہیں انہیں جنّاتِ عدن میں دو دو باغ عطا فرمائے جائیں گے۔ ایک وہ جس میں ان کا رہائشی محل ہوگا جہاں وہ اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ رہیں گے۔ دوسرا وہ جہاں ان کی عام نشست ہوگی۔ دوست احباب سے ملاقاتیں ہوں گی۔ نشاط وطرب کی محفلیں منعقد ہوں گی اور یتنازعون فیها کاسا لا لغو فیها ولا تاثیم کا دل کش سماں ہوگا۔

علامہ بغوی نے ایک بڑی پیاری حدیث نقل کی ہے۔ حضرت ابوہریرہ؄ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من خاف ادلج ومن ادلج بلغ الا ان سلعة الله غالية الا ان سلعة الله الجنة۔

جس مسافر کو راہزنوں کا ڈر ہوتا ہے وہ سوتا نہیں رات بھر چلتا رہتا ہے اور جو رات بھر چلتا رہتا ہے وہ اپنی منزل تک پہنچ جاتا ہے۔ خبردار! اللہ تعالیٰ کا سامان بہت گراں ہے۔ سن لو! اللہ تعالیٰ کا سامان جنت ہے۔

٣٦؎ یہاں سے ان دو باغوں کی توصیف شروع ہے۔ ان دونوں باغوں کے درخت بڑے شاندار ہوں گے ان شاخوں پر سبز سبز پتے، ان میں خوبصورت پھول اور لذیذ پھل بڑی بہار دکھا رہے ہوں گے۔

مذکر کے لیے ذَوَا استعمال ہوتا ہے جو اصل میں ذَوَوَا ہے۔ مؤنث کے لیے ذات جو اصل میں ذوات ہے۔ تخفیف کے لیے واؤ گرا دی اور ذوا اور ذات ہو گیا۔ قاعدہ ہے تثنیہ لفظ کو اپنے اصل کی طرف لوٹا دیتا ہے۔ ذات کا جب تثنیہ بنایا گیا تو ذواتا ہو گیا۔

افنان جمع ہے۔ اس کا واحد فَنَنٌ ہے۔ جس کا معنی ہے شاخ، ٹہنی۔ بعض نے افنان کو فن کی جمع کہا ہے۔ اس وقت افنان کا معنی ہوگا الوان الفاكهة وانواع الاشجار والثمار۔ یعنی وہ جنت ایسے ہوں گے جن میں رنگ برنگے پھل قسم قسم کے درخت لہلہا رہے ہوں گے۔ ہر باغ میں چشمے جاری ہوں گے پانی کی فراوانی ہوگی۔

٣٧؎ ہر پھل کی دو قسمیں ہوں گی۔ ایک وہ جسے تم جانتے ہو۔ اسے دیکھا بھی ہوگا، چکھا بھی ہوگا لیکن اسی پھل کی ایک قسم جو جنت میں ہی پائی جاتی ہے تمہارے لیے بالکل نئی ہوگی۔

رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۳﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى فُرُشٍۭ بَطَآىِٕنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ

رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ وہ تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے بستروں پر جن کے استر قناویز کے ہوں گے ۳۸

وَجَنَا الْجَنَّتَیْنِ دَانٍ ﴿۵۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۵﴾ فِیْهِنَّ

اور دونوں باغوں کا پھل نیچے جھکا ہوگا ۳۹ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ان میں

قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَ لَا جَآنٌّ ﴿۵۶﴾ فَبِاَیِّ

نیچی نگاہوں والی (حوریں) ہوں گی جن کو نہ کسی انسان نے چھوا ہوگا ان سے پہلے اور نہ کسی جن نے ۴۰ پس تم

اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۷﴾ كَاَنَّهُنَّ الْیَاقُوْتُ وَ الْمَرْجَانُ ﴿۵۸﴾ فَبِاَیِّ

اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ یہ تو گویا یاقوت اور مرجان ہیں ۴۱ پس تم

۳۸؎ وہ لوگ جنہوں نے ڈرتے ڈرتے اپنی ساری عمریں گزار دی تھیں، یہاں بڑے مطمئن اور پرسکون ہوں گے۔ بستر لگے ہوں گے جن کا استر قناویز کا ہوگا۔ ان میں بے مثل چمک اور گداز ہوگا۔ یہ لوگ ان پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ ہر فکر سے دور، ہر اندیشہ سے بے نیاز۔ بطائن: بطانة کی جمع ہے۔ اس کپڑے کو کہتے ہیں جو اندر کی طرف لگا ہو۔ استبرق: ریشم کا بنا ہوا گاڑھا کپڑا، دیباج، قناویز۔

۳۹؎ جنا اسم ہے بمعنی وہ پھل جو چنا جاتا ہے۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ وہاں پھلدار درختوں کے خوشے یوں جھکے ہوں گے کہ ان کو توڑنا بالکل آسان ہوگا۔ کھڑے، بیٹھے، لیٹے جس حالت میں بھی آپ ان سے محظوظ ہونا چاہیں گے وہ بالکل آپ کے منہ کے قریب جھک آئیں گے۔

۴۰؎ ان باغات میں جو محلات اور مکانات ان جنتیوں کے لیے بنائے گئے ان میں ایسی عورتیں ہوں گی جو شرم و حیا کا پیکر ہوں گی۔ ان کی نگاہیں جھکی ہوں گی۔ وہ اپنے شوہروں کے بغیر کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی پسند نہیں کریں گی۔ باشرم و باحیا ہونے کے ساتھ ساتھ وہ اتنی پاکدامن اور عفت مآب ہوں گی کہ آج تک انہیں کسی جن و انس نے چھوا تک نہ ہوگا۔

۴۱؎ ان کے چہرے یاقوت کی طرح سرخ ہوں گے اور ان کے بدن مرجان کی طرح سفید اور شفاف ہوں گے۔

آپ ذرا غور فرمائیں ان کے ظاہری حسن و جمال کے ذکر سے پہلے قرآن کریم نے ان کی شانِ عفت و حیا کا ذکر فرمایا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عورت کا حقیقی جمال اور اس کی یہی دلربائی، اس کی پاک دامنی اور اس کی آنکھوں کا شرمیلا پن ہے۔

ع گھر میں آب گہر کے سوا کچھ اور نہیں

یہ نہ ہو تو وہ خضرة الدمن ہے، یعنی کوڑے کے ڈھیر پر اگا ہوا سبزہ۔ اس کی طرف گدھے تو لپک کر جا سکتے ہیں اور اس کو اپنا

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۶۵﴾ هَلۡ جَزَآءُ الۡاِحۡسَانِ اِلَّا الۡاِحۡسَانُ ﴿۶۰﴾

پس (اے جن و انس!) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ کیا احسان کا بدلہ بجز احسان کے کچھ اور بھی ہوتا ہے ۴۳ پس

تو ڈالر بنا کر زور سے پھینک سکتے ہیں، لیکن ایک شریف النفس اور باذوق آدمی کو تو اس سے بدبو آئے گی۔ اس کی سڑاند سے اس کا دماغ پھٹنے لگے گا۔

دنیا میں بھی امتِ مصطفویہ کی بہو بیٹیوں کو عفت و حیا کے زیور سے آراستہ ہونا چاہیے۔

یہ قٰصرات الطرف کون ہوں گی؟ وہ نیک بیبیاں جو دنیا میں اللہ کے نیک بندوں کے نکاح میں تھیں وہی جنت میں ان کے محلات کی زینت بنیں گی۔ ان کے علاوہ انہیں حوریں بھی دی جائیں گی۔ نیز وہ مسلمان عورتیں جو کسی کے نکاح میں نہ تھیں یا جن کے خاوند جہنم رسید کیے گئے ان کو بھی جنتی مردوں کے ساتھ بیاہ دیا جائے گا۔ یہی حال مومن جنوں اور باایمان جنیوں کے ساتھ بھی ہوگا۔

علامہ قرطبی مختلف اقوال لکھنے کے بعد فرماتے ہیں۔ والذی یغلب علی الظن ان الانسی یعطی من الانسیات والحور والجنی یعطی من الجنیات والحور (روح المعانی)

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ! دنیا کی بیبیاں افضل ہوں گی یا جنت کی حوریں۔ حضورؐ نے فرمایا نساء دنیا افضل من الحور العین کفضل الظهارة علی البطانة۔ یعنی دنیا کی عورتیں جنتی حوروں سے افضل ہوں گی جس طرح ابری استر سے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ کیسے؟ حضورؐ نے فرمایا بصلواتهن وصیامهن وعبادتهن۔ اپنی نمازوں، اپنے روزوں اور اپنی عبادات کے باعث وہ افضل ہوں گی۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ ان کے چہروں کو نورانی بنائے گا۔ ان کے جسم ریشم سے نرم، ان کے چہرے سفید، ان کے لباس سبز اور ان کے زیورات سونے کی طرح زرد۔ ان کی انگوٹھیاں موتیوں کی اور ان کی کنگھیاں سونے کی۔ وہ اللہ تعالیٰ کی ظاہری اور باطنی نعمتوں سے نہال ہو کر کہیں گی۔ الا نحن الخالدات فلا نموت ابدا۔ الا ونحن الناعمات فلا نبأس ابدا طوبی لمن کنا له وکان لنا۔ کان کھول کر سنو! ہم ہمیشہ رہنے والیاں ہیں۔ ہمیں موت نہیں آئے گی۔ سن لو! ہم نازک اندام ہیں اور خوبصورت ہیں۔ خوش قسمت ہے وہ جس کے حصہ میں ہم آئیں گی اور وہ ہمارے حصہ میں آئے گا۔

۴۳ یعنی جس نے بندہ ہوتے ہوئے اپنے بندگی کے حقوق کو حسن و خوبی سے انجام دیا، کیا خداوندِ عالم اپنی شانِ بندہ نوازی میں کوئی کمی باقی رہنے دے گا۔ اللہ تعالیٰ کسی کی نیکی کو ضائع نہ کرے گا اور اس کا اجر دینے میں بخل سے کام نہ لے گا۔

ایک دفعہ رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور پوچھا هل تدرون ما قال ربکم، تم جانتے ہو تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے؟ قالوا اللہ ورسوله اعلم تو صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا یقول هل جزاء من انعمت علیه بالتوحید الا الجنة۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس کو میں نے نعمتِ توحید

اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۱﴾ وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿۶۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

وانس) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ اور ان دو کے علاوہ دو اور باغ بھی ہیں ۴۳ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو

تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۳﴾ مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿۶۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۵﴾ فِيْهِمَا

جھٹلاؤ گے۔ دونوں نہایت سرسبز و شاداب ۴۴ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ان میں

عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿۶۶﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۷﴾ فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ

دو چشمے جوش سے ابل رہے ہوں گے۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ان میں میوے ہوں گے

وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ﴿۶۸﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۹﴾ فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ

اور کھجوریں اور انار ہوں گے۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ان میں اچھی سیرت والیاں اچھی صورت

حِسَانٌ ﴿۷۰﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۱﴾ حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ ﴿۷۲﴾

والیاں ہوں گی ۴۵ پس (اے جن وانس) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ یہ حوریں پردہ دار خیموں میں ۴۶

سرفراز فرمایا، کیا جنت کے بغیر بھی اس کی کوئی جزا ہو سکتی ہے۔

۴۳۔ جن دو باغوں کا ذکر پہلے ہوا ان سے کم درجے کے دو باغ اور ہیں۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ انہیں خوش نصیبوں کو یہ دو باغ بھی مرحمت فرمائے جائیں گے اور بعض کا یہ خیال ہے کہ پہلے جن پُر بہار باغوں کا ذکر گزرا وہ سابقین و مقربین کے لیے ہیں اور یہ دو باغ جو اُن سے کم درجہ کے ہیں اہل الیمین کو دیئے جائیں گے۔ واللہ تعالیٰ و رسولہ اعلم۔

۴۴۔ یعنی یہ دو باغ بھی بڑے سرسبز و شاداب ہوں گے۔ مُدھآمّ اس سبزہ کو کہتے ہیں جو سیاہی مائل ہو۔ ان باغوں میں چشمے ہوں گے جن سے پانی پھوٹ کر بہہ رہا ہوگا۔ النضخ : فوران الماء۔ پانی کا زور سے اُبلنا۔

۴۵۔ ان میں بھی عورتیں ہوں گی۔ اخلاق کے اعتبار سے بھی بے مثال اور حُسن و جمال میں بھی بے نظیر۔ خیرات : خیرات الاخلاق حسان الوجوہ۔ یعنی جن کے اخلاق بہترین اور چہرے خوبصورت ہوں گے۔

۴۶۔ حُورٌ جمع ہے۔ اس کا واحد حوراء ہے۔ ھی الشدیدۃ بیاض العین والشدیدۃ سواد ھا یعنی جس کی آنکھ کا سیاہ حصہ بہت زیادہ سیاہ ہو اور سفید حصہ بہت ہی زیادہ سفید ہو۔ مقصورات فی الخیام فرما کر ان کے باحیا اور باشرم ہونے کا ذکر فرما دیا کہ وہ آوارہ پھرنے والیاں نہیں ہیں بلکہ اپنے اپنے خیموں میں جلوہ افروز رہتی ہیں۔ ان کے ظاہری اور باطنی

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۳﴾ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَ

پس (اے) جن وانس! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ان کو بھی اب تک نہ کسی انسان نے چھوا ہوگا اور

لَا جَآنٌّ ﴿۷۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۵﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ

نہ کسی جن نے۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ وہ تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے سبز مسند پر

خُضْرٍ وَّ عَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ﴿۷۶﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۷﴾

جو از حد نفیس، بہت خوبصورت ہوگی ۸۲؎ پس (اے) انسانو اور جنو! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

حسن وجمال سے ان کے خیموں کا گوشہ گوشہ معطر اور منور ہے۔ ان کے گھر کی فضا خوشی اور مسرت سے معمور رہتی ہے۔

۸۲؎ رفرف کے کئی معنے بیان کیے گئے ہیں۔ سبز رنگ کی ریشمی چادر جو بستر پر بچھائی جاتی ہے اور تکیہ جس پر ٹیک لگائی جاتی ہے۔ الرفرف ضرب من بسط وقیل الوسائد۔ (کشاف) اور علامہ قرطبی نے رفرف کے بہت سے معانی بیان کیے ہیں۔ ایک معنی یہ بھی لکھا ہے وقد قیل ان الرفرف شیٔ اذا استوی علیه صاحبه رفرف به واھوی به کالمرجاح یمینا و شمالا و رفعا وخفضا یتلذذ مع انیسه۔ رفرف ایک ایسی چیز کو کہتے ہیں جس پر جب انسان بیٹھتا ہے تو کبھی وہ اوپر جاتی ہے کبھی نیچے، کبھی دائیں کبھی بائیں۔ وہ جنتی اپنی مونس وہمدم کے ساتھ بیٹھا لطف اندوز ہو رہا ہوگا۔ لطف ومسرت کے لحاظ سے یہ معنی زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

عبقری: ثیاب منقوشة تبسط۔ پھولدار نقش ونگار والا قالین۔ ایسا قالین خود ہی بڑا خوبصورت ہوتا ہے لیکن اس کی خوبصورتی اور نفاست کا اندازہ اس سے لگائیے کہ اللہ تعالیٰ بھی اسے حسان، بہت خوبصورت فرما رہا ہے۔

علامہ جوہری اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں العبقر موضع تزعم العرب انه من ارض الجن ثم نسبوا الیه کل شیٔ تعجبوا من حذقه او جودة صنعته وقوته (صحاح) یعنی عبقر ایک موضع کا نام ہے جس کے بارے میں عرب کا گمان ہے کہ وہ جنات کی سرزمین ہے۔ پھر ہر چیز جس کی ذہانت ومہارت یا اس کی بناوٹ کی عمدگی اور نفاست یا اس کی قوت وزور سے متعجب ہوتے ہیں تو اس کو عبقر کی طرف منسوب کر کے عبقری کہہ دیتے ہیں۔

سوچیے اگر یہ چند روزہ زندگی اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب رسول محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی فرمانبرداری میں انسان گزار دے اور اس کے بدلے میں ان عدیم النظیر اور لازوال روحانی اور جسمانی لذتوں اور مسرتوں سے اسے نوازا جائے تو یہ بڑا نفع والا سودا ہے کتنا خوش بخت ہے وہ جس نے زندگی کو اس کاروبار میں صرف کیا۔ اس سورۂ پاک میں الرحمٰن کی شانِ رحمانیت کے آپ نے کتنے دل موہ لینے والے مظاہر دیکھے۔ اللہ تعالیٰ محض اپنی رحمت سے اپنے محبوب رحمة للعالمین کے طفیل اس روسیاہ کو اس کے ماں باپ

تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِی الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿۷۸﴾

(اے حبیب!) بڑا بابرکت ہے آپ کے رب کا نام، بڑی عظمت والا، احسان فرمانے والا ۴۸

کہ اس کی رفیقہ حیات کو اور اہل و عیال اور دوست احباب کو اپنی ان حقیقی اور سرمدی نعمتوں سے مالامال فرمائے۔ آمین ثم آمین!
صلی اللہ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وسلم۔

۴۸ اس سورت کا آغاز کتنا دل آویز تھا اور اس کا اختتام کتنا روح پرور اور نشاط انگیز ہے۔ فرمایا جا رہا ہے اے محبوب! تیرے رب کا نام پاک کتنا برکت والا ہے۔ تیرے اس پروردگار کا نام جو بڑی عظمت والا اور بڑے احسان فرمانے والا ہے۔

اللھم تبارك اسمك وتعالىٰ جدك وجل ثناءك ولا اله غيرك۔

رب اوزعنی ان اشکر نعمتك التی انعمت علیّ وعلیٰ والدیّ وان اعمل صالحا ترضاه واصلح لی فی ذریتی انی تبت الیك وانی من المسلمین۔

اللھم صل وسلم وبارك علیٰ حبیبك ومحبوبك وصفیك ونبیك قائد الانبیاء وسید الوریٰ وعلیٰ آله المجتبیٰ واصحابه الکرماء وعلینا وعلیٰ سائر امته معه یارب العٰلمین یاذا الجلال والاکرام آمین۔

تعارف

سُورۃ الواقعہ

نام : اس کی پہلی آیت میں "الواقعہ" کا کلمہ ہے یہی اس کا نام ہے۔اس سورۃ میں تین رکوع۔ چھیانوے آیتیں، تین سو اٹھتر کلمے اور ایک ہزار سات سو تین حروف ہیں۔

نزول : حضرت حسن بصری، عکرمہ، جابر اور عطاء کے نزدیک یہ تمام کی تمام مکہ میں نازل ہوئی۔ البتہ حضرت ابن عباس کا ایک قول یہ ہے کہ اس کی چند آیات مدنی ہیں۔ صحیح یہی ہے کہ یہ تمام کا تمام مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔

علامہ سیوطی نے "الاتقان" میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ترتیبِ نزول یہ لکھی ہے۔ پہلے سورۃ "طٰہٰ" پھر "الواقعہ" اور اس کے بعد "الشعراء"

حضرت فاروق اعظم ۵ نبوی میں ایمان لائے۔ یہ سورۃ اس سے پہلے نازل ہو چکی تھی کیونکہ جب آپ نے اپنے بہنوئی اور بہن کو زدوکوب کیا تو آپ کی بہن کا سر پھٹ گیا اور اس کا خون بہنے لگا۔ اس سے آپ کا دل بہت متاثر ہوا۔ آپ نے کہا مجھے وہ کتاب دکھاؤ جو تم پڑھ رہے تھے۔ آپ کی ہمشیرہ فرمانے لگیں "اے عمر! تم مشرک ہو اور مشرک ناپاک ہوتا ہے۔" وَاِنَّهٗ لَا يَمَسُّهَا اِلَّا الطَّاهِر۔ اور اس صحیفہ کو صرف پاک ہی ہاتھ لگا سکتا ہے۔ یہ مسئلہ اسی سورت کی ایک آیت لَا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ : ۷۹۔ میں مذکور ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سورت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے سے پہلے نازل ہو چکی تھی۔

مضامین : جس زمانہ کے ساتھ اس سورت کے نزول کا تعلق ہے اُس وقت صرف تین باتیں زیرِ بحث تھیں توحید، قرآن اور قیامت۔

وقوعِ قیامت کے بارے میں اُن کا انکار از بس شدید تھا۔ وہ اسے محال اور خلافِ عقل یقین کرتے تھے، اس لیے وہ سورتیں جو اس زمانہ میں نازل ہوئیں اُن میں قیامت کے بارے میں اُن کی غلط فہمیوں کو دُور کرنے کی طرف خصوصی توجہ مبذول فرمائی گئی ہے۔

اس سُورۃ کا آغاز وقوعِ قیامت کے ذکر سے ہو رہا ہے نیز بتایا کہ اس روز نوعِ انسانی تین گروہوں میں بانٹ دی جائے گی۔ داہنی طرف والے، بائیں طرف والے اور سبقت لے جانے والے۔

پہلے رکوع میں بڑی تفصیل سے السابقون اور اصحاب الیمین کے حالات ذکر کیے گئے ہیں۔ دُوسرے رکوع میں

(اصحاب الشمال (بائیں طرف والے) کی خستہ حالی کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ جسے پڑھ کر دل پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔

آیت نمبر ۵۷ سے دوسرے رکوع کے اختتام تک اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت کے دلائل ایسے رنگ میں پیش کیے گئے ہیں جن کو تسلیم کرنے سے وہ بھی گریز نہیں کر سکتے۔

آخری رکوع میں قرآن کریم کی حقانیت اور کلام الٰہی ہونے پر دلائل پیش کیے گئے ہیں۔ "مواقع النجوم" کی قسم اٹھا کر سامعین کو متوجہ کیا جا رہا ہے کہ جس بے نظیر نظام، بے مثال باقاعدگی اور ہم رنگی کا مشاہدہ تم کواکب کی دنیا میں کر رہے ہو اسی طرح کا بے عدیل نظم و نسق اور ہر آیت کی دوسری آیت سے وابستگی تمہیں قرآن حکیم میں بھی نظر آئے گی، لیکن اس کے معانی اور معارف تک رسائی ہر شخص کا نصیب نہیں۔ وہ لوگ جن کا دل پاک، نگاہ پاک اور نیت پاک ہوتی ہے عروس معنی فقط ان کے لیے اپنے رخ زیبا سے نقاب سرکاتی ہے۔ بجائے اس کے کہ تم اس چشمۂ شیریں سے سیراب ہوتے اپنی پیاس بجھاتے، اپنے گلستانِ حیات کی آبیاری کرتے تم نے اسے جھٹلانا شروع کر دیا ہے اور روز و شب جھٹلاتے ہی رہتے ہو۔ کیا تمہارے مقدر میں صرف انکار اور تکذیب ہی ہے۔ صد حیف! تمہاری اس نادانی پر۔

آیات: ۸۳ تا ۸۶ میں انہیں موت کی یاد دلا کر جھنجھوڑ دیا کہ کب تک بدمست و مخمور رہو گے؟ کیا اس وقت تک بے سدھ پڑے رہو گے جب فرشتۂ اجل آ کر تمہاری شہ رگ پر اپنا آہنی ہاتھ رکھ دے؟

سورت کے اختتام سے پہلے پھر گزشتہ تین طبقوں کے حالات کو بالاختصار دہرا دیا۔

خصوصیت: اس سورۃ کی ایک خصوصیت کے بیان میں چند احادیث مذکور ہیں۔ قارئین کے لیے ان کا مطالعہ خیر و برکت کا باعث ہو سکتا ہے۔ اس لیے انہیں یہاں درج کر رہا ہوں۔

۱۔ عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من قرأ سورۃ الواقعۃ کل لیلۃ لم تصبہ فاقۃ ابداً (البیہقی وغیرہ)

ترجمہ: حضرت ابن مسعود کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ جو شخص ہر رات کو سورۂ واقعہ پڑھتا ہے، اسے فاقہ ہرگز نہیں آئے گا۔

۲۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قرأ سورۃ الواقعۃ کل لیلۃ لم تصبہ فاقۃ ابداً (ابن عساکر)

ترجمہ: حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہر رات کو سورہ واقعہ پڑھتا ہے، اسے کبھی فاقہ نہ ہو گا۔

۳۔ عن انس رضی اللہ عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال سورۃ الواقعۃ سورۃ الغنی فاقرؤھا وعلموھا اولادکم (ابن مردویہ)

ترجمہ: حضرت انسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ سورۃ الواقعہ دولت و ثروت کی

سورۃ ہے۔ اسے خود بھی پڑھا کرو اور اسے اپنی اولاد کو بھی تعلیم دو۔

عن انس عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علموا نساءکم سورۃ الواقعۃ فانہا سورۃ الغنی (الدیلمی۔ کذا من الدر المنثور)

ترجمہ: حضرت انسؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نقل کیا ہے کہ حضور نے فرمایا اپنے گھر کی مستورات کو یہ سکھاؤ (یعنی یاد کرادو) کیونکہ یہ دولت و ثروت کی سورۃ ہے۔

علامہ قرطبی نے یہاں ایک بڑا دلچسپ مکالمہ نقل کیا ہے جو حضرت عثمان اور عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان ہوا۔ حضرت ابن مسعود جب آخری مرتبہ بیمار ہوئے تو حضرت عثمان اُن کی بیمار پرسی کے لیے ان کے ہاں تشریف لے آئے اور پوچھا:

"ما تشتکی؟" آپ کو کیا بیماری ہے؟

آپ نے کہا: "ذنوبی" مجھے اپنے گناہوں کی بیماری ہے۔

پھر حضرت عثمان نے پوچھا: "فما تشتھی؟" آپ کیا چاہتے ہیں؟

اُنھوں نے جواب دیا: "رحمۃ ربی" میں اپنے رب کی رحمت چاہتا ہوں۔

پھر آپ نے کہا: "افلا ندعولک طبیبا"؟ کیا ہم آپ کے لیے کوئی حکیم نہ بلائیں؟

اُنھوں نے کہا: الطبیب امرضنی حکیم نے ہی مجھے بیمار کیا ہے۔

پھر حضرت عثمان نے پوچھا: "افلا نامرلک بعطائک؟" کیا ہم آپ کو آپ کا ماہانہ عطیہ ادا کرنے کا حکم نہ دیں؟

آپ نے کہا: "مجھے اس کی ضرورت نہیں۔"

آپ نے انہیں نصیحت کرتے ہوئے کہا: "آپ کی وفات کے بعد آپ کی بچیوں کے کام آئے گا۔"

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے جواب میں کہا: "کیا آپ کو یہ فکر ہے کہ میری وفات کے بعد میری بچیاں بھوک اور افلاس کا شکار ہوں گی۔ ایسا نہیں ہوگا۔ میں نے انہیں حکم دیا ہے کہ وہ ہر رات کو سورۃ واقعہ پڑھا کریں اور میں نے اللہ کے رسول صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص ہر رات کو سورۃ واقعہ کی تلاوت کرتا ہے اُسے کبھی بھی بھوک اور افلاس سے واسطہ نہیں پڑے گا۔

نیو ڈسٹرکٹ جیل۔ سرگودھا۔

سُوْرَۃُ الْوَاقِعَۃِ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ سِتٌّ وَّتِسْعُوْنَ اٰیَۃً وَّثَلٰثُ رُکُوْعَاتٍ

سورۃ الواقعہ مکی ہے اور اس میں ۹۶ آیتیں اور ۳ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَۃُ ۝۱ لَیْسَ لِوَقْعَتِہَا کَاذِبَۃٌ ۝۲ خَافِضَۃٌ رَّافِعَۃٌ ۝۳

جب قیامت برپا ہو جائے گی [1] نہیں ہو گا جب یہ برپا ہوگی (اسے) کوئی جھٹلانے والا [2] کسی کو پست کرنے والی کسی کو بلند کرنے والی [3]

اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ۝۴ وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۝۵ فَکَانَتْ ھَبَآءً

جب زمین تھر تھر کانپے گی [4] اور ٹوٹ پھوٹ کر پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ پھر غبار بن کر بکھر

[1] قرآن کریم میں قیامت کو مختلف ناموں سے یاد کیا گیا ہے۔ الصاخۃ، الطامۃ، الآزفۃ۔ اسی طرح اس کا ایک نام الواقعۃ بھی ہے کیونکہ یہ ضرور وقوع پذیر ہوگی کوئی ایسی طاقت نہیں جو اسے روک سکے اس لیے اسے الواقعۃ کہا گیا ہے۔

[2] زجاج نے کاذبۃ کا یہ معنی بتایا ہے ای لا یرد ھا شیئ۔ یعنی کوئی چیز اس کو رد نہیں کر سکتی۔ کسی میں ایسی طاقت نہیں ہے جو اسے وقوع پذیر ہونے سے روک سکے۔

ثوری نے اس کا یہ مفہوم ذکر کیا ہے۔ لیس لوقعتہا احد یکذب بھا۔ یعنی جب یہ وقوع پذیر ہو جائے گی تو کوئی شخص انکار نہیں کر سکے گا۔ کسی میں یہ جرأت نہ ہو گی کہ اس کے واقع ہونے کو جھٹلا سکے۔ اس کا ایک اور معنی بھی بتایا گیا ہے۔ ان قیامہا جدٌ لا ھزل لہ۔ یعنی قیامت کا رونما ہونا کوئی مذاق نہیں بلکہ یہ سچی بات ہے۔

کفار قیامت کا انکار کیا کرتے تھے اور یہ سمجھتے کہ مرنے کے بعد جی اٹھنا ناممکن ہے۔ وہ ہرگز اس بات کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھے کہ یہ زمین، یہ فلک، یہ چاند، یہ تارے سب کچھ درہم برہم ہو جائے گا۔ اس لیے قرآن کریم نے حتمی انداز میں یہ بتا دیا کہ تم لاکھ انکار کرو قیامت ضرور برپا ہو گی۔ تم سب مل کر بھی اسے روکنا چاہو تو اسے روک نہیں سکو گے۔ تم آج انکار کر رہے ہو، کل جب اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لو گے تو تم اس کو جھٹلا نہیں سکو گے۔

[3] حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں خفضت اعداء اللہ فی النار ورفعت اولیاء اللہ فی الجنۃ یعنی قیامت اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو آتش جہنم میں نگونسار کرے گی اور اولیاء اللہ کو جنت میں سربلند و سرفراز کرے گی۔

[4] حضرت ابن عباس فرماتے ہیں الرجۃ، الحرکۃ الشدیدۃ۔ شدید حرکت۔ مفسرین لکھتے ہیں۔ ترتج کما یرتج

مُّنۢبَثًّا ۙ﴿٦﴾ وَّ كُنۡتُمۡ اَزۡوَاجًا ثَلٰثَةً ؕ﴿٧﴾ فَاَصۡحٰبُ الۡمَيۡمَنَةِ ۙ۬ مَاۤ اَصۡحٰبُ

جائیں گے ؁ اور تم لوگ تین گروہوں میں بانٹ دیے جاؤ گے ؁ پس (ایک گروہ) دائیں ہاتھ والوں کا ہوگا، کیا شان ہوگی دائیں ہاتھ

الۡمَيۡمَنَةِ ؕ﴿٨﴾ وَ اَصۡحٰبُ الۡمَشۡـَٔمَةِ ۙ۬ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡمَشۡـَٔمَةِ ؕ﴿٩﴾ وَ السّٰبِقُوۡنَ

والوں کی۔ اور (دوسرا گروہ) بائیں ہاتھ والوں کا ہوگا، کیا (خستہ) حال ہوگا بائیں ہاتھ والوں کا۔ اور (تیسرا گروہ ہر کارِ خیر میں) آگے رہنے

السّٰبِقُوۡنَ ۚۙ﴿١٠﴾ اُولٰٓئِكَ الۡمُقَرَّبُوۡنَ ۚ﴿١١﴾ فِىۡ جَنّٰتِ النَّعِيۡمِ ﴿١٢﴾ ثُلَّةٌ مِّنَ

والوں کا وہ (اس روز بھی) آگے آگے ہوں گے۔ وہی مقرب بارگاہ ہیں۔ عیش و سرور کے باغوں میں۔ ایک بڑی جماعت

الصبی فی المهد حتی یتهدم کل ما علیها۔ یعنی بچہ جس طرح جھولے میں جھلایا جاتا ہے، کبھی اوپر اٹھتا ہے کبھی نیچے جھکتا ہے۔ اسی طرح زمین بھی اضطراراً جھولے کی طرح جھولے گی۔ یہاں تک کہ اس کے اوپر جو کچھ ہے مکانات، درخت، پہاڑ سب گر پڑیں گے اور جڑ سے اکھڑ جائیں گے۔

؁ کسی چیز کا ٹوٹ پھوٹ جانا، ریزہ ریزہ ہو جانا۔ بس الشیئ اذا فتته قال الفراء صارت دقیقا۔ فراء کہتے ہیں کسی چیز کا پس پس کر آٹے کی طرح باریک ہو جانا۔

روشن دان سے جب دھوپ اندر داخل ہوتی ہے تو اس میں غبار کے جو ذرے اڑتے ہوئے نظر آتے ہیں ان کو ھباء کہتے ہیں۔ منبث، منتشر، پراگندہ۔

؁ ازواج کا معنی یہاں اصناف ہے۔ جب کسی چیز کے مقابلے میں دوسری چیز ذکر کی جائے تو اسے زوج کہتے ہیں۔ ای اصنافا کل صنف یکون او یذکر معه صنف آخر زوج (مظہری)

اس روز لوگوں کو تین گروہوں میں بانٹ دیا جائے گا پہلا گروہ اصحب المیمنة، دوسرا اصحاب المشئمة اور تیسرا السابقون۔

میمنة، یا تو یمین سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے دایاں ہاتھ کیونکہ ان نیک بختوں کو دائیں ہاتھ سے پکڑ کر جنت میں لے جائیں گے یا ان کا نامۂ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں پکڑایا جائے گا یا اس لیے کہ ان کی روحیں حضرت آدم علیہ السلام کے دائیں جانب تھیں اس لیے انہیں اصحاب المیمنة کہا گیا ہے۔ یا یہ یُمن سے ماخوذ ہے جس کا معنی یُمن و برکت والا۔ کیونکہ ان کی ساری زندگی اپنے رب کریم کی بندگی میں بسر ہوئی، اس کی یاد میں ان کے رات دن کٹتے تھے، اس کو راضی کرنے کے لیے وہ جد و جہد کرتے رہے۔ ایسے لوگوں سے بڑھ کر یُمن و برکت والا کون ہو سکتا ہے۔ اس لیے اصحاب المیمنة کہا گیا۔

اصحاب المشئمة: اس کی وجہ تسمیہ میں بھی مختلف اقوال ہیں۔ یا تو یہ شُوْمٰی سے مشتق ہے جس کا معنی ہے بایاں ہاتھ کیونکہ

الْاَوَّلِيْنَۙ ﴿۱۳﴾ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَؕ ﴿۱۴﴾ عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍۙ ﴿۱۵﴾ مُّتَّكِـِٕيْنَ

پہلوں سے ؎ اور قلیل تعداد پچھلوں سے ؎ ان پلنگوں پر جو سونے کی تاروں سے بنے ہوں گے ؎ تکیہ لگائے بیٹھے

عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ﴿۱۶﴾ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَۙ ﴿۱۷﴾ بِاَكْوَابٍ

ہوں گے ان پر آمنے سامنے۔ گردش کرتے ہوں گے ان کے ارد گرد نوخیز لڑکے جو ہمیشہ ایک جیسے رہیں گے۔ (ہاتھوں میں) پیالے

ان بدبختوں کو بائیں ہاتھ سے پکڑ کر جہنم رسید کیا جائے گا یا ان کے عمر بھر کے گناہوں کا پلندہ ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا یا اس لیے کہ ان کی روحیں آدم علیہ السلام کے بائیں ہاتھ تھیں، اس لیے اصحاب المشئمۃ کہا گیا یا یہ شئوم سے ماخوذ ہے جس کا معنی نحوست اور بدبختی ہے۔ بے شک جن لوگوں نے اپنی ساری عمر نافرمانی اور غفلت میں بسر کی، ان سے بڑا منحوس اور بدبخت کون ہو سکتا ہے۔

اب ذرا ما اصحاب المیمنۃ کی ترکیب پر غور فرمائیے۔ اصحاب المیمنۃ مبتدا ہے۔ ما مبتدائے ثانی اصحاب المیمنۃ خبر۔ مبتدا اپنی خبر سے مل کر خبر ہوا مبتدائے اول کی۔ ما استفہامیہ برائے تعجب ہے۔ یعنی دائیں ہاتھ والوں کی عظمت شان کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ یہی کیفیت اصحاب المشئمۃ کی بھی ہے۔

السابقون: آخر میں تیسری قسم کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ ساتھ ہی ان کے مدارج عالیہ اور ان پر جو فضل و کرم کیا جانے والا ہے اس کو بھی بیان کر دیا۔ السابقون کا معنی ہے سبقت لے جانے والے۔ اس سے مراد وہ ازلی سعادت مند ہیں جنہیں جب دعوت حق دی گئی تو انہوں نے اسے فوراً قبول کر لیا۔ جب بھی انہیں کسی کار خیر کی طرف بلایا گیا یہ اپنے ساتھیوں سے چار قدم آگے ہی دکھائی دیئے۔ دین کی سربلندی کے لیے اگر ان کے مال کی ضرورت پڑی تو سب کچھ لا کر قدموں میں ڈھیر کر دیا۔ اگر جان کی ضرورت ہوئی تو بصد مسرت سر بکف میدان میں حاضر ہو گئے۔ غرضیکہ نیکی اور بھلائی کے ہر کام میں یہ ہمیشہ پیش پیش رہے۔ ان کی تعریف رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ان کلمات سے فرمائی ہے۔

انہ قال السابقون الذین اذا اعطوا الحق قبلوہ واذا سئلوا بذلوہ وحکموا للناس کحکمہم لانفسہم۔

یعنی جب ان کے سامنے حق پیش کیا گیا تو انہوں نے بلا تامل قبول کر لیا۔ جب مال اور جان کی قربانی دینے کو کہا گیا تو انہوں نے ہر چیز پیش کر دی اور جب وہ حکومت کی مسند پر بیٹھے تو لوگوں کے ساتھ انہوں نے وہی معاملہ کیا جو وہ اپنے لیے پسند کرتے تھے۔

السابقون مبتدا ہے اور دوسرا السابقون اس کی تاکید اور اولئک المقربون اس کی خبر ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ پہلا السابقون مبتدا اور الف لام جنسی اور دوسرا خبر ہے اور الف لام عہد ذہنی ہے۔ اولئک المقربون جملہ مستانفہ ہے اور ما شانہم کا جواب ہے۔

؎ یعنی امت کے اولین دور میں ایسے جانبازوں اور سرفروشوں کی تعداد بہت زیادہ ہو گی اور بعد میں آنے والے اوقات میں ان کی تعداد گھٹتی جائے گی۔

وَّ اَبَارِیْقَ ۙ وَ كَاْسٍ مِّنْ مَّعِیْنٍ ۙ﴿۱۸﴾ لَّا یُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَ لَا یُنْزِفُوْنَ ۙ﴿۱۹﴾

آفتابے اور شراب طہور سے چھلکتے جام لیے ہوئے۔ نہ سردرد محسوس کریں گے اس سے اور نہ مدہوش ہوں گے۔

وَ فَاكِهَةٍ مِّمَّا یَتَخَیَّرُوْنَ ۙ﴿۲۰﴾ وَ لَحْمِ طَیْرٍ مِّمَّا یَشْتَهُوْنَ ؕ﴿۲۱﴾ وَ

اور میوے بھی (پیش کریں گے) جو وہ جنتی پسند کریں گے۔ اور پرندوں کا گوشت بھی جس کی وہ رغبت کریں گے۔ اور

حُوْرٌ عِیْنٌ ۙ﴿۲۲﴾ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ۚ﴿۲۳﴾ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا

حوریں خوبصورت آنکھوں والیاں۔ (ایسے) موتیوں کی مانند جو چھپا رکھے ہوں۔ یہ اجر ہوگا ان نیکیوں کا جو وہ

معلوم ہوا کہ عہد نبوت میں جن لوگوں نے اس منبع فیض سے کسب فیض کیا اور اس آفتاب ہدایت سے اپنے دل کی دنیا کو منور کیا، جنہوں نے اس وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست حق پرست پر اسلام کی بیعت کی جبکہ اسلام قبول کرنا مصائب والآم کو دعوت دینے کے مترادف تھا، جنہوں نے اللہ کے رسول کے لیے اپنے گھربار اور وطن اور عیال کو چھوڑ دیا اور جب بھی جہاد کے نقارہ پر چوٹ لگی وہ کفن بردوش حاضر ہو گئے۔ یہ اس طائفہ سعیدہ کے سرخیل ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا بے حجابا نزول ہوتا ہے۔ افسوس ہے ان کم فہم لوگوں پر جو ان نفوس قدسیہ کے بارے میں زبان طعن دراز کرتے ہیں جن کی توصیف اور ثنا سے قرآن کریم بھرا پڑا ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی نقل کرتے ہیں لا تسبوا اصحابی فلو ان احدکم انفق مثل احد ذہبا ما بلغ مد احدہم ولا نصیفہ۔ اے لوگو! میرے صحابہ کو سب و شتم مت کرو۔ اگر تم کوہ احد کے برابر سونا بھی خرچ کرو تو ان کے ایک مد یا نصف مد غلہ کے برابر بھی نہیں ہو سکتا۔

۸ بعد کے زمانہ میں ایسے سعادت مندوں کی تعداد گھٹتی جائے گی۔ انہیں اپنی اخروی زندگی کو بہتر بنانے کے بجائے اپنی دنیوی زندگی کو پرکشش اور آرام دہ بنانے کی فکر زیادہ ہو گی۔

۹ آیات نمبر ۱۵ تا ۲۴ کا مفہوم بالکل واضح ہے۔ صرف مشکل الفاظ کی تشریح پر اکتفا کیا جائے گا۔

موضونۃ: منسوجۃ بالذہب والجواہر۔ یعنی ایسے پلنگ جو سونے کی تاروں سے بنے ہوئے ہوں گے اور جگہ جگہ موتی اور جواہر سے انہیں مرصع کر دیا گیا ہو گا۔ متقٰبلین: ایک دوسرے کی طرف رخ کیے ہوئے ہوں گے۔ ولدان: غلمان مخلدون: ایک ہی کیفیت پر ہمیشہ رہیں گے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان میں کبر سنی اور بڑھاپے کے آثار ظاہر نہیں ہوں گے۔ یہ وہ بچے ہوں گے جن کے ماں باپ مشرف باسلام نہ ہوئے اور بچپن میں ہی فوت ہو گئے۔ ان کو اہل جنت کا خادم بنا دیا جائے گا۔ رہے اہل ایمان کے کم سن بچے تو انہیں ان کے ماں باپ کے ساتھ مقامات رفیعہ میں رکھا جائے گا جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ اکواب: جمع کوب کی معنی ہے گول پیالہ۔ اباریق: جمع ابریق کی۔ آفتابہ۔ کاس: شراب سے بھرا ہوا پیالہ۔ صداع: سردرد۔ نزف: مدہوشی۔

يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٤﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ﴿٢٥﴾ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا

کرتے رہے تھے۔ وہ نہیں سنیں گے وہاں لغو باتیں اور نہ گناہ والی باتیں ؂۱۰ بس ہر طرف سے سلام ہی سلام کی

سَلٰمًا ﴿٢٦﴾ وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ مَاۤ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ﴿٢٧﴾ فِيْ سِدْرٍ

آوازیں آئیں گی ؂۱۱ اور دائیں ہاتھ والے، کیا شان ہوگی دائیں ہاتھ والوں کی ؂۱۲ بے خار

مَّخْضُوْدٍ ﴿٢٨﴾ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ﴿٢٩﴾ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ﴿٣٠﴾ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ﴿٣١﴾

بیریوں میں اور تہ بہ تہ کیلے کے گچھوں میں اور لمبے لمبے سایوں میں اور پانی کے آبشاروں میں

وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ﴿٣٢﴾ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ﴿٣٣﴾ وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ﴿٣٤﴾

اور پھلوں کی بہتات میں نہ وہ ختم ہوں گے اور نہ ان سے روکا جائے گا اور بستر بچھے ہوں گے اونچے اونچے پلنگوں پر۔

؂۱۰ اہل جنت کو یہ شرف بھی بخشا جائے گا کہ وہاں کوئی ایسی گفتگو ان کے لیے بار گوش نہ ہوگی جو لغو اور بیہودہ ہو اور نہ ہی وہاں کذب بیانی، غیبت، گالی، سب و شتم پر مشتمل کوئی گفتگو ہوگی جو سراسر گناہ ہے۔

؂۱۱ ان کی گفتگو خیر ہی خیر ہوگی۔ وہ اس طرح کی بات چیت کریں گے جس سے باہمی محبت و پیار میں اضافہ ہو۔ فضا کیف و سرور سے معمور ہو جائے۔ دلوں کے غنچے کھل اٹھیں۔ بیگانگی اور وحشت کا نام تک نہ رہے۔

قیلا: یسمعون کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور سلٰمًا: یقولون محذوف کا مقولہ ہے۔ سلٰمًا سے مراد خیر ہے۔ یعنی اچھی باتیں۔ قیلا منصوب بیسمعون: وسلٰمًا سلٰمًا منصوبان بالقول ای انهم یقولون الخیر۔

؂۱۲ یہاں سے ان نوازشات و انعامات کا ذکر شروع ہو رہا ہے جن سے اصحاب الیمین کو نوازا جائے گا۔ آیات نمبر ۲۷ تا ۴۰ کا مضمون واضح ہے۔ صرف مشکل الفاظ کی تشریح کی جائے گی۔

سدر: بیری کا درخت۔ مخضود: جس پر کانٹے نہ ہوں۔ بیری کی ایسی قسمیں بھی ہیں، جن کا پھل بڑا شیریں اور خوشبودار ہوتا ہے۔ پھر جو بیری جنت میں ہوگی اس کی نفاست اور عمدگی کا کیا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ طلح: کیلا۔ منضود: گچھے دار یعنی اس پر پھلوں کے گنجان گچھے لٹک رہے ہوں گے۔ ظل ممدود: وہ سایہ جو دور تک پھیلا ہوا ہو۔ جنت میں ایسے درخت بھی ہوں گے کہ اگر ایک درخت کے سایہ میں ایک سوار سو سال تک چلتا رہے تو وہ ختم نہ ہوگا۔

ماء مسکوب: ایسا پانی جو ہمیشہ بہتا رہے۔ مقطوعة: جنت کے پھل موسمی نہیں ہوں گے کہ سال میں ایک مرتبہ وہ درخت پر نظر آئیں اور سال کے باقی مہینے وہ پھلوں سے خالی رہیں، بلکہ وہ درخت ہمیشہ پھلوں سے لدے رہیں گے۔

إِنَّآ أَنشَأْنَٰهُنَّ إِنشَآءً ﴿٣٥﴾ فَجَعَلْنَٰهُنَّ أَبْكَارًا ﴿٣٦﴾ عُرُبًا أَتْرَابًا ﴿٣٧﴾

ہم نے پیدا کیا ان کی بیویوں کو حیرت انگیز طریقہ سے ۱۳؎ پس ہم نے بنادیا انہیں کنواریاں۔ دل وجان سے پیار کرنے والیاں ہم عمر۔

لِّأَصْحَٰبِ ٱلْيَمِينِ ﴿٣٨﴾ ثُلَّةٌ مِّنَ ٱلْأَوَّلِينَ ﴿٣٩﴾ وَثُلَّةٌ مِّنَ ٱلْءَاخِرِينَ ﴿٤٠﴾

(یہ سب نعمتیں) اصحاب یمین کے لیے مخصوص ہوں گی۔ ایک بڑی جماعت اگلوں سے اور ایک بڑی جماعت پچھلوں میں سے ہوگی ۱۴؎

جونہی آپ ایک پھل توڑیں گے اس کی جگہ دوسرا فوراً موجود ہوگا۔

دوسری خوبی ان میں یہ ہوگی کہ ان کو توڑنے میں کوئی دقت یا رکاوٹ نہ ہوگی۔ جب آپ کا جی چاہے گا اونچی ٹہنیوں پر لگے ہوئے خوشے آپ کے ہونٹوں کے قریب ہو جائیں گے۔

۱۳؎ یہاں اہل جنت کی نیک بیویوں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ یعنی جب وہ جنت میں داخل ہوں گی تو ان کی خلقت بالکل بدلی ہوئی ہوگی۔ اگرچہ دنیا میں وہ خوش شکل نہ تھیں، مرتے وقت وہ بالکل بوڑھی ہو گئی تھیں، لیکن جب جنت میں داخل ہوں گی تو بھرپور جوانی ہوگی مجسم حسن و رعنائی ہوں گی اور کنواری بنا کر انہیں جنت میں داخل کیا جائے گا۔ حدیث شریف میں اس آیت کی یہی تفسیر مذکور ہے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے عرض کرنے پر حضورؐ نے فرمایا یا ام سلمہ۔ ھن اللواتی قبضن فی الدنیا عجائز شمطا عمشا رمصا جعلھن اللہ بعد الکبر اترابا علی میلاد واحد فی الاستواء۔ اے ام سلمہ ان سے مراد یہی بیویاں ہیں۔ اگرچہ وفات کے وقت وہ بالکل بوڑھی تھیں۔ ان کے بال سفید تھے، ان کی بینائی کمزور تھی، آنکھیں میلی کچیلی رہتی تھیں لیکن جب وہ جنت میں داخل ہوں گی تو ساری ہم عمر ہوں گی۔

عُرُبًا: ان کی دو صفتیں اور بیان کی ہیں۔

عرب: اس کا واحد عروب ہے۔ علامہ قرطبی کہتے ہیں فالعروب تبین محبتھا لزوجھا بشکل وغنج وحسن کلام۔ یعنی وہ عورت جو ناز وادا اور خوش گفتاری سے اپنی محبت کا اظہار اپنے خاوند سے کرے۔ یہ عورت کی ایسی صفت ہے جس میں اس کی نسوانیت کی ساری خوبیاں سمٹ آتی ہیں۔ حسین وجمیل بھی ہو، ناز وادا والی بھی ہو، خوش گفتار بھی ہو اور ہنس مکھ بھی اور اپنے خاوند کو دل سے چاہنے والی بھی ہو اور اپنی چاہت کو چھپانے والی نہ ہو بلکہ اس کا اظہار کرنے والی ہو۔

صاحب لسان العرب اس لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ المراۃ الضحکۃ وقیل ھی المتحببۃ الی زوجھا والمظھرۃ لہ وقیل ھی العاشقۃ لہ۔ اتراب: ہم عمر۔

۱۴؎ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ھم جمیعا من امتی۔ یعنی اس امت کا اول و آخر مراد ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جنتیوں کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی اور ان میں سے اسی صفیں امت محمدیہ کی ہوں گی۔ علی صاحبھا الف الف صلوۃ وسلام۔

امام بخاری حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک روز نبی کریم علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم باہر تشریف لائے اور

وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ﴿۴۱﴾ فِيْ سَمُوْمٍ وَّحَمِيْمٍ ﴿۴۲﴾

اور بائیں ہاتھ والے، کیسی خستہ حالت ہوگی بائیں ہاتھ والوں کی ۳۵؎ یہ بدنصیب جھلتی لُو اور کھولتے ہوئے پانی میں

وَّظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ ﴿۴۳﴾ لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِيْمٍ ﴿۴۴﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ

اور سیاہ دھوئیں کے سایہ میں ہوں گے، نہ یہ ٹھنڈا ہوگا اور نہ آرام دہ، بے شک یہ لوگ پہلے

ذٰلِكَ مُتْرَفِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَكَانُوْا يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ ﴿۴۶﴾

بڑے خوش حال تھے ۳۶؎ اور وہ اصرار کیا کرتے تھے بڑے بھاری گناہ پر۔

فرمایا آج میرے سامنے ساری امتیں پیش کی گئیں۔ ایسے نبی بھی میرے سامنے سے گزرے جن کے ساتھ صرف ایک امتی تھا کسی کے ساتھ دو اور بعض کے ساتھ ایک گروہ اور بعض ایسے نبی تھے جن کے ساتھ ایک امتی بھی نہ تھا۔ پھر میں نے ایک جم غفیر دیکھا جس نے آسمان کے کنارے کو گھیر لیا تھا۔ کہا گیا یارسول اللہ یہ آپ کی امت ہے۔ مع ھٰؤلاء سبعون الفا یدخلون الجنة بغیر حساب۔ ان میں ستر ہزار آپ کے وہ غلام ہیں جو بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ آپ کے ایک صحابی جن کا نام عکاشہ ابن محصن تھا آگے بڑھے اور عرض کیا۔ امنھم انا یارسول اللہ! اے اللہ کے رسول کیا میں ان میں سے ہوں؟ قال نعم فرمایا ہاں تو ان میں سے ہے۔ وقام آخر وقال امنھم انا؟ فقال سبقک عکاشہ۔ پھر ایک اور اٹھا اور عرض کیا کہ کیا میں ان میں سے ہوں۔ آپ نے فرمایا عکاشہ تم سے سبقت لے گیا۔

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ہمارا حشر بھی اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں کرے اور ہم گناہگاروں کو شفیع المذنبین کی شفاعت نصیب کرے۔ آمین ثم آمین!

۳۵؎ یہاں سے ان بدنصیبوں کا حالِ زار بیان کیا جارہا ہے جنہیں قیامت کے روز ان کے اعمالنامے بائیں ہاتھ میں دیے جائیں گے۔

مشکل الفاظ کی تشریح ملاحظہ ہو: سموم جھلسا دینے والی لُو۔ حمیم: سخت کھولتا ہوا پانی۔ یحموم: ای دخان جھنم اسود شدید السواد۔ جہنم کا سخت سیاہ دھواں۔ لا کریم: ما لا خیر فیہ۔ جس میں ان کے لیے کوئی آرام اور سکون نہ ہوگا۔

قاعدہ ہے کہ جب انسان کو گرم لُو جھلس دیتی ہے تو وہ پیاس محسوس کرتا ہے۔ ٹھنڈے پانی کی خواہش کرتا ہے اور گھنے سائے کی طرف بھاگتا ہے لیکن یہ بدبخت جب آتشِ جہنم میں جھونے جائیں گے اور پیاس کی شدت سے تلملانے لگیں گے تو انہیں ٹھنڈے اور میٹھے پانی کے بجائے گرم اور کھولتا ہوا پانی ملے گا اور جب کسی گھنے سائے میں پناہ لینا چاہیں گے تو بجز جہنم سے اٹھتے ہوئے سیاہ دھوئیں کے سایہ کے اور کوئی سایہ انہیں نصیب نہ ہوگا۔ اب خود ہی ان کی حالتِ زار کا اندازہ لگا لیجیے۔

۳۶؎ وہ اس اندوہناک انجام سے کیوں دوچار ہوئے اس کی وجوہات بیان کی جارہی ہیں۔ ایک وجہ تو یہ تھی کہ وہ مترف

وَكَانُوا يَقُولُونَ ۙ أَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أَإِنَّا

اور کہا کرتے تھے کہ کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں بن جائیں گے تو کیا ہم دوبارہ

لَمَبْعُوثُونَ ﴿٤٧﴾ أَوَآبَاؤُنَا الْأَوَّلُونَ ﴿٤٨﴾ قُلْ إِنَّ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ ﴿٤٩﴾

زندہ کیے جائیں گے۔ اور کیا ہمارے پہلے باپ دادا کو بھی (زندہ ممکن ہے)؟ آپ فرما دیجیے بے شک اگلوں کو بھی اور پچھلوں کو بھی۔

لَمَجْمُوعُونَ ۙ إِلَىٰ مِيقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ﴿٥٠﴾ ثُمَّ إِنَّكُمْ أَيُّهَا

سب کو جمع کیا جائے گا ایک مقررہ وقت پر ایک جانے ہوئے دن میں۔ پھر تمہیں اے گمراہ ہونے

الضَّالُّونَ الْمُكَذِّبُونَ ﴿٥١﴾ لَآكِلُونَ مِن شَجَرٍ مِّن زَقُّومٍ ﴿٥٢﴾ فَمَالِئُونَ

والو! اے جھٹلانے والو! حکماً کھانا پڑے گا زقوم کے درخت سے۔ پس تم بھرو گے

مِنْهَا الْبُطُونَ ﴿٥٣﴾ فَشَارِبُونَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيمِ ﴿٥٤﴾ فَشَارِبُونَ

اس سے اپنے پیٹوں کو۔ پھر پینا پڑے گا اس پر کھولتا پانی۔ اس طرح پیو گے جیسے

تھے۔ المترف: المتنعم المتوسع فی ملاذ الدنیا وشھواتھا (لسان العرب) یعنی ان کے پاس دولت کی فراوانی تھی۔ دنیا کی لذتوں اور نفس کی خواہشوں میں وہ اپنا سارا وقت ضائع کرتے تھے۔ انہیں نہ کبھی خدا یاد آیا اور نہ ان کے دلوں میں کبھی حاجت مند لوگوں کی امداد کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ ساری عمر انہوں نے عیش و عشرت میں برباد کر دی۔ ان کی تباہی کی دوسری وجہ یہ تھی کہ وہ شرک پر مُصر تھے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی توحید کے روشن نشانات دکھائے گئے لیکن وہ اپنے عقیدۂ شرک پر اڑے رہے۔ حنث گناہِ عظیم کو کہتے ہیں اور اس سے مراد شرک ہے۔ تیسری وجہ یہ تھی کہ وہ قیامت کے منکر تھے۔ ان وجوہات کے باعث انہیں یہ دردناک سزا بھگتنی پڑے گی۔

الھیم: اس کا واحد اھیم ہے اور اس کی مونث ھیمیٰ۔ اس اونٹ کو کہتے ہیں جو پیاس کی ایسی بیماری میں مبتلا ہو کہ جتنا پانی پی جائے اس کی پیاس نہ بجھے۔ الابل العطاش التی لا تروی بداء یصیبھا۔ ضحاک اور اخفش نے اس کا ایک اور معنی بتایا ہے۔ ھیم الارض السھلۃ ذات الرمل۔ ریتلی زمین جسے جتنا سیراب کیا جائے وہ خشک ہی رہتی ہے۔ فرمایا جا رہا ہے کہ ان لوگوں کو بھوک اتنا ستائے گی کہ یہ زقوم کا بدبودار اور کڑوا درخت کھانے پر مجبور ہو جائیں گے اور پیاس کی شدت کا یہ حال ہو گا کہ پینے کے لیے انہیں کھولتا ہوا پانی ملے گا جس سے ہونٹ اور منہ جل جائے گا۔ آنتیں ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گی، لیکن وہ اس کھولتے ہوئے پانی کو پیاسے اونٹ کی طرح پیتے چلے جائیں گے۔

شُرْبَ الْهِيْمِ ۝ هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ ۝ نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ

پیاس کا مارا اونٹ پیتا ہے۔ یہ ان کی ضیافت ہوگی قیامت کے دن ۱۶ (آج غور کرو) ہم نے ہی تم کو پیدا کیا ہے پس تم

فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ۝ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ

قیامت کی تصدیق کیوں نہیں کرتے ۱۷ بھلا دیکھو تو جو منی تم ٹپکاتے ہو ۱۹ (اور سچ بتاؤ) کیا تم اس کو (انسان) بنا کر پیدا کرتے

۱۶؎ یہ لوگ آج تو رنگ برنگے لذیذ کھانے کھاتے ہیں۔ ہر روز ان کے دسترخوان پر طرح طرح کے کھانے چنے جاتے ہیں۔ کبھی انہوں نے یہ بھی سوچا ہے کہ قیامت کے دن ان پر کیا بیتے گی۔ انہیں کھانے کے لیے کیا ملے گا اور پینے کے لیے کیا دیا جائے گا۔

۱۷؎ مشرکین اور منکرین قیامت کو طرح طرح کے دلائل پیش کرکے سمجھایا جا رہا ہے کہ وہ شرک سے باز آجائیں۔ توحید باری پر ایمان لے آئیں اور یقین کرلیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کو ضرور بالضرور برپا کرے گا۔

یہاں سے پہلی دلیل شروع ہوتی ہے کہ تم خوب جانتے ہو کہ تم عدم محض تھے۔ ہم نے تم کو نیست سے ہست کیا۔ اگر ہم تم کو عدم سے موجود کرسکتے ہیں تو تمہارے مرنے کے بعد تم کو از سرِ نو پیدا کردینا ہمارے لیے کیا مشکل ہے۔ مشکل ابتدا ہوا کرتی ہے، اعادہ مشکل نہیں ہوا کرتا۔

۱۹؎ بچے کی پیدائش میں انسان کا تو بس اتنا دخل ہے کہ وہ منی کا قطرہ شکمِ مادر میں ٹپکا دے۔ انسان کا مادۂ تولید لیے ان گنت نہایت باریک جرثوموں پر مشتمل ہوتا ہے جن میں مادہ کے بیضہ سے ملنے اور عمل تلقیح سرانجام پانے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ بارہا کروڑوں جرثومے ضائع ہوجاتے ہیں اور عمل تلقیح رونما نہیں ہوتا۔ کس کا دستِ قدرت ان بے شمار جرثوموں میں سے ایک جرثومہ کا انتخاب کرتا ہے اور پھر اس کو عورت کے بیضہ سے جا کر ملا دیتا ہے۔ پھر رحم کے ایک تنگ و تاریک گوشہ میں اس کو قرار بخشتا ہے۔ پھر اس میں آہستہ آہستہ عقل کو دنگ کردینے والے تغیرات کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس میں زندگی کی برقی رو دوڑنے لگ جاتی ہے۔ پھر اس میں مختلف اعضا نمودار ہونے لگتے ہیں۔ اس کے دل و دماغ میں صلاحیتوں اور قابلیتوں کا ایک سمندر سمو دیا جاتا ہے۔ وہی اندھا بہرا، بے جان جرثومہ نو ماہ کے بعد جب باہر قدم رکھتا ہے تو اس کا گول مٹول چاند سا چہرہ اور اس کے خدوخال دل کو موہنے لگتے ہیں۔ اے کفار! سچ سچ بتاؤ، اس قطرۂ آب کو یہ روپ، یہ رنگ کس نے مرحمت فرمایا۔ یہ چمکتی ہوئی آنکھیں، یہ ہونٹ، یہ زبان، یہ ناک، یہ کان اور دیگر معنوی خوبیاں کس کا انعام ہیں۔ کیا اس میں بچے کے باپ کا یا اس کی ماں کا کوئی عمل دخل ہے۔ کیا تمہارے بے بس اور بے خبر خداؤں نے اس میں کوئی کارنامہ انجام دیا ہے۔ کیا اندھی فطرت کے حیطۂ امکان میں یہ بات ہے۔ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر اس سے بڑی حماقت اور کیا ہوسکتی ہے کہ اس خداوند ذوالجلال کا انکار کیا جائے یا اس کے ساتھ کسی دیوی دیوتا کو شریک کیا جائے۔ پھر ذرا اس پر بھی غور کرو کہ جس خدا کی قدرت و حکمت کا یہ عالم ہے، کیا مرنے کے بعد تمہیں دوبارہ زندہ کرنا اس کے لیے مشکل ہے؟

اَمۡ نَحۡنُ الۡخَالِقُوۡنَ ﴿۵۹﴾ نَحۡنُ قَدَّرۡنَا بَيۡنَكُمُ الۡمَوۡتَ وَمَا نَحۡنُ

ہو یا ہم پیدا کرنے والے ہیں۔ ہم ہی نے مقرر کی ہے تمہارے درمیان موت ۶۰؎ اور ہم (اس سے)

بِمَسۡبُوۡقِيۡنَ ﴿۶۰﴾ عَلٰٓى اَنۡ نُّبَدِّلَ اَمۡثَالَكُمۡ وَنُنۡشِئَكُمۡ فِىۡ مَا

عاجز نہیں ہیں ۶۱؎ کہ تمہاری جگہ تم جیسے اور لوگ پیدا کر دیں اور تم کو ایسی صورت میں پیدا کر دیں جس کو

لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۶۱﴾ وَلَقَدۡ عَلِمۡتُمُ النَّشۡاَةَ الۡاُوۡلٰى فَلَوۡلَا تَذَكَّرُوۡنَ ﴿۶۲﴾

تم نہیں جانتے ۶۲؎ اور تمہیں اچھی طرح علم ہے اپنی پہلی پیدائش کا پس تم (اس میں) کیوں غور و خوض نہیں کرتے ۶۳؎

۶۰؎ ہم نے ہی تم کو نیست سے ہست کیا ہے۔ ہم نے ہی تمہارے لیے موت کا وقت مقرر کر دیا ہے۔ تمہاری پیدائش اور موت دونوں ہمارے قبضہ میں ہیں۔ اگر تم میرے احکام کی خلاف ورزی کرو یا میرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤ تو اس سے بڑھ کر اور حماقت کیا ہو سکتی ہے۔

۶۱؎ جب ہم چاہیں گے قیامت کے روز تمہیں پھر زندہ کر دیں گے۔ کوئی ایسی طاقت نہیں جو ہمیں ایسا کرنے سے روک دے۔ مسبوقین : مغلوبین۔ اس کا ایک مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے اگر ہم تم کو فنا کر دیں اور تمہاری جگہ تمہاری مثل اور لوگ لے آئیں تو ہم ایسا کرنے کی پوری قدرت رکھتے ہیں۔

۶۲؎ اور ہم اس بات پر بھی قادر ہیں کہ تمہاری خلقت کو بالکل بدل دیں۔ تمہاری قد و قامت، تمہاری رنگت، تمہارے خد و خال یکسر مختلف ہوں۔ جو صلاحیتیں اب تمہارے اندر موجود ہیں، ان کے برعکس اور صلاحیتیں تمہیں ودیعت کر دیں۔ اب بھی ہم نے اپنی مرضی سے جیسا چاہا پیدا فرما دیا اور اگر ہم تمہاری موجودہ حالت میں رد و بدل کرنا چاہیں تو ہمیں کوئی روک نہیں سکتا۔

نیک لوگ اگر اس دنیوی زندگی میں خوبصورت نہ تھے، لیکن قیامت کے دن ان کے چہرے چاند کی طرح چمک رہے ہوں گے۔ ان کے حسن کا نکھار، دلوں کو لبھا رہا ہوگا اور گناہگاروں کے چہروں پر نحوست برس رہی ہوگی۔ انہیں دیکھ کر طبیعت میں وحشت پیدا ہوگی۔

۶۳؎ تم اپنی پہلی پیدائش کے بارے میں تو جانتے ہو کہ کس طرح ایک جرثومہ سے تمہارا آغاز ہوا اور کس طرح تمہیں مرتبہ کمال تک پہنچایا گیا۔ اگر تم ذرا غور و تدبر کرو گے تو تمہیں یہ باور کرنے میں ذرا تردد نہ ہوگا کہ تمہارا خالق تمہارے مرنے کے بعد تمہیں دوبارہ زندہ کرنے کی پوری قدرت رکھتا ہے۔

أَفَرَءَيْتُم مَّا تَحْرُثُونَ ﴿٦٣﴾ ءَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُۥٓ أَمْ نَحْنُ ٱلزَّٰرِعُونَ ﴿٦٤﴾

کیا تم نے (غور سے) دیکھا ہے جو تم بوتے ہو ۲۴ (ذرا سچ سچ بتاؤ) کیا تم اس کو اگاتے ہو یا ہم ہی اس کو اگانے والے ہیں۔

لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَٰهُ حُطَٰمًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ ﴿٦٥﴾ إِنَّا لَمُغْرَمُونَ ﴿٦٦﴾

اگر ہم چاہیں تو اس کو چورا چورا بنا دیں پھر تم کفِ افسوس ملتے رہ جاؤ ۲۵ (کہو) ہائے! ہم تو قرضوں کے بوجھ تلے دب گئے

بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ﴿٦٧﴾ أَفَرَءَيْتُمُ ٱلْمَآءَ ٱلَّذِى تَشْرَبُونَ ﴿٦٨﴾ ءَأَنتُمْ

بلکہ ہم تو ہیں ہی بڑے بدنصیب۔ کیا تم نے (غور سے) دیکھا ہے پانی جو تم پیتے ہو ۲۶ (ذرا سچ سچ بتاؤ) کیا تم

أَنزَلْتُمُوهُ مِنَ ٱلْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ ٱلْمُنزِلُونَ ﴿٦٩﴾ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنَٰهُ

نے اس کو بادل سے اتارا ہے یا ہم ہی اتارنے والے ہیں۔ اگر ہم چاہتے تو اس کو کھاری

۲۴ توحیدِ باری اور وقوعِ قیامت پر ایک دوسری دلیل پیش کی جارہی ہے۔ کھیتی باڑی کے متعلق تمہیں تفصیلی علم ہے تمہارا کام صرف اتنا ہے کہ زمین میں ہل چلاؤ اور اس میں بیج ڈالو۔ اس کے بعد اس کے پک کر تیار ہونے تک جو حیران کن تغیرات وقوع پذیر ہوتے ہیں، کیا اس میں تمہارا بھی کوئی دخل ہے۔ پھر ان کے لیے جتنی حرارت، ٹھنڈک، روشنی، ہوا، رطوبت وغیرہ عوامل کی ضرورت ہوتی ہے، ان کو مناسب مقدار میں اور بروقت کون مہیا کرتا ہے۔ کیا تمہارے بتوں، دیوی دیوتاؤں میں یہ قدرت ہے۔ اگر نہیں اور یقیناً نہیں، تو پھر تم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا انکار کیوں کرتے ہو۔ نیز جو ذات اس دانے کو جو زمین میں گل جاتا ہے، اس کو پھر ایک تن آور پودا بنا دیتی ہے کیا اس کے لیے مشکل ہے کہ وہ انسان کو خاک میں ملنے کے بعد نئی زندگی عطا فرمائے۔

۲۵ اگر ہم چاہیں تو لہلہاتے کھیتوں کو تہس نہس کر کے رکھ دیں۔ نہ وہ انسانوں کی خوراک بن سکیں اور نہ حیوانات کے لیے چارہ کا کام دے سکیں۔ تم نے زراعت کو نفع بخش بنانے کے لیے کافی روپیہ خرچ کیا تھا۔ اعلیٰ بیج مہنگے داموں خریدا تھا۔ کھاد فراہم کی تھی۔ آب پاشی کے لیے بڑے مصارف برداشت کیے تھے۔ تمہیں یہ توقع تھی کہ بڑی آمدنی ہوگی، لیکن خرچ بھی پلے نہ پڑا۔ اس وقت تم حسرت و یاس سے کفِ افسوس ملنے لگو گے اور کہو گے ہائے افسوس! ہماری لاگت بھی ضائع ہو گئی۔ افسوس! ہم بڑے بدنصیب ثابت ہوئے۔

تَفَكَّهُونَ : تَنَدَّمُونَ (لسان العرب) یعنی نادم ہونا۔

۲۶ انسان صرف بھوک ہی محسوس نہیں کرتا اسے پیاس بھی لگتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جس طرح ہم نے تمہاری خوراک کا انتظام فرمایا ہے اسی طرح تمہاری پیاس بجھانے کے لیے پانی کی فراہمی بھی ہم نے اپنے ذمہ کرم پر لی ہوئی ہے۔ ذرا غور کرو جو پانی تم کنوؤں، چشموں، دریاؤں سے پیتے ہو یہ کہاں سے آتا ہے۔ یہی ناکہ بادل گھر کر آتے ہیں۔ بارش برستی ہے۔ کچھ پانی دریاؤں میں بہنے لگتا ہے۔ کچھ مقدار

أُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ ﴿٧٠﴾ أَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِي تُورُونَ ﴿٧١﴾ ءَأَنتُمْ

بنا دیتے ۲۷ پھر تم کیوں شکر ادا نہیں کرتے ۲۸ کیا تم نے غور سے دیکھا ہے آگ کو جو تم سلگاتے ہو ۲۹ (ذرا یہ تو) بتاؤ کیا تم نے

أَنشَأْتُمْ شَجَرَتَهَا أَمْ نَحْنُ الْمُنشِـُٔونَ ﴿٧٢﴾ نَحْنُ جَعَلْنَاهَا تَذْكِرَةً وَ

اس کے درخت کو پیدا کیا ہے یا ہم ہی پیدا کرنے والے ہیں۔ ہم نے ہی بنایا ہے اس کو نصیحت اور

تالابوں میں بھر جاتی ہے اور اس کا اکثر حصہ زمین میں جذب ہو جاتا ہے اور تہ زمین پانی کے ذخائر جمع ہو جاتے ہیں جن کو مختلف طریقوں سے تم کشید کرتے ہو۔ الغرض ہر قسم کے پانی کا اصلی سرچشمہ بارش ہے۔ بھلا بتاؤ اس میں کسی غیر کی کوئی مداخلت ہے لبالب بھرے ہوئے سمندر کس کے ہیں۔ سورج کی جو کرنیں ان پانیوں کو بخارات میں تبدیل کر دیتی ہیں وہ کس کی ہیں۔ پھر ہوائیں کس کے حکم سے ان بخارات کو اٹھا کر مناسب بلندی پر پہنچا دیتی ہیں۔ وہ برودت جوان بخارات کو پانی میں تبدیل کرتی ہے وہ کون مہیا کرتا ہے۔ پھر کس کے حکم سے بادل ایک مقررہ مقدار میں بارش برساتے ہیں۔ جب یہ ساری کارروائی اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہو رہی ہے تو پھر اس کا انکار یا کسی کو اس کی خدائی میں شریک کرنا کہاں کی عقل مندی ہے۔

۲۷ اجاج سخت کڑوے کو کہتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے یہاں سے اپنی ایک اور حکمت کی طرف اشارہ فرما دیا کہ بارش ان بخارات سے بنتی ہے جو سمندروں کے پانی سے اٹھتے ہیں۔ سمندروں کا پانی کھاری نمکین ہوتا ہے۔ نیز اس میں ایک خاص قسم کی بدبو اور چپچپاہٹ بھی ہوتی ہے۔ لیکن جب بارش برستی ہے تو اس کے پانی میں نہ سمندر کا کھاراپن پایا جاتا ہے اور نہ اس بدبو کا کہیں نام و نشان ہوتا ہے۔ میٹھا اور شفاف آب زلال ان بادلوں سے ٹپکتا ہے۔ ذرا سوچو سورج کی کرنوں کو کس نے یہ سلیقہ سکھایا کہ جب پانی کشید کرو تو اس کی نمکینی اور بدبو کو مت کشید کرو۔ صرف خالص پانی کے اجزا کو بخارات میں تبدیل کرنا۔ اگر یہ اہتمام نہ کیا جاتا تو جہاں بارش کا کھاری پانی برستا وہاں ساری زمین شور اور ناقابل کاشت ہو جاتی۔ میٹھے پانی کے جو ذخیرے پہلے سے موجود تھے وہ بھی استعمال کے قابل نہ رہتے انسانی زندگی تو کجا حیوانی اور نباتاتی زندگی کے آثار بھی مٹ جاتے۔ فتبارك الله احسن الخالقين۔

۲۸ کفران نعمت تو تمہیں زیب نہیں دیتا۔ آؤ اپنے رب کا شکر ادا کرو تاکہ وہ اپنے احسانات سے تمہیں مزید مالا مال کر دے۔

۲۹ انسانی تمدن کی ترقی اور معاشرہ کی بہبود میں آگ کو جتنا دخل ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ اس سے گرمی حاصل کی جاتی ہے اس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔ اس سے طرح طرح کے کھانے پکائے جاتے ہیں۔ صنعت و حرفت میں اس سے کام لیا جاتا ہے۔ غرضیکہ اگر آگ کا وجود نہ ہوتا تو زندگی کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توجہ پھر اس گراں قدر نعمت کی طرف مبذول کرا رہا ہے۔

عرب میں دو درخت تھے۔ ایک کا نام مَرخ تھا اور دوسرے کا نام عفار۔ مرخ کو اوپر اور عفار کو نیچے رکھ کر جب رگڑا جاتا تو اس سے پانی کے قطرے ٹپکتے جن سے آگ نکلنے لگتی۔ اوپر والی لکڑی (مرخ) کو زند کہا جاتا اور نیچے والی لکڑی (عفار) کو زندہ کہا جاتا۔ اس درخت سے مراد وہ سارے درخت بھی ہو سکتے ہیں جو ایندھن کا کام دیتے ہیں۔

مَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ﴿٧٣﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿٧٤﴾ فَلَآ أُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ

فائدہ مند مسافروں کے لیے ۳۰ تو اے حبیب! تسبیح کیجیے اپنے رب عظیم کے نام کی ۳۱ پس میں قسم کھاتا ہوں ان جگہوں کی جہاں

النُّجُوْمِ ﴿٧٥﴾ وَإِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ﴿٧٦﴾ إِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴿٧٧﴾

ستارے ڈوبتے ہیں ۳۲ اور اگر تم سمجھو تو یہ بہت بڑی قسم ہے۔ بے شک یہ قرآن ہے بڑی عزت والا،

۳۰ قواء اس زمین کو کہتے ہیں جو بنجر اجاڑ ہو اور آبادی سے بہت دور ہو۔ القواء ھی الارض القفر الخالیة البعیدة من العمران۔ اقوا کا معنی ہے ایسی بنجر اجاڑ زمین میں فروکش ہونا۔ اسی لیے مسافر کو مقوی کہتے ہیں، کیونکہ بسا اوقات سفر میں انہیں ایسے مقامات پر فروکش ہونا پڑتا ہے جہاں پانی وغیرہ دستیاب نہیں ہوتا۔

اگرچہ آگ مقیم اور مسافر سب کے لیے مفید ہے لیکن ایک مسافر کے لیے اس کی افادیت بہت زیادہ ہے نیز ویران ریگزاروں میں جب آگ جلتی ہے تو اس کی روشنی میلوں تک دکھائی دیتی ہے۔ کئی راہگیر جن کی کوئی پناہ نہیں ہوتی آبادی کے اس نشان کو دیکھ کر وہاں آجاتے ہیں۔ عرب کا یہ دستور تھا کہ وہ رات کے وقت اپنے ڈیروں پر اونچی جگہ الاؤ روشن کر دیتے تھے بھولے بھٹکے مسافر وہاں آجاتے اور وہ ان کی خاطر مدارات کرتے۔ عرب کا ایک شاعر اپنی سخاوت کا اظہار اس طرح کرتا ہے۔

وما اخمدت نار لنا دون طارق

ولا ذمنا فی النازلین نزیل

یعنی آدھی رات کو آنے والا مسافر ہماری آگ کو بجھا ہوا نہیں پاتا اور ہمارے مہمان ہماری مذمت نہیں کیا کرتے۔

۳۱ اے حبیب! اپنے عظمت والے رب کی پاکی بیان کرو جس کی قدرت، حکمت، رحمت اور علم کے گوناگوں شواہد پیش کیے گئے ہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ ہر قسم کے نقص، ضعف اور عیب سے پاک ہے۔

۳۲ یہاں "لا" نفی کے لیے نہیں بلکہ تاکید کے لیے زیادہ کیا گیا ہے جس طرح لئلا یعلم اہل الکتاب میں لا زائدہ للتاکید ہے۔ اس میں دوسرا قول یہ ہے کہ لام قسم کے لیے ہے۔ اس میں اشباع کی وجہ سے الف بڑھ گیا جیسے اعوذ باللہ من العقراب ——— مواقع، موقع کی جمع ہے۔ قتادہ کا ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد ستاروں کے غروب ہونے کے مقامات ہیں، کیونکہ ان کے غروب سے ہی اللہ تعالیٰ کی توحید اور ان اجرام سماوی کے فانی ہونے کا ثبوت ملتا ہے اور قتادہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ مواقع النجوم سے مراد ان کی منزلیں اور ان کی مداریں ہیں۔ انہا منازلہا ومجاریہا۔

بعض علماء نے مواقع النجوم کی یہ تفسیر بیان کی ہے کہ نجوم سے مراد صحابہ کرام اور مواقع سے مراد ان کی سجدہ گاہیں ہیں جہاں وہ اپنے رب کے حضور میں سربسجود رہا کرتے تھے۔ بعض کے نزدیک مواقع سے مراد ان کی مزارات پر انوار ہیں جہاں وہ جہاد اکبر یا جہاد اصغر میں جام شہادت نوش کرنے کے بعد استراحت فرما ہیں۔ "ملا جیون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی تفسیر احمدی میں کہتے ہیں او النجوم

فِیۡ کِتٰبٍ مَّکۡنُوۡنٍ ﴿۷۸﴾ لَّا یَمَسُّہٗۤ اِلَّا الۡمُطَہَّرُوۡنَ ﴿۷۹﴾ تَنۡزِیۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ

ایک کتاب میں جو محفوظ ہے ۳۳ — اس کو نہیں چھوتے مگر وہی جو پاک ہیں ۳۴ — یہ اتارا گیا ہے رب العالمین

الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۸۰﴾ اَفَبِہٰذَا الۡحَدِیۡثِ اَنۡتُمۡ مُّدۡہِنُوۡنَ ﴿۸۱﴾ وَ تَجۡعَلُوۡنَ

کی طرف سے۔ کیا تم اس قرآن کے بارے میں کوتاہی کرتے ہو ۳۵ اور (اس کی بے پایاں برکتوں سے) تم نے اپنا

نجوم الصحابة ومواقعها مساجدهم او مقابرهم۔ علامہ اسماعیل حقی لکھتے ہیں وقیل النجوم الصحابة والعلماء الهادون ومواقعهم القبور۔ (روح البیان)

۳۳ قسم اس بات پر اٹھائی جارہی ہے کہ یہ کتاب جادو، شعر اور اساطیر کہن نہیں جیسے کفار گمان کرتے ہیں بلکہ یہ کتاب کریم ہے۔ اسے کریم کہنے کی متعدد وجوہات ہیں: کریم عند الله۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی جناب میں یہ بڑی مکرم و معظم ہے۔ قیل کریم لانه یدل علی مکارم الاخلاق ومعالی الامور وشرائف الافعال۔ یہ کریم ہے کیونکہ یہ مکارم اخلاق کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اعلیٰ مقاصد کی رغبت دلاتی ہے اور پسندیدہ افعال پر اکساتی ہے۔ وقیل کریم لنزوله من عند کریم بواسطة الکرام الی اکرم الخلق۔ یہ کریم ہے کیونکہ یہ رب کریم کی طرف سے اتری ہے، کرامت والے فرشتے اسے لے کر نازل ہوئے ہیں اور اکرم الخلق پر نازل ہوئی ہے۔
کتاب مکنون: لوح محفوظ۔

۳۴ یہاں لا اگرچہ نافیہ ہے لیکن نہی کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ اس عزت والی کتاب کو طہارت کی حالت میں ہی چھونا چاہیے۔ فقہ کا مسئلہ یہ ہے کہ جنبی، حائضہ اور نفاس والی عورت نہ اسے چھو سکتی ہے اور نہ اسے پڑھ سکتی ہے اور کوئی شخص بے وضو ہو تو پڑھ سکتا ہے لیکن مصحف کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ البتہ اگر اس کے اوپر کوئی غلاف ہے تو پھر ہاتھ لگا سکتا ہے۔ بچے جو تعلیم حاصل کرتے ہیں ان کے لیے باوضو ہونا ضروری نہیں۔ اس کا دوسرا مفہوم یہ بھی ہے کہ اس کے لطائف و معارف، اسرار و رموز اور شاہد معنی تک رسائی کی سعادت ہر کس و ناکس کو نہیں بخشی جاتی بلکہ یہ صرف ان نفوس قدسیہ کا حصہ ہے جن کا ظاہر و باطن، جن کا دل اور ذہن ہر قسم کی آلائشوں سے پاک ہے۔ اس صورت میں لا نفی کا ہوگا۔

۳۵ قرآن کریم کی صفات جلیلہ ذکر کرنے کے بعد کفار کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ اے کفار! تمہاری طرف ایسی جلیل القدر کتاب نازل کی گئی ہے اور تم اسے اہمیت ہی کوئی نہیں دیتے۔ اس کے روشن دلائل سنتے ہو اور آیات بینات دیکھتے ہو لیکن اس کی دعوت کو قبول نہیں کرتے۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں مدهنون: ای متهاونون۔

رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿٨٢﴾ فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿٨٣﴾ وَاَنْتُمْ

یہی نصیب لیا ہے کہ تم اس کو جھٹلاتے رہو گے ۳۶ پس تم کیوں لوٹا نہیں دیتے جب رُوح حلق تک پہنچ جاتی ہے اور تم اس وقت

حِیْنَىِٕذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿٨٤﴾ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿٨٥﴾

(پاس بیٹھے) دیکھ رہے ہوتے ہو ۳۷ اور ہم (اس وقت بھی) تم سے زیادہ مرنے والے کے قریب ہوتے ہیں البتہ تم دیکھ نہیں سکتے ۳۸

فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَیْرَ مَدِیْنِیْنَ ﴿٨٦﴾ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ

پس اگر تم کسی کے پابندِ حکم نہیں ہو تو پھر کیوں نہیں لوٹا دیتے (مرنے والے کی رُوح)

صٰدِقِیْنَ ﴿٨٧﴾ فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ ﴿٨٨﴾ فَرَوْحٌ وَّرَیْحَانٌ

اگر تم سچے ہو ۳۹ پس وہ (مرنے والا) اگر اللہ کے مقرب بندوں سے ہو گا تو اس کے لیے راحت، خوشبودار غذائیں اور

۳۶ چاہیے تو یہ تھا کہ اس نعمتِ عظمیٰ سے جی بھر کر فائدہ اٹھاتے۔ اپنے دلوں کو نورِ معرفت سے منور کرتے۔ زندگی کا ہر لمحہ اس کے ارشادات کے مطابق بسر کرتے۔ لیکن تمہاری بدقسمتی کی کوئی حد نہیں کہ اس احسانِ عظیم سے تمہیں یہی حصہ ملا کہ تم نے اس کا انکار کر دیا۔ خوش نصیب لوگ اللہ کی رحمت کے خزانوں سے جھولیاں بھر بھر کر لے گئے اور تم کفر و انکار کی دلدل میں پھنسے رہے۔

۳۷ انہیں اپنی قوت اور جوانی، اپنی سطوت اور سلطانی اور دولت کی فراوانی پر بڑا گھمنڈ تھا۔ اسی لیے تو میرے رسول کی باتوں کو توجہ سے نہیں سنتے اور میرے اس کلام پر ایمان نہیں لاتے۔ حالانکہ ان کا یہ گھمنڈ سراسر بے جا ہے۔ ذرا وہ بتائیں کہ ان کا اکلوتا بیٹا دم توڑ رہا ہو، وہ خود اس کے پاس بیٹھے ہوں۔ کیا ان میں یہ کس بل ہے کہ وہ آگے بڑھ کر گلے میں اٹکی ہوئی رُوح کو بدن میں واپس کر دیں۔ وہ کچھ نہیں کر سکتے۔

انسان کی بے بسی کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہے کہ وہ اپنے لختِ جگر کو بھی موت کے پنجہ سے چھڑا نہیں سکتا۔

۳۸ اگرچہ تم سرہانے بیٹھے ہو، اگرچہ تم نے اسے اپنی گود میں اٹھا رکھا ہے لیکن جو قرب ہمیں اس سے حاصل ہے وہ تمہیں میسر نہیں۔ ہم اپنی قدرت، علم اور رؤیت کے اعتبار سے اس سے بہت زیادہ قریب ہیں لیکن تم اس قرب کی حقیقت کو سمجھنے سے قاصر ہو۔

۳۹ آیت میں غیر مدینین کا لفظ غور طلب ہے۔ صاحب لسان العرب لکھتے ہیں۔ الدین، الذل والمدین العبد، والمدینة: الامة المملوكة كانهما اذلهما العمل۔

یعنی دین کا معنی سرافگندگی اور تابعداری ہے۔ غلام کو مدین اور کنیز کو مدینہ کہتے ہیں کیونکہ وہ دونوں اپنے مالک کے

وَّ جَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴿۸۹﴾ وَ اَمَّاۤ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۰﴾ فَسَلٰمٌ

سرور والی جنت ہوگی ۳۹ اور اگر وہ اصحاب یمین (کے گروہ) سے ہوگا تو اسے کہا جائے گا،

لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۱﴾ وَ اَمَّاۤ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ

تمہیں سلام ہو اصحاب یمین کی طرف سے۔ اور اگر (وہ مرنے والا) جھٹلانے والے گمراہوں

الضَّآلِّيْنَ ﴿۹۲﴾ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿۹۳﴾ وَّ تَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ﴿۹۴﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ

سے ہوگا۔ تو اس کی مہمانی کھولتے پانی سے ہوگی۔ اور داخل ہونا پڑے گا اسے بھڑکتے دوزخ میں۔ بے شک (جو بیان ہوا) یہ

حَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۹۵﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۹۶﴾

یقیناً حق ہے۔ پس اے حبیب! پاکی بیان کیجیے اپنے رب کے نام کی جو بڑی عظمت والا ہے ۴۱

رکوع ۱۶

حکم کے سامنے سرافگندہ ہوتے ہیں اور اس کے حکم سے انہیں سرتابی کی مجال نہیں ہوتی۔ اس کے بعد علامہ ابن منظور لکھتے ہیں وقولہ تعالیٰ فلولا ان کنتم غیر مدینین، قال الفراء غیر مدینین ای غیر مملوکین۔ اس آیت میں فراء کہتے ہیں کہ غیر مدینین کا معنی ہے غیر مملوکین یعنی اگر تم کسی کے زیر فرمان اور تابع حکم نہیں بلکہ اپنی مرضی کے مالک ہو جو جی میں آئے وہ کر گزرتے ہو تو پھر گلے تک آئی ہوئی روح کو اپنے اختیار اور قدرت سے واپس کیوں نہیں لوٹا دیتے۔ تمہاری انتہائی آرزو ہے کہ تمہارا پیارا زندہ رہے۔ تم نے اس کی صحت کے لیے بڑے جتن کیے ہیں۔ قابل ترین طبیبوں سے علاج کرایا ہے۔ اس کے باوجود تم اپنے بیٹے کو بچا نہیں سکتے۔ تم سے زیادہ بڑھ کر بے بس اور کون ہو سکتا ہے۔ قدرت کا مالک اللہ تعالیٰ ہے، جو چاہے کر سکتا ہے۔

۴۰ اس کے بعد اب متوفی کا ذکر ہو رہا ہے کہ اگر وہ مقربین کے زمرے میں سے ہے تو اس کا اعزاز و اکرام اس طرح کیا جائے گا۔ اگر وہ اصحاب الیمین میں سے ہے تو اس کی پذیرائی یوں ہوگی اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلانے والوں اور گمراہوں میں سے ہے تو اس کی درگت یوں بنے گی۔ یہ جو کچھ تمہیں بتایا جا رہا ہے یہ حق ہے، یہ سچ ہے۔ اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

۴۱ اے محبوب! اپنے عظمت والے رب کی پاکی بیان کرو۔ تو اس کی صفت ربوبیت کا شاہکار ہے۔ جس طرح اس کی عظمت و کبریائی کا بیان تو کر سکتا ہے اس طرح اور کوئی نہیں کر سکتا۔ حضرت داؤد کی تسبیح سن کر تو صرف پرندے اور دشت و جبل اللہ تعالیٰ کی تسبیح کہنے لگے تھے۔ اے حبیب! جب آپ اپنے رب جلیل کی تسبیح بیان کریں گے تو آسمانوں کی بلندیاں، زمین

کی پہنائیاں، سمندروں کی وسعتیں اور فضاؤں کی بے کرانیاں اللہ تعالیٰ کے ذکر، اس کی تحمید و تمجید، اس کی تسبیح و تہلیل سے گونج اٹھیں گی۔

◎

سُبحان ربی العظیم سُبحان ربی الاعلیٰ۔

لا الٰہ الا انت سُبحانک انی کنت من الظالمین۔

سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک

ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیئ قدیر۔

اللّٰھم انی عبدک وابن عبدک وابن امتک ناصیتی بیدک ماض فی حکمک عدل فی قضاؤک

اسئلک بکل اسم ھولک سمیت بہ نفسک وانزلتہ فی کتابک وعلمتہ احدا من خلقک او استاثرت

بہ فی علم الغیب عندک ان تجعل القرآن العظیم ربیع قلبی ونور صدری وجلاء حزنی وذھاب

ھمی وغمی بجاہ حبیبک المصطفیٰ ورسولک المرتضیٰ ونبیک المجتبیٰ الذی علمنا ھذا الدعاء اللّٰھم

صل وسلم وبارک علیہ وعلیٰ الہ واصحابہ من الصلوات ازکھا ومن التسلیمات اسنٰھا ومن البرکات

اوفٰھا الیٰ یوم الدین یاذا الجلال والاکرام۔

○

تعارف

سُورۃ الحدید

نام: اس سورت کی پچیسویں آیت میں "وانزلنا الحدید" کا جملہ ہے۔ اسی سے اس کا نام الحدید رکھا گیا ہے۔ اس میں چار رکوع، انتیس آیتیں، پانچ سو چوالیس کلمے، دو ہزار چار سو چھتر حروف ہیں۔

نزول: باتفاق علماء یہ سورت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔

مضامین: اس کی آیات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نزول غزوۂ اُحد اور صلح حدیبیہ کے درمیانی عرصہ میں ہوا جب کہ اسلام اور کفر کی جنگ بڑے نازک اور فیصلہ کن مرحلہ میں داخل ہو چکی تھی۔ بدر اور اُحد کی جنگیں مسلمانوں اور صرف کفارِ مکہ کے درمیان تھیں۔ دیگر عرب قبائل جو مکہ کے دور و نزدیک آباد تھے وہ ان دو جنگوں میں ملوث نہیں تھے۔ ان کا یہ خیال تھا کہ یہ کشمکش مکہ کے باشندوں کے دو گروہوں تک محدود ہے۔ اس میں انہیں دخل دینے کی ضرورت نہیں۔ اہلِ مکہ بھی یہ خیال کیے ہوئے تھے کہ بے یار و مددگار اور غریب الدیار مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے لیے اُن کے اپنے نبرد آزما جوان کافی ہیں۔ انہیں کسی دوسرے قبیلے سے امداد کی درخواست کرنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن بدر کی غیر متوقع شکستِ فاش نے ان کی آنکھیں کھول دیں۔ اس کا انتقام لینے کے لیے کفارِ مکہ نے جس مہم کا پروگرام بنایا تھا اس میں اُنہوں نے اپنے تمام مادی وسائل اور افرادی قوت کو جھونک دیا۔ ابوسفیان جو اس بھرے ہوئے لشکر کا سالار تھا جس کی تعداد تین ہزار تھی۔ اسے یقین تھا کہ اس کا لشکر مسلمانوں کو تہس نہس کر کے رکھ دے گا۔ جب اُحد پہاڑ کی ترائی میں اس کا مقابلہ مٹھی بھر مسلمانوں سے ہوا تو اس کے ہوش اُڑ گئے۔ مسلمانوں نے پہلے ہلہ میں ہی ان کو میدانِ جنگ سے بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ اگر مسلمانوں کے تیر افگن دستے سے غلطی سرزد نہ ہوتی تو جنگِ اُحد کا نتیجہ ان کے لیے بدر سے کہیں زیادہ حوصلہ شکن، بلکہ تباہ کن ہوتا۔ ابوسفیان اگرچہ اپنے لشکر کو بچا لانے میں کامیاب ہو گیا، لیکن اپنی مکمل فتح اور مسلمانوں کو کلیۃً مٹا دینے کے جو ارادے لے کر وہ گیا تھا اس میں اُسے بُری طرح ناکامی ہوئی۔ اب اہلِ مکہ کو پتہ چل گیا کہ وہ جلاوطن مسلمانوں سے تنہا ٹکر نہیں لے سکتے۔ اس لیے اُنہوں نے مختلف قبائل کے پاس اپنے وفد بھیجے اور اپنے بتوں کی دہائی دے کر انہیں مسلمانوں کے خلاف امداد کی دعوت دی۔

مسلمانوں کے لیے صورتِ حال اب مزید خطرناک اور پریشان کن ہو گئی۔ اب انہیں اپنے بچاؤ اور اپنی جان سے عزیز تر اسلام کی بقا کے لیے پہلے سے بھی کہیں زیادہ جانی اور مالی قربانیاں پیش کرنے کی ضرورت تھی۔ اب اُن کے مدمقابل صرف اہلِ مکہ نہ تھے بلکہ اُن کی جنگ جزیرہ عرب کے سارے مشرک قبیلوں سے چھڑ گئی تھی۔

ان حالات میں یہ سورت نازل ہوئی۔ اس میں انہیں کوئی حکم دینے سے پہلے خداوند قدوس کی صفاتِ کمال اور شانِ کبریائی سے متعارف کرایا پھر انہیں اسلام کی سربلندی کے لیے بڑی فیاضی سے اپنے مال خرچ کرنے کا حکم دیا۔ ساتھ ہی انہیں یہ بات بھی سمجھا دی کہ یہ مال و متاع جو آج تمہارے پاس ہے کل کسی اور کی ملکیت تھا۔ کیا معلوم دو روز بعد یہ تم سے لے کر کسی اور کو دے دیا جائے۔ تم اس کے حقیقی مالک نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ جو حقیقی مالک ہے تم اس کے نائب ہو۔ اس کے نام کو بلند کرنے کے لیے اگر اس مال کو خرچ کرنے کا موقع آئے تو اسے غنیمت جانو۔ تمہیں اس کا بڑا اجر ملے گا۔

آیت نمبر ۱۰ میں بتا دیا کہ حالات ہمیشہ ایک جیسے نہیں رہیں گے۔ اسلام کے دشمن ہمیشہ اسی طرح گرجتے اور غراتے نہیں رہیں گے۔ مسلمانوں کی کمزوری کی کیفیت بھی عارضی ہے۔ اللہ کے فضل سے حالات بدل جائیں گے۔ باطل کی قوت کو کچل کر رکھ دیا جائے گا۔ کفر کے سرغنے مسلمانوں کا نام سن کر لرزنے لگیں گے۔ اس وقت اسلام کو تمہاری مالی اعانت کی اتنی ضرورت نہیں رہے گی جتنی آج ہے۔ اس وقت جو تم خرچ کرو گے اس کا جو تمہیں اجر ملے گا بعد کے حالات میں تمہیں اتنا اجر نہیں ملے گا۔ اس لیے بجلی کی تیزی سے بدلنے والے حالات سے فائدہ اٹھاؤ جو بن آتا ہے خرچ کر ڈالو ایسی قیمتی گھڑیاں شاید تمہیں پھر ہاتھ نہ آئیں۔ ساتھ ہی یہ بھی سمجھا دیا کہ جو تم خرچ کر رہے ہو وہ ضائع نہیں ہو رہا بلکہ یوں سمجھو کہ تم اللہ کو قرض دے رہے ہو، وہ کئی گنا بڑھا کر تمہیں واپس کرے گا۔ اس کے علاوہ تم بہت بڑے اجر کے مستحق قرار پاؤ گے۔

قیامت کے روز ایسے ہی فدا کار اہلِ ایمان کے آگے آگے اور دائیں طرف نور ہی نور ہو گا اور انہیں فردوس بریں میں داخل ہونے کی خوشخبریاں دی جائیں گی۔

اس کے بعد منافقوں کے بارے میں بتایا کہ یہ بظاہر مسلمان بننے کے دعویدار تھے لیکن اللہ کی راہ میں نہ جان لٹانے کا جذبہ ان کے دل میں تھا اور نہ دولت خرچ کرنے کا شوق۔ قیامت کے روز وہ اپنے گناہوں کے اندھیروں میں بھٹک رہے ہوں گے۔ اہلِ ایمان سے نور کی ایک کرن کی بھیک مانگیں گے لیکن ان کی یہ التجا مسترد کر دی جائے گی۔

آیت نمبر ۱۶ سے اہلِ ایمان کو ذکرِ الٰہی کی ترغیب دلائی جا رہی ہے اور ان کی غفلت کیشی پر انہیں جھنجھوڑا جا رہا ہے کہ تم بھی اہلِ کتاب کی طرح نہ ہو جانا جن پر کتاب نازل ہوئی پہلے تو وہ بڑی سرگرمی سے اس پر عمل پیرا ہوئے لیکن وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کے دل پتھر کی طرح سخت ہوتے گئے۔

اس حقیقت سے بھی آگاہ کر دیا کہ ہر شخص صدیقین اور شہداء کے زمرہ میں داخل نہیں ہو جاتا بلکہ پہلے ایمان کے تقاضے پورے کرنے پڑتے ہیں۔ جانی و مالی قربانیاں پیش کرنی پڑتی ہیں تب یہ شرف نصیب ہوتا ہے۔

اہلِ نفاق اور اہلِ ایمان کے درمیان زندگی کے بارے میں جو بنیادی تفاوت ہے اس کو بڑے مؤثر انداز میں بتایا۔ اور ساتھ ہی یہ نصیحت بھی کر دی کہ تمہاری جدوجہد کا مقصد مغفرت اور جنت کا حصول ہونا چاہیے۔

ایک اور حقیقت سے بھی اپنے بندوں کو خبردار کر دیا کہ سب کچھ پہلے لکھا جا چکا ہے جو تمہیں ملنا ہے اور جو نہیں ملنا اس کے بارے میں اٹل فیصلہ صادر ہو چکا ہے۔ اس لیے اگر کوئی نعمت ملے تو خوشی سے بے قابو نہ ہو جایا کرو اور اگر کوئی

تکلیف پہنچے تو افسردہ اور مایوس نہ ہو جایا کرو۔ لوگوں کی رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو رسول مبعوث فرمائے ہیں، اُن کے بارے میں بتا دیا کہ انہیں روشن دلیلیں مرحمت فرمائیں۔ اپنی آسمانی کتاب سے نوازا۔ عدل کا ترازو بھی عطا کیا تاکہ وہ ہر حقدار کو اس کا جائز حصہ پورا پورا ادا کریں۔ ان عطیات کے علاوہ لوہا نازل کیا تاکہ اس سے سرکشوں کی سرکوبی کی جا سکے اللہ تعالیٰ دیکھنا چاہتا ہے کہ کون اس کی اور اس کے رسولوں کی امداد کے لیے سر بکف میدانِ جہاد میں قدم رکھتا ہے۔

آخری رکوع میں مسلمانوں کو ہوشیار کیا کہ تم سے پہلے انبیاء تشریف لائے اور لوگوں کو دعوتِ حق پہنچائی۔ اُن کے بعض اُمتیوں نے اطاعت کا حق ادا کیا اور بعض اس سعادت سے محروم رہے۔ اب تمہاری باری ہے، دیکھنا تم اس میں بازی ہار نہ جانا۔ ایمان کی شمع کو ہر طوفان میں روشن رکھنا۔ تقویٰ کو اپنا شعار بنانا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک نُور مرحمت فرمائے گا جس کی روشنی میں تم شاہراہِ حیات پر بے خوف و خطر بڑھتے چلے جاؤ گے۔ تمہارے گناہ بخش دیے جائیں گے۔

اہلِ کتاب کا یہ خیال سراسر بے حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے وہ اجارہ دار ہیں۔ نہیں اُس کے فضل و کرم کے خزانے اُس کے اپنے ہاتھ میں ہیں جس کو چاہتا ہے، جتنا چاہتا ہے بخش دیتا ہے۔ تم بھی اُس ذُوالفضل العظیم کے سامنے دامن پھیلاؤ پھر دیکھو اس کی نوازشات کی بارش کیسے برستی ہے؟

نیو ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا

۷۷-۵-۱

سُوْرَۃُ الْحَدِيْدِ مَدَنِيَّۃٌ وَّهِيَ تِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورہ الحدید مدنی ہے اس کی — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — آیات ۲۹ اور رکوع ۴ ہیں۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ① لَهٗ مُلْكُ

اللہ تعالیٰ کی تسبیح کر رہی ہے ہر چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے [1] اور وہی سب پر غالب بڑا دانا ہے [2] اسی کے لیے ہے بادشاہی

[1] تسبیح کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کو تمام ایسی چیزوں سے منزہ اور پاک سمجھنا جو اس کی شایانِ شان نہیں۔ انسان کا اعتقاد بھی یہی ہو، وہ اپنے قول سے بھی اس کا اقرار کرے اور اس کا عمل بھی اس کی شہادت دے رہا ہو۔ التسبیح علی المشہور تنزیہ اللہ تعالیٰ اعتقادا وقولا وفعلا عما لا یلیق بجنابہ سبحانہ (روح المعانی)

آسمانوں اور زمین کی ہر چیز گواہی دے رہی ہے کہ ان کا خالق اور مالک ہر نقص اور ہر عیب سے پاک ہے۔ ان میں سے ذوی العقول کی شہادت تو قولاً ہے۔ فرشتے، انسان اور جنات کہہ رہے ہیں سبحان اللہ، سبحان اللہ . . . البتہ غیر ذوی العقول اپنی زبانِ حال سے اپنے پیدا کرنے والے کی عظمت وکبریائی بیان کر رہے ہیں۔ لیکن زجاج کا قول یہ ہے کہ ہر چیز اپنی زبان سے قولاً اس کی تسبیح بیان کر رہی ہے ورنہ اس آیت کا کیا معنی ہوگا وان من شیئ الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقھون تسبیحھم یعنی ہر چیز اللہ کی تسبیح بیان کر رہی ہے لیکن تم اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔ اگر زبانِ حال سے تسبیح مراد ہو تو پھر اس کے ادراک نہ کرنے کا کوئی مطلب نہیں۔ اسی طرح قرآن کریم میں حضرت داؤد علیہ السلام کی یہ خصوصیت بیان کی گئی ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتحمید میں زمزمہ سنج ہوا کرتے تھے تو پہاڑوں کے پتھر اور سنگریزے بھی ان کے ساتھ مل کر اپنے رب کی پاکی بیان کیا کرتے تھے۔ یہ خصوصیت تب ہی پائی جا سکتی ہے جب وہ زبانِ قال سے تسبیح کریں۔

علامہ آلوسی اسی رائے کو پسند کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

نفسِ ناطقہ اور ادراک انسان کی ہی خصوصیت نہیں بلکہ حیوانات اور جمادات کو بھی ان کے حسبِ حال یہ نعمتیں بخشی گئی ہیں۔

وھو مبنی علی ثبوت النفوس الناطقۃ والادراک بسائر الحیوانات والجمادات علی ما یلیق بکل۔ (روح المعانی)

صوفیائے کرام کا مسلک بھی یہی ہے۔

یہاں سورۂ حدید نیز سورۂ الحشر اور الصف کی ابتداء سَبَّحَ صیغہ ماضی سے کی گئی ہے لیکن سورۂ جمعہ اور تغابن کا افتتاح یُسَبِّحُ مضارع سے کیا گیا ہے تاکہ پتہ چل جائے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کسی زمانے کے ساتھ مختص نہیں بلکہ پہلے بھی ہر چیز اس کی تسبیح بیان کرتی رہی ہے، اب بھی ایسا ہی ہو رہا ہے اور آئندہ بھی ایسا ہی ہوتا رہے گا۔ یہ سلسلہ کبھی منقطع نہ ہوگا۔

[2] کائنات کا ذرہ ذرہ آخر اس کی پاکی کیوں بیان نہ کرے اس کی حمد کے گیت کیوں نہ گائے۔ ایک وہی تو ہے جو عزیز بھی ہے اور حکیم بھی۔ خبر اور مبتدا دونوں کو معرفہ ذکر کر کے حصر کی طرف اشارہ کر دیا۔ عزیز: اس قادر اور زبردست کو کہتے ہیں جس کا کوئی

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ هُوَ

آسمانوں اور زمین کی۔ وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے ۳؎ وہی

الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝ هُوَ

اول، وہی آخر، وہی ظاہر، وہی باطن۔ اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ۴؎ وہی

الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی

ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پھر متمکن ہوا تخت

الْعَرْشِ ؕ یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا یَنْزِلُ

حکومت پر۔ وہ جانتا ہے جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے اور جو آسمان سے

مقابلہ کر سکے۔ جس کے فرمان کو کوئی ٹال نہ سکے۔ العزیز القادر الغالب الذی لا ینازعہ ولا یمانعہ شیئ۔ اس کی قدرت مطلقہ کا یہ عالم ہے کہ ہر چیز کو جس شکل و صورت جس قد و قامت اور جن مقاصد کی انجام دہی کے لیے پیدا فرمادیا اس میں آج تک کسی قسم کا رد و بدل نہیں ہو سکا۔ انا کل شیئ خلقناہ بقدر کے جلوے ہر چھوٹی بڑی چیز میں نظر آ رہے ہیں۔ لیکن یہ قوت، یہ بیکراں قدرت اندھی نہیں ہے کہ ترنگ آئی تو بلاوجہ کسی چیز کو نیست و نابود کر دیا۔ پیس کر رکھ دیا۔ موج میں آئے تو بلا استحقاق عزت و سرفرازی بخش دی نہیں، اللہ تعالیٰ عزیز ہونے کے ساتھ ساتھ حکیم بھی ہے۔ اس کا کوئی کام، اس کا کوئی حکم، اس کا کوئی فیصلہ حکمت کے بغیر نہیں اور اسی میں اس گلشن کائنات کی بقا اور پُر بہار ہونے کا راز مضمر ہے۔ وہ اپنی مخلوق کے ساتھ قادر و توانا ہونے کے باوجود رحمت و رافت کا برتاؤ کرتا ہے۔ وہ غلط کاروں کو فوراً انتقام کی چکی میں پیس نہیں دیتا بلکہ ان کے ساتھ بڑے تحمل اور حلم کا سلوک کرتا ہے۔ تمام عمر سرکشی اختیار کرنے والا جب بھی اس کے در رحمت پہ آ کر گر پڑتا ہے تو وہ اس کو اپنے دامن رحمت میں ضرور جگہ دے دیتا ہے۔

۳؎ آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا بھی وہی ہے اور ان میں حکومت و فرمانروائی بھی اسی کی ہے۔ فنا اور بقا اسی کے اختیار میں ہے۔ ہر چیز اس کے فرمان کے سامنے بے چون و چرا سر افگندہ ہے۔

۴؎ اس آیت کی تشریح خود حضور رسالتمآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمائی۔ یہ دعا ہے جو حضورؐ اپنے بستر راحت پر لیٹے ہوئے اکثر مانگا کرتے تھے۔ قرض کی ادائیگی اور بھوک سے نجات کے لیے یہ دعا اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔ آپ بھی اس دعا کو یاد کر لیں۔ رات کو اگر سوتے ہوئے آنکھ کھل جائے تو یہ دعا مانگ لیں۔

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان یقول وھو مضطجع

مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا ۖ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ ۚ وَاللَّهُ بِمَا

اترتا ہے اور جو اس کی طرف عروج کرتا ہے ۵ اور وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے جہاں بھی تم ہو ۶ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ

تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٤﴾ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ

تم کرتے ہو اسے خوب دیکھنے والا ہے۔ اسی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔ اور اللہ کی طرف ہی سارے کام لوٹائے

اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوٰى وَمُنَزِّلَ التَّوْرٰةِ وَ الْاِنْجِيْلِ وَالْفُرْقَانِ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْءٍ اَنْتَ اٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهٖ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الْاٰخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُوْنَكَ شَيْءٌ اِقْضِ عَنَّا الدَّيْنَ وَاَغْنِنَا مِنَ الْفَقْرِ۔

اے اللہ! اے آسمانوں اور زمین کے رب! اے عرش عظیم کے رب! اے ہمارے رب! اے ہر چیز کے رب! اے دانے اور گٹھلی کو چیرنے والے! اے تورات، انجیل اور فرقان کو اتارنے والے! میں تجھ سے ہر اس چیز کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جس کی پیشانی کو تو پکڑے ہوئے ہے۔ اے اللہ! تو اول ہے پس تجھ سے پہلے کوئی چیز نہیں۔ تو آخر ہے پس تیرے بعد کوئی چیز نہیں۔ تو ظاہر ہے (غالب) تجھ سے برتر اور کوئی نہیں۔ تو باطن ہے، تجھ سے مخفی اور کوئی نہیں۔ ہمارا قرض ادا فرمادے اور ہمیں فقر و افلاس سے غنی کر دے۔

انت الباطن فلیس دونک شیء کا مطلب ہے کہ تیری کنہ اور حقیقت پر کوئی آگاہی حاصل نہیں کر سکتا۔

۵ وھو الذی خلق السموٰت الخ کی تشریح متعدد مقامات پر پہلے گزر چکی ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمایئے۔

یعلم ما یلج: یہاں سے خالق ارض و سما کے علم محیط کا ذکر ہو رہا ہے کہ وہ صرف کلیات کا جاننے والا نہیں بلکہ جزئیات کا بھی عالم ہے۔ صرف بڑی بڑی چیزوں سے باخبر نہیں بلکہ حقیر سے حقیر باریک سے باریک چیز سے بھی آگاہ ہے۔ جو چیز زمین میں داخل ہوتی ہے بیج ہو، بارش کا کوئی قطرہ ہو، ویسے کوئی چیز اس میں چھپادی جائے، کسی مردہ کو اس میں دفن کیا جائے، ویسے کوئی چیز گل سڑ کر اس میں تحلیل ہو جائے۔ وہ ان تمام چیزوں سے باخبر ہے۔ اسی طرح زمین سے جو چیز نکلتی ہے پانی کا چشمہ ہو، زمین سے اگنے والے درخت ہوں، کھیت ہوں، معدنیات ہوں، قدرتی گیس ہو، پٹرول ہو، وہ بخارات ہوں، غرضیکہ جو چیز زمین سے نکلتی ہے اس پر بھی وہ مطلع ہے۔ اسی طرح آسمان سے جو چیز اترتی ہے فرشتے ہوں، وحی ہو، احکام الٰہی ہوں، رزق ہو، بارش ہو، غرضیکہ جو چیز اوپر سے نیچے نازل ہوتی ہے وہ ہر چیز کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اسی طرح جو چیزیں نیچے سے عالم بالا کی طرف صعود کرتی ہیں ملائکہ ہوں، اعمال حسنہ ہوں، اہل ایمان کی دعائیں ہوں، کچھ بھی ہو ان کا بھی اسے بخوبی علم ہے۔

۶ وہ عرش پر بھی جلوہ فرما ہے اور تم سے بھی الگ اور بے تعلق نہیں۔ تم جہاں کہیں بھی ہو، وہ اپنے علم اور قدرت سے تمہارا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ صوفیا نے معیت سے ایسی معیت مراد لی ہے جس کی کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی معیة غیر متکیفة۔

الْاُمُوْرُ۝ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ؕ وَهُوَ

جائیں گے۔ داخل فرماتا ہے رات (کا کچھ حصہ) دن میں اور داخل کرتا ہے دن (کا کچھ حصہ) رات میں اور وہ

عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ۝ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ

خوب جانتا ہے جو سینوں میں (پوشیدہ) ہے۔ ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر کے اور خرچ کرو (اس کی راہ میں) ان مالوں سے

علامہ اسمٰعیل حقی نے یہاں بڑی پیاری بات لکھی ہے۔ اہل ذوق کی تسکین قلب کے لیے لکھ رہا ہوں۔ فی التاویلات النجمیة وهو معکم لا بالمعیة المفهومة للعوام والخواص ایضا۔

این معیت می نگنجد در بیاں نے زماں دارد خبر زو نے مکاں

بل بالمعیة للذوقة بالذوق الکشفی الشهودی ای انا معکم بحسب مراتب شهودکم ان کنتم فی مشهد الفعل فانا معکم بالتجلی الذاتی ما اتقدم ولا اتاخر عنکم۔ (اس کے ترجمہ کی ضرورت نہیں۔ اہل دل خود ہی سمجھ لیں)

ے کبھی ایمان لانے کی دعوت ان لوگوں کو دی جاتی ہے جو نعمت ایمان سے محروم ہیں اور گاہے گاہے ان لوگوں کو بھی دعوت ایمان دی جاتی ہے جو ایمان تو لے آئے ہوتے ہیں لیکن ایمان کے تقاضوں کو پورا کرنے میں غفلت اور سستی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اسلام کو سربلند کرنے کے لیے اگر کسی مالی اور جانی قربانی کی انہیں دعوت دی جاتی ہے تو وہ شوق اور آمادگی ان میں نظر نہیں آتی جو ایمان کا تقاضا ہے۔ یہ آیات غزوۂ تبوک کے موقع پر ایسے ہی لوگوں کے حق میں نازل ہوئیں۔ یہ غزوہ عرب کے کسی قبیلے کے خلاف نہ تھا۔ مکہ کے قریش کے خلاف نہ تھا بلکہ رومی سلطنت کے خلاف تھا جو مدینہ پر حملہ آور ہو کر مسلمانوں کو ملیامیٹ کر دینے کے منصوبے بنا رہی تھی۔ تیس ہزار کا لشکر جرار لے کر حضور پیش قدمی کرتے ہوئے رومی علاقہ میں تبوک کے مقام پر آکر خیمہ زن ہوئے تھے۔ ایسی مہم کو سرانجام دینے کے لیے جتنے سرمایہ کی ضرورت تھی وہ محتاج بیان نہیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ، حضرت فاروق اعظمؓ، عثمان غنیؓ اور دیگر اکابر صحابہؓ نے ایثار و فدائیت کے ایسے ایسے مظاہرے کیے کہ انہیں پڑھ کر آج بھی ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔ لیکن بعض ایسے لوگ بھی تھے جو مسلمان تو تھے مگر اللہ کی راہ میں مال پیش کرنا ان کے لیے بڑا جان جوکھوں کا کام تھا۔ ان کو برانگیختہ کرنے کے لیے انہیں پھر دعوت ایمان دی جا رہی ہے اور جو عہد وہ پہلے کر چکے ہیں وہ یاد دلایا جا رہا ہے تاکہ آزمائش کے اس وقت میں وہ ناکام نہ ہو جائیں۔

علامہ ابو حیان الاندلسی لکھتے ہیں، امر تعالیٰ عبادہ المومنین بالثبات علی الایمان ولدامته والنفقة فی سبیل اللہ۔ قال الضحاك نزلت فی غزوة تبوك۔ (البحر المحیط)

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو حکم فرما رہے ہیں کہ وہ ایمان پر ثابت قدم رہیں اور اللہ کی راہ میں دل کھول کر خرچ کریں۔ ضحاک فرماتے ہیں کہ یہ آیت غزوۂ تبوک کے موقع پر نازل ہوئی۔

مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝۷

جن میں اس نے تمہیں اپنا نائب بنایا ہے۔ پس جو لوگ ایمان لائے تم میں سے اور راہِ خدا میں خرچ کرتے رہے ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے ۔ شہ

شہ اہلِ ایمان کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے مال خرچ کرنے کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ اندازِ بیان ایسا ہے کہ انسان میں معمولی سا شعور بھی ہو تو راہِ حق میں سب کچھ لٹانے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ ارشاد ہے وانفقوا مما جعلکم مستخلفین فیہ۔ اس کے دو مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ جو مال آج تمہارے قبضہ میں ہے تم اس کے حقیقی مالک نہیں ہو۔ اس کا حقیقی مالک تو اللہ تعالیٰ ہے۔ اس نے تم پر اپنا فضل و کرم فرمایا اور ان تمام چیزوں میں تمہیں اپنا نائب اور خلیفہ مقرر کر دیا۔ حقیقی مالک وہ ہے۔ تم اس کے خلیفہ ہو۔ اب یہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ مالک حکم دے اور نائب اس کی بجا آوری میں لیت و لعل کرے۔

یہاں ارشاد ہے کہ جن اموال میں اس نے تمہیں اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے، جب وہ ارشاد فرمائے تو بلا تامل اس مال کو خرچ کر دو۔ تمہیں جنت میں اس کی خوشنودی حاصل ہو جائے گی۔ ای جعلکم سبحانہ خلفاء عنہ عزوجل فی التصرف فیہ من غیر ان تملکوہ حقیقۃ۔

اس کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ کچھ عرصہ پہلے یہ مکان، یہ زمین، یہ زیورات کسی اور کے تصرف میں تھے۔ وہ انہیں چھوڑ کر چلے گئے۔ اب یہ چیزیں تمہارے قبضہ اور تصرف میں ہیں۔ تم نے بھی ایک روز یہاں سے رختِ سفر باندھنا ہے۔ اس وقت یہ چیزیں کسی اور کے تصرف میں چلی جائیں گی۔ جتنے عرصہ کے لیے تمہیں ان چیزوں کا مالک بنایا گیا ہے تم اس سے فائدہ اٹھاؤ اور انہیں اس طرح خرچ کرو کہ تمہارا پروردگار تم پر راضی ہو جائے۔ جب یہ چیزیں تمہارے قبضے سے نکل جائیں گی تو پھر کچھ نہ کر سکو گے۔ او جعلکم خلفاء عن من کان قبلکم فیما کان بایدیھم فانتقل لکم (روح المعانی)

حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے حکیمانہ انداز میں یہ سبق اپنے صحابہ کو خوب ذہن نشین کرا دیا تھا۔ مطرف اپنے باپ عبد اللہ سے ذکر کرتے ہیں رضی اللہ عنہما۔ قال انتھیت الی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وھو یقول الھکم التکاثر یقول ابن ادم مالی مالی وھل لک من مالک الا ما اکلت فافنیت او لبست فابلیت او تصدقت فامضیت وما سوی ذلک فذاھب وتارکہ للناس (مسلم) عبد اللہ کہتے ہیں میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور فرما رہے تھے الھکم التکاثر تمہیں مال کی کثرت نے غافل کر دیا ہے۔ انسان کہتا ہے میرا مال میرا مال۔ اے انسان تیرے مال میں سے تیرا حصہ کچھ نہیں بجز اس کے جو تم نے کھا لیا اور ختم کر دیا یا پہن لیا اور اسے پرانا کر دیا یا صدقہ کیا اور راہِ آخرت کے لیے بطور زادِ بھیج دیا۔ اس کے سوا جو کچھ بھی ہے وہ جانے والا ہے اور تو لوگوں کے لیے چھوڑنے والا ہے۔

ایک روز ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک دنبہ ذبح کیا۔ اس کا ایک بازو رکھ لیا اور باقی سب مسکینوں میں بانٹ دیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کاشانۂ اقدس میں تشریف لائے تو پوچھا کوئی چیز اس سے بچی بھی ہے۔ ام المومنین نے عرض کی ما بقی منھا الا کتفھا۔ باقی سب ختم ہو گیا ہے صرف ایک بازو بچا ہے۔ اس مرشدِ کامل نے ارشاد فرمایا بقی کلھا غیر کتفھا۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ۚ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ لِتُؤْمِنُوا بِرَبِّكُمْ وَ

آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ اس کا رسول دعوت دے رہا ہے تمہیں کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر ف۹

قَدْ أَخَذَ مِيثَاقَكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٨﴾ هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلَىٰ

اور اللہ تعالیٰ تم سے وعدہ بھی لے چکا ہے اگر تم یقین کرنے والے ہو ف۱۰ وہی ہے جو نازل فرما رہا ہے اپنے (محبوب)

عَبْدِهِ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لِّيُخْرِجَكُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ

بندہ پر روشن آیتیں تاکہ تمہیں نکال لے (کفر کے) اندھیروں سے (ایمان کے) نور کی طرف۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے

بِكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿٩﴾ وَمَا لَكُمْ أَلَّا تُنفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلِلَّهِ

ساتھ بڑی شفقت فرمانے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم خرچ نہیں کرتے (اپنے مال) راہ خدا میں حالانکہ اللہ تعالیٰ ہی

اے عائشہ! جو تم نے راہ خدا میں دیا وہ ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گیا۔ فنا تو صرف وہ بازو ہو گا جو تم نے اپنے لیے رکھا ہے۔ یہ تھا وہ ذہن جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تیار فرمایا تھا۔

ف۹ علامہ ابو حیان لکھتے ہیں یہ استفہام زجر و توبیخ کے لیے ہے۔ ای کیف لا تثبتون علی الایمان۔ تم کیوں ایمان پر ثابت قدم نہیں ہتے حالانکہ اللہ کا رسول تمہیں اس کی طرف بار بار بلا رہا ہے اور تمہیں دلائل اور براہین سے سمجھا رہا ہے۔ انسان زبان سے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا دعویٰ کرتا ہے لیکن اگر آزمائش کے وقت وہ صدق و یقین کا مظاہرہ کرنے سے قاصر رہے تو پتہ چل جاتا ہے کہ اس کا ایمان ناقص ہے۔ اسے چاہیے کہ اپنے ایمان کو مستحکم بنانے کا جو زریں موقع اسے نصیب ہوا اس سے پورا فائدہ اٹھائے اور اس سے بہتر اور کون سا موقع ہو گا جب اللہ کا پیارا حبیب دعوت دے رہا ہے۔ اس کے نورانی بیان سے شک و شبہ کی تاریکیاں چھٹ رہی ہیں۔ حق اپنی پوری تابانیوں سے جلوہ فرما ہے۔ جس نے اس زریں موقع سے فائدہ نہ اٹھایا اس سے بڑھ کر بد نصیب کون ہو گا۔

ف۱۰ جب تم نے اسلام قبول کیا تھا اس وقت میرے رسول نے تم سے پختہ وعدہ لیا تھا۔ کیا وہ تمہیں یاد نہیں رہا۔ ایسے پختہ وعدے کے بعد بھی تم قدم قدم پر تذبذب کا مظاہرہ کر رہے ہو۔ کچھ تو ہوش کرو۔ اس میثاق کا ذکر قرآن کریم کی اس آیت میں بھی ہے۔ واذکروا نعمۃ اللہ علیکم ومیثاقہ الذی واثقکم بہ اذ قلتم سمعنا واطعنا۔ اللہ تعالیٰ نے جو نعمت تم پر کی ہے اور اس پختہ عہد کو یاد کرو جو تم نے اس کے ساتھ کیا جب تم نے کہا تھا ہم نے تیرا حکم سنا اور ہم نے تیری اطاعت کی۔ حضرت عبادہ ابن صامت نے اس میثاق کا تفصیل سے ذکر کیا ہے جو بیعت کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم لیا کرتے تھے۔ آپ فرماتے ہیں بایعنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم علی السمع فی النشاط والکسل وعلی النفقۃ فی العسر والیسر وعلی الامر بالمعروف والنہی عن المنکر

مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ

آسمانوں اور زمین کا وارث ہے [11] تم میں سے کوئی برابری نہیں کر سکتا ان کی جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے (راہِ خدا میں)

الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ

مال خرچ کیا اور جنگ کی [12] ان کا درجہ بہت بڑا ہے ان سے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد مال خرچ کیا

وعلی ان نقول فی اللہ تعالیٰ ولا نخاف لومۃ لائم۔ (مسند امام احمد)

ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات پر بیعت کی کہ ہم حضور کے ہر فرمان کی تعمیل کریں گے نشاط کی کیفیت ہو یا کسل مندی کی حالت۔ ہم اللہ کی راہ میں اپنے مال خرچ کریں گے خواہ ہم تنگ دست ہوں یا خوش حال۔ ہم نیکی کا حکم دیں گے برائی سے روکیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں سچی بات کہیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خائف نہ ہوں گے۔

[11] اس آیت میں پھر اللہ تعالیٰ کی رضا اور دین کی سربلندی کے لیے مال خرچ کرنے کی ترغیب دلائی جا رہی ہے۔ دل کھول کر راہ خدا میں اپنا مال خرچ کرو اور اس بات کی ذرا پرواہ نہ کرو کہ تمہاری اولاد کا کیا بنے گا۔ تمہاری زندگی کی ضروریات کیسے پوری ہوں گی۔ تمہارا معاملہ اپنے رب کریم کے ساتھ ہے۔ زمین و آسمان کے سارے خزانے اس کے دستِ قدرت میں ہیں۔ ہر چیز کا مالک وہ ہے۔ وہ بڑا غیور ہے۔ اس کی غیرت ہرگز برداشت نہیں کرتی کہ اس کی راہ میں گھر بار لٹانے والا کسی غیر کا دست نگر ہو۔ وہ خزانۂ غیب سے اسے اس طرح فراواں رزق دیتا ہے کہ دیکھنے والے دنگ رہ جاتے ہیں۔

[12] یہاں ایک فقرہ محذوف ہے۔ عبارت یوں ہونی چاہیے تھی۔ لا یستوی من انفق قبل الفتح وقاتل ومن انفق بعد الفتح وقاتل۔ یعنی برابر نہیں ہو سکتا وہ شخص جس نے فتح سے پہلے خرچ کیا اور جنگ کی اور جس نے فتح کے بعد خرچ کیا اور جنگ کی۔ لیکن مضمون چونکہ بالکل واضح تھا اس لیے اس فقرہ کو حذف کر دیا۔ فتح سے مراد فتح مکہ ہے۔ بعض نے صلح حدیبیہ بھی مراد لیا ہے۔ فتح سے پہلے حالات بڑے نازک اور مخدوش تھے۔ ہر لحظہ یہ خطرہ تھا کہ کفار کا سیلاب آئے گا اور گلشنِ اسلام کو بہا کر لے جائے گا۔ ان تشویشناک اور غیر یقینی حالات میں جن لوگوں نے دل کھول کر اپنے مال پیش کیے اور ذوق و شوق سے اپنی جانیں قربان کیں ان کے پیش نظر فقط اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی رضا تھی۔ کسی قسم کی مالی یا سیاسی منفعت کا گمان تک نہ تھا نیز اس وقت قربانیوں کی ضرورت شدید تھی اور قربانی دینے والے چند لوگ تھے۔ فتح مکہ کے بعد حالات یکسر پلٹ گئے۔ اب اسلام ایک سیاسی قوت کی حیثیت سے ابھر رہا تھا۔ اس کے جاں نثاروں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔ اس کے دشمنوں کی قوت گھٹتی جا رہی تھی۔ مالی وسائل میں بھی قابل قدر اضافہ ہو رہا تھا۔ اس لیے جن لوگوں نے بے بسی کے عالم میں اپنے مالک کو راضی کرنے کے لیے اور محض حق کو سربلند کرنے کے لیے اپنے مال بھی خرچ کیے اور جانیں بھی پیش کیں، بعد میں آنے والے ان کے برابر نہیں ہو سکتے۔

اس آیت میں ان مہاجرین و انصار کے متعلق زبانِ قدرت یہ اعلان فرما رہی ہے۔ اولٰئک اعظم درجۃ۔ ان کا درجہ

وَقٰتَلُوْا ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۰﴾

اور جنگ کی (ویسے) تو سب کے ساتھ اللہ نے وعدہ کیا ہے بھلائی کا۔ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے بخوبی خبردار ہے ۱۳؎

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗٓ

کون ہے جو (اپنا مال) اللہ تعالیٰ کو (بطور) قرضِ حسنہ دے ۱۴؎ اور اللہ تعالیٰ کئی گنا بڑھا دے اس کے مال کو اس کے لیے (اس کے علاوہ)

بڑا اونچا ہے، ان کا مقام بڑا بلند ہے۔ حضرت صدیق اکبر، حضرت فاروق اعظم، حضرت عثمان ذوالنورین، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قربانیاں اپنی نظیر نہیں رکھتیں۔ اللہ تعالیٰ خود ان کی توصیف فرما رہا ہے۔ قرآن ان کی عظمت کی گواہی دے رہا ہے۔ اب جو لوگ ان پاک لوگوں کی عظمتِ شان کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ الٹا ان پر زبانِ طعن دراز کرتے ہیں، وہ ذرا سوچیں اور خود ہی بتائیں کہ ان صحابہ کرام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ حق ہے یا ان کا فیصلہ۔ ہم خدا کی بات مانیں، قرآن کی شہادت کو سچ سمجھیں یا ان کی بات کو۔ یہاں پر علمائے تفسیر نے ایک بڑا ایمان افروز واقعہ لکھا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں بارگاہِ رسالت میں حاضر تھا حضرت ابوبکرؓ صدیق بھی وہاں بیٹھے تھے۔ آپ نے عبا پہنی ہوئی تھی اور اس کو آگے باندھا ہوا تھا جبریل امینؑ آئے اور عرض کیا یا نبی اللہ مالی اری ابابکر علیہ عباءۃ قد خللھا فی صدرہ بخلال۔ اے اللہ کے نبی۔ یہ کیا بات ہے کہ میں دیکھ رہا ہوں ابوبکر نے ایسی عبا پہنی ہوئی ہے جسے سامنے سے کانٹوں سے بخیہ کیا ہوا ہے۔ حضور نے فرمایا اس نے اپنا سارا مال مجھ پر خرچ کر دیا ہے۔ جبریل نے کہا اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کا سلام ابوبکر کو پہنچائیں اور ان سے پوچھیں کیا وہ اس فقر و تنگ دستی پر خوش ہیں یا ناراض۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق کو سلام پہنچایا اور یہ سوال پوچھا۔ اس پیکرِ تسلیم و رضا نے کتنا پیارا جواب دیا۔ عرض کیا ااسخط علی ربی۔ انی عن ربی لراض۔ انی عن ربی لراض۔ یعنی میں اپنے رب پر کیسے ناراض ہو سکتا ہوں میں اپنے رب سے راضی ہوں، میں اپنے رب سے راضی ہوں، میں اپنے رب سے راضی ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں تجھ پر راضی ہوں جس طرح تو مجھ پر راضی ہے۔ یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ رو پڑے۔ حضرت جبریل نے پھر عرض کیا یا رسول اللہ! اس خدا کی قسم جس خدا نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، تمام حاملینِ عرش اسی قسم کی عبائیں پہنے ہوئے ہیں اور اسی طرح سے خلال کیے ہوئے ہیں جس طرح کہ آپ کے اس یار نے کیا ہے۔ (قرطبی و دیگر کتبِ تفسیر)

۱۳؎ یہ فرما کر اس غلط فہمی کا ازالہ کر دیا کہ فتح مکہ کے بعد جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں مالی اور جانی قربانیاں دیں، وہ رائیگاں ہرگز نہیں گئیں بلکہ انہیں بھی اللہ تعالیٰ بہترین اجر عطا فرمائے گا۔ ان کو بھی مدارجِ عالیہ پر فائز کرے گا۔ حسنِ نیت کے مطابق ان کے اعمال کا انہیں ثواب ملے گا۔ کسی کی کوئی نیکی ضائع نہیں ہو گی۔ واللہ بما تعملون خبیر فرما کر قیامت تک آنے والے مخلصین کی دل جوئی فرما دی۔

۱۴؎ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی ترغیب ایک نئے انداز سے دی جا رہی ہے۔ فرمایا اللہ کی راہ میں جو مال تم

أَجْرٌ كَرِيمٌ ﴿١١﴾ يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعَىٰ نُورُهُم بَيْنَ

اسے شاندار اجر بھی ملے گا ۱۵؎ جس روز آپ دیکھیں گے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو کہ خوشخال کر رہا ہو گا ان کا نور ان کے

أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِم بُشْرَاكُمُ الْيَوْمَ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا

آگے بھی اور ان کی دائیں جانب بھی۔ (مومنو!) تمہیں مژدہ ہو آج ان باغوں کا بہہ رہی ہیں جن کے نیچے

الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١٢﴾ يَوْمَ يَقُولُ

نہریں تم ہمیشہ وہاں رہو گے۔ یہی وہ عظیم الشان کامیابی ہے ۱۶؎ اس روز کہیں گے

خرچ کرو گے اس کی حیثیت قرض کی ہو گی۔ جسے قرض دیا جاتا ہے اس پر لازم ہوتا ہے کہ وہ اس کو واپس ادا کرے۔ اسی طرح راہ خدا میں جو تم خرچ کرو گے وہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ قرض ہو گا۔ وہ اسے ضرور لوٹائے گا۔ یہاں ایک نکتہ غور طلب ہے۔ اللہ تعالیٰ کو مطلق قرض دینے کی ترغیب نہیں دلائی گئی بلکہ قرضِ حسنہ دینے کی ترغیب دلائی گئی ہے اور قرضِ حسنہ تب ہو گا جب اس میں بقول علامہ آلوسی مندرجہ ذیل شرائط پائی جائیں: حلال مال ہو، اعلیٰ درجہ کی چیز ہو، خود بھی اس کی اشد ضرورت ہو، پوشیدہ طور پر دے، احسان نہ جتائے، اذیت نہ پہنچائے، مقصد رضائے الٰہی ہو، جتنا بھی خرچ کرے اسے تھوڑا خیال کرے۔ ان آیات کو سن کر صحابہ کرام پر کیا اثر ہوتا تھا اس کا اندازہ آپ اس ایک واقعے سے لگا سکتے ہیں:

جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوالدحداح حاضرِ خدمت ہوئے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا اللہ تعالیٰ ہم سے قرض مانگتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا ہاں۔ وہ بولے اپنا دستِ مبارک مجھے دکھایئے۔ انہوں نے حضور کا ہاتھ پکڑا اور گزارش کی میں نے اپنا یہ باغ اللہ تعالیٰ کو قرض دیا۔ اس باغ میں کھجور کے چھ سو درخت تھے۔ ان کی بیوی اور بچے اسی میں رہائش پذیر تھے۔ حضرت ابوالدحداح یہ کرنے کے بعد اپنے باغ کی طرف آئے اور باہر کھڑے ہو کر اپنی بیوی کو آواز دی اے دحداح کی ماں! اس نے جواب دیا لبیک .. فرمایا اخرجی قد اقرضتہ ربی عزوجل۔ اس باغ سے بال بچے کر نکل آؤ۔ میں نے یہ باغ اپنے رب کو قرض دے دیا ہے۔ اس نیک بخت بیوی نے جب یہ سنا تو پکار اٹھیں۔ ربح بیعک یا ابا الدحداح۔ اے دحداح کے باپ تم نے بڑا نفع والا سودا کیا ہے۔ خود بھی باہر نکل آئیں۔ اپنے بال بچے اور ساز و سامان کو بھی وہاں سے نکال دیا۔ مکتبِ عشق و ایثار کے یہی وہ طلبہ تھے جن پر ان کے استاد کو بھی ناز تھا اور ان کے خالق کو بھی ناز تھا۔ ان کے کارناموں کے باعث انسانیت کا سر آج بھی اونچا ہے۔

۱۵؎ جو تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے اس کا بدلہ دس سے سات سو گنا تک ملے گا بلکہ اس سے بھی زیادہ اور اس کے علاوہ اجر عظیم بھی۔

۱۶؎ اہل ایمان قبروں سے نکل کر جب حشر کے میدان میں تشریف لائیں گے تو ان کی عجیب شان ہو گی۔ ان کے آگے

الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ

منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے ولے نیک بختو! ذرا ہمارا بھی انتظار کرو ہم بھی روشنی حاصل کرلیں تمہارے نور سے۔

قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ۭ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ

انہیں کہا جائے گا لوٹ جاؤ پیچھے کی طرف اور وہاں نور تلاش کرو۔ پس کھڑی کر دی جائے گی ان کے اور اہل ایمان کے درمیان

بھی نور ہوگا۔ ان کے دائیں جانب بھی نور ہوگا۔ یہ نور ہر شخص کی قوت ایمان اور اعمال حسنہ کے مطابق ہوگا۔ اس دنیا میں جس قدر کسی نے ایمان کی پختگی کا مظاہرہ کیا ہوگا جس قدر اس نے نیکیاں کی ہوں گی اسی نسبت سے اس کا نور ضوفشاں ہوگا۔ حدیث پاک میں ہے کہ بعض مومن ایسے ہوں گے جن کے نور سے مدینہ اور عدن کی طویل مسافت جگمگا رہی ہوگی۔ بعض کے نور سے مدینہ اور صنعاء کا درمیانی علاقہ روشن ہو رہا ہوگا بعض کا نور اس سے کم ہوگا اور بعض کے نور سے صرف ان کے قدم رکھنے کی جگہ روشن ہوگی۔

ان من المومنین من یضئ نورہ کما بین المدینۃ وعدن ابعابین المدینۃ وصنعاء ودون ذالک حتی یکون منھم من لا یضئ نورہ الا موضع قدمیہ۔ (قرطبی)

آیت کا مطلب یہ نہیں کہ صرف آگے اور دائیں طرف نور ہوگا اور بائیں طرف اور پیچھے اندھیرا ہوگا۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ نور تو آگے اور دائیں طرف ہوگا لیکن اس کی روشنی چاروں طرف ہوگی۔

حضرت ابو الدرداءؓ اور حضرت ابوذرؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا روز قیامت سب سے پہلے مجھے سجدہ کرنے کی اجازت دی جائے گی اور سب سے پہلے مجھے ہی سجدہ سے سر اٹھانے کا اذن ملے گا۔ میں آگے پیچھے دائیں بائیں دیکھوں گا اور ساری امتوں سے اپنی امت کو پہچان لوں گا۔ ایک آدمی نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی! امتوں کے اس ہجوم میں حضور اپنی امت کو کیسے پہچانیں گے۔ فرمایا اعرفھم محجلون من اثر الوضوء ولا یکون لاحد من الامم غیرھم واعرفھم یعطون کتبھم بایمانھم واعرفھم بسیماھم فی وجوھھم واعرفھم بنورھم یسعی بین ایدیھم۔ یعنی میں ان کو پہچان لوں گا ان کے ہاتھ اور پاؤں وضو کے اثر سے چمک رہے ہوں گے۔ یہ چیز کسی دوسری امت میں نہ پائی جائے گی۔ میں انہیں پہچان لوں گا کیونکہ ان کے نامہ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں دیے جائیں گے۔ میں ان کو اس نشانی سے پہچانوں گا جو ان کے چہروں میں ہوگی۔ میں انہیں اس نور سے پہچانوں گا جو ان کے سامنے ضوفشانی کر رہا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ہم غریبوں پر بھی یہ کرم فرمائے۔ آمین۔

بُشْرٰىكُمُ : فرشتے آگے بڑھ کر انہیں جنت کا مژدہ سنائیں گے۔

بَابٌ ؕ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ؕ ﴿۱۳﴾

ایک دیوار جس کا ایک دروازہ ہوگا۔ اس کے باطن میں رحمت اور اس کے ظاہر کی جانب عذاب ہوگا ؎۱۷

يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ

منافق پکاریں گے اہل ایمان کو کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے ؎۱۸ وہ کہیں گے بےشک! لیکن تم نے اپنے آپ کو خود فتنوں میں ڈال دیا اور

وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَ

(ہماری تباہی کا) انتظار کرتے رہے اور شک میں مبتلا رہے اور دھوکہ میں ڈال دیا تمہیں جھوٹی امیدوں نے یہاں تک کہ اللہ کا فرمان آپہنچا اور

غَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۱۴﴾ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ

دھوکہ دیا تمہیں اللہ کے بارے میں شیطان دغاباز نے ؎۱۹ پس آج نہ تم سے فدیہ قبول کیا جائے گا اور نہ

؎۱۷ منافق مرد اور منافق عورتیں جو اس دنیا میں اپنے آپ کو بڑے زیرک اور چالاک سمجھتے ہیں قیامت کے روز ان کی حالت دیدنی ہوگی۔ چاروں طرف گھپ اندھیرا، نجات کے سارے راستے بند۔ اس سراسیمگی اور بےچارگی کے عالم میں وہ اہل ایمان کو کہیں گے ذرا اپنی روشنی میں ہمیں بھی تو چلنے دو۔ ذرا اپنا نورانی چہرہ ہماری طرف بھی تو کرو شاید اس تاریکی سے ہم رستگاری حاصل کر سکیں۔ انہیں کہا جائے گا پیچھے لوٹ کر جاؤ اور وہاں سے نور تلاش کرو۔ جب وہ پیچھے مڑیں گے تو ان کے درمیان اور اہل ایمان کے درمیان ایک دیوار قائم کر دی جائے گی اس کے دروازوں کی اندرونی جانب جو جنت کی طرف ہوگی وہ رحمت والی ہوگی اور باہر والی جانب جو دوزخ کی طرف ہوگی وہ عذاب والی ہوگی۔

؎۱۸ جب دیوار چن دی جائے گی تو اہل جنت منافقوں کی نظروں سے اوجھل ہو جائیں گے تو وہ زور زور سے انہیں پکاریں گے اے بندگان خدا! اے غلامان مصطفیٰ! کیا دنیا میں ہم تمہارے ساتھ نہیں رہتے تھے۔ ہم تو آپس میں بڑے گہرے دوست بھی تھے۔ باہمی رشتہ داریاں بھی تھیں۔ آج ہم سے تم نے یوں منہ موڑ لیا جیسے کبھی شناسائی ہی نہ تھی۔

؎۱۹ اہل ایمان انہیں جواب دیں گے بےشک تم بظاہر ہمارے ساتھ تھے لیکن تمہیں خوب علم ہے کہ تمہارے باطن میں کیا پنہاں تھا۔ یہاں منافقین کی ان خصلتوں کا ذکر ہو رہا ہے جو ان کی تباہی کا باعث بنیں۔ ہمیں بھی چاہیے کہ ان کلمات میں سنجیدگی سے غور کریں اور پھر اپنا جائزہ لیں کہ کہیں منافقین کی کوئی خصلت ہم میں تو نہیں پائی جاتی۔

پہلی بات جو منافقین کو کہی جائے گی وہ یہ ہے فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ۔ علامہ راغب اس کا معنی کرتے ہیں اوقعتموها في بلية وعذاب۔ یعنی تم نے اپنے نفسوں کو ابتلاء اور عذاب میں پھینک دیا۔ صاحب لسان العرب لکھتے ہیں استملتموها في الفتن۔

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ۭ هِيَ مَوْلٰىكُمْ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۱۵

کفار سے۔ تم (سب) کا ٹھکانا آتش (جہنم) ہے۔ وہ تمہاری رفیق ہے اور بہت بُری جگہ ہے لوٹنے کی ۲۰

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ

کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا اہل ایمان کے لیے کہ جھک جائیں ان کے دل یاد الٰہی کے لیے اور اس سچے کلام

تم نے اپنے آپ کو فتنہ و فساد کی آگ بھڑکانے میں استعمال کیا۔ منافقین دنیا میں اسی طرح زندگی بسر کرتے رہے۔ اسلام پر جب بھی کوئی کٹھن گھڑی آئی تو انہوں نے اسلام کی مشکلات میں اضافہ کرنے میں اپنے سارے وسائل صرف کر دیے۔ . . . دوسری بات جو انہیں کہی جائے گی وہ یہ ہے وتربصتم۔ یعنی کفر و اسلام کی کشمکش جب عروج پر تھی تمہارا فرض تھا کہ تم نتائج سے بے پروا ہو کر اپنی قسمت اسلام کے ساتھ وابستہ کر دیتے۔ توحید و رسالت کی جو شہادت تم نے زبان سے دی تھی تم پر لازم تھا کہ اپنے عمل سے اس کو سچا کر دکھلاتے لیکن تم انتظار کرتے رہے کہ دیکھیے اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ پانسہ کس کے حق میں پلٹتا ہے۔ عشق اور مصلحت بینی، ایمان اور موقع پرستی دو متضاد چیزیں ہیں۔ تربص کا ایک معنی ذخیرہ اندوزی بھی کیا گیا ہے۔ لسان العرب میں ہے المتربص: المحتکر۔ علامہ جوہری بھی کہتے ہیں المتربص: المحتکر (صحاح) ذخیرہ اندوزی کرنے والا اس انتظار میں رہتا ہے کہ جب جنس بازار میں نایاب ہو جائے اور اس کا نرخ بڑھ جائے اس وقت وہ اسے فروخت کرے۔

تیسرا نقص جس میں وہ ملوث تھے وہ ارتبتم سے بیان کیا گیا۔ یعنی ساری عمر تم شک میں مبتلا رہے۔ اسلام قبول کرنے سے جو یقین اور اذعان دل میں پیدا ہو جاتا ہے اس سے تم محروم تھے۔ کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم واقعی اللہ کے رسول ہیں، کیا قرآن واقعی اللہ کا کلام ہے۔ کیا قرآن کی یہ بات سچی ہے کہ اللہ کی راہ میں جو لوگ جان دے دیتے ہیں وہ سرجدا ہونے کے باوجود مردہ نہیں بلکہ زندۂ جاوید ہیں۔ اسلام کی سربلندی کے لیے مال خرچ کرنے سے انسان مفلس و نادار نہیں ہوتا بلکہ تونگر و غنی بن جاتا ہے۔ یہ ساری باتیں تھیں جنہیں تم شک کی نظر سے دیکھتے رہے اور اسی شک کے باعث تم اس عزیمت سے عمر بھر محروم رہے جو بندہ مومن کی خصوصیت ہے۔ آخر میں انہیں بتایا کہ جھوٹی امیدوں اور کھوکھلی توقعات نے تمہیں ہمیشہ دھوکا میں رکھا۔ شیطان بھی تمہیں گناہوں پر اکساتا رہا۔ اس کی طفل تسلیوں پر تم یوں مگن رہے کہ اپنی اصلاح کا تمہیں کبھی خیال ہی نہ آیا۔ یہاں تک کہ موت نے تمہارا رشتۂ حیات کاٹ کر رکھ دیا۔ غرور سے مراد شیطان ہے۔

۲۰۔ کفار اور منافقین دونوں ایمان سے محروم ہوتے ہیں۔ اس لیے دونوں کی سزا کی نوعیت یکساں ہے۔ نہ اس کے لیے بخشش ہے نہ اس کے لیے مغفرت۔ هی مولٰىكم ای هی اولٰى بکم: یعنی تمہارے لیے آگ ہی مناسب مقام ہے۔

مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ

کے لیے جو اترا ہے [۲۱] اور نہ بن جائیں ان لوگوں کی طرح جنہیں کتاب دی گئی اس سے پہلے پس لمبی

[۲۱] یأن ، اس کے دو مادے ہیں اور معنی دونوں کا ایک ہی ہے۔ آنٰی یانی اور ان یئین ۔ دونوں کا معنی قرب حان ہے۔ قریب ہونا، نزدیک ہونا۔

جب تک دل میں کمالِ عجز و نیاز پیدا نہ ہو نہ ایمان کا لطف آتا ہے نہ عبادات میں مزہ آتا ہے۔ جب تک دل اس احساس سے لبریز نہ ہو کہ کہاں خالقِ ارض و سما اور کہاں یہ بندۂ حقیر و بے نوا، اس کی شان کبریائی اور اس کے عظمت و جلال پر جب نگاہیں جم کر رہ جاتی ہیں اس وقت نہ اپنی ذات نظر آتی ہے نہ اپنی حسنات ۔ اسی وقت دل میں دردِ محبت اٹھتا ہے۔ اسی وقت آنکھیں اشکبار ہوتی ہیں۔ یہی وہ گھڑی ہوتی ہے جب اس پر احسان کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔

صحابہ کرام کی نمازیں، ان کی عبادتیں، ان کی تلاوتیں ہمیشہ اس رنگ میں رنگی ہوئی ہوتی تھیں۔ اس ارشاد سے اسی نعمت کے حصول کی طرف متوجہ کیا جا رہا ہے۔ اس آیت کی تاثیر سے کئی گم کردہ راہ، راہِ ہدایت پر گامزن ہو گئے۔ کئی غفلت میں ڈوبے ہوئے ذکر و فکر کی لذتوں سے آشنا ہو گئے اور کئی مہجورِ فراق کے ملنے مژدۂ وصال سے بہرہ ور ہو گئے۔ حضرت فضیل ابن عیاض علماء و صوفیاء دونوں گروہوں کے سرخیل ہیں۔ ان کی تقدیر کو اسی آیت نے بدل دیا۔ جوانی کے ایام میں ایک عورت کے دامِ عشق میں اسیر ہو گئے۔ بڑی مشکل سے اس نے ایک رات ملاقات کی اجازت دی۔ وقتِ مقررہ پر وہ شوق سے وارفتہ قدم اٹھاتے ادھر جا رہے تھے کہ کہیں سے یہ صدا فردوسِ گوش بنی۔ کوئی پڑھ رہا تھا۔ الم یأن للذین امنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللّٰہ۔ یہ سنتے ہی ان کے قدم رک گئے۔ ہوا و ہوس کا جو طوفان اُمڈ آیا تھا وہ سہم گیا۔ اسی وقت واپس مڑ گئے اور سچے دل سے توبہ کی اور مقامِ ولایت پر فائز ہوئے۔

احمد ابن ابی الحواری کہتے ہیں میں بصرہ کی ایک سڑک پر جا رہا تھا کہ میں نے ایک خوفناک چیخ سنی۔ مڑ کر دیکھا تو ایک شخص کو بے ہوش گرا ہوا پایا۔ میں نے پوچھا کیا معاملہ ہے۔ لوگوں نے بتایا کوئی شخص یہ آیت پڑھ رہا تھا الم یأن الخ۔ اس آدمی نے جب یہ آیت سنی تو غش کھا کر زمین پر گر پڑا۔ ہم آپس میں یہ باتیں کر رہے تھے کہ وہ آدمی ہوش میں آگیا اور یہ اشعار پڑھنے لگا۔

اما آن الھجران ان یتصرما   وللغصن غصن البان ان یتبسما

وللعاشق الصب الذی ذاب وانحنٰی   الم یأنِ ان یبکی علیہ ویرحما

یعنی کیا ابھی ہجر کے خاتمہ کا وقت نہیں آیا۔ کیا ابھی وہ گھڑی نہیں آئی جبکہ بان کی ٹہنی مسکرانے لگے۔ کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ عاشقِ محب جو گل گیا ہے اور جھک گیا ہے اس پر رحم کیا جائے۔ یہ اشعار پڑھے، پھر غش کھا کر گرا اور محبوبِ حقیقی کے وصال سے مشرف ہو گیا۔

اسی لیے مرشد اپنے مرید کو ایسا وظیفہ تلقین کرتا ہے جس سے دل میں گداز پیدا ہو۔ دل کی سختی دُور ہو جائے۔ انسان اپنی

عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ اِعْلَمُوْۤا اَنَّ

مدت گزر گئی ان پر تو سخت ہو گئے ان کے دل اور ایک کثیر تعداد ان میں سے نافرمان بن گئی ۲۲؎ جان لو!

اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ

اللہ تعالیٰ زندہ کر دیتا ہے زمین کو اس کے مرنے کے بعد۔ ہم نے کھول کر بیان کر دی ہیں تمہارے لیے (اپنی) نشانیاں تاکہ تم

تَعْقِلُوْنَ ۝ اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَ الْمُصَّدِّقٰتِ وَ اَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا

سمجھو ۲۳؎ بے شک صدقہ دینے والے اور صدقہ دینے والیاں اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو قرضہ

حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَ لَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ۝ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ

حسنہ دیا کئی گنا بڑھا دیا جائے گا ان کے لیے (ان کا مال) اور انہیں فیاضانہ اجر ملے گا۔ اور جو لوگ ایمان لائے اللہ اور اس کے

عاجزی اور اپنے محبوب حقیقی کی عظمت اور جلالتِ شان سے پوری طرح آگاہ ہو جائے تاکہ بارگاہِ صمدیت سے جب انوار و تجلیات الطاف و احسانات کی بارش برسے تو اسے وہ اپنا کمال یا استحقاق نہ سمجھے بلکہ اسے محض اپنے مولائے کریم کا لطف و احسان یقین کرے۔ یہی کمال بندگی ہے۔ یہی معراجِ عبدیت ہے۔ ایاک نعبد وایاک نستعین میں سالکِ راہ کو اسی کی تلقین کی گئی ہے۔

۲۲؎ موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام سے جن لوگوں نے براہِ راست فیضان حاصل کیا تھا' ان کے دلوں میں عجز و نیاز پیدا ہو گیا تھا۔ لیکن جب عرصہ دراز گزر گیا' عہدِ رسالت کے برکات اور اثرات آہستہ آہستہ ماند پڑتے گئے تو بعد میں آنے والے لوگوں کے دل سخت ہوتے گئے' فسق و فجور کی طرف طبیعت راغب ہوتی گئی۔ اپنے آباء و اجداد کی انابت و انقیاد کی راہ کو دشوار اور پُر خار خیال کر کے انہوں نے ترک کر دیا اور گناہوں کی رنگیلی دنیا میں کھو کر رہ گئے۔

۲۳؎ خوب جان لو اللہ تعالیٰ مردہ زمینوں پہ ابرِ رحمت برساتا ہے اور انہیں زندہ کر دیتا ہے۔ اسی طرح دل کی بنجر زمینوں پر جب کسی اللہ کے مقبول بندے کی نظرِ رحمت پڑتی ہے تو وہاں بھی ذکر و عبادت کے گلستان آباد ہو جاتے ہیں' یادِ الٰہی کے پھول کھلنے لگتے ہیں اور انوار کی تجلیاں مسکرانے لگتی ہیں۔ ؎

دمِ عارف نسیمِ صبحدم ہے

اسی سے ریشۂ معنی میں نم ہے

اگر کوئی شعیب آئے میسّر

شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

رُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۖ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ لَهُمْ

رسولوں پر۔ وہی (خوش نصیب) اللہ کی جناب میں صدیق اور شہید ہیں۔ ان کے لیے (مخصوص)

اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

اجر اور ان کا مخصوص نور ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہی لوگ تو

الْجَحِيْمِ ۝ اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّ

دوزخی ہیں۔ خوب جان لو! کہ دنیوی زندگی محض کھیل، تماشا اور (سامانِ) آرائش ہے اور

تَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِى الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ؕ كَمَثَلِ غَيْثٍ

آپس میں (حسب ونسب پر) اترانا اور ایک دوسرے سے زیادہ مال اور اولاد حاصل کرنا ہے ۲۴؎ اس کی مثال یوں سمجھیے

۲۴؎ لوگ دنیوی زندگی پر اس قدر فریفتہ ہیں کہ انہیں اپنی عاقبت سنوارنے کی فرصت ہی نہیں ملتی۔ وہ اس کے لیے بڑی بڑی تکلیف بخوشی برداشت کرتے ہیں۔ اس کے لیے قانون شکنی، ملت فروشی، وطن سے غداری کے ارتکاب سے بھی باز نہیں آتے۔ اس آیت میں ان کی اس کم ظرفی اور کم عقلی پر انہیں متنبہ فرمایا جا رہا ہے۔ دنیوی زندگی کے دامن میں جو رنگین کھلونے ہیں، ان میں سے ایک ایک کا ذکر کر دیا اور پھر انسان کو جھنجھوڑا اور اس سے دریافت کیا کہ ان کھلونوں میں سے کوئی کھلونا اتنا قیمتی ہے کہ اسے اس کی زندگی کا حاصل قرار دیا جا سکے۔ اگر نہیں تو پھر قرینِ دانش مندی یہ ہے کہ وہ اپنے طرزِ عمل پر نظرِ ثانی کرے۔ فرمایا دنیوی زندگی عبارت ہے لہو و لعب سے جو بچوں کا کام ہے۔ زینت و آرائش سے جو عورتوں کا شیوہ ہے، تفاخر و تکاثر سے جس میں احمق اور نادان ہی اپنے آپ کو مشغول رکھ سکتا ہے۔

اے بندۂ مومن تیری زندگی بڑی قیمتی ہے۔ اسے بچوں کی طرح لہو و لعب میں برباد مت کر۔ تیری ذات خود بڑی ہی حسین و جمیل ہے۔ تجھے ان عارضی آرائشوں کی کیا ضرورت ہے۔ ؎

حاجتِ مشاطہ نیست روئے دل آرام را

تجھے اپنے آباء و اجداد پر اپنے حسب و نسب پر فخر کرنا زیب نہیں دیتا۔ تجھے ہر وقت اپنے اعمالِ حسنہ میں اضافہ کی طرف متوجہ رہنا چاہیے تاکہ تیرے حسنِ عمل سے تیری ذات ہی نہیں، تیری بستی ہی نہیں، بلکہ تیرا سارا ملک اور بنی نوعِ انسان اس سے فیض یاب ہوتے رہیں۔ دولت کے انبار اور اولاد کی کثرت انسان کی عزت میں اضافہ نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ کی جناب میں وہی معزز و مکرم ہوتا ہے جس کا ظاہر و باطن تقویٰ کے نور سے جگمگا رہا ہو۔ اس کے علاوہ یہ ساری چیزیں فانی ہیں۔ "چار دن کی چاندنی اور پھر اندھیری رات ہے"۔

أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ ثُمَّ يَهِيجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُونُ حُطَامًا ۖ

بادل برسے اور (حسبِ) حال کر دے کسانوں کو اس کی (شادابی) سر سبز کھیتی پھر وہ (کیا یک) سوکھنے لگ جاتی تو تُو دیکھے گا اس کا رنگ زرد پڑ گیا ہے پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے ۲۵

وَفِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَمَغْفِرَةٌ مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٌ ۚ وَ

اور دنیا پرستوں کے لیے آخرت میں سخت عذاب ہو گا اور خدا پرستوں کے لیے اللہ کی بخشش اور (اس کی) خوشنودی ہو گی ۲۶

مَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ ۝ سَابِقُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِنْ

اور نہیں ہے دنیوی زندگی مگر زا دھوکہ ۲۷ تیزی سے آگے بڑھو اپنے رب کی مغفرت

انسان کو چاہیے کہ اپنے عمل سے ایسے چراغ روشن کرے جن سے وہ اندھیری رات منور ہو جائے۔ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بڑی پیاری حدیث ہے۔ ارشاد ہے۔ من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ کہ مسلمان کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ ہر غیر ضروری چیز کو نظر انداز کرتا چلا جائے۔

۲۵ دنیوی زندگی کی حقیقت کو ایک مثال کے ذریعہ واضح کیا جا رہا ہے۔ بارش برستی ہے تو فصلیں لہلہانے لگتی ہیں۔ ان کی سرسبزی اور شادابی کو دیکھ کر ان کا مالک خوشی سے پھولے نہیں سماتا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کی تازگی ماند پڑنے لگتی ہے۔ وہ خشک ہونے لگتی ہے۔ پھر اس کا رنگ زرد پڑ جاتا ہے۔ پھر وہ ریزہ ریزہ ہو کر گر پڑتی ہے۔ یہی حال انسان کی دنیوی زندگی کا ہے۔ جب عہدِ شباب کا آغاز ہوتا ہے تو انسان کا چہرہ دلکش، جسم قوت و توانائی سے بھرپور، انگ انگ سے زندگی پھوٹ پھوٹ کر باہر نکل رہی ہوتی ہے۔ جب جوانی بڑھاپے کی طرف بڑھتی ہے تو رنگت بدل جاتی ہے۔ چہرے پر جھریاں نمودار ہو جاتی ہیں۔ ہاتھ پاؤں میں خارا شگافی کی قوت باقی نہیں رہتی۔ دل میں شیر افگنی کے ولولے سرد پڑ جاتے ہیں۔ آخر کار ضعف کی وجہ سے بستر پر پہلو بدلنا دشوار ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ موت کا جھونکا اس کے چراغِ زیست کو ہمیشہ کے لیے بجھا دیتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس کے سارے ٹھاٹھ باٹھ، عزت و احتشام اور کروفر کا جنازہ اٹھ جاتا ہے۔ اسی طرح دنیوی زندگی میں اگر وہ رنج و الم میں مبتلا رہا تو اس کا خاتمہ بھی ہو جاتا ہے۔

۲۶ لیکن آخرت کی خوشیاں بھی ابدی ہیں اور رنج و غم بھی ہمیشہ رہنے والا ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو دنیوی زندگی کی فانی لذتوں اور عزتوں سے کنارہ کش ہو کر اپنی اخروی زندگی کو ہمیشہ باقی رہنے والی خوشیوں اور مسرتوں سے مالا مال کر لیتے ہیں اور کتنے بدبخت ہیں وہ لوگ جنہوں نے دنیا کی عارضی خوشیوں کے بدلے اپنے لیے جہنم میں ابدی ٹھکانا بنا لیا۔

۲۷ جو لوگ دنیا کی نعمتوں سے اپنی آخرت کو نہیں سنوارتے ان کے لیے دنیا کے ساز و سامان میں دھوکا اور فریب کے سوا کچھ نہیں۔

رَبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ

کی طرف اور اس جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمان اور زمین کی چوڑائی کے برابر ہے۔ جو تیار کر دی گئی ہے

لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

ان کے لیے جو ایمان لے آئے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر۔ یہ اللہ کا فضل (وکرم) ہے عطا فرماتا ہے جس کو چاہتا ہے۔

وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝٢١ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي

اور اللہ تعالیٰ بڑا ہی فضل فرمانے والا ہے ۲۸ نہیں آئی کوئی مصیبت زمین

الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ

پر اور نہ تمہاری جانوں پر مگر وہ لکھی ہوئی ہے کتاب میں اس سے پہلے کہ ہم ان کو پیدا کریں

اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝٢٢ ۙ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا

بے شک یہ بات اللہ کے لیے بالکل آسان ہے۔ (ہم نے تمہیں یہ اس لیے بتا دیا ہے) کہ تم غمزدہ نہ ہو اس چیز پر جو تمہیں نہ ملے اور نہ اترانے لگو

بِمَآ اٰتٰىكُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ ۝٢٣ ۙ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ

اس چیز پر جو تمہیں مل جائے۔ اور اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا کسی مغرور، شیخی باز کو ۲۹ جو لوگ خود بھی بخل کرتے ہیں

۲۸ دنیا کے طلب گاروں کے درمیان مقابلہ کی دوڑ جاری ہے۔ ہر ایک دوسرے سے اس میدان میں گوئے سبقت لے جانا چاہتا ہے۔ دوسروں سے زیادہ مال جمع کرنے اپنے قصر کو زیادہ سے زیادہ عالیشان اور آراستہ کرنے میں محو ہے۔ اے آخرت کے طلب گارو! تم اللہ تعالیٰ کی مغفرت حاصل کرنے کے لیے دوسروں سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ وسیع و عریض جنت جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کے لیے آراستہ کر رکھا ہے اس کی بہاریں تمہارے لیے چشم براہ ہیں۔ وہاں کی حوریں پھولوں کے گجرے پروئے تمہاری راہ دیکھ رہی ہیں۔ کوشش کرنا تمہارا کام ہے۔ منزل مقصود تک پہنچانا اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان پر موقوف ہے۔ جو سچے دل سے اس کی راہ طلب میں چل پڑتے ہیں، جو خلوص سے اس کی خوشنودی کے طلبگار ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی رحمت انہیں مایوس نہیں کرتی۔ اس کا فضل عظیم ہے۔ اس کی نعمتیں بے کراں ہیں۔

۲۹ عام انسانوں کا یہ وتیرہ ہے کہ جب مصیبتیں انہیں چاروں طرف سے گھیر لیتی ہیں تو وہ دل شکستہ اور مایوس ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اپنی قسمت کو کوستے ہیں گردش روزگار کو گالیاں سناتے ہیں اور حوصلہ ہار بیٹھتے ہیں، لیکن جب حالات سازگار ہوتے ہیں

وَيَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ

اور لوگوں کو بھی بخل کا حکم دیتے ہیں۔ اور جو (اللہ کے حکم سے) روگردانی کرے تو بے شک اللہ ہی بے نیاز، ہر تعریف

الْحَمِيْدُ ﴿۲۴﴾ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ

کا مستحق ہے ۳۵۔ یقیناً ہم نے بھیجا ہے اپنے رسولوں کو روشن دلیلوں کے ساتھ اور ہم نے اتاری ہے ان کے ساتھ کتاب

وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ

اور میزان (عدل) تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔ اور ہم نے پیدا کیا لوہے کو اس میں بڑی قوت

کاروبار میں نفع ہوتا ہے کھیتی باڑی اور باغات سے خوب آمدنی ہوتی ہے تو پھر خوشی سے پھولے نہیں سماتے۔ یہ خیال کرنے لگتے ہیں کہ یہ سب ان کے طالع ارجمند کی برکت ہے۔ وہ خود بڑے زیرک اور معاملہ فہم ہیں۔ کاروبار اور زراعت کے اسرار و رموز پر انہیں کامل دسترس حاصل ہے۔ یہ ساری کامیابیاں ان کی اپنی ذہانت اور ہوش مندی کا نتیجہ ہیں۔

یہ دونوں حالتیں انسان کے لیے انتہائی خطرناک ہیں۔

ان آیات میں اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ جو مصیبت تم پر آئی ہے اس سے کوئی مفر نہ تھا تمہارے پیدا ہونے سے پہلے یہ تمہارے مقدر میں لکھا جا چکا تھا۔ اس لیے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہو اور اپنی جدوجہد کو جاری رکھو اور جو نعمتیں تمہیں بخشی گئی ہیں وہ بھی تمہارے پیدا ہونے سے پہلے تمہاری تقدیر میں رقم ہو گئی تھیں۔ ان پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو تاکہ وہ اپنے احسانات سے تمہیں ہمیشہ بہرہ ور رکھے۔ مختال: اس متکبر کو کہتے ہیں جو اپنی ذاتی خوبی اور کمال پر فخر و ناز کرے اور فخور اس متکبر کو کہتے ہیں جو اپنے جاہ و منصب یا مال و دولت پر گھمنڈ کرے۔

۳۵۔ اس سورت کی ابتداء سے اہل ایمان کو اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی ترغیب دلائی جا رہی ہے۔ بعض لوگ ایسے بھی تھے جن کے دلوں میں کھوٹ تھا۔ وہ اسلام کے لیے اپنا مال خرچ کرنا گھاٹے کا سودا خیال کرتے تھے۔ صرف خود ہی بخل سے کام نہیں لیتے تھے بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی کہتے تھے کہ تم کیوں ایک ایسے مقصد کے لیے گاڑھے پسینہ کا کمایا ہوا مال پانی کی طرح خرچ کرتے ہو جس کا مستقبل خطرات سے لبریز ہے۔ تمہیں اپنے بال بچے کا بھی خیال کرنا چاہیے۔ تمہاری اپنی بھی بیسیوں ضرورتیں ہیں۔ آخر یہ کہاں کی عقل مندی ہے کہ جب بھی تمہیں مال خرچ کرنے کی دعوت دی جاتی ہے تو اپنے گھر کا سارا اثاثہ اٹھا کر ان کے قدموں میں ڈھیر کر دیتے ہو۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے لیے فرماتے ہیں کہ یہ لوگ جو خود بھی بخیل ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کا سبق دیتے ہیں اللہ تعالیٰ کو ان کی قطعاً پروا نہیں۔ یہ اپنی دولت اپنے پاس رکھیں۔ اللہ تعالیٰ غنی ہے اور حمید ہے۔ وہ اپنے بھرے ہوئے خزانوں سے اپنے محبوب کی امداد فرمائے گا اور اسلام کی ضرورتوں کو پورا کرے گا۔

شَدِيدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ

ہے اور طرح طرح کے فائدے ہیں لوگوں کے لیے ۱۳۱ اور یہ سب اس لیے تاکہ دیکھ لے اللہ تعالیٰ کون مدد کرتا ہے اس کی اور اس کے رسولوں کی بن دیکھے

۱۳۱ اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے بڑی وضاحت سے انبیاء کی بعثت کے مقاصد کو ذکر فرمایا ہے۔ پہلے فرمایا کہ ہم جن رسولوں کو دعوتِ حق پہنچانے کے لیے مبعوث فرماتے ہیں انہیں ایسے روشن معجزات عطا کیے جاتے ہیں جن سے ہر کس وناکس پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ خود بخود ناصح بن کر نہیں آگئے بلکہ انہیں بھیجنے والے نے بھیجا ہے۔ عقائد واعمال کی اصلاح کے لیے جو یہ کوششیں کر رہے ہیں یہ ان کا خود ساختہ پروگرام نہیں بلکہ یہ پروگرام اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے تجویز فرمایا ہے اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ ہم انہیں اس دعوت کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لیے اور اس انقلاب کو پوری طرح برپا کرنے کے لیے چند خصوصی نعمتیں عطا فرماتے ہیں۔

کتاب، میزان اور حدید۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ کتاب سے مراد وہ وحی ہے جو ہر پیغمبر پر نازل ہوتی ہے جس میں عقائدِ صحیحہ اور اعمالِ حسنہ کی پوری تفصیل موجود ہوتی ہے۔ الکتاب هو النقل الصحیح۔ اور میزان کے متعلق لکھتے ہیں کہ اس سے مراد عدل ہے۔ قتادہ اور مجاہد نے اس کی تشریح یوں کی ہے۔ وهو الحق الذی تشهد به العقول الصحیحة المستقیمة المخالفة للآراء السقیمة۔ یعنی اس سے وہ حق مراد ہے جس پر عقل صحیح اور فہم سلیم گواہی دیتی ہے۔ جو مریض افکار کے مخالف ہوا کرتا ہے اور حدید سے مراد وہ قوت ہے جو منکرین حق اور معاندین کو کج روی سے باز رکھنے کے کام آتی ہے۔ ای رادعا لمن ابی الحق وعانده بعد قیام الحجة علیه (ابن کثیر)

اور ان چیزوں کی غرض وغایت یہ بیان کر دی لیقوم الناس بالقسط کہ لوگ عدل اور انصاف پر قائم ہو جائیں۔

کسی معاشرہ میں عدل کے قیام کی یہی صورت ہے کہ حقوق اللہ بھی پوری طرح ادا کیے جائیں، یعنی اس کی توحید کا اقرار کیا جائے کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ اس کی عبادت میں کوتاہی نہ کی جائے۔ زندگی گزارنے کے لیے جو اصول اس نے مقرر فرمائے ہیں ان کی بجا آوری میں غفلت نہ برتی جائے۔ اسی طرح حقوق العباد کا بھی پورا پورا لحاظ رکھا جائے۔ کسی کا حق تلف نہ کیا جائے۔ کسی پر زیادتی نہ کی جائے۔ کسی کے جان، مال اور آبرو پر دست درازی نہ کی جائے۔ انفرادی طور پر اور اجتماعی طور پر عدل وانصاف کو بروئے کار لایا جائے اور اگر باہمی تنازعہ پیدا ہو جائے تو اس کا تصفیہ اس میزان یعنی عقل سلیم کے مطابق کیا جائے جسے حق وباطل میں امتیاز کی صلاحیت بخشی گئی ہو اور اگر حق وانصاف کے سامنے کوئی شخص سرِ تسلیم خم نہیں کرتا۔ روشن اور واضح دلائل وبراہین کے بعد بھی باطل سے چمٹا رہتا ہے اور حق کو نیچا دکھانے کے لیے کوشاں رہتا ہے تو اس وقت اس کی سرکوبی کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء اور رسل کو لوہے کا ڈنڈا بھی عطا فرمایا ہے جس کی ایک ضرب اچھے اچھے بد دماغوں کا دماغ درست کر سکتی ہے۔ اللہ کا رسول صرف حق سنانے کے لیے نہیں آتا بلکہ حق کو پھیلانا اور اس کی بالادستی کو قائم کرنا بھی اس کے فرائض میں داخل ہوتا ہے۔ لیظهره علی الدین کله کی شان کا وہ مظہر بن کر آتا ہے۔ ابتداء میں وہ مخالفین کی سختیوں کو برداشت کرتا ہے۔ شب وروز اس کے پیشِ نظر ایک ہی مقصد ہوتا ہے کہ حق واضح ہو جائے، حق کی حقانیت میں کوئی شک وشبہ نہ رہے۔ اس کے لیے اسے دار ارقم میں بھی ٹھہرنا پڑتا ہے شعبِ ابی طالب

إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿۲۵﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا وَإِبْرَاهِيمَ وَجَعَلْنَا فِي

یقیناً اللہ تعالیٰ بڑا زور آور (سب پر) غالب ہے ۳۲ اور ہم نے نوح اور ابراہیم (علیہما السلام) کو پیغمبر بنا کر بھیجا اور ہم نے رکھ دی

ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ فَمِنْهُم مُّهْتَدٍ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ ﴿۲۶﴾

ان دونوں کی نسل میں نبوت اور کتاب پس ان میں سے چند تو ہدایت یافتہ ہیں اور ان میں بہت سے نافرمان ہیں۔

ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَآتَيْنَاهُ

پھر ہم نے ان کے پیچھے انہیں کی راہ پر اور رسول بھیجے اور ان کے پیچھے عیسیٰ ابن مریم کو اور انہیں انجیل

الْإِنجِيلَ وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً وَرَحْمَةً

عطا فرمائی ۔ اور ہم نے رکھ دی ان لوگوں کے دلوں میں جو عیسیٰ کے تابعدار تھے، شفقت اور رحمت ۳۳

میں بھی کئی سال بسر کرنے پڑتے ہیں۔ طائف کی سڑکوں پر بھی لوگوں کی سنگباری کا منظر دیکھنا پڑتا ہے لیکن جب وہ حق کو الم نشرح کرنے کا فریضہ انجام دے چکتا ہے اور اتمام حجت کر چکتا ہے تو پھر بدر، خندق، خیبر کے معرکوں میں وہ اپنی تلوار کو بھی بے نیام کرتا ہے تاکہ شرکے گم لوگوں کا سرغرور خاک میں ملائے اور حق کا بول بالا کرے۔

لوہے کے متعلق فرمایا اس میں جنگی قوت بھی ہے اور اس کے علاوہ انسانی معاشرہ کو بام عروج پر پہنچانے میں بھی اس کو بڑا دخل ہے۔

۳۲ ؎ اس جگہ لِيَعْلَمَ کا معنی لِيَرَىٰ ہے۔ یعنی تاکہ اللہ تعالیٰ دیکھ لے اور یا اس علم سے مراد وہ علم ہے جس پر جزا و سزا کا دارو مدار ہے۔ ویسے تو اللہ تعالیٰ کو کائنات کے پیدا کرنے سے پہلے ہی کائنات کا تفصیلی علم ہے۔ اس کو اپنے تمام بندوں کے بارے میں یہ علم ہے کہ جب وہ پیدا ہوگا تو کیا کیا اچھا یا برا عمل کرے گا، لیکن اس علم ازلی پر انسان کو جزا یا سزا نہیں دی جاتی بلکہ جب انسان پیدا ہوتا ہے اور عقل و بلوغ کی منزل پر پہنچ جاتا ہے تو جو نیک یا بد کام وہ کرتا ہے اس کے مطابق وہ جزا یا سزا کا مستحق قرار پاتا ہے۔ جب وہ ایسے کام کر رہا ہوتا ہے تو اس وقت بھی اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ فلاں شخص یہ کام کر رہا ہے۔ لیعلم اللہ میں اسی علم کی طرف اشارہ ہے۔ مختلف مقامات پر پہلے بھی اس لفظ کی تشریح گزر چکی ہے۔

۳۳ ؎ قفا: گردن کے پچھلے حصے گدی کو کہتے ہیں۔ اسی سے فعل قَفَّيْنَا ہے جس کا معنی ہے پیچھے پیچھے چلانا۔ آثار اس راستے کو کہتے ہیں جس سے آگے جانے والوں کا سراغ لگتا ہے۔ يقال الطريق المستدل به على من تقدم آثار (مفردات)

وَرَهْبَانِيَّةً ۨابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ

اور رہبانیت کو انہوں نے خود ایجاد کیا تھا ہم نے اسے ان پر فرض نہیں کیا تھا البتہ انہوں نے رضائے الٰہی کے حصول کے لیے اسے اختیار کیا تھا

اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ

پھر اسے وہ نباہ نہ سکے جیسے اس کے نباہنے کا حق تھا۔ ؎۲۴ پس ہم نے عطا فرمایا جو ان میں سے ایمان لے آئے تھے ان کے حسن عمل اور حسن نیت کا اجر

ارشاد ہے ان انبیا کے بعد ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھیجا۔ انہیں انجیل جیسی کتاب مرحمت فرمائی۔ آپ کیونکہ سراپا رافت وشفقت تھے اس لیے ان کے سچے تابعداروں میں یہی صفات نمایاں طور پر موجود تھیں۔

؎۲۴ یہاں سے ایک نہایت اہم مضمون شروع ہوتا ہے جس میں کلیسا کی ساری تاریخ سمو دی گئی ہے، اس لیے اس کو سمجھنے کے لیے خصوصی توجہ اور محنت کی ضرورت ہے۔ پہلے تو ہم یہ سمجھنے کی کوشش کریں گے کہ اس آیت کا لفظی ترجمہ کیا ہے۔ پھر لفظ رہبانیت کی لغوی اور اصطلاحی تشریح کریں گے۔ اس کے بعد یہ بتائیں گے کہ رہبانیت کی ابتداء کس نے کی اور کن حالات میں ہوئی۔ بعد ازاں اس میں جو طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہوئیں اور جس طرح رہبانیت سے سارا عیسائی معاشرہ اور کلیسائی نظام متاثر ہوا اس کا ذکر کیا جائے گا۔

اس جملے کے ترجمہ میں علماء کے دو قول ہیں: (۱) "اور رہبانیت کو انہوں نے خود ایجاد کر لیا تھا، ہم نے اسے ان پر فرض نہیں کیا تھا۔ البتہ انہوں نے رضائے الٰہی کے حصول کے لیے اختیار کیا تھا۔" اس صورت میں اِلَّا کا تعلق ابتدعوھا کے ساتھ ہو رہا ہے۔

(۲) "اور رہبانیت کو انہوں نے خود ایجاد کیا، ہم نے ان پر فرض نہیں کیا تھا، مگر یہ کہ وہ ہماری رضا کے طلب گار رہیں۔" اس صورت میں مستثنیٰ متصل ہوگی اور پہلی صورت میں مستثنیٰ منقطع ہوگی۔

رہبانیت میں دو لغتیں ہیں: رَهْبَانِيَّة (بفتح را) اور رُهْبَانِيَّة (بضم را) پہلی صورت میں یہ رَهْب سے ماخوذ ہوگا جس کا معنی خوف اور ڈر ہے اور دوسری صورت میں یہ رُهْبَان (جو راہب کی جمع ہے) کی طرف منسوب ہوگا۔ پہلی صورت میں اس کا معنی ہے وہ مسلک اور وہ طرز حیات جس کی بنیاد خوف اور ڈر پر ہے۔ دوسری صورت میں اس کا معنی ہوگا ان لوگوں کا مسلک اور طرز زندگی جو ہر وقت ڈرنے والے اور خوفزدہ رہنے والے ہیں۔ علامہ راغب لکھتے ہیں۔ والرهبانية غلو في تحمل التعبد من فرط الرهبة (مفردات) یعنی فرط خوف سے عبادات و ریاضات میں حد درجہ غلو کرنا۔ علامہ پانی پتی اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں وهي المبالغة في العبادة والرياضة والانقطاع عن الناس وترك الشهوات حتى المباحة منها (مظہری) یعنی عبادت و ریاضت میں مبالغہ، لوگوں سے قطع تعلق، جائز اور مباح خواہشات کو بھی ترک کر دینا۔ علامہ ابن منظور نے ان الفاظ میں اس کی وضاحت کی ہے۔ التخلي من اشغال الدنيا وترك ملاذها والزهد فيها والعزلة عن اهلها وتعمد مشاقها حتى ان منهم من كان يخصي نفسه ويضع السلسلة في عنقه وغير ذلك من انواع التعذيب (لسان العرب) یعنی دنیا کے مشاغل

کو ترک کر دیا، اس کی لذتوں کو نظر انداز کر دیا، اہل دنیا سے عزلت گزینی اپنے آپ کو طرح طرح کی مشقتوں میں مبتلا کر دیا۔ ان میں سے بعض لوگ اپنے آپ کو خصی کر دیا کرتے تھے اور بعض لوہے کی زنجیریں ڈال لیا کرتے اور اپنے آپ کو طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا کر دیتے تھے۔ اب یہ عرض کرنا ہے کہ رہبانیت کی ابتدا کن حالات میں ہوئی اور کن لوگوں نے کی۔ ہمارے پاس صحیح حدیث موجود ہے جس سے حقیقت حال کھل کر سامنے آجاتی ہے۔

عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کنت ردیف النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم علی حمار فقال لی یا ابن ام عبد هل تدری من این اتخذت بنو اسرائیل الرهبانیة فقلت اللہ ورسولہ اعلم قال ظهرت علیهم الجبابرة بعد عیسیٰ علیہ السلام یعملون بالمعاصی فغضب اهل الایمان فقاتلوهم فهزم اهل الایمان ثلث مرات فلم یبق منهم الا القلیل فقالوا ان ظهرنا لهؤلاء افنونا ولم یبق للدین احد یدعو الیہ فقالوا تعالوا نتفرق فی الارض الی ان یبعث اللہ النبی الذی وعدنا بہ عیسیٰ علیہ السلام یعنون محمدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فتفرقوا فی غیران الجبال واحدثوا رهبانیة ومنهم من تمسك بدینہ ومنهم من کفر ثم تلا هذه الآیة۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں گدھے پر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے پیچھے سوار تھا حضور نے فرمایا اے ام عبد کے فرزند! کیا تم جانتے ہو کہ بنی اسرائیل نے رہبانیت کو کہاں سے اختیار کیا۔ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ حضور نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل پر جابر لوگ غالب آگئے اور انہوں نے فسق و فجور کا بازار گرم کر دیا۔ اہل ایمان نے غیرت ایمانی سے ان کے خلاف جہاد کیا۔ ان کے ساتھ جنگ کی لیکن تین مرتبہ انہیں شکست ہوئی اور صرف چند لوگ زندہ بچے۔ انہوں نے آپس میں کہا کہ اگر ہم نے پھر ان کے ساتھ لڑائی کی تو وہ ہم سب کو فنا کر کے رکھ دیں گے اور ایک شخص بھی ایسا نہیں بچے گا جو دین حق کی طرف لوگوں کو بلائے۔ انہوں نے مشورہ کیا کہ ہم زمین میں منتشر ہو جائیں۔ یہاں تک کہ وہ نبی مکرم تشریف لائے جس کی آمد کا وعدہ عیسیٰ علیہ السلام نے کیا تھا۔ پس وہ پہاڑوں کی غاروں میں منتشر ہو گئے اور انہوں نے رہبانیت کا آغاز کیا۔ ان میں سے کچھ لوگ تو اپنے دین کو مضبوطی سے پکڑے رہے اور بعض نے کفر اختیار کر لیا۔ پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت پاک تلاوت فرمائی۔

اس طرح اللہ کے بندے اپنے دین اور ایمان کو بچانے کے لیے جنگلوں اور پہاڑوں میں جا کر گوشہ نشین ہو گئے اور اپنی ساری زندگی عبادت و ریاضت میں بسر کر دی۔ اس عزلت گزینی سے ان کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی تھا۔

اس حدیث پاک سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ جبر و تشدد کے ان اوقات میں ان کا یہ ایک اضطراری فعل تھا۔ ان کے ذہن میں قطعاً یہ بات نہ تھی کہ دنیا اور اہل دنیا سے کنارہ کشی دین عیسوی کی روح رواں ہے۔ اس کے بغیر نہ انسان روحانی ترقی کر سکتا ہے اور نہ اسے قرب الٰہی کا شرف حاصل ہو سکتا ہے۔ انہوں نے جابر اور ظالم بادشاہوں کے ظلم و ستم سے اپنے آپ کو اور اپنے ایمان کو بچانے کے لیے مجبوراً یہ قدم اٹھایا تھا لیکن بعد میں آنے والوں نے اسی کو دین بنا لیا اور جیسے جیسے وقت گزرتا گیا اس میں اختراعات کا اضافہ ہوتا گیا۔ لوگوں نے اپنے اوپر تشدد اور پابندیوں کا اتنا بوجھ لاد لیا کہ زندگی وبال جان ہو گئی۔ کلیسا کے خانقاہی نظام کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے کس طرح اپنی جائز خواہشات کا گلا گھونٹا۔ ازدواجی زندگی کو خیرباد کہی۔ یہاں تک کہ جو شخص کسی مذہبی خدمت

کو انجام دینے پر مقرر ہوتا اس کے لیے شادی شدہ ہونا بڑا عیب شمار ہوتا۔ غیر شادی شدہ آدمی اگر کلیسا کا عہدیدار بنتا تو اس کا شادی کرنا خارج از بحث تھا۔ لیکن جو لوگ پہلے سے شادی شدہ تھے ان پر لازمی تھا کہ وہ اپنی بیوی سے ازدواجی تعلقات منقطع کر دیں۔ اسی طرح عورتوں کو بھی شادی نہ کرنے پر طرح طرح سے ترغیب دی جاتی۔ سینٹ جیروِن جیسا ممتاز مسیحی عالم کہتا ہے کہ "جو عورت مسیح کی خاطر راہبہ بن کر ساری عمر کنواری رہے وہ مسیح کی دلہن ہے اور اس عورت کی ماں کو خدا یعنی مسیح کی ساس ہونے کا شرف حاصل ہے۔"

ماں باپ، بھائی بہن اور اولاد سے بھی قطع تعلق رُوحانی مدارج طے کرنے کے لیے شرط اول تھی۔ جو لوگ رہبانیت اختیار کرتے وہ عمر بھر اپنے اہل وعیال اور ماں باپ سے الگ تھلگ رہتے۔ ایسے واقعات بھی تاریخ میں درج ہیں جنہیں پڑھ کر دل کڑھتا ہے اور رہبانیت کے اس سنگ دلانہ طرز حیات پر رونے کو جی چاہتا ہے۔ ایک دردناک واقعہ آپ بھی سُن لیجیے:

سینٹ سیمون (St. Simeon) اپنے ماں باپ کو تڑپتا چھوڑ کر کسی دَیر میں راہب بن گیا۔ ماں باپ کو اپنے بیٹے کا کچھ پتہ نہ چلا۔ باپ تو بیٹے کی جدائی میں راہی ملک عدم ہوا۔ ماں تڑپنے اور رونے کے لیے باقی رہ گئی۔ اس پر ستائیس سال کا طویل عرصہ گزر گیا۔ جب اس سینٹ کی شہرت دور دور تک پھیل گئی تو ماں کو اپنے بیٹے کی قیامگاہ کا پتہ چلا۔ وہ بوڑھی ضعیفہ راہ کی مشقتیں برداشت کرتی ہوئی وہاں پہنچی۔ اس کی خانقاہ میں عورتوں کو داخلے کی اجازت نہ تھی۔ اس لیے اسے کسی نے اندر نہ جانے دیا۔ اس نے اپنے بیٹے کو کہلا بھیجا کہ میں تیری فرقت کی ماری ماں ہوں۔ صرف تمہیں ایک نظر دیکھنا چاہتی ہوں۔ یا مجھے اندر آنے کی اجازت دے یا خود باہر آکر مجھے اپنے مکھڑے کی ایک جھلک دکھا۔ لیکن اس سنگ دل بیٹے نے اپنی تڑپتی بلکتی ماں پر ذرا ترس نہ کھایا اور ملنے سے صاف انکار کر دیا۔ تین دن اور تین رات وہ بے چاری دروازے پر پڑی منتیں کرتی رہی۔ آخر اس نے وہیں دم توڑ دیا۔ اس وقت سینٹ صاحب تشریف لائے اور اپنی ماں کے لیے مغفرت کی دعا کی۔ اسے یہ خیال نہ آیا کہ جو بیٹا اپنی ماں کے بارے میں اس قدر سنگ دل اور بے رحم ہے اس کی دُعا کسی رحمت کی مستحق نہیں۔

اس کے علاوہ اپنے نفس کو اذیت پہنچانے کا ذوق بڑھنے لگا۔ انہوں نے عجیب عجیب اختراعیں کیں۔ کسی نے اپنے آپ کو زنجیر وسلاسل میں جکڑ دیا۔ کسی نے بھاری بوجھ اپنے اوپر لاد لیا۔ کسی نے اپنے اوپر نیند حرام کر لی۔ چنانچہ اسکندریہ کا سینٹ مکاریوس ہر وقت اپنے جسم پر اسّی پونڈ کا بوجھ اٹھائے رکھتا۔ چھ مہینے تک وہ ایک دلدل میں سوتا رہا اور زہریلی مکھیاں اس کے برہنہ جسم کو کاٹتی رہیں۔ یہ تحریک پھر اس زور سے چلی کہ عیسائی دنیا میں ایسی خانقاہوں کی بھرمار ہو گئی جہاں راہب مرد یا راہبہ خواتین آکر جمع ہو گئیں۔

انسانی فطرت کے تقاضوں سے جنگ کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ عارضی فتوحات تو حاصل کی جا سکتی ہیں لیکن کلیۃً ان کی بیخ کنی ناممکن ہے۔ بلکہ جب رُکے ہوئے جذبات سیلاب کی طرح امڈ کر آتے ہیں تو سارے بند ٹوٹ جاتے ہیں۔ یہی حال کلیسا کے خانقاہی نظام کا ہوا۔ بڑے بڑے پوپ اور سینٹ دولت و ثروت میں اپنے وقت کے قارونوں کو بھی مات کر گئے۔ جن محلات میں وہ رہائش پذیر تھے ان کے سامنے شاہی ایوانوں کی بھی کوئی وقعت نہ تھی۔ وہ خانقاہیں جو کنواری راہبات کے لیے مختص تھیں، حرام کاری کے اڈوں میں تبدیل ہو گئیں۔ ان کی فصیلوں کے پرے نوزائیدہ بچوں کی لاشیں اکثر پڑی ہوئی دکھائی دیتیں۔ کلیسا کی تاریخ کا یہ بڑا اندوہناک اور شرمناک باب ہے جو اُن کے اپنے مؤرخین نے لکھا ہے۔

انہی بدعنوانیوں اور بدکاریوں کو قرآن حکیم میں فما رعوها حق رعایتها کے ایک جملہ میں بیان کر دیا ہے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ انہوں نے ترہیب کو طلبِ ریاست کے لیے بطور زینہ استعمال کیا اور اس طرح لوگوں کے مال ہڑپ کرتے رہے۔

اسلام نے اپنے ماننے والوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی ترغیب دی۔ خواہشاتِ نفس کی پیروی سے روکا۔ دولت کی محبت اور دنیوی آسائشوں میں غرق ہونے سے منع کیا، لیکن اس نے ترکِ دنیا اور نفس کشی کا وہ طریقہ اپنے ماننے والوں کو نہیں سکھایا جو عیسائیت کے نظامِ رہبانیت کا خاصہ ہے۔ اسلام نے شادی کی اجازت دی ہے۔ اس نے کھیتی باڑی، تجارت اور صنعت کا شوق دلایا ہے۔ پاک صاف رہنے کی تلقین کی ہے۔ ماں باپ، بہن بھائی اور بیوی بچوں کے حقوق کی ادائیگی لازم قرار دی ہے۔ بلکہ اس نے ہر شخص پر ضروری قرار دیا ہے کہ وہ اپنے نفس کا حق بھی ادا کرے اور اسے ایسی مشقتوں میں مبتلا نہ کرے جو مضرِ صحت ہوں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے:

لا تشددوا على انفسكم فيشدد الله عليكم فان قوما شددوا فشدد الله عليهم فتلك بقاياهم في الصوامع والديار۔ (ابوداؤد)

یعنی اپنے نفسوں پر سختی نہ کیا کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تم پر سختی کرے گا۔ ایک قوم نے اپنے اوپر ناروا سختی کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر سختی کی۔

راہب خانوں اور خانقاہوں میں ان کے باقی ماندہ لوگ موجود ہیں۔ انہیں دیکھ لو۔

ایک دفعہ چند صحابہ آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ ایک نے کہا میں ہمیشہ ساری رات نماز پڑھا کروں گا۔ دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزہ رکھا کروں گا۔ تیسرے نے کہا میں شادی نہیں کروں گا۔ رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی یہ باتیں سنیں تو ارشاد فرمایا:

أما والله اني لاخشاكم لله واتقاكم له لكني أصوم وأفطر وأصلي وأرقد وأتزوج النساء فمن رغب عن سنتي فليس مني۔ (بخاری ومسلم)

"خدا کی قسم! تم سب سے زیادہ میں اللہ سے ڈرنے والا ہوں۔ سب سے پرہیزگار ہوں۔ میرا معمول یہ ہے کہ میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں۔ راتوں کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سویا بھی کرتا ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ جس نے میری اس سنت سے روگردانی کی اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔"

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک غزوہ میں حضور کے ہمراہ سفر پر گئے۔ ہمارا ایک ساتھی ایک غار کے قریب سے گزرا جس میں پانی کا چشمہ تھا۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ وہ اس غار میں آکر رہائش اختیار کرے گا۔ پینے کے لیے پانی بھی موجود ہے کھانے کے لیے سبزیاں کافی ہیں۔ دنیا سے بے تعلق ہو کر اپنا سارا وقت اللہ تعالیٰ کی یاد میں بسر کرے گا۔ کہنے لگا میں حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا یہ ارادہ عرض کرتا ہوں۔ اگر حضور نے اجازت مرحمت فرمائی تو ایسا کروں گا اور اگر اجازت نہ ملی تو خیر۔ چنانچہ وہ حاضرِ خدمت ہوا اور اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اني لم ابعث باليهودية ولا بالنصرانية ولكني بعثت بالحنيفية السمحة والذي نفس محمد بيده لغدوة

وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُونَ ﴿٢٧﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا

اور ان میں سے اکثر فاسق (وفاجر) تھے ۳۵ے اے ایمان والو! (تم ڈرتے رہا کرو) اللہ سے اور (سچے دل سے) ایمان لے آؤ

بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ

اس کے رسول (مقبول) پر اللہ تمہیں عطا فرمائے گا دو حصے اپنی رحمت سے اور بنا دے گا تمہارے لیے ایک نور جس کی روشنی میں تم

بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٨﴾ لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ

چلو گے اور بخش دے گا تمہیں۔ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے ۳۶ے (تم پر یہ خصوصی کرم اس لیے کیا) تاکہ جان لیں اہل کتاب

او روحۃ فی سبیل اللہ خیر من الدنیا وما فیہا ولمقام احدکم فی الصف الاول خیر من صلاتہ ستین سنۃ (مسند احمد، قرطبی)

ترجمہ: میں یہودیت اور نصرانیت کے ساتھ مبعوث نہیں کیا گیا، بلکہ ملتِ حنیفیہ دے کر بھیجا گیا ہوں جس میں آسانی اور فراخی ہے
اس ذاتِ پاک کی قسم جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے ایک صبح یا ایک شام راہِ خدا میں جہاد دنیا اور مافیہا سے افضل ہے
اور تمہارا مجاہدین کی صفِ اول میں کھڑا ہونا ساٹھ سال کی (نفلی) نماز سے بہتر ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان لکل امۃ رھبانیۃ ورھبانیۃ ھذہ الامۃ الجھاد فی سبیل اللہ (البغوی)

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہر امت کے لیے رہبانیت ہے اور میری امت کی رہبانیت راہِ خدا میں جہاد ہے۔
نصاریٰ نے تو ظالموں اور جابروں سے اپنی جان اور اپنا ایمان بچانے کے لیے جنگلوں اور پہاڑوں کی راہ لی، لیکن غلامانِ مصطفیٰ علیہ اطیب الصلوٰۃ وازکی الثناء کے لیے یہ طریقہ کار روا نہیں۔ باطل کے سامنے سینہ سپر رہنا، سیف وسنان، قلم وزبان سے معرکہ جہاد گرم رکھنا اور اسی حالت میں جان دے دینا اسلامی رہبانیت کا کمال ہے۔

۳۵ے جن لوگوں نے خلوصِ نیت سے رہبانیت کو اختیار کیا، پھر اس کے تقاضوں کو پورا کیا، اللہ تعالیٰ انہیں ان کے خلوصِ نیت اور حسنِ عمل کے مطابق اجر عطا فرمائے گا۔ لیکن ان میں سے اکثر لوگ ایسے تھے جنہوں نے ترکِ دنیا کو حصولِ مال وجاہ کا ذریعہ بنایا۔ راہِ اعتدال سے بھٹک گئے اور فسق وفجور کی غلاظتوں میں ڈوب گئے۔

۳۶ے علمائے تفسیر نے اس آیت کے دو مفہوم بیان کیے ہیں: اہل کتاب میں سے جو لوگ حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے صحیح دین پر قائم تھے انہیں ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ تمہیں پہلے انبیاء پر ایمان لانے کی سعادت حاصل ہے۔ اب خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بھی ایمان لے آؤ جن پر ایمان لانے کی تاکید تمہارے انبیاء نے کی ہے اور جن کی آمد کی بشارتوں سے تمہاری آسمانی کتب بھری پڑی ہیں۔ ان پر بھی سچے دل سے ایمان لاؤ تو تمہیں اس کی رحمت سے دوہرا حصہ ملے گا۔ قرآن کریم جو سراپا نور ہے اس کے انوار سے تمہاری

اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَیْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ

کہ ان کا کوئی قابو نہیں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم پر ٣٧ اور یہ کہ فضل تو اللہ تعالیٰ کے دست قدرت

اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ٢٩

میں ہے عطا فرماتا ہے اس سے جس کو چاہتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے ٣٨

دنیا اور آخرت جگمگانے لگے گی۔ تمہارے سابقہ گناہ بخش دیے جائیں گے۔

آیت کا دوسرا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کو ہی تقویٰ کا حکم دیا جا رہا ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانے کے تقاضوں کو پورا کرنے کی تلقین کی جا رہی ہے۔

٣٧ اہل کتاب اس زعم میں مبتلا تھے کہ وہ حضرت موسیٰ جیسے جلیل القدر رسول اور کلیم کے اُمتی ہیں۔ انہیں اس نبی عربی کی اطاعت اور اس پر ایمان لانے کی کیا ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ساری رحمتیں اور انعامات ان ہی کے لیے مخصوص ہیں۔ ان عرب کے بدوؤں کا رحمتِ الٰہیہ میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے ایمان والو! تقویٰ کو اپنا شعار بنالو۔ میرے پیارے رسول پر ایمان لانے کا حق ادا کرو اور اس کی غلامی پر فخر و ناز کرو تاکہ میں تم پر اپنی عنایات اور انعامات کی انتہا کر دوں جنہیں دیکھ کر اہل کتاب کو پتہ چل جائے کہ میرے رحمت کے خزانے پر ان کا کوئی قابو نہیں۔ میں جس کو چاہوں جتنا چاہوں عطا فرماتا ہوں۔

لئلا یعلم میں لا زائد ہے۔ معنی ہے لیعلم۔ قال ابن جریر لان العرب تجعل لا صلة فی کل کلام دخل فی اوله او آخره جحد غیر مصرح۔ یعنی وہ کلام جس کے اول یا آخر میں غیر مصرح انکار ہو وہاں "لا" بطور صلہ استعمال ہوتا ہے۔

٣٨ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور جود وعطا کی کوئی انتہا نہیں۔ نہ اس کے خزانے ختم ہوتے ہیں اور نہ اس کے ہاتھ تھکتے ہیں۔ لینے والے کا حوصلہ بلند، ظرف وسیع اور دامن کشادہ ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کی سخاوت کے انداز دیدنی ہوتے ہیں۔

○

اللّٰهم یا ذا الفضل العظیم والجود العمیم هذا الفقیر المسکین حاضر علی باب رحمتك ماد ایدیه الی جنابك مسترحما مستغفرا ملتجیا بملاذك ومعترفا بقصوره وذنوبه وخطیئاته وسیئاته التی لا تعد ولا تحصی اللّٰهم اغفر لی بجاه حبیبك اللّٰهم ارحمنی واستر لی فی الدنیا والآخرة وایدنی بروح القدس ووفقنی لما تحب وترضی یا حی یا قیوم برحمتك استغیث لا تکلنی الی نفسی طرفة عین واصلح لی شانی کله۔ اللّٰهم یا رب صل وسلم وبارك علی نبیك المحترم ورسولك المعظم وصفیك الاکرم شفیع المذنبین رحمة للعالمین وعلی اٰله واصحابه من الصلوات ازکاها ومن التسلیمات اسناها ومن البرکات ازهاها سبحان اللّٰه والحمد للّٰه ولا اله الا اللّٰه واللّٰه اکبر وللّٰه الحمد۔

تعارف

سُورہ المجُادلہ

نام : اس کے دو نام ہیں اَلْمُجَادَلَہ جو باب مفاعلہ کا مصدر ہے۔ اس کا معنی ہے بحث و تکرار۔ دُوسرا نام "اَلْمُجَادِلَہ" جو اس باب کا اسم فاعل مؤنث کا صیغہ ہے۔ اس کا معنی ہے "بحث و تکرار کرنے والی"۔ اس میں تین رکوع، بائیس آیتیں، چار سو ستر کلمے اور سترہ سو بانوے حروف ہیں۔

زمانۂ نزول : یہ سورۃ مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی اور اغلب خیال یہ ہے کہ اس کا نزول غزوۂ احزاب (شوال ۵ھ) کے بعد ہوا۔ سورۂ احزاب میں جو اس غزوہ کے بعد نازل ہوئی۔ ظہار کے مسئلہ کو اجمالاً بیان کیا گیا ہے اور اس سورۃ میں اسی مسئلہ کو وضاحت اور پُوری تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سورت سورۂ احزاب کے بعد نازل ہوئی۔

شانِ نزول : حضرت خولہ بنت ثعلبہ اپنے چچا زاد اوس ابن صامت کے ساتھ بیاہی ہُوئی تھیں۔ حضرت اوس جب بوڑھے ہو گئے تو ان کے مزاج میں چڑچڑا پن آگیا۔ بات بات پر وہ لڑنا جھگڑنا شروع کر دیتے۔ ایک روز جھگڑتے ہُوئے انہوں نے اپنی بیوی کو کہہ دیا" اَنْتِ عَلَیَّ کَظَھْرِ اُمِّی (تو مجھ پر اس طرح ہے جس طرح میری ماں کی پیٹھ) زمانۂ جاہلیت میں یہ طلاق کے الفاظ تھے۔ خولہ یہ سُن کر ازحد پریشان ہوئیں۔ بڑھاپے میں اپنے گھر کے اجڑنے کا غم اور اپنے ننھے بچے بچیوں کی فکر نے انہیں بے چین کر دیا۔ بارگاہِ رسالت میں آکر اپنے بارے میں دریافت کیا۔ حضور نے فرمایا کہ اس مسئلہ کے بارے میں ابھی مجھ پر کوئی حکم نازل نہیں ہوا۔ وہ بار بار عرض کرتیں میں اس پیرانہ سالی میں کہاں جاؤں گی میرے بچوں کا کیا بنے گا میرا بنا بنایا گھر اُجڑ جائے گا۔ حضور یہی جواب فرماتے رہے یہاں تک کہ حضور پر وحی کی کیفیت طاری ہو گئی اور اس مسئلہ کے بارے میں تفصیلی احکام نازل ہُوئے۔

قرآنِ کریم میں اُن کا تذکرہ آنے کے باعث صحابہ کی نگاہوں میں ان کی قدر و منزلت بہت بڑھ گئی سب ان کا احترام کیا کرتے۔ ایک روز حضرت فاروق اعظم اپنے دورِ خلافت میں کہیں جا رہے تھے۔ آپ کے ساتھ دوسرے بہت سے لوگ بھی تھے۔ ایک بوڑھی عورت سامنے آئی اور آپ کو رُکنے کے لیے کہا۔ آپ فوراً رُک گئے اور اس کے قریب تشریف لے گئے۔ اُس کی باتیں سُننے کے لیے اس کی طرف اپنا سر جُھکا دیا اور اپنے ہاتھ اُس کے کندھے پر رکھ دیے یہاں تک کہ وہ اپنی پوری داستان ختم کر کے واپس چلی گئیں۔ ایک شخص نے عرض کیا :

"امیر المؤمنین! آپ نے ایک بڑھیا کے لیے اتنے قریش کو منتظر رکھا۔" آپ نے فرمایا: "اے کم فہم! تم جانتے

ہو یہ کون ہے؟ اُس نے کہا نہیں ۔ آپ نے فرمایا : یہ وہ عورت ہے جس کے شکوہ کو اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اُوپر سن لیا، یہ خولہ بنتِ ثعلبہ ہیں۔ اگر یہ رات تک کھڑی رہتیں تو میں یوں ہی کھڑا رہتا"۔

مضامین : ابتدائی چار آیتوں میں ظہار کے مسئلہ کو تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے۔ پانچویں اور چھٹی آیت میں اُن لوگوں کو تنبیہ کی گئی جو اللہ اور اُس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں، ساتویں اور آٹھویں آیت میں منافقین جو خفیہ منصوبے بناتے اور چھپ چھپ کر مشورے کرتے اور اسلام کے خلاف طرح طرح کی سازشیں کرتے، انہیں خبردار کر دیا گیا کہ جہاں بھی سر جوڑ کر تم بیٹھتے ہو اور سرگوشیاں کرتے ہو اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہوتا ہے، تمہاری باتوں کو سُن رہا ہوتا ہے اور تمہاری حرکتوں سے خوب واقف ہوتا ہے۔ وہ یقین رکھیں کہ اپنی ان ناپاک کوششوں سے وہ اسلام کو کوئی گزند نہیں پہنچا سکیں گے، البتہ اس کی پاداش میں انہیں جہنم کا ایندھن بنا دیا جائے گا، اور یہ بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے۔

اس کے بعد مسلمانوں کو نصیحت فرمائی جا رہی ہے کہ تمہاری سرگوشیاں اور مشورے اپنے خدا کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرنے کے لیے نہیں ہونے چاہئیں بلکہ تمہیں اپنی مجلسوں میں ایسی تدابیر پر غور و فکر کرنا چاہیے جن سے نیکی کو فروغ حاصل ہو اور خدا کے دین کا بول بالا ہو۔

آیات ۱۱، ۱۲، ۱۳ میں مجلسی آداب کی تعلیم دی جا رہی ہے کہ جب تم کسی محفل میں بیٹھے ہو اور باہر سے کوئی آدمی آ جائے تو سکڑ جاؤ اور اُس کو اپنے پہلو میں جگہ دو۔ ایسا نہ ہو کہ اُسے دہلیز پر بیٹھنا پڑے یا وہ کھڑا رہنے پر مجبور ہو اور یا وہ محروم واپس چلا جائے نیز تمہیں یہ بھی خیال رکھنا چاہیے کہ جس شخص کی ملاقات کے لیے تم آئے ہو اس کی اپنی مصروفیتیں بھی ہیں۔ اس لیے ضرورت کے مطابق بیٹھو اور اس کے بعد خود بخود اجازت لے کر چلے جاؤ۔ اگر اس نے تمہیں اپنی محفل سے اُٹھنے کے لیے کہا تو تمہاری دل شکنی ہو گی۔ اسی طرح کی کئی اور رسمیں جو عہدِ جاہلیت میں اُن کی زندگی کا حصہ بن چکی تھیں اُن کو ترک کرنے کا حکم دیا۔

آخری رکوع میں بتا دیا کہ انسانوں کے دو گروہ ہیں ایک حزب الشیطان ہے اور دُوسرے گروہ کا نام حزب اللہ ہے۔ دونوں گروہوں کے حالات اور اُن کی خصوصیات بھی بیان کر دیں تاکہ ہر شخص اپنے بارے میں فیصلہ کر سکے کہ وہ کس گروہ میں شامل ہونا چاہتا ہے۔

نیو ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا

۲۲۔۴۔۷۷

سُوْرَةُ الْمُجَادَلَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اثْنَتَانِ وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ المجادلہ مدنی ہے اور اس کی ۲۲ آیتیں اور ۳ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ

بے شک اللہ تعالیٰ نے سن لی اس کی بات جو تکرار کر رہی تھی آپ سے اپنے خاوند کے بارے میں اور (ساتھ ہی) شکوہ کیے جاتی تھی اللہ سے

اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ①

(اپنے رنج وغم کا) اور اللہ سن رہا تھا تم دونوں کی گفتگو۔ بے شک اللہ (سب کی باتیں) سننے والا (سب کچھ) دیکھنے والا ہے ۔[1]

[1] اسلام سے پہلے عرب میں یہ رواج تھا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہتا کہ انتِ علیَّ کظھرِ اُمّی ۔ تو مجھ پر اس طرح ہے جس طرح میری ماں کی پشت تو اس قول سے وہ نکاح ٹوٹ جاتا اور وہ عورت اس پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی۔ رجوع کا دروازہ بھی بند ہو جاتا۔ اس کو وہ اپنی اصطلاح میں ظہار کہا کرتے۔

اسلام میں سب سے پہلے ظہار کا جو واقعہ پیش آیا اس کے بارے میں اس سورت کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں جن میں ظہار کے متعلق قرآنی احکام کو وضاحت سے بیان کر دیا گیا۔

ہوا یوں کہ ایک روز حضرت عبادہؓ کے بھائی اوس ابن صامتؓ اپنی بیوی حضرت خولہ بنتِ ثعلبہ پر کسی وجہ سے ناراض ہو گئے بڑھاپے کی وجہ سے ان کا مزاج بڑا چڑچڑا ہو گیا تھا۔ غصے سے کہہ دیا انتِ علیَّ کظھرِ اُمّی۔ زبان سے تو کہہ بیٹھے لیکن لگے پچھتانے۔ خولہ کو پاس بلانے کی کوشش کی۔ اس نیک بندی نے جواب دیا۔ اس خدا کی قسم جس کے قبضہ میں خولہ کی جان ہے۔ جب تک اللہ اور اس کا رسول ہمارے بارے میں فیصلہ نہ فرمائیں تم میرے نزدیک نہیں آسکتے۔ خولہ اٹھیں اور حضورؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا اے اللہ کے پیارے رسول! اوس نے جب میرے ساتھ شادی کی تھی اس وقت میں جوان تھی، صاحبِ مال تھی میرے گھر والے بھی موجود تھے۔ اب میرا شباب رخصت ہو چکا۔ میں بوڑھی ہو گئی۔ میرے گھر والے بھی نہ رہے۔ مال بھی خرچ ہو گیا۔ اب اوس نے مجھے یہ الفاظ کہے ہیں۔ حضور کیا ہمارے لیے کوئی گنجائش ہے کہ ہم ایک ساتھ رہ سکیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ تیرے بارے میں ابھی تک مجھے کوئی حکم نہیں ملا۔ اس نے پھر عرض کیا یا رسول اللہ اس نے طلاق کا لفظ تو نہیں کہا۔ وہ بار بار یہ کہتی رہی اور حضور یہی جواب دیتے رہے ساتھ ہی وہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں بھی فریاد کرتی رہی کہ الٰہی میں اپنی تنہائی اور اپنے خاوند سے جدائی کا شکوہ تجھ سے کرتی ہوں۔ ایک روایت

الَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ

جو لوگ تم میں سے ظہار کرتے ہیں اپنی بیویوں سے وہ ان کی مائیں نہیں ہیں۔

اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔىْ وَلَدْنَهُمْ ؕ وَ اِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا

نہیں ہیں ان کی مائیں بجز ان کے جنہوں نے انہیں جنا ہے ؁ بے شک یہ لوگ کہتے ہیں بہت بری

ہیں ان کے یہ الفاظ درج ہیں: "اپنے فاقہ اور خستہ حالی کا شکوہ میں اللہ تعالیٰ سے کرتی ہوں۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ اگر میں انہیں ان کے باپ کے سپرد کرتی ہوں تو وہ ضائع ہو جائیں گے اور ان کو اپنے پاس رکھتی ہوں تو وہ بھوکوں مر جائیں گے۔" بار بار وہ آسمان کی طرف منہ اٹھاتیں اور فریاد کرتیں۔ بحث و تکرار کا سلسلہ ابھی جاری تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی غم زدہ اور پریشان حال بندی کی فریاد سن لی اور جبریل امین یہ آیات لے کر نازل ہوئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا یا خولۃ اِبشری اے خولہ مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تیرے بارے میں حکم نازل فرما دیا۔ جاؤ اپنے خاوند کو بلا لاؤ۔ اوس حاضر ہوئے تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ غلام آزاد کرو۔ عرض کیا میرے پاس تو کوئی غلام نہیں۔ فرمایا پھر دو ماہ متواتر روزے رکھو۔ عرض کیا یا رسول اللہ اگر میں دن میں تین مرتبہ نہ کھاؤں تو میری بینائی جواب دینے لگتی ہے۔ میں اتنی مدت کیسے روزے رکھ سکتا ہوں۔ ارشاد ہوا پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ۔ عرض کرنے لگے آقا میں بہت غریب و نادار ہوں۔ حضور میری مدد فرمائیں تو میں کھانا کھلا سکتا ہوں۔ اس غریب پرور آقا نے انہیں پندرہ صاع اپنے پاس سے عطا فرمائے انہوں نے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلایا۔ اس طرح حضرت خولہ پھر اپنے گھر میں آباد ہو گئیں۔ قد سمع اللہ کی آیت انہی کے بارے میں نازل ہوئی۔

اس خصوصیت کی وجہ سے صحابہ کرام ان کا بہت زیادہ احترام کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے عہد خلافت میں حضرت خولہ کے پاس سے گزرے آپ دراز گوش پر سوار تھے۔ لوگوں کا ایک ہجوم ساتھ تھا۔ حضرت خولہ نے ان کو روک لیا اور نصیحت کرنے لگیں۔ کہا اے عمرؓ! وہ دن تجھے یاد ہیں جب تمہیں عُمیر کہا جاتا تھا۔ پھر تمہیں عمر کہا جانے لگا اور اب تمہیں لوگ امیر المؤمنین کہنے لگے ہیں۔ پس اے عمر اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو۔ جو شخص موت پر یقین رکھتا ہے اسے اندیشہ رہتا ہے کہ کوئی ضروری چیز رہ نہ جائے۔ جسے حساب کا یقین ہوتا ہے وہ عذاب سے ڈرتا رہتا ہے۔ آپ بڑے صبر و تحمل سے کھڑے ان کی نصیحت کو سنتے رہے جب کافی وقت گزر گیا تو لوگوں نے عرض کیا اے امیر المؤمنین اس بڑھیا کے لیے آپ اتنی دیر کھڑے رہیں گے۔ آپ نے فرمایا بخدا اگر یہ مجھے صبح سے شام تک روکے رکھے تو میں کھڑا رہوں گا۔ صرف نماز کے اوقات میں رخصت لوں گا۔ کیا تم نہیں جانتے یہ بوڑھی کون ہے۔ یہ خولہ بنت ثعلبہ ہے۔ جس کی فریاد کو اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر سُنا۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ رب العالمین تو اس کی بات سُنے اور عمر نہ سُنے؟

؁ اس آیت میں اس طریقہ کار کی مذمت کی جا رہی ہے کہ یہ کتنی بے ہودہ اور بُری حرکت ہے کہ انسان اپنی بیوی کو

مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝ وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ

بات اور جھوٹ ۔ اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت درگزر فرمانے والا بہت بخشنے والا ہے ۳ جو لوگ ظہار کر بیٹھیں

مِنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ

اپنی عورتوں سے ۴ پھر وہ پلٹنا چاہیں اس بات سے جو انھوں نے کہی تو (ذمہ) غلام آزاد کرے اس سے

اپنی ماں کہنا شروع کر دے۔ کیا اس کے اس طرح کہنے سے وہ اس کی ماں بن سکتی ہے۔ ماں تو وہ ہوتی ہے جس نے اس کو جنا۔ ایک عورت جس نے اس کو جنا نہیں بلکہ عرصے سے اس کی بیوی بنی ہوئی ہے اور اس کے بطن سے اس کے کئی بچے اور بچیاں جنم لے چکے ہیں، اب اگر اس عورت کو یہ اپنی ماں کہنے لگے تو اس سے بے ہودہ اور لغو بات اور کیا ہو سکتی ہے؟ فرمایا ایسی بات ایک تو فی نفسہٖ بڑی لغو ناشائستہ اور غیر پسندیدہ ہے، دوسرا یہ سراسر جھوٹ ہے۔ جو اس کی ماں نہیں اس کو وہ اپنی ماں کہہ رہا ہے۔

۳ے چاہیے تو یہ تھا کہ اسے اس بیہودہ سرائی پر سخت سزا دی جاتی لیکن اللہ تعالیٰ بہت درگزر فرمانے والا اور اپنے بندوں کے قصوروں کو بخشنے والا ہے۔ اس لیے اس کریم نے عفو و درگزر سے کام لیا اور جرم جتنا سنگین تھا اس کے مطابق سزا اتنی سخت مقرر نہیں کی۔

۴ے آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ ظہار اصطلاح میں اس کو کہا جاتا ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے انتِ علیّ کظھر اُمّی ایسے شخص پر لازم ہے کہ وہ بیوی سے قربت سے پہلے کفارہ ادا کرے۔ اس ضمن میں ظہار کے چند ضروری فقہی احکام لکھے جاتے ہیں تفصیلات کے لیے کتب فقہ کی طرف رجوع فرمائیے۔

① اگر کسی شخص نے ماں کی پشت کے علاوہ کسی ایسے عضو کا ذکر کیا جس کو دیکھنا اس کے لیے حلال نہیں تو بھی ظہار پایا جائے گا اور اس پر کفارۂ ظہار لازم ہوگا۔

② اگر اس نے اپنی بیوی کو کسی ایسی عورت کی پیٹھ یا اس کے اعضاء سے جن کو دیکھنا حرام ہے تشبیہ دی جو اس پر ہمیشہ کے لیے ابتداءً حرام ہیں مثلاً دادی، نانی، پھوپھی، خالہ، بہن، بیٹی تو یہ بھی ظہار ہوگا۔

③ اسی طرح ایسی عورتوں سے تشبیہ دینا جو ابتداءً تو حرام نہیں لیکن بعد میں کسی وجہ سے ہمیشہ کے لیے حرام ہو گئی ہیں تو یہ بھی ظہار ہوگا۔ مثلاً رضاعی ماں، باپ کی دوسری بیوی وغیرہ۔

④ مدخولہ اور غیر مدخولہ دونوں بیویوں سے ظہار درست ہے۔

⑤ اگر ایک سے زائد بیویاں تھیں اور سب سے ظہار کیا تو جتنی بیویاں ہوں گی اتنے کفارے دینے ہوں گے۔

⑥ عورت کو ظہار کرنے کا حق نہیں ہے۔ یعنی اگر عورت اپنے خاوند کو کہے کہ تو مجھ پر ایسا ہے جیسے میرے باپ کی پشت یا میں تجھ پر ایسی ہوں جیسے تیری ماں کی پشت تو یہ ظہار نہیں ہوگا، کیونکہ ظہار کا حق اسے ہی ہے جسے طلاق کا حق حاصل ہے۔ البتہ عورت

قَبۡلِ اَنۡ یَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمۡ تُوۡعَظُوۡنَ بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ

قبل کہ وہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں۔ یہ ہے جس کا تمہیں حکم دیا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جو تم کر رہے ہو (اس سے)

خَبِيۡرٌ ۝ فَمَنۡ لَّمۡ يَجِدۡ فَصِيَامُ شَهۡرَيۡنِ مُتَتَابِعَيۡنِ مِنۡ

آگاہ ہے ۝ پس جو شخص غلام نہ پائے تو وہ دو ماہ لگاتار روزے رکھے اس سے

کا یہ قول قسم ہوگی۔ گویا اس نے قسم اٹھائی ہے کہ وہ مخالفت نہیں کرے گی اس لیے اس پر قسم کا کفارہ ہوگا۔

⑦ اگر کسی عورت نے نکاح سے پہلے کسی مرد کے بارے میں ظہار کے الفاظ استعمال کیے تو اس وقت یہ ظہار ہوگا اور نکاح کے بعد عورت پر لازم ہوگا کہ وہ کفارۂ ظہار ادا کرے۔ اس کی تائید کے لیے ایک روایت پیش کی جاتی ہے۔ حضرت طلحہ کی صاحبزادی عائشہ کے متعلق حضرت مصعب بن زبیر نے نکاح کا پیغام بھیجا۔ انھوں نے اس پیغام کو رد کر دیا اور کہا کہ اگر میں مصعب سے نکاح کروں تو ھو علیّ کظھر ابی۔ وہ مجھ پر اس طرح ہے جس طرح میرے باپ کی پشت۔ لیکن بعد میں وہ اس شادی پر رضامند ہوگئیں۔ مدینہ طیبہ کے فقہاء سے یہ مسئلہ پوچھا گیا تو انھوں نے کہا کہ عائشہ پر کفارۂ ظہار لازم آتا ہے۔ کیونکہ اس نے یہ بات اس وقت کہی تھی جب اسے نکاح کرنے یا نہ کرنے کا اختیار تھا۔ اگر نکاح کے بعد وہ ایسا کہتیں تو ظہار نہ ہوتا بلکہ یمین ہوتی اور انہیں کفارۂ یمین ادا کرنا پڑتا۔

⑧ جن الفاظ سے ظہار ثابت ہوتا ہے ان کی دو قسمیں ہیں، صریح اور کنایہ۔ صریح تو یہ ہیں کہ اپنی بیوی کو اپنی ماں کی پشت یا کسی ایسے عضو سے تشبیہ دے جس کا دیکھنا اس کے لیے حلال نہیں تو یہ صراحتاً ظہار ہے۔ اسی طرح اپنی بیوی کو ان عورتوں کی پشت یا ان کے ایسے اعضاء سے تشبیہ دے جن کا دیکھنا حلال نہیں جو ابتداً یا بعد میں کسی وجہ سے مؤبداً حرام ہیں تو یہ بھی صراحتاً ظہار ہے۔ اس میں اس کی نیت کا اعتبار نہیں۔ وہ ہزار کہے کہ میرا مقصد ظہار کا نہ تھا تو قابلِ تسلیم نہ ہوگا۔

اور اگر اپنی بیوی کے متعلق یہ کہے کہ یہ مجھ پر اس طرح ہے جس طرح یہ عورتیں جو مذکور ہوئیں اور ان کے کسی عضو کا نام نہ لے تو اس صورت میں یہ کنایہ ہوگا۔ اس کا معنی متعین کرنے میں اس کی نیت کو دخل ہوگا۔ اگر وہ کہے کہ میں نے عزت و تکریم کے لیے یہ لفظ استعمال کیا ہے تو مان لیا جائے گا اور اگر ظہار کی نیت سے کہا ہوگا تو ظہار ہوگا اور اگر اس نے اس لفظ سے طلاق کی نیت کی ہے تو طلاق ہو جائے گی۔

ؔ یعنی ایک مرتبہ تو خاوند نے ایسی بات زبان سے نکالی ہے جس سے اپنی بیوی سے مقاربت اس کے لیے جائز نہیں رہی لیکن اگر وہ اس کہی ہوئی بات سے واپس لوٹنا چاہے یعنی اپنی بیوی کو پہلے کی طرح اپنے لیے حلال کرنا چاہے تو اس وقت اس پر کفارہ ادا کرنا لازم ہوگا اور اگر وہ کفارہ ادا نہ کرے تو عورت عدالت سے رجوع کر سکتی ہے اور عدالت اس خاوند کو حکم دے گی کہ وہ کفارہ ادا کرے اور اس طرح حرمت کی اس دیوار کو درمیان میں سے ہٹا لے جو اس نے اپنے اور اپنی بیوی کے درمیان قائم کر دی تھی۔ اگر وہ شخص اس کے باوجود کفارہ ادا نہ کرے تو عدالت اسے دُرّے لگانے یا قید کرنے یا دونوں سزائیں دے سکتی ہے۔

قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ۚ

قبل کہ وہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں ؎ اور جو اس پر بھی قادر نہ ہو تو وہ کھانا کھلائے ساٹھ مسکینوں کو ؎

ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۚ وَ

یہ اس لیے کہ تم تصدیق کرو اللہ اور اس کے رسول (کے فرمان) کی۔ اور یہ اللہ کی (مقرر کردہ) حدیں ہیں ؎ اور

اگر کوئی شخص کفارہ ادا کیے بغیر عورت کے ساتھ مقاربت کرتا ہے تو وہ گنہگار ہوگا۔ اسے سچے دل سے توبہ کرنی چاہیے لیکن کفارہ ایک ہی اسے ادا کرنا پڑے گا۔ ثم یعودون لما قالوا کا ایک مفہوم بھی علمائے ظاہر نے بتایا ہے۔ وہ یہ کہ اگر ایک مرتبہ اس نے ایسے الفاظ کہے تو اس سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا لیکن اگر وہ دوبارہ ان الفاظ کو دہرائے تب ان پر کفارہ لازم آئے گا۔ یہ قول بالاتفاق مردود ہے۔

فتحریر رقبۃ: یہاں سے کفارۂ ظہار کا تفصیلی بیان شروع ہو رہا ہے۔ اس پر سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ وہ رقبۃ آزاد کرے۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بڑا ہو یا چھوٹا۔ قبل ان یتماسا سے یہ بات بیان کر دی کہ غلام آزاد کرنے سے پہلے وہ اس کو ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا۔ گویا مقاربت اور اس کے دواعی سب حرام ہیں۔ آیت میں توعظون بہ کا معنی علامہ قرطبی نے توعرون بہ کیا ہے یعنی تمہیں یہ حکم دیا جاتا ہے۔ اور علامہ آلوسی نے اس کا معنی تزجرون بہ کیا ہے یعنی اس کفارہ کے ذریعے تمہیں زجر و توبیخ کی جا رہی ہے کہ تم پھر ایسی حرکت نہ کرو۔

؎ لیکن اگر غلام دستیاب نہیں یا اس کے پاس کوئی غلام نہیں اور اس میں غلام خریدنے کی طاقت بھی نہیں تو وہ لگاتار دو ماہ روزے رکھے۔ اس کے لیے بھی شرط یہ ہے کہ اسے چھونے سے پہلے یہ روزے مکمل کرے۔ اگر اس نے درمیان میں مقاربت کی تو اس کو نئے سرے سے روزے رکھنے پڑیں گے۔ روزہ رکھنے والے کو چاہیے کہ وہ ایسے وقت میں روزے شروع کرے کہ اس مدت میں ماہِ رمضان، عید الفطر اور ایام تشریق نہ آئیں تاکہ وہ مسلسل روزے رکھ سکے۔

اگر کسی شخص نے روزے رکھنے شروع کیے اور وہ بیمار ہوگیا یا اسے سفر پر جانا پڑا اور وہ روزے نہ رکھ سکا تو احناف کے نزدیک از سرِ نو روزے شروع کرے۔

؎ لیکن اگر وہ روزہ رکھنے پر بھی قادر نہ ہو تو پھر وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ قادر نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی جسمانی صحت اس کی متحمل نہ ہو یا وہ بوڑھا ہو اور اتنا عرصہ لگاتار روزے رکھنا اس کے لیے دشوار ہو یا اسے اندیشہ ہو کہ وہ مسلسل دو ماہ تک عورت سے احتراز نہیں کر سکتا۔ درمیان میں اس سے پھر بے احتیاطی ہو جائے گی۔

؎ یہاں لتؤمنوا سے مراد لتصدقوا یعنی تم پر لازم ہے کہ تم اس کی تصدیق کرو کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کا ارشاد ہے۔ اس کا مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے ای ذلک لتکونوا مطیعین للہ تعالٰی واقفین عند حدودہ لا تتعدوھا یعنی

لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَ

منکرین کے لیے دردناک عذاب ہے ۵ بے شک جو لوگ مخالفت کر رہے ہیں اللہ اور اس کے

رَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ قَدْ اَنْزَلْنَآ

رسول کی ۶ انہیں ذلیل کیا جائے گا جس طرح ذلیل کیے گئے وہ مخالفین جو ان سے پہلے تھے ۷ اور بے شک ہم نے

تم اللہ تعالیٰ کے مطیع ہو جاؤ۔ اس کی مقرر کی ہوئی حدود کے پاس کھڑے ہو جاؤ اور ان کو پامال مت کرو۔

۵ یہاں کفار سے مراد وہ لوگ نہیں جو اللہ تعالیٰ کی توحید یا حضور کی رسالت کا انکار کرتے ہیں بلکہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کے احکام کو تسلیم نہیں کرتے اور اس کی قائم کی ہوئی حدود کو پھاند کر آگے نکل جاتے ہیں۔

علامہ پانی پتی لکھتے ہیں: الذين لا يقبلون احكام الله تعالى ولا يمتنعون عن المحرمات ويتجاوزون عن حدوده۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں: الذين يتعدونها ولا يعملون بها واطلق الكافر على متعدي الحدود تغليظا بزجره ونظير ذلك قوله تعالى ومن كفر فان الله غني عن العالمين (روح المعانی)

یعنی جو لوگ حدود سے تجاوز کرتے ہیں اور ان پر عمل نہیں کرتے ایسے لوگوں کو کافر اس لیے کہا گیا ہے تاکہ ان کو سختی سے باز رکھا جائے جس طرح ومن کفر میں کفر سے مراد حقیقی کفر نہیں بلکہ زجر و توبیخ کے لیے انکار کو کفر سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۶ یحادون کا مصدر محاداۃ ہے۔ اس لفظ کی تشریح کرتے ہوئے ابن منظور لکھتے ہیں: المحاداة: المعاداة والمخالفة والمنازعة وهو مفاعلة من الحد كان كل واحد منهما يجاوز حده الى الآخر (لسان العرب)

یعنی محاداۃ کا معنی عداوت کرنا، مخالفت کرنا اور جھگڑا کرنا ہے۔ اس کا اصل مأخذ حدٌّ ہے کیونکہ دونوں اپنی اپنی حد سے تجاوز کر کے دوسرے کی حد میں مداخلت کرنا چاہتے ہیں اس لیے اسے محاداۃ کہا جاتا ہے۔

اس تشریح کی روشنی میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ جو لوگ اپنی بندگی کی حدود کو پھاند کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی حدود میں مداخلت بے جا کا ارتکاب کرتے ہیں، قانون سازی کا جو حق صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے لیے مخصوص ہے اس حق کو اپنے ہاتھ میں لے لیتے ہیں اور اللہ کے بندوں کے لیے خود قانون وضع کرنا شروع کر دیتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کا ذکر اس آیت طیبہ میں کیا جا رہا ہے۔ علامہ بیضاوی نے اس آیت کی تفسیر ان الفاظ سے کی ہے: او يضعون او يختارون حدودا غير حدود الله تعالى ورسوله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وضع کردہ حدود اور قوانین کے برعکس اپنی طرف سے حدود و قوانین وضع کرتے ہیں۔ ان کا حکم اس آیت میں بتایا جا رہا ہے۔ علامہ آلوسی نے شیخ الاسلام سعد اللہ چلپی کا قول نقل کیا ہے۔ وہ بھی غور طلب ہے۔ وعلى هذا ففيه وعيد عظيم للملوك وامراء السوء الذين وضعوا امورا خلاف ما حده الشرع وسموها السياسة والقانون والله تعالى المستعان على ما يصفون۔ یعنی اس آیت میں ایسے بادشاہوں اور برے حکام کے لیے

اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍؕ وَ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ مُّهِیْنٌۚ۝۵ یَوْمَ یَبْعَثُهُمُ

اتاری ہیں روشن آیتیں۔ اور کفار کے لیے رُسوا کن عذاب ہے ۱۲ (یاد کرو) جس روز اللہ تعالیٰ ان

وعید شدید ہے جو شریعت کی حدود کے برعکس کوئی قوانین وضع کرتے ہیں، جو کچھ وہ بیان کرتے ہیں ہم اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے ہیں۔

علامہ آلوسی نے یہاں اس مسئلہ کو بڑی تفصیل سے لکھا ہے اور بتایا ہے کہ حکومت کو نئی قانون سازی کا کہاں کہاں اختیار ہے اور کہاں اختیار نہیں ہے۔ اس کا خلاصہ درج ذیل ہے' امید ہے فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

فوجوں کی تربیت' انہیں جنگی مشقیں کرانا، انہیں ہر قسم کا اسلحہ مہیا کرنا جس سے دشمن پر غلبہ پانے کے امکانات روشن ہوں، جنگ کے لیے منصوبہ بندی' میدان جنگ میں فوجوں کی نقل و حرکت کے ضابطے۔ ان تمام امور میں حکام وقت کو کلی اختیارات حاصل ہیں۔ مسلمانوں کے لیے جو بہتر اور مفید ہو اس کے لیے تدابیر اختیار کی جائیں۔ اسی طرح مناسب مقامات پر قلعوں کو تعمیر کرنا شہروں کی حفاظت کے لیے تجاویز سوچنا بھی حکام کا کام ہے۔ وہ جرائم جن کی سزا شریعت میں مقرر نہیں ان کے لیے مناسب سزائیں مقرر کرنا بھی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ حکومت کو ان جرائم کے لیے ایسی موثر سزائیں مقرر کرنی چاہئیں جن سے جرائم کا ستیاب ہو سکے' لیکن ان تعزیرات کو اتنا سخت کرنا بھی درست نہیں جو بسا اوقات قتل سے بھی زیادہ دردناک اور اذیت رساں ہوں۔

اسی طرح کاروبار اور لین دین کے لیے ایسے قواعد و ضوابط مرتب کرنا جن سے کسی شرعی حکم کی خلاف ورزی لازم نہ آتی ہو' درست ہے لیکن کوئی ایسا ضابطہ بنانا جس سے کسی شرعی حکم کی صراحتاً خلاف ورزی لازم آئے' ہرگز جائز نہیں جیسے سود کے جواز کا قول کرنا اور اس کے بغیر معاشی اور صنعتی ترقی کو محال سمجھنا یہ سب حرام ہے۔

بیت المال اور اراضی کے بارے میں جو احکام صحیح روایات سے حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں ان کی خلاف ورزی کسی صورت میں بھی جائز نہیں' لیکن جو احکام خلفاء کرام نے اپنے اجتہاد سے وضع کیے اگر زمانے کے حالات کے پیشِ نظر ان کے بارے میں ایسے احکام وضع کیے جائیں جن میں لوگوں کے لیے آسانی اور سہولت ہو اور ان میں عوام کا فائدہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن خلفاء کے اجتہادی احکام کے بجائے ایسے جدید قوانین مرتب کرنا جن میں لوگوں کی مشقتوں میں اضافہ ہو جائے یہ کسی طرح جائز نہیں۔

وہ حدود جو اللہ تعالیٰ نے چوروں' بدکاروں اور رہزنوں کے بارے میں مقرر کی ہیں ان میں کسی قسم کا ردوبدل روا نہیں ہے۔

آخر میں فرماتے ہیں کہ جو شخص اسلامی قوانین کو ناقص سمجھتا ہے اور ان کی تحقیر کرتا ہے اور جدید وضع کردہ قوانین کو ان سے بہتر اور زیادہ مفید کہتا ہے اس کے کفر میں شک کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔

۱۱؎ انہی لوگوں کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے کہ ان کو ذلیل و رسوا کر دیا جائے گا۔ انہیں منہ کے بل گرا دیا جائے گا جس طرح ان سے پہلے جو سرکش قومیں گزری ہیں ان کو ذلت کے گڑھے میں پھینک دیا گیا تھا۔

الکبت، صرع الشیئ لوجھہ۔ کسی چیز کو منہ کے بل گرا دینا۔ یہ ذلت و رُسوائی کی انتہا ہے۔

۱۲؎ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو آیات کا انکار کرتے ہیں۔ ان کو حق تسلیم نہیں کرتے۔ یہ خیال رہے کہ جاحد اور

اللّٰهُ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا ۭ أَحْصَاهُ اللّٰهُ وَنَسُوهُ ۭ

سب کو زندہ کرے گا پھر انہیں آگاہ کرے گا جو کچھ انہوں نے کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو گن رکھا ہے اور وہ بھلا چکے۔

وَاللّٰهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿٦﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا

اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر شاہد ہے ١٤ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ

فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۖ مَا يَكُونُ مِنْ نَجْوَىٰ ثَلٰثَةٍ

آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے۔ نہیں ہوتی کوئی سرگوشی تین آدمیوں میں

إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنَىٰ

مگر وہ ان کا چوتھا ہوتا ہے اور نہ پانچ میں مگر وہ ان کا چھٹا ہوتا ہے اور نہ اس

مِنْ ذٰلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا ۖ ثُمَّ

سے کم میں اور نہ زیادہ میں مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جہاں کہیں وہ ہوں۔ پھر

يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ

وہ انہیں آگاہ کرے گا جو کرتوت (وہ کرتے رہے قیامت کے دن ١٥ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب

ع ١

متارک میں فرق ہے۔ ترکِ احکام سے انسان گنہگار ضرور ہو جاتا ہے لیکن کافر نہیں ہوتا۔ البتہ اگر احکامِ الٰہیہ کا انکار کرے اور ان کی حقانیت کو تسلیم نہ کرے تو یقیناً کافر ہے۔

١٣ کفار اور منکرین احکامِ الٰہی کا جو انکار کرتے ہیں اور ان کی خلاف ورزیاں کرتے ہیں شاید ان کی نظروں میں یہ غیر اہم باتیں ہوں جن کو محفوظ نہیں رکھا جاتا اور فراموش کر دیا جاتا ہے لیکن یہ ان کی غلط فہمی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ان تمام حرکتوں کو گن گن کر محفوظ رکھا ہوا ہے جو یہ لوگ فراموش کر چکے ہیں۔ قیامت کے دن جب انہیں قبروں سے اٹھایا جائے گا تو ان کے ایک ایک کرتوت پر انہیں آگاہ کر دیا جائے گا۔

١٤ منافقین اسلام کی روز افزوں ترقی سے بڑے ہراساں رہا کرتے۔ ان میں یہ ہمت تو نہ تھی کہ کھل کر مسلمانوں کی مخالفت کریں لیکن ان کا خبثِ باطن انہیں اسلام کے خلاف سازشیں کرنے اور منصوبے بنانے میں مصروف رکھا کرتا تھا جہاں کہیں تین چار

عَلِيمٌ ﴿٧﴾ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نُهُوا عَنِ النَّجْوَىٰ ثُمَّ يَعُودُونَ

جاننے والا ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا ان لوگوں کی طرف جنہیں (اسلام کے خلاف) سرگوشیوں سے روکا گیا پھر وہ بارہ وہی کرتے ہیں

لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَيَتَنَاجَوْنَ بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ

جس سے انہیں روکا گیا اور سرگوشیاں کرتے ہیں گناہ، ظلم اور رسول کی نافرمانی کے

الرَّسُولِ وَإِذَا جَاءُوكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللَّهُ وَ

بارے میں ۱۵ اور جب آپ کی خدمت میں آتے ہیں تو آپ کو اس طرح سلام دیتے ہیں جیسے اللہ نے آپ کو سلام نہیں دیا ۱۶

يَقُولُونَ فِي أَنفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللَّهُ بِمَا نَقُولُ ۚ حَسْبُهُمْ

اور وہ کہا کرتے ہیں آپس میں کہ (اگر یہ سچے رسول ہیں) تو اللہ تعالیٰ ہماری ان باتوں پر ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا۔ کافی ہے انہیں

مل بیٹھتے بڑی رازداری سے مسلمانوں کو پریشان کرنے، ان کی بڑھتی ہوئی طاقت کو مفلوج کرنے، ان کی صفوں میں انتشار و افتراق پیدا کرنے کے لیے کھسر پھسر شروع کر دیتے اور یہ خیال کرتے کہ ان سرگوشیوں کی کسی کو خبر نہیں اور ان کی سازشوں پر کوئی آگاہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں ان کی اس غلط فہمی پر متنبہ فرما رہا ہے کہ تم سراسر غلط فہمی میں مبتلا ہو۔ تم جہاں کہیں بھی ہو، تمہاری تعداد کتنی ہی ہو، میں تمہیں دیکھ رہا ہوتا ہوں۔ تمہاری سرگوشیوں کو خوب سن رہا ہوتا ہوں۔ قیامت کے روز تمہاری ایک ایک شرارت پر تمہیں آگاہ کر دیا جائے گا۔

نجویٰ: اسم مصدر مشتق من النجوۃ وھی ما ارتفع من الارض فان السر امر مرفوع الی الذھن لا یتیسر لکل احد ان یطلع علیہ۔ (مظہری) یعنی نجویٰ اسم مصدر ہے۔ یہ نجوۃ سے مشتق ہے اور نجوۃ اونچی جگہ کو کہتے ہیں جہاں ہر کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی کیونکہ راز بھی خفا کی بلندیوں میں ہوتے ہیں اس لیے نجویٰ کہا گیا ہے۔ صاحب لسان العرب لکھتے ہیں: النجویٰ والنجیّ: السرّ والنجو۔ السرّ بین اثنین یقال نجوتہ نجواً ای ساررتہ۔ یعنی دو آدمیوں کے رازداری سے بات کرنے کو نجویٰ کہتے ہیں۔

۱۵ یہود اور منافقین کی یہ عادت تھی کہ جب وہ مسلمانوں کو دیکھتے تو الگ بیٹھ کر سرگوشیاں کرنے لگتے۔ اس اثنا میں مسلمانوں کی طرف بار بار دیکھتے اور اشارے کرتے۔ ان کا مقصد یہ ہوتا کہ مسلمان یہ خیال کریں گے کہ یہ لوگ ان کے بارے میں مشورے کر رہے ہیں، ان کے خلاف منصوبے بنا رہے ہیں۔ مسلمانوں کو ان کے اس طریقہ سے بڑی وحشت ہوتی، چنانچہ صحابہؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ان کی بارہا شکایت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کو ایسا کرنے سے روکا لیکن وہ اپنی ان حرکتوں سے باز نہ آتے۔ ہر جگہ ان کی سرگوشیوں کا سلسلہ جاری رہتا۔ جہاں کہیں دو چار مل بیٹھتے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف صلاح مشورے ہونے لگتے۔

۱۶ یہودی جب خدمت اقدس میں حاضر ہوتے تو اس طرح سلام عرض نہ کرتے جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے پیارے حبیب کو

جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۞ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

جہنم اس میں داخل ہوں گے اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے ۱۸ اے ایمان والو!

إِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ

جب تم خفیہ مشورہ کرو تو مت خفیہ مشورہ کرو گناہ، زیادتی اور رسول (کریم) کی نافرمانی

الرَّسُولِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ

کے متعلق بلکہ نیکی اور تقویٰ کے بارے میں مشورہ کیا کرو ۱۹ اور ڈرتے رہو اللہ سے جس کی (بارگاہ میں) تمہیں

سلام فرماتا ہے یا جس طرح اس نے اہلِ ایمان کو دربارِ نبوی میں حاضری کے آداب سکھائے لیکن ان کا خبثِ باطن انہیں تہذیب و شائستگی کے حدود سے بھی باہر نکال لے جاتا اور وہ بجائے سلامتی کی دعا عرض کرنے کے السّام علیک کہتے۔ (السّام کا معنی موت ہے) اور ان الفاظ کا تلفظ اس طرح کرتے کہ عام آدمی ان کی خباثت پر خبردار نہ ہوتا۔ ایک دن وہ حضور کی بارگاہ میں آئے اور کہا السّام علیک یا اباالقاسم حضور نے حسبِ معمول ارشاد فرمایا وعلیکم (اور تم پر بھی) حضرت عائشہ صدیقہؓ کہیں سُن رہی تھیں۔ انہوں نے غصہ سے فرمایا السّام علیکم ولعنکم اللہ وغضب علیکم۔ اے مردودو! تم ہلاک ہو، تم پر خدا کی پھٹکار اور غضب ہو۔ حضور نے ام المومنینؓ سے فرمایا مهلاً یا عائشۃ علیک بالرفق وایاک والعنف والفحش۔ اے عائشہ صبر کرو، نرمی سے پیش آؤ اور بدکلامی نہ کرو۔ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ آپ نے غور نہیں فرمایا کہ انہوں نے کیا بکا ہے۔ فرمایا میں نے جواب میں کہہ دیا وعلیکم (اور تم پر بھی موت آئے)

۱۸ یہود ایسی بدزبانی اور گستاخی کرتے۔ پھر ایک دوسرے سے یہ کہتے کہ اب ہمیں یقین آگیا ہے کہ یہ نبی نہیں۔ اگر یہ نبی ہوتے اور ہم ایسی گستاخی کرتے تو خدا کا عذاب فوراً ہمیں تہس نہس کر کے رکھ دیتا۔ ہم ایسی گستاخیاں کرتے ہیں اور ہماری تو کبھی نکسیر تک نہیں پھوٹی، ہمیں تو کبھی ہلکا سا درد سر بھی نہیں ہوا، معلوم ہوا کہ یہ خدا کے نبی نہیں ہیں۔ انہیں کہا جا رہا ہے کہ ان گستاخیوں کی پاداش میں تمہارا ٹھکانا جہنم بنا دیا گیا ہے۔ تمہیں پکڑ کر اس میں دھکیل دیا جائے گا۔ ہمیشہ اس میں جلتے رہو گے اور تڑپتے رہو گے۔ جو میرے محبوب کے گستاخ ہیں ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ وہ بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے۔ اس میں نہ ایک لمحہ آرام ملے گا اور نہ اس سے باہر نکلنے کی کوئی امید ہو گی۔

۱۹ ایسی سرگوشیاں ممنوع ہیں جن میں کسی گناہ کے بارے میں مشورے ہوں۔ لوگوں کو اذیت پہنچانے کے لیے تجویزیں سوچی جائیں یا اللہ کے رسول کی نافرمانی اور مخالفت کے لیے سکیمیں تیار کی جائیں۔ مسلمانوں کو کسی ایسی میٹنگ میں شریک نہیں ہونا چاہیے۔ البتہ اگر کسی نیک کام کے لیے، کسی منہیات کے لیے باہم مل کر صلاح مشورہ کیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

تُحْشَرُوْنَ ۝ اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ

جمع کیا جائے گا۔ (کفار کی) سرگوشیاں تو شیطان کی طرف سے ہیں تاکہ وہ غمزدہ کردے

اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْـًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ

ایمان والوں کو حالانکہ وہ انہیں کچھ بھی ضرر نہیں پہنچا سکتا اللہ کے حکم کے بغیر۔ اور اللہ پر ہی

فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ

توکل کرنا چاہیے اہل ایمان کو ؀۱۹ اے ایمان والو! جب تمہیں کہا جائے کہ (رکھنے والوں کے لیے)

تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ

جگہ کشادہ کرو مجلس میں تو کشادہ کر دیا کرو اللہ تمہارے لیے کشادگی فرمائے گا ؀۲۰ اور جب کہا جائے کہ

؀۱۹ اس قسم کی سرگوشیاں شیطان کی انگیخت سے ہوتی ہیں اور ان کا مقصد مسلمانوں کو خوف زدہ اور ہراساں کرنا ہوتا ہے۔ اپنے بندوں کو بتا دیا کہ ان کی یہ ساری سرگوشیاں اور سازشیں تمہیں کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتیں۔ اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو یہود اور منافقین کے چاہنے سے تمہارا بال بھی بیکا نہ ہوگا۔ اس لیے ایسی باتوں سے تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہیے اور اللہ تعالیٰ پر مکمل بھروسہ کرنا چاہیے۔

حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اپنے غلاموں کو آداب مجلس کی بھی تعلیم دی ہے۔ حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذا کان ثلثۃ فلا یتناجی اثنان دون الواحد۔ اگر تم تین آدمی اکٹھے بیٹھے ہو تو تیسرے آدمی کو چھوڑ کر دو آپس میں سرگوشی نہ کرو (بخاری)۔ دوسری حدیث جو ابن مسعودؓ سے مروی ہے اس میں اس کی حکمت بھی بتا دی۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا کنتم ثلاثۃ فلا یتناجی اثنان دون الآخر حتی تختلطوا بالناس من اجل ان یحزنہ۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جب تم تین آدمی بیٹھے ہو تو تیسرے کو چھوڑ کر دو مشورہ کرنے لگ جاؤ اس طرح وہ آدمی آزردہ خاطر ہوگا۔ وہ یہ خیال کرے گا کہ مجھے بیگانہ خیال کیا جا رہا ہے یا ان کی نظروں میں میری کوئی عزت نہیں۔ اور اگر اس آدمی کے پاس اور آدمی آکر بیٹھ جائیں تو پھر ان دو کی سرگوشی منع نہیں کیونکہ اب وہ آزردہ نہ ہوگا۔

؀۲۰ اس آیت میں بھی مسلمانوں کو مل بیٹھنے کے ایسے آداب سکھائے جا رہے ہیں جن پر عمل کرنے سے باہمی محبت بڑھے اور ایک دوسرے کا احترام پیدا ہو۔ فرمایا اگر مجلس میں لوگ بیٹھے ہوئے ہوں اور باہر سے دوسرے حضرات آجائیں تو پہلے سے بیٹھے ہوئے لوگوں کے لیے یہ مناسب نہیں کہ آنے والوں کی پروا تک نہ کریں اور اس بات کا انہیں خیال ہی نہ آئے کہ انہیں بیٹھنے

انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ

اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہوا کرو ۲۱ اللہ تعالیٰ ان کے جو تم میں سے ایمان لے آئے اور جن کو علم دیا گیا

اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ⑪ يٰٓاَيُّهَا

درجات بلند فرما دے گا ۲۲ اور اللہ تعالیٰ جو تم کرتے ہو اس سے خوب آگاہ ہے۔ اے

کے لیے جگہ مل جاتی نہیں بلکہ ان پر ضروری ہے کہ وہ انہیں عزت سے بٹھائیں اور اگر بھیڑ بہت زیادہ ہو پھر بھی انہیں چاہیے کہ جتنا سکڑ سکتے ہیں سکڑیں اور آنے والوں کے لیے جگہ نکالیں۔ فرمایا اگر تم اپنے بھائیوں کے لیے کشادہ دلی کا مظاہرہ کرو گے اور ان کے بیٹھنے کے لیے جگہ بنا دو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا اجر عطا فرمائے گا۔ تمہارے رزق کو کشادہ کرے گا۔ بلکہ دنیا و آخرت میں تمہیں فراخی اور کشادگی نصیب فرمائے گا۔

جو لوگ پہلے سے بیٹھے ہوئے تھے ان کو تو یہ تعلیم دی کہ وہ آنے والوں کے لیے جگہ کشادہ کریں لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آنے والوں کو بھی یہ ہدایت فرمائی کہ وہ ایسا نہ کریں کہ پہلے سے بیٹھے ہوئے لوگوں کو اٹھا دیں اور ان کی جگہ خود بیٹھ جائیں۔ ارشاد نبوی ہے۔ لا یقیم الرجل الرجل من مجلسہ ثم یجلس فیہ۔ اسی طرح اگر مسجد میں کوئی شخص بیٹھا ہوا ہے تو کسی کو اجازت نہیں کہ اسے اٹھا کر خود اس کی جگہ بیٹھ جائے اگر کسی شخص نے کسی آدمی کو بھیجا کہ تم پہلے جا کر میرے لیے ایک نشست محفوظ کر لو اور وہاں بیٹھ جاؤ جب وہ شخص وہاں جائے تو وہ اس آدمی کو اٹھا سکتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی نے اپنی جائے نماز بھیج دی کہ پہلی صف میں اس کے لیے بچھا دی جائے تو یہ درست ہے جس وقت بھی وہ آئے جائے نماز پر بیٹھ سکتا ہے۔ (قرطبی)

تفسحوا: ای توسعوا۔

۲۱؎ جب حاضرین مجلس کو کہا جائے کہ اب آپ تشریف لے جائیں تو انہیں فوراً چلے جانا چاہیے، ورنہ اہل خانہ یا منتظمین مجلس کو بڑی کوفت ہوگی۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب صحابہ کو اپنے گھر میں مدعو فرماتے تو کھانا کھا لینے کے بعد بھی بار بار کہنے کے باوجود کئی لوگ وہاں سے اٹھنے کا نام نہ لیتے۔ ان کی یہ تمنا ہوتی کہ سب سے آخر میں اپنے آقا و مولیٰ سے مصافحہ کریں۔ انہیں بتایا گیا کہ تمہاری محبت بجا لیکن حضور کے آرام کا بھی تمہیں خیال رکھنا چاہیے نیز حضور کی دیگر مصروفیات بھی ہیں۔ ان کے لیے بھی تمہیں مہلت دینی چاہیے۔

۲۲؎ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بلندیٔ مراتب اور رفع درجات کا ذریعہ ایمان اور علم ہے۔ ایک ایمان دار شخص نادار اور مفلس ہی کیوں نہ ہو، کافر رئیسوں سے اس کا درجہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں بہت بلند ہے۔

علامہ مرحوم فرماتے ہیں ؎

قطرۂ آب وضو قنبرے   خوب تر از خون ناب قیصرے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ

ایمان والو! جب تنہائی میں بات کرنا چاہو رسول (مکرم) سے تو سرگوشی سے پہلے

نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ۭ فَاِنْ لَّمْ

صدقہ دیا کرو۔ یہ بات تمہارے لیے بہتر ہے اور دلوں کو پاک کرنے والی ہے۔ اور اگر تم (اس کی سکت)

تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾ ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ

نہ پاؤ تو بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے ۲۳ کیا تم (اس حکم سے) ڈر گئے کہ تمہیں سرگوشی

نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ۭ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ

سے پہلے صدقہ دینا چاہیے۔ پس جب تم ایسا نہیں کر سکے تو اللہ نے تم پر نظر کرم فرمائی

یعنی قنبر جو سیدنا علی کا غلام تھا اس کے وضو کے پانی کا قطرہ قیصر کے خون سے زیادہ عزت والا ہے۔

اسی طرح صاحب علم، جاہل سے اعلیٰ ہے خواہ وہ جاہل بڑا جاگیردار اور دولت مند کیوں نہ ہو۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ علماء صحابہ کو خواہ وہ عمر میں چھوٹے ہی کیوں نہ ہوتے بڑے بوڑھوں پر ترجیح دیتے۔ ان کو اپنے قریب بٹھاتے اور ان کی عزت افزائی فرماتے۔ احادیث میں بھی علماء کی بڑی شان بیان کی گئی ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من جاءه الموت وهو يطلب العلم ليحيى به الاسلام فبينه وبين النبيين درجة۔

حضورؐ نے فرمایا جو شخص علم حاصل کر رہا ہو تاکہ وہ اس علم سے اسلام کو زندہ کرے اس اثنا میں اسے موت آجائے تو اس کے درمیان اور انبیاء کے درمیان صرف ایک درجہ کا فرق ہوگا۔

دوسری حدیث میں حضورؐ نے ارشاد فرمایا:

يشفع يوم القيامة ثلثة: الانبياء ثم العلماء ثم الشهداء۔

قیامت کے دن تین گروہ شفاعت کریں گے۔ پہلے انبیاء پھر علماء اور پھر شہداء۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اختیار دیا کہ علم، حکومت اور مال میں سے ایک چیز پسند کر لو۔ آپ نے علم کو پسند کیا اللہ تعالیٰ نے اس کی برکت سے آپ کو بادشاہی اور مال بھی عطا فرمائے۔

۲۳ حضرت صدر الافاضل مرادآبادی قدس سرہ اس آیت کا شان نزول بیان فرماتے ہیں:

فَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَأَطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ ۚ

پس (اب) تم نماز صحیح صحیح ادا کیا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور تابعداری کیا کرو اللہ اور اس کے رسول کی۔

وَاللّٰهُ خَبِيرٌۢ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۳﴾ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ تَوَلَّوْا قَوْمًا

اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو تم کرتے رہتے ہو۔ کیا تم نے نہیں دیکھا ان (نادانوں) کی طرف جنہوں نے دوست بنالیا ایسی

غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۖ مَا هُمْ مِنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ ۙ وَيَحْلِفُونَ

قوم کو جن پر خدا کا غضب ہوا ۲۴؎ نہ یہ لوگ تم میں سے ہیں اور نہ ان میں سے یہ جان بوجھ کر جھوٹی

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جب اغنیاء نے عرض و معروض کا سلسلہ دراز کیا اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ فقراء کو اپنی عرض پیش کرنے کا موقع کم ملنے لگا تو عرض پیش کرنے والوں کو عرض پیش کرنے سے پہلے صدقہ پیش کرنے کا حکم دیا گیا اور اس حکم پر حضرت علی مرتضیٰؓ نے عمل کیا۔ ایک دینار صدقہ کر کے دس مسائل دریافت کیے۔ عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

① وفا کیا ہے؟ — فرمایا توحید اور توحید کی شہادت دینا۔

② عرض کیا فساد کیا ہے؟ — فرمایا کفر و شرک۔

③ عرض کیا حق کیا ہے؟ — فرمایا اسلام، قرآن اور ولایت جب تجھے ملے۔

④ عرض کیا حیلہ (یعنی تدبیر) کیا ہے؟ — فرمایا ترک حیلہ۔

⑤ عرض کیا مجھ پر کیا لازم ہے؟ — فرمایا اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت۔

⑥ عرض کیا اللہ تعالیٰ سے کیسے دعا مانگوں؟ — فرمایا صدق و یقین کے ساتھ۔

⑦ عرض کیا کیا مانگوں؟ — فرمایا عافیت۔ ایک روایت میں عاقبت کا لفظ ہے۔

⑧ عرض کیا اپنی نجات کے لیے کیا کروں؟ — فرمایا حلال کھا اور سچ بول۔

⑨ عرض کیا سرور کیا ہے؟ — فرمایا جنت۔

⑩ عرض کیا راحت کیا ہے؟ — فرمایا اللہ کا دیدار۔

جب حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سوالوں سے فارغ ہو گئے تو یہ حکم منسوخ ہو گیا اور رخصت نازل ہوئی اور سوائے حضرت علی مرتضیٰؓ کے اور کسی کو اس پر عمل کرنے کا وقت نہیں ملا۔

۲۴؎ منافقین اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے تھے کہ اسلام روز افزوں ترقی کر رہا ہے۔ اس کی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوتا جا رہا ہے۔ مال غنیمت کی ریل پیل ہونے والی ہے۔ دنیاوی منفعت کے حصول کے لیے وہ مسلمانوں میں گھسے ہوئے تھے لیکن ان کی

عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿١٤﴾ أَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا

باتوں پر قسمیں کھاتے ہیں۔ تیار کر رکھا ہے اللہ نے ان کے لیے سخت عذاب۔

إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٥﴾ اتَّخَذُوا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً

بلاشبہ یہ لوگ بہت برے کام کیا کرتے تھے۔ انہوں نے بنا رکھا ہے اپنی قسموں کو ڈھال

فَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿١٦﴾ لَنْ

پس وہ (اس طرح) روکتے ہیں اللہ کی راہ سے سو ان کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔ کچھ نفع

تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا ۚ أُولٰئِكَ

نہیں پہنچائیں گے انہیں ان کے مال اور نہ ان کی اولاد عذاب الٰہی سے بچانے کے لیے۔ یہ لوگ

أَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ﴿١٧﴾ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيعًا

جہنمی ہیں۔ یہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ۲۵ جس روز اللہ تعالیٰ ان سب کو اٹھائے گا

دلی ہمدردیاں یہودیوں کے ساتھ تھیں اور انہیں کو اپنا دوست سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان بدبختوں نے ایک ایسی قوم سے دوستی قائم کر رکھی ہے جن پر خدا کا غضب ہے۔ نہ یہ مسلمانوں میں داخل ہیں اور نہ یہودیوں میں۔ حدیث شریف میں ہے۔ مثل المنافق مثل الشاة العائرة بين غنمين لا تدري ايهما تتبع۔ یعنی منافق کی مثال اس بھیڑ کی سی ہے جو دو ریوڑوں میں سرگرداں پھر رہی ہو۔ اسے یہ معلوم نہ ہو کہ اس نے کس ریوڑ کے پیچھے جانا ہے۔

ایک روز سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے حجرہ شریفہ میں تشریف فرما تھے۔ چند صحابہ بھی حاضر تھے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔ يدخل عليكم رجل قلبه قلب جبار وينظر بعين شيطان۔ ابھی تمہارے پاس ایک آدمی آئے گا جس کا دل بڑا سخت ہے اور جو شیطان کی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ چنانچہ عبد اللہ ابن نبتل جھٹ آگیا جس کی آنکھیں نیلی قد چھوٹا اور ڈاڑھی پتلی تھی۔ حضورؐ نے فرمایا تو اور تیرے ساتھی کیوں گالیاں دیتے رہتے ہیں۔ اس نے قسم کھائی کہ اس نے کبھی گالی نہیں دی۔ اس کے ساتھی آئے انہوں نے بھی قسمیں کھائیں، حالانکہ وہ جانتے تھے کہ وہ جھوٹی قسمیں کھا رہے ہیں۔

۲۵ جھوٹی قسموں کو اپنی ڈھال بنا کر وہ اپنے آپ کو بھی بچا رہے تھے اور اس آڑ میں وہ لوگوں کو اسلام سے نفرت دلاتے اور اسلام کے خلاف گھڑ گھڑ کر باتیں کرتے اور اس طرح ان کے سلسلام قبول کرنے کی راہ میں رکاوٹ بن کر کھڑے ہو جاتے۔ ان

فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى

تو وہ قسمیں کھائیں گے اللہ کے سامنے جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں اور خیال کریں گے کہ وہ کسی مفید چیز پر تکیہ کیے

شَيْءٍ ؕ اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝۱۸ اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ

ہیں خبردار! یہی وہ جھوٹے لوگ ہیں ۲۶ تسلط جما لیا ہے ان پر شیطان نے

فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ

اور اس نے اللہ کا ذکر انہیں فراموش کرا دیا ہے۔ یہ لوگ شیطان کا ٹولہ ہیں۔ خوب سن لو! شیطان کا ٹولہ ہی

الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۱۹ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

یقیناً نقصان اٹھانے والا ہے ۲۷ بے شک جو لوگ مخالفت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی

کے انجام سے ان کو باخبر کر دیا۔

۲۶ جھوٹ ان کی نس نس میں رچ گیا تھا۔ انہیں جھوٹ بولنے سے ذرا شرم نہیں آتی تھی۔ وہ بار بار جان بوجھ کر جھوٹ بولتے نہ ان کی زبان لڑکھڑاتی، نہ ان کا دل انہیں ملامت کرتا۔ دوسرا ظلم وہ یہ کرتے کہ اپنی جھوٹی بات کو سچ ثابت کرنے کے لیے دھڑا دھڑ جھوٹی قسمیں کھانے لگتے۔ جھوٹ اب ان کی فطرت ثانیہ بن چکا ہے۔ حتیٰ کہ قیامت کے روز جب اللہ تعالیٰ کے روبرو حاضر ہوں گے تو وہاں بھی جھوٹ بولنے سے باز نہیں آئیں گے اور جھوٹی قسموں کا تانتا باندھ دیں گے۔ واللہ ربنا ما کنا مشرکین۔ خدا کی قسم، ہمارے پروردگار کی قسم ہم قطعاً مشرک نہ تھے اور دل ہی دل میں بڑے مطمئن ہوں گے کہ اس طرح جھوٹ بول کر اور جھوٹی قسمیں کھا کر انہوں نے اللہ تعالیٰ کو بھی دھوکہ دے لیا ہے اور اپنے آپ کو اس کی گرفت سے بچا لیا ہے۔ اب انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ سراسر جھوٹے ہیں۔

۲۷ منافقین ایسی بھونڈی حرکتیں کیوں کرتے ہیں، وہ ایسی جھوٹی قسمیں کیوں کھاتے ہیں جن کا جھوٹ اظہر من الشمس ہوتا ہے اس کے متعلق فرمایا کہ ان کی عقل و ہوش پر شیطان نے پوری طرح تسلط جما لیا ہے۔ وہ خود سوچنے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ جو پٹی وہ ظالم انہیں پڑھاتا ہے اور جس راہ پر وہ انہیں چلاتا ہے آنکھیں بند کیے ہوئے وہ اس پر چل کھڑے ہوتے ہیں۔ ای غلب علی عقولھم بوسوسته وتزیینه حتی اتبعوہ فانسٰھم۔ اب حالت یہ ہے کہ انہیں ذکر الٰہی کی فرصت ہی نہیں ملتی۔ انہوں نے اپنے رب کی یاد کو بھی فراموش کر دیا ہے۔ وہ اب شیطانی فوج میں بھرتی ہو گئے ہیں اور جو شیطان کا چیلہ بن جائے وہ ایسی ناشائستہ حرکتیں نہیں کرے گا تو اور کیا کرے گا۔ وہ یاد رکھیں کہ انجام کار انہیں شدید نقصان اٹھانا پڑے گا۔ نفع تو کجا اصل سرمایہ بھی غارت ہو جائے گا۔

أُولَٰئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ ﴿٢٠﴾ كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي ۚ

وہ ذلیل ترین لوگوں میں شمار ہوں گے۔ ۲۸ اللہ نے یہ لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب آکر رہیں گے۔

إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٢١﴾ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ

بے شک اللہ تعالیٰ طاقتور (اور) زبردست ہے ۲۹ تو ایسی قوم نہیں پائے گا جو ایمان رکھتی ہو اللہ اور قیامت پر

الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ

(پھر) وہ محبت کرے ان سے جو مخالفت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی خواہ وہ (مخالفین) ان کے باپ ہوں

أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ ۚ أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي

یا ان کے فرزند ہوں یا ان کے بھائی ہوں یا ان کے کنبہ والے ہوں ۳۰ یہ وہ لوگ ہیں نقش کر دیا ہے اللہ نے

۲۸ ان کے بارے میں پہلے فرمایا کُبِتوا یعنی یہ لوگ منہ کے بل گرا دیئے جائیں گے۔ یہاں ان بدبختوں کے بارے میں فرمایا اُولٰئِکَ فِی الْاَذَلِّیْنَ یعنی ان کا شمار ذلیل ترین مخلوق میں ہو رہا ہے۔ ان سے زیادہ ذلیل اور حقیر کوئی چیز نہیں ہے۔ ای من جملۃ الاذلاء لا اذل منھم۔ (قرطبی)

۲۹ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اللہ کا دین اور اس کے رسول ہر میدان میں ضرور غالب ہوں گے۔ تیغ و سناں کی جنگ ہو یا حجت و برہان کا معرکہ کامیابی کا سہرا اہل حق کے سر ہی باندھا جائے گا۔

۳۰ اس آیت میں بڑی صراحت سے اس حقیقت کو بیان فرمایا جا رہا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ پر اور روز قیامت پر ایمان لانے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اگر وہ اس دعویٰ میں سچے ہیں تو یہ ناممکن ہے کہ ان کے دلوں میں اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں کی محبت پائی جائے۔ جس طرح پاک اور پلید پانی ایک برتن میں اکٹھے نہیں رہ سکتے اسی طرح نور ایمان اور دشمنان اسلام کی دوستی ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتی جو شخص ایمان کا مدعی ہے اور کفار و منافقین کے ساتھ بھی دوستی کے تعلقات رکھتا ہے وہ اپنے آپ کو فریب دے رہا ہے۔ اللہ کا بندہ اللہ کریم کے دشمنوں سے خواہ وہ اس کے قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہوں ہر قسم کے تعلقات منقطع کر دیتا ہے۔ ان میں سے چند قریبی رشتوں کا صراحۃً ذکر فرما دیا۔ اولاد کو اپنے والدین سے محبت بھی ہوتی ہے اور ان کا ادب اور لحاظ بھی ہوتا ہے لیکن اگر باپ دین کا دشمن ہو تو بیٹا اس کی پروا تک نہیں کرتا۔ اسی طرح باقی رشتے بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کے مقابلہ میں کوئی وقعت نہیں رکھتے۔ چنانچہ دنیا نے دیکھا کہ جب غلامان مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء بدر و اُحد کے میدانوں میں اپنے قریبی رشتہ داروں کے سامنے صف آرا ہوئے تو جو بھی ان کا مدمقابل بنا انہوں نے بلا تامل اس کو خاک و خون میں ملا دیا۔

قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ

ان کے دلوں میں ایمان اور تقویت بخشی ہے انہیں اپنے فیضِ خاص سے ۳۱؎ اور داخل کرے گا انہیں باغوں میں

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ

رواں ہیں جن کے نیچے نہریں وہ ہمیشہ رہیں گے ان میں۔ اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا ان سے

حضرت ابو عبیدہ جب میدانِ بدر میں گئے تو ان کا باپ عبداللہ ان کے سامنے آیا۔ آپ نے اپنی تلوار کے وار سے اس کا سر قلم کر دیا۔

ایک دفعہ حضرت صدیق اکبرؓ کے والد ابو قحافہ نے شانِ رسالت میں کچھ گستاخی کی تو آپ نے اسے اس زور سے دھکا دیا کہ وہ منہ کے بل زمین پر آگرا۔ حضورؐ نے پوچھا تو ابوبکر نے عرض کیا میرے آقا اگر اس وقت میرے پاس تلوار ہوتی تو میں اس کو قتل کر دیتا۔

بعد میں حضرت ابو قحافہ مشرف باسلام ہو گئے تھے۔

بدر کے دن صدیق اکبرؓ نے اپنے بیٹے عبداللہ کو للکارا اور حضور سے جنگ کی اجازت طلب کرتے ہوئے عرض کیا دعنی اکون فی الرعلۃ الاولیٰ میرے آقا مجھے اجازت دیجئے تاکہ میں شہداء کے پہلے گروہ میں داخل ہو جاؤں۔ حبیب کبریا علیہ اطیب التحیۃ والثناء نے فرمایا متعنا بنفسك یا ابا بکر ماتعلم انك عندی بمنزلۃ سمعی وبصری۔

اے ابوبکر ہمیں اپنی ذات سے فائدہ اٹھانے دے۔ تو نہیں جانتا کہ تو میرے نزدیک میرے کان اور میری آنکھ کی طرح ہے۔

اسی طرح حضرت مصعب ابن عمیر نے اپنے بھائی عبید کو اُحد کے روز قتل کیا۔ بدر کی جنگ میں ایک انصاری نے ان کے بھائی ابوعزیز بن عمیر کو گرفتار کر لیا۔ وہ اسے رسی سے باندھ رہا تھا تو حضرت مصعب نے دیکھ لیا اور پکار کر کہا اس کو خوب کس کر باندھنا۔ اس کی ماں بڑی مالدار ہے۔ گراں قدر فدیہ ادا کرے گی۔ ابوعزیز نے کہا مصعب! تم بھائی ہو کر ایسی بات کہہ رہے ہو! آپ نے جواب دیا تیرا میرا بھائی چارہ ختم۔ اب یہ انصاری میرا بھائی ہے جو تمہیں باندھ رہا ہے۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنے ماموں عاص ابن ہشام ابن مغیرہ کو قتل کیا اور سیدنا علی، سیدنا حمزہ، سیدنا عبیدہؓ نے اپنے قریبی رشتہ داروں عتبہ، شیبہ اور ولید کو تہ تیغ کیا۔ شمعِ نبوت کے پروانوں نے عملی نمونہ پیش کیا اور دنیا کو بتا دیا کہ ان کے دلوں میں صرف اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت ہے اور بس۔

۳۱؎ یہی وہ خوش نصیب اور ارجمند حضرات ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان نقش کر دیا ہے۔ یہ نقش نہ مٹ سکتا ہے نہ دھندلا پڑ سکتا ہے اور ان کو ہی اللہ تعالیٰ نے اپنی جناب سے رُوح سے تقویت بخشی ہے۔ رُوح کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ آلوسی لکھتے ہیں المراد بالروح نور القلب وھو نور یقذفہ اللہ تعالیٰ فی قلب من یشاء من عبادہ تحصل بہ الطمانینۃ۔ یعنی رُوح سے مراد وہ نور ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے جس بندے کے دل میں چاہتا ہے ڈال دیتا ہے۔ اس نور سے اس کو

وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حِزْبُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۲۲ۧ

اور وہ اس سے راضی ہوگئے۔ یہ (بلند اقبال) اللہ کا گروہ ہیں۔ سن لو! اللہ تعالیٰ کا گروہ ہی دونوں جہانوں میں کامیاب و کامران ہے ۳۲

طمانیت و تسکین نصیب ہوتی ہے (روح المعانی) کیونکہ اس کی وجہ سے پاکیزہ و ابدی زندگی نصیب ہوتی ہے اس لیے اسے بطور مجاز روح فرمایا گیا۔

۳۲ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا اپنے ان بندوں پر بڑا احسان تھا کہ اس نے ان کے لوحِ قلب پر ایمان نقش کر دیا پھر ان کے دل میں وہ نور ڈال دیا جس سے ان کو طمانیت اور استقامت نصیب ہوئی۔ اسی کی قوت سے عشق کے امتحان میں وہ کامیاب ٹھہرے اب ان انعامات کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جن سے ان وفاشعار سرفروشوں کو نوازا جائے گا۔ مژدۂ جنت سنانے کے بعد فرمایا یہ وہ بلند اقبال اور فیروز بخت ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اپنے اللہ سے راضی ہو گئے۔ اب اس کی حقیقت کو ان خوش نصیب کے بغیر کون سمجھ سکتا ہے یا اس کی قدر و منزلت کو پہچان سکتا ہے جن پر یہ عنایت خاص فرمائی گئی۔ آخر میں انہیں یہ خوشخبری بھی سنا دی کہ تم ہمارے ہو اور دنیا و آخرت کی کامیابی کا تاج صرف ان کو پہنایا جاتا ہے جو ہمارے ہوتے ہیں۔

◎

اللّٰھم لک الحمد والشکر ولک المجد والکبریاء اللّٰھم انت کریم وباب رحمتک مفتوح اکتب الایمان علی قلبی وایدنی بروح منک وادخلنی فی جناتک التی تجری من تحتھا الانھار وارض عنی وارضنی عنک وادخلنی فی حزبک الا ان حزبک ھم المفلحون۔

رب اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علی وعلی والدی وان اعمل صالحا ترضٰہ واصلح لی فی ذریتی انی تبت الیک وانی من المسلمین اللّٰھم صل وسلم وبارک علی حبیبک ومحبوبک ونبیک وصفیک سیدنا ومولانا محمد وعلی اٰلہ الطیبین الطاھرین وازواجہ الطاھرات اُمھات المؤمنین وسائر الصحابۃ والتابعین واولیاء امتہ الکاملین وعلماء ملتہ الصالحین وعلینا معھم اجمعین یاذا الجلال والاکرام۔

○

تعارف

سورة الحشر

نام : اس سورت مبارکہ کا نام الحشر ہے۔ یہ لفظ دُوسری آیت میں مذکور ہے۔ اس میں تین رکوع، چوبیس آیتیں، ۴۴۵ کلمے، ایک ہزار نو سو تیرہ حروف ہیں۔

زمانہ نزول : اس بات پر تو سب کا اتفاق ہے کہ اس سورت میں غزوہ بنی نضیر کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ حضرت سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس سے اس سورت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا اُنزلت فی بنی نضیر یعنی یہ بنی نضیر کے بارے میں نازل ہوئی۔ (بخاری و مسلم) انہیں سے دُوسری روایت یُوں ہے کہ میں نے اس سُورت کے بارے میں حضرت ابن عباس سے دریافت کیا۔ اُنہوں نے فرمایا "سورۃ بنی نضیر" یعنی اس سُورت کا نام ہی بنی نضیر ہے۔

لیکن اس میں اختلاف ہے کہ اس سورت کا نزول اور غزوہ بنی نضیر کس سال میں ہوا۔ ایک قول یہ ہے کہ جنگ بدر کے چھ ماہ بعد غزوہ بنی نضیر وقوع پذیر ہوا لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ غزوہ ماہ ربیع الاول ۴ھ ہجری میں پیش آیا۔ اس سے پہلے بئر معونہ کا المناک حادثہ رونما پذیر ہو چکا تھا۔ بلاذری، ابن ہشام اور ابن سعد نے اسی قول کی تصدیق کی ہے۔

یہود یثرب میں

اس غزوہ کے پس منظر کو سمجھنے کے لیے ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ یہود جن کا اصلی وطن فلسطین تھا وہ حجاز کے اس دُور افتادہ علاقہ میں کب اور کن حالات میں پہنچے۔ کُتب تاریخ کے مطالعہ سے تین چیزیں سامنے آتی ہیں جن کی روشنی میں یثرب میں یہود کی آمد کے بارے میں کوئی رائے قائم کی جا سکتی ہے۔

(۱) علامہ ابن خلدون نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے اور دیگر عربی مراجع سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ یثرب شہر کو آباد کرنے والے عمالقہ تھے جس شخص نے اس کا سنگ بنیاد رکھا اس کا نام یثرب بن مُہلائیل بن عُوص بن عملیق تھا۔ گویا یہ شہر اپنے بسانے والے کے نام سے ہی مشہور ہو گیا۔ عمالقہ کا کام فتنہ و فساد برپا کرنا، راہزنی، قزاقی اور بدمعاشی تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت یوشع کی قیادت میں بنی اسرائیل کا ایک لشکر عمالقہ کی بیخ کنی کے لیے یثرب روانہ کیا اور اسے حکم دیا کہ ان میں سے کسی کو زندہ نہ چھوڑیں۔ یوشع نے اپنی اسرائیلی فوج کے ساتھ یثرب پر حملہ کیا۔ ان کو شکست فاش دی اور اس نسل کے جتنے آدمی تھے سب کو تہ تیغ کر دیا۔ صرف ان کے بادشاہ سُمَیدَع بن ہُومر کا ایک نوجوان لڑکا جو حد درجہ خوبصورت تھا اُسے اُنہوں نے زندہ رہنے دیا تاکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خود اس کے بارے میں فیصلہ کریں۔ جب یہ فاتح لشکر اپنے وطن کی طرف لوٹا تو اس کے پہنچنے سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام رحلت فرما گئے۔ وہاں کے یہودیوں کو جب پتہ چلا کہ یوشع نے عمالقہ کے بادشاہ کے لڑکے کو قتل نہیں کیا

تو وہ بخت برہم ہو گئے۔ اور ان پر موسیٰ علیہ السلام کے حکم کی نافرمانی کا الزام لگایا اور انہیں اپنے علاقہ میں سکونت کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ ان لوگوں نے یہ سوچا کہ بجائے اس کے کہ ہم ادھر ادھر مارے مارے پھریں کیوں نہ اس شہر میں جا کر آباد ہو جائیں جس کو انہوں نے ابھی ابھی فتح کیا ہے۔ چنانچہ وہ یثرب واپس آگئے اور وہیں رہائش اختیار کر لی۔ یہ پہلا یہودی گروہ ہے جو یہاں آکر آباد ہوا۔

۲۔ بخت نصر نے جب یروشلم پر حملہ کیا اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ ہیکل سلیمانی کو گرا کر پیوند زمین کر دیا بہت سے یہودیوں کو بے دریغ قتل کر دیا اور بے شمار لوگوں کو جنگی قیدی بنا کر اپنے ہمراہ لے گیا اس وقت یہودیوں کے چند قبائل یثرب میں آکر آباد ہو گئے۔ یاد رہے کہ بخت نصر نے ۵۸۶ قبل مسیح کو یروشلم پر حملہ کیا تھا۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں: "ومن ذلك الزمان (زمان بخت نصر) تفرقت بنو اسرائيل في البلاد فنزلت طائفة منهم الحجاز وطائفة يثرب وطائفة وادي القرى وذهبت شرذمة منهم الى مصر۔ (البدایہ والنہایہ ص ۳۹۔ ج ۲)

ترجمہ: یعنی بخت نصر کے حملہ کے زمانہ میں بنو اسرائیل مختلف ملکوں میں تتر بتر ہو گئے۔ ان میں سے ایک طائفہ حجاز میں، ایک یثرب میں، ایک وادی القریٰ میں جا کر اقامت گزیں ہو گیا اور ایک چھوٹا سا گروہ مصر چلا گیا۔

۳۔ جب رومیوں نے شام، فلسطین اور نواحی علاقوں پر قبضہ کیا اور یہودی آبادیوں کو ویرانوں میں بدل دیا۔ ان کے مردوں کو قتل کر کے ان کی عورتوں کے ساتھ نکاح کر لیا۔ اس بھگدڑ میں بنو نضیر، بنو قریظہ اور بنی بہدل وہاں سے جان بچا کر بھاگ آئے اور یثرب میں اقامت اختیار کر لی۔ ابن خلدون لکھتے ہیں: وظهر الروم على بني اسرائيل بالشام فقتلوهم وسبوا وخرج بنو نضير وبنو قريظة وبنو بهدل هاربين الى الحجاز وتبعهم الروم فهلكوا عطشا۔" جلد دوم ص ۵۹۵

ترجمہ: "جب رومی بنی اسرائیل پر ملک شام میں غالب آگئے تو انہوں نے انہیں قتل کیا۔ انہیں گرفتار کیا۔ ان حالات میں بنو نضیر، بنو قریظہ اور بنی بہدل حجاز کی طرف بھاگ آئے۔ رومیوں نے ان کا تعاقب کیا لیکن عرب کی صحرا کی دھوپ برداشت نہ کر سکے اور پیاس کی شدت سے ہلاک ہو گئے۔"

ڈاکٹر احمد امین نے فجر الاسلام میں اسی قول کی تائید کی ہے۔ (ص ۲۳، ۲۴)

یہ تینوں اقوال کتب تاریخ میں پائے جاتے ہیں ان میں سے کسی کو صحیح اور کسی کو غلط کہنا بلا وجہ تکلف ہے کیونکہ ان تینوں اقوال میں کوئی تعارض نہیں ہو سکتا ہے کہ سب سے پہلے یوشع اور ان کے ساتھی یثرب میں آکر آباد ہوئے ہوں۔ پھر جب ۵۸۶ ق م میں بخت نصر نے یروشلم کو آکر تباہ و برباد کر دیا تو اس وقت یہودیوں کے چند قبائل بھاگ نکلے اور حجاز کے مختلف خطوں میں آکر آباد ہو گئے ہوں۔ تیماء، فدک، خیبر، وادی القریٰ کے سرسبز علاقے انہوں نے اپنی رہائش کے لیے منتخب کر لیے ہوں۔ پھر جب رومیوں نے آکر شام و فلسطین پر قبضہ کر لیا اور یہودیوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے ہوں تو اس وقت یہ تین قبیلے کسی طرح جان بچا کر حجاز کی طرف بھاگ آئے ہوں اور یثرب میں جہاں پہلے سے ان کے دینی بھائی رہائش پذیر تھے وہاں پہنچ گئے ہوں۔ جب قومیں ہجرت کرتی ہیں تو اس کے تمام افراد یکبارگی نقل مکانی نہیں کیا کرتے۔ کسی حادثہ کے وقت ان میں سے

بعض ترکِ وطن میں پیش قدمی کرتے ہیں۔ جب کوئی اور اُفتاد پڑتی ہے تو بعض دُوسرے کسی پناہ گاہ کی تلاش میں اپنے وطن کو خیر باد کہتے ہیں۔ پھر کسی نئی قیامت کے برپا ہونے پر باقیماندہ لوگ بھی کوچ کر جاتے ہیں۔ یہی حال یہودیوں کی ہجرت کا ہے جو مختلف مقامات اور مختلف حالات میں وقوع پذیر ہوئی۔

اوس اور خزرج جن کو بعد میں انصارِ اسلام بننے کا شرف حاصل ہوا اور اسی لقب سے مشہور عالم ہوئے۔ ان کا اصل وطن یمن تھا اور ان کا تعلق یمن کے ایک مشہور قبیلہ بنی ازد سے تھا جو یمن کے خوشحال ملک میں عیش و آرام کی زندگی بسر کر رہا تھا لیکن جب اللہ تعالیٰ کے انعامات کی ناشکری کی پاداش میں وہ تباہ کن سیلاب آیا جس نے سدِ مآرب کے پرخچے اُڑا دیے تو سارا یمن تہ و بالا ہو گیا جس کا تفصیلی تذکرہ آپ سورۂ سبا کے حواشی میں ضیاء القرآن جلد چہارم میں پڑھ آئے ہوں گے۔ جو لوگ اس طوفان کی زد میں آ گئے وہ تو لقمۂ اجل بن گئے لیکن جو لوگ بچ گئے ان کے باغات، ان کی زرعی زمینیں، ان کے قصور و محلات سب تباہ و برباد ہو گئے انہوں نے بھی اسی میں سلامتی سمجھی کہ یہاں سے نقلِ مکانی کر کے کسی ایسے گوشہ میں رہائش اختیار کریں جہاں وہ امن و سکون کی زندگی بسر کر سکیں۔ انہی میں سے ازد کا قبیلہ بھی تھا۔ ابنِ خلدون لکھتے ہیں :

نزلت ازد شنوۃ الشام بالسراۃ خزاعۃ بطوی ونزلت غسان بصری وارض الشام و

نزلت ازد عمان الطائف ونزلت الاوس والخزرج یثرب (ص ۵۹۶ ج ۲)

ترجمہ : یعنی سیل العرم کے بعد ازد یمن سے نکلے ' ان کا ایک حصہ ازد شنوہ شام سراۃ میں جا کر آباد ہوا۔ خزاعہ طوی میں غسان بصریٰ میں اور سرزمین شام میں اور ازد عمان ' طائف میں ' اوس اور خزرج یثرب میں جا کر اقامت گزین ہوئے۔"

اوس و خزرج نے یثرب کی نواحی آبادیوں اور اردگرد کے گاؤں میں سکونت اختیار کی لیکن ازد نے کب ہجرت کی اور وہ تباہ کن سیلاب کب آیا جس نے اس سنگین چٹانوں سے بنے ہوئے بند کو درہم برہم کر دیا اس کے بارے میں کتبِ تاریخ میں متعدد اقوال مذکور ہیں۔ (۱) سدِ مآرب میں پہلا زبردست شگاف ولادتِ مسیح علیہ السلام کے قریبی زمانہ میں ہوا۔ اگرچہ سارا ڈیم برباد نہیں ہوا تھا لیکن یہ شگاف اتنا ہولناک تھا کہ اب اس بند کی پختگی پر مزید بھروسہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس لیے لوگوں نے وہاں سے ترکِ وطن کا سلسلہ شروع کر دیا۔ جرجی زیدان "العرب قبل الاسلام" میں لکھتے ہیں :

وتفرقت قبائل الازد وغيرها في جزيرۃ العرب بسبب ذلك بان ذلك وقع حوالى تاريخ الميلاد۔

یعنی سب سے پہلے شگاف مسیح علیہ السلام کے قریبی زمانہ میں ہوا جس سے لوگوں میں خوف و ہراس پھیل گیا اور انہوں نے نقلِ مکانی کر کے محفوظ مقامات پر آباد ہونا شروع کر دیا۔

اس قول کے مطابق اوس و خزرج پہلی صدی عیسوی میں یثرب میں جا کر آباد ہوئے۔

(۲) ڈاکٹر احمد امین "فجر الاسلام" میں سنہ ۳۰۰ء میں اوس و خزرج کی آمد یثرب میں ثابت کرتے ہیں۔

(۳) بعض کا خیال ہے کہ سیلابِ عظیم جس نے بند کو ہمیشہ کے لیے تباہ و برباد کر دیا وہ سنہ ۴۵۰ عیسوی یا سنہ ۴۵۱ عیسوی میں آیا۔ اس تیسرے قول کے مطابق یثرب میں اوس و خزرج کی آمد پانچویں صدی کے نصف آخر میں ہوگی۔

یہ تو ممکن ہے کہ سیلابِ عظیم ۴۵۰ء میں آیا ہو لیکن اس سے پہلے قولوں کی تردید نہیں ہو سکتی۔ ممکن ہے کہ ابتدا میں کوئی شگاف پڑے ہوں اور اس ڈیم میں ذخیرہ شدہ پانی بہہ گیا ہو لیکن اس سے ڈیم کلیتاً تباہ نہ ہوا ہو اور سیلاب کے اختتام پر حکومتِ وقت نے اس کی مرمت کر دی ہو اور اس طرح ڈیم کسی نہ کسی طرح باقی رہا ہو۔

اوس و خزرج اپنے اہل و عیال کے ساتھ جب یثرب پہنچے تو وہاں یہودی صدیوں سے آباد تھے۔ بازار اور منڈیاں ان کے قبضہ میں تھیں۔ زرعی زمینوں اور باغات کے وہ مالک تھے۔ سیاسی لحاظ سے بھی ان کا کوئی مدِمقابل نہ تھا۔ جو عرب قبائل وہاں آباد تھے ان کی کوئی سیاسی حیثیت نہ تھی، وہ یہودیوں کے زیرِ فرمان اپنی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اوس و خزرج یثرب کی نواحی بستیوں یا ارد گرد کے گاؤں میں سکونت پذیر رہے۔ ابتدا میں انہوں نے یہود کی پناہ لی اور ان کی بالادستی کو تسلیم کیا۔ کچھ عرصہ تک حالات ایسے ہی رہے۔ اس اثنا میں اوس و خزرج کی تعداد بڑھتی گئی یہاں تک کہ ان کی جمعیت میں کافی اضافہ ہو گیا۔ یہاں تک کہ ان میں ایک مردِ میدان مالک بن عجلان پیدا ہوا جب اس نے اپنے قبیلہ کی قیادت سنبھالی تو اس نے یہود کے تغلب سے اپنے قبیلہ کو رہائی دلانے کے لیے سوچنا شروع کر دیا۔ اس وقت ان کا ایک بھائی بند ابو جبیلہ شام میں غسان کے علاقہ کا فرمانروا تھا۔ اس کا قبیلہ بھی سیلِ عرم کے باعث یمن سے ترکِ سکونت کر کے شام میں جا کر آباد ہو گیا تھا، مالک اس کی خدمت میں پہنچا، اپنی اور اپنی قوم کی خستہ حالی اور غربت و افلاس کا شکوہ کیا۔ نیز یہودیوں کی بالادستی سے بھی اسے مطلع کیا۔ ابی جبیلہ نے کہا کہ جس طرح ہم نے اہلِ غسان پر غلبہ حاصل کر لیا ہے تم نے یثرب کے یہودیوں کو اپنا زیرِ نگین کیوں نہیں بنایا۔ اس نے مالک سے وعدہ کیا کہ میں لشکر لے کر تمہاری امداد کے لیے آؤں گا تم تیار رہنا۔ مالک ابو جبیلہ سے پختہ وعدہ لینے کے بعد واپس یثرب آیا اور اپنی قوم کو حقیقتِ حال سے خبردار کیا۔ انہیں کہا کہ وہ ہر وقت چوکس رہیں۔ کچھ عرصہ بعد ابو جبیلہ ایک لشکرِ جرار لے کر اپنے بھائیوں کی امداد کے لیے یثرب کی طرف روانہ ہوا۔ ذی حُرض کے مقام پر پہنچ کر اس نے قیام کیا اور اوس و خزرج کو اپنی آمد کی اطلاع دینے کے لیے قاصد روانہ کیا۔ اُسے یہ اندیشہ تھا کہ یہودی اس کی آمد کے بارے میں سن کر اپنی گڑھیوں میں قلعہ بند نہ ہو جائیں اس نے یہودیوں کو خصوصی دعوت بھیجی کہ وہ آکر اس سے شرفِ ملاقات حاصل کریں۔ چنانچہ یہودی اپنے نوکروں خادموں سمیت وہاں پہنچے۔ جب وہ اس کی حویلی میں داخل ہوئے تو اس نے اپنے لشکریوں کو کہا کہ ان سب کو تہ تیغ کر دو، کوئی بھی بچنے نہ پائے۔ پھر اس نے اوس و خزرج کے نوجوانوں کو کہا اگر اب بھی تم نے اس علاقہ پر قبضہ نہ کیا تو میں تم تمام کو نذرِ آتش کر دوں گا۔ یہ کہہ کر خود شام کی طرف لوٹ آیا۔ اس طرح یہودیوں کا غلبہ ختم ہوا اور اوس و خزرج کو سیاسی برتری حاصل ہو گئی اور اُن کی قوت و شوکت کے سامنے یہود کو سر جھکانا پڑا۔ (ابنِ خلدون ص ۵۹۰، ج ۲)

اس وقت یہودیوں کے تین مشہور قبیلے وہاں آباد تھے۔ بنو قینقاع، بنی نضیر اور بنو قریظہ۔ بنو قینقاع، زرگری، آہنگری اور برتن سازی کا کام کیا کرتے تھے۔ انہیں بنی خزرج کی پناہ حاصل تھی۔ نیز ان کی دوسرے یہودی قبیلوں بنی نضیر اور بنو قریظہ سے سخت ان بن تھی۔ اس لیے وہ یثرب کے شہر میں رہتے تھے اور کوئی ان سے مزاحمت نہیں کرتا تھا، لیکن اس قتلِ عام کے بعد بنی نضیر اور بنی قریظہ نے سلامتی اسی میں سمجھی کہ وہ یثرب شہر کے اندر رہنے کے بجائے باہر اپنی بستیاں قائم کریں تاکہ وہ آزادی

کے ساتھ اپنی زندگی بسر کرسکیں۔ بے شک اب اقتدار اور سیاسی قوت کے مالک اوس و خزرج تھے لیکن یہود کا اثر و نفوذ بھی کچھ کم نہ تھا۔ وہ سُودی کاروبار میں بڑے چُست و چالاک تھے۔ لوگوں کو قرض دیتے اور بھاری شرح پر سُود وصُول کرتے اور سُود در سود کا چکّر تو ایسا تھا کہ جو شخص ایک مرتبہ اس چکّر میں پھنس جاتا عمر بھر نکلنے کی صُورت پیدا نہ ہوتی۔ کاروبار، منڈیاں اور بازار سب یہودیوں کے تصرف میں تھے اس لیے مالی لحاظ سے ان کا گہرا اثر تھا۔

کچھ عرصہ تک اوس اور خزرج کے قبائل میں اتحاد و اتفاق رہا۔ اس کی برکت سے وہ خوشحالی کی زندگی بسر کرتے رہے، لیکن آخر کار اُن میں باہمی رنجشیں اور حسد و بغض کے آثار رُونما ہونے لگے۔ یہودی تو ان لمحات کے لیے ترس رہے تھے۔ فوراً انہوں نے دو برادر قبائل کے درمیان افتراق و انتشار کی خلیج کو وسیع تر کرنے کی سازشیں شروع کر دیں۔ ان کے مالی مفادات کا تقاضا تو یہی تھا کہ وہ پُر امن زندگی بسر کریں، کسی لڑائی اور فساد میں حصّہ نہ لیں لیکن ان دو قبیلوں کے اتحاد میں انہیں اپنی موت نظر آتی تھی۔ وہ ان کو آپس میں لڑانا بھڑانا ضروری سمجھتے تھے اور اس کے لیے وہ مالی بُحران کا خندہ پیشانی سے استقبال کرنے کے لیے تیار تھے۔ چنانچہ جب اوس و خزرج میں جنگ ہوتی تو ہر یہودی قبیلہ اپنے حلیف کے ساتھ مل کر اپنے یہودی بھائیوں کے ساتھ لڑنے سے باز نہ آتا۔ یہ حالات تھے جب اسلام کی کرنیں آہستہ آہستہ یثرب کی تاریک فضا کو منور کرنے لگیں۔ کچھ عرصہ بعد حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے یثرب میں تشریف لے آئے۔ یہودی اپنی مذہبی کتابوں کے مطالعہ کے باعث اچھی طرح جانتے تھے کہ ایک نبی آخر الزمان تشریف لانے والا ہے۔ اس کی آمد سے ان کے مصائب کی شبِ تار بھی صبح آشنا ہوگی۔ جب تبع نے یثرب کی بستی کو برباد کرنے کا عزم کیا تو وہ یہودی علماء ہی تھے جنہوں نے اسے یہ کہہ کر اس اقدام سے روکا کہ تم اس بستی پر کبھی غلبہ نہیں پا سکتے۔ اس نے وجہ پوچھی تو بتایا کہ یہ نبی آخر الزمان کی ہجرت گاہ ہے۔ اس پر کوئی جابر غالب نہیں آسکتا۔ انہیں کے بتانے پر تبع نے اسلام قبول کیا تھا جس کی تفصیل آپ ضیاء القرآن جلد چہارم ص ۴۴۲ سورہ دخان آیت ۳۷ کے حواشی میں ملاحظہ فرما چکے ہوں گے۔

نیز جس وقت انہیں کسی کافر حملہ آور سے نبرد آزما ہونا پڑتا تو وہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں حضور نبی کریم کے وسیلہ سے فتح کی دُعا مانگا کرتے۔ (بقرہ ۔ ۸۹ ۔ جلد اوّل ضیاء القرآن)

اسی لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو حضورؐ کے استقبال کرنے والوں میں یہ بھی پیش پیش تھے۔ رحمتِ عالمؐ نے مدینہ طیبہ پہنچ کر وہاں امن و امان کی فضا برقرار رکھنے کے لیے معاہدات کا سلسلہ شروع کیا۔ سب سے پہلے انصار اور مہاجرین کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا تاکہ ہر لائے نام قسم کی اجنبیت کا احساس بھی باقی نہ رہے۔ تمام مسلمان محبت و اُلفت کے رنگ میں رنگے جائیں۔ مدینہ طیبہ میں دُوسری جمعیت یہود کی تھی۔ اگرچہ انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ اس کے باوجود حضورؐ نے ان کے ساتھ دوستی کا معاہدہ مساوی بُنیادوں پر کیا۔ معاہدہ کی دفعات کا مطالعہ کر کے انسان حیران ہو جاتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح ان کو مذہبی آزادی، معاشرتی اور معاشی مساوی حیثیت سے بہرہ اندوز فرمایا تھا۔ اس معاہدہ کی چند دفعات آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

”وان الیھود ینفقون مع المؤمنین ماداموا محاربین - وان یھود بنی عوف امۃ مع المؤمنین للیھود دینھم وللمسلمین دینھم موالیھم وانفسھم من ظلم واثم فانہ لا یوتغ الا نفسہ واھل بیتہ .... وان علی الیھود نفقتھم وعلی المسلمین نفقتھم وان بینھم النصر علی من حارب اھل ھذہ الصحیفۃ فان یثرب حرام جوفھا لاھل ھذہ الصحیفۃ (ابن ھشام ص ۱۲۲۔ ج ۲)

ترجمہ: ”یہودی اور مسلمان اپنے اپنے خرچ کے ذمہ دار ہوں گے جب تک وہ مل کر جنگ کریں گے اور بنی عوف کے یہودی مسلمانوں کے ساتھ ایک گروہ ہیں۔ یہودیوں کے لیے ان کا دین، مسلمانوں کے لیے ان کا دین، سوائے اس شخص کے جو ظلم کرتا ہے اور گناہ کا ارتکاب کرتا ہے پس وہ اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو برباد کرتا ہے۔ یہود پر اپنے مصارف کی ذمہ داری ہے، مسلمانوں پر اپنے مصارف کی۔ اس معاہدہ میں شریک ہونے والے لوگوں کے ساتھ جو شخص جنگ کرے گا۔ یہ ایک دوسرے کی اس کے مقابلہ میں امداد کریں گے اور ان کے درمیان ایک دوسرے کے لیے خلوص وخیر خواہی لازمی ہے۔ گناہ سے اجتناب ضروری ہے اور یثرب کے اندر کسی قسم کا فتنہ و فساد کرنا شرکائے معاہدہ کے لیے حرام ہے۔“

جن منصفانہ بلکہ فیاضانہ شرائط پر یہ معاہدہ طے ہوا تھا۔ توقع تو یہی تھی کہ اس معاہدہ کے جملہ شرکاء صدق دل سے اس کی پابندی کریں گے۔ مہاجر و انصار ہر وقت اس معاہدہ کی شرائط کو پیش نظر رکھتے لیکن یہودیوں نے کچھ عرصہ بعد اس معاہدہ کی اہمیت کو نظر انداز کرنا شروع کر دیا جس کی متعدد وجوہات تھیں۔

۱۔ انہوں نے مسلمانوں کے استقبال میں گرمجوشی سے اس لیے حصہ لیا تھا کہ ان کا گمان تھا کہ یہ لٹے پٹے مہاجر جن کی مالی حالت از حد خستہ ہے، ان کے ممنونِ احسان ہو کر رہیں گے اور وہ ان نو وارد مسلمانوں کی طرح طرح کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے سیاسی مقاصد حاصل کرنے کے لیے انہیں آلۂ کار بنائیں گے۔ انہیں معلوم نہ تھا کہ اسلام نے اپنے ماننے والوں میں جو ذہنی انقلاب برپا کیا ہے اس نے ان کو بالکل ایک نئے سانچے میں ڈھال دیا ہے۔ ان کا سر اطاعت صرف اپنے رب، اپنے ہادی و مرشد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ عالی میں جھک سکتا ہے کسی اور قوت کے سامنے ان کی گردن خم نہیں ہو سکتی۔ ان کا ایک اپنا تشخص ہے جو انہیں از حد عزیز ہے، وہ کسی قیمت پر اس سے دستبردار ہونے کے لیے تیار نہیں۔ اس چیز نے یہودیوں کو مسلمانوں سے متنفر کرنا شروع کر دیا۔ پھر انہوں نے دیکھا کہ اوس و خزرج جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے نبی رحمت کے طفیل آپس میں بھائی بھائی بنتے جا رہے ہیں۔ انہیں اس اتحاد میں اپنے منصوبوں کی ناکامی کا خدشہ نظر آنے لگا۔ نیز شریعت اسلامیہ کے وہ احکام جن کا تعلق معاشی، اخلاقی زندگی سے تھا وہ سراسر ان کے مفادات سے ٹکراتے تھے۔

اسلام، سود سے بڑی سختی سے منع کرتا ہے، بلکہ سود خوروں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے جنگ کی دھمکی دیتا ہے اور یہودیوں کی ساری خوشحالی کا دارومدار سود خوری پر تھا وہ کب یہ گوارا کر سکتے تھے کہ ایک ایسی منظم جماعت وجود میں

آجائے جو طاقت میں آنے کے بعد بزور بازو سُودی کاروبار کو ہمیشہ کیلیے ختم کر دے۔ کم تولنا، کم ناپنا۔ خریدار کی سادہ لوحی سے ناجائز فائدہ اٹھانا۔ اسلام نے قطعاً حرام قرار دیا تھا لیکن ان کی تجارت کا فروغ نفع اندوزی کے ان ناجائز ذرائع پر تھا۔ چنانچہ مسلمانوں سے جو جس توقعات انہوں نے وابستہ کر رکھی تھیں ان کے پُورے ہونے کی اُمید نہ رہی۔ نیز ان کا وجود ان کی معاشی خوشحالی اور اخلاق آوارگی کے لیے پیام مرگ تھا۔ اس لیے وہ کوئی ایسا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے جب وہ اسلام کو نقصان پہنچا سکتے ہوں۔

بدر میں اللہ تعالیٰ نے مُسلمانوں کو فتح مبین عطا فرمائی۔ اہلِ مکہ کے ہر گھر میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ اسلام کے خلاف نفرت و عداوت کے شعلے تیزی سے بھڑکنے لگے۔ کعب بن اشرف جو بنی نضیر کا سردار تھا وہ چپکے سے مکہ آیا اور میدانِ بدر میں ان کے مقتولوں کی تعزیت کے بعد ان کے پسماندگان کو مُسلمانوں سے انتقام لینے پر بھڑکایا اور بڑے پُر جوش قصیدے کہے جن میں مرنے والوں کا مرثیہ بھی تھا اور مسلمانوں سے فیصلہ کن جنگ لڑنے کی ترغیب بھی تھی۔ اس کے بعد غزوۂ اُحد ہُوا جس میں مُسلمانوں کا کافی جانی نقصان ہُوا۔ اس کے معاً بعد بئر معونہ کا حادثۂ فاجعہ پیش آیا۔ ان چیزوں نے یہودیوں کے حوصلوں کو تقویت دی اور وہ معاہدہ کی شرائط کو پُورا کرنے میں بڑی بے پرواہی کا مظاہرہ کرنے لگے۔ ان کے شعراء مُسلم خواتین کا نام لے کر عشقیہ غزلیں لکھا کرتے۔ اگر کوئی مُسلمان خاتون ان کے محلے میں جا نکلتی تو اس کی توہین کرنے سے بھی باز نہ آتے۔ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دو مقتولوں کی دیت ادا کرنے کے بارے میں بنی نضیر کے ہاں گئے۔ اُنہوں نے آپ کو دیوار کے قریب بٹھایا اور در پردہ یہ سازش کی کہ ان میں سے ایک آدمی اُوپر جا کر ایک بھاری پتھر آپ پر لڑھکا دے۔ اس قسم کے نازیبا واقعات تھے جو یکے بعد دیگرے پیش آرہے تھے۔ چنانچہ بنی نضیر کی بیخ کنی کے لیے فیصلہ کن اقدام ناگزیر ہوگیا ورنہ یہ مارِ آستین کسی وقت ڈس کر نقصانِ عظیم پہنچا سکتے تھے۔ اس سورۂ مبارکہ میں اسی غزوہ کا ذکر ہے۔ اس کی تفصیلات آپ آیات کی تفسیر کے ضمن میں ملاحظہ کریں گے۔

مضامین : اس سورت میں جو اہم مضامین بیان کیے گئے ہیں۔ اب اختصار کے ساتھ ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

سُورت کا آغاز اس حقیقت کے بیان سے ہو رہا ہے کہ زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھ رہی ہے اور اسکی پاکی بیان کر رہی ہے کیونکہ وہی بڑی عزت والا اور بڑی حکمت والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی دانائی اور حکمت کو ثابت کرنے کے لیے بنی نضیر کے انجام کی طرف مُسلمانوں کو متوجہ کیا کہ دیکھو ان کے قلعے کتنے سنگین ان کی گڑھیاں کتنی مضبوط تھیں۔ ان کے پاس اسلحہ کے کتنے ذخائر تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو یوں مرعوب کر دیا کہ وہ اپنے ہاتھوں سے اپنے شاندار گھروں کو برباد کرنے لگے اور بغیر جنگ کیے ہُوئے اپنے صدہا سال کے وطنِ عزیز کو چھوڑنے پر رضا مند ہو گئے۔ پھر یہ بتایا کہ انہیں یہ سزا اس لیے دی گئی کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُول کی مخالفت کرتے تھے اور جو بھی یہ وتیرہ اختیار کرے گا اس کو اسی قسم کے انجام سے دوچار ہونا پڑے گا۔ (۲) اس کے بعد بتایا کہ دشمن کو شکست دینے کے لیے جنگی تدابیر ناگزیر ہیں اور جنگی ضرورتوں کے لیے دُشمن کے پھل دار درختوں کو کاٹنا مباح ہے۔

(۳) مالِ فئے کی تقسیم کا حکم بتایا نیز آیت ۷ میں اسلامی نظام معاشیات کے اہم ستون کا ذکر کر دیا۔ کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً

بین الاغنیاء منکم"

اس کے بعد اپنے محبوب کی غیر مشروط اطاعت کا حکم دیا۔ پھر مہاجرین و انصار کی تعریف کر کے انکی عزت افزائی فرمائی۔

دُوسرے رکُوع میں منافقین کی رذیل حرکات پر انہیں سرزنش کی کہ بظاہر تو وہ اپنے آپ کو مُسلمان کہا کرتے ہیں، لیکن درحقیقت وہ کفر کے دلدادہ ہیں اور اسلام کے دُشمن۔ جب حضور نے بنی نضیر کو الٹی میٹم دیا کہ اتنے روز میں مدینے سے نکل جاؤ تو عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین نے ان کو کہلا بھیجا کہ مت نکلنا۔ میں دو ہزار کا لشکر لے کر تمہاری مدد کے لیے آجاؤں گا۔ اللہ تعالےٰ نے بتا دیا کہ یہ منافقین جھوٹ بولتے ہیں۔ اگر جنگ چھڑ گئی تو وہ یہُود کا کبھی ساتھ نہیں دیں گے۔

آخری رکُوع میں دُوسرے مضامین کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ کا ذکر فرمایا جس سے اللہ تعالیٰ کی عظمت کا پتہ چلتا ہے۔ قرآن کریم میں اتنے اسماءِ حسنیٰ اور کہیں یکجا نہیں۔

سُوْرَةُ الْحَشْرِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ الحشر مدنی ہے اور اس میں ۲۴ آیتیں اور ۳ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ' ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ①

اللہ ہی کی پاکی بیان کر رہی ہے ہر چیز جو آسمانوں میں اور جو زمین میں ہے۔ اور وہی سب پر غالب ' بڑا دانا ہے ؎۱

هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ

وہی تو ہے جو باہر نکال لایا اہل کتاب کے کافروں کو ان کے

دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ؕ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ

گھروں سے پہلی جلاوطنی کے وقت۔ تم نے کبھی یہ خیال بھی نہ کیا تھا کہ وہ نکل جائیں گے اور وہ بھی گمان کرتے تھے کہ

مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ

انہیں ان کے قلعے بچالیں گے اللہ (کے قہر) سے ؎۲ پس آیا ان پر اللہ (کا قہر) اس جگہ سے جس کا انہیں

؎۱ اس سورت میں مدینہ کی نوخیز اسلامی ریاست کو ایک عظیم فتنہ سے نجات دینے کا ذکر ہو رہا ہے اور نجات بھی ان حالات میں جبکہ بظاہر اس کا کوئی امکان نہ تھا اور نجات اس طرح کہ مسلمانوں کا کوئی جانی نقصان نہ ہوا اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بنی نضیر کا قبیلہ جو مار آستین بن کر مسلمانوں کو ڈستا رہتا تھا وہ خود جلاوطنی کے لیے تیار ہو گیا۔ مسلمان ان کے مکانات ' ان کے سرسبز و شاداب باغات اور زرخیز زمینوں کے مالک بن گئے۔ جس سے ان کی مالی حالت بہت حد تک سدھر گئی۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم تھا ورنہ مسلمان قطعاً اس پوزیشن میں نہ تھے کہ اپنے زور بازو سے ان کو یہاں سے باہر نکال دیں۔ اس لیے اس سورت کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی تسبیح ' اس کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کے ذکر سے کی گئی ہے تاکہ قیامت تک آنے والے مسلمان اس کو محض اپنے رب کا فضل و احسان یقین کریں اور اس کا شکر ادا کرتے رہیں۔

؎۲ اس آیت میں جن کفار اہل کتاب کا ذکر ہے ان سے مراد یہود کا قبیلہ بنی نضیر ہے۔ مدینہ طیبہ کے مضافات میں ان کی الگ بستی تھی۔ انہوں نے اپنے گھروں کو قلعہ نما بنایا ہوا تھا۔ کئی گڑھیاں تعمیر کر رکھی تھیں اور سامان جنگ کے ذخیرے اکٹھے کر رکھے تھے تاکہ کسی حملہ کے وقت

يَحْتَسِبُوا وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُونَ بُيُوتَهُمْ

خیال بھی نہ آیا تھا اور اللہ نے ڈال دیا ان کے دلوں میں رعب ۳؎ چنانچہ وہ برباد کر رہے ہیں اپنے گھروں کو

بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِي الْمُؤْمِنِينَ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ ②

اپنے ہاتھوں سے اور اہل ایمان کے ہاتھوں سے ۴؎ پس عبرت حاصل کرو اے دیدۂ بینا رکھنے والو! ۵؎

اپنا دفاع کر سکیں۔ اپنی بہادری پر بھی انہیں بڑا ناز تھا۔ انہوں نے کبھی یہ سوچا ہی نہ تھا کہ مٹھی بھر مسلمان ان پر غالب آ سکتے ہیں۔ اسی بنا پر وہ اس معاہدے کا بہت کم احترام کیا کرتے جو اُن کے درمیان اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان طے پا چکا تھا جب بھی انہیں موقع ملتا معاہدے کی خلاف ورزی سے باز نہ آتے۔

ایک روز حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایک جھگڑے کا تصفیہ کرانے کے لیے ان کے محلہ میں تشریف لے گئے۔ انہوں نے دیوار کے قریب حضور کی نشست گاہ بنائی۔ جب حضور تشریف فرما ہوئے اور گفتگو میں مصروف ہو گئے تو انہوں نے طے شدہ منصوبے کے مطابق ایک نابکار کو بھیجا کہ اوپر سے بھاری پتھر حضور پر لڑھکا دے۔ اس طرح وہ اس شمعِ نور کو گل کرنا چاہتے تھے جس کو تابد فروزاں رکھنے کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود اٹھایا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو ان کے ناپاک ارادہ سے آگاہ فرما دیا۔ حضور وہاں سے اٹھ کر چلے گئے۔ اس طرح ان کی یہ غداری اور سازش ناکام ہو گئی۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں معاہدہ کی صریح خلاف ورزی اور غداری کی پاداش میں دس دن کے اندر مدینہ طیبہ سے نکل جانے کا الٹی میٹم دے دیا۔ عبد اللہ بن ابی منافق نے انہیں کہلا بھیجا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ مت گھبراؤ اور اس الٹی میٹم کو مسترد کر دو۔ انہیں اپنے مضبوط قلعوں، اپنی جنگی مہارت اور شجاعت پر بڑا گھمنڈ تھا۔ عبد اللہ کے پیغام نے انہیں مزید تقویت پہنچائی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایسا خوف و ہراس پیدا کر دیا اور انہیں ایسا مرعوب کر دیا کہ ابھی الٹی میٹم کی مدت ختم ہونے میں چار دن باقی تھے کہ انہوں نے ہتھیار ڈال دیے اور مدینہ سے جلاوطنی قبول کر لی۔ اپنے آراستہ و پیراستہ مکانوں اور شاداب باغوں اور زرخیز زمینوں کو چھوڑ کر چلے جانا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ وہ یہاں صدیوں سے آباد تھے۔ منڈی اور بازاروں پر ان کا قبضہ تھا۔ ان کے پاس مضبوط قلعے بھی تھے۔ ان گراں بہا منقولہ وغیر منقولہ جائیدادوں سے دستبردار ہو جانا ان کی مرعوبیت کی انتہا تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو جو معجزات عطا فرمائے تھے ان میں ایک معجزہ رعب تھا۔

۳؎ اس جملہ میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی ان کا خیال تو یہ تھا کہ جنگ ہوگی اور وہ مسلمانوں کو مار بھگائیں گے۔ یہ تو انہوں نے سوچا بھی نہ تھا کہ وہ لڑے بغیر سب کچھ چھوڑ کر چلے جائیں گے۔

۴؎ انہوں نے عرض کیا کہ اسلحہ کے بغیر جتنا سامان وہ اونٹوں پر لے جا سکتے ہیں اسے لے جانے کی اجازت دی جائے۔ حضور کریم النفس نے ان کی یہ درخواست قبول فرمالی۔ چنانچہ وہ اپنے گھروں کا سارا سامان اٹھا کر لے گئے۔ بلکہ ان کے مکانوں میں جو قیمتی لکڑی لگی ہوئی تھی اس کو لے جانے کے لیے انہوں نے مکانوں کی چھتیں ادھیڑ دیں۔ کواڑ، کھڑکیاں، الماریاں غرضیکہ جو چیز وہ اکھیڑ کر لے جا سکتے تھے

وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا

اور اگر نہ لکھ دی ہوتی اللہ نے ان کے حق میں جلاوطنی تو انہیں عذاب دے دیتا اس دنیا میں ۹

وہ لے گئے۔ اس طرح انہوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنے شیش محلوں کو برباد کر دیا۔ جب وہ اپنے آراستہ و پیراستہ شبستانوں کو خود کھنڈر بنا رہے ہوں گے تو ان کے دلوں پر کیا بیت رہی ہوگی اور ان کے چلے جانے کے بعد جب مسلمان وہاں پہنچے تو باقی ماندہ کھنڈرات کو انہوں نے منہدم کر دیا ہوگا تاکہ اپنے بسنے کے لیے نئے مکانات تعمیر کر سکیں۔

آیت میں لِاَوَّلِ الْحَشْرِ کا لفظ توجہ طلب ہے۔ حشر کا معنی ہے متفرق چیزوں کو جمع کرنا، منتشر افراد کو اکٹھا کرنا۔ قیامت کو حشر کہنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ اس وقت تمام انسان جو دور دراز ملکوں میں بکھرے ہوئے تھے ان کو یکجا کر دیا جائے گا۔ آیت میں "حشر" سے مراد کیا ہے، علماء کے اس بارے میں متعدد اقوال ہیں۔ اس سے مراد بنی نضیر کی مدینہ طیبہ سے جلاوطنی ہے کیونکہ مرد و زن، خورد و کلاں، شیخ و شاب کو ایک جگہ جمع کیا گیا پھر مدینہ طیبہ سے انہیں نکل جانے کا حکم دے دیا گیا۔ ابن قتیبہ نے غریب القرآن میں اس کا یہی مفہوم لکھا ہے۔ وھو الجلاء۔ یہاں "اول" کی قید سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان کی پہلی جلاوطنی ہے۔ دوسری جلاوطنی بھی ہوگی اور یہ عہد فاروقی میں ہوئی جب انہیں خیبر سے شام کی طرف جلاوطن کیا گیا۔ ان کا آخری حشر قیامت کے دن ہوگا۔ وہاں سے وہ سیدھے جہنم رسید ہوں گے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ حشر سے مراد اسلامی فوج کا ان کے محاصرہ کے لیے جمع ہونا ہے۔ اس وقت آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ جب مسلمانوں نے یہود کے خلاف پہلی مرتبہ لشکر کشی کی تو یہ بزدل جنگ کیے بغیر اپنا صدیوں کا وطن چھوڑ کر چلے گئے۔ (روح المعانی)

۸ حکم ہے کہ اس سارے واقعہ کا دقتِ نظر سے مطالعہ کرو۔ تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ جب کوئی فرد، کوئی قبیلہ، کوئی قوم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتی ہے اور اس کے رسول مکرم کے مقابلے پر ڈٹ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں بزدلی پیدا کر دیتا ہے۔ ان کے پاس اسلحہ کے انبار کیوں نہ ہوں، ان کے مورچے کتنے ہی مستحکم کیوں نہ ہوں، کوئی چیز بھی انہیں شکست سے نہیں بچا سکتی۔

۹ یہ تو اچھا ہوا کہ وہ جلاوطنی پر آمادہ ہو گئے۔ اگر وہ جنگ کرتے تو انجام بڑا ہولناک ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کے شیروں کی تلواریں جب بے نیام ہوتیں تو ان لومڑیوں میں سے کوئی بھی جان بچا کر نہ جا سکتا۔ سب تہ تیغ کر دیے جاتے۔ ان کا ساز و سامان، زر و جواہرات سب ان سے چھین جاتے۔ انہوں نے جلاوطنی قبول کر کے اپنے آپ کو بچا لیا۔ لیکن آخرت میں جہنم کا ایندھن تو انہیں بننا ہی پڑیگا۔

وطن سے نکال دینے کے لیے دو لفظ استعمال ہوتے ہیں۔ اخراج اور جلاء۔ لیکن ان میں دو طرح کا فرق ہے۔ اگر کسی کو بال بچے سمیت ملک بدر کر دیا جائے تو اس کو جلاء کہتے ہیں۔ اخراج کا لفظ اس وقت بھی استعمال ہوتا ہے جب کسی کو تنہا ملک بدر کیا جائے نیز جلاء کا لفظ اس وقت استعمال ہوتا ہے جبکہ ایک جتھہ اور جماعت کو ملک سے نکالا جائے لیکن اخراج کا لفظ جماعت اور فرد واحد کے ملک بدر کرنے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔

وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۝٣ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا اللَّهَ

اور ان کے لیے آخرت میں تو آگ کا عذاب ہے ہی۔ یہ سزا اس لیے دی گئی کہ انہوں نے مخالفت کی تھی اللہ

وَرَسُولَهُ ۚ وَمَنْ يُشَاقِّ اللَّهَ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝٤

اور اس کے رسول کی۔ اور جو اللہ کی مخالفت کرتا ہے تو اللہ عذاب دینے میں بڑا سخت ہے۔ ۲

مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِينَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَىٰ أُصُولِهَا

جو کھجور کے درخت تم نے کاٹ ڈالے یا جن کو تم نے چھوڑ دیا کہ کھڑے رہیں اپنی جڑوں پر ۳

فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِينَ ۝٥ وَمَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ

تو یہ (دونوں باتیں) اللہ کے اذن سے تھیں تاکہ وہ رسوا کرے فاسقوں کو ۴ اور جو مال پلٹا دیے اللہ نے اپنے رسول کی طرف

۲ یعنی جو افتاد بنی نضیر پر پڑی اور بستے رستے گھروں سے انہیں کان پکڑ کر باہر نکال دیا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت پر کمربستہ ہوگئے تھے اور نافرمانی کو اپنا وتیرہ بنا لیا تھا۔ جو بھی اس جرم کا ارتکاب کرے گا اس کا انجام ظاہر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو ایسی شدید سزا دیتا ہے کہ اس کا نام و نشان تک باقی نہیں رہتا۔

۳ مسلمانوں نے جب ان کی آبادی کا محاصرہ کر لیا تو اس کے اردگرد کا علاقہ کھجور کے باغات سے پٹا پڑا تھا۔ ان کے قلعوں کے نزدیک ایسی کھلی جگہ نہ تھی جہاں مسلمان صفیں آراستہ کر کے ان پر حملہ کر سکیں۔ اس لیے بعض مقامات پر کھجور کے درخت کاٹ دیے گئے اور جو درخت لڑائی میں حارج نہ تھے ان کو باقی رہنے دیا گیا۔ منافقین اور یہودیوں نے بات کا بتنگڑ بنا دیا کہ دیکھو لوگوں کو زمین میں فساد برپا کرنے سے روکتے ہیں اور خود ہرے بھرے پھلدار درختوں کو اس بے دردی سے کاٹ رہے ہیں۔ مسلمانوں کو بھی تشویش ہوئی کہ کہیں ان کا یہ فعل فساد فی الارض میں تو داخل نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جن درختوں کو تم نے کاٹا ہے اور جن کو باقی رہنے دیا ہے تم پر کوئی گرفت نہیں۔ تمہیں ایسا کرنے کی اجازت ہے۔

اس آیت سے فقہاء نے یہ مسئلے اخذ کیے ہیں: مسلمانوں کا لشکر اگر کفار کے علاقہ میں داخل ہو اور انہیں اپنی جنگی ضروریات کے لیے درختوں کو کاٹنا پڑے یا کوئی مکان گرانا پڑے یا کوئی پل توڑنا پڑے یا کسی نہر کو کاٹنا پڑے تو انہیں شرعاً اس کی اجازت ہے۔ لیکن بلا ضرورت توڑ پھوڑ کی اجازت نہیں۔ ایسا کرنا فساد فی الارض میں داخل ہے۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے جب اسلامی لشکر کو غزوۂ موتہ کی طرف روانہ کیا تو انہیں ہدایت فرمائی کہ پھلدار درختوں کو نہ کاٹنا، فصلوں کو خراب نہ کرنا اور بستیوں کو نہ اجاڑنا۔ انتہائی جنگی ضروریات کے لیے ایسا کرنے کی اجازت ہے۔

مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ

ان سے تو نہ تم نے اس پر گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ ۱۰ بلکہ

۹ یعنی ان درختوں کو کاٹنا اور ان کو صحیح سلامت رکھنا دونوں کا مقصد یہ تھا کہ یہودی خائنین کی تذلیل ہو۔ کاٹنے میں تو ان کی تذلیل کی یہ صورت ہے کہ جن باغات کو انہوں نے شوق سے لگایا، بڑی محنت سے ان کو پروان چڑھایا' اب مسلمان ان کو کاٹ رہے ہیں۔ یہودی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں لیکن بے بس ہیں دم نہیں مار سکتے اور وہ درخت جو باقی رہ گئے ہیں ان میں ان کی تذلیل کا پہلو یہ ہے کہ وہ ان باغات کو چھوڑے جا رہے ہیں۔ ان کے بعد ان کے دشمن ان پر قابض ہوں گے۔ اگر ان کا بس چلے تو ایک درخت بھی کھڑا نہ رہنے دیں' سب کو کاٹ دیں، جلا کر راکھ کر دیں لیکن وہ ہرے بھرے درختوں کو چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ ان کو ایک پتا توڑنے اور ایک شاخ کاٹنے کی بھی اجازت نہیں۔ دونوں صورتوں میں ان کی ذلت و رسوائی اظہر من الشمس ہے۔

۱۰ یہود بنی نضیر اپنی غداری اور عہد شکنی کی پاداش میں مدینہ طیبہ چھوڑ کر خیبر وغیرہ کی طرف چلے گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں اجازت دے دی کہ اسلحہ کے سوا جو سامان وہ اونٹوں پر لاد کر لے جا سکتے ہیں لے جائیں۔ اس کے بعد بھی بہت کچھ بچ گیا تھا۔ اموال منقولہ کے علاوہ جو مکانات ان کی توڑ پھوڑ سے بچ گئے تھے' باغات اور زرخیز زرعی اراضی اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مکرم کو لوٹا دیں۔ یہ جملہ اموال منقولہ و غیر منقولہ سب اللہ تعالیٰ کے حبیب کے تصرف میں ہیں۔ ان پر قبضہ کرنے کے لیے مسلمانوں کو کسی زحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ نہ انہوں نے گھوڑوں اونٹوں پر سوار ہو کر حملہ کیا نہ جنگ و قتال کی نوبت آئی اس لیے ان اموال اور اراضی میں کسی کا کوئی حق نہیں۔ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے رسول کی ملکیت ہے۔ جس طرح حضورؐ چاہیں اسے صرف کر سکتے ہیں۔

آیت میں اَفَاءَ کا کلمہ بڑا معنی خیز ہے۔ افاء کا معنی ہے کسی چیز کو لوٹا دینا۔ واپس کر دینا۔ سایہ کو بھی فیئؔ کہتے ہیں کیونکہ یہ بھی پلٹ کر واپس آتا ہے۔ یہاں اس حقیقت کی طرف اشارہ کر دیا کہ ہر چیز جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے اس کے حقدار اس کے فرمانبردار بندے ہیں۔ اصل میں ہر چیز انہی کی ملکیت ہے۔ نافرمان لوگ جو بعض چیزوں پر قبضہ جما لیتے ہیں یہ ان کا قبضہ مخالفانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے ان چیزوں کو غاصب لوگوں سے لے کر ان کے اصل حقداروں تک پہنچا دیتا ہے۔ یہاں بھی بنی نضیر کے جو املاک رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا فرمائے گئے ہیں وہ حقیقتاً یہودیوں کے نہ تھے۔ انہوں نے انہیں غصب کیا ہوا تھا۔ اب اللہ تعالیٰ نے ان کے غاصبانہ قبضہ کو ختم کر کے اپنے رسول کو واپس دے دیئے ہیں جو ان کے حقیقی حقدار تھے۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں فیہ اشعار بانھا کانت حریۃ بان تکون لہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وانما وقعت فی ایدیھم بغیر حق فارجعھا اللہ تعالیٰ الی مستحقھا (روح المعانی) علامہ ابوبکر العربی نے احکام القرآن میں بھی اسی حقیقت کو بیان کیا ہے اور یہاں افاء کا کلمہ استعمال کرنے کی یہی حکمت ذکر کی ہے۔

اوجف' وجیفؔ سے ہے۔ اس کا معنی ہے سرعت سیر' تیز رفتاری۔ اَوْجَفْتُمْ کا مطلب یہ ہے کہ حملہ کرتے وقت سواری

اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

اللہ تعالیٰ تسلط بخشتا ہے اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے [۱۱]

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ

جو مال پلٹا دیا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی طرف ان گاؤں کے رہنے والوں سے [۱۲] تو وہ اللہ کا ہے اس کے رسول کا ہے

کو تیز چلانا۔ ہشام کہتے ہیں اَوْجَفْتُمْ: اَتْعَبْتُمْ۔ تھکا دینا۔ رکاب: اونٹوں کو کہتے ہیں۔ اس کا واحد راحلۃ ہے۔ اس کے اپنے مادہ سے اس کا واحد نہیں۔ راکب صرف اونٹ کے سوار کو کہتے ہیں گھوڑ سوار کو فارس کہا جاتا ہے۔

[۱۱] اللہ تعالیٰ کا یہ دستور ہے کہ وہ اپنے رسولوں کو کفار کے اموال واملاک پر تسلط ارزانی فرماتا ہے۔ اسی سنتِ الہیہ کے مطابق حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو بنی نضیر جیسے بہادر اور جنگجو قبیلے کے املاک کا کسی جنگ کے بغیر مالک بنا دیا۔ بے شک ہر چیز اس کے قبضہ قدرت میں ہے۔ جس کو چاہے دے دے اور جس سے چاہے لے لے۔

[۱۲] اس آیت کو واؤ عاطفہ کے ذریعے کلام سابق پر معطوف نہیں کیا کیونکہ جہاں عطف آتا ہے وہاں مغایرت ہوتی ہے یہاں کیونکہ پہلی آیت کا ہی تفصیل بیان ہے اس لیے یہ گویا دونوں ایک ہیں۔ یہاں عطف کی ضرورت نہیں۔ امام رازی کا ارشاد ہے لم يدخل العاطف على هذه الجملة لانها بيان للاولى وهي منها وغير اجنبية عنها (تفسیر کبیر)

یہ پہلا موقع تھا کہ جنگ کیے بغیر کفار کے اموال اور زرعی املاک مسلمانوں کے قبضہ میں آئے تھے۔ یہ اس سلسلہ کا آغاز تھا اس نے ابھی بہت پھیلنا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان املاک کی تقسیم اور ان کے حقداروں کا تفصیل سے ذکر کر دیا تاکہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں کوئی تردد نہ ہو۔

تفصیل میں جانے سے پہلے ابتدائے بحث میں چند چیزیں ذہن نشین کر لیں۔

کفار کے جو املاک مسلمانوں کو حاصل ہوتے ہیں ان کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو کفار کو میدان جنگ میں شکست دینے کے بعد ان کے املاک پر قبضہ کیا ہو گا یا بغیر لڑے کفار نے ہار مان لی اور مسلمان ان کے علاقوں کے مالک بن گئے۔ پہلی قسم کے املاک کو غنیمت کہا جاتا ہے اور دوسری قسم کو فئی۔ پہلی قسم کا ذکر جب قرآن کریم نے کیا تو ان کے حصول کی نسبت مسلمانوں کی طرف کی فرمایا واعلموا انما غنمتم الآیۃ۔ دوسری قسم میں کیونکہ کسی کی کوشش کا دخل نہیں ہوتا اس لیے اس کی نسبت اپنی طرف فرمائی ہے۔ ارشاد ہے ما افاء اللہ علی رسولہ۔

اس واضح فرق کی وجہ سے ان املاک کے احکام اور مصارف بھی مختلف ہیں۔ مالِ غنیمت کے بارے میں تو فرمایا اس کے پانچ حصے کیے جائیں گے۔ چار حصے مجاہدین میں تقسیم کیے جائیں گے اور پانچواں حصہ درج ذیل مصارف میں خرچ ہو گا۔ ارشادِ ربانی ہے وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ (انفال آیت ۴۱)

وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ

اور رشتہ داروں ، یتیموں ، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے [13]

لیکن اموالِ فئی میں سے کوئی حصہ بطورِ حق مجاہدین میں تقسیم نہیں کیا جائے گا بلکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سارے کا سارا مال اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق تقسیم فرمائیں گے۔

فئی سے حاصل ہونے والے منقولہ اور غیر منقولہ سب اموال کا حکم یکساں ہے' لیکن غنیمت سے حاصل ہونے والے اموال میں فرق ہے۔ وہ منقولہ اموال جو میدانِ جنگ اور حالتِ جنگ میں مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں وہ اموالِ غنیمت ہیں اور ان کے احکام مندرجہ بالا آیت میں بیان کیے گئے ہیں۔ لیکن غیر منقولہ املاک مثلاً مکانات' زمین' باغات' قلعے وغیرہ یہ سب فئی ہوں گے۔ اسی طرح اگر جنگ ختم ہو جائے اور اس کے بعد جو منقولہ اموال مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں ان کا حکم بھی فئی کا ہوگا۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد ہمایوں میں خیبر اور مکہ عنوۃً (زور بازو سے) فتح ہوا۔ یہاں کی زمینوں اور سکنی جائیداد پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ منقولہ املاک تو غانمین میں آیت کے مطابق تقسیم کر دی گئیں لیکن دونوں مقامات پر اراضی تقسیم نہیں کی گئیں۔ خیبر سے حاصل ہونے والی اراضی کو نصف نصف کیا گیا۔ نصف زمینیں غازیوں میں تقسیم کی گئیں۔ بقیہ نصف کو بیت المال کے لیے مختص کر دیا گیا اور مکہ کی تمام اراضی ان کے مالکوں کے پاس ہی رہنے دی گئیں۔ حضور کے اس تعامل سے ثابت ہوا کہ وہ ممالک جو لشکر کشی سے فتح ہوں ان کی اراضی غنیمت نہیں ہیں۔ اسی سنتِ نبوی کے مطابق حضرت عمرؓ نے حضرت سعدؓ فاتح عراق و ایران کو خط لکھا

فَانْظُرْ مَا اَجْلَبُوْا بِهٖ عَلَیْكَ فِی الْعَسْكَرِ مِنْ كُرَاعٍ اَوْ مَالٍ فَاقْسِمْهُ بَیْنَ مَنْ حَضَرَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ وَاتْرُكِ الْاَرْضِیْنَ وَالْاَنْهَارَ لِعُمَّالِهَا لِیَكُوْنَ ذٰلِكَ فِیْ اَعْطِیَاتِ الْمُسْلِمِیْنَ (کتاب الخراج لابی یوسف ص ۲۴ - کتاب الاموال لابی عبید ص ۵۹)

یعنی جو اموالِ منقولہ آپ کے پاس جمع ہوں ان کو مسلمانوں میں بانٹ دو اور زمینوں اور نہروں کو وہاں کے کاشتکاروں کے پاس چھوڑ دو تاکہ اس آمدنی سے مسلمانوں کو عطیات دیے جائیں۔ امام یوسف فرماتے ہیں کہ جو کچھ دشمنوں کے لشکر سے مسلمانوں کے ہاتھ آئے جو سامان' اسلحہ اور جانور وہ اپنے کیمپ میں سمیٹ لائیں وہ مالِ غنیمت ہوں گے اور جنگ ختم ہونے کے بعد جو چیز حاصل ہوگی وہ مالِ غنیمت نہیں ہوگی بلکہ فئی ہوگی۔ (کتاب الاموال ص ۲۵۴)

[13] مالِ فئی اور مالِ غنیمت میں جو فرق ہے وہ آپ نے سمجھ لیا۔ اب اموالِ فئی کے حقدار کون کون ہیں ان کی تفصیل بھی ملاحظہ فرمایئے:

پہلا حقدار اللہ اور اس کا رسول ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا اسم نامی بطور تبرک اور حضور کی رفعتِ شان ظاہر کرنے کے لیے لایا گیا ہے۔ کما روی عن ابن عباس وحسن بن محمد بن حنفیہ افتتاح کلام للتیمن والتبرک وفیہ تعظیم لشان الرسول علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ (روح المعانی) لیکن ابو العالیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا مستقل علیحدہ حصہ ہے جو بیت اللہ شریف پر خرچ

کیا جائے گا۔ وہاں ضرورت نہ ہو تو دیگر مساجد اس کا مصرف ہوں گی لیکن یہ درست نہیں۔

حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا حصہ مستقل ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کانت اموال بنی نضیر مما افاء اللہ تعالیٰ علی رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاصۃ فکان ینفق علی اھلہ منہا نفقۃ سنۃ ثم یجعل ما بقی فی السلاح والکراع عدۃ فی سبیل اللہ۔ رواہ البخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی (روح المعانی)

یعنی بنی نضیر کے اموال بغیر لشکر کشی کے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کریم کو عطا فرمائے تھے پس یہ حضور کے لیے مخصوص تھے۔ حضور اس کی آمدنی سے اپنے اہل وعیال کے لیے ایک سال کا خرچہ رکھ لیتے بقیہ آمدنی جہاد کے لیے اسلحہ وغیرہ کی فراہمی کے لیے خرچ کرتے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد اس حصہ کے بارے میں دو قول ہیں۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ حضور کا جو خلیفہ ہوگا یہ حصہ اس کو ملے گا کیونکہ حضور کو یہ حصہ بحیثیت امام اور حاکم کے ملا کرتا تھا بحیثیت رسول کے نہیں۔ کیونکہ اس طرح اجر کا شبہ گزرتا ہے۔ جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ یہ حصہ بیت المال میں داخل ہوگا تاکہ اسے حضور کے مشن کی تکمیل کے لیے صرف کیا جائے۔ علماء شافعیہ میں سے اکثر کی یہی رائے ہے۔

دوسرے حقدار حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے رشتہ دار ہیں۔ ان سے مراد بنی ہاشم اور بنی مطلب ہیں۔ عبد شمس اور نوفل کی اولاد اگرچہ رشتہ میں یکساں ہے لیکن حضور نے فرمایا نحن وبنو مطلب شیئ واحد وشبک بین اصابعہ (یعنی ہم (بنو ہاشم) اور بنی مطلب ایک شے ہیں۔ پھر حضور نے اپنی انگلیوں کو ایک دوسرے میں پیوست کر دیا۔ کیونکہ اسلام اور جاہلیت دونوں زمانوں میں بنو مطلب، بنو ہاشم کے ساتھ رہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ بنو مطلب اور بنو ہاشم کے غنی اور فقیر، مرد اور عورتیں، چھوٹے اور بڑے سب حقدار ہیں۔ امام مزنی اور امام ثوری کا بھی یہی قول ہے کہ اس میں مرد، عورت، قریبی اور دور کا رشتہ دار، غنی اور فقیر یکساں ہیں۔ کیونکہ آیت مطلق ہے۔ (روح المعانی)

امام مالک کہتے ہیں اَلْاَمْرُ مُفَوَّضٌ اِلَی الْاِمَامِ اِنْ شَاءَ قَسَمَ بَیْنَھُمْ وَاِنْ شَاءَ اَعْطٰی بَعْضَھُمْ دُوْنَ بَعْضٍ وَاِنْ شَاءَ اعطی غیرھم ان کان امرھم اھم من امرھم۔

یعنی اس حصہ کی تقسیم امام کی صوابدید پر ہے۔ چاہے تو بنو ہاشم اور بنو مطلب کے تمام افراد میں اس مد کی آمدن کو تقسیم کر دے چاہے تو ان میں سے جو زیادہ ضرورت مند ہیں ان کو دے اور جنہیں ضرورت نہیں ان کو نہ دے اور چاہے تو ان کے علاوہ دوسرے افراد کو دے جن کی ضرورت ان کی ضرورتوں سے کہیں اشد ہے۔

۳: یتامیٰ۔ امت کے یتیموں کو بھی بلا امتیاز اس مد سے حصہ دیا جائے گا۔

۴: مساکین بھی اس کے مستحق ہیں۔

۵: ابن السبیل۔ مسافر جن کا زاد راہ ختم ہو گیا ہو اور وہ امداد کے مستحق ہوں۔

امام شافعی اور ائمہ ثلاثہ میں ایک اور قابل ذکر اختلاف ہے۔ امام شافعی کے نزدیک اموال فئی کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ چار حصے خلیفہ وقت اپنی صوابدید سے مصالح مسلمین پر خرچ کرے گا اور پانچواں حصہ ان پانچ حقداروں میں برابر تقسیم ہوگا۔ لیکن دیگر ائمہ کے نزدیک فئی کا سارا مال مصالح مسلمین کے لیے ہے۔ حکومت وقت جہاں مناسب سمجھے اپنی صوابدید کے مطابق خرچ کر سکتی ہے۔

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ؕ وَمَآ اٰتٰىكُمُ

تاکہ وہ مال گردش نہ کرتا رہے تمہارے دولت مندوں کے درمیان [۱۴] اور رسول کریم جو تمہیں عطا فرما دیں

[۱۴] اسلام سے پہلے اس قسم کے اموال کی تقسیم کا طریقہ یہ تھا کہ سب سے پہلے قبیلہ کا سردار یا لشکر کا سپہ سالار اپنا حصہ لیتا جسے مرباع کہا جاتا۔ اگر بقیہ مال سے اسے کوئی چیز پسند آتی وہ بھی چن لیتا۔ باقی مال دولت مند اور بااثر لوگ آپس میں بانٹ لیتے اور غریبوں کو برائے نام کوئی چیز دے دی جاتی۔ ابتدا میں مسلمانوں نے بھی اسی دستور کے مطابق عرض کیا یا رسول اللہ! آپ اس مال سے چہارم لے لیں، باقی مال ہم آپس میں بانٹ لیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس بے انصافی کو کیسے گوارا فرماتے، چنانچہ اموال غنیمت کی تقسیم کا الگ طریقہ مقرر فرمایا اور اموالِ فیئی کی تقسیم کے لیے الگ طریقہ مقرر کیا گیا اور اس تقسیم کا بنیادی اصول یہ طے پایا کہ ان اموال کو اس طرح تقسیم نہ کرو کہ صرف اُمراء اور مراعات یافتہ طبقہ میں ہی یہ مال گردش کرتا رہے اور غریب بیچارے حسرت سے ان کا منہ دیکھتے رہیں۔ صاف طور پر حکم دیا کہ اللہ کے نزدیک یہی چیز پسندیدہ ہے کہ وسائل معیشت کی تقسیم اس طرح کی جائے کہ غریب، امیر سب یکساں فائدہ اٹھا سکیں۔

یہ اصول صرف اموالِ غنیمت و فیئی کی تقسیم میں ہی اسلام نے ملحوظ نہیں رکھا بلکہ اسلامی نظام حیات کی یہ روح رواں ہے اسلام یہ چاہتا ہے کہ ملکی وسائل سکڑ کر ایک مخصوص طبقے میں مرتکز نہ ہو جائیں بلکہ وہ چاہتا ہے کہ ان کا پھیلاؤ زیادہ سے زیادہ وسیع ہو۔ اس نے تمام ایسی پیش بندیاں کر دی ہیں جن سے سرمایہ سکڑنے کے عمل کو روکا جا سکتا ہے اور اس کے دائرۂ اثر کو وسیع سے وسیع تر کیا جا سکتا ہے وہ پیش بندیاں جو سرمایہ کو سکڑنے سے روکتی ہیں ان پر ایک سرسری نظر ڈالتے جائیے :

کسبِ معاش کے وسائل کو دو حصوں میں بانٹ دیا گیا ہے۔ حلال اور حرام۔ حرام میں تمام ایسے وسائل ذکر کر دیئے جن کے ذریعہ محنت کے بغیر خطرات کا مقابلہ کیے بغیر بڑی آسانی سے دولت امڈتی چلی آتی ہے۔ سود، جوا، سٹہ، ذخیرہ اندوزی، سمگلنگ، چور بازاری، رشوت کا شمار انہی حرام وسائل میں ہوتا ہے۔ بلاخوفِ تردید پورے وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ آج جس جس جگہ آپ کو دولت کی بے پناہ ریل پیل نظر آتی ہے وہاں ان ممنوع وسائل معاش میں سے ایک آدھ کی کارفرمائی ضرور ہے۔ آج پاکستان میں بائیس خاندانوں کا رونا رویا جاتا ہے۔ ماہرینِ اقتصادیات خود ہی بتائیں اگر یہاں سود ممنوع ہوتا اور بڑے بڑے بینک آسان شرح سود پر انہیں قرض نہ دیتے تو کیا یہ بائیس خاندان سارے ملک کا سرمایہ سمیٹ سکتے تھے۔ سب کچھ لٹا کر راہزن کو کوسنے دینے کی رسم اسلام کو پسند نہیں، وہ پہلے سے وہ راہ بند کر دیتا ہے جہاں سے راہزن کے داخلے کا امکان ہو۔

اگر پاکستان میں معاشی لوٹ مار کے ذرائع کو ختم کر دیا جائے تو چند ماہ میں آپ کو کے لا یکون دولۃ کی برکتوں کا احساس ہونے لگے۔ حلال وسائل سے جو دولت کمائی جاتی ہے وہ ضخامت میں اس قدر تکلیف دہ نہیں ہوتی۔ پھر بھی اس کا بہاؤ فقراء اور عوام کی طرف کرنے کے لیے اسلام نے موثر تدابیر اختیار کی ہیں۔ زکوٰۃ، عشر، صدقات اور ان کے علاوہ نظام وراثت' زندگی بھر کے اندوختہ کو اس طرح بانٹ دیتا ہے کہ مقصد بھی پورا ہو جاتا ہے اور کسی پر گراں بھی نہیں گزرتا۔

الغرض یہ جملہ اسلامی نظام معاشیات کا ستون ہے۔ ہمارے ماہرین دیگر فرسودہ اور ناکارہ نظریات اپنانے کے بجائے اگر ٹھیک نیتی

الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ

وہ لے لو اور جس سے تمہیں روکیں تو رک جاؤ [۱۵] اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے۔

اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ لِلْفُقَرَاۗءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ

بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے۔ (نیز وہ مال) نادار مہاجرین کے لیے ہے جنہیں

اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ

(جبراً) نکال دیا گیا تھا ان کے گھروں سے اور جائیدادوں سے یہ (نیک بخت) تلاش کرتے ہیں اللہ کا

اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ

فضل اور اس کی رضا اور (ہر وقت) مدد کرتے رہتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی۔ یہی راستباز

الصّٰدِقُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ

لوگ ہیں [۱۶] اور اس مال میں ان کا بھی حق ہے جو دار ہجرت میں مقیم ہیں اور ایمان میں ثابت قدم ہیں مہاجرین کی آمد سے پہلے [۱۷]

نے اسلام کے نظام مالیات کو کبھی پوری دیانت داری اور اخلاص سے اس کو عملی جامہ پہنائیں تو کیپٹلزم اور کمیونزم کے دو پاٹوں میں پستی ہوئی دنیا ان کی ممنون ہوگی۔

اصل مصیبت یہ ہے کہ جن ہاتھوں میں زمام اقتدار ہے ان کے دل نور ایمان سے خالی ہیں۔ اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے کے لیے جس ذوق اور یقین کی ضرورت ہے وہ مفقود ہے۔ ضرورت صرف ایسے یقین کی ہے جو تمام مشکلات کے سامنے سینہ سپر ہونے کی ہمت رکھتا ہو۔ ضرورت اس ایمان کی ہے جس کے چراغ کو کوئی آندھی نہ بجھا سکے۔ جو گھپ اندھیروں کو بقعۂ نور اور رشک صد طور بنانے کی اہلیت رکھتا ہو۔

[۱۵] صرف غنائم کے اموال تقسیم کرنے کے بارے میں ہی نہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبہ میں احکام رسالت کی پابندی کیجیے۔ انہیں سر آنکھوں پر رکھیے۔ اسی میں تمہاری فلاح ہے۔

اس آیت میں اگر غور کیا جائے تو فتنۂ انکار سنت کی بیخ کنی کے لیے مزید کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔

[۱۶] علامہ زمخشری کے نزدیک للفقراء المهاجرین بدل ہے اور لذی القربیٰ الاٰیۃ مبدل منہ ہے اور امام شافعی کے نزدیک مبدل منہ الیتامیٰ والمساکین وابن السبیل ہے۔ ذی القربیٰ مبدل منہ میں داخل نہیں۔ علما نے اس پر بحث کی ہے کہ

کیا مہاجرین کے استحقاق کے لیے فقیر ہونا شرط ہے یا نہیں۔ اکثر علما کا یہی فیصلہ ہے کہ شرط نہیں۔ بلکہ بیان حال کے لیے یہ قید بڑھا دی گئی ہے۔ علامہ پانی پتی نے یہ مسئلہ بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔ فرماتے ہیں۔ وعندی الذین تبوؤا معطوف علی الفقراء و وصف الفقر لیس شرطا لاستحقاقھم ...... وانما ذکر وصف الفقر للمهاجرین جریا علی الغالب لان اکثر المهاجرین کانوا فقراء (مظہری) یعنی میرے نزدیک استحقاق کے لیے فقیر ہونا شرط نہیں کیونکہ اس وقت مہاجرین کی غالب اکثریت فقیر تھی اس لیے بیان واقع کے لیے یہ قید ذکر کر دی۔ اپنے اس موقف کی دلیل پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ انما قلت ھذا الاجماع علی ان مال الفئ ھو للمسلمین کافۃ غنیھم وفقیرھم یصرف فی مصالحھم۔ میں نے یہ بات اس لیے کی ہے کہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ مال فئ تمام مسلمانوں کے لیے ہے۔ غنی اور فقیر کی کوئی تخصیص نہیں۔ سب کے مصالح میں اسے خرچ کیا جائے گا۔

وہ لوگ جنہیں اسلام لانے کے جرم میں طرح طرح کی اذیتیں دے کر گھروں سے نکل جانے پر مجبور کیا گیا تھا ان کا وقت بڑی عسرت سے گزر رہا تھا۔ ان کی مستقل آبادکاری کا ابھی انتظام نہ ہو سکا تھا جب بنی نضیر کے اموال واملاک اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم کو عطا فرمائے تو ان لوگوں کو بھی ان کا مستحق قرار دیا گیا۔ اس طرح پہلی دفعہ ان لوگوں کی مستقل آبادکاری کے لیے اہتمام کیا گیا۔

۲۲ے یہ معطوف ہے اور اس کا معطوف علیہ للفقراء المہاجرین ہے۔ بتایا یہ جا رہا ہے کہ اموال فئ کے حقدار صرف مہاجرین ہی نہیں بلکہ یہ لوگ بھی ہیں جن کا ذکر اس آیت میں کیا جا رہا ہے اور یہ انصار ہیں جنہوں نے اسلام کی مدد اس انداز سے کی کہ ان کا نام ہی انصار یعنی اللہ تعالیٰ کے دین کے مددگار پڑ گیا۔ قیامت تک وہ اسی نام سے یاد کیے جائیں گے۔ اس پاک گروہ کا ذکر مولا کریم نے جس محبت بھرے انداز سے کیا ہے وہ آپ کی خصوصی توجہ کا مستحق ہے۔

مدینہ کے مسلمان یا انصار کے الفاظ سے ان کا ذکر شروع نہیں فرمایا بلکہ ارشاد ہے والذین تبوؤ الدار والایمان من قبلھم۔ تبوأ کہتے ہیں نزل واقام (لسان العرب) کہیں اترنا اور وہاں اقامت گزین ہو جانا۔ دار سے مراد دارالاسلام مدینہ طیبہ ہے یعنی جو لوگ مہاجرین کی آمد سے پہلے یہاں آباد تھے۔ والایمان ایک دوسرے فعل کا مفعول ہے۔ ای اخلصوا الایمان۔ معنی یہ ہوگا کہ وہ لوگ جو یہاں مقیم ہیں اور ایمان میں مخلص ہیں۔ عربی زبان میں ایسا بکثرت ہوتا رہتا ہے کہ دو چیزوں سے پہلے ایک فعل ذکر کیا جاتا ہے جس کا تعلق ان دو میں سے ایک چیز کے ساتھ ہوتا ہے اور دوسری چیز کے لیے مناسب حال فعل مقدر مان لیا جاتا ہے جیسے علفتھا تبنا وماء باردا۔ میں نے اس کو چارا ڈالا بھوسا اور ٹھنڈا پانی۔ بھوسہ تو علفتھا کا مفعول بن سکتا ہے لیکن ٹھنڈا پانی چارا تو نہیں کہ کھلایا جائے۔ اس کے لیے تو پلانے کا فعل ہونا چاہیے۔ اس لیے کہتے ہیں کہ اصل یوں ہے۔ علفتھا تبنا واسقیتھا ماء باردا۔ میں نے اسے بھوسہ کھلایا اور ٹھنڈا پانی پلایا۔ اسی طرح عرب کہتے ہیں متقلدا سیفا ورمحا کہ وہ تلوار اور نیزہ حمائل کیے ہوئے میدان جنگ میں گیا۔ تلوار تو حمائل کی جاتی ہے لیکن نیزہ تو گلے میں نہیں لٹکایا جا سکتا۔ وہ کاندھے پر رکھا جاتا ہے یا ہاتھ میں پکڑا جاتا ہے۔ اس لیے اصل عبارت یوں ہوگی متقلدا سیفا و واضعا رمحا۔

علامہ ابن منظور نے اس کی ایک بڑی پرلطف توجیہ کی ہے۔ لکھتے ہیں جعل الایمان محلا لھم۔ یعنی ایمان کو بھی ان کے لیے ٹھہرنے کی جگہ بنایا گیا۔ جس طرح کوئی شخص اپنے مکان میں رہائش اختیار کرتا ہے اسی طرح ان اللہ کے بندوں نے ایمان کو اپنا مسکن بنا لیا ہے

يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ

محبت کرتے ہیں ان سے جو ہجرت کر کے ان کے پاس آتے ہیں ۱۸؎ اور نہیں پاتے اپنے سینوں میں کوئی

حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ

خلش اس چیز کے بارے میں جو مہاجرین کو دے دی جائے اور ترجیح دیتے ہیں (انہیں) اپنے آپ پر ۱۹؎ اگرچہ خود انہیں اس چیز کی

اور انہوں نے اس میں پکے ڈیرے ڈال دیے ہیں۔ اس صورت میں الایمان فعل مذکور کا ہی مفعول ہوگا۔

علامہ ابو حیان اندلسی نے ایک اور توجیہ ابن عطیہ سے نقل کی ہے کہ واؤ یہاں معیت کے معنی میں ہے۔ آیت کا معنی یہ ہے

قال ابن عطيه المعنى تبوؤا الدار مع الايمان (بحر محیط) یعنی وہ مدینہ طیبہ میں رہائش پذیر ہیں اور ایمان کی شمع روشن کیے ہوئے ہیں۔

ان الفاظ سے اللہ تعالیٰ نے ایمان میں ان کی پختگی اور خلوص کا ذکر فرما دیا۔

من قبلهم کا تعلق تبوؤا سے ہے۔ یعنی مہاجرین کے آنے سے پہلے انصار مدینہ میں رہائش پذیر تھے۔

۱۸؎ ان کی دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اپنے گھر بار چھوڑ کر آنے والے مہاجرین سے بڑی محبت کرتے ہیں۔ ان کی محبت کا عملی ثبوت ان کے ہر ہر اقدام سے ملتا ہے۔ جب لٹے پٹے خانماں برباد مہاجر وہاں پہنچے تو انصار نے اپنے گھروں کے دروازے ان کے لیے کھول دیے۔ اپنی زمینوں اور باغات میں ان کو حصہ دار بنا دیا۔ جن کی ایک سے زائد بیویاں تھیں انہوں نے یہ پیشکش بھی کی کہ اگر وہ چاہیں تو اپنی بیویوں کو بھی طلاق دے دیں تاکہ عدت گزارنے کے بعد مہاجر ان سے نکاح کر سکیں۔ ایسی قلبی محبت اور اخلاص کی مثال دنیا کی تاریخ میں کوئی قوم پیش نہیں کر سکتی۔ یہ صرف غلامانِ محبوب رب العالمین کی ہی خصوصیت ہے۔

۱۹؎ مہاجرین کے ساتھ انصار کی محبت اور خلوص کی ایک روشن دلیل پیش کی جا رہی ہے۔ پہلے آپ ذرا لفظی ترجمہ سمجھ لیجیے۔ فرمایا کہ وہ اپنے دلوں میں حاجت ہی نہیں پاتے جو مہاجرین کو دیا گیا۔ لفظ حاجت کی تشریح کرتے ہوئے علامہ قرطبی لکھتے ہیں۔ كل ما يجد الانسان في صدره مما يحتاج الى ازالته فهو حاجة۔ یعنی اموال فئ جو مہاجرین میں تقسیم کر دیے گئے انصار اپنے دلوں میں ان کی حاجت ہی محسوس نہیں کرتے۔ گویا یہ سب چیزیں ایسی ہیں جن کی انہیں ضرورت ہی نہیں۔ ان کے حصول کی ان کے دلوں میں خواہش ہی نہیں۔ استغنا کا یہ کتنا اونچا مقام ہے۔ علامہ راغب کہتے ہیں الحاجة الى الشيئ الفقر اليه مع محبته۔ یعنی کسی چیز کی حاجت کا معنی یہ ہے کہ اس سے محبت بھی ہو اور اس کی ضرورت بھی ہو۔ وقيل الحاج ضرب من الشوك۔ ایک قسم کا کانٹا ہے جسے حاج کہتے ہیں۔ یعنی اس تقسیم سے ان کے دلوں میں قطعاً کوئی خلش پیدا نہیں ہوتی نہ وہ اس سے کانٹے کی چبھن محسوس کرتے ہیں۔

جب بنی نضیر کے اموال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قبضہ و تصرف میں آ گئے تو حضور نے ثابت بن قیس بن شماس کو یاد فرمایا۔ انہیں حکم دیا کہ اپنی قوم کو بلا لائیں۔ انہوں نے عرض کی اپنے قبیلہ خزرج کے لوگوں کو بلا لاؤں یا سب انصار کو؟ فرمایا سب کو۔ جب اوس و خزرج حاضر ہو گئے تو رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی۔ پھر انصار کی ان قربانیوں کا ذکر فرمایا جو

انہوں نے مہاجرین کے لیے دیں۔ پھر فرمایا اگر تم چاہو تو تمہارے اموال اور فی کے اموال سب یکجا کر دیے جائیں، پھر ان سب کو مہاجرین و انصار میں تقسیم کر دیا جائے اور اگر تمہاری مرضی ہو تو تمہارے مکانات اور زمینیں جو تم نے مہاجرین کو دے رکھی ہیں وہ تمہیں واپس کر دی جائیں اور بنی نضیر کے اموال مہاجرین میں تقسیم کر دیے جائیں۔

اللہ! اللہ! کیا روح پرور منظر ہوگا، کیسا نور برس رہا ہوگا اس محفل پر۔ حضورؐ کا ارشاد سن کر سعد بن زرارہ اور سعد بن معاذ نے عرض کیا یا رسول اللہ! بل تقسمہ بین المھاجرین ویکونوا فی دورنا کما کانوا۔ یا رسول اللہ! ہمارے مال ان کے پاس ہی رہنے دیجیے اور بنی نضیر کے سب اموال بھی ہمارے مہاجر بھائیوں میں تقسیم فرما دیجیے۔ سب انصار نے ان کی تائید کرتے ہوئے عرض کیا رضینا وسلمنا۔ یا رسول اللہ! ہمیں یہ تجویز منظور ہے۔ ہم اس پر خوش ہیں۔ اس ایثار کو دیکھ کر اللہ کے محبوب کا دل خوش ہو گیا۔ زبان اقدس سے دعا فرمائی۔ اللّٰھم ارحم الانصار۔ الٰہی دین کے ان بے لوث مددگاروں پر اپنی خصوصی رحمت فرما۔ چنانچہ انصار کے مشورہ سے یہ تمام اموال مہاجرین میں تقسیم کر دیے گئے۔ انصار میں سے صرف تین آدمیوں کو جو بہت نادار تھے حصہ ملا۔ ابو دجانہ سہیل بن حنیف۔ ان کے علاوہ مشہور یہودی سردار ابن ابی الحقیق کی تلوار حضرت سعد بن معاذ کو عطا فرمائی گئی (مظہری) یہ کمال استغنا یہ شان بے نیازی غلامان حبیب کبریا علیہ اجمل الصلوٰۃ واطیب الثناء کا ہی حصہ ہے۔ جمال یار نے جن کے دلوں اور آنکھوں سب کو سیراب کر دیا تھا۔

نخستیں بادہ کاندر جام کردند
ز چشم مست ساقی وام کردند

ان کے کمال استغنا کی توصیف اسی پر ختم نہیں ہوتی بلکہ ارشاد ہوتا ہے: ویؤثرون علی انفسھم الخ۔ یہ نہیں کہ مالی طور پر وہ بڑے تونگر تھے، ہر چیز کی ان کے پاس بہتات تھی، اس لیے وہ اموال کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ درحقیقت وہ خود ضرورتمند تھے۔ ان کی مالی حالت بھی قابل رحم تھی لیکن وہ اپنی ضرورت پر اپنے مہاجر بھائیوں کی ضرورت کو ترجیح دیتے تھے۔ حضورؐ نے اپنی نگاہ کرم سے سارے اسلامی معاشرے کو ہی اس رنگ میں رنگ دیا تھا۔

ایک روز ایک شخص بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا۔ عرض کیا سخت بھوکا ہوں۔ حضورؐ نے ازواج مطہرات سے پوچھا۔ وہاں پانی کے سوا کچھ نہ تھا۔ صحابہ کو فرمایا کوئی ہے جو آج رات اس کی میزبانی کرے۔ اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے۔ انصار میں سے ایک آدمی اٹھا، عرض کی یہ سعادت میں حاصل کروں گا اور اس نو وارد کو اپنے گھر لے گیا۔ اپنی بیوی سے کہا یہ اللہ تعالیٰ کے رسول کا مہمان ہے۔ اس کی خدمت میں بخل نہ کرنا۔ اس نے کہا بخدا میرے پاس تو بچوں کے کھانے کے سوا کچھ بھی نہیں۔ انصاری نے کہا بچوں کو بہلا کر سلا دینا۔ جب ہم کھانا کھانے بیٹھیں تو دیا بجھا دینا۔ آج رات ہم بھوکے گزاریں گے۔ جب کھانا تیار ہوا تو بچوں کو سلا دیا گیا۔ وہ نیک خاتون دیے کو درست کرنے کے بہانے اٹھی اور دیا بجھا دیا۔ ایک ہی دسترخوان پر سب بیٹھ گئے۔ میاں بیوی اس طرح ظاہر کرتے رہے کہ وہ کھا رہے ہیں۔ مہمان کو احساس ہی نہ ہونے دیا کہ انہوں نے کھانا نہیں کھایا۔ رات بھوکے گزار دی۔ صبح بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو حضورؐ نے فرمایا لقد اعجب اللہ او ضحک من فلان و فلانۃ۔ فلاں شخص اور اس کی زوجہ نے جو کام کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اسے بہت پسند کیا

خَصَاصَةٌ ۚ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٩﴾

شدید حاجت ہو۔ اور جس کو بچا لیا گیا اپنے نفس کی حرص سے تو وہی لوگ بامراد ہیں ۲۰؎

ہے یا اللہ تعالیٰ اس پر ہنستے ہیں۔

اسی طرح ایک دفعہ کسی آدمی نے بکری کا سر ایک صحابی کو بطور تحفہ بھیجا۔ انھوں نے خیال کیا کہ میرے فلاں بھائی کا چھوٹا بچہ بال بچہ ہے اس کو مجھ سے زیادہ اس کی ضرورت ہے چنانچہ اس کی طرف وہ سر اِبھیج دیا۔ اس نے تیسرے کے پاس تیسرے نے چوتھے کے پاس۔ یہاں تک کہ نو گھروں سے پھر کر پہلے آدمی کے پاس واپس پہنچ گیا۔

جنگِ یرموک میں جب اسلام کو فتح ہوئی تو لوگ زخمیوں کو پانی پلانے کے لیے میدان جنگ میں مشکیزے لے کر پہنچ گئے۔ ایک جگہ عکرمہ، کون عکرمہ؟ ابوجہل کا بیٹا عکرمہ زخموں سے چور پڑا تھا۔ پانی پلانے کے لیے پیالہ آگے بڑھایا گیا تو پاس سے العطش، العطش کی آواز آئی۔ عکرمہ نے اشارہ کیا مجھے رہنے دو میرے بھائی کے پاس جاؤ۔ اس کے پاس گئے تو کسی اور نے العطش کی صدا بلند کی۔ اس نے کہا مجھے چھوڑ دو اسے پلاؤ۔ پانی پلانے والا وہاں پہنچا تو وہ جام شہادت سے اپنی پیاس بجھا چکا تھا اور اسی طرح دوسرا اور جب عکرمہ کے پاس آیا تو وہ بھی جنت الفردوس کو سدھار چکے تھے۔ (ابن کثیر)

یہ قرآنی تعلیمات کا اعجاز تھا اور حضور کی نگاہ کرم کا فیض تھا۔

۲۰؎ الشُّحُّ: البخل وقیل ھو البخل مع الحرص، وقیل البخل بالمال والشحُّ بالمال والمعروف۔ یعنی شُحّ کا معنی بخل ہے۔ بعض نے کہا بخل اور حرص کے مجموعہ کو شُحّ کہتے ہیں۔ بعض نے کہا مال میں کنجوسی کو بخل کہتے ہیں۔ مال اور کوئی نیک کام کرنے میں کنجوسی کو شُحّ کہتے ہیں۔

آخر میں ایک اصولی بات بتادی کہ جس کو شُحّ سے بچا لیا گیا وہی فلاح پانے والا ہے۔

عن جابر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ایاکم والظلم فان الظلم ظلمات یوم القیامۃ واتقوا الشح فان الشح اھلک من کان قبلکم۔

یعنی حضرت جابر نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی کہ حضور نے فرمایا ظلم سے بچو کیونکہ ظلم قیامت کے دن تہ در تہ اندھیروں کی صورت میں نمودار ہوگا اور شُحّ سے بچو کیونکہ تم سے پہلے جو قومیں تھیں ان کو اسی بخل نے ہلاک کر دیا۔

ایک دوسری حدیث پاک میں ہے ایاکم والشح فانہ اھلک من کان قبلکم امرھم بالظلم فظلموا وامرھم بالفجور ففجروا وامرھم بالقطیعۃ فقطعوا۔

یعنی شُحّ سے اپنے آپ کو بچاؤ کیونکہ اس نے جو تم سے پہلے تھے ان کو ہلاک کر دیا۔ وہ اس طرح کہ جب بخل نے ان کو ظلم کرنے کا حکم دیا تو وہ ظلم کرنے لگے۔ جب انہیں فسق و فجور کا حکم دیا تو وہ اس کا ارتکاب کرنے لگے اور جب انہیں قطع رحمی کا حکم دیا تو انہوں نے قطع رحمی اختیار کر لی۔

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ

اور (اس مال میں) ان کا بھی حق ہے جو ان کے بعد آئے [۲۱] جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار! ہمیں بھی بخش دے اور

آخر میں ایک اور حدیث بھی سن لیجیے۔ عن انس بن مالك عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال برئ من الشح من ادى الزكاة وقرى الضيف واعطى فى النائبة۔ (ابن کثیر)

یعنی رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے زکوٰۃ ادا کی، مہمان کی ضیافت کی، ناگہانی مصیبت میں کسی کی امداد کی اس نے شح سے رہائی حاصل کر لی۔

قرآن کریم نے یہ نہیں فرمایا کہ جو شح سے بچ جائے۔ کیونکہ انسان کا از خود اس بیماری سے بچنا بہت مشکل ہے، بلکہ فرمایا جس کو شح سے بچا لیا گیا یعنی جس پر اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا اور اس مذموم خصلت سے بچا لیا وہی بچ سکتا ہے۔

[۲۱] اس کا عطف للفقراء المهاجرين پر ہے۔ اس آیت سے بتا دیا کہ اموال فئی میں مہاجرین و انصار کے علاوہ یہ لوگ بھی حقدار ہیں، یہ وہ مسلمان ہیں جو قیامت تک آئیں گے۔

یہ آیتیں اسلامی بیت المال کی آمدن کے ذرائع، ان کی حیثیت اور ان کے مصارف متعین کرنے میں بڑی اہمیت کی حامل ہیں؛ اس لیے ہم ذرا تفصیل سے بحث کریں گے۔

حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں عظیم الشان فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کسریٰ اور قیصر کے خزانوں کے بارے میں جو بشارتیں دی تھیں وہ عملی صورت میں نمودار ہونے لگیں۔ اس وقت ان وسیع و عریض اراضی کی تقسیم کا سوال پیدا ہوا۔ بعض صحابہ کبار جن میں عبد الرحمٰن بن عوف، زبیر اور بلال رضی اللہ عنہم پیش پیش تھے انہوں نے امیر المومنین سے مطالبہ کیا کہ ان اراضی کو ان کے کسانوں سمیت خمس نکالنے کے بعد مجاہدین میں تقسیم کر دیا جائے۔ فاروق اعظم کو یہ رائے پسند نہ آئی۔ آپ نے حضرت سیدنا علی سے مشورہ کیا۔ انہوں نے یہ رائے دی کہ دعهم يكونوا مادة للمسلمين۔ (کتاب الخراج لابی یوسف) یعنی زمینوں کو ان کے کاشتکاروں سمیت رہنے دیجیے تاکہ عام مسلمانوں کے لیے آمدنی کا ذریعہ بنی رہیں۔ حضرت معاذ بن جبل کی رائے یہ تھی کہ ان اراضی کو تقسیم نہ کیا جائے ورنہ یہ وسیع و عریض زرعی زمینیں ان چند فاتحین کی اولاد میں محصور ہو کر رہ جائیں گی۔ عام مسلمانوں کو کچھ نہیں ملے گا۔ اسلامی سرحدوں کی حفاظت کا بندوبست پھر کیسے ہو سکے گا۔ (کتاب الاموال ص۵۹، فتح الباری جلد ۶ ص۱۳۹)

چنانچہ امیر المومنین نے مجلس شوریٰ طلب کی اور اس کے سامنے یہ معاملہ پیش کیا۔ یہ بحث دو تین دن تک جاری رہی۔ حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت ابن عمر اور دیگر حضرات، حضرت عمر سے متفق تھے لیکن دوسرے لوگ ابھی مطمئن نہ تھے۔ ایک رات امیر المومنین اسی مسئلہ میں غور و فکر کر رہے تھے کہ آپ کے خیال میں سورۂ حشر کی یہ آیتیں آ گئیں۔ صبح جب شوریٰ کا اجلاس شروع ہوا تو آپ اٹھے اور آپ نے فرمایا مجھے کتاب اللہ سے دلیل مل گئی ہے جو اس بارے میں فیصلہ کن ہے۔ پھر آپ نے یہی آیات ما افاء الله سے ربنا انك رؤف رحيم تک تلاوت کیں اور ان سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ان املاک میں صرف اس زمانہ

کے لوگوں کا ہی حصہ نہیں بلکہ بعد میں آنے والوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ شریک کیا ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم ان مفتوحہ اراضی کو فاتحین میں تقسیم کر دیں اور بعد میں آنے والوں کے لیے کچھ نہ چھوڑیں نیز آپ نے آیت کے اس جملہ سے بھی استدلال کیا کے لا یکون دولۃ (احکام القرآن جصاص) اگر انہیں تقسیم کر دیا گیا تو پھر یہ اموال دولت مندوں کے ایک طبقہ میں ہی چکر لگاتے رہیں گے آپ کی یہ تقریر سن کر تقسیم کا مطالبہ کرنے والے اپنے مطالبہ سے دستبردار ہو گئے اور اسی پر امت کا اجماع ہو گیا۔

امیر المومنین نے حضرت عثمان بن حنیف اور حذیفہ بن یمان کو زمین کی پیمائش اور درجہ بندی کے لیے روانہ کیا اور ان کی رپورٹ کے مطابق ان اراضی پر خراج مقرر کیا گیا۔ حیرت ہوتی ہے کہ یہ لوگ اگرچہ حجاز کے صحرائی باشندے تھے جہاں اس قسم کی اراضی کا فقدان ہے لیکن انہوں نے سواد عراق کی اراضی کی جو درجہ بندی کی وہ اس قدر درست ثابت ہوئی کہ عرصہ دراز تک نظر ثانی کی ضرورت نہ ہی۔ صحرانشینوں کو یہ فہم کہاں سے نصیب ہوا کہ وہ مزروعہ اراضی کی اس طرح درجہ بندی کر سکیں جو وہاں کے ماہرین زراعت سے بھی ممکن نہ تھی۔ اس کے بغیر اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ یہ سب نگاہ نبوت کا فیضان تھا۔ کسی کو جرنیل بنا دیا، کسی کو مالیات کا ماہر بنا دیا، کسی کو اراضی کی حیثیت متعین کرنے کی استعداد بخش دی۔ بے ساختہ یہ کہنا پڑتا ہے۔

حسن کی تیرے خیرات سب کو ملی پھول کو رنگ و بو سرو کو بانکپن (حضرت قمر سیالوی)

ابو بکر جصاص لکھتے ہیں فدل ذلک علی ان الغانمین لا یستحقون ملک الارضین ولا رقاب اھلھا (احکام القرآن) یعنی اس سے معلوم ہو گیا کہ زمین اور اس پر کھیتی باڑی کرنے والے کاشتکار مجاہدین میں تقسیم نہیں کیے جائیں گے۔ عہد نبوت میں اس قسم کی اراضی کے بارے میں جو رویہ اختیار کیا گیا اس کے بارے میں جصاص لکھتے ہیں۔ فحصل بدلالۃ الایۃ واجماع السلف والسنۃ تخییر الامام فی قسمۃ الارضین او ترکھا ملکا لاھلھا ووضع الخراج۔

اس آیت، اجماع امت اور سنت سے یہ نتیجہ نکلا کہ اراضی کی تقسیم کا مسئلہ امام وقت کی صوابدید پر موقوف ہے۔ چاہے تو پہلے مالکان کے قبضہ میں ہی رہنے دے اور ان پر خراج عائد کر دے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ زمین کی تقسیم کے بارے میں علما کا اختلاف ہے۔ وقال مالک للامام ان یوقفھا لمصالح المسلمین وقال ابو حنیفۃ الامام مخیر بین ان یقسمھا او یجعلھا وقفا لمصالح المسلمین وقال الشافعی لیس للامام حبسھا عنھم بغیر رضاھم۔ یعنی امام مالک کہتے ہیں کہ امام کو حق پہنچتا ہے کہ ان اراضی کو مسلمانوں کے عام مفادات کے لیے وقف کر دے۔ امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ امام کو اختیار حاصل ہے کہ چاہے انہیں تقسیم کر دے اور چاہے تو مسلمانوں کے مفادات کے لیے وقف کر دے۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ مجاہدین کی خوشنودی کے بغیر امام از خود ان اراضی کو وقف نہیں کر سکتا۔

لیکن خیبر و مکہ کی اراضی کے بارے میں حضور کا عمل اور عہد فاروقی میں تمام صحابہ کا اجماع احناف کے مسلک کی تائید کرتا ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک قول بڑا جامع ہے جس میں آپ نے ہر قسم کے اموال کے مصارف کا ذکر فرما دیا ہے۔ آپ نے یہ آیت پڑھی انما الصدقات للفقراء "تا" علیم حکیم۔ فرمایا اموال صدقہ کے مصرف یہ لوگ ہیں۔ پھر یہ آیت تلاوت کی واعلموا انما غنمتم من شیء تا ابن السبیل۔ فرمایا مال غنیمت کے حقدار یہ لوگ ہیں۔ پھر یہ آیت تلاوت کی ما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القری "تا" والذین جاءو من بعدھم الایۃ۔ فرمایا اس آیت نے تمام مسلمانوں کو گھیر لیا ہے۔ اگر میں زندہ

لِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا

ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لے آئے اور نہ پیدا کر ہمارے دلوں میں

رہا تو آئندہ سال یہ چھوڑ جائے گا اس کا حصہ وہاں پہنچے گا جہاں وہ اپنے ڈنگر چرا رہا ہے۔ یہ حصہ لینے میں اس کو کسی مشقت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ (تفسیر احمدیہ اور دیگر کتب)

اس بحث کے آخر میں علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ وہ اموال جن میں ائمہ اور حکام کو تصرف و مداخلت کا حق ہے ان کی تین قسمیں ہیں

① جو اموال مسلمانوں کے دلوں اور ان کے اموال کو پاک کرنے کے لیے ان سے لیے جائیں جیسے زکوٰۃ، صدقات وغیرہ۔

② وہ اموال جو کفار سے لڑائی کے بعد مسلمانوں کو حاصل ہوں انہیں غنائم کہا جاتا ہے۔

③ اموالِ فئی جو جنگ اور لشکر کشی کے بغیر مسلمانوں کو حاصل ہوں۔ ان میں یہ اموال بھی شامل ہیں:

ﺍ: صلح سے جو سامان، مکانات اور اراضی کفار چھوڑ کر چلے جائیں جیسے اموالِ بنی نضیر۔

ب: جزیہ جو اسلامی ریاست کی غیر مسلم رعایا پر لگایا جاتا ہے اور اس کے ادا کرنے کے بعد وہ جنگی خدمات سے مستثنیٰ قرار دے دیے جاتے ہیں۔

ج: خراج جو مفتوحہ (عنوۃً یا صلحاً) اراضی پر لگایا جاتا ہے۔

د: وہ کسٹم ڈیوٹی جو کافر تاجروں سے لی جاتی ہے جب وہ اسلامی ریاست میں داخل ہوتے ہیں۔

ھ: وہ مال و جائیداد جنہیں چھوڑ کر مشرکین بھاگ جائیں۔

و: وہ اموال جن کے کافر مالک مر جائیں اور اپنے پیچھے کوئی وارث چھوڑ کر نہ جائیں۔ (قرطبی جلد ۸ صفحہ ۱۲)

علامہ کاشانی نے چند اموال کا اور اضافہ کیا ہے:

ز: زرِ فدیہ جو کسی علاقہ کے لوگوں نے جنگ کے بغیر ہی مسلمانوں سے امان حاصل کرنے کے لیے ادا کرنا قبول کر لیا ہو۔

ح: وہ اراضی جو کسی کے قبضہ میں نہ تھی۔

ط: سابق حکمران خاندانوں کی جاگیریں۔

ی: سابق حکومتوں کے املاک۔

ک: بنی تغلب کی زکوٰۃ۔ (بدائع الصنائع جلد ۷ صفحہ ۱۸-۱۱۶)

ان اموال کے مصرف کے بارے میں امام ابو حنیفہ، امام احمد، امام مالک کی رائے یہ ہے لا یُخمّس بل جمیعہ لمصالح المسلمین کسد الثغور وبناء القناطیر والجسور ویعطی القضاۃ والمحتسبین وعمالھم وعلماءھم. کذا فی الھدایۃ۔ (مظہری ج ۹ ص ۲۴۹)

یعنی ان اموال کا خمس نہیں نکالا جائے گا بلکہ تمام کے تمام عام مسلمانوں کی بہبود کے لیے خرچ کیے جائیں گے جس طرح سرحدوں

غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى

بغض اہل ایمان کے لیے اے ہمارے رب! بے شک تو رؤف رحیم ہے ۲۲ کیا آپ نے منافقوں

الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ

کی طرف نہیں دیکھا جو کہتے ہیں اپنے بھائیوں سے جنہوں نے کفر کیا اہل کتاب

الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ

میں سے کہ اگر تمہیں (یہاں سے) نکالا گیا تو ہم بھی ضرور تمہارے ساتھ یہاں سے نکل جائیں گے اور ہم تمہارے بارے میں کسی کی بات

اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ

ہرگز نہیں مانیں گے، اور اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے۔ اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ بالکل

کی حفاظت، پلوں کی تعمیر، قاضیوں، دیگر ملازمین اور ان کے ماتحتوں وغیرہ کو تنخواہیں۔

۲۲ یہ بعد میں آنے والے جنہیں اموال فی کا حقدار بنایا گیا ہے ان کے حصول میں ان کا کوئی عمل دخل نہ تھا، یہ مہاجرین اور انصار کی قربانیوں کا پھل کھا رہے ہیں، اس لیے ان کا فرض ہے کہ ان کو اپنی نیک دعاؤں میں یاد رکھیں۔

انسان کی بدبختی ہے کہ اپنی زندگی ان پاک ہستیوں کی غیبت میں ضائع کرے جن کی تعریف و توصیف سے قرآن بھرا ہوا ہے۔ عمرو بن شرحبیل کا یہ قول بڑا عبرت آموز ہے۔ کہتے ہیں کہ رافضی، یہود و نصاریٰ سے بھی ایک قدم آگے ہیں۔ اگر یہود سے پوچھا جائے کہ تمہاری ملت میں سب سے افضل کون ہے تو وہ جواب دیں گے اصحاب موسیٰ۔ عیسائیوں سے یہی سوال پوچھا جائے تو وہ کہیں گے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے حواری، لیکن اگر رافضیوں سے پوچھا جائے کہ مَنْ شَرُّ اَهْلِ مِلَّتِكُمْ: تمہاری ملت سے بدترین لوگ کون ہیں تو یہ بدبخت کہیں گے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

اللہ تعالیٰ نے تو حکم دیا ہے کہ ان کے لیے دعائیں مانگو، اپنے دلوں کو سابقہ مسلمانوں کے بغض سے پاک رکھو، لیکن رافضیوں کی زندگی کا مدعا یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں ان نفوس ذکیہ کے بارے میں نفرت و عناد پیدا کریں جنہوں نے اپنا سب کچھ اسلام کے نام پر قربان کر دیا تھا۔ استغفر اللہ العظیم۔

اس آیت سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہو گیا کہ پچھلوں کو پہلوں کے لیے مغفرت کی دعا کرنی چاہیے۔ اس سے ان کے گناہ بخشے جاتے ہیں اور ان کے مدارج بلند ہوتے ہیں۔

لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۱﴾ لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا

جھوٹ بول رہے ہیں۔ (سن لو!) اگر یہودیوں کو نکالا گیا تو یہ نہیں نکلیں گے ان کے ساتھ۔ اور اگر ان سے جنگ کی گئی

لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ۫ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲﴾

تو یہ ان کی مدد نہیں کریں گے۔ اور اگر (بفرضِ محال) انہوں نے ان کی مدد کی تو یقیناً پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے، پھر ان کی مدد نہ کی جائے گی ۲۳

لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ

(اے فرزندانِ اسلام!) ان (یہودیوں) کے دلوں میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ تمہارا ڈر ہے۔ یہ اس لیے کہ

قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۳﴾ لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ

وہ ناسمجھ لوگ ہیں ۲۴ (یہ بڑے بزدل ہیں) کبھی اکٹھے ہو کر کھلے میدان میں تم سے جنگ نہیں کریں گے۔ جنگ کریں گے تو قلعہ بند

اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ۭ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ۭ تَحْسَبُهُمْ

بستیوں میں یا دیواروں کی آڑ لے کر ۲۵ ان کا اختلاف آپس میں بہت سخت ہے۔ تم انہیں سمجھتے

۲۳ جب حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور بنی نضیر کے درمیان کشیدگی بڑھ رہی تھی اور کسی وقت بھی جنگ چھڑ جانے کا امکان تھا اس وقت وہاں کے منافقوں نے جن کے سرغنہ عبداللہ ابن ابی اور ابن نبتل تھے کہلا بھیجا کہ مسلمانوں سے ڈرو نہیں، ان کے مقابلہ میں ڈٹ جاؤ، تم اکیلے نہیں ہو ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔ ضرورت پڑی تو ہم دو ہزار مسلح بہادروں کا لشکر لے کر تمہارے ساتھ آملیں گے۔ تمہیں جلاوطن ہونے کا جو حکم دیا گیا ہے اس کو ماننے سے صاف انکار کر دو۔ اگر مدینہ چھوڑنا ہی پڑا تو تم تنہا مدینہ نہیں چھوڑو گے ہم تمہارے ساتھ اس شہر کو چھوڑ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بتا دیا کہ یہ منافق جھوٹ بک رہے ہیں۔ اگر جنگ شروع ہوئی تو یہ ہرگز ان کی مدد نہیں کریں گے۔ اگر بنی نضیر کو یہاں سے ملک بدر ہونا پڑا تو یہ ہرگز ان کے ساتھ نہیں جائیں گے۔ بفرضِ محال اگر ان بزدلوں نے میدان میں آنے کی جسارت کی تو تمہیں دیکھتے ہی بھاگ جائیں گے۔ چنانچہ بعینہٖ اسی طرح ہوا جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا۔

۲۴ اللہ تعالیٰ کے خوف سے تو ان کے دل خالی ہیں لیکن تمہاری ہیبت سے وہ تھر تھر کانپ رہے ہیں۔ ان کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی ہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے جو مالک اور قادر ہے لیکن یہ پرلے درجے کے بے وقوف ہیں۔

۲۵ اگر ان کے ساتھ کہیں جنگ کی نوبت آجائے تو کھلے میدان میں تمہارے ساتھ جنگ کرنے کی جرأت ہرگز نہیں کریں

جَمِيعًا وَّقُلُوبُهُمْ شَتّٰى ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۴﴾

خیال کرتے ہو حالانکہ ان کے دل متفرق ہیں ؂۲۶ یہ اس لیے کہ یہ بے عقل لوگ ہیں۔ ؂۲۷

كَمَثَلِ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ ۚ وَ

یہ ان لوگوں کی مانند ہیں جو ان سے پہلے ابھی ابھی اپنے کرتوتوں کا مزہ چکھ چکے ہیں۔ اور

لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۵﴾ كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ

ان کے لیے دردناک عذاب ہے ؂۲۸ منافقین اور یہود کی مثال شیطان کی سی ہے جو (پہلے) انسان کو کہتا ہے

اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّىْ بَرِىْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّىْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ

انکار کرد۔ اور جب وہ انکار کر دیتا ہے تو شیطان کہتا ہے میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں میں تو ڈرتا ہوں اللہ سے جو

لگے۔ اپنی گڑھیوں میں قلعہ بند ہو کر یا دیواروں کے پیچھے چھپ کر کوئی ایک آدھ تیر چلا دیں تو اور بات ہے۔ کھل کر مقابلہ کی ہمت ان بدنہاد بزدلوں میں کہاں سے آئے گی جرأت تو پیدا ہوتی ہے حق سے ۔زندگی سے موت اس وقت عزیز معلوم ہوتی ہے جب حق کے لیے مرمٹنے کا موقع آئے یا کوئی بلند نصب العین سامنے ہو۔ یہاں تو زیادہ سے زیادہ جیتے رہنے کے بغیر اور کوئی مقصد ہی نہیں۔ یہ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کیسے میدان میں آسکتے ہیں۔

؂۲۶ ان کی ایک اور پوشیدہ کمزوری سے مسلمانوں کو خبردار کر دیا کہ بظاہر تو یہ متفق اور متحد دکھائی دیتے ہیں لیکن حقیقت ایسی نہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے عداوت کے بغیر ان کے سامنے کوئی قدر مشترک نہیں۔ وہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ اسلام کا چراغ بجھ جائے۔ ان کے اقتدار ان کے مادی مفادات کو مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت سے جو خطرہ ہے وہ ٹل جائے۔ اس کے علاوہ کوئی ایسی چیز نہیں جو انہیں متحد رکھ سکے۔ ایک دوسرے کے خلاف ان کے دلوں میں حسد و عداوت کا جوالا مکھی دہک رہا ہے۔

؂۲۷ اس کی وجہ بتا دی کہ عقل و دانش سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں۔

؂۲۸ ہمیشہ سے یہی ہوتا آیا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے بھیجے ہوئے رسولوں کی مخالفت میں کمربستہ ہو جاتے ہیں ان کا انجام بڑا عبرت ناک ہوتا ہے۔ ابھی ابھی بدر میں تم قریش کی نخوت کو پامال ہوتے دیکھ چکے ہو۔ بنی قینقاع کا جو حشر ہوا وہ تمہیں بھولا نہ ہوگا۔ تمہارے ساتھ بھی یہی برتاؤ کیا جائے گا۔

الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶﴾ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِی النَّارِ خَالِدَیْنِ فِیْهَا

رب العالمین ہے ۲۹۔ پھر ان دونوں (شیطان اور اس کے چیلے) کا انجام یہ ہوگا کہ دونوں آگ میں ڈالے جائیں گے اس میں ہمیشہ رہتے رہیں گے۔

وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۷﴾ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ

اور یہی ظالموں کی سزا ہے۔ اے ایمان والو! ڈرتے رہا کرو اللہ سے

وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌ

اور ہر شخص کو دیکھنا چاہیے کہ اس نے کیا آگے بھیجا ہے کل کے لیے۔ اور ڈرتے رہا کرو اللہ تعالیٰ سے۔ بے شک اللہ تعالیٰ خوب آگاہ

بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ

ہے جو تم کرتے رہتے ہو ۳۰۔ اور ان بدنصیبوں کی مانند نہ ہو جانا جنہوں نے بھلا دیا اللہ تعالیٰ کو پس اللہ نے ان کو

۲۹۔ شیطان کا یہ کام ہے کہ وہ پہلے دوست اور خیر خواہ کے روپ میں آتا ہے اور انسان جب اس کے جال میں پھنس جاتا ہے تو وہ اسے بے یار و مددگار چھوڑ کر رفو چکر ہو جاتا ہے۔ بدر کے موقع پر بھی ایسا ہی ہوا۔ کئی لوگوں نے ابوجہل کو مشورہ دیا کہ جس قافلہ کی حفاظت کے لیے ہم گھر سے نکلے تھے وہ بخیریت مکہ پہنچ گیا ہے۔ اب اس لشکر کشی کا کوئی مقصد نہیں۔ ہمیں واپس چلے جانا چاہیے۔ لیکن شیطان ایک نجدی سردار کے لباس میں نمودار ہوا اور یہ کہہ کر انہیں اکسایا لا غالب لکم الیوم من الناس انی جارٌ لکم۔ آج کوئی بھی تم پر غالب نہیں آسکتا۔ میں تمہارا پشت پناہ ہوں لیکن جب دونوں لشکر ٹکرائے تو یہ کہتا ہوا دم دبا کر بھاگا انی بریٔ منکم انی اریٰ مالا ترون انی اخاف اللہ رب العالمین۔ اے ابوجہل اور اس کے ساتھیو! میں تم سے بری الذمہ ہوں۔ میں وہ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ سکتے۔ مجھے اللہ تعالیٰ سے ڈر لگتا ہے۔

شیطان کا ہمیشہ سے یہی دستور رہا ہے۔ یہی حالت ان منافقین اور بنی نضیر کی تھی۔ پہلے وہ بنی نضیر کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتے رہے لیکن وقت پڑا ان سے منہ پھیر لیا۔

۳۰۔ یہود کے غدر اور عہد شکنی کی سزا اور منافقین کے مکر و نفاق کے ذکر کے بعد اب ایمان والوں کو جھنجھوڑا جا رہا ہے اور انہیں نصیحت کی جا رہی ہے کہ اے فرزندانِ اسلام! تقویٰ کو اپنا شعار بناؤ۔ ہوشیار! ایسی راہ پر قدم نہ اٹھے جس سے تمہارے رب نے تمہیں روکا ہے اور اس کے احکام کی تعمیل میں کوتاہی نہ ہو۔ نیز یہ بھی تاکید فرمائی کہ ہر شخص اپنا محاسبہ کرتا رہے کہ اس نے اپنی عاقبت کے لیے کیا ذخیرہ تیار کیا ہے۔ جو شخص آج کی خوشیوں میں یوں کھو جائے کہ اسے کل کا ہوش نہ رہے وہ دانا نہیں، نادان ہے۔ تم ایسا نہ کرنا تم اللہ تعالیٰ کے حبیب کے غلام ہو۔ قیامت کے روز تمہاری شان نرالی ہونی چاہیے۔ تمہاری زندگی کے گرد نور کا ہالہ ہو۔

۵۴۰۲

أَنفُسَهُمْ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿١٩﴾ لَا يَسْتَوِي أَصْحَابُ النَّارِ

خود فراموش بنا دیا۔ یہی نافرمان لوگ ہیں ۳۱؎ یکساں نہیں ہو سکتے دوزخی

وَأَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۚ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿٢٠﴾ لَوْ أَنزَلْنَا

اور اہل جنت۔ اہل جنت ہی تو کامیاب لوگ ہیں اگر ہم نے اتارا ہوتا

هَٰذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ

اس قرآن کو کسی پہاڑ پر تو آپ اس کو دیکھتے کہ وہ جھک جاتا (اور) پاش پاش ہو جاتا اللہ کے خوف

اللَّهِ ۚ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٢١﴾

سے۔ اور یہ مثالیں ہم بیان کرتے ہیں لوگوں کے لیے تاکہ وہ غور و فکر کریں ۳۲؎

اس نورانی ہالہ کے اندر تم چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہے ہو تب لطف ہے۔ دوبارہ پھر تقویٰ کی تاکید فرما دی اور بتا دیا کہ تم جو کچھ کام کرتے ہو تمہارا خداوند ذوالجلال اس سے خوب باخبر ہے۔

۳۱؎ بڑی بھاری اہم حقیقت کی طرف بڑے ہی دل نشین پیرایہ میں متوجہ کیا جا رہا ہے۔ بتایا جو خدا کو فراموش کر دیتا ہے وہ صرف خدا فراموش ہی نہیں ہوتا، وہ خود فراموش بھی بن جاتا ہے۔ اسے اپنے نفع و نقصان کا صحیح اندازہ نہیں ہوتا۔ وہ سوچتا ہے کہ یہ کام اس کے لیے مفید ہو گا۔ اس کی فارغ البالی کا سبب بنے گا۔ اس کی عزت کو چار چاند لگائے گا۔ اس کے اقتدار کو استحکام بخشے گا در حقیقت وہ کام اس کی ہلاکت کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے۔ تاریخ انسانی میں اس کی بیسیوں نہیں سینکڑوں مثالیں موجود ہیں۔ فرعون نے بنی اسرائیل کے بچوں کا قتل عام جاری کر رکھا تاکہ کوئی ایسا بچہ جنم نہ لے سکے جو کل اس کے قصرِ اقتدار کو مسمار کر دے۔ لیکن یہی اقدام اس کی غیر مقبولیت کا سبب بنا۔ بنی اسرائیل بھی ہمیشہ کے لیے اس سے متنفر ہو گئے۔ اپنی قوم میں بھی اس کی حیثیت ایک ظالم قاتل کی ہو گئی۔ ابوجہل ابولہب اس لیے اسلام میں داخل نہ ہوئے کہ ان کی چودھراہٹ ختم ہو جائے گی۔ وہ اب قوم کے سردار ہیں۔ مسلمان ہونے کے بعد انہیں اللہ تعالیٰ کے رسول کا غلام بن کر رہنا پڑے گا۔ ان کی یہی دانش مندی ان کی بربادی کا باعث بن گئی۔ ہر جگہ آپ کو یہ کلیہ کار فرما نظر آئے گا کہ جو شخص خدا فراموش ہوتا ہے وہ خود فراموش بھی ہو تا ہے۔ اپنا خیر اندیش بھی وہی ہوتا ہے جو اپنے رب کے ذکر کی شمع کو روشن رکھتا ہے۔ کس عمدگی سے ذکر الٰہی کی ترغیب دلائی گئی ہے۔

۳۲؎ یعنی پہاڑ کو اگر عقل و فہم عطا کیا جاتا اور پھر قرآن اس پر نازل کیا جاتا تو وہ اس کی ہیبت و جلال سے سرِ تسلیم خم کر دیتا اور ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ انسان جو ایک مشتِ خاک ہے اسے یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ایسے کلام کے مواعظ میں غور نہ کرے اور اس

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۚ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِۚ هُوَ

اللہ وہی تو ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ۳۳ جاننے والا ہر چھپی ہوئی اور ہر ظاہر چیز کا ۳۴ وہی

الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ۝۲۲ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۚ اَلْمَلِكُ

بہت مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اللہ وہی تو ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ سب کا بادشاہ،

الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُؕ

نہایت مقدس، سلامت رکھنے والا، امان بخشنے والا، نگہبان، عزت والا، ٹوٹے دلوں کو جوڑنے والا، متکبر ہے ۳۵

چشمۂ فیض سے سیراب نہ ہو۔

۳۳ ان آخری آیات میں شرح و بسط کے ساتھ صفاتِ جلیلہ حمیدہ کاملہ کا بیان ہو رہا ہے یعنی جس خداوند کی عبادت، اطاعت اور فرمانبرداری کا تمہیں حکم دیا جا رہا ہے وہ خدا کن کن صفاتِ کمال سے متصف ہے۔ سب سے پہلے اس کی شانِ توحید بیان کی گئی۔ وہی خدا ہے، وہی معبود ہے۔ اس کے سوا اور کوئی ہے ہی نہیں جو خدائی کے تخت پر جلوہ فرما سکے۔ کوئی ایسی ہستی ہے ہی نہیں جو عبادت و پرستش کے لائق ہو۔ اگر کسی چیز میں کوئی کمال یا کمالات پائے جاتے ہیں تو اس میں نقائص و عیوب کی بھی کمی نہیں۔ اگر کوئی اور نقص نہ ہو تو اس نقص سے تو اس کے سوا کوئی بھی منزہ نہیں کہ وہ ممکن ہے۔ یعنی پہلے نہیں تھا، اس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا اور پھر نہیں ہوگا۔

۳۴ صفتِ توحید بیان کرنے کے بعد اس کی صفتِ علم کا ذکر فرمایا کہ اس کا علم ادھورا اور ناقص نہیں بلکہ وہ ان چیزوں کو بھی جانتا ہے جو تم سے چھپی ہوئی ہیں اور ان کو بھی جانتا ہے جو ظاہر ہیں۔ ماضی بھی اس کے سامنے ہے، مستقبل بھی اس سے پوشیدہ نہیں۔ وہ رحمٰن و رحیم بھی ہے۔ اس کی رحمت بے اندازہ ہے۔ دنیا و آخرت میں اپنے اور بیگانے سب اس کے خوانِ نعمت سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔

۳۵ دیگر صفات بیان کرنے سے پہلے ایک بار پھر اس کی توحید کا ذکر کیا۔ یہاں جو اسمائے حسنیٰ مذکور ہیں اختصار کے ساتھ ان کی لغوی تحقیق ملاحظہ فرمائیے۔

الملک: بادشاہ۔ جو چاہے کرے اور اس کے فعل پر کسی کو مجالِ اعتراض نہ ہو۔

القدوس: المنزہ من کل نقص والطاهر من کل عیب۔ جو ہر نقص سے منزہ اور ہر عیب سے پاک ہو۔

السلام: ای ذو سلامۃ من النقائص۔ یعنی ہر قسم کی خامیوں سے محفوظ۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کو آلام و مصائب سے بچاتا ہے۔

سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۝ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ

پاک ہے اللہ تعالیٰ اس شرک سے جو لوگ کر رہے ہیں ۳۶ وہی اللہ سب کا خالق سب کو پیدا کرنے والا ۳۷ سب کی مناسب صورت بنانے والا ۳۸ جس کے سارے

المومن: ای المصدق لرسلہ باظہار معجزاتہ علیہم۔ اپنے انبیاء سے معجزات کا اظہار کر کے ان کی رسالت کی تصدیق فرماتا ہے یا اپنے دوستوں کو عذاب سے امن دیتا ہے۔

المھیمن: الشاھد۔ گواہ۔ اور اس کو بھی کہتے ہیں جو کسی کو خوف سے امان دے۔ اس کا اصل اَأْمَنَ فَھُوَ مُؤَأْمِنٌ ہے۔ دوسرا ہمزہ "یا" سے اور پہلا ہمزہ "ہ" سے بدل دیا گیا۔ اس طرح مھیمن بن گیا۔ (الصحاح)

العزیز: زبردست۔ سب پر غالب۔

الجبار: المصلح امور خلقہ المتصرف فیھم بما فیہ صلاحھم۔ یعنی اپنی مخلوقات کے امور کو درست کرنے والا اور ان میں ایسا تصرف کرنے والا جس میں ان کی فلاح اور بہبود ہوتی ہے۔ اس صورت میں یہ جبر سے مشتق ہوگا جس کا معنی اصلاح ہے۔ ٹوٹی ہوئی ہڈی پر پٹی باندھ کر اسے درست کرنے کو بھی جبر کہتے ہیں۔ جَبَرْتُ العظم فَجَبَر۔ اس کا معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ جس کی سطوت کو برداشت نہ کیا جا سکے۔ الذی لا تُطاق سطوتہ۔ قال ابن عباس ھو العظیم۔

المتکبر: جس کی عظمت و کبریائی انتہا کو پہنچی ہوئی ہو۔ اللہ تعالیٰ کے لیے متکبر ہونا صفت ہے لیکن مخلوق کے لیے یہ ذمت کا سبب ہے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں۔ فی الصحیح عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال فیما یرویہ عن ربہ تبارک وتعالیٰ انہ قال الکبریاء ردائی والعظمۃ ازاری ومن نازعنی فی واحد منھما قصمتہ وقذفتہ فی النار۔

ترجمہ: حضور نے فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ کبریائی میری چادر ہے اور عظمت میری ازار ہے۔ جو ان کو اوڑھنے کی کوشش کرے گا میں اس کی کمر توڑ دوں گا اور اس کو دوزخ میں پھینک دوں گا۔

۳۶ یعنی اللہ تعالیٰ تو وہ ہے جو ان صفات و کمالات سے متصف ہے۔ جن کو ان احمقوں نے خدا کا شریک بنا رکھا ہے کیا ان میں یہ خوبیاں پائی جاتی ہیں یا ان میں سے کوئی ایک خوبی پائی جاتی ہے۔ جب ان کمالات کا ان میں شائبہ تک نہیں تو ان کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنانا کتنی بڑی حماقت ہے۔ اس لیے آخر میں فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ان معبودان باطل سے پاک ہے جنہیں یہ نادان اس کا شریک بناتے ہیں۔

۳۷ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی مزید صفات بیان کی گئی ہیں۔

خالق: اندازہ کرنے والا اور باری اس اندازے اور تجویز کو عملی جامہ پہنانے والا۔ بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کائنات کی ہر چیز کا منصوبہ بھی بناتا ہے تجویز بھی کرتا ہے۔ اندازے بھی مقرر کرتا ہے اس لیے وہ خالق ہوا اور ان اندازوں کے مطابق انہیں پیدا بھی کرتا ہے اس لیے وہ باری بھی ہوا۔

۳۸ المصور: تصویر بنانے والا۔ یعنی جس طرح چاہتا ہے اس قسم کی شکل عطا فرما دیتا ہے کسی کو خوبصورت کسی کو بدصورت۔

الْحُسْنٰى ؕ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۴﴾

خوبصورت نام اسی کے ہیں۔ اس کی تسبیح کرتے ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں ۳۹؎ اور وہی عزت والا حکمت والا ہے ۴۰؎

کسی کو کیسے کسی کو کیسے۔ اگنت انسان ہیں لیکن کسی کی شکل کسی کے ساتھ ہو بہو نہیں ملتی۔ ہر پیدا ہونے والے انسان کے لیے الگ نقشہ، علیحدہ علیحدہ خد وخال بنا دینا اسی کی قدرت کا کرشمہ ہے۔

۳۹؎ یہاں اس کے خوبصورت اور پیارے ناموں میں سے چند اسماء ذکر کیے گئے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ سارے خوبصورت نام اسی کے لیے مخصوص ہیں۔ ہر چیز اسی کی تسبیح بیان کر رہی ہے۔

۴۰؎ وہی عزیز ہے وہی حکیم ہے۔ قوت وحکمت کا یہ امتزاج کتنا حسین اور معنی خیز ہے۔

یا من لہ الاسماء الحسنی اسئلک بکل اسم ھو لک سمیت بہ نفسک او انزلتہ فی کتابک او علمتہ احدا من خلقک او استاثرت بہ فی علم الغیب عندک ان تجعل القرآن العظیم ربیع قلبی ونور صدری وجلاء حزنی وذھاب ھمی وغمی۔

اللھم صل وسلم وبارک علی سیدی ومولائی وحبیبی وقرۃ عینی وراحۃ خاطری محمد وعلی آلہ وصحبہ ومن تبعہ باحسان الی یوم الدین۔

تعارف

سُورۃ المُمتحنہ

نام : اس سورت کا نام اس کی آیت نمبر ۱ کے کلمہ فامتحنوھن سے ماخوذ ہے۔ اسے مُمتحِنہ اور مُمتحَنہ دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ پہلی صورت میں اس کا معنی ہوگا امتحان لینے والی سورت، اور دُوسری صورت میں اس کا معنی ہوگا وہ عورت جس کا امتحان لیا گیا ہے۔ یہ دو رکوعوں، تیرہ آیتوں، تین سو اڑتالیس کلمات اور ایک ہزار پانچ سو دس حروف پر مشتمل ہے۔

زمانۂ نزول : اس سورۃ میں جو واقعات مذکور ہیں اُن سے بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیانی عرصہ میں یہ سورت نازل ہوئی۔

مضامین : حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب کسی مہم پر جانے کا ارادہ فرماتے تو اس کو صیغہ راز میں رکھتے تاکہ دشمن قبل از وقت مطلع ہو کر اپنے دفاع کی تیاری مکمل نہ کرلے۔ اذنِ الٰہی کے مطابق جب فتح مکہ کے لیے تیاری شروع کی گئی تو حسبِ معمول نہایت رازداری سے کام لیا گیا تاکہ کفار مکہ اس منصوبہ پر آگاہ ہو کر کوئی جوابی کارروائی نہ کرسکیں۔ حضرت حاطب ابن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک سنگین غلطی سرزد ہوئی۔ ان کے بال بچے مکہ میں تھے وہاں ان کا کوئی ایسا قریبی رشتہ دار نہ تھا جو اُن کا پرسانِ حال ہوتا۔ اُنہوں نے خفیہ طور پر مکہ کے ایک سردار کو خط لکھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارادہ سے اُسے آگاہ کیا تاکہ وہ اس احسان کے بدلے اُن کے بال بچے کا خیال رکھے۔ اس کا تفصیلی تذکرہ تو آیات کی تشریح کے ضمن میں آئے گا یہاں فقط اتنا اشارہ کرنا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو سخت تنبیہ فرمادی کہ ایمان لانے کے بعد کفار کے ساتھ تمہارا یارانہ سخت ناپسندیدہ حرکت ہے۔ تم اپنی صاف دلی کے باعث انہیں بھی اپنے جیسا خیال کرتے ہو حالانکہ کفر نے ان کو ان صفاتِ عالیہ سے محروم کردیا ہے جن کی تم اُن سے توقع رکھتے ہو۔ ان کے سینوں میں تمہارے خلاف بغض و عناد کے شعلے بھڑک رہے ہیں اگر تم نے احتیاط سے کام نہ لیا تو تم خود بھی زک اٹھاؤ گے اور مسلمانوں کو بھی طرح طرح کی مشکلات میں مبتلا کردو گے۔ اگر وہ تم پر قابو پالیں تو تم پر ذرّہ برابر رحم نہیں کریں گے، اور ہر ممکن ذریعہ سے تمہیں نقصان پہنچائیں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسوۂ حسنہ تمہارے سامنے ہے جب اُن کے قریبی رشتہ داروں نے اُن کی دعوتِ توحید کو قبول کرنے سے انکار کردیا تو آپ نے اُن سے مکمل بائیکاٹ کردیا۔ تمہیں بھی چاہیے کہ اس اسوۂ حسنہ کی پیروی کرو۔

یہاں ایک نکتہ کی وضاحت کردی گئی کہ قطع تعلق فقط اُن کفار کے ساتھ ہے جو تم سے برسرِ پیکار ہیں۔ جنہوں نے

تمہیں جلاوطن کر دیا ہے لیکن جو کافر تمہارے خلاف جارحیت کے مرتکب نہیں ہیں اُن سے ایسے مکمل بائیکاٹ کا حکم نہیں دیا جارہا۔

صلح حدیبیہ کے بعد ایک نئی صورتِ حال پیدا ہوگئی تھی۔ معاہدہ صلح میں یہ تو طے پایا تھا کہ اگر کوئی مسلمان مرد آج کے بعد مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ آئے گا تو اسے واپس کر دیا جائیگا لیکن عورتوں کے بارے میں کوئی صراحت نہ تھی۔ صلح حدیبیہ کے بعد کئی عورتیں جو مسلمان ہو چکی تھیں وہ اپنے کافر شوہروں کو مکہ میں چھوڑ کر مدینہ طیبہ پہنچنے میں کامیاب ہوگئی تھیں۔ شرائط صلح کی رُو سے کیا انہیں بھی واپس کر دینا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے بتا دیا کہ جب کوئی عورت ہجرت کرکے تمہارے پاس آجائے تو تم اس کے ایمان کا جائزہ لو۔ اگر وہ سچے دل سے ایمان لائی ہو تو اسے مت واپس کرو کیونکہ آج سے کوئی مومن عورت کسی مشرک کے نکاح میں نہیں رہ سکتی۔ اسی طرح کئی مسلمان مرد اپنی کافر بیویاں مکہ میں چھوڑ آئے تھے۔ اُن کے بارے میں بھی بتا دیا کہ کافر عورتیں بھی مسلمانوں کے عقد نکاح میں باقی نہیں رہیں گی۔ وہ اب آزاد ہیں جس سے چاہیں شادی رچائیں ان کے بارے میں تفصیلی احکام آیات کی تشریح کے ضمن میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔

مکہ مکرمہ فتح ہونے والا تھا وہ دن طلوع ہونے کے قریب تھا جب مردوں کی طرح عورتیں گروہ در گروہ اسلام قبول کریں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو قبل از وقت بتا دیا کہ جب مشرک عورتیں اسلام قبول کرنے کے لیے حاضر ہوں تو ان اُمور پر ان کی بیعت لی جائے۔

نیو ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا

۲۳-۴-۷۷

سُوْرَةُ الْمُمْتَحِنَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثَ عَشْرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورہ الممتحنہ مدنی ہے اور اس میں ۱۳ آیتیں اور ۲ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ

اے ایمان والو! نہ بناؤ میرے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو (اپنے) جگری دوست [1]

[1] ان آیات کی شان نزول حضرت صدر الافاضل قدس سرہ کے جامع الفاظ میں سماعت فرمائیے:

بنی ہاشم کے خاندان کی ایک باندی سارہ مدینہ طیبہ میں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوئی جبکہ حضور فتح مکہ کا سامان فرما رہے تھے۔ حضور نے اس سے فرمایا کیا تو مسلمان ہو کر آئی ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا کیا ہجرت کر کے آئی ہے؟ عرض کیا نہیں۔ فرمایا پھر کیوں آئی؟ اس نے کہا محتاجی سے تنگ ہو کر۔ بنی عبد المطلب نے اس کی امداد کی۔ کپڑے پہنائے۔ سامان دیا۔ حاطب ابن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سے ملے۔ اس کو دس دینار دیئے۔ ایک چادر دی اور ایک خط اہل مکہ کے پاس اس کی معرفت بھیجا جس کا مضمون یہ تھا کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تم پر حملہ کا ارادہ رکھتے ہیں۔ تم سے اپنے بچاؤ کی جو تدبیر ہو سکے کر لو۔ سارہ یہ خط لے کر روانہ ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو اس کی خبر دی۔ حضور نے اپنے چند اصحاب کو جن میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے گھوڑوں پر روانہ کیا اور فرمایا مقام روضہ خاخ پر تمہیں ایک مسافر عورت ملے گی۔ اس کے پاس حاطب ابن ابی بلتعہ کا خط ہے جو اہل مکہ کے نام لکھا گیا ہے۔ وہ خط اس سے لے لو اور اس کو چھوڑ دو۔ اگر انکار کرے تو اس کی گردن مار دو۔ یہ حضرات روانہ ہوئے اور عورت کو ٹھیک اسی مقام پر پایا جہاں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ اس سے خط مانگا وہ انکار کر گئی اور قسم کھا گئی۔ صحابہ نے واپسی کا قصد کیا۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بقسم کہا کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خبر خلاف واقعہ ہو ہی نہیں سکتی اور تلوار کھینچ کر عورت سے فرمایا یا خط نکال یا گردن رکھ۔ جب اس نے دیکھا کہ حضرت بالکل آمادۂ قتل ہیں تو اپنے جوڑے میں سے خط نکالا۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر فرمایا کہ اے حاطب! اس کا کیا باعث؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں جب سے ایمان لایا کبھی میں نے کفر نہیں کیا اور جب سے حضور کی نیازمندی میسر آئی کبھی حضور کی خیانت نہیں کی اور جب سے اہل مکہ کو چھوڑا کبھی ان کی محبت نہ آئی لیکن واقعہ یہ ہے کہ میں قریش میں رہتا تھا اور ان کی قوم سے نہ تھا میرے ساتھ اور جو مہاجرین ہیں ان کے مکہ مکرمہ میں رشتہ دار ہیں جو ان کے گھر بار کی نگرانی کرتے ہیں مجھے اپنے گھر والوں کا اندیشہ تھا اس لیے میں نے یہ چاہا کہ اہل مکہ پر کچھ احسان رکھ دوں تاکہ وہ میرے

گھر والوں کو دوست نہیں اور یہ میں یقین سے جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اہل مکہ پر عذاب نازل فرمانے والا ہے، میرا یہ خط انہیں بچا نہ سکے گا۔
حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کا یہ عذر قبول فرمایا اور ان کی تصدیق کی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اجازت دیجیے کہ اس منافق کی گردن ماردوں۔ حضور نے فرمایا اے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! اللہ تعالیٰ خبردار ہے جب ہی اس نے اہل بدر کے حق میں فرمایا کہ جو چاہو کرو میں نے تمہیں بخش دیا۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ کے آنسو جاری ہو گئے اور یہ آیات نازل ہوئیں۔ (خزائن العرفان)

اگرچہ یہ آیتیں حضرت حاطبؓ کے متعلق نازل ہوئیں لیکن ان میں روئے سخن صرف انہی کی طرف نہیں بلکہ ساری ملت اسلامیہ کو مخاطب بنایا گیا ہے۔ سب کو نصیحت کی جا رہی ہے اور ایسی غلطی کے ارتکاب سے روکا جا رہا ہے جس سے اسلام اور اہل اسلام کے مفاد کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو' خواہ اس کی نیت کچھ بھی ہو۔

اس آیت کے ضمن میں قاضی ابن عربی الاندلسی نے اپنی تفسیر احکام القرآن میں چند فقہی مسائل لکھے ہیں جن کا خلاصہ پیش خدمت ہے:

۱۔ اگر کوئی مسلمان اسلامی حکومت کے سربستہ راز دشمن تک پہنچائے تو اس کا یہ فعل اگرچہ سنگین جرم اور کبیرہ گناہ ہے لیکن وہ اس سے دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہو جاتا بشرطیکہ اس کے ایمان میں کوئی تزلزل نہ ہو۔ اگر اس طرح کفر لازم آتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حاطبؓ کو از سر نو مسلمان ہونے کا حکم فرماتے۔

۲۔ کیا ایسا مسلمان واجب القتل ہے؟ امام مالکؒ ابن قاسم اور اشہب فرماتے ہیں کہ امام جو سزا اسے مناسب سمجھے دے سکتا ہے۔ عبدالملک کہتے ہیں کہ اگر یہ چیز اس کی عادت بن جائے تو اسے قتل کر دیا جائے گا کیونکہ وہ جاسوس ہے اور امام مالک جاسوس کے قتل کا فتویٰ دیتے ہیں اور یہی صحیح ہے۔ کیونکہ اس نے مسلمانوں کو ضرر پہنچایا اور ملک میں فتنہ و فساد برپا کیا۔ وھو صحیح لضرارہ بالمسلمین و سعیہ بالفساد فی الارض۔

حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ غلطی صرف ایک بار سرزد ہوئی تھی اس لیے معاف کر دیا گیا۔

۳۔ اگر جاسوس کافر ہو تو امام اوزاعی کہتے ہیں کہ ذمی کافر نے جاسوسی کر کے اپنا معاہدہ توڑ دیا اور حربی جاسوس کو قتل کرنا جائز ہے۔ مسلمان اور ذمی جاسوس کو سخت سزا دی جائے گی لیکن اگر وہ بار بار ایسا کریں گے اور مسلمانوں کے خلاف دشمن کی مدد کریں گے تو انہیں بھی قتل کی سزا دی جا سکتی ہے۔

یہاں سے ایک اور مسئلہ بھی ثابت ہوتا ہے جس کی آج کل اشد ضرورت ہے۔ وہ یہ کہ اگر کسی شخص پر وطن دشمنی کا یا کوئی اور الزام عائد کیا جائے تو ایسے شخص کو اس وقت تک سزا نہیں دی جا سکتی جب تک اس کی تحقیق نہ کر لی جائے اور ملزم کو اپنی صفائی کا موقع نہ دیا جائے۔ محض الزام اور شک پر کسی کو سزا دینا اسلامی قانون میں ہرگز جائز نہیں۔ جب حضرت حاطبؓ کا خط پکڑا گیا تو انہیں صفائی پیش کرنے کا موقع دیا گیا اور ان کے اس بیان کو بھی جس کی تائید دیگر قرائن و شواہد سے ہو رہی تھی تسلیم کر لیا گیا۔

حضرت حاطبؓ جن سے یہ جرم سرزد ہوا تھا ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی تو اس کی ابتدا یایھا الذین امنوا

تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ

تم تو اظہار محبت کرتے ہو ان سے ؎۲ حالانکہ وہ انکار کرتے ہیں (اس دین) حق کا جو تمہارے پاس آیا ہے۔

يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ۭ اِنْ

انہوں نے نکالا ہے رسول (مکرم) کو اور تمہیں بھی (مکہ سے) محض اس لیے کہ تم ایمان لائے ہو اللہ پر جو تمہارا پروردگار ہے۔ اگر

سے کی گئی۔ حضرت حاطب نے جب یہ آیت سنی تو ان کی خوشی کی کوئی حد نہ رہی کہ ان کی اس غلطی کی وجہ سے ان کو مسلمانوں کی جماعت سے خارج نہیں کر دیا گیا۔ صرف سرزنش اور عتاب پر اکتفا کیا گیا ہے اور عتاب اسی کو کیا جاتا ہے جس سے محبت ہو۔ کسی نے خوب کہا ہے۔ ؎

اعاتب ذالمودۃ من صدیق ۔۔۔ اذا ما رابنی منہ اجتناب

اذا ذھب العتاب فلیس وُدٌّ ۔۔۔ ویبقی الود ما بقی العتاب

یعنی میں اس دوست کو ہی عتاب کرتا ہوں جس سے محبت ہو۔ جب مجھے یہ شک گزرے کہ وہ مجھ سے اجتناب کر رہا ہے۔

جہاں عتاب نہ ہو وہاں محبت نہیں ہوتی۔ جب تک عتاب کا سلسلہ باقی ہے محبت بھی باقی ہے۔

اس آیت میں چند فقرے اور چند الفاظ توجہ طلب ہیں:

عدو اگرچہ واحد ہے لیکن اس کا اطلاق جمع پر بھی ہوتا رہتا ہے۔ زمخشری کہتے ہیں والعدو فعول من عدا کعفو من عفا وکونہ علی زنۃ المصدر اوقع علی الجمع ایقاعہ علی الواحد۔ (کشاف)

یعنی یہ مصدر کے وزن پر ہے اس لیے یہ جمع اور واحد دونوں معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔

؎۲ تلقون الیھم بالمودۃ کا مفہوم کیا ہے اور کلام سابق سے اس کا ربط کیا ہے؟

ربط کے بارے میں تین قول ہیں: (۱) لاتتخذوا کی ضمیر کا حال ہے۔ (۲) اولیاء کی صفت ہے۔ (۳) یہ کلام مستانف ہے۔ یہ نیا جملہ ہے۔ پہلے سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

بالمودۃ کی باء زائدہ برائے تعقیب بھی ہو سکتی ہے اور سببیہ بھی ہو سکتی ہے۔

پہلی صورت میں القاء بالمودۃ کا معنی اظہار المودۃ ہو گا۔ (روح المعانی) یعنی تم ان سے اپنی محبت کا اظہار کرتے ہو۔ دوسری صورت میں یہ باء تعدیہ کے لیے ہو گی اور مودۃ، تلقون کا مفعول ہو گا۔ اس کا معنی وہی ہو گا جو پہلے ذکر کیا گیا ہے اور اگر باء سببیت کے لیے ہے تو اس وقت تلقون کا مفعول محذوف ماننا پڑے گا۔ عبارت یہ ہو گی۔ تلقون الیھم اخبار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسبب المودۃ التی بینکم وبینھم (کشاف) یہاں القاء، ارسال کے معنی میں ہو گا۔ یعنی تم رسول کی خبریں ان کو دوستانہ

كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي

تم جہاد کرنے نکلے ہو میری راہ میں اور میری رضا جوئی کے لیے (تو) انہیں دوست مت بناؤ۔ ۳

تُسِرُّونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۖ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا

تم بڑی رازداری سے ان کی طرف محبت کا پیغام بھیجتے ہو ۴ حالانکہ میں جانتا ہوں جو تم نے چھپا رکھا ہے اور جو

أَعْلَنْتُمْ ۚ وَمَنْ يَفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ①

تم نے ظاہر کیا۔ اور جو ایسا کرے تم میں سے تو وہ بھٹک گیا راہ راست سے

کو بھیجتے ہو اس محبت کی وجہ سے جو تمہارے درمیان اور ان کے درمیان ہے۔

۳۔ ان کنتم خرجتم الخ یہ شرط ہے۔ اس کی جزا محذوف ہے اور کلام سابق لا تتخذوا اس پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی اگر تم اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے کے لیے نکلے ہو اور اس کی رضا کے طلب گار ہو تو کافروں کو اپنا دوست نہ بناؤ۔

۴۔ تسرون الیھم الخ یہ تلقون سے بدل بھی ہو سکتا ہے لیکن مناسب یہ ہے کہ اس کو کلام مستانف بنایا جائے۔ اس کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں ای تفضون الیھم بمودتکم سرا یعنی تم انہیں اپنی محبت اور دوستی کا چپکے چپکے یقین دلاتے ہو۔

دوسرا مفہوم یہ ہے تسرون الیھم اسرار رسول اللہ بسبب المودۃ (کشاف) کہ تم باہمی دوستی کی وجہ سے حضور کے راز ان تک پہنچاتے ہو، حالانکہ اللہ تعالیٰ تمہاری ساری حرکتوں کو خوب جانتا ہے۔ تم لاکھ چھپانے کی کوشش کرو اس علیم و خبیر سے نہیں چھپا سکتے۔

آیت کا خلاصہ یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ اے ایمان والو! جو لوگ میرے دین کے دشمن ہیں اور جو لوگ تمہارے بھی بدخواہ ہیں ان کو اپنا دوست مت بناؤ۔ تم ان سے اپنی محبت کا اظہار کرتے ہو، حالانکہ وہ اس دین حق کا انکار کرتے ہیں جو تمہارے پاس اللہ کا رسول لے کر آیا ہے اور ان کی عداوت کی اس سے بڑی روشن دلیل تمہیں اور کیا چاہیے کہ انہوں نے اللہ کے محبوب ﷺ کو بھی گھر چھوڑنے پر مجبور کر دیا اور تمہیں بھی جلاوطن کر دیا۔ تم نے ان کا کوئی قصور نہیں کیا تھا، تم نے ان پر کوئی زیادتی نہیں کی تھی۔ ان کی نظروں میں تمہارا اللہ پر ایمان لانا ایک ایسا گناہ ہے جو قابل عفو نہیں۔ اگر تم اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے میدان میں آئے ہو اور اس کی خوشنودی کے جویا ہو تو تمہیں اللہ تعالیٰ یہ حکم دیتا ہے کہ تم انہیں اپنا دوست مت بناؤ۔ تم میں سے بعض لوگ خفیہ طور پر کفار کو اپنی دوستی اور خیرخواہی کا یقین دلاتے ہیں۔ کیا انہیں یہ بات بھول جاتی ہے کہ ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ سے ہے اور اللہ تعالیٰ چھپی ہوئی اور ظاہر ہر چیز کو بخوبی جانتا ہے۔ قیامت تک آنے والے مسلمانوں میں سے اگر کسی نے ایسی غلطی کی تو وہ راہ راست سے بھٹک گیا اور اپنی منزل سے بہک گیا۔

إِنْ يَثْقَفُوكُمْ يَكُونُوا لَكُمْ أَعْدَاءً وَيَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ

اگر وہ تم پر قابو پالیں تو وہ تمہارے دشمن ہوں گے اور بڑھائیں گے تمہاری طرف اپنے ہاتھ

وَأَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوءِ وَوَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ ﴿۲﴾ لَنْ تَنْفَعَكُمْ أَرْحَامُكُمْ

اور اپنی زبانیں برائی کے ساتھ وہ تو چاہتے ہیں کہ تم (ان کی طرح) کافر بن جاؤ ۵ نہ نفع پہنچائیں گے تمہیں تمہارے رشتہ دار

وَلَا أَوْلَادُكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ وَاللَّهُ بِمَا

اور نہ تمہاری اولاد روز قیامت ۔ اللہ تعالیٰ جدائی ڈال دے گا تمہارے درمیان اور اللہ تعالیٰ جو

تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۳﴾ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ

تم کرتے ہو خوب دیکھنے والا ہے ۶ بے شک تمہارے لیے خوب صورت نمونہ ہے ابراہیم

۵ علامہ آلوسی کہتے ہیں ان یثقفوکم ای ان یظفروا بکم۔ یعنی اگر وہ تم پر غالب آجائیں اور تم پر قابو پالیں۔

اس آیت میں حاطبؓ اور ان کی روش اختیار کرنے والوں کو بتایا جا رہا ہے کہ اگر یہ کفار تم پر غالب آجائیں اور تم پر قابو پالیں تو ایسی عداوت اور بربریت کا مظاہرہ کریں کہ تمہیں ہوش آجائے۔ وہ ہاتھوں سے تمہیں تہ تیغ کرنے میں دریغ نہ کریں گے اور زبان سے تم پر گالیوں کی بوچھاڑ کریں گے۔ تم پر طرح طرح کے بہتان تراشیں گے تم سادہ لوح لوگ ہو۔ ان کے دلوں میں تو تمہارے لیے عداوت و حسد کا آتش فشاں دہک رہا ہے اور تمہیں خبر تک نہیں۔ وہ صرف تمہارے مال اور تمہاری جان کے دشمن نہیں ان کا بس چلے تو آنکھ جھپکنے میں تمہارے ایمان کی متاع عزیز کو تاخت و تاراج کر ڈالیں۔ تمہارے ایمان کے چراغ کو گل کر دیں اور پھر گھپ اندھیروں میں تمہیں تاابد ٹھوکریں کھانے کے لیے چھوڑ دیں۔ جان، مال، آبرو اور ایمان کے دشمنوں کے بارے میں کسی خوش فہمی میں مبتلا ہونا پرلے درجے کی حماقت ہے۔ بندہ مومن کو تو ایسے دشمنوں سے ہر وقت چوکنا اور ہوشیار رہنا چاہیے۔

۶ حضرت حاطبؓ کو بال بچے کی محبت نے اس حرکت پر اکسایا تھا۔ بتا دیا کہ قیامت کے دن یہ رشتہ دار اور اولاد کسی کام نہ آئے گی۔ ہر شخص کو اپنے کفر کی سزا خود بھگتنی پڑے گی۔ یفصل بینکم یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان جدائی ڈال دے گا۔ تم ایک دوسرے سے بھاگنے میں اپنی سلامتی سمجھو گے۔ اسی چیز کو دوسرے مقام پر یوں بیان فرمایا گیا ہے۔

یوم یفر المرء من اخیہ وامہ وابیہ وصاحبتہ و بنیہ۔

یعنی اس دن انسان بھاگے گا اپنے بھائی سے، اپنی ماں سے، اپنے باپ سے، اپنی بیوی سے اور اپنے بچوں سے۔

وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا

اور ان کے ساتھیوں (کی زندگی) میں جب انہوں نے (برملا) کہہ دیا اپنی قوم سے کہ ہم بیزار ہیں تم سے اور ان معبودوں

تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ

سے جن کی تم پوجا کرتے ہو اللہ کے سوا۔ ہم تمہارا انکار کرتے ہیں ۵ اور ہمارے اور تمہارے درمیان

الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗۤ اِلَّا

ہمیشہ کے لیے عداوت اور بغض پیدا ہوگیا ہے یہاں تک کہ تم ایمان لاؤ ایک اللہ پر ۶ مگر

۵ اپنے قریبی رشتہ داروں سے اپنے بیوی بچوں سے قطع تعلق کوئی آسان کام نہیں لیکن ایمان کا تقاضا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہو تو ایمان کو بچانے کے لیے ماں باپ سے، بہن بھائی سے، بیوی بچوں سے بھی اگر قطع تعلق کرلینا پڑے تو ذرا نہ گھبراؤ۔ سارے رشتے توڑ دو۔ سارے بندھن کاٹ ڈالو جو تمہارے ایمان میں رخنہ اندازی کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے سامنے حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور ان کے وفاشعار امتیوں اور ساتھیوں کی مثال پیش کی کہ دیکھو انہوں نے اپنے خداوند کریم کو راضی کرنے کے لیے کس طرح ان تعلقات کو پس پشت ڈال دیا اور کس جوش سے برملا اعلان کر دیا کہ ہمارا اور تمہارا اب کوئی تعلق نہیں رہا۔ ہمارا تمہارے معبودوں سے بھی کوئی سروکار نہیں۔ بے شک حکومت و اقتدار تمہارے پاس ہے۔ جاگیریں اور زمینیں تمہارے قبضہ میں ہیں اور دولت و ثروت کے انبار تمہارے ہاں لگے ہیں لیکن تمہاری حیثیت ہماری نظروں میں خس و خاشاک سے بھی کم ہے۔ ہمیں تمہاری اور تمہارے جاہ و جلال کی ذرا پروا نہیں۔

یہاں کفرنا بکم کا ایک معنی تو یہ ہے کہ ہم تمہارے بھی منکر ہیں اور تمہارے خداؤں کو بھی تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں اور ہوتا بھی ایسا ہی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے وہ طاغوت سے کفر ضرور کرتا ہے۔ اسے معبودان باطل کا انکار ضرور کرنا پڑتا ہے۔ فمن یکفر بالطاغوت ویؤمن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقیٰ۔ یعنی جو شخص طاغوت سے انکار کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے اس نے درحقیقت مضبوط سہارا پکڑ لیا جو ٹوٹنے والا نہیں۔

لیکن کفرنا بکم کا ایک دوسرا مفہوم بھی علمائے تفسیر نے ذکر کیا ہے۔ علامہ آلوسی کی عبارت ملاحظہ ہو: والکفر بذلک مجاز او کنایۃ عن عدم الاعتداد فکانہ قیل انا لا نعتد بشانکم ولا بشان آلھتکم وما انتم عندنا علی شیء۔

یعنی بطور مجاز یا کنایہ کفر سے مراد یہاں عدم اعتداد ہے (پروا نہ کرنا) گویا یہ کہا جا رہا ہے کہ ہم نہ تمہیں خاطر میں لاتے ہیں اور نہ تمہارے خداؤں کی پروا کرتے ہیں۔ ہماری نگاہوں میں تمہاری ذرہ بھر کوئی وقعت نہیں۔

۶ ابراہیم اور آپ کے ساتھیوں نے صاف صاف اعلان کردیا کہ اے ہماری قوم کے کافرو! خونی رشتے، قریبی تعلقات،

قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ

ابراہیم کا اپنے باپ سے یہ کہنا اس سے مستثنیٰ ہے کہ میں ضرور مغفرت طلب کروں گا تمہارے لیے اور میں مالک نہیں ہوں

مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ

تمہارے لیے اللہ کے سامنے کسی نفع کا ؎ (پھر کہا) اے ہمارے رب! ہم نے تجھی پر بھروسہ کیا اور تیری طرف ہی رجوع کیا اور تیری طرف

الْمَصِيْرُ ۝ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا

ہی ہمیں پلٹ کر آنا ہے ؏ اے ہمارے رب! ہمیں نہ بنا دے فتنہ کافروں کے لیے اور ہمیں بخش دے

رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ

اے ہمارے رب! بے شک تو ہی عزت والا (اور) حکمت والا ہے ؏ بے شک تمہارے لیے ان میں خوبصورت

سابقہ دوستیاں بھائی چارے ہم ان سب کو یک قلم فسوخ کرتے ہیں۔ جب تک تم کفر سے باز نہیں آ جاتے ہم تمہارے دشمن رہیں گے تمہیں نیچا دکھانے کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں گے۔ ہم سے اب پہلے پیار اور محبت کی توقع عبث ہے۔ اگر تم راہ راست پر آ جاؤ اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کر لو تو ہم دوبارہ شیر و شکر ہو جائیں گے۔

؎ پہلے ارشاد فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی اور ان کا طرز عمل تمہارے لیے ایک بہترین نمونہ ہے۔ اس کی تمہیں اقتدا کرنی چاہیے۔ یہاں سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ ایک بات ایسی ہے جس کی تمہیں اقتدا نہیں کرنی چاہیے۔ وہ یہ کہ انہوں نے اپنے کافر باپ کی مغفرت کے لیے دعا مانگی۔ تمہیں ایسا کرنا جائز نہیں۔ آپ نے بھی اپنے باپ کو صاف صاف بتا دیا کہ اگر تو شرک سے باز نہ آیا تو میں تیرا کچھ بھلا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ ای ما ادفع عنك من عذاب اللہ شیئا ان اشرکت بہ۔ (قرطبی)

؏ حضرت ابراہیم اور آپ کے ساتھیوں نے اپنی قوم سے قطع تعلق کرنے کے بعد اللہ عزوجل کی جناب میں دست دعا پھیلائے اور عرض کیا کہ الٰہی! ہم نے سارے سہارے ختم کر دیے۔ اب ہمارا بھروسہ صرف تیری ذات پر ہے۔ دنیا بھر سے منہ موڑ کر ہم نے اپنا رخ اب تیری طرف کر لیا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ ہم نے ایک روز تیرے پاس لوٹ کر آنا ہے۔

؏ حضرت ابن عباس ؓ نے اس کا مطلب یہ بیان فرمایا ہے کہ اے اللہ کفار کو ہم پر مسلط نہ فرما۔ ای لا تسلطهم علینا قالہ ابن عباس فالفتنۃ مصدر بمعنی المفعول۔ اس صورت میں فتنہ جو مصدر ہے اسم مفعول کے معنی میں ہوگا۔ اس فتنہ کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ کفار غالب آ جائیں اور ان کا یہ غلبہ تمہیں اس غلط فہمی میں مبتلا کر دے کہ وہ حق پر ہیں اس لیے ان کو فتح نصیب ہوئی ہے۔ کفر و شرک اور فسق و فجور جس پر وہ کاربند ہیں وہی حق اور سچ ہے۔ نیز کفر کے غلبہ سے اس فتنہ کا بھی اندیشہ ہے کہ بعض ضعیف الایمان

أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ۭ وَمَنْ

نمونہ ہے اس کے لیے جو اللہ اور روزِ قیامت کا امیدوار ہے۔ اور جو

يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ

روگردانی کرے اس سے تو بلاشبہ اللہ ہی بے نیاز ہے سب خوبیوں سراہا ۱۲ یقیناً اللہ پیدا فرما دے گا

بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ۭ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ۭ

تمہارے درمیان اور ان کے درمیان جن سے تم (اس کی رضا کے لیے) دشمنی رکھتے ہو محبت۔ اور اللہ تعالیٰ بڑی قدرت والا ہے۔

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ

اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے ۱۳ اللہ تعالیٰ تمہیں منع نہیں کرتا کہ جن لوگوں نے تم سے

لوگ اس کو اسلام کے باطل ہونے کی دلیل نہ بنالیں اور یوں مرتد نہ ہوجائیں اور یہ بھی فتنہ ہے کہ مسلمان کسی عذاب اور تکلیف سے دلبرداشتہ ہو کر کوئی ایسی حرکت نہ کر بیٹھیں جو اسلام کے اجلے دامن پر ایک بدنما داغ بن جائے۔ الغرض قرآن کے یہ الفاظ اتنے جامع ہیں کہ فتنہ کی جتنی امکانی شکلیں ہیں ان سب کا احاطہ کیے ہوئے ہیں اور جب بندۂ مومن ان کلمات سے اپنے رب کے حضور دعا مانگتا ہے تو وہ گویا اپنے آپ کو اور دوسرے لوگوں کو گوناگوں فتنوں سے بچانے کے لیے التجا کر رہا ہوتا ہے۔ (ملاحظہ فرمائیے ضیاء القرآن جلد دوم سورۂ یونس آیت ۸۵)

۱۲ اس پاکیزہ اور بہترین نمونہ سے وہی استفادہ کر سکتا ہے جو یہ تسلیم کرتا ہے کہ قیامت کا دن آئے گا اور اسے اس کی قبر سے اٹھا کر عالم الغیب والشہادہ کی بارگاہ میں پیش کر دیا جائے گا جہاں اس سے گزشتہ زندگی کے بارے میں باز پرس کی جائے گی۔ وہی ایسے نمونوں کی قدر کرتا ہے، وہی ان پاکبازوں کے نقشِ قدم کو خضرِ راہ بناتا ہے۔

۱۳ اہلِ ایمان نے اپنے تعلقات اور رشتے کفار سے منقطع کر دیے۔ اسلام کے لیے اگر ان کے سر قلم کرنے کی بھی کبھی نوبت آئی تو انہیں اس میں ذرا تامل نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اہلِ ایمان کو یہ مژدہ سنایا کہ عنقریب یہ لوگ اسلام قبول کر لیں گے کفر کی جو خلیج تمہارے اور ان کے درمیان حائل ہے وہ بھر جائے گی۔ پھر تم آپس میں شیر و شکر ہو جاؤ گے۔ اسلام کو سربلند دیکھنے کی جو لگن آج تمہارے دلوں کو بے چین کر رہی ہے یہی تڑپ انہیں بھی بخش دی جائے گی۔ تم شانہ بشانہ کھڑے ہو کر باطل کا سرِ غرور خاک میں ملانے کے لیے جہاد کرو گے۔ سابقہ محبت اور پیار نئے روپ میں ظاہر ہوگا اور یہ روپ ہر لحاظ سے پہلے روپ سے زیادہ توانا اور دلکش ہوگا۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ فتح مکہ کے بعد کفارِ عرب فوج در فوج مشرف بہ اسلام ہوئے اور تعلقات کے دیرینہ رشتے پھر سے استوار ہو گئے۔

يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ أَن

دین کے معاملہ میں جنگ نہیں کی اور نہ انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا کہ تم ان کے ساتھ

تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴿٨﴾ إِنَّمَا

احسان کرو ۱۴؎ اور ان کے ساتھ انصاف کا برتاؤ کرو ۱۵؎ بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُم

اللہ تمہیں صرف ان لوگوں سے روکتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ کی اور تمہیں تمہارے

مِّن دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَلَىٰ إِخْرَاجِكُمْ أَن تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَن

گھروں سے نکالا یا مدد دی تمہارے نکالنے میں کہ تم انہیں دوست بناؤ اور جو

۱۴؎ پہلی آیت میں کفار کو دوست بنانے سے روک دیا۔ اس کی وجہ بھی بتادی کہ انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو اور بے قصور مسلمانوں کو اپنے وطن اور اپنے گھر بار سے نکال دیا۔ اس آیت میں ان کفار سے حسن سلوک کی اجازت دی جارہی ہے جنہوں نے مسلمانوں سے نہ جنگ کی اور نہ انہیں جلاوطن کیا۔

حضرت صدیق اکبر کی ایک بیوی قُتیلہ نامی تھی جس کو آپ نے قبل از اسلام طلاق دے دی تھی۔ اس کے بطن سے آپ کی صاحبزادی حضرت اسماء تھیں۔ ہجرت کے بعد وہ اپنی بیٹی کے لیے چند تحفے تحائف لے کر مدینہ آئی۔ حضرت اسماء نے اسے گھر آنے سے روک دیا اور تحائف قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس واقعہ کا ذکر انہوں نے بارگاہ رسالت میں کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسماء کو اجازت دی کہ وہ اپنی ماں کو گھر میں آنے دے اس کے تحائف قبول کرے اور اس کے ساتھ احسان ومروت کا برتاؤ کرے۔

۱۵؎ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جب کفار نے تمہارے خلاف جنگ نہیں لڑی اور نہ انہوں نے تمہیں کوئی اذیت پہنچائی ہے تو انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ تم بھی ان کے ساتھ نیکی اور احسان کا رویہ اختیار کرو۔ اگر تم محارب کافروں کی طرح ان مصالح کافروں کے ساتھ بھی جبرو تشدد کرو گے تو یہ عدل وانصاف کے خلاف ہوگا۔ اس کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ ایسے کفار کے ساتھ تو انصاف کرو جنہوں نے تم پر زیادتی نہیں کی اور جنہوں نے تم پر زیادتی کی ہے ان پر تمہیں ظلم کرنے کی اجازت ہے۔ اسلام کسی کے ساتھ کسی حالت میں ظلم کی اجازت نہیں دیتا۔

علامہ ابن عربی احکام القرآن میں لکھتے ہیں کہ تقسطوا کا معنی یہ ہے کہ ایسے کفار کو بطور تبرع اور حسن سلوک اپنے اموال کا کچھ حصہ دو تاکہ ان کی دلجوئی ہو جائے۔ یہاں تقسطوا سے مراد عدل نہیں کیونکہ عدل تو مسلمان پر ہر حالت میں واجب ہے خواہ معاملہ جنگجو کفار سے ہو خواہ ایسے کفار سے جنہوں نے جنگ نہیں کی۔ ان کی عبارت ملاحظہ ہو۔ قولہ تعالیٰ تقسطوا الیھم ای تعطوھم قسطا

يَتَوَلَّهُمْ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُونَ ﴿٩﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوٓا إِذَا

انہیں دوست بناتے ہیں تو وہی اپنے آپ پر ظلم توڑتے ہیں ۱۶ اے ایمان والو! جب

جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ ۖ اللّٰهُ أَعْلَمُ بِإِيمٰنِهِنَّ ۖ

آجائیں تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے ۱۷ تو ان کی جانچ پڑتال کر لو ۱۸ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ان کے ایمان کو۔

من اموالکم ولیس یرید بہ من العدل فان العدل واجب فی من قاتل وفی من لم یقاتل (احکام القرآن)

۱۶ جو لوگ ایسے دشمنانِ جان وایمان سے محبت کی پینگیں بڑھاتے ہیں وہ ظالم ہیں۔ ان کی یہ حرکت ان کی قوم اور خود ان کے حق میں تباہ کن ثابت ہوگی۔ وہ اپنے بھولپن کے باعث ان کے شر سے مطمئن ہو جائیں گے اور وہ ان کو غافل پا کر ایسا دھکا دیں گے کہ پھر اٹھ نہیں سکیں گے۔ بلاشبہ ایسا شخص بڑا ظالم ہے۔

۱۷ صلح حدیبیہ کے موقع پر جو معاہدہ طے پایا تھا اس میں کفارِ مکہ کی طرف سے ان کے نمائندے سہیل ابن عمرو نے یہ شرط پیش کی تھی کہ اگر کفار کا کوئی آدمی مسلمان ہو کر مدینہ طیبہ آجائے گا تو کفار اس کو مکہ واپس لے جا سکتے ہیں لیکن اگر کوئی مسلمان مکہ میں کفار کے پاس آجائے تو مسلمان اس کو واپس لینے کا مطالبہ نہیں کر سکتے۔

چنانچہ ابو بصیر جو اہل مکہ کے مظالم سے بہت تنگ تھے حدیبیہ میں پہنچ گئے، لیکن اس معاہدے کا پاس کرتے ہوئے حضور نے انہیں واپس کر دیا۔ بعد ازاں مسلمان عورتیں بھی ترکِ وطن کر کے مدینہ طیبہ آنے لگیں۔ عقبہ ابن ابی معیط جو اسلام کے بدترین دشمنوں میں سے تھا اس کی لخت جگر ام کلثوم کشاں کشاں مدینہ پہنچی۔ اس کے علاوہ سبیعہ بنت الحارث اور امیمہ بنت بشر اپنے ازدواجی بندھنوں کو توڑتی ہوئی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوگئیں اور یہ سلسلہ چل نکلا۔ انہیں واپس لانے کے لیے کسی کا بھائی کسی کا خاوند کسی کا ولی مدینہ طیبہ پہنچے۔ اس پیچیدہ مسئلہ کو حل کرنے کے لیے یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر مسلمان عورتیں ہجرت کر کے تمہارے پاس آجائیں تو تم ان کی جانچ پڑتال کر کے تسلی کر لو۔ اگر ان کے آنے کا مقصد صرف ایمان کا تحفظ ہے تو انہیں واپس نہ کرو۔

اکثر لوگ اس حکم کے بارے میں بڑی الجھن محسوس کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں جب معاہدہ طے پا گیا تھا تو پھر ان عورتوں کو واپس نہ کرنا اس کی صریح خلاف ورزی تھی۔ حالانکہ اسلام عہد شکنی کو کسی قیمت پر روا نہیں رکھتا۔ اس کا جواب صحیح بخاری کی مندرجہ ذیل روایت میں صراحۃً مذکور ہے۔

امام بخاری نے اپنی صحیح کی کتاب الشروط کے باب الشروط فی الجہاد والمصالحۃ میں یہ الفاظ روایت کیے ہیں جو سہیل ابن عمرو نے لکھوائے تھے۔ علی انہ لا یاتیک منا رجل وان کان علی دینک الا رددتہ علینا۔ یعنی اگر ہم میں سے کوئی مرد آپ کے پاس آئے خواہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو آپ اسے ہماری طرف لوٹا دیں گے۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا اس عبارت میں رجل کا لفظ صراحۃً موجود ہے جس کا معنی ہے مرد۔

فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ

پس اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ مومن ہیں تو انہیں کفار کی طرف مت واپس کرو ۱۹

لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَ لَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ وَ اٰتُوْهُمْ مَّاۤ اَنْفَقُوْا ؕ

نہ وہ حلال ہیں کفار کے لیے اور نہ وہ (کفار) حلال ہیں مومنات کے لیے ۲۰ اور دے دو کفار کو جو مہر انہوں نے خرچ کیے ۲۱

اللہ تعالیٰ کی حکمت ملاحظہ ہو کہ اس نے کفار کے نمائندہ کی زبان سے ایسے الفاظ نکلوائے جن کی وجہ سے مہاجر خواتین کا مسئلہ کسی عہد شکنی یا نسخ و تاویل کا تکلف کیے بغیر حل ہو گیا۔ جب کفار نے ان مسلم خواتین کی واپسی کا مطالبہ کیا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے معاہدہ کے اصل الفاظ ان کے سامنے دہرا دیے۔ یہ سن کر کفار کو سانپ سونگھ گیا اور لاجواب ہو کر انہیں واپس جانا پڑا۔ معاہدہ کی نص ارشاد مصطفوی کی تصدیق کر رہی ہے اور آیت میں اسی مسئلہ کو کھول کر بیان کیا گیا ہے۔

۱۸ یعنی مدینہ مجبور عورتوں کی پناہ گاہ نہیں کہ جو عورت اپنے خاوند سے دل برداشتہ ہو جائے یا کسی اور وجہ سے تنگ وطن کرنا چاہے تو وہ سیدھی یہاں چلی آئے اور مسلمان اس کو اپنی حفاظت میں لے لیں۔ اسلام کے نزدیک یہ حرکت سخت قبیح اور ناروا ہے۔ اس لیے حکم دیا گیا کہ اگر کوئی عورت اپنے آپ کو ایمان دار بتائے اور ہجرت کر کے تمہارے پاس چلی آئے تو تم بلا تحقیق اس کو اپنے اندر شامل نہ کر لو بلکہ اس کی اچھی طرح جانچ پڑتال کر لو۔ اگر تمہیں اطمینان ہو جائے کہ یہ عورت صرف اپنے دین و ایمان کی خاطر اپنا گھر بار چھوڑ کر آئی ہے تو اس کو کفار کے حوالے مت کرو اور اگر اس کی آمد کی غرض و غایت اس کے علاوہ کوئی اور چیز ہو تو پھر اسے واپس کر دو۔ احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتحان کا طریقہ مذکور ہے جس سے ساری حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔

جب کوئی عورت مکہ سے مدینہ آتی تو حضور اس سے اس طرح قسم لیتے:

باللہ الذی لا الٰہ الا ھو ما خرجت من بغض زوجی۔ اس اللہ کی قسم جس کے بغیر اور کوئی خدا نہیں میں اپنے خاوند سے بغض و عداوت کی وجہ سے نہیں نکلی۔

باللہ ما خرجت رغبۃ عن الارض یا عن ارض الی ارض۔ خدا کی قسم میں پہلی جگہ سے دل برداشتہ ہو کر اس نئی جگہ نہیں آئی۔

باللہ ما خرجت التماس الدنیا۔ خدا کی قسم میں دنیا کی طلب کے لیے گھر سے نہیں نکلی۔

باللہ ما خرجت الا حبًا للہ و رسولہ۔ بخدا میں صرف اللہ اور اس کے رسول کی محبت کے باعث اپنا وطن چھوڑ کر آئی ہوں۔

۱۹ علم سے مراد غلبہ ظن اور حصولِ اطمینان ہے کیونکہ ہمارے لیے اس کے دل کی حالت پر یقینی آگاہی حاصل کرنا ممکن نہیں۔

۲۰ ایسی عورتوں کو کفار کے حوالے نہ کرنے کی وجہ بیان کی جا رہی ہے۔ یہ مومن عورتیں کافروں کے لیے حلال نہیں اور نہ کافر

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ إِذَآ آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ۚ

اور تم پر کوئی حرج نہیں کہ تم ان عورتوں سے نکاح کرلو جب تم انہیں ان کے مہر ادا کر دو۔

وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْـَٔلُوا مَآ أَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْـَٔلُوا

اور (اسی طرح) تم بھی نہ روکے رکھو (اپنے نکاح میں) کافر عورتوں کو ۲۲ اور مانگ لو جو تم نے (ان پر) خرچ کیا اور کفار بھی مانگ لیں

مَآ أَنْفَقُوا ۚ ذَٰلِكُمْ حُكْمُ اللَّهِ ۖ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ

جو انہوں نے خرچ کیا۔ یہ اللہ کا فیصلہ ہے۔ وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرماتا ہے۔ اور اللہ سب کچھ جاننے والا

مردانِ ایمان دار خواتین کے لیے حلال ہیں۔

اس آیت کے نزول سے پہلے مسلمانوں اور کافروں کے درمیان باہمی ازدواج جائز تھا۔ مسلمان عورتیں کفار کے ساتھ نکاح کرتیں اور مسلمان مرد کافر عورتوں سے شادی کرتے۔ اس قسم کی متعدد مثالیں اس معاشرہ میں موجود تھیں۔ لیکن اس آیت نے باہمی ازدواج کا دروازہ بند کر دیا۔ کوئی مسلمان مرد اہلِ کتاب کے علاوہ کسی کافر عورت سے نکاح نہیں کر سکتا اور کوئی مسلمان عورت کسی کافر سے خواہ وہ اہلِ کتاب سے ہی کیوں نہ ہو نکاح نہیں کر سکتی۔

۲۱ یہاں ایک نیا حکم بیان کیا جا رہا ہے کہ جو مسلمان عورتیں ہجرت کر کے دارالاسلام میں آجائیں تو حکومتِ اسلامیہ پر لازم ہے کہ ان کے شوہروں نے جو مہر انہیں دیا تھا وہ بیت المال سے انہیں واپس کر دیا جائے اور پھر اگر وہ عورتیں کسی مسلمان کے ساتھ نکاح کرنا چاہیں تو انہیں اس کی اجازت ہے اور نئے خاوند پر ضروری ہے کہ وہ اسے مہر ادا کرے۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جس وقت وہ عورت دارالاسلام میں ہجرت کر کے پہنچے گی اسی وقت اس کا سابقہ نکاح کالعدم قرار دے دیا جائے گا اور اسی وقت وہ جس مسلمان سے چاہے نکاح کر سکتی ہے۔ عدت گزارنے کی کوئی ضرورت نہیں لیکن مقاربت کے لیے استبرا ضروری ہے۔ یعنی یقین کر لیا جائے کہ اس کا رحم پہلے خاوند سے مشغول نہیں ہے۔ اس کے لیے ایک حیض کا آجانا کافی ہے۔ اگر وہ عورت حاملہ ہو تب بھی اس کے ساتھ نکاح جائز ہے لیکن اس کے ساتھ مقاربت تب کر سکتا ہے جب وہ بچہ جن چکے۔ دوسرے ائمہ کے نزدیک اس عورت کو بھی شرعی عدت گزارنی پڑے گی۔ اگر غیر حاملہ ہو تو تین حیض اور اگر حاملہ ہے تو وضع حمل۔ اس کے بعد وہ کسی سے نکاح پڑھا سکتی ہے۔

۲۲ یہاں سے مسلمانوں کو منع کیا جا رہا ہے کہ آج سے پہلے جو کافر عورتیں تمہارے نکاح میں تھیں ان کو مت روکے رکھو بلکہ ان کو آزاد کر دو۔ چنانچہ اس آیت کے نزول کے بعد جن مسلمانوں کے گھروں میں ایسی عورتیں تھیں ان کو طلاق دے دی گئی۔ حضرت عمرؓ کی دو کافر بیویاں تھیں جو مکہ میں رہ گئی تھیں۔ امیر المومنین نے ان دونوں کو طلاق دے دی۔

حَكِيمٌ ﴿١٠﴾ وَإِن فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ أَزْوَاجِكُمْ إِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ

بڑا دانا ہے ۲۳؎ اور اگر بھاگ جائے تم سے کوئی عورت تمہاری بیویوں سے کفار کی طرف پھر تمہاری باری آجائے

فَآتُوا الَّذِينَ ذَهَبَتْ أَزْوَاجُهُم مِّثْلَ مَا أَنفَقُوا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ

(اور کوئی کافرہ تمہارے قبضہ میں آجائے) تو جن کی بیبیاں ان کے قبضہ سے نکل گئیں جتنا انہوں نے خرچ کیا اتنا انہیں دے دو ۲۴؎ اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے

الَّذِي أَنتُم بِهِ مُؤْمِنُونَ ﴿١١﴾ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ

جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔ اے نبی (مکرم) جب حاضر ہوں آپ کی خدمت میں مومن عورتیں

يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰ أَن لَّا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ

تاکہ آپ سے اس بات پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی اور

وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ

نہ اپنے بچوں کو قتل کریں گی اور نہیں لگائیں گی جھوٹا الزام جو انہوں نے گھڑ لیا ہو اپنے

عِصَم جمع ہے عصمت کی۔ اس سے مراد نکاح ہے۔ کوافر جمع ہے کافرہ کی۔ یعنی کافرہ عورتوں کے ساتھ جو تمہارے نکاح میں ان کو کپڑے نہ رکھو بلکہ ان عورتوں کو آزاد کر دو۔ وہ اس قابل نہیں کہ تمہاری بیویاں بن سکیں۔

۲۳؎ پہلے فرمایا تھا کہ جو عورتیں مسلمان ہو کر ہجرت کر کے دار الاسلام میں چلی جائیں ان کے کافر خاوندوں کو مہر ادا کر دیا جائے اب فرمایا جا رہا ہے کہ تمہاری بیویاں جو دار الکفر میں رہ گئیں تم نے انہیں جو مہر دیا تھا اس کا مطالبہ تم ان سے کر سکتے ہو۔ یہ اللہ کا حکم ہے۔ وہ اللہ جو علیم و حکیم ہے۔ وہ حال و مستقبل پر نظر رکھتا ہے۔ اس کا ہر فرمان حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔

۲۴؎ اگر کوئی شخص اسلام لا کر ہجرت کر جائے اور اس کی بیوی کفر کی حالت میں وہیں رہ جائے تو قاعدہ کے مطابق ان کفار کو چاہیے کہ وہ اس عورت کا مہر اس کے مسلمان خاوند کو واپس کر دیں کیونکہ اب ان کے درمیان رشتہ ازدواج منقطع ہو گیا ہے۔ لیکن اگر کفار ایسا نہ کریں تو مسلمانوں کو چاہیے کہ مال غنیمت تقسیم کرنے سے پہلے اس مسلمان خاوند کو مہر کی رقم ادا کر دیں۔ اس کے بعد بقیہ مال غنیمت حسب قانون تقسیم کریں۔ بعض علماء کے نزدیک یہ مہر مال فئی سے بھی ادا کیا جا سکتا ہے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو مسلمان ہو کر آنے والی مہاجر عورتوں کا مہر جو مسلمانوں کے ذمہ ہے اسے کفار کی طرف نہ لوٹایا جائے بلکہ اس طرح جو رقم جمع ہو اس سے ایسے لوگوں کو ان کی بیویوں کا مہر ادا کیا جائے جو دار الحرب میں کفر کی حالت میں رہ گئیں۔

اَيۡدِيۡهِنَّ وَاَرۡجُلِهِنَّ وَلَا يَعۡصِيۡنَكَ فِيۡ مَعۡرُوۡفٍ فَبَايِعۡهُنَّ

ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان اور نہ آپ کی نافرمانی کریں گی کسی نیک کام میں ۲۵ تو (اے میرے محبوب!) انہیں بیعت فرمالیا کرو

آیت میں فعاقبتم کا کلمہ عقاب سے مشتق نہیں جس کا معنی سزا ہے بلکہ عقبہ سے مشتق ہے جس کا معنی ہے نوبت یا باری۔ اسی کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے۔ من العقبۃ لا من العقاب وھی فی الاصل النوبۃ فی رکوب احد الرفیقین علی دابۃ لھما۔ (روح المعانی) علامہ آلوسی اس آیت کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ وحاصل المعنی ان لحق احد من ازواجکم بالکفار اوفاتکم شیئ من مھورھن ولزمکم اداء المھر کما الزم الکفار (روح المعانی)

۲۵ جب مکہ مکرمہ فتح ہوا اور دھڑا دھڑ لوگ حضور کی بیعت کر کے مشرف باسلام ہونے لگے تو مکہ کی عورتیں بھی بیعت کے لیے حاضر ہوئیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو عورتوں کی بیعت لینے پر مقرر فرمایا اور جن باتوں کا اس آیت میں ذکر ہے ان پر عمل کرنے کا ان سے پختہ وعدہ لیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عورتوں سے کئی بار بیعت لی لیکن کسی عورت کے ساتھ بیعت لیتے وقت مصافحہ نہ کیا۔ کبھی تو زبانی ان امور کی پابندی کا وعدہ لیا۔ کبھی پانی سے بھرے ہوئے پیالہ میں اپنا دست مبارک ڈالا اور اس کے بعد بیعت کرنے والی عورتوں کو اپنا ہاتھ رکھنے کا حکم دیا۔ کبھی کپڑا دست مبارک میں لے کر عورتوں سے بیعت لی۔

جن امور پر بیعت لی گئی ان میں سر فہرست یہ ہے کہ وہ کسی چیز کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھہرائیں گی۔ دوسری بات یہ ہے کہ وہ چوری نہیں کریں گی تیسری بات یہ ہے کہ وہ بدکاری نہیں کریں گی۔ چوتھی بات یہ ہے کہ وہ اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی کیونکہ عرب معاشرہ میں اپنی بچیوں کو زندہ درگور کر دینا وجہ عزت و فخر تھا نیز کئی لوگ بھوک سے تنگ آ کر بھی اپنی اولاد کو مار ڈالا کرتے تھے۔ اسی میں اسقاط حمل بھی داخل ہے جب اس میں جان پڑ چکی ہو۔ جائز اور ناجائز دونوں حملوں کے اسقاط کا ایک ہی حکم ہے۔ شریعت اسلامیہ میں اس کو قتل شمار کیا جاتا ہے۔ پانچویں چیز جس سے منع کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ عورتیں اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے آگے کوئی الزام اور بہتان تراشی نہ کریں۔ اس کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں۔

کسی کے نوزائیدہ بچے کو اچک کر اپنی گود میں ڈال لینا اور پھر یہ دعویٰ کرنا کہ یہ میرا بچہ ہے۔ اسی طرح بدکاری سے جو حمل قرار پائے اسے اپنے خاوند کی طرف منسوب کر دینا نیز کسی دوسری عورت پر بدفعلی کا الزام لگانا، یہ تمام صورتیں اس آیت میں داخل ہیں اور اسلام نے ان تمام مذموم حرکتوں سے باز رہنے کا تاکیدی حکم فرمایا ہے۔ چھٹی بات یہ ہے جس کی پابندی کا ان سے وعدہ لیا جا رہا ہے کہ ہر نیک کام جس کا حضور حکم دیں گے وہ اس کی نافرمانی نہیں کریں گی۔

فقہائے اسلام نے فی معروف کی قید سے یہ قانون اخذ کیا ہے کہ حاکم وقت کو اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ شریعت اسلامیہ کے کسی قانون کے خلاف کوئی حکم صادر کرے۔ اسی طرح کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی حاکم کی فرمانبرداری میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کا مرتکب ہو۔ وہ فرماتے ہیں کہ فی معروف کی قید یہاں اس لیے ذکر نہیں کی گئی کہ حضور غیر معروف کا بھی حکم دے سکتے ہیں۔ حضور کا تو جو ارشاد بھی ہو گا وہ حق ہو گا، وہ سچ ہو گا، اللہ تعالیٰ کی مشیت کے عین مطابق ہو گا۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ حضور

کسی غیر معروف کا حکم دیں۔ یہ قید محض اس لیے ذکر کی گئی ہے کہ جب اللہ کے رسولؐ کی اطاعت کے لیے معروف شرط ہے جہاں غیر معروف کا احتمال ہی نہیں، تو اور کون ہے جس کو یہ حق پہنچے کہ وہ شریعتِ اسلامیہ کے خلاف غیر معروف قانون سازی کرے اور اس پر عمل کرنے کا لوگوں کو حکم دے۔

امام ابوبکر جصاص لکھتے ہیں وقد علم اللہ ان نبیہ لا یامر الا بمعروف الا انہ شرط فی النھی عن عصیانہ اذا امرھن بالمعروف لئلا یترخص احد فی طاعۃ السلاطین اذا لم تکن طاعۃ اللہ تعالیٰ (کتاب الاحکام) یعنی اللہ جانتا ہے کہ اس کا نبی مکرم معروف کے بغیر کسی اور چیز کا حکم نہیں دیتا لیکن یہاں معروف کی شرط اس لیے لگائی تاکہ کوئی شخص بادشاہوں کے ان احکام کی اطاعت کا جواز بھی نہ نکال لے جن میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پائی جاتی ہے۔

جب افضل البشرؐ کی اطاعت کے لیے معروف کی شرط ہے تو اور کون اس سے مستثنیٰ ہو سکتا ہے۔

نیز اس سے یہ بھی آشکارا ہو جاتا ہے کہ اسلامی مملکت میں قانون کی بالادستی ہو گی۔ ہر چھوٹے اور بڑے کو قانون کے سامنے تسلیم خم کرنا ہو گا۔ کسی بڑے سے بڑے حاکم کو بھی اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ دھاندلیاں کرتا ہے اور پھر قانون سازی سے ان کے لیے وجہ جواز مہیا کرتا ہے۔

اس مقام پر مفسرین نے ہندہ زوجہ ابوسفیان کا دلچسپ واقعہ لکھا ہے آپ بھی سماعت فرمایئے کہ جب عورتیں بیعت کرنے کیلئے حاضر ہوئیں تو ہندہ بھی بھیس بدل کر منہ کو چھپائے ہوئے حاضر ہوئی۔ اسے یہ خوف تھا کہ حضورؐ اس کو پہچان نہ لیں۔ حضورؐ نے ان عورتوں سے فرمایا میں اس شرط پر تمہیں بیعت کرتا ہوں کہ تم وعدہ کرو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ گی۔

ہندہ چپ نہ رہ سکی۔ کہنے لگی کہ جس شرط کے بغیر مردوں کی بیعت قبول نہیں ہوئی، اس کے بغیر ہماری بیعت کیسے قبول ہو سکتی ہے۔ یعنی شرک سے اجتناب کی شرط واضح اور یقینی ہے۔ پھر حضورؐ نے فرمایا دوسری شرط یہ ہے کہ تم چوری نہیں کرو گی۔ ہندہ پھر بولی میں ابوسفیان کے مال سے کچھ لے لیا کرتی تھی معلوم نہیں وہ میرے لیے حلال ہے یا نہیں؟ ابوسفیان پاس کھڑے تھے۔ انہوں نے کہا کہ آج تک جو تم نے لیا ہے وہ تمہارے لیے حلال ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ سن کر ہنس پڑے اور اس کو پہچان لیا۔ فرمایا تو ہندہ دخترِ عتبہ ہے؟ کہنے لگی نعم فاعف عما سلف یا نبی اللہ عفی اللہ عنک۔ میں ہندہ ہی ہوں۔ جو گزر چکا ہے اے اللہ کے نبی اسے معاف فرما دیجیے۔ اللہ تعالیٰ آپ سے درگزر فرمائے۔ حضورؐ نے فرمایا تیسری شرط یہ ہے کہ تم زنا نہیں کرو گی۔ ہندہ بولی کیا آزاد عورتیں بھی ایسا کرتی ہیں۔ پھر حضورؐ نے فرمایا چوتھی شرط یہ ہے کہ تم اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گی۔ ہندہ کی رگِ ظرافت پھر پھڑکی۔ کہنے لگی کہ ان کے باپوں کو تو آپ نے قتل کر دیا اب ان کے بچوں کے لیے آپ ہم کو نصیحت کرتے ہیں۔ یہ بات سن کر حضرت فاروقِ اعظمؓ ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئے اور حضورؐ کے لب مبارک بھی تبسم آشنا ہوئے۔ حضورؐ نے فرمایا پانچویں بات یہ ہے کہ تم کسی پر جھوٹا بہتان نہیں باندھو گی۔ اس نے کہا بے شک بہتان تراشی قبیح چیز ہے اور اللہ تعالیٰ ہدایت اور مکارمِ اخلاق کے بغیر اور کسی چیز کا حکم نہیں دیتا۔ پھر حضورؐ نے فرمایا یہ وعدہ کرو کہ جس نیک کام کا میں حکم دوں گا اس کو تم بجا لاؤ گی۔ ہندہ بولی کہ ہم آپ کے قدموں میں حاضر بیٹھی ہیں اور ہمارے دل میں قطعاً یہ خیال نہیں کہ ہم حضورؐ کے کسی حکم کی سرتابی کریں گی۔

وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٢﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

اور اللہ سے ان کے لیے مغفرت مانگا کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے ۳٦ اے ایمان

اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَىِٕسُوْا مِنَ

والو! نہ دوست بناؤ ان لوگوں کو غضب فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے جن پر یہ آخرت (کے ثواب) سے مایوس

الْاٰخِرَةِ كَمَا يَىِٕسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ﴿١٣﴾

ہو گئے ہیں جیسے وہ کفار مایوس ہو چکے ہیں جو قبروں میں ہیں ۳۷

یہ واقعہ لکھنے کے بعد علامہ آلوسی فرماتے ہیں وکان ھذا منھا دون غیرھا من النساء لکان ام حبیبۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع انھا حدیثۃ عھد بجاھلیۃ۔ کہ ہندہ کے کلام میں یہ شوخی اس وجہ سے تھی کہ ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی والدہ تھی نیز اس کی ساری زندگی جہالت کی گود میں گزری تھی۔ ابھی ابھی اس نے اسلام قبول کیا تھا۔

۳٦ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو حکم دیتے ہیں کہ جو عورتیں ان شرائط کو قبول کر لیں اور ان باتوں کی پابندی پر آمادہ ہو جائیں تو آپ ان کو بیعت فرما لیں اور انہیں بیعت فرمانے کے بعد ان کے لیے مغفرت کی دعا مانگیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے جب آپ کے ہاتھ اٹھیں گے تو انہیں خالی نہیں لوٹا دیا جائے گا بلکہ اللہ تعالیٰ آپ کی دعا کی برکت سے ان کے عمر بھر کے گناہوں کو جن میں شرک وکفر سر فہرست ہیں، بخش دے گا اور ان کے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے گا۔

۳۷ آخر میں پھر اسی حکم کا اعادہ کر دیا۔ ارشاد فرمایا اے ایمان والو! وہ لوگ جو اسلام کی عداوت میں پیش پیش ہیں جنہوں نے اپنی آنکھوں پر تعصب کی پٹی باندھ رکھی ہے اور ان کی پیہم سرکشی کے باعث ان پر خدا کا غضب نازل ہو چکا ہے" ان کو اپنا دوست مت بناؤ۔ آخرت میں کسی ثواب اور کسی خیر کی انہیں امید نہیں۔ وہ بالکل مایوس ہو چکے ہیں، جس طرح قبروں میں پڑے ہوئے کفار اپنی بخشش سے مایوس اور نا امید ہیں۔

اصحٰب القبور سے پہلے مِنْ بیانیہ ہے۔ یعنی وہ کفار جو مر کر قبروں میں دفن کیے جا چکے ہیں، کیونکہ ان کی موت کفر پر ہوئی اس لیے اب ان کی نجات کی کوئی صورت نہیں۔ وہ اپنی بخشش کے بارے میں مکمل طور پر مایوس ہو چکے ہیں۔ علامہ محمود آلوسی نے اس کا مفہوم ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ ای الذین ھم اصحاب القبور ای الکفار الموتی۔ جس طرح قبروں میں پڑے ہوئے کافر اپنی نجات سے مایوس ہو چکے ہیں۔

وکون من بیانیۃ مروی عن مجاھد وابن جبیر وابن زید وھو اختیار ابن عطیۃ

(روح المعانی)

یعنی مجاہد، ابن جبیر، ابن زید سے مروی ہے کہ یہاں ومن بیانیہ ہے۔ ابن عطیہ کے نزدیک بھی یہی قول پسندیدہ ہے۔

○

الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علی خاتم انبیاء اللہ وآخر رسل اللہ سیدنا محمد الذی بعث الی الاسود والاحمر وکافۃ للناس بشیرا ونذیرا وعلی آلہ واصحابہ ومن تبعہ باحسان الی یوم الدین۔

فاطر السمٰوات والارض انت ولی فی الدنیا والآخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصالحین۔
یاحی یاقیوم برحمتک استغیث لاتکلنی الی نفسی طرفۃ عین واصلح لی شأنی کلہ۔

◎

تعارف
سورۃ الصَّفّ

نام : اس سورۂ مبارکہ کا نام الصف ہے۔ یہ کلمہ اس کی چوتھی آیت میں مذکور ہے۔ اس میں دو رکوع، چودہ آیتیں دو سو اکیس کلمات اور نو سو حروف ہیں۔

نزول : یہ مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔

مضامین : مکی زندگی کی مشکلات کی الگ نوعیت تھی۔ مدنی زندگی میں جن مشکلات کا مسلمانوں کو سامنا کرنا پڑ رہا تھا اُن کی نوعیت جُدا تھی۔ یہاں مسلمانوں کو اذنِ جہاد مل گیا اور کفار کے ساتھ کھلم کھلا ٹکراؤ کے عہد کا آغاز ہو گیا اب ایسے جانباز اور بہادر مجاہدوں کی ضرورت تھی جن کے قول و عمل میں مکمل ہم آہنگی ہو۔ جو کچھ وہ اپنی زبان سے کہیں ٹھیک ٹھیک اس پر عمل کر کے دکھائیں۔ جن لوگوں کے قول و عمل میں تضاد ہوتا ہے وہ اپنی قوم کے لیے ہرگز باعث شرف نہیں ہوا کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہاں تنبیہ فرمائی ہے کہ وہ ایسی باتیں نہ کیا کریں جن پر وہ عمل نہیں کر سکتے۔ یہ طریقہ اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے بلکہ اس کی ناراضگی اور اس کے غضب کا باعث ہے۔

ساتھ ہی بتا دیا کہ کفار سے جب لڑنے کے لیے میدانِ جہاد کا رُخ کرو تو صفیں باندھو اور سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جاؤ تاکہ کفر و طاغوت کے طوفان اس سے ٹکرا ٹکرا کر واپس لوٹ جائیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے تھے لیکن ان کی قوم نے ان کی قدر نہ پہچانی، جی بھر کر انہیں ستایا اور جھٹلایا۔ مسلمانوں کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ وہ اپنے پیارے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ایسا سلوک نہ کریں۔

آیت نمبر ۸۔ ۹ میں اسلام کے مکمل غلبہ کی بشارت دے دی کہ آندھیاں کتنی تند و تیز کیوں نہ ہوں، اللہ کے روشن کیے ہوئے اس چراغ کو نہیں بجھا سکتیں۔ جو پیغام ہدایت اور دینِ حق اللہ کا محبوب لے کر آیا ہے وہ سارے ادیان پر غالب ہو گا۔ زمین کے گوشہ گوشہ میں اس کا ڈنکا بجے گا۔

دوسرے رکوع میں مسلمانوں کو ایسے کاروبار سے آگاہ کیا جس میں نفع ہی نفع ہے وہ یہ کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کے دین کو بلند کرنے کے لیے مالی اور جانی جہاد کرو۔ اسکے عوض جنت کی ابدی نعمتوں کے ساتھ ساتھ دُنیا میں بھی فتح و نصرت سے تمہیں سرفراز کیا جائے گا۔

آخری آیت میں اہلِ ایمان کو دعوت دی کہ وہ آگے بڑھیں اور اللہ کے دین کی تائید و نصرت کے لیے اپنے آپ کو پیش کریں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرمائے گا اور وہ کامیاب و کامران ہوں گے۔

سُوْرَةُ الصَّفِّ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعَ عَشْرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ الصف مدنی ہے اور اس کی ۱۴ آیتیں ہیں اور اس میں ۲ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ

اللہ کی تسبیح کرتی ہے جو چیز آسمانوں میں ہے اور جو چیز زمین میں ہے۔ اور وہی سب پر غالب

الْحَكِيْمُ ۝۱ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝۲

بڑا دانا ہے[1] اے ایمان والو! تم کیوں ایسی بات کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو[2]

[1] اس آیت کی تشریح کئی بار پہلے گزر چکی ہے۔ اس آیت سے اس سورت کا آغاز کرنے میں یہ حکمت ہے کہ سابقہ سورت کے آخر میں لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی مدد کرنے کی دعوت دی گئی ہے کوئی نادان اس غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی امداد کا محتاج ہے اور اگر بندے اپنی جانیں اور اپنے مال قربان نہیں کریں گے تو خدا کی خدائی میں فرق پڑ جائے گا۔ ابتداء میں ہی اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ وہ تو عزیز و حکیم ہے۔ آسمان اور زمین کی ہر چیز اس کی تسبیح کر رہی ہے۔ اس کی عظمت کے گیت گا رہی ہے تمہیں جہاد کا جو حکم اس نے دیا ہے اس میں تمہارا اپنا ہی فائدہ ہے۔ حق کا بول بالا ہوگا تو تمہاری جانیں تمہارے مال تمہاری آبروئیں محفوظ ہو جائیں گی کوئی طوفان تمہارے ایمان کے چراغ کو نہ بجھا سکے گا اور اگر تم نے جہاد میں بزدلی کا مظاہرہ کیا اور باطل کو غلبہ نصیب ہو گیا تو ساری زمین میں فتنہ و فساد کے شعلے بھڑک اٹھیں گے۔ ہر انسان کا سکھ چین اٹھ جائے گا۔ حق کا نظام عدل و احسان برپا کرنے کے لیے تمہیں اسی لیے دعوت دی جا رہی ہے اور طاغوتی قوتوں کے مقابلہ میں جان کی بازی لگانے کا تمہیں فقط اسی لیے شوق دلایا جا رہا ہے۔ اگر تم سوچو گے تو تمہیں پتہ چل جائے گا کہ اس میں سراسر تمہارا ہی فائدہ ہے۔

[2] کئی لوگوں کا یہ دستور تھا کہ جب اکٹھے بیٹھتے تو بڑی لافیں مارتے اور کہتے اگر ہمیں معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کونسا عمل سب سے زیادہ پسندیدہ ہے تو ہم اس پر عمل کرتے اور اس کی خاطر اپنا سب کچھ لٹا دیتے۔ جب جہاد کے بارے میں حکم نازل ہوا اور احد کا معرکہ پیش آیا تو بڑھ چڑھ کر باتیں بنانے والے میدان میں ٹھہر نہ سکے۔ اس آیت سے اس قسم کے لوگوں کو عار دلائی جا رہی ہے اور مسلمانوں کو تربیت دی جا رہی ہے کہ نیکی کی دعوت جو بڑے جوش و خروش سے وہ لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں خود بھی اس پر عمل کر کے دکھائیں تاکہ سننے والوں کو ان کی بات کا یقین آ جائے۔

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝٣ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ

بڑی ناراضگی کا باعث ہے اللہ کے نزدیک کہ تم ایسی بات کہو جو کرتے نہیں ہو ۳ بےشک اللہ تعالیٰ محبت کرتا

الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝٤

ہے ان (مجاہدوں) سے جو اس کی راہ میں جنگ کرتے ہیں پرا باندھ کر گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں ۴

انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَيْتُ لَيْلَةَ اُسْرِيَ بِيْ عَلٰى قَوْمٍ تُقْرَضُ شِفَاهُهُمْ بِمَقَارِيْضَ مِنْ نَارٍ كُلَّمَا قُرِضَتْ وَفَتْ قُلْتُ مَنْ هٰؤُلَاءِ يَاجِبْرِيْلُ قَالَ هٰؤُلَاءِ خُطَبَاءُ اُمَّتِكَ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ وَلَا يَفْعَلُوْنَ وَيَقْرَءُوْنَ كِتَابَ اللّٰهِ وَلَا يَعْمَلُوْنَ۔ (قرطبی)

ترجمہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شب معراج میرا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے۔ جب ہونٹوں کو کاٹا جاتا تو وہ پھر پہلے کی طرح درست ہو جاتے۔ میں نے پوچھا اے جبریل! یہ کون لوگ ہیں۔ جبریل نے کہا یہ آپ کی امت کے خطباء ہیں جو کہتے ہیں اور کرتے نہیں۔ جو کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور اس پر عمل نہیں کرتے۔

نفسیاتی طور پر بھی جو شخص یا جو قوم صرف باتیں بنانے اور لمبے چوڑے دعوے کرنے کی عادی ہو جاتی ہے وہ عمل کے میدان میں کسی نمایاں کارکردگی کا اظہار نہیں کر سکتی۔ مسلمان کو چاہیے کہ جو زبان سے کہے اس پر خود عمل کر کے لوگوں کو دکھائے۔

۳ے پہلے مضمون کو ہی ایک دوسرے انداز سے دہرا گیا۔ اہل لغت اَلْمَقْتُ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں اَلْمَقْتُ اَشَدُّ الْاِبْغَاضِ۔ اَلْمَقْتُ بُغْضٌ مِنْ اَمْرٍ قَبِيْحٍ رَكِبَهٗ۔ یعنی حد درجہ کا بغض۔ خصوصاً وہ بغض جو کسی قبیح حرکت کے باعث ہو۔

اہل ایمان کو بتایا جا رہا ہے کہ اگر تم ایسی باتیں کرو گے جن پر خود عمل نہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر از حد ناراض ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات سخت ناپسند ہے کہ اپنے آپ کو اس کا بندہ کہلانے والے، لوگوں کو تو نیکی کی دعوت دیں اور خود اس پر عمل نہ کریں۔

۴ے اسلام امن وسلامتی کا دین ہے۔ قتل وغارت اور خونریزی اس کی فطرت کے خلاف ہے۔ اس نے جب بھی جنگ کی اجازت دی ہے وہاں چند شرائط بھی عائد کی ہیں جن کا پورا ہونا از حد ضروری ہے۔ سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ فی سبیل اللہ ہو یعنی اس کا مقصد حق کو سربلند کرنا اور باطل کی سرکوبی کرنا ہو۔ نیکی کی قوتوں کو آزاد کرانا اور برائی اور اس کے علمبرداروں کو پابجولاں کرنا ہو۔ جس قوم کے سامنے اتنا عظیم اور اعلیٰ مقصد ہو وہ اگر متحد و منظم ہو کر باطل کی قوتوں سے نبرد آزما ہوگی تو وہ قوتیں اسے پیس کر رکھ دیں گی۔ اس قوم کی شکست صرف اس کی ذات تک محدود نہ رہے گی بلکہ وہ بلند نظریات جن پر ساری انسانیت کی فلاح کا انحصار ہے وہ شکست کھا جائیں گے اور یہ اتنا بڑا المیہ ہوگا کہ اس کی تلافی کے لیے مدت مدید درکار ہوگی۔

اس لیے اس آیت میں وضاحت سے بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ صرف ان باہمت جوانمردوں سے محبت اور پیار کرتا ہے جن کی جنگ کی غرض وغایت محض حق کا بول بالا ہو اور جب وہ کسی میدانِ کارزار میں معرکہ آرا ہوں تو ان میں انتشار اور افتراق کا نام ونشان تک نہ

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ

اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم! تم مجھے کیوں ستاتے ہو حالانکہ تم خوب جانتے ہو کہ میں تمہاری طرف

اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ؕ فَلَمَّا زَاغُوْۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ

اللہ کا (بھیجا ہوا) رسول ہوں [۵] پس جب انہوں نے کجروی اختیار کی تو اللہ نے بھی ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا [۶] اور اللہ تعالیٰ

ہو۔ بڑے منظم ہو کر وہ دشمن کی طرف بڑھیں اور ان کی منظم پیش قدمی کو دیکھ کر دیکھنے والے باور کر لیں کہ یہ غیر منظم افراد کی بھیڑ نہیں ہے بلکہ یہ ایک مضبوط اور مستحکم دیوار ہے جس میں پگھلا ہوا سیسہ ڈال کر یکجان کر دیا گیا ہے۔

[۵] موسیٰ علیہ السلام کو جس قوم سے واسطہ پڑا تھا اس کے کردار اور سیرت کے خدوخال سے مختلف مقامات پر آپ آگاہ ہو چکے ہیں۔ حق کو پہچانتے ہوئے اس کا انکار ان کی فطرتِ ثانیہ بن چکی تھی۔ اپنے نبی کو طرح طرح کی فرمائشیں کر نا ان کا دستور تھا۔ موسیٰ علیہ السلام جب فرعون کی غلامی سے انہیں آزاد کرانے کے لیے جہاد کر رہے تھے اس وقت بھی آپ کی قوم آپ کو ستانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتی۔ لیکن جب وہ بحرِ احمر کو سلامتی سے عبور کر کے ساحل پر پہنچے اور اپنی آنکھوں سے فرعون کو مع لشکر غرق ہوتے ہوئے دیکھ لیا تو پھر بھی ان کے عناد میں کوئی کمی نہ آئی۔ ایک بت پرست قوم کو دیکھ کر انہوں نے فرمائش کی کہ اے موسیٰ ہمارے لیے ایسے خدا بنا دیں جس طرح اس قوم کے خدا ہیں۔ جب آپ طور پر تشریف لے گئے تو سامری کی معمولی سی انگیخت پر انہوں نے بچھڑے کی پوجا شروع کر دی۔ اس کے علاوہ کلیم اللہ پر طرح طرح کے الزام تراشے۔ تورات کے صفحات ان گستاخیوں سے بھرے پڑے ہیں۔ حضرت موسیٰ نے انہیں فرمایا اے میری قوم! تم جانتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اور پھر بھی تم میری دلآزاری سے باز نہیں آتے۔ تمہارے لیے ڈوب مرنے کا مقام ہے۔

[۶] اللہ تعالیٰ نے عقل و فہم کی جو صلاحیتیں انہیں بخشی تھیں جب انہوں نے ان سے فائدہ نہ اٹھایا اور دانستہ راہِ حق کو چھوڑ کر گمراہی کے راستہ پر چلتے رہے، وہ روشن معجزات جو حضرت کلیم نے انہیں دکھائے تھے وہ بھی ان کی اصلاح کے لیے موثر ثابت نہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا۔ جو فرد یا قوم راہِ ضلالت پر پورے جوش و خروش سے گامزن رہتی ہے آخر کار وہ اس منزل پر پہنچ جاتی ہے جب اس سے حق پذیری کی صلاحیتیں سلب کر لی جاتی ہیں۔ وہ آنکھ جو نورِ حق کو دیکھ سکتی ہے اور پہچان سکتی ہے وہ اندھی ہو جاتی ہے۔

کیونکہ یہ دنیا دار العمل ہے اللہ تعالیٰ کے نیک بندے تشریف لاتے ہیں، ضلالت و ہدایت کو دلائل و شواہد سے آشکارا کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد ہر شخص آزاد ہوتا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے ان دو میں سے ایک کا انتخاب کر لے۔ جو ہدایت قبول کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اپنی توفیقات سے سرفراز کرتا ہے۔ وہ راہ کی دشواریوں کا مقابلہ کرتے ہوئے فلاح و کامرانی کی منزل کی طرف بڑھتا رہتا ہے اور جو ضلالت سے چمٹے رہنا پسند کرتا ہے اس کی منت نہیں کی جاتی کہ جناب والا ایسا نہ کرو۔ انہیں اسی حال میں چھوڑ دیا جاتا ہے۔ علامہ پانی پتی فرماتے ہیں۔ فَلَمَّا زَاغُوْا اَیْ عَدَلُوْا عَنِ الْحَقِّ وَلَمْ یَمْتَنِعُوْا عَنِ الْاِیْذَاءِ، اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ اَیْ صَرَفَهَا عَنْ قُبُوْلِ

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ

فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا [۱] اور یاد کرو جب فرمایا عیسیٰ فرزند مریم نے

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ

اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا (بھیجا ہوا) رسول ہوں [۲] میں تصدیق کرنے والا ہوں

يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗٓ

تورات کی جو مجھ سے پہلے آئی ہے [۳] اور مژدہ دینے والا ہوں ایک رسول کا جو تشریف لائے گا میرے بعد اس کا نام نامی

الحق والمیل الی الصواب۔

یعنی جب انھوں نے حق سے انحراف کیا اور اذیت رسانی سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے قبول حق سے ان کے منہ پھیر دیے۔

[۱] ایسے فاسق وفاجر لوگ جو جان بوجھ کر گمراہی کو پسند کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا یہ دستور نہیں کہ وہ انھیں ہدایت جیسی گراں بہا نعمت زبردستی ارزانی فرمائے۔

[۲] اس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تین ارشادات بیان کیے گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ اس سے ان لوگوں کی تردید ہو گئی جو آپ کو خدا یا خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور ان یہودی گستاخوں کی بھی تردید ہو گئی جو آپ پر اور آپ کی پاکباز والدہ پر گستاخانہ بہتان لگاتے ہیں۔ الیکم کے لفظ سے آپ نے یہ بتا دیا کہ مجھے صرف تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ میری رسالت کا دائرہ بنی اسرائیل تک محدود ہے۔ آپ کے ان الفاظ پر عیسائی مشنریوں کو بھی غور کرنا چاہیے جو عیسائیت کا پرچار ہر جگہ کرتے پھرتے ہیں۔ قرآن کریم کے اس فرمان کی تائید انجیل سے بھی ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو متی باب ۱۵۔ آیت ۲۴: اس نے جواب میں کہا کہ میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔"

اسی انجیل متی کے باب ۱۰ کی آیت ۶ سے ہر قسم کا اشتباہ دور ہو جاتا ہے۔

پہلی آیات میں ان بارہ رسولوں کے نام بتائے گئے ہیں جن کو آپ نے تبلیغ واشاعت کے لیے بھیجا اور ان کو یہ حکم دے کر کہا:

"غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا۔"

جب حضرت مسیح نے اپنے شاگردوں اور رسولوں کو غیروں کے پاس جانے سے روکا ہے اور اپنی تبلیغی اور اعجازی سرگرمیوں کو بنی اسرائیل کے خاندان میں محدود کر دیا ہے تو اب کسی عیسائی مبلغ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ بنی اسرائیل کے علاوہ کسی اور کو عیسائیت کی دعوت دے۔

أَحْمَدُ ۚ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا هَٰذَا سِحْرٌ مُبِينٌ ﴿٦﴾

احمد ہوگا ۹ پس جب وہ (احمد) آیا ان کے پاس روشن نشانیاں لے کر تو انھوں نے کہا یہ تو کھلا جادو ہے ۱۰

دوسری بات آپ نے یہ فرمائی کہ میں موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کے لیے نہیں آیا بلکہ ان پر جو آسمانی کتاب تورات نازل ہوئی ہیں اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام سچے رسول تھے اور تورات خدا کی سچی کتاب ہے۔ تمام رسول کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فرستادہ ہوتے ہیں اس لیے یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ ایک دوسرے کی تکذیب کریں۔ ان کا کام تو سب کی تصدیق کرنا ہوتا ہے۔

۹ تیسری بات آپ نے یہ فرمائی کہ میں تمہیں ایک بڑی زوردار خوش خبری سناتا ہوں۔ وہ یہ کہ میرے بعد ایک جلیل القدر، عظیم المرتبت رسول تشریف لے آئے گا۔ اس کا اسم گرامی اور نام نامی احمد ہوگا۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

یہاں چند سوالات جواب طلب ہیں :

۱ ـــ کیا حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسم گرامی احمد ہے ؟

۲ ـــ کیا اس بشارت سے مراد حضور کی ذات اقدس ہے ؟

۳ ـــ کیا موجودہ انجیل میں یہ بشارت موجود ہے ؟

۴ ـــ کیا وہ شخص جس کا نام غلام احمد ہے وہ اس پیشین گوئی کا مصداق بن سکتا ہے ؟

پہلے سوال کے بارے میں گزارش ہے

کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جو اسمائے گرامی صحیح احادیث سے ثابت ہیں ان میں یہ اسم مبارک بھی ہے۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اِنَّ لِیْ اَسْمَاءً اَنَا مُحَمَّدٌ وَاَنَا اَحْمَدُ وَاَنَا الْحَاشِرُ الَّذِیْ یُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰی قَدَمِیْ۔ (مالک، بخاری، مسلم وغیرہا)

یعنی حضورؐ نے فرمایا میرے کئی نام ہیں۔ میں محمد ہوں۔ میں احمد ہوں، میں الحاشر ہوں۔ لوگوں کا حشر میرے قدموں پر ہوگا۔ صحابہ کرام میں حضور کا یہ اسم گرامی معروف و مستعمل تھا۔ حضرت حسان یہی نام لے کر بارگاہِ رسالت میں صلوٰۃ وسلام عرض کرتے ہیں

ـــ صَلَّی الْاِلٰہُ وَمَنْ یَّحُفُّ بِعَرْشِہٖ   وَالطَّیِّبُوْنَ عَلَی الْمُبَارَکِ اَحْمَدِ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ، حاملین عرش اور تمام پاکیزہ لوگ اس مبارک ہستی پر درود وسلام بھیجیں جس کا اسم گرامی احمد ہے۔

احمد کا معنی ہے اَحْمَدُ الْحَامِدِیْنَ لِرَبِّہٖ۔ تمام حمد کرنے والوں سے بڑھ کر اپنے رب کی حمد کرنے والا۔ اپنے رب کی حمد کی کثرت کی برکت سے ہی آپ مُحَمَّد بھی بنے۔ فَالْمُحَمَّدُ هُوَ الَّذِیْ حُمِدَ مَرَّةً بَعْدَ مَرَّةٍ۔ یعنی جس کی بار بار حمد کی جا رہی ہو وہ محمد ہے۔ نہ اپنے رب کی حمد وثنا کرنے میں آپ کا کوئی مثیل ہے، کوئی فرشتہ، کوئی رسول، کوئی نبی اپنے خداوند کی حمد سرائی اور ثنا گستری میں اس مقام پر نہیں پہنچا اور نہ پہنچ سکتا ہے جس مقام پر اللہ تعالیٰ کا یہ پیارا حبیب فائز ہے۔ اسی طرح مخلوق میں سے جتنی حمد اور جتنی ستائش اس عبد محبوب کی ہو رہی ہے اور ہوتی رہے گی، کسی اور کو نصیب نہیں۔ جن وانس اس کے ثناخوان ہیں حور وملک

اس کی توصیف میں رطب اللسان ہیں اور خود خدا بھی اس کی مدح فرما رہا ہے۔ صرف اس فانی دنیا ہی میں نہیں بلکہ عالم آخرت میں بھی حضورؐ کی شان نرالی ہوگی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس شانِ محمدیت کی تابانیوں کا صحیح اندازہ اس وقت ہوگا جب دست مبارک میں لوائے حمد تھامے ہوئے اللہ تعالیٰ کا یہ حبیب مقام محمود پر جلوہ فرما ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم کا یہ انداز بھی نرالا ہے کہ حضور سے پہلے کبھی کسی شخص نے اپنے فرزند کا نام احمد نہیں رکھا تاکہ اس بشارت کے مصداق کے بارے میں ذرا سا شائبہ بھی پیدا نہ ہو۔ لیکن جب اس اسم کو ذات پاک مصطفوی سے نسبت ہوگئی تو یہ نام اس قدر مقبول ہوا کہ اب اس نام کے لوگوں کا شمار نہیں ہوسکتا۔

حضور سے پہلے کیونکہ بعثت محمدی کا چرچا عام تھا۔ یہ بات مشہور ہو چکی تھی کہ ایک نبی آنے والا ہے جس کا نام محمد ہوگا چنانچہ بعض والدین نے اپنے بچوں کے نام محمد تجویز کیے کہ شاید یہ سعادت ان کے حصہ میں آئے۔ حضور سے پہلے سات ایسے آدمی ملتے ہیں جن کا نام محمد ہے لیکن ان میں سے کسی نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص حکمت سے اپنے پیارے بندے کے ان دو ناموں کو ہر اشتباہ اور التباس سے بالاتر رکھا۔

دوسرے سوال کے متعلق عرض ہے

کہ بے شک اس بشارت کا مصداق صرف نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اطہر ہے۔ کیونکہ الفاظ یاتی من بعدی میرے بعد آئے گا اور تاریخ اس پر شاہد ہے کہ حضرت عیسیٰ کے بعد حضور علیہ السلام کے سوا کسی نے بھی رسالت کا دعویٰ نہیں کیا۔ دوسری نشانی ذکر کی کہ ان کا نام احمد ہوگا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص لطف ہے کہ حضور سے پہلے کسی نبی یا رسول کا احمد نامی ہونا تو کجا کسی فرد بشر کا نام بھی احمد نہ تھا کیونکہ حضرت عیسیٰ کے بعد صرف آپ نے ہی رسالت کا دعویٰ فرمایا اور صرف آپ کا اسم گرامی ہی احمد تھا اس لیے اس بارے میں ذرا شک نہ رہا کہ اس بشارت کا مصداق حضورؐ ہی کی ذات گرامی ہے۔

رہا تیسرا سوال کہ کیا موجودہ انجیل میں یہ بشارت بعینہٖ موجود ہے ؟ تو اس کے لیے ذرا تفصیل درکار ہے۔

اس وقت عیسائیوں کے پاس چار انجیلیں ہیں جن کو مستند قرار دیا گیا ہے۔ انجیل متی، انجیل مرقس، انجیل لوقا، انجیل یوحنا۔ ان میں سے کوئی انجیل بھی سنہ ۶۰ء سے پہلے مدون نہیں ہوئی۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے یہ الفاظ غور طلب ہیں :

ITS EXACT DATE AND ITS EXACT PLACE OF ORIGIN ARE UNCERTAIN, BUT IT APPEARS TO DATE FROM THE LATER YEARS OF THE 1ST CENTURY (P.513_VOL 3)

ترجمہ : اس کی متعین تاریخ اور اس کے معرض وجود میں آنے کا صحیح مقام غیر یقینی ہیں لیکن ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا تعلق پہلی صدی کے آخری سالوں سے ہے۔ (جلد سوم صفحہ ۵۱۳)

اس کے چند سطر بعد اسی کالم میں رقمطراز ہیں :

WE HAVE NO CERTAIN KNOWLEDGE AS TO HOW OR WHERE THE FOURFOLD GOSPEL CANON CAME TO BE FORMED

ترجمہ: ہمارے پاس کوئی یقینی علم نہیں ہے کہ یہ چار مستند انجیلیں کیسے اور کہاں معرضِ وجود میں آئیں۔

پھر جن لوگوں نے انہیں مرتب کیا وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صحابہ میں سے نہ تھے بلکہ اس وقت انہوں نے نصرانیت کو قبول ہی نہیں کیا تھا اور نہ ان مرتب کرنے والوں نے ان لوگوں کا نام بتایا ہے جن کے واسطے سے ان تک یہ اناجیل پہنچی ہیں۔ آپ خود سوچیے کہ ستر سال تک جو کتاب مرتب نہیں ہوئی اور اس طویل عرصے کے بعد جن لوگوں نے اسے مرتب کیا انہوں نے یہ بتانے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ کن لوگوں سے انہیں یہ چیز ملی ہے تاکہ ان کے بارے میں جانچ پڑتال کی جا سکے تو ایسے مجموعوں پر کس طرح اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

اس پر طرفہ یہ ہے کہ وہ اصلی نسخے جو سریانی زبان میں لکھے گئے تھے وہ سرے سے غائب ہیں ان کا سراغ تک نہیں ملتا تاکہ ان تراجم کا اصل کے ساتھ موازنہ کیا جا سکے۔ ان سریانی اناجیل کا ترجمہ بعد میں یونانی زبان میں کیا گیا لیکن ان تراجم کا بھی کوئی اصلی نسخہ دستیاب نہیں۔ اناجیل کا جو سب سے قدیم یونانی ترجمہ ملتا ہے وہ چوتھی صدی کا ہے اور اس پر مزید ستم یہ ہے کہ عیسائی علماء اناجیل میں تحریف کو ہرگز قبیح نہیں سمجھتے تھے۔ اگر وہ کسی چیز کا اضافہ کرنا مناسب خیال کرتے تو بے جھجک کر لیتے۔

جہاں صورتِ حال یہ ہو وہاں آپ بآسانی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اناجیل کیا سے کیا بن گئی ہوں گی اور ان میں کس طرح کے تصرفات راہ پا چکے ہوں گے۔ اس لیے اگر ایسی انجیلوں میں یہ بشارت نہ ملے تو قرآن پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی شان ملاحظہ ہو کہ تحریف و بگاڑ کے سیلاب کے باوجود جو صدیوں موجزن رہا اب بھی بڑی صریح عبارتیں موجود ہیں جن میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد کے بارے میں پیشین گوئیاں کی گئی ہیں جن کا تذکرہ ضیاء القرآن میں مختلف مقامات پر آپ پڑھ آئے ہوں گے۔ یہاں بطور نمونہ چند چیزیں عرض ہیں:

۱۔ اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو گے اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے۔ (انجیل یوحنا باب ۱۴ آیت ۱۶-۱۷)

مددگار کے لفظ پر بائبل کے حاشیہ میں "یا وکیل یا شفیع" بھی تحریر ہے۔

۲۔ اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔ (یوحنا باب ۱۴ آیت ۳۱)

۳۔ لیکن جب وہ مددگار آئے گا جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی سچائی کا روح جو باپ سے صادر ہوتا ہے تو وہ میری گواہی دے گا اور تم بھی گواہ ہو کیونکہ شروع سے میرے ساتھ ہو۔ (یوحنا باب ۱۵ آیت ۲۶-۲۷)

یہاں بھی مددگار کے لفظ پر حاشیہ میں "یا وکیل یا شفیع" مرقوم ہے۔

۴۔ لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا اور وہ آکر دنیا کو گناہ اور راستبازی اور عدالت کے بارے میں قصوروار ٹھہرائے گا۔ (یوحنا باب ۱۶ آیت ۷-۹)

۵۔ اس باب کی تیرھویں اور چودھویں آیات ملاحظہ فرمائیں:

مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہے مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن جب وہ یعنی سچائی کا روح آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھلائے گا اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔

مندرجہ بالا حوالہ جات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ کوئی آنے والا ہے جس کی آمد کی خبر حضرت عیسیٰ بار بار اپنے امتیوں کو دے رہے ہیں۔ اس آنے والے کی جن صفات و خصوصیات کا ذکر ان آیات میں کیا گیا ہے' ان کا مصداق بجز ذات پاک حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

لیکن اگر از راہ تعصب کوئی شخص مصر ہو کہ مجھے انجیل میں حضور کا اسم گرامی دکھائیے تو اس کے بارے میں گزارش ہے کہ جیسے آپ پڑھ آئے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی زبان سریانی تھی۔ انجیل اسی میں نازل ہوئی' لیکن چار انجیلیں جو نشہ اور اس کے بعد مدون ہوئیں' وہ یونانی زبان میں تھیں اور ایسے لوگوں نے جمع کیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے براہ راست شاگرد نہ تھے۔ لازمی طور پر انہوں نے یہ اناجیل ان عیسائیوں سے ان کی اصلی زبان سریانی میں سنی ہوں گی اور سریانی سے انہیں یونانی کے قالب میں ڈھالا ہو گا۔ بدقسمتی سے جو یونانی تراجم پہلی صدی عیسوی کے آخری حصے میں مدون ہوئے ان کے اصلی نسخے بھی نایاب ہیں اور جو یونانی تراجم دستیاب ہیں ان کا تعلق چوتھی صدی عیسوی سے ہے۔ یونانی زبان سے اناجیل کے ترجمے لاطینی زبان میں کیے گئے۔ ان لاطینی ترجموں سے یورپ اور ایشیا کی دوسری زبانوں میں یہ کتب منتقل ہوئیں۔ ترجمہ در ترجمہ کے اس عمل سے اس انجیل میں جو رد و بدل اور تحریف و قطع پذیر ہوئی ہو گی' وہ محتاج بیان نہیں۔ اگر ان تراجم میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسم گرامی نہ ملے تو قطعاً تعجب کی بات نہیں۔

فلسطین وغیرہ ممالک جب مسلمانوں نے فتح کیے تو اس وقت وہاں کے لوگوں کی زبان بدستور سریانی تھی اور اسلامی فتح کے تقریباً تین سو سال تک یہی سریانی وہاں کی علاقائی زبان کی حیثیت سے باقی رہی۔ اتنے عرصے کے بعد عربی نے کہیں جا کر اپنا سکہ جمایا اور وہاں کے باشندوں کی مادری زبان بنی۔ فتح کے بعد مسلمان علما کی آمد و رفت اس علاقے میں شروع ہو گئی۔ عیسائی علماء سے ان کے تعلقات قائم ہوئے اور وہ ان سے براہ راست سریانی زبان میں استفادہ کرتے رہے۔ اس طرح اناجیل کے بارے میں علمائے اسلام کو جو معلومات علمائے اہل کتاب سے حاصل ہوئیں وہ اصل سے زیادہ قریب تھیں۔ وہ انہیں سریانی سے بلا واسطہ عربی میں حاصل ہوئیں۔ ترجمہ در ترجمہ کے جو حجابات عیسائیوں کو درپیش آئے مسلمان علما کو ان سے سابقہ نہیں پڑا۔ اس لیے جب ہم سیرت ابن ہشام کا مطالعہ کرتے ہیں تو حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ یاد رہے کہ علامہ ابن ہشام نے جن کی وفات ۲۱۳ھ میں ہوئی' محمد بن اسحاق سے جن کی وفات ۱۵۱ھ میں ہوئی' اپنے استاد ابو محمد البکائی العامری کے واسطے نقل کی ہے۔ بکائی کی وفات کا سال ۱۸۳ھ ہے۔ اس میں یوحنا کے باب ۱۵ کی آیت ۲۶ کا عربی متن یوں ہے :

"فلو قد جاء المُنْحَمَنّا هذا الذی یرسلہ اللّٰہ الیکم من عند الرب روح القدس هذا الذی من عند الرب خرج فهو شهید علی وانتم ایضا لانکم قدیما کنتم معی فی هذا۔ قلت لکم لکی ما تشکوا۔ (ابن ہشام جلد اول صفحہ ۲۵۱)

اس کے بعد لکھتے ہیں۔ "المُنْحَمَنّا بالسریانیة محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم وهو بالرومیة البَرْقَلِیطِس۔

یعنی منحمنا سریانی لفظ ہے۔ اس کا معنی محمد ہے۔ رومی زبان میں اس کا ترجمہ برقلیطس کیا گیا ہے۔

برقلیطس کا رومی ہجہ اگر یہ ہو PERICLYTOS پھر تو معاملہ صاف ہے۔ اس کا معنی ہے تعریف کیا گیا اور محمد کا بھی بعینہٖ یہی معنی ہے لیکن اگر

اس کا مجرب یوں ہو PARACLETUS تو اگرچہ دونوں لفظوں کے تلفظ میں تو بڑی مشابہت ہے لیکن اس کا معنی پہلے لفظ سے مختلف ہے۔ خود انجیل کے مترجمین کو اس کا ترجمہ کرنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے۔ اردو کی بائبل کے متن میں اس کا ترجمہ "مددگار" کیا گیا ہے اور حاشیہ پر "وکیل" یا "شفیع" مرقوم ہیں۔ کسی نے اس کا ترجمہ: CONSOLATOR تسلی دینے والا۔ کسی نے TEACHER استاد اور ارگسٹائن نے ADVOCATE کیا ہے۔

کیا خبر کہ الفاظ کا یہ ہیر پھیر عیسائی علماء کے معمول کا کرشمہ ہو اور اسی وجہ سے وہ خود بھی پریشانی کا شکار ہو گئے ہوں۔

یہ صورت حال تو اس وقت ہے جبکہ ان چار انجیلوں پر اعتماد کیا جائے لیکن صدیوں کی گمنامی سے پردۂ غیب سے ایک انجیل ظہور میں آئی ہے جس کو انجیل برنا باس کہتے ہیں۔ اس کے مطالعہ سے بڑے بڑے پیچیدہ عقدے حل ہو جاتے ہیں اور شکوک و شبہات کا غبار خود بخود چھٹ جاتا ہے۔ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بیسیوں ایسے ارشادات موجود ہیں جن میں نام لے لے کر حضور کی آمد کی بشارتیں دی گئی ہیں اور بار بار اپنے امتیوں کو حضور کا دامن رحمت مضبوطی سے تھام لینے کے تاکیدی احکام دیئے گئے ہیں۔ اس سے پیشتر کہ ہم وہ ایمان افروز حوالہ جات آپ کے سامنے پیش کریں پہلے برنا باس اور اس کی انجیل کے بارے میں کچھ وضاحتیں ضروری ہیں تاکہ کوئی شخص بلاوجہ اور نامعقول اعتراض کر کے آپ کو پریشان نہ کر سکے۔

برنا باس قبرص کا باشندہ تھا۔ اس کا پہلا مذہب یہودیت تھا۔ اس کا نام JOSES تھا۔ لیکن دین عیسوی کی اشاعت اور ترقی کے لیے اس نے سر دھڑ کی بازی لگا دی تھی۔ حواری اس کو برنا باس کے نام سے پکارا کرتے تھے جس کا معنی ہے "واضح نصیحت کا فرزند"۔ بڑا کامیاب مبلغ تھا۔ جاذب قلب و نظر شخصیت کا مالک تھا۔ حضرت مسیح کے ساتھ مدت العمر جو قرب اسے نصیب رہا اس نے اس کو اپنے حلقہ میں بڑا اہم مقام عطا کر دیا تھا۔

ابتدا میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار اپنے آپ کو یہود سے الگ کوئی امت تصور نہیں کیا کرتے تھے۔ نہ ان کی علیحدہ عبادت گاہیں تھیں لیکن یہودی انہیں شک و شبہ کی نظر سے دیکھتے تھے۔ حضرت عیسیٰ کی حقیقت، آپ کی فطرت اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ آپ کا تعلق ان کے پہلے ماننے والوں کے نزدیک قطعاً وجہ نزاع نہ تھا۔ سب آپ کو انسان اور اللہ کا برگزیدہ بندہ سمجھتے تھے۔ اس وقت کے عیسائی یہودیوں سے بھی زیادہ توحید پرست تھے۔ یہاں تک کہ سینٹ پال نے عیسائی مذہب قبول کیا۔ اس طرح عیسائیت میں ایک نئے باب کا آغاز ہوا جس کے نظریات اور معتقدات کا منبع انجیل یا حضرت مسیح کے اقوال نہ تھے بلکہ اس کی ذاتی سوچ بچار کا نتیجہ تھے۔ پال یہودی تھا۔ طرسوس کا باشندہ تھا۔ کافی عرصہ روم میں رہا۔ ان کے فلسفہ اور مشرکانہ عقائد سے وہ بہت متاثر ہوا۔ عیسائیت کو اس نے اسی مشرکانہ سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی جو عوام کو بہت پسند تھا لیکن حضرت عیسیٰ کے حواری اس کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ اپنے مذہب کی ترقی اور اشاعت کے لیے برنا باس اور سینٹ پال کچھ عرصہ ایک ساتھ کام کرتے رہے لیکن دن بدن اختلافات کی خلیج بڑھتی گئی۔ پال نے حلال و حرام کے بارے میں موسوی احکام کو بالائے طاق رکھ دیا۔ نیز ختنہ کی سنت ابراہیمی کو بھی نظر انداز کر دیا۔ برنا باس کے لیے اس کے ساتھ مل کر کام کرنا مشکل ہو گیا۔ چنانچہ دونوں علیحدہ ہو گئے۔ پال کو عوام الناس کی تائید کے علاوہ حکومت کی ہمدردیاں بھی حاصل تھیں۔ اس لیے اس کے پھیلائے ہوئے عقائد کو لوگوں نے دھڑا دھڑ قبول کرنا شروع کر دیا۔ اس طرح برنا باس اور اس کے ساتھی پس منظر میں چلے گئے۔ بایں ہمہ چوتھی صدی عیسوی تک برنا باس کے ہم عقیدہ لوگ کافی تعداد میں موجود تھے جو خدا کی باپ کی حیثیت سے نہیں بلکہ مالک الملک اور قادر مطلق کی حیثیت سے عبادت کرتے تھے۔ اس وقت انطاکیہ کے بشپ پال کا بھی یہی عقیدہ

تھا کہ حضرت عیسیٰ نہ خدا ہیں نہ خدا کے بیٹے بلکہ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ انطاکیہ کا دوسرا بشپ جس کا نام LUCIAN تھا اور جو تقویٰ اور علم میں بڑی شہرت کا مالک تھا وہ بھی تثلیث کے عقیدے کا سخت مخالف تھا۔ اس نے انجیل سے ایسی عبارتیں نکال دیں جن سے تثلیث ثابت ہوتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ یہ جملے بعد میں بڑھائے گئے۔ اس کو ۳۱۲ء میں شہید کر دیا گیا۔ اس کے بعد اس کے شاگرد ARIUS نے توحید کا پرچم بلند کیا۔ اسے کئی بار کلیسا کے عہدے پر بھی فائز کیا گیا اور کبھی معزول کیا گیا۔ لیکن اس نے اپنا مشن جاری رکھا۔ کلیسا کی مخالفت کرنا آسان کام نہ تھا لیکن ARIUS نے ان مشرکانہ عقائد کی ڈٹ کر مخالفت کی اور لوگ جوق در جوق اس کے نظریات کو قبول کرتے چلے گئے۔

اس اثنا میں دو ایسے واقعات رونما ہوئے جنہوں نے یورپ کی تاریخ بدل کر رکھ دی۔ شاہ قسطنطین جس نے یورپ کے بڑے حصے پر قبضہ کر لیا تھا اس نے عیسائیت قبول کیے بغیر عیسائیت کی امداد شروع کر دی لیکن عیسائی فرقوں کے باہمی اختلافات نے اسے سراسیمہ کر دیا۔ شاہی محل میں بھی یہ نظریاتی کشمکش زوروں پر تھی۔ مادر ملکہ تو پال کے نظریات کی حامل تھی جبکہ بادشاہ کی بہن ایریس کی معتقد تھی۔ بادشاہ کے پیش نظر تو صرف ملک میں امن و امان کا قیام تھا اور اس کی صرف یہ صورت تھی کہ سارے فرقے ایک کلیسا کو قبول کر لیں۔ ایریس اور بشپ الیگزینڈر کی مخالفت روز بروز شدت اختیار کرتی جا رہی تھی۔ بادشاہ کے لیے مداخلت ناگزیر ہو گئی، چنانچہ ۳۲۵ء میں "نیقیا" کے مقام پر ایک کانفرنس کا اہتمام کیا گیا۔ متواتر کئی روز تک اس کے اجلاس ہوتے رہے۔ فیصلہ نہ ہو سکا۔ بادشاہ نے امن و امان کی خاطر کلیسا کی حمایت حاصل کرنا ضروری سمجھا۔ اس لیے اس نے ایریس کو جلا وطن کر دیا۔ اس طرح توحید کے بجائے تثلیث کا عقیدہ ملک کا سرکاری مذہب بن گیا۔ کلیسا کی منظور شدہ انجیل کے بغیر کوئی انجیل اپنے پاس رکھنا جرم قرار دے دیا گیا۔ دو سو سے زائد مختلف انجیلوں کے نسخے نذر آتش کر دیے گئے۔ شہزادی قسطنطین کو یہ بات ناپسند ہوئی۔ اس کی کوشش سے ۳۳۶ء میں ایریس کو واپس بلایا گیا۔ جب وہ فاتحانہ انداز میں قسطنطنیہ میں داخل ہو رہا تھا، اس کی موت واقع ہو گئی۔ بادشاہ نے اسے قتل عمد قرار دیا۔ اس جرم کی پاداش میں سکندریہ کے بشپ کو دو اور بشپوں کے ساتھ جلا وطن کر دیا اور خود ایریس کے ایک معتقد بشپ کے ہاتھ پر عیسائیت قبول کر لی۔

توحید سرکاری مذہب قرار پایا۔ ۳۴۱ء میں انطاکیہ میں ایک کانفرنس ہوئی اور توحید کو عیسائی مذہب کا بنیادی عقیدہ قرار دیا گیا۔ چنانچہ ۳۵۹ء میں سینٹ جیروم (S. JEROME) نے لکھا کہ ایریس کا مذہب مملکت کے تمام باشندوں نے قبول کر لیا۔ پوپ ہونوریس (HONORIUS) (جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہم عصر تھا) کا بھی یہی عقیدہ تھا۔ ۶۳۸ء میں اس نے وفات پائی۔ لیکن ۶۸۰ء میں پھر تثلیث کے حق میں ایک لہر اٹھی قسطنطنیہ میں پھر اجلاس ہوا جس میں پوپ ہونوریس کو ملعون اور مردود قرار دیا گیا اور اس کے نظریات کو مسترد کر دیا گیا۔ اگرچہ آج عیسائی دنیا تثلیث کو ایک مسلمہ اصول کی حیثیت سے تسلیم کرتی ہے، اس کے باوجود ان میں ایسے لوگ بکثرت موجود ہیں جو اللہ تعالیٰ کی توحید کے قائل ہیں، لیکن اس کے اظہار سے کتراتے ہیں۔

برناباس کی انجیل ۳۲۵ء تک مستند انجیل تسلیم کی جاتی رہی۔ ایرانیس (IRANAEUS) نے جب سینٹ پال کے مشرکانہ عقائد کے خلاف مہم شروع کی تو اس نے برناباس کی انجیل سے بکثرت استدلال کیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ پہلی دو صدیوں میں یہ انجیل معتبر تسلیم کی جاتی تھی اور اپنے دین کے بنیادی مسائل ثابت کرنے کے لیے اس کی عبارتوں کو بطور حجت پیش کیا جاتا تھا۔ لیکن ۳۲۵ء میں جو کانفرنس نیقیا میں ہوئی اس میں یہ طے پایا کہ عبرانی زبان میں جتنی انجیلیں موجود ہیں ان سب کو ضائع کر دیا جائے جس کے پاس یہ انجیل ملے اس کی گردن اڑا دی جائے۔

۳۸۳ء میں پوپ نے انجیل برناباس کا نسخہ حاصل کیا اور اپنی پرائیویٹ لائبریری میں اسے محفوظ کر لیا۔ زینو بادشاہ کی حکمرانی کے چوتھے سال برناباس کی قبر کھودی گئی۔ اس انجیل کا ایک نسخہ جو اس نے اپنے قلم سے لکھا تھا اس کے سینے پر رکھا ہوا ملا۔ پوپ SIRITUS (۵۸۵-۹۰ء) کا ایک دوست تھا جس کا نام فرامارینو (FRAMARINO) تھا۔ اسے پوپ کی ذاتی لائبریری میں اس کا وہ نسخہ ملا۔ فرا کو اس سے بڑی دلچسپی تھی۔ کیونکہ اس نے ایرانیس کی تحریروں کا مطالعہ کیا تھا جس میں اس نے برناباس کی انجیل کے بکثرت حوالے دیے تھے۔ اطالوی زبان میں لکھا ہوا یہ مسودہ مختلف لوگوں سے ہوتا ہوا ایمسٹرڈم (AMSTERDAM) کی ایک مشہور و معروف ہستی کے پاس پہنچا۔ یہاں سے پرشیا کے بادشاہ کے مشیر جے۔ ایف۔ کریمر کو ملا۔ اس سے سیوے کے ایک علم دوست شہزادے یوگین (EUGENE) نے ۱۷۱۳ء میں حاصل کیا۔ ۱۷۳۸ء میں شہزادے کی پوری لائبریری کے ساتھ یہ نسخہ بھی ویانا پہنچا۔ اب بھی یہ نسخہ وہاں محفوظ رکھا ہے۔

ٹولینڈ (TOLAND) نے اپنی تصنیف "MISCELLANEOUS WORKS" جو اس کی وفات کے بعد ۱۷۴۷ء میں شائع ہوئی کی جلد اول صفحہ ۳۸۰ پر ذکر کیا کہ انجیل برناباس کا قلمی نسخہ اب بھی محفوظ ہے۔ اسی کتاب کے پندرھویں باب میں لکھا ہے کہ ۴۹۶ء میں ایک حکم کے ذریعے اس انجیل کو ان کتب میں شامل کیا گیا جن کو کلیسا نے ممنوع قرار دے دیا تھا۔ اس سے پہلے ۴۶۵ء میں پوپ انوسینٹ (POPE INNECENT) نے بھی اسی قسم کا حکم جاری کیا تھا نیز ۳۸۲ء میں مغربی کلیسا نے متفقہ طور پر اس پر بندش عائد کی تھی۔

مسٹر اور مسز ریگ (RAGG) نے ۱۹۰۷ء میں ایک لاطینی نسخے سے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا جو اب ہمارے سامنے ہے۔ آکسفورڈ کے کلیرنڈن پریس نے اسے چھاپا۔ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس نے اسے شائع کیا۔ جب اس کا انگریزی ترجمہ چھپ کر بازار میں آیا تو اس کے سارے نسخے پراسرار طریقے پر بازار سے غائب کر دیے گئے۔ صرف دو نسخے محفوظ رہے۔ ایک برٹش میوزیم میں اور دوسرا واشنگٹن کی کانگریس لائبریری میں۔ یہ پیش نظر انگریزی ترجمہ مائیکرو فلم کے ذریعے پبلشر نے ایک دوست کی وساطت سے واشنگٹن کی کانگریس لائبریری سے حاصل کیا ہے۔

برناباس کے حالات اور اس کی انجیل کی تاریخ کو قدرے شرح و بسط کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے تاکہ قارئین کرام کو حالات کا پوری طرح علم ہو اور اس الزام کی قلعی کھل جائے جو بعض عیسائی حلقوں کی طرف سے لگایا جا رہا ہے کہ اس انجیل کا مصنف کوئی ایسا شخص ہے جو عیسائیت سے مرتد ہو کر مسلمان ہوا اور دجل و تزویر سے ایک کتاب تصنیف کر کے اسے برناباس کی طرف منسوب کر دیا۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے کئی سو سال پہلے کلیسا نے اس کتاب کو ممنوعہ لٹریچر میں شامل کر دیا تھا اور اس شخص کو واجب القتل قرار دیا تھا جس کے پاس یہ کتاب پائی جائے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں جو بشارتیں اس میں بکثرت موجود ہیں، کلیسا کے غیظ و غضب کا گو سبب نہ تھیں لیکن ان کے علاوہ اس میں کچھ ایسی تعلیمات تھیں جو سینٹ پال کے پیش کردہ عیسائی مذہب کی بیخ کنی کرتی تھیں اس لیے کلیسا کو یہ آخری اقدام کرنا پڑا۔ قدم قدم پر اس میں عقیدۂ تثلیث کا ابطال کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توحید کو زوردار دلائل سے بڑے حسین انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ خود حضرت عیسیٰ کے ارشادات سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ آپ نہ خدا تھے نہ خدا کے بیٹے بلکہ اس کے بندے اور رسول تھے۔ کلیسا کے نزدیک یہ باتیں ناقابل برداشت تھیں اس لیے انہوں نے اس کو اپنی مقدس کتب کی فہرست سے خارج کر دیا۔

برناباس نے اپنے رسول کی تعلیمات کو بلا کم و کاست بیان کیا۔ اسی طرح حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں جو بشارتیں حضرت عیسیٰ نے ایک بار نہیں بلکہ بار بار دی تھیں ان کا اس میں مندرج ہونا بھی قدرتی امر ہے۔ چنانچہ ان بے شمار بشارتوں میں سے صرف چند پیش کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ ان کا مطالعہ کیجیے اپنے ایمان کو تازہ کیجیے اور انہی کی روشنی میں اس آیت کی صحیح تفسیر ملاحظہ فرمائیے:

انجیل برناباس کے باب ۷۲ کا ایک حوالہ سماعت فرمائیے:

"BUT AFTER ME SHALL COME THE SPLENDOUR OF ALL THE PROPHETS AND HOLY ONES, AND *SHALL* SHED LIGHT UPON THE DARKNESS OF ALL THAT THE PROPHETS HAVE SAID BECAUSE HE IS THE MESSENGER OF GOD."

"لیکن میرے بعد وہ ہستی تشریف لائے گی جو تمام نبیوں اور نفوس قدسیہ کے لیے آب و تاب ہے اور پہلے انبیاء نے جو باتیں کی ہیں ان پر روشنی ڈالے گی کیونکہ وہ اللہ کا رسول ہے۔"

2. FOR I AM NOT WORTHY TO *UNLOOSE* THE TIES OF THE HOSEN OR THE LATCHETS OF THE SHOES OF THE MESSENGER OF THE GOD WHOM YE CALL "MESSIAH" WHO WAS MADE BEFORE ME, AND *SHALL* COME AFTER ME, AND SHALL BRING THE WORDS OF TRUTH, SO THAT HIS FAITH *SHALL* HAVE NO END.

"یعنی جس ہستی کی آمد کا تم ذکر کر رہے ہو میں تو اللہ کے اس رسول کی جوتیوں کے تسمے کھولنے کے لائق بھی نہیں جس کو تم مسیحا کہتے ہو۔ اس کی تخلیق مجھ سے پہلے ہوئی اور تشریف میرے بعد لائے گا۔ وہ سچائی کے الفاظ لائے گا اور اس کے دین کی کوئی انتہا نہ ہوگی۔" (باب ۴۲)

"I AM INDEED SENT TO THE HOUSE OF ISRAEL AS A PROPHET OF SALVATION, BUT AFTER ME SHALL COME THE MESSIAH SENT OF GOD TO ALL THE WORLD, FOR WHOM GOD HATH MADE THE WORLD AND THEN THROUGH ALL THE WORLD WILL GOD BE WORSHIPPED, AND MERCY RECEIVED."

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں: "بے شک میں تو فقط اسرائیل کے گھرانے کی نجات کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں لیکن میرے بعد مسیحا تشریف لائے گا جسے اللہ تعالیٰ سارے جہان کے لیے مبعوث فرمائے گا۔ اسی کے لیے اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات تخلیق کی ہے اور اسی کی کوششوں کے باعث ساری دنیا میں اللہ تعالیٰ کی پرستش کی جائے گی اور اس کی رحمت نصیب ہوگی۔" (باب ۸۲)

آپ پریشان ہیں کہ لوگوں نے آپ کو خدا اور خدا کا بیٹا کہنا شروع کر دیا ہے۔ رومی گورنر اور بادشاہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہتے ہیں کہ ہم روم کے شہنشاہ سے ایک ایسا فرمان جاری کروائیں گے جس میں سب کو آپ کے متعلق ایسی باتیں کہنے سے روک دیا جائے گا۔ ان کے جواب میں آپ فرماتے ہیں مجھے تمہاری ان باتوں سے اطمینان حاصل نہیں ہوا۔

"BUT MY CONSOLATION IS IN THE COMING OF MESSENGER. WHO *SHALL* DESTROY EVRY FALSE OPINION OF ME, AND HIS *FAITH SHALL SPREAD* AND SHALL TAKE HOLD OF THE WHOLE WORLD, FOR SO HATH GOD PROMISED TO ABRAHAM OUR FATHER."

"بلکہ میرا اطمینان تو اس رسول کی تشریف آوری سے ہوگا جو میرے بارے میں تمام جھوٹے نظریات کو نیست و نابود کر دے گا۔ اس کا دین پھیلے گا اور سارے جہان کو اپنی گرفت میں لے لے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے باپ ابراہیم سے اسی طرح کا وعدہ کیا ہے۔"

اس کے بعد پادری نے ایک اور سوال پوچھا کہ کیا اس رسول کی آمد کے بعد اور نبی بھی آئیں گے؟ آپ نے ارشاد فرمایا:

"THERE SHALL NOT COME AFTER HIM TRUE PROPHETS SENT BY GOD, BUT THERE SHALL COME A GREAT DEAL OF FALSE PROPHETS, WHEREAT I SORROW. FOR SATAN SHALL RAISE THEM UP."

"یعنی آپ کے بعد اللہ کا بھیجا ہوا کوئی سچا نبی نہیں آئے گا، البتہ کثرت سے جھوٹے نبی آئیں گے جنہیں شیطان کھڑا کرے گا۔"

اس پادری نے دوسرا سوال کیا: اس مسیحا کا نام کیا ہوگا اور کن علامات سے اس کی آمد کا پتہ چلے گا؟ اس کے جواب میں آپ ارشاد فرماتے ہیں:

"THE NAME OF THE MESSIAH IS ADMIRABLE, FOR GOD HIMSELF GAVE HIM THE NAME WHEN HAD CREATED HIS SOUL, AND PLACED IT IN A CELESTIAL SPLENDOUR. GOD SAID: "WAIT MUHAMMAD FOR THY SAKE I WILL TO CREATE PARADISE, THE WORLD, AND A GREAT MULTITUDE OF CREATURES"

.... I SHALL SEND THEE INTO THE WORLD I SHALL SEND THEE AS MY MESSENGER OF SALVATION AND THY WORD SHALL BE TRUE, IN SO MUCH THAT HEAVAN AND EARTH SHALL FAIL, BUT THY FAITH SHALL NEVER FAIL."

"MUHAMMAD IS HIS BLESSED NAME."

"مسیحا کا نام قابل تعریف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب ان کی روح مبارک کو پیدا کیا اور آسمانی آب و تاب میں رکھا تو خود ان کا نام رکھا۔ اللہ نے فرمایا: اے محمد! انتظار کرو، میں نے تیری خاطر جنت کو پیدا کیا ہے، ساری دنیا کو پیدا کیا ہے اور بے شمار مخلوقات کو پیدا کیا ہے۔ جب میں تجھے دنیا میں بھیجوں گا تو تمہیں نجات دہندہ رسول بنا کر بھیجوں گا، تیری بات سچی ہوگی۔ آسمان اور زمین فنا ہو سکتے ہیں لیکن تیرا دین کبھی فنا نہیں ہو سکتا۔"

آپ نے کہا کہ محمد اس کا بابرکت نام ہے۔"

پھر تمام سامعین نے یوں گریہ کرتے ہوئے فریاد کرنی شروع کی:

"O GOD SEND US THY MESSENGER. O MUHAMMAD, COME QUICKLY FOR THE SALVATION OF THE WORLD."

"اے خدا! اپنے رسول کو ہماری طرف بھیج۔ یا رسول اللہ! دنیا کی نجات کے لیے جلدی تشریف لے آئیے۔" (باب ۹۷)

۵۔ حضرت مسیح اپنے حواری برناباس سے اپنے آخری حالات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: میرے قتل کی سازش کی جائے گی، چند سکوں کے لالچ میں مجھے میرا ایک حواری گرفتار کرائے گا، لیکن وہ مجھے پھانسی نہیں دے سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ مجھے زمین سے اٹھا لے گا اور جس نے میرے ساتھ دھوکہ کیا ہے اس کو میرے بجائے سُولی پر چڑھا دیا جائے گا۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰٓى

اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹے بہتان باندھتا ہے حالانکہ اسے بلایا جارہا ہے

اِلَى الْاِسْلَامِؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۞ يُرِيْدُوْنَ

اسلام کی طرف۔ اور اللہ تعالیٰ (ایسے) ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ یہ (نادان) چاہتے ہیں

فرماتے ہیں:

I SHALL ABIDE IN THAT DISHONOUR FOR A LONG TIME IN THE WORLD, BUT WHEN MOHAMMAD SHALL COME, THE SACRED MESSENGER OF GOD, THAT INFAMI SHALL BE TAKEN AWAY. AND THIS SHALL GOD DO, BECAUSE I HAVE CONFESSED THE TRUTH OF THE MESSIAH, WHO SHALL GIVE ME THIS REWARD, THAT I SHALL BE KNOWN TO BE ALIVE AND TO BE A STRANGER TO THAT DEATH OF INFAMI.

"طویل عرصہ تک لوگ مجھے بدنام کرتے رہیں گے لیکن جب محمد تشریف لائیں گے جو خدا کے مقدس رسول ہیں تب میری یہ بدنامی اختتام پذیر ہوگی اور اللہ تعالیٰ یوں کرے گا کیونکہ میں اس مسیحا کی صداقت کا اعتراف کرتا ہوں، وہ مجھے یہ انعام دے گا۔ لوگ مجھے زندہ جاننے لگیں گے اور انہیں معلوم ہوجائے گا کہ اس رسوا کن موت سے میرا دور کا بھی واسطہ نہیں۔" (باب ۱۱۲)

آپ نے متعدد مقامات پر اس بات کی تصریح کی ہے کہ یہ ذی شان رسول حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ہوگا۔ اس مقام کی تنگ دامانی اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ میں ان تمام حوالوں کو آپ کی خدمت میں پیش کروں۔ امید ہے اگر بنظر انصاف آپ ان اقتباسات کا مطالعہ کریں گے تو حقیقت کا رُوئے زیبا یقیناً بے نقاب ہوجائے گا۔

رہا آخری سوال کہ جس شخص کا نام غلام احمد ہو وہ اس آیت کا مصداق بن سکتا ہے اور اسے احمد قرار دیا جاسکتا ہے؟

اس کے بارے میں اتنا ہی سمجھ لیں کہ ایک شخص جس کا نام عبداللہ ہو وہ اپنے نام سے عبد حذف کرکے اگر اللہ نہیں کہلا سکتا تو اسی طرح غلام احمد نامی شخص غلام کا لفظ کاٹ کر اپنے آپ کو احمد کہلائے گا تو اس سے بڑھ کر قرآن کی کوئی تحریف نہیں ہوسکتی۔

۱؎ پس جب وہ رسول جس کا نام نامی احمد ہے، حضرت مسیح کی پیشین گوئی کے مطابق تشریف لے آیا اور روشن معجزات سے اپنی صداقت کو آشکارا کر دیا تو ان لوگوں کو ایمان لانے کی توفیق نصیب نہ ہوئی اور معجزات نبوت کے بارے میں کہنے لگے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔

لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَ لَوْ كَرِهَ

کہ بجھا دیں اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے۔ لیکن اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچا کر رہے گا خواہ سخت ناپسند

الْكٰفِرُوْنَ ۝ هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ

کریں اس کو کافر [۱۱] وہی تو ہے جس نے بھیجا ہے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ

لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ یٰۤاَیُّهَا

تاکہ وہ غالب کر دے اسے سب دینوں پر [۱۲] خواہ سخت ناپسند کریں اس کو مشرک۔ اے

[۱۱] کفار سرتوڑ کوشش کر رہے ہیں کہ اسلام کا یہ روشن چراغ بجھ جائے۔ لیکن وہ کان کھول کر سن لیں کہ ان کی کوششیں رائیگاں جائیں گی۔ یہ نور حق اپنے شباب اور کمال کو پہنچے گا۔ اس کی تجلیات سے بحر و بر، دشت و جبل چمک اٹھیں گے اور اللہ تعالیٰ کا یہ آخری پیغام دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچے گا۔ کافروں کو بے شک اسلام کی ترقی سخت ناپسند ہے۔ وہ اسلام کو ناکام کرنے کے لیے اپنا تن من دھن سب کچھ لٹا دیں گے لیکن انہیں بجز حسرت کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ یہ آیت کسی ایسے موقع پر نازل نہیں ہوئی جب اسلام کے پرچم تلے لشکر جرار جمع ہو چکے تھے، مسلمانوں کی دھاک لوگوں کے دلوں پر بیٹھ چکی تھی، مخالفت کی آندھیاں تھم گئی تھیں اور اسلام کی کامیابی کے آثار ہر شخص کو دکھائی دینے لگے تھے۔ بلکہ یہ آیت غزوۂ احد کے بعد نازل ہوئی جبکہ مسلمانوں کو بڑی شدید مشکلات کا سامنا تھا۔ میدان جنگ میں ان کا بڑا جانی نقصان ہوا تھا۔ حضرت حمزہؓ اور حضرت مصعبؓ جیسے عظیم المرتبت بہادر جام شہادت نوش کر چکے تھے۔ قرب و جوار میں بسنے والے بدو قبائل کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب باقی نہ رہا تھا۔ ان ناگفتہ بہ اور غیر یقینی حالات میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور سب دنیا نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان حرف بحرف پورا ہوا۔

[۱۲] اللہ تعالیٰ اپنی عظمت و کبریائی کا ذکر فرما رہا ہے کہ میں وہ قادر و حکیم ہوں جس نے ساری دنیا کی رہبری کے لیے ایک رسول بھیجا۔ اس کو نور ہدایت کا امین اور حق کا علمبردار بنایا اور اس لیے مبعوث فرمایا تاکہ اس کے لائے ہوئے دین کو غلبہ عطا فرماؤں۔ چار دانگ عالم میں اس کا ڈنکا بجے۔ اس کے مجاہد میدان کارزار میں باطل کے پرستاروں کو تیر و سناں سے مغلوب کر رہے ہوں۔ اس کے علما دلیل و برہان سے شرک کے علمبرداروں کو شکست دے رہے ہوں اور اسلامی معاشرہ اپنے پاکیزہ تمدن، اپنی نورانی تہذیب، اپنے منصفانہ نظام معیشت اور اخلاق حسنہ کے باعث اسلام کی برتری اور فتح مندی کا پرچم لہرا رہا ہو۔

اسلام چھپ چھپ کر وقت گزارنے کے لیے یا باطل سے مصالحت کر کے زندہ رہنے کے لیے نہیں آیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے شیروں کا دین ہے، یہ شمع حق کے پروانوں کا دین ہے۔ سارا کفر و شرک اگر اپنی قوتوں کو یکجا بھی کر لے تب بھی وہ ان کو ہراساں نہیں کر سکتا، ان کو پسپا نہیں کر سکتا۔

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ

ایمان والو! کیا میں آگاہ کروں تمہیں ایسی تجارت پر جو بچا لے تمہیں دردناک عذاب

اَلِيْمٍ ۝۱۰ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ

سے ۱۳؎ (وہ تجارت یہ ہے کہ) تم ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور جہاد کرو اللہ کی راہ

اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۱۱

میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے۔ یہی طریقہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم (حقیقت کو) جانتے ہو۔

يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

اللہ تعالیٰ بخش دے گا تمہارے لیے تمہارے گناہوں کو اور داخل کرے گا تمہیں باغات میں رواں ہیں جن کے نیچے

۱۳؎ دوسرے لوگ بھی تجارت کرتے ہیں اس میں نفع بھی ہوتا ہے اور نقصان بھی۔ بسا اوقات تو سرمایہ تک برباد ہو جاتا ہے۔ اگر نفع ہو تو یہی ہوگا کہ دولت کی فراوانی اور اسباب عیش و آرام مہیا ہو جائیں گے لیکن ایک تجارت وہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو باخبر کر رہا ہے اور اس میں حصہ لینے کی ترغیب دے رہا ہے اور اس تجارت کی چند خصوصیات ہیں۔ اس میں نفع ہی نفع ہے نقصان کا ذرا احتمال نہیں۔ اس کا نفع عارضی اور فانی نہیں بلکہ ابدی اور سرمدی ہے۔ اس کے فوائد سے اس کا تاجر صرف قیامت کے روز ہی بہرہ ور نہ ہوگا بلکہ اس دنیا میں بھی اس کا نفع اسے ملے گا اور نفع بھی یہ ہے کہ جس میدان میں قدم رکھے گا تنہا نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت اس کے ہمراہ ہوگی اور فتح و کامرانی اس کے قدم چومے گی۔ جہاں بھی وہ جائے گا ہر چیز اس کے آگے دست بستہ حاضر ہوگی۔ پہاڑ اس کی ٹھوکر سے اور سمندر اس کی ضرب سے راستہ چھوڑ دیں گے۔ اور وہ تجارت یہ ہے کہ سچے دل سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اپنے اموال اور اپنی جانیں اپنے رب کے راستہ میں قربان کر دو۔ بتایا کہ مال کو بچا بچا کر رکھنے میں تمہارا نفع نہیں بلکہ اس کی رضا کے لیے گھر بار لٹا دینا یہ تمہارے لیے سودمند ہے۔ جان کو بحفاظت رکھنے میں تمہاری سلامتی نہیں۔ تمہاری سلامتی اس میں ہے کہ اس کے نام کو بلند کرنے کے لیے اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دو اور اپنا سر قربان کر دو۔ تمہیں حیات جاوید بخش دی جائے گی۔ موت تمہارا دامن چھو تک نہ سکے گی۔

برتر از اندیشۂ سود و زیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیمِ جاں ہے زندگی (علامہ اقبالؔ)

دنیوی زندگی میں۔ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت اور اس کی مہربانی سے فتح و کامرانی بہت بڑی چیز ہے۔ بہرحال آخرت کی سرخروئی

الْاَنْهٰرُ وَ مَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۟ۙ

نہریں اور پاکیزہ مکانوں میں جو سدا بہار باغوں میں ہیں۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔

وَ اُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ؕ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَتْحٌ قَرِيْبٌ ؕ وَ بَشِّرِ

اور ایک اور چیز جو تمہیں بڑی پسند ہے وہ بھی ملے گی (یعنی) اللہ کی جناب سے نصرت اور فتح جو بالکل قریب ہے اور (اے حبیب!)

الْمُؤْمِنِيْنَ ۟ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ

مومنوں کو یہ بشارت سنا دیجیے۔ اے ایمان والو! اللہ کے (دین کے) مددگار بن جاؤ ۱۴؎ جس طرح کہا تھا

عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ

عیسیٰ بن مریم نے اپنے حواریوں سے کون ہے میرا مددگار اللہ کی طرف بلانے میں؟ حواریوں نے

الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْۤ

جواب دیا ہم اللہ کے (دین کے) مددگار ہیں پس ایمان لے آیا ایک گروہ بنی

اس سے بھی اعلیٰ و افضل ہے اس لیے اس کے ذکر کو مقدم کیا۔

۱۴؎ اللہ تعالیٰ کو کسی کی مدد کی ضرورت نہیں۔ نہ اس کا کوئی کام ہماری اعانت کا محتاج ہے۔ جو لوگ دین کی سربلندی کے لیے کوشاں رہتے ہیں وہ گوناگوں برکات سے اپنی زندگی کو مالا مال کرتے ہیں اور محض اپنا اور اپنی آئندہ نسلوں کا بھلا کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کریم ہے۔ ان کے جذبۂ اخلاص کی قدر فرماتے ہوئے ان کو انصار اللہ کے معزز لقب سے یاد فرماتا ہے۔ یہ اس کی کمال مہربانی، شانِ بندہ پروری اور ذرہ نوازی ہے۔

حَوَارِيُّوْنَ: جمع ہے۔ اس کا واحد حواریٌّ جو حوار سے مشتق ہے۔ حوار سفیدی کو کہتے ہیں۔ دھوبی کو عربی میں حواری کہتے ہیں کیونکہ وہ میلے کپڑوں کو پاک اور اجلا کرتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ابتدائی شاگرد دھوبی تھے اس لیے انہیں حواریون کہا گیا۔ بعد میں پُرخلوص دوست اور باوفا ساتھی کو حواری کہا جانے لگا۔

علامہ ابن منظور لکھتے ہیں۔ التحویر: التبییض۔ والحواریون: القصارون لتبییضهم لانهم کانوا قصارین ثم غلب حتی صار کل ناصر و کل حمیم حواریا (لسان العرب)

إِسْرَآءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى

اسرائیل سے اور کفر کیا دوسرے گروہ نے۔ پھر ہم نے مدد کی جو ایمان لائے دشمنوں کے

عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ﴿۱۴﴾

مقابلہ میں بالآخر وہی غالب رہے ۱۵

۱۵ جب سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰهِ کہہ کر دعوتِ حق دی تو سلیم الطبع لوگ لبیک لبیک کہتے ہوئے حاضر ہوئے اور مشرف بایمان ہوئے۔ لیکن بنی اسرائیل کے ہٹ دھرم اور ضدی لوگ چڑ گئے اور کفر پر آمادہ ہو گئے۔ اپنی سنت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ایمان دار گروہ کی امداد فرمائی اور ان کو غلبہ اور کامیابی سے سرفراز فرمایا۔

اَللّٰهم اجعلنا من انصار نبيك المصطفٰى ورسولك المجتبىٰ عليه و على آله افضل الصلوٰة واجمل الثناء. وأيدنا على جميع اعداء دينك ليصبح بتائيدك ونصرتك ظاهرا على الاديان كلها انك على كل شيء قدير.

تعارف

سُورۃ الجُمُعہ

نام : اس سورۃ کی آیت نمبر ۹ میں "الجمعہ" کا کلمہ ہے۔ اسی کو اس سورۃ کا نام تجویز فرما دیا گیا۔ اس میں دو رکوع، گیارہ آیتیں، ایک سو اسی کلمے اور سات سو بیس حروف ہیں۔

زمانہ نزول : حضرات ابن عباس، ابن زبیر، حسن، مجاہد، عکرمہ اور قتادہ بلکہ جمہور اُمّت کے نزدیک اس کا نزول مدینہ طیبہ میں ہوا۔ اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو صحیح بخاری میں ہے۔

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ میں اس روز بارگاہ نبوت میں حاضر تھا جس روز سورۂ جمعہ نازل ہوئی اور سب کو علم ہے کہ حضرت ابوہریرہ صلح حدیبیہ کے بعد اور غزوۂ خیبر سے پہلے شرف بہ اسلام ہوئے اور غزوۂ خیبر ۷ھ میں ہوا ابن ہشام کے نزدیک محرم کا مہینہ تھا اور ابن سعد کے نزدیک جمادی الاولیٰ کا۔

نیز اس کے مضامین بھی اس کے مدنی ہونے کی تائید کرتے ہیں۔ اس میں یہودیوں کو خطاب کیا گیا ہے نیز جمعہ ادا کرنے کا تاکیدی حکم بھی ہے اور ان دونوں کا تعلق مدنی عہد سے ہے۔

مضامین : اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور اس کی صفات حمیدہ کے بیان سے اس سورۃ کا آغاز ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی شانِ رفیع کے ذکر کے بعد اپنے محبوب کریم علیہ التحیۃ والصلوٰۃ کے محامد و کمالات بیان فرمائے ہیں۔ اُمیین کا ذکر کرکے یہود کے اس زعم باطل کی تردید فرما دی جو یہ خیال کیے ہوئے تھے کہ نبوت فقط اسرائیل کے خانوادہ کی جاگیر ہے۔ کوئی غیر اسرائیلی نبی نہیں بن سکتا۔ بتا دیا کہ نبوت اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور وہ قادر و مختار ہے۔ جس کو چاہے اپنے فضل سے سرفراز فرما دے۔ نہ کوئی اس کو ایسا کرنے سے منع کر سکتا ہے اور نہ کسی کو اس کی اس عطا پر معترض ہونے کا اختیار ہے اس نے اپنی مہربانی سے اُمیین میں ایسا جلیل القدر، رفیع الشان رسول مبعوث فرمایا جس کی خیرات و برکات کا یہاں ذکرِ خیر ہو رہا ہے۔ جو آیاتِ ربانی پڑھ کر سناتا ہے۔ یہ وہ مینار ہے جس سے تا ابد رُشد و ہدایت کی شعاعیں نکلتی رہیں گی۔ اس کا فیضانِ نگاہ اس کے زمانے تک محدود نہیں بلکہ فیضان کا یہ چشمہ قیامت تک جاری رہے گا۔ جو خوش نصیب اس کی بارگاہ میں دامنِ طلب پھیلائے گا، بامراد واپس آئے گا۔

مُشرکینِ عرب کے علاوہ یہودی بھی اسلام کی عداوت میں پیش پیش تھے۔ وہ ہر وقت اسی اُدھیڑبن میں مصروف رہتے کہ اسلام کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ کی چٹانیں کھڑی کر دیں۔ بلکہ ان کا بس چلے تو باعثِ ایجادِ عالم محبوبِ رب العٰلمین

صلی اللہ علیہ وسلم کی شمعِ حیات کو ہی گل کر دیں۔ ان کے بارے میں بتا دیا کہ ان کا دعویٰ تو یہ ہے کہ وہ موسیٰ کلیم اللہ کی اُمت ہیں۔ اُن کے پاس تورات جیسا آسمانی صحیفہ موجود ہے لیکن صد حیف اُنہیں اس سے استفادہ کی توفیق کبھی نصیب نہیں ہوئی۔ وہ اس کی آیتیں بیچ کر متاعِ دُنیا جمع کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ ان کی مثال اُس گدھے کی ہے جس پر قیمتی علمی کتابوں کا بوجھ لدا ہوا ہو لیکن اُسے یہ خبر نہ ہو کہ اس میں علم و حکمت کے کتنے قیمتی موتی موجود ہیں۔

ایک اور غلط فہمی بھی ان کی بدنصیبی کا باعث تھی۔ وہ اپنے آپ کو اللہ کا لاڈلا خیال کرتے تھے۔ کسی غیر اسرائیلی کا اتباع ان کے نزدیک ان کی توہین اور ہتک کا باعث تھا۔ بتا دیا کہ تمہارا یہ گمان سراسر غلط ہے۔ دل کی گہرائیوں میں تم بھی اسے غلط سمجھتے ہو ورنہ تم موت سے نہ ڈرتے۔ تمہارے خیال کے مطابق تو چاہیے تھا کہ تم موت کے خواہاں ہوتے تاکہ اللہ تعالیٰ اپنے لاڈلوں کو اپنی نعمتوں سے سرفراز کرتا۔ تمہاری بزدلی کا تو یہ عالم ہے کہ خیبر جیسے مستحکم قلعے اور جنگی ہتھیاروں کے انبار بھی تمہیں مردِ میدان بننے کی عزت نہ بخش سکے۔

دوسرے رکوع کے مدنی ہونے میں تو کسی کو کلام نہیں لیکن بعض علماء کی یہ تحقیق ہے کہ اس کا نزول ہجرت کے فوراً بعد ہوا جب کہ مسلمانوں کو اجتماعی عبادتوں کی تربیت دینے کی ضرورت تھی۔ یہاں مسلمانوں کو نمازِ جمعہ کے آداب سکھائے جا رہے ہیں اور تاکید کی جا رہی ہے کہ جب اللہ کا حبیب خطبہ ارشاد فرما رہا ہو تو کسی دُنیوی مقصد کے حصول کی خاطر وہاں سے اٹھ کر چلے نہ جایا کرو۔ البتہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد کسبِ معاش کے لیے اللہ کی زمین میں پھیل جاؤ اور ہر حالت میں کثرت سے اپنے اللہ کریم کا ذکر کیا کرو۔

سُوْرَةُ الْجُمُعَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اِحْدٰى عَشْرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ الجمعہ مدنی ہے اور اس کی ۱۱ آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ

اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں میں ہے اور ہر وہ چیز جو زمین میں ہے، جو بادشاہ ہے، نہایت مقدس ہے،

الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝۱ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ

زبردست ہے حکمت والا ہے [۱] وہی (اللہ) جس نے مبعوث فرمایا امیوں میں ایک رسول انہیں میں سے

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَ

جو پڑھ کر سناتا ہے انہیں اس کی آیتیں اور پاک کرتا ہے ان (کے دلوں) کو اور سکھاتا ہے انہیں کتاب اور حکمت۔

[۱] اس سے پہلی سورت میں سَبَّحَ ماضی کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ یہاں یُسَبِّحُ مضارع کا صیغہ ذکر ہوا جو حال و مستقبل دونوں زمانوں پر دلالت کرتا ہے تاکہ پتہ چل جائے کہ اس کی تسبیح زمانی حدود کی پابند نہیں۔ ازل سے کائنات کی ہر چیز اس کی تسبیح کر رہی ہے اور ابد تک ایسا ہی ہوتا رہے گا۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ اپنی استعداد، اپنی مخصوص زندگی اور شعور کے مطابق اسی کی تسبیح بیان کرنے میں منہمک ہے۔

اس کے بعد چند اسمائے حسنیٰ ذکر کر دیئے گئے تاکہ اس ہمہ گیر تسبیح کی وجہ بتا دی جائے۔ وہ کائنات کا حقیقی بادشاہ اور فرمانروا ہے۔ جہانِ ہست و بود اور اس سے ماوراء اسی کی سلطانی کا ڈنکا بج رہا ہے۔ وہ قدوس ہے۔ ہر نقص سے پاک، بالکل پاک۔ نہ وہاں عجز کا شائبہ ہے نہ وہاں ظلم و تعدی کا احتمال ہے۔ وہ عزیز ہے۔ اس کا فیصلہ اٹل ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ اسے ٹال سکے یا مسترد کر سکے۔ وہ ان جملہ صفاتِ کمال سے متصف ہونے کے باوجود حکیم ہے۔ اس کے سارے کام عین حکمت، عین صواب ہیں۔

اس آیت کے بعد محبوبِ رب العالمین رحمت للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بعثتِ مبارکہ کا ذکر آ رہا ہے۔ اس لیے اپنی صفاتِ جمال و جلال کو پہلے بیان کر دیا تاکہ کوئی کم فہم اس رسول کی شانِ رحمۃ للعالمینی کی وسعتوں کا انکار نہ کر سکے۔ کیونکہ اس کو بھیجنے والا وہ خداوند جل وعلا ہے جس کی صفات کا یہ عالم ہے۔

إِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَٰلٍ مُّبِينٍ ﴿۲﴾ وَّاٰخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا

اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے ؏ اور دوسرے لوگوں کا بھی ان میں سے تزکیہ کرتا ہے تعلیم دیتا ہے جو

؏ اسی خداوند عالم نے جو ان صفات جمیلہ وجلیلہ سے متصف ہے ان اُمیوں میں سے ایک گرامی منزلت رسول مبعوث فرمایا۔ رسولاً منہم کی تشریح کرتے ہوئے علمائے تفسیر نے لکھا ہے۔ امی من جملتھم اُمیا مثلھم (مظہری۔ روح المعانی وغیرہ) یعنی حضورؐ انہی میں سے تھے اور ان کی طرح اُمی تھے۔

لفظ اُمی کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ ابن منظور لکھتے ہیں۔ والامی الذی لا یکتب قال الزجاج الامی الذی علی خِلْقَةِ الْاُمَّةِ لم یتعلم الکتاب فھو علی جبلتہ وقیل للعرب الامیون لان الکتابۃ کانت فیھم عزیزۃ او عدیمۃ۔ یعنی اُمی وہ ہے جو لکھ نہ سکے۔ زجاج کہتے ہیں کہ امی اس کو کہتے ہیں جو اپنی پیدائش کے وقت کی حالت پر رہے۔ جس نے لکھنا نہ سیکھا ہو۔ اہل عرب کو بھی اُمیین کہا جاتا کیونکہ ان میں لکھنا نادر بلکہ معدوم تھا۔

علامہ سید محمود آلوسی تحریر فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو امی مبعوث کرنے میں اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کی طرف اشارہ ہے کہ جب وہ کسی کے سینے کو علوم ومعارف سے لبریز کرتا ہے تو اسے تحصیل علم کے مروجہ طریقوں کی ضرورت نہیں رہتی اشارۃ الی عظیم قدرتہ عزوجل وان افاضۃ العلوم لا تتوقف علی الاسباب العادیۃ۔ اسی کے ضمن میں وہ لکھتے ہیں۔ اُمی ولی بھی ہو سکتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ذکر اور یاد کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور اس کی روح ہر قسم کی آلائشوں سے پاک ہو جاتی ہے تو اس کے دل پر انوار الٰہیہ کا القا کیا جاتا ہے اور انہی انوار سے وہ علوم ربانیہ اور معارف لدنیہ کا ادراک کر سکتا ہے۔ ومن انقطع الی اللہ عزوجل وخلصت روحہ افیض الی قلبہ انوار الھیۃ تھیأت بھا بادراک العلوم الربانیۃ والمعارف اللدنیۃ۔

علامہ اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب لکھا ہے۔ لم یحتج الیہ من کان القلم الاعلی یخدمہ واللوح المحفوظ مصحفہ ومنظرہ۔ وعدم کتابۃ مع علمہ بھا معجزۃ باھرۃ علیہ السلام۔

یعنی قلم اعلیٰ جس کا خادم ہو اور لوح محفوظ جس کی نگاہوں میں ہو اس کو نوشت وخواند کی کیا ضرورت۔ اور جاننے کے باوجود نہ لکھنا یہ بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا روشن معجزہ ہے۔ کسی عارف نے لکھا ہے۔

فیض ام الکتاب پرورشش لقب اُمی ازاں خدا کردش

لوح تعلیم ناگرفتہ بہ بر ہمہ ز اسرار لوح دادہ خبر

بر خطاوست انس وجاں راسر گر نخواندست خط ازاں چہ خطر

ترجمہ: ام الکتاب (قرآن شریف) کے فیض نے کیونکہ آپ کی پرورش کی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کا لقب اُمی رکھا ہے۔ اگرچہ آپ نے علم سیکھنے کی تختی اپنی بغل میں نہیں پکڑی لیکن لوح محفوظ کے تمام رازوں سے خبر دی ہے۔

انس وجن نے حضورؐ کے خط پر اپنے سر رکھ دیے ہیں۔ اگر ظاہری خط نہ پڑھے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو امی مبعوث کرنے میں یہ بھی حکمت ہے کہ کوئی شخص حضور پر یہ الزام نہ لگا سکے کہ جو حکیمانہ کلمات اور پاکیزہ تعلیمات آپ سکھاتے ہیں وہ حکماء کی کتابوں کے طویل اور عمیق مطالعہ کا نتیجہ ہے۔

جب اہل نظر یہ دیکھیں گے کہ اس ہستی نے کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذ تہ نہیں کیا، کبھی نہ کچھ لکھا اور نہ کچھ پڑھا پھر جو حکیمانہ کلام آپ سناتے ہیں یہ آپ کا کلام نہیں بلکہ رب العالمین کا کلام ہے۔

حضور کی رسالت کے فرائض کو اس آیت میں بڑی وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ آپ کا پہلا فریضہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیاتِ طیبات کو اپنی پاکیزہ زبان سے تلاوت فرمائیں تاکہ وہ دلوں میں اُترتی چلی جائیں۔ صرف ان آیات کی تلاوت پر بس نہ کریں بلکہ اس کتاب کی انہیں تعلیم بھی دیں۔ اس کی حکمتوں اور اس کے اسرار و معارف سے آگاہ بھی کریں۔ صرف تلاوتِ آیات اور تعلیم کتاب و حکمت سے ہی فریضۂ رسالت ادا نہیں ہو جاتا، بلکہ اپنی نگاہِ رحمت سے دلوں کو ہر طرح کی آلائشوں سے پاک اور مطہر کر دیں۔ رسالتِ محمدیہ علی صاحبہا اجمل الصلوٰۃ واطیب السلام کی شان کا پتہ اسی وقت چلتا ہے جب انسان اس معاشرہ پر نظر ڈالتا ہے جو حضور کے قدومِ میمنت لزوم سے مشرف ہوا۔ وہ لوگ پہلے کن گمراہیوں میں بھٹک رہے تھے۔ لیکن حضور کے فیضِ نظر سے ریگزارِ عرب کے حقیر ذرّے آفتاب و مہتاب بن کر چمکنے لگے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں۔ ؎

اُمّے بود کہ ما از اثرِ حکمتِ او ‏ ‏ واقف از سرِّ نہاں خانۂ تقدیر شدیم

علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ یتلوا علیھم سے اس استفاضے کی طرف اشارہ کیا گیا جو زبانِ قال سے صحابہ کو نصیب ہوا اور یزکیھم سے اس قلبی فیضان کی طرف اشارہ فرما دیا جو نبوت کی نگاہِ فیض اثر اور توجہ باطنی سے انہیں میسر آتا تھا۔ اولیائے کرام اپنے مریدین پر اسی سنتِ نبوی کے مطابق انوار کا القا کرتے ہیں یہاں تک کہ ان کے دل اور ان کے نفوس پاک اور طاہر بن جاتے ہیں۔

علامہ مذکور فیضانِ نگاہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ومع هٰذا لا انكر بركة كل من الامرين التوجه والرابطة وقد شاهدت ذٰلك من فضل الله عز وجل۔ مرشدِ کامل کی توجہ اور تعلقِ خاطر کی برکت کا میں انکار نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے میں نے خود مشاہدہ کیا ہے۔ (روح المعانی)

بعض یہود نے اس آیت سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صرف اُمّیین یعنی اہلِ عرب کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔ لیکن یہ استدلال سراسر باطل ہے۔ اگر قرآن کریم میں الی الامیین ہوتا تو ان کے قول میں کچھ وزن ہوتا یہاں تو فی الامیین کے الفاظ ہیں اور اس میں کیا شک ہے کہ حضور کی بعثت امیین میں ہوئی۔ لیکن آپ کی بعثت ان امیین تک محدود نہ تھی جس طرح قرآن کریم میں متعدد مقامات پر تصریح کر دی گئی ہے۔ کافة للناس بشيرا ونذيرا۔ وما ارسلنٰك الا رحمة للعٰلمين۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں المذكور في الآية قومه صلى الله تعالى عليه وسلم وجنس الذين بعث فيهم واما المبعوث اليهم لم يتعرض له فيها نفيا او اثباتا وقد تعرض لاثباته في آيات أخر۔ (روح المعانی)

نیز اس آیت کے متصل جو آیت ہے اس نے اس ضعیف احتمال کی بھی بیخ کنی کر دی ہے۔

يَلْحَقُوا بِهِمْ ۖ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٣﴾ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ

ابھی ان سے آکر نہیں ملے ۳ اور وہی سب پر غالب، حکمت والا ہے ۴ یہ اللہ کا فضل ہے عطا فرماتا ہے اسے

مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿٤﴾ مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا

جسے چاہتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے ۵ ان کی مثال جنہیں تورات کا

التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا ۚ بِئْسَ

حامل بنایا گیا تھا پھر انہوں نے اس کا بار نہ اٹھایا اس گدھے کی سی ہے جس نے بھاری کتابیں اٹھا رکھی ہوں ۶ اس سے بھی زیادہ بری

۳ پہلے ذرا اس کے اعراب ملاحظہ فرمالیجیے۔ اگر اس کا معطوف علیہ امیین بنایا جائے تو اس صورت میں یہ فی کا مجرور ہوگا اور اگر اس کا معطوف علیہ یعلمھم میں ضمیر مفعول ہو تو اس صورت میں منصوب ہوگا۔ یعنی یعلمھم ویعلم الاخرین الکتاب والحکمۃ یعنی حضور ان امیین کو بھی کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں اور ان کے دلوں کو پاک کرتے ہیں نیز جو لوگ قیامت تک حضور کے دین حنیف کو قبول کریں گے وہ بھی فیض نبوت سے فیض یاب ہوتے رہیں گے عوام بالواسطہ اور خواص بالواسطہ بھی اور براہ راست اور بلاواسطہ بھی۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں۔ اشارۃ الی عدم انقطاع فیضہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن امتہ الی یوم القیامۃ وقد قالوا بعدم انقطاع فیض الولی ایضاً بعد انتقالہ من دار الکثافۃ والفناء الی دار التجرد والبقاء۔ یعنی اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فیض اپنی امت سے تاقیامت منقطع نہیں ہوگا اور صوفیائے کرام کہتے ہیں کہ ولی کا فیض بھی دار فنا سے دار بقا کی طرف انتقال کرنے کے بعد بھی منقطع نہیں ہوتا۔

۴ آخر میں پھر بتا دیا کہ جس رب کریم نے ذات مصطفوی کو قیامت تک آنے والوں کے لیے منبع فیض اور مصدر رشد وہدایت بنایا ہے جس نے اپنے محبوب کی ردائے رحمت کو اتنا وسیع کیا ہے کہ عالمین اس کے زیر سایہ ہیں۔ وہ العزیز اور الحکیم ہے۔ ہے کوئی جو اس العزیز کے سامنے دم مار سکے؟ ہے کوئی جو اس الحکیم کے فیصلہ میں عیب نکال سکے۔

۵ اس مقام پر اس آیت کا نازل ہونا اپنے اندر معانی واسرار کا ایک جہان سمیٹے ہوئے ہے۔ سچ تو یہ ہے صاحب فضل عظیم پروردگار کے جود وکرم اور فضل وعطا کی بیکرانیوں کا اندازہ کچھ وہی خوش نصیب لگا سکتے ہیں جنہیں مقام محمدی کا عرفان بخشا گیا ہے۔ اللّٰھم صل علی حبیبک ومحبوبک حامل لواء الحمد صاحب المقام المحمود وعلی آلہ واصحابہ اجمعین اللّٰھم ارزقنا حبہٗ و اتباعہ واحشرنا فی زمرتہ یا ارحم الراحمین یاذا الجلال والاکرام۔

۶ اس آیت میں ان یہودیوں کا ذکر کیا جا رہا ہے جنہیں تورات جیسی عظیم کتاب کا حامل بنایا گیا تھا۔ وہ ان کثیر التعداد پیشگوئیوں سے آگاہ تھے جن میں رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا ذکر تھا اور حضور پر ایمان لانے کی بار بار تاکید کی گئی تھی۔ اس کے باوجود وہ حضور پر ایمان لانے کے لیے آمادہ نہ تھے۔ انہیں اصرار تھا کہ وہ کسی ایسے نبی کو ماننے کے لیے تیار نہیں جو اسرائیلی نہ ہو خواہ وہ خدا کا فرستادہ ہو۔

مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

حالت ہے ان لوگوں کی جنہوں نے جھٹلایا اللہ کی آیتوں کو۔ اور اللہ تعالیٰ (ایسے) ظالموں کی

الظّٰلِمِيْنَ ۝ قُلْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْۤا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ

رہنمائی نہیں کرتا۔ شہ آپ فرمائیے اے یہودیو! اگر تم دعویٰ کرتے ہو کہ صرف تم ہی اللہ کے دوست

لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

ہو اور لوگ (دوست) نہیں ہیں تو ذرا مرنے کی آرزو تو کرو اگر تم سچے ہو۔

وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗۤ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ

اور (اے حبیب!) وہ اس کی تمنا کبھی نہ کریں گے بوجہ ان اعمال کے جو وہ اپنے ہاتھوں پہلے بھیج چکے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ خوب

بِالظّٰلِمِيْنَ ۝ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ

جانتا ہے ظالموں کو شہ آپ (انہیں) فرمائیے یقیناً وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو وہ ضرور تمہیں مل کر رہے گی

فرمایا یہ لوگ گدھے کی مانند ہیں جس پر بڑی بڑی کتابیں لادی ہوں لیکن وہ اس سے کوئی فائدہ حاصل نہ کر رہا ہو۔ حملوا التوراۃ ای کلفوا العمل بما فیھا عن ابن عباس رضی اللہ عنہ۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ تورات پر عمل کرنے کا انہیں حکم دیا گیا تھا۔ قال الجرجانی وھو من الحمالۃ ای الکفالۃ۔ جرجانی کہتے ہیں حملوا حمالۃ سے ماخوذ ہے جس کا معنی کفالۃ یعنی ذمہ داری ہے۔ یعنی ان پر عمل کرنے کی ذمہ داری ڈالی گئی تھی۔ لم یحملوھا ای لم یعملوا بھا۔ یعنی انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا تھا۔ الاسفار۔ اس کا واحد سِفْرٌ ہے۔ وھو الکتاب الکبیر یعنی ضخیم کتاب کو سِفر کہتے ہیں۔

شہ یعنی جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں کی تکذیب کی وہ گدھوں سے بھی بدتر ہیں کیونکہ گدھے علم اور سمجھ سے بے بہرہ ہیں اور یہ لوگ علم و فہم رکھتے ہوئے بھی آیاتِ ربانی کو جھٹلاتے ہیں۔ وھو انھم کذبوا علی اللہ تعالیٰ کان فی غایۃ الشر والفساد۔ (رازی)

شہ یہود بڑے طمطراق سے یہ دعویٰ کیا کرتے تھے کہ نحن ابناء اللہ واحباؤہ ہم خدا کے بیٹے اور لاڈلے ہیں۔ نیز کہتے لن یدخل الجنۃ الا من کان ھودا یعنی جنت میں صرف وہی داخل ہو سکے گا جو یہودی ہے۔ اس زعمِ باطل کی قلعی کھولی جا رہی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ والذی نفس محمد بیدہ لو تمنوا الموت مابقی علی ظہرھا یھودی الا مات۔ اس ذات کی قسم

ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ

پھر لوٹا دیا جائے گا تمہیں اس کی طرف جو جاننے والا ہے ہر چھپے اور ظاہر کو۔ پس وہ آگاہ کرے گا تمہیں ان (اعمال) سے جو تم

تَعْمَلُوْنَ ۝۸ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ

کیا کرتے تھے ۹ اے ایمان والو! جب (تمہیں) بلایا جائے نماز کی طرف جمعہ

الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَيْعَ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ

کے دن تو دوڑ کر جاؤ اللہ کے ذکر کی طرف ۱۰ اور (فوراً) چھوڑ دو خرید و فروخت ۱۱ یہ تمہارے لیے بہتر ہے

جس کی قدرت میں میری جان ہے اگر وہ موت کی تمنا کرتے تو ان میں سے ایک بھی زندہ نہ رہتا۔

اس آیت میں حضور کا معجزہ بھی ہے۔ خبر دے دی کہ وہ موت کی تمنا کبھی نہ کریں گے اور واقعی وہ مرنے کی تمنا کبھی نہ کر سکے۔

۹ ان کا مرنا موت کی تمنا پر موقوف نہیں۔ وہ ہزار اس سے بھاگیں، وہ لاکھ اس سے بچنے کی کوشش کریں انہیں ضرور بالضرور ایک روز موت کا پیالہ پینا ہی پڑے گا۔

۱۰ اس رکوع میں نماز جمعہ کے احکام اور آداب کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ یہاں مخاطب صرف فرزندانِ اسلام ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اے ایمان والو! جب تم نمازِ جمعہ کی اذان سنو تو جلدی سے اللہ کے ذکر کی طرف پہنچنے کی کوشش کرو اور اسی وقت خرید و فروخت بند کر دو۔ نُوْدِيَ سے مراد جمعہ کی اذان ہے اور احناف کے نزدیک یہ پہلی اذان ہے جو خطبہ سے کچھ دیر پہلے دی جاتی ہے۔ اسعوا کا معنی دوڑنا یا بھاگنا نہیں ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھاگ کر نماز میں شرکت کرنے سے منع فرمایا ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا ثوب بالصلوۃ فلا تأتوھا وانتم تسعون ولکن ائتوھا وعلیکم السکینۃ والوقار وما ادرکتم فصلوا وما فاتکم فاتموا یعنی سرکارِ دو عالم نے ارشاد فرمایا نماز کی اقامت سنو تو بھاگ کر نہ آؤ بلکہ بڑے سکون اور وقار کے ساتھ نماز کی طرف آؤ۔ جو رکعتیں مل جائیں وہ امام کے ساتھ پڑھو اور جو فوت ہو جائیں انہیں سلام کے بعد پورا کرو۔

اس لیے علماء نے سعی کا معنی یہ کیا ہے اخلاص النیۃ والعمل یعنی ارادہ کر لو اور وہاں جانے کی تیاری شروع کر دو۔

۱۱ صرف خرید و فروخت کو ختم کرنے یا بند کرنے کا حکم نہیں بلکہ تمام وہ مشاغل جو جمعہ کی حاضری میں رکاوٹ بن سکیں تمام کو ترک کرنا ضروری ہے اور خرید و فروخت کا خصوصی ذکر اس لیے ہوا کہ جمعہ کے روز لوگ باہر سے آتے اور بیچنے کے لیے اپنا سامان بھی لاتے اور شہر سے اپنی ضروریات خرید کر بھی لے جاتے ملحقہ بستیوں کے لوگوں کے آنے کی وجہ سے جمعہ کے دن بڑی چہل پہل ہو جاتی اور خرید و فروخت کا بازار خوب گرم ہو جاتا اس لیے خصوصیت سے وذروا البیع کا حکم فرمایا گیا۔

اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٩﴾ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِی

اگر تم (حقیقت کو) جانتے ہو ۱۲ پھر جب پوری ہو چکے نماز تو پھیل جاؤ

۱۲ یعنی خرید و فروخت اور جملہ مشاغل کو پس پشت ڈال کر مکمل تیاری سے نمازِ جمعہ میں حاضری تمہارے لیے تمام چیزوں سے زیادہ سود مند اور نفع بخش ہے۔

جمعہ کی وجہ تسمیہ اس کی ابتدا اور جمعہ کے بارے میں چند ضروری مسائل بالاختصار ذکر کر دیے جاتے ہیں :

زمانہ جاہلیت میں اس دن کو عروبہ کہا جاتا تھا۔ بعض روایات میں یہ ہے کہ حضور کے جدِ امجد کعب ابن لوی اس روز قریش کو اکٹھا کر کے خطبہ دیا کرتے تھے اور انہیں حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کی خوشخبری سناتے اور انہیں تاکید کرتے کہ حضور پر ایمان لائیں اور حضور کی نصرت میں غفلت سے کام نہ لیں۔ ان کا ایک شعر بڑا مشہور ہے۔

یالیتنی شاھدا نجوی دعوتہ اذا قریش تبغ الحق خذلان

کاش میں حضور کی دعوت کے وقت حاضر ہوتا جب قریش حق کو ناکام بنانے کی کوشش کر رہے ہوتے۔ حضرت کعب نے ہی اس دن کا نام یوم الجمعہ رکھا لیکن اس نام کو شہرت نہ ہوئی۔ اہل عرب اسے یوم العروبہ ہی کہتے رہے۔ کعب ابن لوی اور حضور کی بعثت کے درمیان پانچ سو ساٹھ سال کا فاصلہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تشریف آوری سے پہلے حضرت مصعب ابن عمیر کو تبلیغ کیلئے یثرب روانہ کیا تھا۔ ان کی مساعی جمیلہ سے یثرب کے کافی لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ ان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ ہفتہ میں یہودی ایک دن (یوم سبت) مل کر عبادت کرتے ہیں۔ اسی طرح نصاریٰ اتوار کو اجتماع کرتے ہیں۔ ہمیں بھی چاہیے کہ ہفتہ میں کوئی دن مقرر کریں۔ اس دن سب چھوٹے بڑے اکٹھے ہو کر اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی عبادت کریں اور اس کا شکر ادا کریں۔ انہوں نے اپنے اس اجتماع کے لیے عروبہ کا دن منتخب کیا، چنانچہ اس روز یثرب کے سارے مسلمان اکٹھے ہوئے اور حضرت اسعد ابن زرارہ نے خطبہ دیا اور نماز پڑھائی۔ یہ پہلا جمعہ تھا جو ادا کیا گیا۔ حضرت کعب ابن مالک جب جمعہ کی اذان سنتے تو دعا مانگتے کہ اے اللہ سب پر اپنی رحمتیں نازل فرما۔ چنانچہ ان مسلمانوں کی ایمانی بصیرت نے دو چیزوں کی طرف ان کی رہنمائی کی۔ ایک یہ کہ انہیں ہفتہ میں ایک روز عبادت، ذکر اور شکر کے لیے مخصوص کرنا چاہیے۔ دوسری یہ کہ وہ دن ہفتہ اور اتوار نہیں ہونا چاہیے بلکہ ان کے علاوہ کوئی اور دن مقرر کرنا چاہیے۔ تاکہ ہماری ملی انفرادیت برقرار و نمایاں ہو۔ یہ فیصلہ انہوں نے از روئے اجتہاد کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس اجتہاد پر مہر تصدیق ثبت کر دی اور اس وقت سے اس دن کا نام عروبہ سے یوم الجمعہ ہو گیا اور اسی نام کو پھر قبولیت عام اور شہرت دوام حاصل ہو گئی۔ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے تشریف لائے تو چند روز یثرب کی نواحی بستی قبا میں قیام فرمایا اور مسجد قبا کی بنیاد رکھی۔ سوموار، منگل، بدھ، جمعرات قبا میں ہی ٹھہرے اور جمعہ کے روز وہاں سے یثرب کی طرف روانہ ہوئے تاکہ اسے مدینہ طیبہ بننے کا شرف عطا فرمائیں۔ بنی سالم بن عوف کی وادی میں پہنچے تو نماز جمعہ کا وقت ہو گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وہیں توقف فرمایا، خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا اور نماز جمعہ پڑھائی۔ یہ پہلا جمعہ ہے جو حضور رحمتِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ادا کیا۔

چند مسائل

جمعہ فرض عین ہے۔ اس کی فرضیت کتاب وسنت اور اجماع امت سے ثابت ہے اور اس کا انکار کفر ہے۔ قرآن کریم کی یہ آیت جمعہ کی فرضیت کی محکم دلیل ہے۔ ارشاد ہے کہ جب نماز جمعہ کی اذان سنو تو سب کاروبار فوراً چھوڑ دو اور تیزی سے اس کو ادا کرنے کے لیے روانہ ہو جاؤ۔

سعی کا حکم اور خرید و فروخت چھوڑ دینے کا امر اس کی فرضیت پر واضح دلالت کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ بکثرت احادیث موجود ہیں جن سے اس کی فرضیت کا پتہ چلتا ہے۔ عن ابی عمر وابی هريرة قالا سمعنا رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول على اعواد المنبر لينتهين اقوام على ودعهم الجمعات اوليختمن الله على قلوبهم ثم ليكونن من الغافلين۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابی عمر اور حضرت ابی ہریرہ کہتے ہیں ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر بیٹھے ہوئے یہ فرماتے سنا جو لوگ جمعہ ترک کرتے ہیں وہ اس سے ضرور باز آجائیں ورنہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا اور وہ غافل ہو جائیں گے۔

عن ابی جعد الضمری عن النبی صلى الله عليه وسلم قال من ترك ثلاث جمع تهاونا بها طبع الله على قلبه۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے نماز جمعہ کو معمولی اور حقیر سمجھتے ہوئے تین جمعے ترک کیے اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دے گا۔

عن جابر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فعليه الجمعة الا مريض اومسافر اوامرأة اوصبي اومملوك فمن استغنى بلهو او تجارة استغنى الله عنه۔ والله غني حميد۔ (الدارقطنی)

حضرت جابر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے اس پر جمعہ فرض ہے سوائے مریض، مسافر، عورت، نابالغ اور غلام کے۔ جو شخص کسی لہو و لعب یا تجارت کے باعث اس سے بے پروائی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بے پروائی کرے گا اور اللہ تعالیٰ غنی اور حمید ہے۔

اس کے علاوہ اور بہت سی احادیث ہیں۔

علامہ پانی پتی یہ احادیث ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں فاجمع العلماء انه فرض على الاعيان وغلط من قال انها فرض كفاية (مظہری) ان تمام علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ ہر شخص پر جمعہ فرض ہے اور جس نے اس کو فرض کفایہ کہا ہے وہ بالکل غلط ہے۔

مسئلہ: جن لوگوں پر جمعہ فرض نہیں ہے یہ اگر ادا کریں گے تو ہو جائے گا۔ نابینا شخص جس کو پکڑ کر مسجد تک لے جانے والا کوئی نہ ہو اس کا شمار بھی بیماروں میں ہے۔ اس پر جمعہ فرض نہیں۔

مسئلہ: اس پر سب کا اتفاق ہے کہ صحرا میں جمعہ جائز نہیں اور جمعہ کے لیے جماعت شرط ہے۔ اس کے بعد اب اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ جمعہ کس مقام پر فرض ہے اور جمعہ کی جماعت میں کتنے لوگوں کی شرکت ضروری ہے۔ امام شافعی، امام احمد اور اسحاق کا قول یہ ہے کہ ایسا قریہ جہاں چالیس آزاد عاقل بالغ مرد مستقل طور پر اقامت گزیں ہوں وہاں جمعہ کی اقامت واجب ہے

اور ان کے نزدیک جماعت میں ایسے ہی چالیس آدمیوں کا ہونا ضروری ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ وہ قریہ جس میں مکانات متصل ہوں وہاں مسجد بھی ہو اور بازار بھی، وہاں جمعہ واجب ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مصر جامع کے بغیر جمعہ صحیح نہیں اور مصر جامع کی یہ تعریف کی گئی ہے المصر ھو کل بلد فیھا سکک واسواق ولھا رساتیق ووالی ینصف المظلوم من الظالم او عالم یرجع الیہ فی الحوادث وقیل مالا یسع اکبر مساجدہ اھلہ مصر۔ یعنی مصر اس شہر کو کہتے ہیں جس میں گلی کوچے ہوں بازار ہوں، اس کے ساتھ چھوٹی چھوٹی آبادیاں ہوں۔ وہاں ایک والی ہو جو ظالم سے مظلوم کی دادرسی کرے یا وہاں ایسا عالم ہو جو ضرورت کے وقت اس کی طرف رجوع کیا جاسکے۔ بعضوں نے مصر کی یہ تعریف کی ہے کہ وہاں کی ساری آبادی وہاں کی مسجد میں نہ سما سکے۔

<u>مسئلہ</u>: مصر کے کسی حصہ میں جمعہ ادا کیا جاسکتا ہے اور وہ کھلا میدان جو اس شہر سے ملحق ہو وہاں بھی جمعہ جائز ہے۔ امام صاحب اس کی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد میں صرف مسجد نبوی میں جمعہ ادا ہوتا تھا۔ اردگرد جو آبادیاں تھیں وہاں کے لوگ مدینہ آکر پڑھتے تھے۔ اگر دیہات میں جمعہ جائز ہوتا تو اہل قبا وہیں جمعہ ادا کرتے۔ مسجد نبوی کے علاوہ سب سے پہلے جہاں جمعہ قائم کیا گیا اس کے متعلق امام بخاری لکھتے ہیں۔ بجواث قریۃ بالبحرین کہ پہلا جمعہ جواثی میں پڑھا گیا جو بحرین میں ایک قریہ ہے۔ اس سے ہر گاؤں میں جمعہ کے جواز پر استدلال نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ قریہ کا استعمال مصر پر بھی ہوتا رہتا ہے۔ لولا نزل ھذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم یہاں مکہ اور طائف کو قریہ کہا گیا ہے، حالانکہ طائف کے مصر ہونے میں کوئی اختلاف نہیں نیز جواثی کوئی ایسا دیہات نہ تھا جس پر مصر کی تعریف نہ صادق آتی ہو۔ علامہ جوہری نے الصحاح میں لکھا ہے ان جواث حصن بالبحرین کہ بحرین میں ایک قلعہ ہے جس کا نام جواثی ہے۔ اور جہاں قلعہ ہوتا ہے وہاں حاکم بھی ہوتا ہے اور عالم بھی۔ وفی المبسوط انھا مدینۃ بالبحرین۔

امام یوسف، امام محمد، اوزاعی کے نزدیک امام سمیت تین آدمیوں کا جماعت میں شریک ہونا ضروری ہے۔ امام صاحب کے نزدیک امام سمیت چار آدمیوں کا ہونا ضروری ہے۔

<u>مسئلہ</u>: امام صاحب کے نزدیک والی کا ہونا یا اس کا اذن جمعہ کی صحت کے لیے شرط ہے اور امام مالک، شافعی اور امام احمد کے نزدیک شرط نہیں۔

<u>مسئلہ</u>: امام صاحب کے نزدیک جمعہ کی ادائیگی کے لیے اذن شرط ہے۔

<u>مسئلہ</u>: اگر کوئی شخص کسی گاؤں میں مقیم ہے کیا اس پر واجب ہے کہ وہ شہر میں جاکر جمعہ ادا کرے؟ امام صاحب اور امام محمد صاحب کے نزدیک اس پر شہر میں آکر جمعہ ادا کرنا واجب نہیں۔ البتہ امام یوسف، امام شافعی، امام احمد اور اسحاق کا فتویٰ یہ ہے کہ اگر اس گاؤں تک شہر کے مؤذن کی آواز پہنچتی ہے تو اس پر جمعہ فرض ہے ورنہ نہیں۔ امام مالک کا بھی یہی قول ہے۔

<u>مسئلہ</u>: امام شمس الائمہ سرخسی کہتے ہیں کہ حضرت امام صاحب کے مذہب کے مطابق ایک شہر میں متعدد مقامات پر نماز جمعہ ادا کی جاسکتی ہے۔ ابن ہمام کہتے ہیں وبہ نأخذ ہمارا اسی پر عمل ہے، لیکن یہ خیال رہے کہ بلا ضرورت ہر جگہ جمعہ کی نماز ادا کرنا اس حکمت کے منافی ہے جس کے لیے جمعہ جاری کیا گیا تھا۔ قال سرخسی الصحیح من مذھب ابی حنیفۃ جواز اقامتھا فی مصر

والحدق مبحدین اواکثر وقال ابن ھمام وبہ ناخذ۔

مسئلہ: علامہ ابن ہمام کہتے ہیں کہ اگر لوگوں پر جمعہ کی شرائط کا پایا جانا مشتبہ ہو جائے تو انہیں چاہیے کہ نماز جمعہ کے بعد چار رکعت پڑھیں اور اس کی نیت یوں کریں۔ آخری فرض ظہر جس کا وقت میں نے پایا ہے اور اس کو ادا نہیں کیا اس کو ادا کر رہا ہوں۔ اگر وہاں جمعہ کی شرائط فی الواقع پائی جاتی ہوں گی تو یہ نفل ہو جائے گی اور اگر کوئی شرط مفقود ہو گی تو یہ ظہر کے قائم مقام ہو جائے گی۔ قال ابن ھمام اذا اشتبہ علی الناس وجود شرائط الجمعۃ ینبغی ان یصلی اربعا بعد الجمعۃ ینوی بھا اٰخر فرض ظہر ادرکتُ وقتہ ولم اُؤدِ بعدُ۔

مسئلہ: انعقاد جمعہ کے لیے خطبہ شرط ہے۔ خطبہ کے بغیر جمعہ نہیں ہو سکتا۔ خطبہ میں پانچ چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ حمد باری تعالیٰ درود و سلام، تقویٰ کی وصیت، قرأت قرآن اور اہل ایمان کے لیے دعا۔

خطبہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر، خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کا ذکر سب ذکر الٰہی میں داخل ہیں۔ لیکن اس میں ظالم بادشاہوں یا اُمرا کا ذکر ان کے القاب، ان کی ثنا اور ان کی مدح کا اللہ کے ذکر کے ساتھ دور کا واسطہ بھی نہیں۔ اما ذکر الظلمۃ والقابھم والثناء علیھم والمدح لھم فھو بعیدٌ من ذکر اللہ بمراحل معاذ اللہ۔

مسئلہ: اگر امام کے سلام پھیرنے سے پہلے کوئی آدمی شریک ہو جائے گا تو وہ اللہ کر دو رکعت ہی پڑھے گا۔ امام صاحب کے نزدیک اس کی نماز جمعہ ادا ہو جائے گی۔ بعض ائمہ فقہ کے نزدیک اگر نماز جمعہ کی ایک رکعت امام کے ساتھ پالے گا تو اس کی نماز جمعہ ہو گی ورنہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد ظہر کی چار رکعتیں ادا کرے گا۔

چند چیزیں نماز جمعہ کے لیے مسنون ہیں۔ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے کرنے کے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔ جمعہ کے روز غسل کرے۔ حضرت ابن عمر فرماتے ہیں قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جاء احدکم الی الجمعۃ فلیغتسل۔ (متفق علیہ) جب کوئی شخص نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے آئے تو غسل کرے۔ نئے یا دھلے ہوئے کپڑے پہننا، مسواک کرنا، خوشبو لگانا مسنون ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من اغتسل یوم الجمعۃ واستنّ ومسّ من طیب ان کان عندہ ولبس من احسن لباسہ ثم خرج حتی یاتی المسجد فلم یتخط رقاب الناس ثم رکع ماشاء اللہ ان یرکع ثم انصت اذا خرج الامام کانت کفارۃ ما بینھا وبین الجمعۃ التی قبلھا (ابوداؤد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے، مسواک کرے اگر اس کے پاس خوشبو ہو تو وہ لگائے اور اچھا لباس پہنے، پھر گھر سے نکل کر مسجد کی طرف آئے۔ پھر لوگوں کی گردنوں کو پھاندتا ہوا آگے نہ جائے اور پھر اللہ کی توفیق سے نفل پڑھتا ہے اور جب امام خطبہ دینے کے لیے آئے تو خاموشی سے بیٹھ جائے تو اس کا یہ عمل کفارہ بن جائے گا ان کوتاہیوں اور غلطیوں کا جو گزشتہ جمعہ سے اس جمعہ تک اس سے سرزد ہوئی ہیں۔

جمعہ کے دن کی فضیلت کے بارے میں متعدد احادیث مذکور ہیں۔ ان میں سے چند آپ بھی سماعت فرمائیے۔ عن اوس بن اوس قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان من افضل ایامکم یوم الجمعۃ فیہ خلق آدم وفیہ قبض وفیہ النفخۃ وفیہ الصاعقۃ فاکثروا علیّ من الصلوٰۃ فان صلوٰتکم معروضۃ علیّ قالوا یا رسول اللہ کیف تعرض صلوٰتنا علیک وقد

الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا

زمین میں اور تلاش کرو اللہ کے فضل سے ۱۳ اور کثرت سے اللہ کی یاد کرتے رہا کرو ۱۴

ارمت قال ان اللہ تعالیٰ حرم علی الارض اجساد الانبیاء۔ (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

اوس بن اوس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے دنوں میں سب سے افضل جمعہ کا دن ہے۔ اسی دن آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اسی دن وفات پائی۔ اسی دن صور پھونکا جائے گا مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ وصال کے بعد حضور پر کیسے پیش کیا جائے گا جبکہ آپ خاک میں مل چکے ہوں گے۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھائے۔

اس ارشاد سے حضور نے صحابہ کی اس غلطی کی اصلاح کر دی۔ ایک دوسری حدیث سماعت فرمائیے۔ عن ابی درداء قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثروا الصلوٰۃ علی یوم الجمعۃ فانہ مشہود یشہدہ الملٰئکۃ۔ وان احدا لم یصل علی الا عرضت علی صلوٰتہ حتی یفرغ منہا۔ قال قلت وبعد الموت قال ان اللہ حرم علی الارض اجساد الانبیاء فنبی اللہ حی یرزق۔ (رواہ ابن ماجہ)

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جمعہ کے دن کثرت سے مجھ پر درود پڑھا کرو کیونکہ اس دن کثرت سے ملائکہ حاضر ہوتے ہیں اور جب بھی کوئی شخص مجھ پر درود پڑھتا ہے تو اس کے فارغ ہونے سے پہلے وہ درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ میں نے عرض کیا وفات کے بعد بھی؟ حضور نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے اجساد کو حرام کر دیا ہے۔ پس اللہ کا نبی (اپنے مزار میں) زندہ ہے اسے رزق دیا جاتا ہے۔ اور حدیث شریف میں یہ بھی ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات فوت ہوتا ہے قبر کے فتنے سے اللہ پاک اسے محفوظ رکھتا ہے۔

اس کے علاوہ مزید مسائل کے لیے کتب فقہ کی طرف رجوع کریں۔

۱۳ ارشاد ہے کہ جب نماز جمعہ سے فارغ ہو جاؤ تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرو۔ یہ حکم وجوب کے لیے نہیں بلکہ اباحت کے لیے ہے کیونکہ جمعہ کی اذان کے بعد کاروبار سے منع کر دیا گیا تھا اب اس کی اجازت دی گئی ہے اور کئی سلف صالحین کا یہ معمول تھا کہ وہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد اس حکم کی تعمیل میں بازار کا چکر لگایا کرتے تھے تاکہ اس حکم کی تعمیل ہو جائے۔

۱۴ اللہ تعالیٰ کے ذکر کو صرف نماز تک محدود نہیں رکھنا چاہیے بلکہ جب بھی موقع ملے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہیے۔ آپ کوئی کام کر رہے ہوں اس وقت بھی آپ کو اللہ کے ذکر سے اپنی زبان کو تر و تازہ رکھنا چاہیے۔

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰﴾ وَإِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا

تاکہ تم فلاح پاؤ ۱۵ اور (بعض) لوگوں نے جب دیکھا کسی تجارت یا تماشا کو تو بکھر گئے اس کی طرف

وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا ۭ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ

اور آپ کو کھڑا چھوڑ دیا۔ (اے حبیب!) انہیں فرمائیے کہ جو نعمتیں اللہ کے پاس ہیں وہ کہیں بہتر ہیں لہو اور

التِّجَارَةِ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱﴾

تجارت سے۔ اور اللہ تعالیٰ بہترین رزق دینے والا ہے ۱۶

۱۵ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل اور اس کے ذکر کی کثرت سے ہی فلاح دارین نصیب ہو سکتی ہے۔

۱۶ اس آیت میں ایک واقعہ کی طرف اشارہ کر دیا جو ہجرت کے فوراً بعد پیش آیا تھا اور اس کے ذکر سے مسلمانوں کی تربیت فرما دی کہ آئندہ ان سے ایسی حرکت ہرگز سرزد نہ ہو۔

مدینہ طیبہ میں سخت قحط پڑا۔ اشیائے خوردنی نایاب اور گراں ہو گئیں۔ لوگ اس سلسلے میں بہت پریشان ہو گئے۔ اچانک جمعہ کے روز جبکہ حضور خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، دحیہ کلبی ابن خلیفہ سامان تجارت لے کر شام سے مدینہ طیبہ پہنچا۔ ابھی یہ مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنی آمد کی اطلاع اہل شہر کو دینے کے لیے ڈھول بجانے شروع کر دیے۔ جب حاضرین مسجد نے ڈھولوں کی آواز سنی اور دحیہ کی واپسی کا علم ہوا تو اس اندیشہ سے کہ اگر وہ نماز میں مشغول رہے تو سامان خورد و نوش دوسرے لوگ خرید لیں گے اس لیے وہ فوراً وہاں پہنچے اور حضور کی خدمت میں صرف بارہ آدمی رہ گئے جن میں حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی مرتضیٰ شامل تھے۔ اللہ تعالیٰ کو مسلمانوں کی یہ حرکت سخت ناپسند ہوئی اور یہ آیت نازل ہوئی۔ اس میں ان کو اس حرکت کی قباحت کی طرف متوجہ کیا گیا اور انہیں آئندہ اس سے باز رہنے کا تاکیدی حکم دیا گیا۔ انہیں یہ بتایا گیا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے پاس نعمتوں کے جو خزانے ہیں وہ اس لہو و لعب اور اس تجارت سے افضل اور اعلیٰ ہیں۔ رزق کے خزانے اس کے دست قدرت میں ہیں۔ تمہیں اپنا رزق اس سے طلب کرنا چاہیے۔

آخر میں ایک اعتراض اور اس کے جواب کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں۔

شیعہ کی طرف سے صحابہ کرام پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ انہوں نے لہو و تجارت کے لیے نماز جمعہ ترک کر دی اور اس حال میں مسجد سے نکل گئے ہوئے جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ان کے دل میں دین و آخرت سے دنیا اور سامان رزق کی قدر و منزلت بہت زیادہ تھی۔ اسی لیے تو وہ حضور کو مسجد میں کھڑے چھوڑ کر چلے گئے۔

اس کے بارے میں گزارش ہے کہ اکابر صحابہ جن میں خلفائے راشدین اور عشرہ مبشرہ تھے وہ سب حاضر رہے — چنانچہ باقی رہنے والوں میں ان کے اسماء صراحت سے درج ہیں۔ نیز یہ واقعہ ہجرت کے بعد بالکل قریبی دور کا ہے جبکہ لوگوں کو صحبت نبوی سے

فیض یاب ہونے کا موقع بہت کم ملتا تھا۔ اور یہ کمال تو حضور کی چشم کرم کا تھا کہ ان کے دلوں میں بجز اللہ تعالیٰ کی یاد کے اور کسی قسم کی حسرت باقی نہ رہی تھی۔ اس مقام تک پہنچنے کے لیے تربیت کی ضرورت تھی۔ اس کے لیے وقت درکار تھا۔ اس اثنا میں ان سے لغزش کے صدور کا قوی امکان تھا۔ جب کبھی ان سے ایسی لغزش ہوئی فوراً اس پر انہیں متنبہ کر دیا گیا اور ان کی اصلاح کر دی گئی۔
اس پیہم تربیت اور فیض صحبت نے وہ اثر دکھایا کہ انہوں نے جانبازی اور سرفروشی کے میدان میں ایسے عدیم المثال کارہائے نمایاں انجام دیے کہ آسمان کے ستارے، عالم بالا کے ملائک اور بہشت بریں کی بہاریں جھوم اٹھیں۔ سروش غیب نے انہیں لقد رضی اللہ عن المؤمنین کا مژدہ جانفزا سنایا۔ أولئك هم المؤمنون حقا کی ایمان افروز نوید فردوس گوش بنی۔ اس سے بڑھ کر بے انصافی اور کیا ہو سکتی ہے کہ ایک شخص کے طالب العلمی کے زمانہ کی کوتاہیاں بیان کر کے اس کی علمی بزرگی اور اخلاقی فضیلت پر زبان طعن دراز کی جائے۔ یہ کس نے کہا ہے کہ صحابہ کرام اس اسلامی تربیت سے پہلے ہی ہمہ صفت موصوف تھے۔ یہ کس نے دعویٰ کیا ہے کہ آغوش رسالت کی برکتوں کے بغیر ہی ان میں للّٰہیت و ایثار، خلوص اور تقویٰ کے آثار نمایاں ہو گئے تھے۔ یہ سب کمالات قرآن کریم، حامل کتاب مبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ کیمیا اثر کا نتیجہ ہیں۔

◎

اللّٰهم لك الحمد ولك الشكر انك حميد مجيد.
رب اوزعني ان اشكر نعمتك التي انعمت علي وعلى والدي وان اعمل صالحا ترضاه واصلح لي في ذريتي اني تبت اليك واني من المسلمين.
اللّٰهم صل وسلم وبارك على سيد المرسلين شفيع المذنبين رحمة للعلمين سيدي ومولاي وحبيبي محمد وآله واصحابه ومن تبعه الى يوم الدين يا ارحم الراحمين.

○

تعارف

سُورۃ المُنافِقون

نام : پہلی آیت کی ابتدا میں المنافقون کا لفظ ہے۔ نیز اس سورۃ میں منافقین کے احوال ہی بیان کیے گئے ہیں۔ اس لیے اس کا نام المنافقون رکھا گیا۔ اس میں دو رکوع، گیارہ آیتیں، ایک سو اسی کلمے اور نو سو تہتر حروف ہیں۔

نزول : غزوہ بنی مصطلق سنہ ۶ھ میں واقع ہوا۔ یہ سورت ایک ایسے حادثہ کے بارے میں نازل ہوئی جو اس وقت پیش آیا جب مسلمان اس غزوہ میں فتح یاب ہونے کے بعد مریسیع نامی ایک کنوئیں پر ٹھہرے ہوئے تھے۔ اس لیے اس سورت کے بارے میں وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ ہجرت کے چھٹے سال جنگ سے واپسی کے سفر میں یا مدینہ طیبہ میں پہنچنے کے فوراً بعد اس کا نزول ہوا۔

فتنۂ نفاق کا تاریخی جائزہ : اس واقعہ کے اسباب و علل کو پوری طرح سمجھنے کے لیے ہمیں فتنہ نفاق کی تاریخ کا مطالعہ کرنا پڑے گا۔ تب ہی ہم اس واقعہ کی سنگینی کا صحیح اندازہ لگا سکتے ہیں۔

یہ تو آپ جانتے ہیں کہ یثرب میں دو قبیلے اوس اور خزرج آباد تھے۔ ان میں دیرینہ رنجشیں اور رقابتیں تھیں جو معمولی بات پر جنگ کے شعلوں میں بدل جاتیں اور جب ایک مرتبہ جنگ کے شعلے بھڑک اٹھتے تو پھر برسوں بجھنے کا نام نہ لیتے۔ مسلسل خانہ جنگی کے باعث دونوں قبیلے کمزور ہو گئے تھے۔ صلح و امن سے زندگی بسر کرنے کی خواہش ان کے دلوں میں چٹکیاں لینے لگی تھی۔ لیکن ان میں کوئی ایسی شخصیت نہ تھی جو دونوں قبیلوں کے لیے قابلِ قبول ہو۔ آخر کار عبداللہ ابن ابی جو خزرجی تھا۔ وہ ایک ایسے قائد کی حیثیت سے ابھرا جس کی قیادت پر دونوں قبیلے متفق ہو گئے۔ اس کی تاجپوشی کی رسم ادا ہونے والی تھی۔ اس کے لیے تاج سنار کے پاس بن رہا تھا۔ اس اثنا میں یثرب کی فضا میں اسلام کے اثرات بڑی قوت سے نمودار ہونے لگے۔ عقبۂ اولیٰ میں چند یثربی مشرف باسلام ہوئے۔ واپس آکر انہوں نے بڑی گرمجوشی سے اسلام کی تبلیغ شروع کی۔ دوسرے سال اسی موقع پر دونوں قبیلوں کے پچھتر افراد مکہ پہنچے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دستِ حق پرست پر اسلام کی بیعت کی۔ ان میں سے حضرت عباس ابن عبادہ بن نضلہ انصاری بھی تھے۔ ان کی رائے یہ تھی کہ ابھی بیعت نہ کی جائے۔ عبداللہ ابن ابی کو بھی اس میں شریک کر لیا جائے تاکہ اتحاد و تعاون کی جو فضا یثرب میں بڑی مدت کے بعد پیدا ہوئی ہے اس میں کوئی بدمزگی رونما نہ ہو لیکن دوسرے ساتھیوں نے ان کی اس تجویز کو کوئی اہمیت نہ دی اور سب نے شرفِ بیعت حاصل کر لیا جب یہ قافلہ واپس یثرب پہنچا اور عبداللہ بن ابی اور اس کے حواریوں کو اس کا علم ہوا تو ان کے غم و غصہ کی کوئی حد نہ رہی۔

اُسے یقین ہو گیا کہ اس کی تاجپوشی کی رسم اب کبھی ادا نہ ہو گی۔ یہاں کے مسلمان جن میں اوس و خزرج کے رؤسا بھی شامل تھے، حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو اپنا رئیس بنانا ہرگز پسند نہ کریں گے۔ معاہدہ کے مطابق مکہ سے ہجرت کا سلسلہ شروع ہوا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی کچھ عرصہ کے بعد ہجرت کر کے یثرب تشریف لے گئے۔ حضور کے قدم رنجہ فرمانے سے یثرب مدینۃ النبی بن گیا۔ عبداللہ اور اس کے ہمراز ساتھیوں نے جب اپنے آقا کے ساتھ مسلمانوں کی والہانہ محبت کو دیکھا تو انہوں نے اپنا بھلا اسی میں سمجھا کہ وہ بھی مسلمانوں میں شامل ہو جائیں۔ ظاہری طور پر انہوں نے کلمۂ شہادت بھی پڑھ لیا۔ نمازوں میں بھی حاضر ہوتے، بادلِ نخواستہ زکوٰۃ بھی دیا کرتے، لیکن حضور اور اسلام کے بارے میں بُغض و عناد کے جذبات شدت اختیار کرتے گئے۔ وہ اس گھات میں رہتے کہ مسلمانوں میں کوئی فتنہ کھڑا کر کے ان کی جمعیت کو منتشر و پراگندہ کر دیں اور دوبارہ ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ اوس و خزرج دونوں قبیلے حضور سے مایوس ہو کر عبداللہ ابن اُبی کو اپنا قائد اور رئیس تسلیم کر لیں۔ لیکن عبداللہ تھا بڑا عیار، جب بھی اسے موقع ملتا وہ اپنی جھوٹی عقیدت کو بڑے زوردار الفاظ سے ظاہر کرتا۔ تاکہ اس کے دل کا کھوٹ لوگوں پر عیاں نہ ہونے پائے۔ اُس نے یہ معمول بنا رکھا تھا کہ جمعہ کے روز جب مدینہ اور مضافات کے تمام مسلمان اپنے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیچھے نمازِ جمعہ ادا کرنے کے لیے جمع ہوتے تو یہ بھرے مجمع میں اُٹھ کر اعلان کرتا۔ بھائیو! یہ اللہ کے رسول ہیں جو ہمارے درمیان جلوہ فرما ہیں۔ ان کی ذات سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں عزت اور شرف بخشا ہے۔ آپ لوگ دل و جان سے ان کی تائید کریں۔ ان کے ہر ارشاد کو گوشِ ہوش سے سنا کریں اور جو حکم دیں اس کی تعمیل کیا کریں۔ اس کے باوجود بسا اوقات اُس کے دل میں چھپا ہوا بغض آشکارا ہو جاتا۔ ایک دفعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لے جا رہے تھے کہ راستہ میں اس سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ اُس نے بڑی بدتمیزی کا مظاہرہ کیا۔ حضور علیہ السلام نے سعد ابن عبادہ کو بلا کر شکایت کی۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ شخص قابلِ رحم ہے۔ حضور کی آمد سے پہلے اس کے لیے تاج بن رہا تھا اور اس کی تاجپوشی کی تقریب منانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ حضور کے آنے سے اس کے سارے خواب پریشان ہو گئے اور اس کے پروگرام دھرے کے دھرے رہ گئے۔ یہ تو سمجھتا ہے کہ حضور نے اس کا تاج اور تخت چھین لیا ہے۔ اس لیے اس سے نرمی کا برتاؤ ہی بہتر ہے۔

جنگِ بدر کے بعد یہودی قبیلہ بنی قینقاع نے عہد شکنی کی تو حضور نے اُن کی گوشمالی کے لیے ان پر چڑھائی کا ارادہ فرمایا۔ یہ منافق اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکا اور ان کی حمایت کے لیے تیار ہو گیا اور حضور کی زرہ کے دامن کو پکڑ کے کھینچ کر کہنے لگا۔ یہ قبیلہ سات سو جنگجو مردوں پر مشتمل ہے۔ یہ میرے حلیف ہیں، میرے اشارہ پر سربکف میدان میں آکودتے ہیں۔ کیا آپ میرے حلیفوں کو ایک دن میں ہی قتل کر دینا چاہتے ہیں۔

جنگِ اُحد کا معرکہ مسلمانوں کے لیے انتہائی کرب و اضطراب کا باعث تھا۔ کفارِ مکہ تین ہزار کا لشکرِ جرار لے کر مدینہ طیبہ پر دھاوا بولنے کے ارادہ سے بڑھے آ رہے تھے۔ مسلمان مجاہدین کی تعداد صرف ایک ہزار تھی۔ مدینہ کی چھوٹی سی بستی سے اس سے زیادہ جنگجو افراد کا ملنا ممکن نہ تھا۔ ان میں سے تین سو عبداللہ ابن ابی کے حواری تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک ہزار کے لشکر

کو لے کر میدانِ اُحد کی طرف روانہ ہوئے تو عبداللہ اپنے تین سو حواریوں سمیت الگ ہو گیا اور مدینہ واپس لوٹ آیا۔ آپ خود اندازہ لگائیے کہ مسلمانوں پر کیا گزری ہوگی۔ پہلے ہی مسلمانوں کی تعداد دشمن کے مقابلہ میں بہت کم تھی عین لڑائی کے وقت تین سو ساتھیوں کا الگ ہو جانا مسلمانوں کے صبر و شکیب کی بڑی سخت آزمائش تھی، لیکن اس ظالم کو ایسی بے وفائی سے ذرا شرم نہ آئی۔

اس کا نفاق جس کو وہ اب تک بڑی ہوشیاری اور عیاری سے چھپائے ہوئے تھا، مسلمانوں پر ظاہر ہو گیا۔ جنگِ اُحد کے بعد نماز جمعہ کے لیے لوگ مسجد میں جمع ہوئے تو حسبِ معمول اس نے وہی جملے دہرانے چاہے جو ہر جمعہ کو وہ دہرایا کرتا تھا تو ایک مسلمان نے اُسے جھڑک کر کہا: کم بخت بیٹھ جاؤ تمہیں ایسی باتیں اب زیب نہیں دیتیں۔ اس نے اس چیز کو اپنی توہین خیال کیا اور بڑبڑاتا ہوا لوگوں کے سروں سے پھلانگتا ہوا مسجد سے نکل گیا۔ مسجد کے دروازہ پر بعض انصار نے اُسے ایسا کرنے سے منع کیا اور اُسے نصیحت کی کہ ابھی حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی اس غلطی کی معافی مانگ لو۔ وہ بگڑ کر بولا: میں ان سے معافی مانگنے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہوں۔ (ابن ہشام)

غزوۂ بنی نضیر کے بارے میں آپ سورۂ حشر کے ضمن میں پڑھ چکے ہیں۔ اس موقع پر بھی اس کا نفاق کھل کر سامنے آ گیا۔ بنی نضیر کی عہد شکنی اور غداری کی سزا دینے کے لیے جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا تو اس خبیث نے انہیں کہلا بھیجا کہ گھبراؤ مت میں اور میرے ساتھی تمہارے ساتھ شانہ بشانہ میدانِ جنگ میں مسلمانوں کا مقابلہ کریں گے اور مسلمانوں کو چھٹی کا دودھ یاد آ جائے گا۔ اور اگر ہمیں شکست ہوئی اور تمہیں یہاں سے جلاوطن ہونا پڑا تو تنہا تم ہی مدینہ کو نہیں چھوڑو گے ہم بھی تمہارے ساتھ مدینہ سے چلے جائیں گے۔ ان کی اس سازش سے یہود کے حوصلے کتنے بلند ہو گئے ہوں گے اور مسلمانوں کو کتنی مشکل کا سامنا کرنا پڑا ہوگا اس کا اندازہ بہ آسانی لگایا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو ان کی اس سازش سے مطلع فرما دیا۔ اس طرح ان کی منافقت کا بھانڈا چوراہے میں پھوٹ ڈالا۔

اگرچہ حضور علیہ السلام اور سارے مسلمانوں پر ان لوگوں کی منافقت ظاہر ہو چکی تھی، لیکن مصلحت کا تقاضا یہی تھا کہ ان کو کلیتاً اسلام سے خارج کرنے کا اعلان نہ کیا جائے۔ بیرونی دشمنوں سے جنگوں کا سلسلہ جاری تھا۔ اس لیے مدینہ کے اندر ایک نئے محاذ پر جنگ کا آغاز مناسب نہ تھا۔ نیز عبداللہ کے حواریوں میں اوس اور خزرج دونوں قبیلوں کے ذی اثر لوگ کافی تعداد میں تھے۔ ان حالات میں ان سے لڑائی بڑے خلفشار کا باعث بن سکتی تھی۔ دوسری طرف عبداللہ اور اس کے ساتھی بھی اس پوزیشن میں نہ تھے کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ اعلانیہ جنگ کر سکیں۔ اُنہوں نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ مسلمانوں کے ساتھ مل جل کر رہیں۔ اس طرح وہ مسلمانوں سے ہر طرح کا مفاد بھی حاصل کر سکتے تھے اور انہیں مناسب موقع پر مؤثر طریقہ سے گزند بھی پہنچا سکتے تھے۔

یہی حالات تھے جب غزوہ بنی مصطلق کی نوبت پیش آئی اور دوسرے اہلِ ایمان کے ساتھ عبداللہ اور اس کی پارٹی کے لوگوں کو بھی شرکت کا موقع مل گیا۔ اس سفر کے دوران میں رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی نے مسلمانوں پر دو ایسے مہلک

کیے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا خاص لطف وکرم مسلمانوں کی دستگیری نہ فرماتا تو مسلمان ان مہلک واروں سے جانبر نہ ہو سکتے۔ ایک واقعہ افک جس کے متعلق آپ سورۂ نور میں پڑھ چکے ہوں گے۔ دوسرا یہ واقعہ جس کی تفصیل اب پیش خدمت کی جارہی ہے۔

بنو مصطلق کا قبیلہ قدید کی سمت میں ساحل سمندر کے قریب آباد تھا۔ حضور کو اطلاع ملی کہ اس کا سردار حارث ابن ضرار اپنے قبیلے کے جنگجو بہادروں کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے اکٹھا کر رہا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زید ابن حارثہ اور بقول ابن ہشام ابوذر غفاری کو مدینہ طیبہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا اور خود بنی مصطلق کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوئے۔ مریسیع کے کنوئیں کے قریب دونوں لشکروں میں سخت لڑائی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت سے مسلمانوں کو فتح ہوئی اور بنو مصطلق شکست کھا کر وہاں سے بھاگے، بہت سا مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔

فتح کے بعد حضور نے چند روز اسی جگہ پر قیام فرمایا تاکہ مسلمان مجاہد جنگ کی تھکاوٹ کو دور کر لیں۔ اور واپسی کے سفر سے پہلے تازہ دم ہو جائیں۔ اسی اثنا میں ایک خطرناک واقعہ رونما ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جہجاہ ابن مسعود غفاری کو بطور خدمت گار اپنے ہمراہ لے گئے تھے تاکہ آپ کے گھوڑے کی دیکھ بھال کرے۔ جہجاہ کنوئیں پر پانی لینے کے لیے گئے تو ان کا ایک شخص سنان بن وبرہ الجہنی سے پانی بھرنے پر جھگڑا ہو گیا۔ بات بڑھ گئی اور ہاتھا پائی تک نوبت جا پہنچی۔ جہجاہ کی ایک ضرب سے سنان کو زخم آگیا اور خون بہنے لگا۔ اس نے زمانۂ جاہلیت کے دستور کے مطابق زور سے پکارا: "یامعشر الانصار" (اے انصار میری مدد کو پہنچو) چونکہ اس کا قبیلہ انصار کا حلیف تھا۔ جہجاہ نے اپنے بچاؤ کے لیے "یامعشر المہاجرین" (اے مہاجرین میری مدد کو پہنچو) کا نعرہ بلند کیا۔ دونوں طرف سے لوگ ہتھیار لیے ہوئے اپنے اپنے ساتھی کی مدد کو پہنچ گئے۔ قریب تھا کہ مسلمانوں کے دو گروہوں میں جنگ چھڑ جاتی اور بنی مصطلق پر انہیں جو فتح حاصل ہوئی تھی وہ شکست میں بدل جاتی۔ حضور اپنے خیمہ سے جلدی جلدی تشریف لے آئے اور دونوں فریقوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

"مابالُ دعوى الجاهلية ؟ مالكم ولدعوة الجاهلية دعوها فانّها مُنتنة ـ"

"یہ تم نے جاہلیت کے نعرے لگانے کیسے شروع کر دیے ہیں۔ اسلام قبول کرنے کے بعد جاہلیت کی پکار بڑی بری بات ہے۔ یہ بڑی گندی چیز ہے۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مداخلت سے فتنہ وفساد کے بھڑکتے ہوئے شعلے سرد ہو گئے۔ سنان نے جہجاہ کو معاف کر دیا اور معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ منافقین تو اس واقعہ سے بہت خوش تھے۔ یکایک یہ آگ بجھ گئی، تو ان کے دلوں میں حسد کی جو چنگاریاں سلگ رہی تھیں وہ بھڑک اٹھیں۔ ایک ایک کر کے عبداللہ کے پاس پہنچے اور اس پر برس پڑے کہ تو نے اس موقع پر ہماری کوئی امداد نہیں کی۔ اگر تو ذرا بھی گرمجوشی کا مظاہرہ کرتا تو آج ہم ان بھک منگوں کا کچومر نکال دیتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم بھی اب ان کے طرفدار بن گئے ہو، اور ہماری وہ توقعات جو ہم نے تم سے وابستہ کر رکھی تھیں ان پر تم نے پانی پھیر دیا ہے۔ وہ نابکار پہلے ہی غصہ سے بھرا بیٹھا تھا۔ ان کا یہ طعنہ سن کر وہ پھٹ پڑا اور کہنے لگا یہ سب تمہارے اعمال کا پھل ہے اب اسے چکھو۔ تم نے ان مہاجروں کو آنکھوں پر بٹھایا۔ ان کے لیے اپنے گھروں کے دروازے کھول دیے، انکے قدموں

ہیں دولت کے ڈھیر لگا دیے۔ اب وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے ہیں تو ہمیں گھورنے لگے ہیں۔ تمہاری مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسے کسی نے کہا ہے: "سَمِّنْ کَلْبَكَ یَاکُلْكَ" (اپنے کتے کو پال کر موٹا کرو تاکہ وہ تمہیں ہی کاٹنے لگے)۔ اگر تم ان لوگوں کو اپنا بچا کھچا کھانا دینا بند کر دو تو دو دن میں ان کے دماغ درست ہو جائیں اور بھوک سے تنگ آکر (حضور کا نام لے کر کہنے لگا) اس کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ مجھے مدینہ واپس جانے دو پھر تم تماشا دیکھنا۔

"اِنَّا وَاللّٰہِ لَئِنْ رجعنا الی المدینۃ لیخرجن الاعز منہا الاذل۔"

اگر ہم مدینہ واپس پہنچ گئے تو بخدا عزت والا وہاں سے ذلیل کو نکال دے گا۔

الاعز سے اس نے اپنے آپ کو مراد لیا اور دوسرے لفظ (اذل) سے حضور کی طرف اشارہ کیا۔ حضرت زیدؓ ابن ارقم بھی اس مجلس میں موجود تھے، یارائے ضبط نہ رہا، تڑاخ سے بولے:

انت واللہ الذلیل القلیل المبغض فی قومك ومحمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم فی عز من الرحمٰن ومودۃ من المسلمین (بخدا تو ذلیل ہے تو قلیل ہے تو اپنی قوم میں مبغوض ہے اور ہمارے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خداوند رحمٰن نے عزتیں بخشی ہیں اور اہل ایمان ان سے والہانہ محبت کرتے ہیں۔)

ابن ابی بولا خاموش ہو جاؤ میں تو یوں ہی مذاق کر رہا تھا۔ حضرت زید غصہ سے کانپتے ہوئے بارگاہ رسالت میں پہنچے اور سارا واقعہ کہہ سنایا۔ حضور کو یہ سن کر بڑی کوفت ہوئی۔ رخ انور کا رنگ بدل گیا۔ بات ٹالنے کے لیے حضورؐ نے فرمایا اے نوجوان! شاید تم اس کے بارے میں غلط بیانی سے کام لے رہے ہو، شاید تمہیں شبہ ہوا ہو، شاید تیرے کانوں نے سننے میں غلطی کی ہو۔ ہر بار زید نے عرض کیا: واللہ یارسول اللہ (خدا کی قسم اے اللہ کے رسول میں صحیح عرض کر رہا ہوں)۔ سارے لشکر میں یہ بات پھیل گئی۔ انصار کے ایک گروہ نے بھی زید کو ملامت کرنا شروع کی کہ نا سمجھ بچے نے خواہ مخواہ ہمارے سردار پر الزام لگایا اور اسے بدنام کیا ہے۔ حضرت زید نے کہا بخدا جو میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے وہی بتایا ہے۔

حضرت عمرؓ کو علم ہوا تو خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ عرض کیا میرے آقا مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ اگر میرا اس کو قتل کرنا مصلحت کے خلاف ہے تو خود انصار میں سے معاذ ابن جبل یا عبادؓ ابن بشر یا سعد ابن معاذ یا محمد ابن مسلمہ کو حکم فرمائیے کہ وہ اس کا سر قلم کر دیں۔ اللہ کے محبوب نے فرمایا "ایسا نہ کرو۔ لوگ کہیں گے کہ محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کر رہا ہے۔" اس کے بعد حضور نے فوراً کوچ کا حکم دیا اور تیس گھنٹے تک لگاتار سفر جاری رہا۔ نہ رات کو آرام نہ دن کو قیلولہ۔ لوگ تھک کر چور ہو گئے۔ جب حضور نے ایک جگہ قیام فرمایا تو لوگ سواریوں سے اترتے ہی زمین پر لیٹ گئے اور گہری نیند سو گئے۔ مقصد یہ تھا کہ مریسیع کے کنویں پر جو سانحہ ہوا تھا لوگوں کی توجہ اس طرف سے ہٹ جائے۔ راستے میں حضرت اُسید بن حضیر نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس بے وقت سفر کا سبب کیا ہے؟ پہلے تو حضور کا یہ معمول نہ تھا۔" ارشاد فرمایا: "تمہیں علم نہیں کہ عبداللہ ابن ابی نے کیا گل کھلایا ہے۔" انہوں نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا تو حضور نے اس منافق کی زبان سے

نکلا ہوا جملہ دہرا دیا۔ وہ بصد ادب عرض پرداز ہوئے یا رسول اللہ خدا کی قسم عزت والے تو آپ ہیں اور وہ ذلیل ہے۔ آپ جب چاہیں اُسے نکال سکتے ہیں۔ رفتہ رفتہ اس بات کا چرچا سارے لشکر میں ہو گیا۔ تمام انصار کو بھی اس کی گستاخی کا علم ہو گیا۔ ان کے غصہ کی حد نہ رہی۔ بعض لوگوں نے ازراہِ خیر خواہی عبد اللہ کو کہا جاؤ حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی مانگ لو حضور کریم ہیں تیری خطا بخش دیں گے۔ وہ بے حیا خبث سے بولا ؟ تم نے کہا ان پر ایمان لے آؤ، میں ایمان لے آیا۔ تم نے کہا کہ اپنے مال کی زکوٰۃ دو، میں نے تمہاری یہ بات بھی مان لی اور زکوٰۃ دیتا رہا۔ اب بس یہ کسر رہ گئی ہے کہ میں محمد کو سجدہ کروں۔" اُس کا یہ گستاخانہ جواب سُن کر سارے مجاہدین غصہ سے بے تاب ہو گئے۔ اور سب کے دلوں میں اُس کے خلاف نفرت و حقارت کے جذبات بھڑک اُٹھے۔ ایک عجیب بات یہ ہوئی کہ جب یہ لشکر مدینہ طیبہ میں داخل ہونے لگا تو عبد اللہ ابن ابی کا لڑکا، اُن کا نام بھی عبد اللہ تھا، تلوار کو بے نیام کر کے اپنے باپ کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا اور بولا : اے باپ تم نے کہا ہے کہ مدینہ پہنچ کر عزت والا ذلت والے کو نکال دے گا۔ اب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ عزت والا کون ہے اور ذلیل کون ہے۔ خدا کی قسم تم اس وقت تک مدینہ میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تمہیں اجازت نہ دیں۔

اپنے بیٹے کے مُنہ سے یہ الفاظ سُن کر عبد اللہ چلّا اُٹھا اے خزرج کے لوگو ذرا دیکھو میرا بیٹا مجھے مدینہ میں داخل ہونے سے روک رہا ہے۔ یہ خبر جب نبی کریم کو ملی تو حضور نے فرمایا "عبد اللہ سے کہو کہ اپنے باپ کو گھر آنے سے نہ روکے" عبد اللہ نے کہا اگر میرے آقا کا یہ حکم ہے تو اب میں اپنے باپ کو مدینہ میں داخل ہونے کی اجازت دیتا ہوں۔

اس وقت حضور نے حضرت عمر کو فرمایا : " اے عمرؓ اگر تم اس وقت اس کو قتل کر دیتے تو انصار کے کئی لوگ ناراض ہوتے آج اگر میں چاہوں تو اسے قتل کیا جا سکتا ہے اور اس پر کوئی معترض بھی نہ ہو گا۔" حضرت عمرؓ نے عرض کیا۔ خدا کی قسم اب مجھے معلوم ہو گیا کہ اللہ کے رسول کی بات میری بات سے بہت زیادہ مبنی بر حکمت تھی۔

یہ حالات تھے جن میں اس سورۂ پاک کا نزول ہوا۔ ان حالات کو پیشِ نظر رکھ کر اگر آپ سورت کا مطالعہ کریں گے تو اس کے مندرجات سمجھنے میں آپ کو بہت مدد ملے گی۔

سُوْرَةُ الْمُنٰفِقُوْنَ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اِحْدٰى عَشْرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ المنافقون مدنی ہے اور اس میں گیارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ

اے نبی مکرم! جب منافق آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ بھی

يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ①

جانتا ہے کہ آپ بلاشبہ اس کے رسول ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ منافق قطعی جھوٹے ہیں [1]

[1] علامہ ابن منظور لفظ منافق کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یسمی المنافق منافقا للنفق وھو السرب فی الارض وقیل انما سمی منافقا لانہ نافق کالیربوع وھو دخولہ نافقاءہ ولہ جحر اٰخر یقال لہ القاصعاء ——— وھو یدخل فی النافقاء ویخرج من القاصعاء او یدخل فی القاصعاء ویخرج من النافقاء۔ (لسان العرب)

یعنی منافق، نفق سے ماخوذ ہے جس کا معنی سرنگ ہے اور بعض نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ لومڑی اپنی بل کے دو منہ رکھتی ہے ایک کا نام نافقاء اور دوسری کا نام قاصعاء ہے۔ ایک طرف سے وہ داخل ہوتی ہے جب کوئی شکاری اس سے اس کا تعاقب کرتا ہے تو دوسری طرف سے نکل جاتی ہے اور اگر دوسری جانب سے اس کا کوئی تعاقب کرتا ہے تو پہلے سوراخ سے نکل جاتی ہے۔ کیونکہ اس کی بل کی ایک طرف کا نام نافقاء ہے اسی سے منافق ماخوذ ہے۔ اس کے بھی دو پہلو ہیں۔ ایک کفر جو اس کے دل میں ہے دوسرا ایمان جو اس کی زبان پر ہے۔ اگر کفر سے اسے کسی نقصان کا اندیشہ ہو تو وہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنے لگتا ہے اور اگر اسلام کے باعث اسے کوئی تکلیف پہنچ رہی ہو تو فوراً اپنے کافر ہونے کا اعلان کر دیتا ہے۔

مکہ مکرمہ میں تو دو ہی قسم کے لوگ تھے کافر اور مومن۔ منافقین کا وہاں کوئی وجود نہ تھا کیونکہ وہاں ظاہری غلبہ کفار کو حاصل تھا اسلام لانا تو اپنے آپ کو طرح طرح کی پریشانیوں اور تکلیفوں میں مبتلا کر دینے کے مترادف تھا۔ کسی کو کیا پڑی تھی کہ ایسا دین قبول کر کے اپنے آپ کو گوناگوں اذیتوں اور رسوائیوں کا ہدف بنا دے جس دین پر اس کا ایمان نہیں۔ اس وقت تو صرف وہی مردان وفاکیش حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلاموں کے زمرے میں اپنے آپ کو شامل کرتے تھے جو سچے دل سے اسلام کی صداقت کو تسلیم کرتے تھے اور اس کے لیے ہر قسم کے مصائب و آلام کو خوشی برداشت کرنے کے لیے آمادہ ہوا کرتے تھے۔ لیکن مدینہ طیبہ میں حالات بڑے مختلف

وقف لازم

اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ

انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے اسی طرح روکتے ہیں اللہ کی راہ سے ۔ سے بے شک یہ لوگ بہت بُرے

مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۲ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى

کرتوت ہیں جو یہ کر رہے ہیں ۔ (ان کا) یہ (طریق کار) اس لیے ہے کہ وہ پہلے ایمان لائے پھر وہ کافر بن گئے سے پس مہر لگا دی گئی ان کے

تھے۔ یہاں اوس و خزرج کے بیشتر افراد کے مشرف باسلام ہونے اور مہاجرین کے وہاں اکٹھے ہو جانے کے بعد اسلام ایک عظیم قوت کی حیثیت سے ابھر رہا تھا۔ ادنیٰ سوجھ بوجھ رکھنے والا بھی اس کے مستقبل کے بارے میں حسن ظن سے کام لے سکتا تھا۔ اس لیے ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا تھا جن کے دل میں تو کفر کا کھوٹ تھا لیکن اپنی مصلحت بینی کے باعث وہ بظاہر اسلام سے اپنا رابطہ قائم رکھنا چاہتے تھے تاکہ اگر اسلام کو غلبہ نصیب ہو تو وہ بھی اس میں برابر کے حصہ دار ہوں۔ باوجود ہزار کوشش کے دل کا کفر کسی نہ کسی شکل میں ان کی زبان پر آہی جاتا تھا اور ان کے نفاق کا پردہ فاش ہو جاتا تھا۔

اللہ تعالیٰ اس حقیقت سے اپنے حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو آگاہ فرما رہا ہے کہ اے حبیب! یہ منافق جب تیری خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو بڑے جوش و خروش سے آپ کی رسالت کی گواہی دیتے ہیں۔ اے حبیب! اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ آپ واقعی اس کے رسول ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ اس بات کی بھی شہادت دیتا ہے کہ یہ منافقین جھوٹے ہیں۔ زبان سے جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں ان کے دل اس کی تصدیق نہیں کرتے۔ بتا دیا کہ مشہود بہ (آپ کی رسالت) تو سچ ہے لیکن ان کی شہادت جھوٹی ہے کیونکہ ان کے دل اس کی تکذیب کرتے ہیں۔

سے جھوٹا شخص جانتا ہے کہ لوگ میری بات نہیں مانیں گے، اپنے آپ کو سچا ظاہر کرنے کے لیے وہ ضرورت و بلا ضرورت قسمیں اٹھاتا ہے۔ یہی حالت ان منافقین کی بھی تھی۔ ہر بات پر قسمیں اٹھانے اور اپنے آپ کو پکے اور سچے مومن ثابت کرنے کی کوشش کرتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنایا ہوا ہے اور اس کی آڑ میں وہ طرح طرح کے فوائد حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ مسلمان ان سے وہی سلوک روا رکھیں جو اہل ایمان کے ساتھ روا رکھا جاتا ہے۔ ان کے مال اور جان کی حفاظت کی جائے۔ مال غنیمت سے انہیں حصہ ملتا رہے اور کئی طرح سے ان کی ناز برداریاں کی جائیں۔ اس کے علاوہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر کے لوگوں کو اسلام سے روکتے ہیں۔ جب کوئی شخص ان سے اس بارے میں مشورہ طلب کرتا ہے تو اسے اسلام سے یہ کہہ کر متنفر کرتے ہیں کہ ہم تو خود بڑے شوق سے اس دین میں شامل ہوئے تھے، کئی سال گزر چکے ہیں، ہمیں تو آج تک اس میں کوئی اچھی چیز نظر نہیں آئی۔ ہم تو خود بڑے دل برداشتہ ہیں۔ خبردار تم اس جال میں نہ پھنس جانا۔ اس طرح ان قسموں کی آڑ میں شکار کھیلتے۔

صَدُّوْا۔ لازمی اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ خود رکتے ہیں اور اسلام سے منہ موڑتے ہیں یا لوگوں کو اسلام سے باز رکھتے ہیں۔

سے اس کی وجہ یہ ہے کہ زبان سے تو وہ ایمان لانے کا اقرار کرتے ہیں اور اپنے آپ کو اسلامی برادری میں شامل کرکے طرح طرح

قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝ وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ ۭ

دلوں پر ۔ تو (اب) وہ کچھ سمجھتے ہی نہیں۔ اور جب آپ انہیں دیکھیں تو ان کے جسم آپ کو بڑے خوشنما معلوم ہوں گے۔

وَإِنْ يَقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ۭ كَأَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ۭ

اور اگر وہ گفتگو کریں تو توجہ سے آپ ان کی بات سنیں گے شہ درحقیقت وہ بیکار لکڑیوں کی مانند ہیں جو دیوار کے ساتھ کھڑی کر دی گئی ہوں۔

کے فائدے اٹھاتے ہیں لیکن جب اپنے شیطانوں کے پاس جاتے ہیں تو پھر کفر کرنے لگتے ہیں۔ وَإِذَا خَلَوْا إِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ۔ (۲ : ۱۴)

سے اس منافقت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی اور ان سے حق پذیری کی استعداد چھین لی اور ان کے دل کی وہ آنکھ ہی اندھی کر دی جو نورِ حق کو دیکھ سکتی ہے اور دیکھ کر پہچان سکتی ہے۔ بے شک دیدۂ حق شناس اللہ تعالیٰ کی گراں بہا نعمت ہے اور اس کی یہ سنت ہے کہ جو لوگ اس کی نعمتوں کی قدر نہیں کرتے اور ناشکری کرتے ہیں ان سے وہ نعمتیں واپس لے لی جاتی ہیں۔ آیت کا مقصد یہ نہیں کہ ان کے دلوں پر پہلے ہی مہر لگا دی گئی تھی اس لیے وہ حق کو قبول نہ کر سکے اور کفر سے چمٹے رہے' بلکہ مدعا یہ ہے کہ انہیں حق قبول کرنے کی صلاحیت بخشی گئی تھی لیکن جب وہ جان بوجھ کر حق سے روگردانی کرتے رہے تو انہیں اس صلاحیت سے محروم کر دیا گیا۔

شہ عبداللہ بن اُبی، جد بن قیس اور معتب بن قشیر شکل و صورت کے اعتبار سے بڑے خوبصورت تھے۔ نگاہیں ان کے چہروں پر جم کر رہ جاتی تھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ پرلے درجے کے باتونی اور چرب زبان تھے۔ ان کی گفتگو سن کر انسان عش عش کر اٹھتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کے جسموں کو دیکھا جائے تو بڑے دل کش معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی گفتگو سنی جائے تو اس میں بڑی جاذبیت اور اثر ہوتا ہے۔ لیکن اگر ان کی حقیقت پر نظر ڈالی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ بالکل خربوزے ہیں' باہر سے خوبصورت اندر سے پھیکے۔ اسلامی کمالات تو کجا ان میں تو انسانی خوبیوں کا نام و نشان تک بھی نہیں۔ قرآن کریم نے ان کو خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ سے تشبیہ دے کر ان کی لغویت کو عیاں کر دیا۔ خشب کا معنی لکڑی۔ مسندۃ کا معنی جسے دیوار کے ساتھ کھڑا کر دیا گیا ہو۔ جب تک لکڑی کارآمد ہوتی ہے اس سے شہتیر، کڑی یا کواڑ وغیرہ بنائے جاتے ہیں۔ صرف بے کار لکڑی کو دیوار کے ساتھ کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ وہ آگ جلانے کے کام آسکتی ہے۔

يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ۭ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ۭ قٰتَلَهُمُ

گمان کرتے ہیں کہ ہر گرج ان کے خلاف ہی ہے ۶ یہی حقیقی دشمن ہیں پس آپ ان سے ہوشیار رہیے ۷ ہلاک کرے انہیں

اللّٰهُ ۡ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝۴ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ

اللہ تعالیٰ ۸ کیسے سرگرداں پھرتے ہیں۔ اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ آؤ تاکہ اللہ کا رسول تمہارے لیے مغفرت طلب

اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝۵

کرے تو (انکار سے) اپنے سروں کو گھماتے ہیں اور تو انہیں دیکھے گا کہ وہ (حاضری سے) رک رہے ہیں تکبر کرتے ہوئے ۹

۶ ان کی بزدلی کا بیان ہو رہا ہے۔ مدینہ کے کسی سمت میں کوئی آواز کسی وجہ سے بلند ہو ان کے دل دھڑکنے لگتے ہیں۔ وہ یہی سمجھتے ہیں کہ ان کی اسلام دشمنی کسی وجہ سے بے نقاب ہو گئی ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو تہ تیغ کرنے کا حکم صادر فرما دیا ہے۔

۷ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مطلع فرماتے ہیں کہ یہ منافق اسلام کے اور آپ کے حقیقی دشمن ہیں۔ ان سے محتاط رہیے۔ گویا دشمن سے محتاط اور ہوشیار رہنا قرآن کریم کی تعلیم ہے۔ ایسی سادگی اور بھولے پن کی اسلام اجازت نہیں دیتا کہ اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والا دشمن کے دام فریب میں پھنستا رہے۔

۸ یہ بددعائیہ فقرہ ہے جس میں ان کی مذمت بھی ہے اور زجر و توبیخ بھی۔ کلمۃ ذم و توبیخ۔ یؤفکون : قتادہ : یعدلون عن الحق۔ الحسن : معناہ یصرفون عن الرشد۔ یعنی حق سے روگردانی کرنے اور راہ ہدایت سے منہ موڑنے کو افک کہتے ہیں۔ انی بمعنی کیف۔ اظہار تعجب کے لیے ہے کہ اتنی روشن دلیلوں کے باوجود وہ حق سے روگرداں ہیں آفتاب ہدایت کے طلوع ہونے کے بعد بھی وہ اندھیرے میں بھٹک رہے ہیں۔

۹ منافقوں کی ایک اور علامت بتائی جا رہی ہے۔ حالات نے ان کے نفاق کا پردہ جب چاک کر دیا اور لوگوں کو ان کے خبث باطن پر آگاہی ہو گئی تو ان کے دوستوں نے انہیں کہا کہ تم ساری عمر کفر کرتے رہے، نفاق کا لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پھیلاتے رہے۔ اسلام کو نقصان پہنچانے میں تم نے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ اب تو تمہارا نفاق ظاہر ہو گیا ہے۔ چلو بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں اور جا کر معافی مانگو۔ حضور تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی جناب میں دعا کریں گے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہاری عاقبت سنور جائے گی۔ قسمت اچھی ہوتی بخت بیدار ہوتا تو رحمت للعالمین کی خدمت میں حاضر ہو جاتے۔ نبی رؤف رحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ان کی مغفرت کے لیے دعا مانگتے تو اللہ تعالیٰ ضرور کرم فرما دیتا اور ان کے گناہوں کے ماضی پر قلم عفو پھیر دیتا۔ لیکن ان ازلی بدبختوں نے جب اپنے دوستوں کا یہ مشورہ سنا تو بڑے غرور اور گھمنڈ سے سروں کو گھمانا شروع کر دیا کہ یہ نہیں ہو سکتا۔ ہم اپنے گناہوں کی آمرزش کے لیے ان کے پاس تو کسی قیمت پر نہیں جائیں گے۔

سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ لَنْ يَّغْفِرَ

یکساں ہے ان کے لیے کہ آپ طلب مغفرت کریں ان کے لیے یا طلب مغفرت نہ کریں ان کے لیے ۵ اللہ تعالیٰ ہرگز

علامہ قرطبی نے ایک بڑی بصیرت افروز بات لکھی ہے کہ عبداللہ بن اُبی کو جب اس کے قبیلہ والوں نے سمجھایا کہ اب بھی حاضرِ خدمت ہو کر معافی مانگ لو حضور تیری بخشش کے لیے دعا فرمائیں گے۔ تیری شقاوت، سعادت سے بدل جائے گی۔ تو اس نے ازراہِ کبر و نخوت نفی میں سر ہلایا اور کہنے لگا۔ امرتمونی ان اُومن فقد اٰمنتُ وان اعطی زکوٰۃ مالی فقد اعطیت فما بقی الّا ان اسجد لمحمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) یعنی تم نے مجھے ایمان لانے کا حکم دیا تو میں ایمان لے آیا۔ تم نے مجھے اپنے مال کی زکوٰۃ دینے کا حکم دیا تو میں نے زکوٰۃ بھی ادا کر دی۔ اب ایک ہی بات باقی ہے کہ میں محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو سجدہ کروں۔ یہ میں نہیں کروں گا۔ اس روایت میں آپ غور کریں۔ منافق کا ذہن کس طرح غلط راہ پر چلتا ہے۔ اس کی سوچ میں کس قدر بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ بارگاہِ نبوت میں حاضری اور اللہ تعالیٰ کے محبوب سے اپنی مغفرت کی دعا کرانے میں اس کو صریح شرک نظر آنے لگتا ہے۔ وہ اپنے اعمال نماز، زکوٰۃ وغیرہ پر ہی نازاں رہتا ہے اور یہ ضرورت محسوس نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ کے حبیب کے درِ کرم پر حاضر ہو کر اس کی رحمتوں سے اپنے دامن کو لبریز کرے۔ اس زمانہ میں بھی ہمیں ایسے لوگ نظر آتے ہیں جنہیں بارگاہِ رسالت میں حاضری شرک اور بدعت معلوم ہوتی ہے۔ خود بھی اس سعادت سے بہرہ ور نہیں ہوتے اور لوگوں کو بھی محروم رکھنے میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کرتے ہیں اور اس کو اپنے موحد ہونے کا معیار قرار دیتے ہیں۔ وہ ذرا اس آیت میں اور اس روایت میں تو غور کریں کہیں ان کا رویہ منافقین کے رویے سے مشابہت تو نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے حجابوں سے بچائے اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں حاضری کی سعادت نصیب فرمائے۔ حضور کی دعا کی برکت سے ہمارے گناہوں کو بخشے اور ہمیں دونوں جہان کی سعادتوں سے بہرہ ور فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

اے خدا جس نے تجھ کو سراپا کرم بنایا ہمیں بھیک مانگنے کو تیرا آستاں بتایا

۵ یہ منافق جن کی زبان پر تو اسلام کا دعویٰ ہے لیکن ان کے دلوں میں ایمان کی شمع روشن نہیں، جو قدم قدم پر اپنے خبثِ باطن کا اظہار کرتے رہتے ہیں اور آپ کے دین کو ناکام کرنے کے لیے سازشوں کے جال بُنتے رہتے ہیں اور آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہونے سے روکتے ہیں، وہ پرلے درجے کے فاسق ہیں اور ایسے فساق کے لیے آپ بھی اگر مغفرت کی دعا مانگیں گے تو ہم انہیں نہیں بخشیں گے۔ جو تیرے دربار میں حاضر ہونے سے انکار کرے وہ بخشا جائے یہ میرے قانون کے خلاف ہے۔ میں حد سے تجاوز کرنے والوں کو ہدایت کی نعمت نہیں بخشا کرتا۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحمت اور رافت کا تقاضا یہی تھا کہ کوئی بھی گمراہ نہ رہے۔ کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم نہ رہے۔ اسی لیے حضور اپنی جان کے دشمنوں اور خون کے پیاسوں کے لیے بھی دعا فرمایا کرتے اَللّٰھم اھدِ قومی فانھم لا یعلمون۔ الٰہی! میری قوم کو ہدایت دے۔ وہ نادان ہیں۔ حضور پر سچے دل سے ایمان لانے والے جب اپنے آقا و مولا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بصد ادب و نیاز حاضر ہوتے ہیں اور اپنے عمر بھر کے گناہوں کی بخشش کے لیے دعا کی التجا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت

اللّٰهُ لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ هُمُ الَّذِيْنَ

نہ بخشے گا انہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ فاسقوں کی رہبری نہیں کرتا۔ یہی لوگ ہیں

يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ؕ

جو کہتے ہیں نہ خرچ کرو ان درویشوں پر جو اللہ کے رسول کے پاس رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ بھوک سے تنگ آ کر تتر بتر ہو جائیں [11]

جوش میں آجاتی ہے اور انہیں یہ مژدہ جانفزا سنایا جاتا ہے لوجدوا اللہ توابا رحیما۔ یعنی اے ساری عمر اپنی جانوں پر ظلم توڑنے والو! تم میرے محبوب کے در کرم پر حاضر ہو گئے ہو اور اس نے تمہاری مغفرت کے لیے درخواست کی ہے۔ سن لو اللہ تعالیٰ کو تم توبہ قبول کرنے والا اور بے حد رحمت کرنے والا پاؤ گے۔

الٰہی! ہمیں ان بدبختوں میں سے نہ کر جو تیرے پیارے رسول کی بارگاہ میں طلب استغفار کے لیے حاضر نہیں ہوتے بلکہ اس کو کفر و شرک کہنے پر مُصر ہیں۔ الٰہ العالمین! ہمیں ان خوش نصیبوں میں کر جن کے دل نور ایمان سے منور ہیں جو تیرے حبیب کی بارگاہ میں حاضری کو اپنے لیے باعث ہزار سعادت یقین کرتے ہیں۔ آمین ثم آمین!

[11] یہی بدبخت منافق اپنے قبیلہ والوں، اپنی پارٹی والوں اور اپنے چیلوں کو کہتے ہیں کہ حضور کے اردگرد مفت خوروں کا جو جمگھٹا تمہیں دکھائی دیتا ہے یہ تمہارے ٹکڑوں پر پل رہا ہے۔ تم آج اگر ان کی روٹی بند کر دو اور چندہ دینے سے باز آجاؤ تو یہ بھوک سے تنگ آ کر خود بخود تتر بتر ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے منافقو! تم میرے رسول کے رزاق ہو اور نہ میرے رسول کے ان نیاز مند غلاموں کے رزاق ہو۔ زمین و آسمان کے سارے خزانے میرے ہیں۔ جب میں ان کا ہوں اور وہ میرے ہو گئے ہیں تو میں انہیں تمہارا محتاج نہیں ہونے دوں گا۔ تم اپنے چندے اور اپنی امداتیں بند کر کے دیکھ لو۔ تمہیں پتہ چل جائے گا کہ میں انہیں کس طرح اپنے بھرپور خزانوں سے مالا مال کرتا ہوں۔ اس آیت کی وضاحت کے لیے مندرجہ ذیل واقعہ ملاحظہ فرمائیے:

بنو مصطلق ساحل کے قریب مُریسیع نامی چشمہ پر اقامت گزین تھے۔ مدینہ طیبہ میں اطلاع پہنچی کہ وہ مسلمانوں پر حملہ کرنے کا پروگرام بنا رہے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں اتنی مہلت ہی نہ دی کہ وہ مدینہ پر چڑھائی کریں، بلکہ خود پیش قدمی فرماتے ہوئے ان پر دھاوا بول دیا جس میں انہیں بری طرح شکست ہوئی۔ مسلمانوں کو فتح مبین اور مال غنیمت بکثرت دستیاب ہوا۔ اسی اثنا میں ایک ناخوشگوار واقعہ وقوع پذیر ہوا۔ حضرت فاروق اعظمؓ کا خادم جہجاہ اور عبداللہ بن ابی کا حلیف سنان مُشلل چشمہ پر اکٹھے ہوئے۔ ان میں پانی لینے پر تلخ کلامی ہوئی۔ معاملے نے طول پکڑا۔ سنان نے انصار کو پکارا، جہجاہ نے مہاجرین کو پکارا۔ قریب تھا کہ باہمی قتل و غارت کا بازار گرم ہو جاتا، حضورؐ خود تشریف فرما ہوئے اور ارشاد فرمایا۔ مابال دعوی الجاھلیۃ دعوھا فانھا فتنۃ ولینصر الرجل اخاہ ظالما کان او مظلوما ان کان ظالما فلینھہ فانہ ناصر وان کان مظلوما فلینصرہ۔

ترجمہ: تم زمانہ جاہلیت کے دستور کے مطابق اپنے اپنے قبیلوں کو مدد کے لیے کیوں بلاتے ہو۔ اس طرح کی للکار کو ترک کر دو۔

اس میں سراسر فتنہ ہے۔ تمہیں چاہیے کہ اپنے بھائی کی ہر حال میں مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ ظالم کی مدد کا تو یہ طریقہ ہے کہ اس کو ظلم سے روکا جائے اور مظلوم کی مدد کا یہ طریقہ ہے کہ اس کی اعانت کرو تاکہ اس کی داد رسی ہو جائے۔

نبی کریم کی تشریف آوری سے یہ فتنہ فرو ہو گیا۔ عبداللہ بن ابی کے حلیف سنان کو جہجاہ نے طمانچہ مارا تھا۔ اپنی جماعت میں جب وہ آکر بیٹھا تو غصہ سے اس کے نتھنے پھولے ہوئے تھے۔ کہنے لگا ہم نے ان لوگوں کو پناہ دی۔ ان کی خورد و نوش کا سارا انتظام کیا۔ آج یہ ہم پر ہی غرانے لگے ہیں۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے مثل مشہور ہے کہ سمن کلبک یا کلک۔ تم اپنے کتے کو موٹا کرو تاکہ وہ تمہیں ہی کاٹ کھائے تم ان کا کھانا بند کر دو۔ ان پر آئندہ ایک پیسہ بھی خرچ نہ کرو۔ ان کا دماغ خود بخود درست ہو جائے گا اور بھوک سے تنگ آکر یہ منتشر ہو جائیں گے۔ پھر کہنے لگا ہمیں ذرا سفر سے واپس مدینہ جا لینے دو۔ پھر جو طاقتور اور معزز ہے (یعنی وہ خود) کمزور اور ذلیل کو اس شہر سے باہر نکال دے گا۔ زید بن ارقم ایک نوجوان بھی وہاں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اگرچہ ابن ابی کی پارٹی کا آدمی تھا لیکن یہ بکواس سن کر اسے یارائے ضبط نہ رہا کہنے لگا اے ابن ابی بخدا تو ذلیل و خوار ہے اور اپنی قوم میں تیری کوئی وقعت نہیں۔ خداوند رحمٰن نے ساری عزتیں اپنے محبوب محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بخشی ہیں اور مسلمان آپ کے عشق میں وارفتہ ہیں۔ تیری اس بیہودہ گفتگو کے بعد میری تیری دوستی ختم۔ عبداللہ نے زید کو کہا برخوردار چپ رہو میں تو صرف دل لگی کر رہا تھا۔

زید بن ارقم نے اپنے چچا کو ساری بات بتا دی۔ انہوں نے حضور کے گوش گزار کر دیا۔ حضور نے ابن ابی کو بلا کر پوچھا تو صاف مکر گیا اور قسمیں کھا کھا کر کہا کہ میں نے ہرگز ایسی بات نہیں کی۔ زید نے جھوٹ بولا ہے اور اپنی طرف سے یہ سارا قصہ گھڑ کر پیش کیا ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی قسموں کی وجہ سے اس سے درگزر فرمایا۔ زید کہتے ہیں مجھے بڑی ندامت ہوئی۔ اس صدمہ سے میں نڈھال ہو گیا۔ امام ترمذی کے الفاظ میں بقیہ واقعہ سنیے:

زید کہتے ہیں کہ میں سفر میں حضور کے ہمراہ تھا لیکن بار ندامت سے میرا سر جھکا ہوا تھا پیچھے سے دلنواز آقا تشریف لائے محبت سے میرا کان مروڑا اور میری طرف رخ انور کر کے ہنس دیے۔ اس عنایت خصوصی سے مجھے اتنی مسرت ہوئی کہ اگر مجھے ابدی زندگی مل جاتی تب بھی مجھے اتنی خوشی نہ ہوتی۔ اذ اتانی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فعرک اُذنی وضحک فی وجھی فما کان یسرنی ان لی بھا الخلد فی الدنیا۔

حضرت ابوبکر پیچھے سے آئے پوچھا کہ حضور نے کیا ارشاد فرمایا۔ میں نے ساری بات بتائی تو صدیق نے فرمایا اَبْشِرْ مبارک باد۔ پھر حضرت عمر آپہنچے۔ واقعہ سن کر انہوں نے بھی بشارت دی جب رات گزر گئی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دوسرے روز صبح سورہ المنافقون کی تلاوت فرمائی۔ قال ابو عیسٰی ھٰذا حدیث حسن صحیح۔ امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

جب عبداللہ بن اُبَی کی یہ گفتگو حضور کی خدمت میں بیان کی گئی حضرت فاروق اعظم بھی وہاں حاضر تھے۔ عرض کیا دعنی اضرب عنقہ مجھے اجازت فرمائیے میں اس مردود کی گردن اڑا دوں۔ حضور نے جو جواب ارشاد فرمایا وہ تمام اہل ایمان خصوصاً کارپردازان حکومت کے لیے بڑا سبق آموز ہے۔ فرمایا وکیف یا عمر اذا تحدث الناس ان محمدا یقتل اصحابہ۔ اے عمر! یہ اجازت کیسے دے دوں۔ لوگ باتیں بنائیں گے کہ ذرا دیکھو کہ اب اپنے ساتھیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا ہے۔

وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ

اور اللہ کے لیے ہی ہیں خزانے آسمانوں اور زمین کے لیکن منافقین (اس حقیقت کو)

لَا يَفْقَهُوْنَ ۝٧ يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ

سمجھتے ہی نہیں۔ منافق کہتے ہیں کہ اگر ہم لوٹ کر گئے مدینہ میں تو نکال دیں گے عزت

الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ۭ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ

والے وہاں سے ذلیلوں کو ۱۲؎ حالانکہ ساری عزت تو صرف اللہ کے لیے، اس کے رسول کے لیے اور ایمان والوں کے

لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝٨ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ

لیے ہے مگر منافقوں کو (اس بات کا) علم ہی نہیں ۱۳؎ اے ایمان والو! تمہیں غافل نہ کردیں

اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ

تمہارے اموال اور نہ تمہاری اولاد اللہ کے ذکر سے ۱۴؎ اور جنہوں نے ایسا کیا

۱۲؎ آیت کے اس حصہ میں فرمایا گیا کہ کفار و منافقین کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو معزز و محترم خیال کرنے لگیں۔ حقیقی عزت کا مالک تو اللہ تعالیٰ ہے یا اس کا رسول مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اس کے ماننے والے جن کو اللہ تعالیٰ نے عزت و کرامت کی خلعت سے سرفراز فرمایا ہے۔ کفار و منافقین جو کفر و نفاق کی ذلتوں میں گرفتار ہیں بزدلی کے باعث کھل کر سامنے نہیں آسکتے، جھوٹی قسمیں کھانے سے باز نہیں آتے، معمولی سے دنیوی فائدہ کے لیے اپنے نظریات کا صاف صاف انکار کردیتے ہیں، مسلمانوں کے دامنِ شفقت میں آرام کی زندگی بسر کر رہے ہیں، اس کے باوجود جب موقع ملے تو انہیں ڈسنے سے باز نہیں آتے۔ جن لوگوں کا یہ کردار ہو کیا انہیں یہ زیب دیتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو معزز اور محترم کہیں۔ انسانی عزت مال و جاہ سے نہیں، زرق برق لباس میں نہیں۔ انسان کی عزت و وقار کا راز تو اس کے بلند کردار اس کی بے داغ سیرت اور مکارمِ اخلاق میں مضمر ہے جس سے یہ لوگ کوسوں دور ہیں۔

۱۳؎ لیکن اس حقیقت کا منافقوں کو علم نہیں۔ وہ تنگ نظر اسی کو عزت سمجھتے ہیں کہ انہیں پہننے کے لیے خوبصورت لباس، کھانے کے لیے لذیذ کھانے اور رہنے کے لیے شاندار محلات حاصل ہوں وہی محترم و مکرم ہیں۔

۱۴؎ فرزندانِ اسلام کو منافقین کے طریقہ کار سے اجتناب کی تاکید فرمائی جارہی ہے کہ ان لوگوں کو تو ان کے اموال نے اور ان کی اولاد نے اپنے خالق کی یاد سے غافل کردیا ہے۔ اے مسلمانو! تم ایسا نہ کرنا۔ جس شخص کو دنیا کی دلچسپیاں اپنے پروردگار کی بندگی اور اطاعت

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹﴾ وَ اَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ

تو وہی لوگ گھاٹے میں ہوں گے۔ اور خرچ کرو اس رزق سے جو ہم نے تم کو دیا اس سے پیشتر کہ

اَنْ یَّاْتِیَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَیَقُوْلَ رَبِّ لَوْ لَاۤ اَخَّرْتَنِیْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ

آجائے تم میں سے کسی کے پاس موت تو (اس وقت) وہ یہ کہنے لگے کہ اے میرے رب! تو نے مجھے تھوڑی مدت کے لیے کیوں

قَرِیْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَ اَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۰﴾ وَ لَنْ یُّؤَخِّرَ اللّٰهُ

مہلت نہ دی تاکہ میں صدقہ (وخیرات) کر لیتا اور نیکوں میں شامل ہو جاتا ۱۵ اور اللہ تعالیٰ مہلت نہیں دیا کرتا

نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ؕ وَ اللّٰهُ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱﴾

کسی شخص کو جب اس کی موت کا وقت آجائے ۱۶ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو تم کیا کرتے ہو ۱۷

سے محروم کر دیتی ہیں وہ انسان سراسر خسارے اور گھاٹے میں ہے۔ حقیقی نفع حاصل کرنے والے وہ لوگ ہیں جو اپنی فانی زندگی کے لمحات اپنے رب کی یاد اور اپنے پیارے رسول کی غلامی اور محبت میں بسر کر دیتے ہیں۔

۱۵ اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں تم کو عطا فرمائی ہیں انہیں اس کی راہ میں خرچ کرو اور خرچ کرنے میں لیت و لعل اور تاخیر سے کام نہ لو۔ ایسا نہ ہو کہ موت کا وقت آجائے اور تم کف افسوس ملتے رہ جاؤ۔ اس وقت تمہاری آنکھیں کھلیں اور اس طویل سفر کے لیے کوئی زاد راہ مہیا نہ کرنے کا تمہیں احساس ستانے لگے تم ایڑیاں رگڑ رگڑ کر التجائیں کرو کہ ایک مرتبہ یہ موت ٹل جائے تھوڑا سا وقت مل جائے تاکہ میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں جی بھر کر اپنا مال لٹاؤں اور اس کے نیک بندوں میں شامل ہو جاؤں، پھر موت آجائے میں بصد مسرت پیام اجل کو قبول کر لوں گا۔

۱۶ سن لو اللہ تعالیٰ کا یہ اٹل فیصلہ ہے کہ جب کسی کی موت کا مقررہ وقت آجاتا ہے تو پھر اس میں ایک لمحہ کی تاخیر بھی نہیں کی جاتی جب تم جانتے ہو کہ موت نے بہرحال آنا ہے تو قرین دانشمندی یہی ہے کہ آج ہی سے اس کے لیے تیاری شروع کر دو۔

۱۷ کسی کا کوئی عمل اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں، خلوت اور جلوت سب اس کے نزدیک یکساں اور عیاں ہے۔

◎

اللّٰھم انت خبیر بما نعمل فوفقنا لما تحب و ترضی یا حی یا قیوم برحمتك استغیث لا تکلنی الی نفسی طرفة عین واصلح لی شانی کلہ اللّٰھم صل وسلم وبارك علی نبیك وحبیبك سیدنا ومولانا محمد والہ وصحبہ واولیاء امتہ وعلماء ملتہ وسائر المؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات۔ یا ارحم الراحمین و یا اکرم الاکرمین یا ذا الجلال والاکرام۔

تعارف

سُورۃ التغابُن

نام : اس سورت کی آیت نمبر ۹ میں التغابن کا کلمہ ہے یہی اس کا نام تجویز کیا گیا۔ اس میں دو رکوع، اٹھارہ آیتیں، دو سو اکتالیس کلمے، ایک ہزار، ۰ حروف ہیں۔

نزول : اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ اس کا نزول مدینہ طیبہ میں ہوا۔ ابن مردویہ اور بیہقی نے حضرت ابن عباس سے یہی قول نقل کیا ہے۔ ابن الزبیر سے بھی یہی مروی ہے۔ اگرچہ بعض مفسرین اسے مکی کہتے ہیں لیکن پہلا قول راجح ہے۔

مضامین : پہلی چار آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی صفاتِ جلیلہ کو بیان فرمایا گیا ہے۔ ان صفات کا جو تعلق کائنات کی تخلیق خصوصاً انسان کی تخلیق سے ہے، اُسے ساتھ ساتھ واضح کر دیا گیا۔ بتایا کہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اس کی پاکی بیان کر رہی ہے۔ بلندیوں اور پستیوں میں اسی کی حکمرانی ہے۔ ہر قسم کی تعریف کا وہی حقدار ہے جو ہر چیز پر قادر ہے۔ انسان کو بھی اسی نے پیدا کیا۔ بعض خوش نصیب وہ ہیں جنہوں نے اپنے خالق کو پہچانا اور اس کی وحدانیت پر ایمان لے آئے ہیں اور اُس کے انعامات پر اس کا شکر ادا کرتے ہیں اور بعض ایسے بدنصیب ہیں جو اس سعادت سے محروم رہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہمہ دانی کا یہ حال ہے کہ کوئی چیز اس سے مخفی نہیں۔

حمدِ الٰہی کے بعد گزشتہ زمانوں کے کفار کا حال بیان کیا کہ اُنہوں نے اپنے رب کا انکار کیا اور اس کے بھیجے ہوئے رسولوں کی تکذیب کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ہلاک کر دیے گئے۔ اے لوگو! تم اُن سے عبرت پکڑو اور ایسی راہ اختیار نہ کرو جس کا انجام تباہی ہو۔

آیت نمبر ۱۴ اور ۱۵ میں اہلِ ایمان کو ایک اہم خطرے سے متنبہ کر دیا تاکہ وہ اس سے بچتے رہیں۔ بیوی اور اولاد کی محبت انسان کے لیے بہت بڑی آزمائش ہے۔ لوگ اپنی بیویوں کو خوش کرنے اور اپنی اولاد کو خوشحال دیکھنے کے جنون میں کیا کچھ نہیں کر گزرتے۔ ہر شخص یہ سمجھ لے کہ اس کی حسین و جمیل بیوی جس کی ایک ادا پر وہ سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار ہے یا اس کی پیاری اولاد جس کو خوش و خرم دیکھنے کا وہ از حد متمنی ہے۔ اگر اس نے فرزند و زن کے لیے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی تو اس کی عاقبت برباد ہو جائے گی۔ یہ بیوی، یہ بچے کسی کام نہ آئیں گے۔ اس وقت اُسے پتہ چلے گا کہ یہ اس کے دشمن تھے۔ تم اب چوکنے رہو اور ان کی ناجائز نازبرداری سے اجتناب کرو۔ تاکہ تمہیں قیامت کے روز پچھتانا نہ پڑے۔

آخر میں یہ ہدایت فرما دی کہ جہاں تک تمہارے امکان میں ہے تقویٰ اور پرہیزگاری کو اپنا شعار بنالو۔ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے میں فیاضی سے کام لو۔ اس کا وہ تمہیں اتنا اجر دے گا جس کا ابھی تم اندازہ بھی نہیں لگا سکتے۔

سُوْرَةُ التَّغَابُنِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانِيَ عَشْرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورہ التغابن مدنی ہے اور اس میں اٹھارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ وَ

اللہ ہی کی تسبیح کررہی ہے ہر چیز جو آسمانوں میں ہے اور ہر چیز جو زمین میں ہے [۱] اسی کی حکومت ہے اور

لَهُ الْحَمْدُ ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ

اسی کے لیے ساری تعریفیں ہیں اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے [۲] وہی ہے جس نے تمہیں پیدا فرمایا

فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۲

پھر تم میں سے بعض کافر ہیں اور تم میں سے بعض مومن ہیں [۳] اور اللہ تعالیٰ جو تم کرتے ہو خوب دیکھ رہا ہے۔

[۱] اس سورت میں جو معارف و مطالب بیان کیے گئے ہیں ان کا آغاز اس آیت سے زیادہ موزوں نہیں ہوسکتا انسان کی تخلیق، اس میں متعدد اور متنوع نوعیت کی صلاحیتوں کا ودیعت کیا جانا، اس کی صورت کا حسین و جمیل ہونا، آسمانوں اور زمین کا اور ان میں جو کچھ ہے اس کا حق کے ساتھ پیدا کیا جانا، یہ ساری چیزیں اس امر کا تقاضا کرتی ہیں کہ ان کا خالق تمام صفاتِ کمال سے متصف ہے اور ہر عیب و نقص سے مبرا اور منزہ ہے۔ بلندیوں پستیوں میں حقیقی فرمانروائی اسی کی ہے۔ ہر خوبی اور ہر کمال جہاں کہیں دکھائی دیتا ہے وہ اسی کا ہے یا اس کا بخشا ہوا ہے اس لیے ہر حمد کا وہی مستحق ہے۔

[۲] جب ہر چیز ممکن ہے اس کی تخلیق کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف یکساں ہے تو اس کی قدرت کی نسبت بھی ہر چیز سے مساوی ہوگی۔

[۳] جبر و قدر کے نظریات نے عرصہ تک لوگوں کو پریشان رکھا۔ اس افراط و تفریط کے درمیان اہلسنت نے راہِ اعتدال اختیار کی۔ نہ ہم انسان کو جمادات کی طرح مجبورِ محض سمجھتے ہیں اور نہ اسے مختارِ مطلق مانتے ہیں کہ جو چاہے وہ کرے اور جو اس کی مرضی ہو وہ ہوتا چلا جائے۔ اس کا اور اس کی جملہ صلاحیتوں کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ ان صلاحیتوں کا برتنے کا ارادہ، اچھے یا برے انداز سے ان کو استعمال کرنا یہ انسان کا فعل اور کسب ہے۔ اسی کسب کے باعث وہ جزا و سزا کا مستحق سمجھا جاتا ہے۔ اس آیت میں بتا دیا گیا ہے کہ تمہیں نیست سے

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ

اس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ اور اس نے تمہاری صورتیں بنائیں اور تمہاری صورتوں کو خوبصورت بنایا۔ ؎

وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝۳ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ

اور اسی کی طرف (سب نے) لوٹنا ہے۔ وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے نیز وہ جانتا ہے

بست کرنے والا، تم میں گوناگوں صلاحیتیں پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ پھر کسی نے اس نعمت وجود کو پہچانا، اس کا اعتراف کیا اور اپنے منعم کا شکر ادا کرتے ہوئے اس کی توحید کو تسلیم کیا، کسی نے اس نعمت کی قدر نہ کی اور نفس و شیطان کے بتائے ہوئے راستہ پر گامزن رہا اور اپنے رب کا انکار کرتا رہا۔ انسان کو، اس کی صلاحیتوں کو پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کا فعل ہے لیکن انہیں صحیح یا غلط انداز سے استعمال کرنا انسان کا فعل ہے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ زجاج نے کہا ھی احسن الاقوال کہ یہ رائے ہی تمام آراء سے بہتر ہے۔

؎ آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کرنے کا مطلب متعدد مقامات پر بیان کیا جا چکا ہے۔ مختصر الفاظ میں یوں سمجھ لیجیے کہ ہر چیز کو رب کریم نے اس طرح بنایا جس طرح اسے بنایا جانا چاہیے تھا تاکہ وہ اپنی تخلیق کے مقاصد کو صحیح طریقے سے انجام دے سکے۔ کائنات کی کسی چھوٹی یا بڑی چیز میں آپ غور کریں آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ اسے ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ چیونٹی کا ننھا سا جسم، اس کی باریک باریک ٹانگیں اور اس کے بقیہ جسم کی ساخت ایسی ہی ہونی چاہیے تھی جیسے ہے۔ ہاتھی کا یہ بھاری بھرکم جثہ، اس کی موٹی موٹی مضبوط ٹانگیں، اس کے چوڑے چوڑے کان، اس کی لمبی سوراخ دار سونڈ ایسی ہی ہونی چاہیے تھی جیسے ہمیں نظر آرہی ہے۔ ہوا میں جو خوبیاں ہیں، پانی کی جو خصوصیتیں ہیں ان میں ردوبدل کی قطعاً گنجائش نہیں۔ جو بنایا ہے، جیسے بنایا ہے وہی حق اور درست ہے۔ اس میں رائی کے دانے کے برابر بھی کوئی بڑے سے بڑا انجینئر تبدیلی نہیں کر سکتا۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے اپنی تخلیق کے شاہکار حضرت انسان کا خصوصی طور پر ذکر فرما دیا کہ دیکھو ہم نے اسے بنایا اور کتنا خوبصورت بنایا۔ اس کا قد زیبا، اس کے ہاتھ اور اس کے بازو کتنے متناسب ہیں۔ اگر پانچ کے بجائے ہاتھ میں سات انگلیاں ہوتیں یا چار ہوتیں تو کیا وہ کام تم اس خوبی سے انجام دے سکتے جیسے اب دے رہے ہو، پھر اس کے چاند سے چہرے کی طرف دیکھو، آنکھیں، کان، ناک، منہ کتنے قرینے سے سجائے گئے ہیں۔ ان میں سے کسی کو آگے پیچھے یا اوپر نیچے کر کے تصور کرو کتنی خوفناک اور بھیانک صورت رونما ہو جائے گی۔ پھر صرف اس کا ظاہر ہی حسن و دل کشی کا مرقع نہیں بلکہ اس کا باطن بھی گوناگوں خوبیوں کا مخزن ہے۔ اس مشت خاک میں فضا کو مسخر کرنے، سمندروں کو کھنگال دینے کی قوتیں کس نے رکھی ہیں؟ اسے نیک و بد کے درمیان تمیز کی استعداد کس نے بخشی ہے؟ وہ ہمت بلند جس کے زور سے وہ مادی دنیا کی زنجیروں کو توڑ کر سدرۃ المنتہیٰ پر اپنا آشیانہ بناتا ہے وہ کس کا عطیہ ہے۔ اس کو ارادہ و عمل کی گوناگوں آزادی دے کر چمن ہستی کی حنابندی کا کیا حیران کن اہتمام کر دیا گیا ہے۔

کوئی لاکھ دور بھاگے، کوئی لاکھ سرکشی کرے، کوئی اپنی خودی کے خمار میں کتنا سرمست رہے آخرکار سب نے اسی کے دربار میں لوٹ کر جانا ہے۔

مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۴

جسے تم چھپاتے ہو اور جسے تم ظاہر کرتے ہو ۳؎ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو سینوں میں (پوشیدہ) ہے۔

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۫ فَذَاقُوْا وَبَالَ

کیا نہیں آئی تمہارے پاس ان کی خبر جنہوں نے کفر کیا اس سے پہلے پس چکھ لیا انھوں نے اپنے کام (یعنی کفر)

اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۵ ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ

کا وبال اور ان کے لیے آخرت میں) دردناک عذاب ہے ۴؎ اس کی وجہ یہ تھی کہ آتے رہے ان کے پاس

۳؎ اس کی بے پایاں قدرت میں اس کی حکمت کے جلوے قدم قدم پر ع نظارہ دامن دل میکشد کہ جا ایں جاست کا منظر پیش کر رہے ہیں۔ یہاں اس کے علم کی گیرائی اور وسعت کا اندازہ بھی ممکن نہیں۔ بلندیوں اور پستیوں میں کوئی حقیر سے حقیر چیز بھی ایسی نہیں جس کا اسے علم نہ ہو۔ اگر اس کو خشخاش کے باریک سے دانے کا علم نہ ہو جو زمین کے تاریک شکم میں بو دیا جاتا ہے تو وہ اگے کیسے بڑا کیسے ہو' اس پر پھول کیسے آئیں اور وہ پک کر تیار کیسے ہو۔

انسان کا مقام ساری مخلوقات میں اعلیٰ وارفع ہے اس لیے اس کا ذکر ہر موقع پر خصوصیت سے کیا جاتا ہے۔ یہاں بھی فرمایا کہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کو جاننے والا اے انسان تجھے بھی جانتا ہے اور کوئی فعل اس سے مخفی نہیں تو ہزار پردوں کے پیچھے چھپ کر بھی کوئی کام کرے تب بھی اس کو اس کا علم ہے' بلکہ جو خیال تیرے نہاں خانۂ دل میں ابھی انگڑائیاں لے رہا ہے اس سے بھی وہ پوری طرح باخبر ہے۔ اس لیے سرکشی کا انداز ترک کر دو۔ اطاعت و انقیاد کو اپنا شعار بنالو اسی میں تمہاری بھلائی اور دونوں جہانوں کی فلاح کا راز پوشیدہ ہے۔

قرآن کریم ہر مناسب مقام پر انسان کو یہ احساس دلاتا ہے کہ تو اشرف المخلوقات ہے۔ جو شکل و صورت تجھے دی گئی ہے وہ بھی بے نظیر ہے' جو فہم و شعور تجھے بخشا گیا ہے اس کی بھی مثال نہیں۔ فعل و ترک کی جو آزادی تجھے دی گئی ہے کسی اور مخلوق کو نہیں دی گئی۔ اب تیرا بھی فرض ہے کہ اپنے کریم رب کو پہچان' اپنی زندگی کو اس کے احکام کے سانچے میں ڈھال' اس کی نعمتوں کا شکر ادا کر۔ اس سے دو مقصد پورے ہو جائیں گے۔ تیرا خدا بھی راضی ہو جائے گا اور تیری شخصیت کو بھی چار چاند لگ جائیں گے اور تو اپنے مقصدِ حیات کو بھی عمدہ طریقہ سے انجام دے سکے گا۔

۴؎ جن لوگوں نے اس حقیقت کو نہ پہچانا اور اپنے رب کا شکر ادا کرنے کے بجائے سرکشی کی راہ پر چل نکلے اور کفر و شرک اور فسق و فجور کے خارزاروں میں پھنس کر رہ گئے ان کے دردناک انجام کی خبریں زبان زد عوام ہیں۔ تم نے بارہا سنی ہوں گی۔

رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا

ان کے پیغمبر روشن نشانیاں لے کر پس وہ بولے کیا انسان ہماری رہبری کریں گے ۔ پس انہوں نے کفر کیا اور منہ پھیر لیا

وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝ زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ

اور اللہ تعالیٰ بھی (ان سے) بے نیاز ہو گیا[5] اور اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے، سب خوبیوں سراہا ہے۔ گمان کرتے ہیں کفار کہ انہیں ہرگز دوبارہ

لَّنْ يُّبْعَثُوْا ۭ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۭ

زندہ نہ کیا جائے گا۔ فرمائیے کیوں نہیں میرے رب کی قسم تمہیں ضرور زندہ کیا جائے گا[6] پھر تمہیں آگاہ کیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے ۔

وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ

اور یہ اللہ کے لیے بالکل آسان ہے ۔ پس ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے

[5] ان کی گمراہی کی وجہ بتائی جارہی ہے کہ ہم نے ان کو عقل و فہم بھی عطا کیا۔ مزید کرم یہ فرمایا کہ ان کی طرف اپنے رسول مبعوث کیے جو انہیں راہِ حق دکھائیں اور ان پیغمبروں کو معجزے بھی دیے تاکہ وہ ان کو پہچان سکیں لیکن ان احمقوں نے یہ کہہ کر ان کی دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ ہم اپنے جیسے انسانوں کا اتباع نہیں کریں گے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی طرف سے بے پروائی اختیار کر لی اور انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا۔ بندوں کو اللہ تعالیٰ کے جود و کرم کی ضرورت ہے۔ وہ بندوں کے سجدوں اور عبادتوں کا محتاج نہیں۔ اس کی کوئی بھی تعریف نہ کرے پھر بھی وہ غنی اور حمید ہے۔

[6] کفار کو اس بات پر یقین تھا کہ قیامت ہرگز نہیں آئے گی، بلکہ آسکتی ہی نہیں۔ اس لیے وہ بڑے دعوے سے کہتے تھے لَّنْ يُّبْعَثُوْا۔ انہیں قبروں سے زندہ کر کے ہرگز نہیں اٹھایا جائے گا۔ ان کے اس بے جا دعوے کے رد میں ان کے اندازِ گفتگو لن یبعثوا سے بھی صد ہا گنا پُرزور انداز میں وقوعِ قیامت کے بارے میں اعلان فرمانے کا اپنے رسول کو حکم دیا۔ اے حبیب! آپ فرمائیے اے کافرو! تمہارا یہ خیال سراسر باطل ہے کہ تمہیں دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا۔ میں اپنے رب کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمہیں ضرور دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ صرف اسی پر بس نہیں بلکہ تمہاری زندگی کا سارا دفترِ عمل تمہارے سامنے کھول کر رکھ دیا جائے گا اور تم میں یہ طاقت نہ ہوگی کہ تم کسی ایک بات کا بھی انکار کرو۔ ایسا کرنا میرے رب کے لیے قطعاً دشوار نہیں۔ جس طرح اس نے کائنات کی تخلیق کے وقت فرمایا کُنْ اور یہ سارا جہان اپنی بوقلمونیوں کے ساتھ نیست سے ہست ہو گیا، اسی طرح اس وقت بھی اس کا ایک اشارہ ہو گا تم سر جھکائے قبروں سے نکل کھڑے ہو گے۔ تمہارے لیے تو واقعی بکھرے ہوئے ذروں کو یکجا کرنا مشکل بلکہ ناممکن ہے لیکن میں تو اپنے رب کی بات کر رہا ہوں جو علیٰ کل شیئٍ قدیر ہے۔

أَنزَلْنَا ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٨﴾ يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ

نازل کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے خبردار ہے ٩ جس دن تمہیں اکٹھا کرے گا جمع ہونے کے دن ١٠

ذَٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ۗ وَمَن يُؤْمِن بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُكَفِّرْ

یہی گھاٹے کے ظہور کا دن ہے ١١ اور جو ایمان لے آیا اللہ پر اور نیک عمل کرتا رہا اللہ دور فرمادے گا

٩ کفر و انکار انسان کو جن ہلاکتوں سے دوچار کر دیتا ہے پہلے ان کا ذکر کیا' پھر قیامت کے وقوع پذیر ہونے کا حتمی اعلان کرایا۔ اب ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ تمہاری سلامتی اور بہتری اسی میں ہے کہ تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لے آؤ اور قرآن کریم جو سراسر نور ہدایت ہے اس کو اللہ کا سچا کلام تسلیم کر لو۔ یہ نور تمہاری زندگی کے گوشہ گوشہ کو منور کر دے گا۔ اس کی چمک سے تمہارے تصورات کے ظلمت کدہ میں اجالا ہو جائے گا حق اور باطل میں تم بآسانی امتیاز کر سکو گے۔ تمہاری معاشی خوشحالی' تمہاری اخلاقی برتری اور تمہاری روحانی ترقی کی منزل کی طرف یہی نور تمہاری رہنمائی کرے گا۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں وھو القرآن فانہ باعجازہ بین بنفسہ ومبین لغیرہ کما ان النور کذالک (روح المعانی) یعنی یہاں نور سے مراد قرآن کریم ہے کیونکہ وہ اپنے اعجاز بیان کے باعث خود بھی روشن ہے اور دوسرے حقائق کو بھی آشکارا کرنے والا ہے۔

١٠ یَوْمَ ، لَتُنَبَّؤُنَّ کا ظرف ہے اس لیے منصوب ہے' قیامت کو یوم الجمع اکٹھے ہونے یا اکٹھا کیے جانے کا دن کہا گیا ہے کیونکہ ابتدائے آفرینش سے قیام قیامت تک ساری مخلوق وہاں جمع ہو گی تاکہ ان سے ان کے اعمال کا حساب لیا جا سکے۔

١١ فرمایا یوم الجمع یعنی جمع ہونے کا دن ہی حقیقت میں یوم التغابن ہو گا۔ علامہ راغب نے اختصار کے ساتھ بڑی جامع اور واضح تشریح کی ہے۔ لکھتے ہیں الغبن ان یبخس صاحبک فی معاملۃ بینک وبینہ بضرب من الاخفاء (مفردات) یعنی پوشیدہ طور پر اپنے ساتھی کو باہمی معاملہ میں نقصان پہنچانے کو غبن کہتے ہیں اگر یہ نقصان مالی ہو تو اس کا ماضی غَبَنَ مفتوح العین ہو گا اور اگر اس کی رائے اور فہم میں ہو تو غَبِنَ مکسور العین ہو گا۔ قیامت کو یوم التغابن کہنے کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ عمر بھر جس خسارے کے کاروبار میں وہ ہمہ تن مصروف رہے۔ اس کے نتائج کھل کر ان کے سامنے آ جائیں گے اور انہیں علم ہو جائے گا کہ انہوں نے کتنے گھاٹے کا سودا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے انہوں نے اپنے آپ کو نعیم جنت سے محروم کیا اور نفس و شیطان کی پیروی کر کے اپنے آپ کو دوزخ کا ایندھن بنایا۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ باب تفاعل ہے' اس میں دو یا دو سے زائد آدمیوں کی شرکت ضروری ہے اس لیے انہوں نے یوم التغابن کی تشریح یوں کی ہے کہ اہل جنت جب جنت میں داخل ہوں گے تو انہیں اپنے محلات کے علاوہ ان لوگوں کے محلات بھی مرحمت فرما دیے جائیں گے جنہوں نے غلط روی کے باعث اپنے آپ کو جہنم کا سزاوار بنایا۔ اور جہنمی جب دوزخ میں پھینکے جائیں گے تو انہیں اپنے ٹھکانوں کے علاوہ ان لوگوں کے ٹھکانے بھی دے دیے جائیں گے جو راہ راست پر گامزن ہونے کے باعث دوزخ کے عذاب

نجات پا گئے گویا اس روز دوزخی اور جنتی آپس میں لین دین کریں گے۔ اہل جنت اپنے دوزخ کے ٹھکانے جہنمیوں کو دے دیں گے اور ان کے عوض جنت میں دوزخیوں کے لیے جو ایوان آراستہ کیے گئے تھے وہ انہیں مل جائیں گے۔ اس روز دوزخی باآسانی یہ فیصلہ کر سکیں گے کہ زندگی کے میدان میں کون جیتا اور کون ہارا۔ اس کاروبار میں انہوں نے کیا کھویا اور کیا پایا۔

بخاری شریف کی روایت سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ حضور نے فرمایا:

مَا مِنْ عَبْدٍ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا أُرِيَ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ لَوْ أَسَاءَ لِيَزْدَادَ شُكْرًا وَمَا مِنْ عَبْدٍ يَدْخُلُ النَّارَ إِلَّا أُرِيَ مَقْعَدَهُ مِنَ الْجَنَّةِ لَوْ أَحْسَنَ لِيَزْدَادَ حَسْرَةً۔ یعنی ہر جنتی جب جنت میں داخل ہوگا تو اسے جہنم میں اس کی وہ جگہ دکھائی جائے گی جو اگر وہ بدکار ہوتا تو اس کو ملتی۔ یہ اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا مزید شکر ادا کرے اور دوزخی کو جنت میں اس کی وہ جگہ دکھائی جائے گی جو اگر وہ نیک ہوتا تو اس کو ملتی تاکہ اس کی حسرت میں مزید اضافہ ہو۔

صحیح مسلم اور ترمذی کی ایک حدیث بھی مطالعہ فرمائیے تاکہ آپ کو پتہ چلے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان کس طرح عدل فرمائے گا۔ حضرت ابوہریرہ روایت کرتے ہیں:

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قَالَ أَتَدْرُونَ مَنِ الْمُفْلِسُ قَالُوا الْمُفْلِسُ فِينَا مَنْ لَا دِرْهَمَ لَهُ وَلَا مَتَاعَ قَالَ إِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ أُمَّتِي مَنْ يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلَاةٍ وَصِيَامٍ وَزَكَاةٍ وَيَأْتِي قَدْ شَتَمَ هَذَا وَقَذَفَ هَذَا وَأَكَلَ مَالَ هَذَا وَسَفَكَ دَمَ هَذَا وَضَرَبَ هَذَا فَيُعْطَى هَذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ وَهَذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ فَإِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهُ قَبْلَ أَنْ يُقْضَى مَا عَلَيْهِ أُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ وَطُرِحَتْ عَلَيْهِ ثُمَّ طُرِحَ فِي النَّارِ۔

ترجمہ: ایک روز رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پوچھا اے لوگو! تم جانتے ہو مفلس کون ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہم تو اس کو مفلس کہتے ہیں جس کے پاس نہ روپیہ ہو نہ سازوسامان۔ فرمایا میری امت کا مفلس وہ ہے جو روز حشر آئے گا۔ اس کے ساتھ اس کی نمازیں، اس کے روزے اور اس کی زکوٰۃ ہوگی نیز وہ اس حالت میں آئے گا کہ اس نے دنیا میں کسی کو گالی نکالی ہوگی، کسی پر بہتان باندھا ہوگا، کسی کا ناحق مال کھایا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا، کسی کو مارا پیٹا ہوگا۔ ان مظلوموں کی دادرسی کرنے کے لیے اس کی نیکیاں ان لوگوں میں بانٹی جائیں گی اور اگر مظلوموں کی حق رسی سے پہلے اس کی نیکیوں کا ذخیرہ ختم ہو گیا تو مظلوموں کے گناہ لے کر اس کے سر پر لاد دیے جائیں گے اور پھر اسے دھکا دے کر آتش جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک اور نصیحت آموز ارشاد بھی سنتے جائیے۔

قال من كان عنده مظلمة لاخيه فليحلله منها فان الدنيا فانه ليس ثمه دينار ولا درهم ان كان عمل صالح اخذ منه بقدر مظلمته وان لم يكن له حسنات اخذ من سيئات صاحبه فحمل عليه (بخاری شریف)

ترجمہ: یعنی اگر کسی نے اپنے بھائی پر ظلم کیا ہے تو اس دنیا میں ہی وہ اسے معاف کرا لے کیونکہ قیامت کے روز دینار و درہم نہیں ہوں گے۔ اگر اس ظالم نے کچھ نیک اعمال کیے ہوں گے تو وہ لے کر اس مظلوم کو دے دیے جائیں گے اور اگر اس کے پاس صالح اعمال کا ذخیرہ نہ ہوگا تو مظلوم کے گناہ اس کے سر پر لاد دیے جائیں گے۔

عَنۡهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدۡخِلۡهُ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ

اس سے اس کے گناہوں کو ۱۲ے اور داخل فرمائے گا اسے باغوں میں رواں ہوں گی جن کے نیچے ندیاں

خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ۝۹ وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا

وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے تا ابد۔ یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔ اور جنہوں نے کفر کیا

وَكَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ؕ وَبِئۡسَ

اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ دوزخی ہوں گے ہمیشہ اس میں رہیں گے ۱۳ے اور یہ بہت بری

وہ لوگ جو تلاشِ زر میں آج دیوانے بنے پھرتے ہیں، حلال و حرام، جائز و ناجائز کی تمیز بھی نہیں کرتے، جو لوگ اپنے کارخانوں کی اونچی اونچی چمنیوں سے سیاہ دھواں نکلتا دیکھ کر پھولے نہیں سماتے، جو آج اپنے کر و فر میں اتنے مست ہیں کہ انہیں راہِ حق پر ایک قدم چلنا بھی گوارا نہیں؛ انہیں اگر فرصت ملے تو وہ یوم التغابن کا بھی تصور کریں۔ جب انہیں خالقِ کائنات کے حضور لا کر کھڑا کر دیا جائے گا اس وقت ان کی آنکھ کھلے گی اور انہیں اپنی حماقت کا احساس ہوگا۔ اس روز انہیں پتہ چلے گا کہ جس کاروبار کو بڑا نفع بخش سمجھ رہے تھے، وہ درحقیقت سراسر گھاٹے کا کاروبار تھا۔

علامہ ابن منظور نے حضرت حسن البصری سے تغابن کا ایک اور مفہوم نقل کیا ہے۔

سُئِلَ الحسن عن قوله تعالیٰ ذلك يوم التغابن فقال غبن اهل الجنة اهل النار ای استنقصوا عقولهم باختيارهم الكفر على الايمان (لسان العرب) یعنی حضرت حسن بصری سے یوم التغابن کے بارے میں پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا اس روز اہلِ جنت دوزخیوں کے فہم و خرد کی تنقیص کریں گے کہ تم لوگ کتنے احمق تھے۔ تم نے ایمان کو چھوڑ دیا اور کفر کو اختیار کر لیا۔ تمہاری دانشمندی نے تمہیں یہ بھی حقیقت بھی نہ سمجھائی کہ دانا باقی کے بدلے فانی نہیں لیا کرتے۔ اس صورت میں تغابن، غبن سے ماخوذ ہوگا جس کا معنی عقل و رائے میں نقصان ہے۔

۱۲ے یوم التغابن کے ذکر کے بعد پھر اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ جو شخص ایمان لائے گا اور ایمان کے تقاضے پورے کرتے ہوئے اعمالِ حسنہ سرانجام دے گا اللہ تعالیٰ اس کی سابقہ خطائیں دور کر دے گا۔ اس کے نامۂ اعمال میں کوئی ایسا نقص نہیں رہے گا جس سے قیامت کے دن اس پر فردِ جرم عائد کی جائے اور اس کے لیے جنت کے دروازے کھول دیے جائیں گے۔ علامہ جوہری کفّر کا مفہوم یوں بیان کرتے ہیں۔ التكفير فی المعاصی كالاحباط فی الثواب (صحاح) اعمالِ صالحہ کا ثواب ضائع ہو جائے تو اس کے لیے حبط کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور گزشتہ گناہ کالعدم کر دیے جائیں تو اس کے لیے تکفیر کا کلمہ استعمال ہوتا ہے۔

۱۳ے لیکن جو بدبخت اتنی نصیحتوں کے باوجود کفر پر اڑے رہے اور آیاتِ ربانی کی تکذیب کرتے رہے ان کا دردناک انجام بھی بتا دیا تاکہ وہ اس کے لیے اپنے آپ کو تیار کر لیں۔

الْمَصِيْرُ ﴿١٠﴾ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ

پلٹنے کی جگہ ہے۔ نہیں پہنچتی (کسی کو) کوئی مصیبت بجز اللہ کے اذن کے ۱۴ اور جو شخص

۱۴ یہ دنیا دار المحن ہے۔ مصائب و آلام سے کسی کو مفر نہیں۔ بیماری صدمے، تجارت و زراعت میں خسارہ، کسی عزیز ترین مقصد میں انتہائی مساعی کے باوجود ناکامی۔ یہ ایسے حالات ہیں جن سے کم و بیش ہر شخص کو واسطہ پڑتا ہے۔ لیکن آلام و مصائب کے ہجوم میں ہر شخص کا ردعمل یکساں نہیں ہوتا۔ وہ لوگ جن کا خدا کی ذات پر ایمان نہیں ہوتا وہ اپنے آپ کو ان حالات میں ایک بے بس تنکا محسوس کرتے ہیں جسے ہوا کے جھونکے اِدھر سے اُدھر پھینک رہے ہوتے ہیں۔ اس وقت جس ذہنی پستی اور اخلاقی انحطاط کا یہ لوگ مظاہرہ کرتے ہیں اسے دیکھ کر شرافت کی پیشانی پر پسینہ آجاتا ہے اور آنکھیں فرطِ ندامت سے جھک جاتی ہیں۔ لیکن جن کو خدا پر ایمان ہوتا ہے اور ایمان بھی ایسا مستحکم اور استوار کہ اس میں ذرہ برابر لچک نہیں ہوتی۔ ان کی شان اس وقت دیدنی ہوتی ہے۔ شیروں کے نرغے میں بھی وہ مسکرا رہے ہوتے ہیں۔ بے رحم طوفانوں میں بھی ان کے یقین کی شمع فروزاں رہتی ہے۔ وہ یہ جانتے ہیں کہ وہ بے آسرا نہیں۔ خدا کی ذات ان کا آسرا ہے اور یہ بہت بڑا آسرا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کا یہ بھی ایمان ہے کہ ان کے پروردگار کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ اگر اس نے انہیں کسی آزمائش میں مبتلا کر دیا ہے تو یہ اس کا ظلم یا بے انصافی نہیں یا اپنے فرمانبردار بندے سے اس کا تغافل اور اس کی بے رخی نہیں، بلکہ اسی میں ان کی بہتری اور بھلائی ہے۔ یہی عین مصلحت ہے۔ اس طرح ان کے دل مضطرب اور بے چین نہیں ہوتے۔ آزمائش کی اس پُرخار وادی کو بڑے صبر و تحمل اور سکون و وقار کے ساتھ طے کرتے چلے جاتے ہیں۔

ایمان باللہ میں کس بلا کی قوت ہے؟ اس قوت کے بل بوتے پر انسان کس طرح ثابت قدمی اور جوانمردی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اس کے لیے آپ فرعون کے ساحروں کے رویہ پر نظرِ ثانی کیجیے۔ فرعون انہیں دھمکیاں دے رہا ہے اگر تم باز نہ آئے تو میں تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ دوں گا۔ تمہیں سولی پر چڑھا دوں گا۔ انہیں اس کا بخوبی علم تھا کہ یہ ظالم ایسا کر کے رہے گا، لیکن وہ ایمان جو ان کے دلوں میں پیدا ہو گیا تھا وہ انہیں ثابت قدم رکھتا ہے۔ ان میں لغزش نہیں آنے دیتا۔ وہ بھرے دربار میں یہ اعلان کرتے ہیں۔ فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ۔ اے فرعون! جو تیرا جی چاہے کر گزر، ہم اس نعمتِ ایمان کو ہرگز اپنے ہاتھوں سے نہیں جانے دیں گے۔

جب انسان کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر، اس کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ پر یقینِ راسخ نصیب ہوتا ہے تو ان زہرہ گداز حالات میں اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو صبر و رضا اور تسلیم کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ میں اسی خصوصی عنایت کی طرف اشارہ ہے۔ اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں علامہ ابن کثیر نے ایک حدیث لکھی ہے جو صحیحین سے منقول ہے۔ آپ بھی اسے غور سے پڑھیے اور اسے یاد رکھیے تاکہ زندگی کا کارواں جب لالہ زاروں اور مرغزاروں سے نکل کر خارزاروں اور اداس و ویران ریگزاروں سے گزرنے لگے تو آپ کے چہرے پر اس وقت بھی طمانیت کا نور جھلک رہا ہو۔ تمہارے دل میں اضطراب و پریشانی کی کوئی علامت موجود نہ ہو۔ آپ کے آقا و مولا، مرشدِ برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ عجباً للمؤمن لا يقضي الله له قضاء الا كان خيراً له، ان اصابته ضراء صبر فكان خيراً له وان اصابته سراء شكر فكان خيراً له وليس ذالك لاحد الا للمؤمن۔

يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ⑪ وَاَطِيْعُوا

اللہ پر ایمان لے آئے اللہ اس کے دل کو ہدایت بخشتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ۱۵ اور اطاعت کرو

اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ

اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول مکرم کی ۱۶ پھر اگر تم نے روگردانی کی تو تمہاری قسمت ہمارے رسول کے ذمہ فقط کھول کر (پیغام)

الْمُبِيْنُ ⑫ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ⑬

پہنچانا ہے۔ اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی خدا نہیں پس اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے ایمان والوں کو ۱۷

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ

اے ایمان والو! تمہاری کچھ بیبیاں اور تمہارے بچے تمہارے دشمن ہیں

ترجمہ: یعنی مومن کی بھی عجیب حالت ہے اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں جو فیصلہ کرے وہی اس کے لیے بہتر ہوتا ہے۔ اگر اسے تکلیف پہنچے اور اس پر وہ صبر کرے تو یہ تکلیف اس کے لیے بہتر ہے اور اگر اسے مسرت ارزانی ہو اور وہ اس پر شکر کرے تو یہ اس کے لیے بہتر ہے اور یہ سعادت صرف مومن کے لیے مخصوص ہے۔

۱۵ یہ فرما کر اہل ایمان کو تسلی دے دی کہ تمہارا واسطہ اس خدا سے نہیں جس کو تمہاری حالت کی خبر نہ ہو۔ تم اس کے لیے ہلکان ہوتے رہو، نقصان پر نقصان اٹھاتے رہو، تکلیف پر تکلیف جھیلتے رہو اور اسے پتہ ہی نہ ہو کہ اس کے بندے اس کی راہ میں کن کن آفتوں سے ٹکرا رہے ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں۔ اس کی راہ میں جو کانٹا تمہیں چبھتا ہے، گرم لو کا جھونکا جو تمہارے جسم کو جھلس کر نکل جاتا ہے، اسے اس کا بھی علم ہے، اس کا بھی وہ تمہیں اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ تمہارا دشمن کتنا جابر و قاہر کیوں نہ ہو جب اس کی مدد آئے گی تو دشمن کا نام و نشان تک باقی نہ رہے گا۔ صبر کا دامن مضبوطی سے تھامے رہو۔ اس کی رحمت پر بھروسہ رکھو۔ حالات کا رخ پھیرنے میں اسے دیر نہیں لگتی۔ کس پیارے انداز سے اپنے محبان دلفگار کی دلجوئی فرمائی جا رہی ہے۔

۱۶ ہر حالت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کو اپنا شعار بنائے رکھو۔ اگر تم نے خوشی و آرام کے دنوں میں اس کو بھلا دیا یا غم واندوہ کی تاریک راتوں میں اس کی رحمت سے مایوس ہو کر بے راہ روی اختیار کر لی تو یاد رکھو اس کا نقصان تمہیں ہی ہوگا۔ ہمارے رسول کی تو یہی ذمہ داری تھی کہ وہ تمہیں حق کا پیغام پہنچا دے۔ اس کو قبول کرنا یا نہ کرنا تمہارا کام ہے۔

۱۷ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان اور اس پر توکل بندۂ مومن کا طرۂ امتیاز ہے۔

فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ

پس ہوشیار رہو ان سے [18] اور اگر تم عفو و درگزر سے کام لو اور بخش دو تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ غفور

رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ

رحیم ہے [19] بے شک تمہارے مال اور تمہاری اولاد نری آزمائش ہیں [20] اور اللہ ہی ہے جس کے پاس اجر

عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا

عظیم ہے [21] پس ڈرتے رہو اللہ سے جتنی تمہاری استطاعت ہے [22] اور (اللہ کا فرمان) سنو اور اسے مانو اور (اس کی راہ میں) خرچ کرو

[18] راہِ حق کے مسافر کے لیے وہ لمحے بڑے خطرناک ہوتے ہیں جب اس کی محبوب بیوی یا پیاری اولاد سنگِ راہ بن کر سامنے آتی ہے۔ جب ایمان کے تقاضوں اور ان کے مطالبات میں تصادم شروع ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے نازک لمحوں میں اپنے بندوں کی رہنمائی فرماتا ہے انہیں یہ بتاتا ہے کہ بے شک تیری بیوی تیری ارضی جنت کی حور ہے اگرچہ تیری اولاد تیری آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہے لیکن اگر یہ تجھے راہِ راست سے بھٹکانے کی کوشش کرتے ہیں تو خبردار! یہ تیرے دشمن ہیں۔ یہ تیری عاقبت کو برباد کرنا چاہتے ہیں۔ تجھے اپنے مالک کی بغاوت پر اکساتے ہیں ان کی ان چالوں سے ہوشیار رہنا۔ ایسا نہ ہو کہ ان کی ناز برداریاں کرتے ہوئے اپنی متاعِ ایمان لٹا بیٹھو یہ خسارہ ناقابلِ برداشت ہو گا۔

[19] ان کی کھلی عداوت کے باوجود ان کے ساتھ حسنِ سلوک اور عفو و درگزر کا درس دیا جا رہا ہے۔ یہ وسیع القلبی اور تسامح اسلام کے بغیر آپ کو کسی اور دین میں نہیں ملے گی۔

[20] مال اور اولاد کی محبت اگر یادِ حق میں مخل انداز ہو تو یہ ایک بہت بڑا فتنہ ہے مومن کو چاہیے کہ ان کی محبت میں ایسا وارفتہ نہ ہو جائے کہ یادِ حق میں غفلت اور احکامِ شریعت کی پابندی میں تساہل ہونے لگے۔

مال اور اولاد اس اعتبار سے بھی آزمائش ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب یہ نعمتیں عطا فرماتا ہے تو وہ دیکھتا ہے کہ میرا بندہ ان کو صحیح طور پر استعمال کرتا ہے یا نہیں جب اولاد بخشتا ہے تو وہ یہ دیکھتا ہے کہ ماں باپ اپنی اولاد کی صحیح تعلیم و تربیت میں اپنی ذمہ داری کس حد تک پوری کرتے ہیں۔ ان کو انسانیت کی اعلیٰ قدروں سے متصف کرنے کی کہاں تک کوشش کرتے ہیں۔ اسے ایسا فرد بنانے میں ان کا کتنا حصہ ہے جو اپنے علم، اپنے عمل اور اپنی سیرت کے باعث اپنی قوم اور ملک کو چار چاند لگا دے۔ جو والدین اپنی اولاد کی صحیح تربیت نہیں کرتے انہیں علم کے جوہر سے مزین نہیں کرتے ان کے کردار کو اعلیٰ سانچوں میں ڈھالنے کی کوشش نہیں کرتے وہ اس آزمائش میں ناکام ہو جاتے ہیں۔ اس امتحان میں صرف وہی ماں باپ کامیاب ہوتے ہیں جو اپنی اولاد کو مومن کی صفاتِ جمیلہ کا پیکر جمیل بنا دیتے ہیں۔

[21] اگر تم اپنے اموال اور اپنی اولاد کے سلسلہ میں اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو خوش اسلوبی سے انجام دو گے تو بارگاہِ الٰہی سے تم پر مزید فضل و احسان کی بارش کی جائے گی اور تمہاری اس عملی شکر گزاری کو مزید انعامات سے نوازا جائے گا۔

[22] سورۂ آلِ عمران کی آیت ۱۰۲ میں ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ۔ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو جیسے

خَيْرًا لِّأَنفُسِكُمْ ۗ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِۦ فَأُولَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُفْلِحُونَ ﴿١٦﴾

یہ بہتر ہے تمہارے لیے ۲۳ اور جنہیں بچا لیا گیا ان کے نفس کے بخل سے تو یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں ۲۴

إِن تُقْرِضُوا۟ ٱللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضَٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۚ وَٱللَّهُ

اگر تم اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دو تو وہ اسے کئی گنا کر دے گا تمہارے لیے اور بخش دے گا تمہیں ۲۵ اور اللہ تعالیٰ

شَكُورٌ حَلِيمٌ ﴿١٧﴾ عَٰلِمُ ٱلْغَيْبِ وَٱلشَّهَٰدَةِ ٱلْعَزِيزُ ٱلْحَكِيمُ ﴿١٨﴾

بڑا قدر دان اور بہت علم والا ہے ۲۶ ہر نہاں اور عیاں کا جاننے والا ہے، سب پر غالب، بڑا دانا ہے ۲۷

طرح اللہ سے ڈرنے کا حق ہے۔ یہاں ارشاد فرمایا کہ اپنے اللہ سے ڈرو جتنا تمہارا مقدور ہے، جتنا تمہارے امکان میں ہے۔ اس اختلاف کی وجہ بیان کرتے ہوئے علامہ اسماعیل حقی رقمطراز ہیں: اشارة الى الفرق بين الابرار والمقربين فى حال التقوى وقوله فاتقوا الله ما استطعتم ناظر الى الابرار وقوله تعالى فاتقوا الله حق تقاته ناظر الى المقربين۔ فان حالهم الخروج عن الوجود المجازى بالكلية وهو حق التقوى۔

یعنی ابرار اور مقربین کے تقویٰ میں جو فرق ہے اس کی طرف اشارہ کر دیا۔ اس آیت میں ابرار کی حالت کو پیش نظر رکھا گیا ہے اور پہلی آیت میں مقربین کے احوال کو ملحوظ رکھا گیا ہے، کیونکہ وہ لوگ اپنے وجود مجازی سے کلیۃً دستکش ہو جاتے ہیں اور یہی تقویٰ کا منتہائے کمال ہے۔ ہر شخص اولوالعزم نہیں ہو سکتا، ہر شخص میں وہ صلاحیتیں نہیں پائی جاتیں جن سے اللہ تعالیٰ نے اکابر صحابہ اور اکابر اولیاء کرام کو مشرف فرمایا۔ اس لیے سب کے لیے تقویٰ کا دروازہ کھول دیا۔ جتنی تمہاری بساط ہے، جتنی ہمت ہے تم مالک ہو اتنا تقویٰ اختیار کرو، مزید ارتقائے تقویٰ کی توفیق وہ جب چاہے گا اپنی جناب سے تمہیں عطا فرمائے گا۔

۲۳۔ مزید ہدایات دے دیں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کے نبی کے ارشادات پوری توجہ سے سنو۔ اس کے احکام کو بجا لاؤ اور اس کی راہ میں اس کے دیئے ہوئے مال سے خرچ کرتے رہو۔ یہی تمہارے لیے بہتر ہے۔ خیرا، کان مقدر کی خبر ہے۔ یعنی تم ایسا کیا کرو ایسا کرنا تمہارے لیے بہتر ہے۔ یکون خیرا لکم۔

۲۴۔ اس کی تشریح سورۂ حشر کی آیت ۹ میں گزر چکی ہے۔

۲۵۔ اخلاص اور خوشی سے اللہ تعالیٰ کے دین کو سربلند کرنے کے لیے جو شخص اپنا مال خرچ کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ گویا قرض ہوگا اور وہ اسے کئی گنا کر کے دیتا رہے گا۔ ایک کا دس بلکہ سات سو بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اس کے علاوہ اس کے گناہ بھی معاف کر دیئے جائیں گے۔

۲۶۔ شکور کا معنی ہے قدر دان۔ بندہ تھوڑا سا کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کرتا ہے اللہ تعالیٰ بے حساب اسے اجر عطا فرماتا

ہے۔ واللہ شکور بمعنی انہ کثیر الصنائع علی عبدہ۔

حلیم : یعنی تم گناہ کرتے ہو وہ فوراً ہی پکڑ نہیں لیتا۔ اس کے علم کا اندازہ ہی نہیں لگایا جا سکتا۔

۲۷ے اس کا علم مکمل ہے۔ کوئی چیز اس کے علم سے پنہاں نہیں۔ اس کی قدرت عظیم ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ اس کے فیصلہ کو ٹال سکے اور اس کی قضاء کو مسترد کر سکے۔ ہمہ دان اور قادر مطلق ہونے کے ساتھ ساتھ وہ حکیم ہے۔ اس کے ہر حکم میں اس کے ہر فیصلہ میں اس کی حکمت کے جلوے نظر آ رہے ہیں۔

◎

اللّٰھم انت عالم الغیب والشھادۃ وانک انت العزیز الحکیم فاطر السمٰوات والارض انت ولی فی الدنیا والاخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصالحین۔

اللّٰھم صل من الصلوات ازکھا ومن التسلیمات اطیبھا ومن التحیات اسنھا علی حبیبک ومحبوبک ونبیک ورسولک سیدنا ومولٰنا محمد وعلی الہ واصحابہ ومن تبعہ باحسان الی یوم الدین۔

○

تعارف

سُورۃ الطّلاق

نام : اس سورۃ میں طلاق کے مسائل مذکور ہیں اس لیے اس کا نام "الطلاق" تجویز ہوا۔ اس میں دو رکوع ۱۲ آیتیں دو سو انچاس کلمے اور ایک ہزار ساٹھ حروف ہیں۔

زمانۂ نزول : یہ سورت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ سورت بقرہ کی وہ آیات جن میں طلاق عدت کے احکام بیان ہوئے ہیں، اُن آیات کے بعد یہ سورۃ نازل ہوئی۔

مضامین : عہدِ جاہلیت کا عرب معاشرہ از اوّل تا آخر بگڑ چکا تھا۔ لغو رسم و رواج کی پابندی نے اُن کی خانگی زندگی کو باہمی اعتماد اور سچی خوشیوں سے محروم کر دیا تھا۔ نکاح، طلاق، عدت، نفقہ، رضاعت اور دُوسرے مسائل جن کا عائلی زندگی سے گہرا تعلق ہے ہر قسم کی معقولیت سے عاری تھے۔ اسلام نے یک لخت پہلے نظام کو درہم برہم کر کے نہیں رکھ دیا بلکہ اس کی اصلاح کے لیے تدریجی اقدامات کیے تاکہ مقصد بھی پورا ہو جائے اور عجلت میں کی گئی اصلاحات سے جو مشکلات اور پیچیدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں اُن سے بھی کم سے کم سابقہ پڑے۔

پہلے شوہر اپنی بیوی کو اَن گنت طلاقیں دے سکتا تھا اور عدت گزرنے سے پہلے رجوع کر لیا کرتا جس سے عورت کی زندگی اس کے لیے عذاب بن گئی تھی۔ سورۃ بقرہ کی آیت دو سو اُنتیس (۲۲۹) میں بتا دیا کہ شوہر زیادہ سے زیادہ تین طلاقیں دے سکتا ہے، اس کے بعد وہ رجوع نہیں کر سکتا۔

البقرہ کی آیت دو سو اٹھائیس (۲۲۸) میں مدخولہ عورت کی عدت بتا دی کہ تین حیض ہے۔ اسی آیت میں یہ بھی بتا دیا کہ رجعی طلاق کی صُورت میں عدت ختم ہونے سے پہلے خاوند رجُوع کر سکتا ہے اور تجدید نکاح کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ البقرہ کی آیت دو سو تیس (۲۳۰) میں طلاق مغلظہ کی صُورت میں دوبارہ نکاح کا حکم بیان کر دیا اور اسی سورت کی آیت دو سو چونتیس (۲۳۴) میں اس عورت کی عدت بتا دی جس کا خاوند فوت ہو جائے۔

عائلی زندگی سے متعلق ایک حکم سورۃ الاحزاب کی آیت اُنچاس (۴۹) میں بیان کر دیا کہ اگر نکاح کے بعد دخول سے پہلے طلاق واقع ہو جائے تو پھر مطلقہ کو عدت گزارنے کی ضرورت نہیں، وہ اسی وقت نکاح کر سکتی ہے۔

لیکن عائلی زندگی کے متعلق کئی مسائل ایسے رہ گئے تھے جن کے جوابات مطلوب تھے۔ کئی دیگر احکامات کے بارے میں وضاحت کی ضرورت تھی تاکہ عمل کرنے والا منشائے الٰہی کے مطابق ان پر عمل کر سکے۔ اس سُورت کو نازل فرما کر اس خلا کو

پر کر دیا۔ نیز طلاق جس کی اجازت اسلام نے صرف ناگزیر حالات میں دی ہے جب کہ میاں بیوی کے مل کر رہنے کا کوئی امکان نہ ہو اور اسے ابغض المباحات قرار دیا ہے۔ اس کے لیے ایسی پابندی لگا دی کہ اگر اس کو پیش نظر رکھا جائے تو طلاق کا وقوع بہت ہی کم ہو جائے۔

پہلے اُس مطلقہ مدخولہ کی عدت بیان کی گئی تھی۔ جسے حیض آتا ہو یہاں اُن مدخولہ عورتوں کی عدت بیان کی جا رہی ہے۔ جنہیں حیض آنا ابھی شروع ہی نہ ہوا ہو یا وہ عمر کے اس حصہ میں پہنچ گئی ہوں جب حیض کا آنا بند ہو جاتا ہے۔

حاملہ عورت کو اگر خاوند طلاق دے دے یا اس کا خاوند فوت ہو جائے تو اُسے کتنی عدت گزارنی ہوگی ؟ اس مسئلہ کی بھی یہاں تصریح کر دی۔

مطلقہ جب عدت گزار رہی ہو تو اس کی سکونت اور نفقہ کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے ؟ شیر خوار بچے کی رضاعت کا انتظام اور اس کے اخراجات کون برداشت کرے گا ؟ ان تمام مسائل کو یہاں تفصیلاً ذکر کر دیا۔

اِس سورت کا ایک اور پہلو آپ کی خصوصی توجہ کا مستحق ہے۔ بلاشبہ اس میں اہم اور دُور رس نتائج کے حامل قوانین بیان کیے گئے ہیں۔ اس کے باوجود قرآن کریم کی انفرادیت قائم ہے۔ یہ صرف قوانین کی کتاب نہیں جو متعدد دفعات پر مشتمل ہو اور جن سے سرتابی کرنے والا مختلف سزاؤں کا مستوجب قرار پاتا ہو بلکہ اس میں جگہ جگہ ان احکام کی بجا آوری کی ترغیب دینے کے لیے ایسے جملوں کا اضافہ کیا گیا ہے جنہیں پڑھ کر ان پر عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ بتایا گیا ہے کہ ان احکام کی پابندی تقویٰ ہے اور جو شخص تقویٰ اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے نجات کی راہیں کھول دیتا ہے اور اسے یوں رزق دیتا ہے جس کا اُسے وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔

انسان جب ان آیات میں غور و فکر کرتا ہے اور اُسے پتہ چلتا ہے کہ ان احکام پر عمل کرنے سے اُس کا رب کریم اُس پر راضی ہو جائے گا، تو پھر بڑی خوشدلی سے ان احکام کو بجا لاتا ہے خواہ اُسے کتنا مالی خسارہ بھی برداشت کرنا پڑے یہی قرآن کریم کی وہ خصوصیت ہے جو اسے قوانین کا مجموعہ ہونے کے باوجود قوانین کی دیگر کُتب سے ممتاز کرتی ہے۔

دوسرے رکوع میں بتا دیا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کرتے ہیں اُن کا انجام بڑا دردناک ہوتا ہے اور جو لوگ اللہ کے رسول کی لائی ہوئی ہدایات پر عمل کرتے ہیں انہیں ہر قسم کے اندھیروں سے نکال کر ایسی جگہ پہنچا دیا جاتا ہے جہاں حق کا آفتاب نور افشانی کر رہا ہوتا ہے۔

نیو ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا

۲۷-۴-۷۷

سُوْرَةُ الطَّلَاقِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اثْنَتَا عَشْرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

سورہ طلاق مدنی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — اس میں بارہ آیات اور دو رکوع ہیں

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا

اے نبی (مکرم!) (مسلمانوں سے فرماؤ) جب تم (اپنی) عورتوں کو طلاق دینے کا ارادہ کرو[1] تو انہیں طلاق دو ان کی عدت کو ملحوظ رکھتے ہوئے[2] اور شمار کرو

[1] اگرچہ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو خطاب سے مشرف فرمایا جا رہا ہے لیکن حکم ساری امت کے لیے ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے یاایھا النبی قل لامتك اذا طلقتم الآیۃ۔ یعنی اے نبی! آپ اپنی امت کو حکم دیں کہ جب وہ طلاق دینے کا ارادہ کریں الخ۔ سردارِ قوم کو جو حکم دیا جاتا ہے اس قوم کے افراد از خود اس میں شامل ہو جاتے ہیں۔ علامہ آلوسی نے ایک اور نکتہ بیان کیا ہے کہ آیت میں طلاق دینے کا ذکر ہے جو ایک ناپسندیدہ فعل ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول کو مخاطب فرمانے کے بعد طلاق دینے کی نسبت حضور کی طرف نہیں کی بلکہ ازواجِ امت کی طرف کی ہے۔ اہلِ نظر غور کریں کہ رب العزت اپنے محبوب کی شانِ رفیع کا کس طرح پاس رکھتا ہے۔ لمافی الطلاق من الکراھۃ فلم یخاطب بہ تعظیما (روح المعانی) یعنی کیونکہ طلاق میں ایک گونہ کراہت ہے اس لیے اپنے محبوب کی رفعتِ شان کا لحاظ رکھتے ہوئے اس سے خطاب نہیں فرمایا۔

اذا طلقتم: المعنی اذا اردتم تطلیقھن۔ اس جملہ کا معنی یہ ہے کہ جب تم طلاق دینے کا ارادہ کرو تو تم پر مندرجہ ذیل ہدایات کی پابندی ضروری ہے۔ تنزیل المشارف الی الفعل منزلۃ الشارع فیہ۔ (روح المعانی) جو کام کو عنقریب شروع کرنے والا ہے اس کو اس شخص کی مانند خیال کر لیا جس نے کام شروع کر لیا ہے۔

[2] اسلام کے نزدیک رشتۂ ازدواج بڑا مقدس رشتہ ہے۔ صحت مند بنیادوں پر یہ جتنا مستحکم ہوگا خاندان اور معاشرہ دونوں اتنا ہی مسرتوں سے مالا مال ہوں گے اور خوشحالی کی فضا میں نشوونما پائیں گے۔ اسلام اس بات میں بڑا حریص ہے کہ اس رشتہ کا تقدس مجروح نہ ہونے پائے۔ اس رشتہ پر صرف مرد و زن کی خوشی اور آبادی موقوف نہیں بلکہ ان کی معصوم اولاد، فریقین کے قریبی رشتہ دار بلکہ سارے خاندان کا مفاد وابستہ ہے۔ اس لیے اسلام پوری کوشش کرتا ہے کہ یہ رشتہ ٹوٹنے نہ پائے لیکن بعض حالات میں یہ تعلق وبالِ جان بن جاتا ہے۔ دونوں کی بھلائی اسی میں ہوتی ہے کہ انہیں اس قید سے رہائی مل جائے۔ ان ناگزیر حالات میں اسلام نے اس کو ختم کرنے کی اجازت دی ہے اور وہ بھی با دلِ ناخواستہ۔ ارشادِ نبوت ہے ان من ابغض الحلال الی اللہ الطلاق۔ وہ حلال جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ ہے وہ طلاق ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ تزوجوا ولا تطلقوا فان الطلاق یھتز منہ العرش۔ شادی کیا کرو اور طلاق نہ دیا کرو کیونکہ طلاق سے اللہ تعالیٰ کا عرش لرز جاتا ہے۔ اس لیے اسلام نے طلاق کا جو قانون پیش کیا ہے اس میں اس امر کا پوری طرح خیال رکھا گیا ہے کہ طلاق دینے والا جلد بازی میں طلاق نہ دے۔ کوئی وقتی رنجش یا عارضی نفرت اس کا باعث نہ ہو۔ طلاق دینے والا سوچ سمجھ کر اس کے نتائج و عواقب کو مدِنظر رکھتے ہوئے طلاق دے۔ چنانچہ اس آیت میں حکم دیا جا رہا ہے کہ

جب تم اپنی بیوی کو طلاق دو تو اس کی عدت کو مد نظر رکھتے ہوئے دو۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ طلاق حیض کی حالت میں نہ دی جائے۔ نیز ایسے طہر میں بھی طلاق نہ دی جائے جس میں مباشرت ہو چکی ہو کیونکہ ان دونوں طریقوں سے عدت میں طوالت ہو جائے گی اور مطلقہ کو تکلیف برداشت کرنا ہوگی۔ کیونکہ اگر اس نے حالت حیض میں طلاق دی تو وہ حیض تو عدت میں شمار نہیں ہوگا۔ اس حیض کے علاوہ تین مزید حیضوں کا اسے انتظار کرنا پڑے گا۔ اسی طرح اگر ایسے طہر میں اس نے طلاق دی جس میں مباشرت ہوئی ہو تو اس سے مرد و زن دونوں کو خبر نہیں کہ اس مباشرت سے حمل قرار پایا ہے یا نہیں۔ اس سے بھی عدت میں گڑبڑ ہوگی اور عورت کو ناروا زحمت اٹھانا پڑے گی اس لیے مسنون طریقہ طلاق دینے کا یہ ہے کہ طلاق ایسے طہر میں دی جائے جس میں عورت سے مقاربت نہ ہوئی ہو۔ حالت حیض میں طلاق دینا یا ایسے طہر میں طلاق دینا جس میں مباشرت کی گئی ہو گناہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور کی خدمت عالیہ میں یہ واقعہ عرض کیا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سخت ناراض ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ عبداللہ اس طلاق سے رجوع کرے یہاں تک کہ اس کی بیوی پاک ہو جائے۔ طہر کے بعد پھر حیض آئے اور پھر پاک ہو۔ اب اگر وہ اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہے تو مباشرت سے پہلے طلاق دے۔ حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں۔ فليطلقها طاهرا قبل ان يمسها فتلك العدة التي امر بها الله عز وجل یعنی حالت طہر میں مباشرت سے پہلے طلاق دے اور یہی وہ عدت ہے جس کی پابندی کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ (بخاری شریف)

اس پابندی میں کئی اور حکمتیں بھی ہیں۔ حیض کی حالت میں عورت مرد کے لیے مرغوب خاطر نہیں ہوتی۔ وہ اپنی صفائی کی طرف سے بھی بے اعتنائی برتتی ہے۔ ان دنوں اس کی طبیعت بھی نڈھال اور مضمحل ہوتی ہے۔ اس لیے اگر اس حالت میں مرد طلاق دے دے تو ہو سکتا ہے کہ یہ عارضی بے رغبتی طلاق دینے میں محرک ہو اور جب یہ ایام گزر جائیں تو پھر اس کو اپنے کیے پر ندامت ہو اور ایسا طہر جس میں وہ مقاربت کر چکا ہو اس میں بھی عورت کی طرف کشش کم ہو جاتی ہے۔ اس لیے قرآن کریم نے اپنے ماننے والوں کو حکم دیا کہ اگر طلاق دینا ہی ہو تو ایسی حالت میں طلاق دو جبکہ رغبت اور کشش اپنے عروج پر ہو۔ ایسی حالت میں اگر تم طلاق دو گے تو سو مرتبہ پہلے سوچو گے اور تب یہ اقدام کرو گے۔ اس طرح تمہارا طلاق دینا حقیقی اسباب پر مبنی ہوگا۔

اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے فقہائے کرام نے طلاق کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔ ① سُنّی یعنی سنت کے مطابق اور ② بدعی۔ احناف نے سُنّی طلاق کی پھر دو قسمیں ذکر کی ہیں۔ ① احسن اور ② حسن۔ احسن طلاق تو یہ ہے کہ ایسے طہر میں جس میں اس سے مباشرت نہیں کی ایک مرتبہ طلاق دے اور پھر انقضائے عدت تک دوسری طلاق نہ دے۔ عدت پوری ہونے کے بعد سابقہ نکاح ٹوٹ جائے گا لیکن تجدید نکاح کا دروازہ کھلا ہوگا۔ طلاقِ حسن اس کو کہتے ہیں کہ ایسے طہر میں ایک طلاق دے۔ ایک حیض گزرنے کے بعد جب وہ پاک ہو تو اسے دوسری طلاق دے اور تیسرے طہر میں تیسری طلاق دے۔ اس کے علاوہ طلاق کی ساری صورتیں طلاق بدعی شمار ہوں گی۔ اس طرح طلاق دینے والا گنہگار ہوگا، لیکن ائمہ اربعہ کے نزدیک وہ طلاق واقع ہو جائے گی۔ اگرچہ بعض اکابر سے مروی ہے کہ ایسی طلاق واقع نہ ہوگی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وقت کے لحاظ سے طلاق سُنّی اور بدعی ہوتی ہے عدد کے لحاظ سے نہیں یعنی ایسے طہر میں جس میں مباشرت نہ کی گئی ہو طلاق دینا سُنّی ہے۔ خواہ ایک طلاق دے، تین طلاقیں دے پھر بھی وہ سُنّی رہے گی لیکن اگر اس وقت

الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا

عدت کو ۳ اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے جو تمہارا پروردگار ہے نکالو انہیں ان کے گھروں سے ۵ اور نہ

میں طلاق نہ دے تو امام شافعی کے نزدیک وہ طلاق بدعی ہو گی۔ حنابلہ کے نزدیک طلاق کا سنت طریقہ یہ ہے کہ ایسے طہر میں ایک طلاق دے جس میں مباشرت نہ کی گئی ہو۔ اس کے بعد کوئی طلاق نہ دے یہاں تک کہ عدت ختم ہو جائے۔ اس کے علاوہ سب طلاقیں بدعی ہیں۔ یاد رہے کہ یہ اس عورت کی طلاق کی تفصیل ہے جو عورت بالغہ مدخولہ ہو اور سن ایاس کو نہ پہنچی ہوئی ہو اور جس کا حمل ظاہر نہ ہوا ہو۔ جس عورت سے خلوت صحیحہ نہیں ہوئی یا ابھی نابالغ ہے یا سن ایاس کو پہنچ چکی ہے اور حیض کا آنا ہمیشہ کے لیے منقطع ہو چکا ہے یا حاملہ ہے۔ ان عورتوں کی طلاق اور عدت کے احکام اپنے اپنے مقام پر مذکور ہیں۔

۳ عدت کے ساتھ بہت سے فقہی مسائل وابستہ ہیں۔ ایام عدت میں عورت کا نفقہ اور سکنی مرد کے ذمہ ہے۔ ایام عدت میں اگر زوجین میں سے کوئی ایک فوت ہو جائے تو دوسرا متوفی کا وارث ہوتا ہے۔ عدت گزارنے سے پہلے عورت کسی کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتی۔ عدت گزر جانے کے بعد عورت آزاد ہے جس سے چاہے نکاح کرے۔ پہلا خاوند یا اس کے رشتہ دار اس کو روک نہیں سکتے۔ اس کے علاوہ کئی دیگر مسائل کا عدت سے گہرا تعلق ہے۔ اگر اس کو معمولی سی بات سمجھ لیا گیا' اس کی ابتدا اور انتہا کا پوری طرح خیال نہ کیا گیا تو طرح طرح کی پیچیدگیاں پیدا ہو جائیں گی۔ عدالت بھی اس وقت تک کوئی فیصلہ صادر نہ کر سکے گی جب تک عدت کی ابتدا اور انتہا کا صحیح علم نہ ہو جائے۔ اس لیے حکم دیا کہ عدت کو پوری احتیاط کے ساتھ شمار کرو۔ یہ حکم صرف مردوں کے لیے ہی نہیں عورتیں بھی اس میں داخل ہیں۔ کیونکہ دونوں کے متنوع قسم کے مفادات کا اس پر دارومدار ہے۔

۴ کیونکہ ان مسائل کا تعلق مرد اور عورت کی پرائیویٹ زندگی سے ہے۔ ان کا صحیح علم انہی کو حاصل ہے' دوسرے لوگ ان حالات پر آگاہ نہیں ہو سکتے اس لیے یہاں خاص طور پر فریقین کو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کی تاکید کی گئی ہے۔

۵ مردوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ طلاق دینے کے فوراً بعد وہ اپنی بیوی کو اس کی رہائش گاہ سے باہر نہ نکال دیں۔ اس کو یوں بے سہارا اور بے آسرا کر کے گھر سے نکال دینا بڑی سنگ دلی ہے۔ جب تک وہ عدت گزار رہی ہے اس کا نفقہ اور اس کی رہائش کا انتظام مرد کے ذمہ ہے۔ اسی طرح عورت کو بھی حکم دیا کہ وہ طلاق مل جانے کے بعد اپنے اس پہلے گھر سے فوراً نکل جائے بلکہ ایام عدت وہاں ہی پورے کرے۔ اس کے نان نفقہ کی ذمہ داری مرد پر عائد کر دی گئی ہے اور اس کی رہائش کا انتظام بھی مرد کے ذمہ ہی ہے۔ اس کی حکمت آیت کے آخری جملہ لاتدری لعل اللہ الآیۃ میں بیان کی گئی ہے کہ طلاق رجعی کی صورت میں اگر وہ ایک جگہ رہیں گے تو عین ممکن ہے کہ خاوند کے دل میں اس کے بارے میں جو نفرت پیدا ہو گئی ہے وہ محبت سے بدل جائے۔ وقتی جوش میں آکر اس نے جو اقدام کیا ہے اس پر وہ نظر ثانی کرے یا عورت اپنی کوتاہیوں پر نادم ہو کر اپنے خاوند کو راضی کر لے اور اس طرح ایک اجڑا ہوا گھر پھر آباد ہو جائے۔

آپ نے دیکھا اسلام آخری وقت میں بھی دلوں کو جوڑنے کی کس طرح کوشش کرتا ہے۔ بگڑے ہوئے حالات کو سنوارنے کا آخری موقع بھی ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ (یہاں چند فقہی مسائل کا ذکر کر دینا فائدہ سے خالی نہ ہو گا۔)

يَخْرُجْنَ إِلَّآ أَن يَأْتِينَ بِفَٰحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَتِلْكَ حُدُودُ

وہ خود نکلیں بجز اس کے کہ وہ ارتکاب کریں کسی کھلی بے حیائی کا ؎ اور یہ اللہ کی (مقرر کردہ) حدیں

ٱللَّهِ ۚ وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ ٱللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُۥ ۚ لَا تَدْرِى

ہیں ؎ اور جو تجاوز کرتا ہے اللہ کی حدوں سے تو بے شک اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ تجھے کیا خبر

لَعَلَّ ٱللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَٰلِكَ أَمْرًا ۝١ فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ

کہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی اور صورت پیدا کردے تو جب وہ پہنچنے لگیں اپنی میعاد کو

① وہ عورت جسے خاوند نے رجعی یا بائن طلاق دے دی ہو وہ اپنے گھر سے نہ دن کو نکل سکتی ہے نہ رات کو۔ البتہ بیوہ عورت کو ضروری کام کے لیے دن میں نکلنے کی اجازت ہے لیکن رات وہ اپنے گھر میں آ کر بسر کرے۔

② اگر طلاق رجعی ہے تو پھر مرد اور عورت کے درمیان کسی حجاب کی ضرورت نہیں بلکہ عورت کے لیے مستحسن ہے کہ وہ بناؤ سنگھار کرے تاکہ دلوں کی کدورت دور ہو جائے۔

③ اگر طلاق بائن ہے تو پھر عورت کو مرد سے پردہ کرنا چاہیے۔ بہتر ہے کہ کوئی ایسی ثقہ عورت ان کے پاس رہے جس کی موجودگی میں یہ کوئی غیر شرعی حرکت نہ کر سکیں۔

④ اگر خاوند فاسق ہے یا مکان بہت تنگ ہے تو پھر مرد کو کہا جائے گا کہ وہ اس گھر سے نکل جائے۔

؎ ہاں عورت اگر حرام کاری کا ارتکاب کرتی ہے یا چوری چکاری سے باز نہیں آتی یا بڑی بدزبان ہے اور اپنے خاوند کے ماں باپ بھائی بہن سے گالی گلوچ کرتی اور بڑا جھگڑا کرتی رہتی ہے یا اب بھی خاوند کے سامنے سرکشی اور نافرمانی کا مظاہرہ کرتی ہے تو ان تمام صورتوں میں خاوند اسے اپنے گھر سے نکال سکتا ہے۔ یہ مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد علامہ جصاص لکھتے ہیں۔ فھذہ المعانی کلھا یحتملھا اللفظ وجائز ان یکون جمیعھا مرادا۔ آیت کے الفاظ ان تمام معانی کا احتمال رکھتے ہیں اور جائز ہے کہ آیت سے یہ تمام معانی مراد ہوں۔ (احکام القرآن للجصاص)

؎ تنبیہ فرما دی کہ یہ مسائل ایسے نہیں کہ جن پر عمل کرنا یا نہ کرنا تمہاری مرضی پر موقوف ہو۔ بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں جو سراپا حکمت ہیں تمہارے لیے اطمینان و سکون کا باعث ہیں جو شخص ان کی پابندی سے گریز کرے گا، وہ اپنے آپ پر ظلم توڑے گا۔ اس کی زندگی سکون اور اطمینان سے محروم ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کا بھی وہ حقدار بن جائے گا۔

فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ

تو روک لو انہیں بھلائی کے ساتھ یا جدا کر دو انہیں بھلائی کے ساتھ ش اور گواہ مقرر کر لو دو

عَدْلٍ مِّنكُمْ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ ۚ ذَٰلِكُمْ يُوعَظُ بِهِ مَن كَانَ

معتبر آدمی اپنے میں سے اور گواہی ٹھیک ٹھیک اللہ کے واسطے دو ف ان باتوں سے نصیحت کی جاتی ہے اس شخص کو جو

يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ

ایمان رکھتا ہو اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر۔ اور جو (خوش بخت) ڈرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ سے بنا دیتا ہے اللہ اس کے لیے

ش خاوند اگر ایک طلاق دے یا دو طلاقیں دے تو اسے رجوع کرنے کا حق ہے۔ بعض لوگ جو اس حق کو ناجائز طور پر استعمال کرتے ہیں وہ بظاہر رجوع کر لیتے ہیں لیکن ان کا ارادہ اسے آباد کرنے کا نہیں ہوتا بلکہ وہ اس کی عدت کی میعاد کو لمبا کر کے اس کو اذیت پہنچانا چاہتے ہیں۔ اس لیے یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ عدت ختم ہونے سے پہلے تم یہ فیصلہ کر لو کہ آیا تم اس کو اپنی رفیقہ حیات بنا کر اپنے پاس رکھنا چاہتے ہو یا اس کو آباد کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ پہلی صورت میں تمہیں اجازت ہے کہ تم رجوع کر لو اور حسب سابق اس کے ساتھ محبت و شفقت کا برتاؤ کرو اور اسے اپنی اہلیہ بنا کر رکھو اور اگر تمہارا ایسا ارادہ نہیں تو صرف اس کو ستانے کے لیے رجوع مت کرو بلکہ اس کو جدا کر دو۔ جدائی کا انداز بھی غیر شریفانہ نہ ہو کہ فریقین ایک دوسرے کو برا بھلا کہہ رہے ہوں، طعن و تشنیع کے تیر چل رہے ہوں۔ مسلمان کو یہ زیب نہیں دیتا۔ جب تم اسے جدا کر دو تو اس کی دلجوئی کرو، اس کی مالی امداد کرو، ضروریات زندگی اس کو مہیا کر دو۔ اس طرح اس کے غم و اندوہ کا بوجھ کچھ ہلکا ہو جائے گا۔ موافقت کی صورت میں احسان و مروت ہر کوئی کرتا ہے لیکن عدم موافقت اور قطع تعلقات کے وقت بھی دلجوئی اور مروت کی تلقین اس دین رحمت کی خصوصیت ہے اور اس کے ماننے والوں کا شیوہ ہے۔

ف اپنی بیوی کو طلاق دو یا رجوع کرو، دونوں صورتوں میں تمہیں دو معتبر گواہ مقرر کر لینے چاہئیں تاکہ اگر کسی وقت فریقین میں نزاع پیدا ہو جائے اور معاملہ عدالت تک پہنچے تو شہادت کی روشنی میں قاضی صحیح فیصلہ کر سکے۔ یہ حکم وجوبی نہیں بلکہ استحبابی ہے۔ ائمہ اربعہ کا یہ متفقہ قول ہے کہ طلاق و رجعت پر گواہ مقرر کرنا فرض نہیں بلکہ مستحب ہے۔ اگر بغیر گواہوں کے کسی نے طلاق دے دی تو وہ طلاق معتبر ہو گی یا اگر اس نے بغیر گواہوں کے رجوع کر لیا تو وہ رجوع بھی شرعاً معتبر ہو گا۔ البتہ گواہ بنانا افضل ہے اور تمہارے لیے بہتر ہے۔ اختلاف و نزاع کے سدباب کا یہ بڑا موثر طریقہ ہے۔ یہاں گواہ بنانے کا حکم ویسا ہی ہے جیسے اس آیت میں۔ واشهدوا اذا تبايعتم الآیۃ کہ جب تم خرید و فروخت کرو تو گواہ بنا لیا کرو۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اگر تم نے گواہوں کی عدم موجودگی میں خرید و فروخت کی تو وہ جائز نہ ہو گی بلکہ مقصد یہ ہے کہ تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ تم خرید و فروخت کے وقت گواہ بنا لیا کرو تاکہ اگر کبھی کوئی تنازعہ پیدا ہو جائے تو اس کا فیصلہ کرنے میں آسانی ہو۔

مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۭ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ

نجات کا راستہ ؂ اور اسے (وہاں سے) رزق دیتا ہے جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوتا۔ اور جو (خوش نصیب) اللہ پر بھروسہ

؂ طلاق، عدت، نفقہ، سکنیٰ وغیرہ جو احکام یہاں بیان کیے گئے ہیں ان کی پابندی میں خوف خدا کو جو اپنا شعار بنائے گا اور خلوص نیت سے ان کی پیروی کرے گا تو اللہ تعالیٰ ان مشکلات سے نجات کی کوئی نہ کوئی صورت ضرور پیدا کردے گا۔ یہ قاعدہ صرف ان احکام کی بجاآوری کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ عام ہے۔ جو شخص تقویٰ کو اپنا شعار بنا لیتا ہے کسی قسم کے دباؤ میں آکر ارشادات خداوندی سے سرمو انحراف نہیں کرتا، بڑی استقامت اور جوانمردی سے اوامر ونواہی کی پابندی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی نجات کے اسباب یقیناً پیدا کر دیتا ہے اور اس کو وہاں سے رزق مہیا کرتا ہے جہاں سے اسے وہم وگمان بھی نہیں ہوتا۔

ہماری حالت بھی عجیب ہے۔ عام حالات میں تو احکام شرعی کی ہم کچھ نہ کچھ پاسداری کرتے ہیں لیکن جب ہم کسی مشکل میں پھنس جاتے ہیں تو اس سے نکلنے کے لیے جائز وناجائز حرکات کے ارتکاب میں ذرا تامل نہیں کرتے۔ غربت وافلاس کی گرفت سخت ہو جائے تو رشوت، چوری، لوٹ کھسوٹ اور حرام خوری کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ کسی مقدمہ میں پھنس جائیں تو اس میں کامیاب ہونے کے لیے جھوٹی گواہی سے کام چلا لیتے ہیں۔ دشمن کا دباؤ بڑھ جائے تو جھوٹ اور مکر وفریب سے گلوخلاصی کی تدبیریں سوچنے لگتے ہیں۔ درحقیقت یہ سب نفس کا فریب اور شیطان کا دھوکہ ہے۔ ایسا کرنے سے مشکلیں گھٹتی نہیں بڑھتی ہیں۔ مطلع حیات مزید ابر آلود ہو جاتا ہے۔ ناکامیاں اور رسوائیاں انسان کا مقدر بن جایا کرتی ہیں۔ اس کے برعکس قرآن کریم نے مشکلات سے نجات پانے اور مصائب کے نرغے سے رہائی حاصل کرنے کا ایک طریقہ بتایا ہے۔ وہ یہ کہ اپنے دل میں خوف خدا پیدا کرو۔ جن کاموں سے اس نے روکا ہے بھولے سے بھی ان کے قریب مت پھٹکو، جن احکام کی بجاآوری کا اس نے حکم دیا ہے ان کی پوری طرح پابندی کرو۔ اس کی یاد اور اس کے ذکر میں صدق دل سے مشغول ہو جاؤ۔ تم دیکھو گے کہ اس کا دست کرم کس طرح آگے بڑھ کر تمہاری چارہ سازی کرتا ہے۔ اس کی چشم رحمت کس طرح تمہاری بگڑی بناتی ہے۔ وہ اپنے خزانوں کے منہ تمہارے لیے کس طرح کھول دیتا ہے۔ اس آیت طیبہ میں بندہ مومن کو اس کی یقینی نجات، حقیقی کامرانی اور سچی خوشی کا راستہ دکھایا گیا ہے۔ کاش ہم کان کھول کر سن لیں، دلوں میں اس کو جگہ دیں اور صدق دل سے اس پر عمل کریں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ قال جعل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یتلو علی ھذہ الآیۃ ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب۔ حتی فرغ من الآیۃ ثم قال یا اباذر لو ان الناس کلھم اخذوا بھا لکفتھم۔ (ابن کثیر)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجھے یہ آیت سناتے رہے اور جب فارغ ہوئے تو ارشاد فرمایا اے ابوذر! اگر سارے لوگ اس پر عمل کرنا شروع کر دیں تو یہ آیت ان سب کے لیے کافی ہو جائے۔

علامہ قرطبی اس آیت کی تفسیر میں ایک واقعہ لکھتے ہیں کہ عوف بن مالک اشجعی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میرے لڑکے کو دشمنوں نے قید کر لیا ہے اور اس کی ماں اس کی جدائی میں سخت بے چین ہے۔ مجھے حضور کیا فرماتے ہیں۔

عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ

کرتا ہے تو اس کے لیے وہ کافی ہے [11] بے شک اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کرنے والا ہے [12] مقرر کر رکھا ہے اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ اتق اللہ واصبر وامرك وایاھا ان تستکثرا من قول لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑ لو میں تجھے اور تیری بیوی کو حکم دیتا ہوں کہ تم کثرت سے لاحول ولا قوۃ الا باللہ کا ورد کیا کرو۔ ارشاد نبوی سن کر وہ اپنے گھر لوٹ آئے اور اپنی بیوی کو سارا ماجرا آکر بتایا۔ وہ نیک بخت کہنے لگی۔ نعم ما امرنابہ۔ حضور نے جس چیز کا ہمیں حکم دیا ہے وہ بہت ہی عمدہ ہے۔ پھر ان دونوں میاں بیوی نے بکثرت ورد شروع کر دیا چنانچہ اس کی برکت سے دشمن ان کے بیٹے کی طرف سے غافل ہو گئے اور وہ ان کی غفلت کا فائدہ اٹھا کر وہاں سے بھاگ نکلا اور ان کی بھیڑ بکریاں ہانکتا ہوا بخیر و عافیت اپنے ماں باپ کے پاس پہنچ گیا۔

علامہ پانی پتی نے اپنی تفسیر مظہری میں اس آیت کے ضمن میں حل مشکلات کے لیے ایک وظیفہ لکھا ہے جو ہدیہ ناظرین ہے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے دینی اور دنیوی منافع کے حصول' دینی اور دنیوی مشکلات کے حل کے لیے یہ وظیفہ بتایا کہ ہر روز پانچ سو مرتبہ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ پڑھے۔ اول و آخر ایک ایک سو مرتبہ درود پاک پڑھے۔

[11] یعنی جو شخص اپنا کام اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتا ہے وہ اس کا ذمہ دار ہو جاتا ہے۔ اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ توکل کا معنی عمل سے لاتعلق ہو جانا ہے اور اسباب سے قطع نظر کرنا ہے۔ توکل کا یہ مقصد نہیں۔ بلکہ اس کا یہ مقصد ہے کہ اسباب بجا لائے لیکن نتائج کے ظہور کے لیے اسباب پر اعتماد نہ کرے۔ صرف اپنے رب پر بھروسہ کرے۔ بے عملی اور جد وجہد سے بیزاری کا اسلام کے نظریۂ توکل سے دور کا واسطہ بھی نہیں۔ مولانا روم فرماتے ہیں۔ ؎

① گر توکل می کنی در کار کن   کشت کن پس تکیہ بر جبار کن

② رمز الکاسب حبیب اللہ شنو   از توکل در سبب کاہل مشو

ترجمہ: ① یعنی اگر تو توکل کا دعویٰ کرتا ہے تو کام میں مشغول ہو جا۔ پہلے تخم ریزی کر پھر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر۔

② اس حدیث میں جو رمز ہے اس کو سن کہ کسب کرنے والا اللہ تعالیٰ کا دوست ہے۔ توکل کی وجہ سے اسباب کے فراہم کرنے میں سستی مت کر۔

بلکہ سلف صالحین تو تاکید کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اتجروا واکتسبوا فانکم فی زمان اذا احتاج احدکم کان اول ما یاکل دینہ۔ ترجمہ: کاروبار کرو اور رزق حلال کماؤ' کیونکہ تم ایسے زمانہ میں ہو کہ جب کوئی شخص محتاج ہو جاتا ہے تو سب سے پہلے وہ اپنی متاع دین و ایمان کو بیچنا شروع کر دیتا ہے۔

[12] اللہ تعالیٰ نے جو ارادہ فرمایا ہے وہ اس کو پورا کر کے رہتا ہے۔ کوئی چیز اس کے ارادے کے سامنے رکاوٹ نہیں بن سکتی۔

شَیْءٍ قَدْرًا ﴿۳﴾ وَالّٰٓـِٔیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ

لیے ایک اندازہ۔ اور تمہاری (مطلقہ) عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہوں ١٣ے اگر

١٣ے وہ مطلقہ جس کو حیض آتا ہو، اور وہ عورت جس کا خاوند فوت ہو گیا ہو ان کی عدت کے احکام سورہ بقرہ میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ یہاں ان عورتوں کی عدت بیان کی جا رہی ہے جنہیں حیض نہ آتا ہو۔ ان کی تین قسمیں ہیں: ① وہ عورتیں جو سن ایاس کو پہنچ چکی ہوں، جن کو حیض آنے کی قطعاً امید نہ ہو۔ بعض علماء نے پچپن سال اور بعض نے ساٹھ سال کی عمر کو سن ایاس کہا ہے، لیکن صحیح قول یہ ہے کہ جس عمر میں حیض کا آنا یقیناً بند ہو جائے۔ ② وہ عورتیں جو ابھی نابالغ ہوں یا جن کو حیض تو نہیں آیا لیکن وہ عمر کے اعتبار سے بالغ ہو گئی ہوں۔ ③ جو حاملہ ہوں۔

پہلی دو قسموں کی عدت تین ماہ ہے۔ آئسہ طلاق کے بعد تین ماہ گزارے۔ اسی طرح نابالغہ۔

حاملہ کی عدت کا ذکر بعد میں آ رہا ہے۔

وہ عورتیں جن کا حیض کسی عارضہ کی وجہ سے بند ہو گیا ہو ان کی عدت کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ حضرات عثمان، علی، زید بن ثابت، عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی رائے یہ ہے کہ یہ عورت انتظار کرے، یہاں تک کہ سن ایاس کو پہنچ جائے اور اس کے بعد تین ماہ عدت گزارے۔ اگر اس عورت کو پھر حیض شروع ہو جائے تو پھر تین حیض عدت گزارے۔ احناف نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ امام ثوری، لیث اور امام شافعی کا بھی یہی مسلک ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ عورت نو ماہ انتظار کرے۔ اگر اس اثنا میں اسے حیض نہ آئے تو تین ماہ عدت گزارے اور اگر نو ماہ میں حمل کے آثار ظاہر ہوں تو پھر اس کی عدت وضع حمل ہو گی۔ حضرت ابن عباس کا بھی یہی قول ہے۔ امام مالک کا یہی مسلک ہے۔

امام اوزاعی کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے اپنی جوان بیوی کو طلاق دی اور اسے حیض آنا بند ہو گیا تو پورا سال عدت گزارے۔

امام حسن بصری کہتے ہیں کہ وہ سال بھر انتظار کرے۔ اگر اس عرصہ میں حیض نہ آئے تو پھر تین ماہ عدت گزارے۔ یہاں تین ماہ سے مراد قمری مہینے ہیں۔ اگر پہلی تاریخ کو طلاق ہوئی تو تین چاند شمار ہوں گے۔ انتیس کے ہوں یا تیس کے۔ اور اگر درمیان میں طلاق ہوئی تو پھر اس تاریخ سے نوے دن گنے جائیں گے۔ صاحبین کے نزدیک وہ مہینہ تیس کا شمار ہو گا۔ اس کے بعد دو مہینے چاند کے حساب سے شمار ہوں گے۔

یہ حکم مطلقہ کے لیے ہے۔ لیکن جس کا خاوند فوت ہو جائے تو اس کی عدت کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ حاملہ نہ ہو تو پھر ہر حال میں چار ماہ دس دن عدت گزارے گی خواہ وہ صغیرہ ہو، آئسہ ہو یا جوان ہو۔

یہ آیت اگرچہ عام ہے مطلقہ اور بیوہ دونوں کو شامل ہے لیکن اجماع سے اس عموم کی تخصیص ہو گئی۔ (تفسیرات احمدیہ ملا جیون۔ احکام القرآن للجصاص)

ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّ الّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ ؕ وَ اُولَاتُ

تمہیں شبہ ہو تو ان کی عدت تین ماہ ہے اور اسی طرح ان کی بھی جنہیں ابھی حیض آیا ہی نہیں۔ اور

الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ وَ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ

حاملہ عورتوں کی میعاد ان کے بچہ جننے تک ہے [۱۴] اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہتا ہے تو وہ

[۱۴] اب حاملہ عورت کی عدت بیان کی جارہی ہے۔ اس میں تو کوئی اختلاف نہیں کہ اگر مطلقہ حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے۔ اختلاف اس میں ہے کہ اگر بیوہ حاملہ ہو تو اس کی عدت کیا ہوگی؟ اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ سورۂ بقرہ کی ایک آیت میں مطلق بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن مقرر کی گئی ہے اور یہاں مطلق حاملہ کی عدت وضع حمل بتائی گئی ہے۔ اگر بیوہ غیر حاملہ ہو تو اس کی عدت بالاتفاق چار ماہ دس دن ہوگی اور اگر مطلقہ حاملہ ہو تو اس کی عدت بالاتفاق وضع حمل ہوگی۔ لیکن اگر بیوہ ہو اور حاملہ بھی ہو تو اس کی عدت میں اختلاف ہے۔ حضرت سیدنا علی، حضرت ابن عباس کے نزدیک دونوں آیتوں پر عمل کرتے ہوئے ابعد الاجلین عدت ہوگی یعنی اگر خاوند کی وفات کے فوراً بعد بچہ پیدا ہوا تو چار ماہ دس دن عدت گزارے گی اور اگر مدتِ حمل چار ماہ دس دن سے تجاوز کر گئی تو پھر وضع حمل کے وقت اس کی عدت ختم ہوگی۔

لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ یہ آیت سورۂ بقرہ کے بعد نازل ہوئی ہے اس لیے یہ آیت پہلی آیت کی مخصص ہوگی۔ گویا چار ماہ دس دن اس عورت کی عدت ہوگی جو حاملہ نہ ہو اور جو حاملہ ہو خواہ مطلقہ ہو یا بیوہ اس کی عدت وضع حمل تک ہوگی اس قول کی تائید متعدد صحیح احادیث سے ہوتی ہے۔ امام مالک نے اپنے موطا میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ ایک دفعہ اس مسئلہ پر حضرت ابن عباس اور عبدالرحمٰن بن عوف کے صاحبزادے ابوسلمہ کے درمیان گفتگو ہوئی۔ ابن عباس ابعد الاجلین کے قائل تھے اور ابوسلمہ وضع حمل کو عدت کی انتہا کہتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ نے کہا کہ میں اس مسئلہ میں اپنے بھتیجے ابوسلمہ کی تائید کرتا ہوں۔ چنانچہ حضرت ابن عباس کے غلام کُریب کو حضرت ام المومنین ام سلمہ کی خدمت میں بھیجا گیا۔ ام المومنین نے بتایا کہ سُبَیعہ اسلمیہ کا خاوند فوت ہوا۔ وہ حاملہ تھیں۔ چند روز کے بعد ان کے ہاں بچہ پیدا ہوا۔ سُبَیعہ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اپنی عدت کے بارے میں پوچھا تو حضور نے فرمایا اب تو حلال ہو گئی۔ جس سے چاہے نکاح کر سکتی ہے۔

امام مسلم نے اپنی صحیح میں یہی حدیث سُبَیعہ اسلمیہ کی زبانی روایت کی ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ میں سعد بن خولہ کی بیوی تھی حجۃ الوداع کے موقع پر انہوں نے وفات پائی۔ میں اس وقت حاملہ تھی۔ ابھی چند روز ہی گزرے تھے کہ میرے ہاں بچہ پیدا ہوا۔ مجھے ایک آدمی نے بتایا کہ تمہیں چار ماہ دس دن عدت پوری کرنی ہوگی تب تم نکاح کر سکتی ہو۔ میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئی اور اپنا ماجرا بیان کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تم آزاد ہو۔ اگر کسی سے نکاح کرنا چاہو تو کر سکتی ہو۔

صحابہ کرام کی کثیر تعداد کا یہی مسلک ہے۔ ائمہ اربعہ نے بھی یہی قول اختیار کیا ہے۔

لَهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ۝٤ ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗۤ اِلَيْكُمْ ؕ وَمَنْ يَّتَّقِ

اس کے کام میں آسانی پیدا فرما دیتا ہے ۔ ۱۵ یہ اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمہاری طرف نازل کیا ہے ۔ اور جو اللہ سے ڈرتا رہتا ہے

اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗۤ اَجْرًا ۝٥ اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ

اللہ تعالیٰ دور کر دیتا ہے اس کی برائیوں کو اور (روزِ قیامت) اس کے اجر کو بڑا کر دے گا ۔ انہیں ٹھہراؤ جہاں تم

حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا

خود سکونت پذیر ہو اپنی حیثیت کے مطابق اور انہیں ضرر نہ پہنچاؤ تاکہ تم انہیں

عَلَيْهِنَّ ؕ وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى

تنگ کرو ۱۶ اور اگر وہ حاملہ ہوں تو ان پر خرچ کرتے رہو یہاں تک

مسئلہ: اگر پیٹ میں ایک سے زیادہ بچے ہوں تو عدت آخری بچے کی پیدائش کے وقت ختم ہوگی۔

مسئلہ: اگر حمل ساقط ہو جائے اور یہ یقین ہو کہ جو چیز نکلی ہے وہ حمل ہی ہے تو اس وقت بھی عدت ختم ہو جائے گی۔

۱۵ یہاں پھر تنبیہ فرما دی کہ ان ارشاداتِ خداوندی کی تعمیل میں غفلت نہ برتنا اور اس سے ڈرتے رہنا۔ اگر تم نے تقویٰ کو اپنا شعار بنا لیا تو وہ تمہاری مشکلات کو آسان فرمائے گا اور جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے گا، اللہ تعالیٰ اس کی برائیوں کو مٹا دے گا اور اس کو قیامت کے دن اجرِ عظیم عطا فرمائے گا۔

۱۶ جو عورتیں عدت گزار رہی ہوتی ہیں ان کے احوال مختلف ہوتے ہیں۔ خاوند نے اسے طلاق رجعی دی ہے اور وہ حاملہ نہیں، خاوند نے اسے طلاق رجعی دی ہے اور وہ حاملہ بھی ہے، خاوند نے اسے طلاقِ مغلظہ دی ہے اور وہ حاملہ نہیں، خاوند نے اسے طلاقِ مغلظہ دی ہے اور وہ حاملہ بھی ہے۔ اس میں سب ائمہ متفق ہیں کہ اگر عورت طلاقِ رجعی کی عدت گزار رہی ہے تو نفقہ اور سکنیٰ دونوں خاوند کے ذمہ ہوں گے خواہ وہ حاملہ ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح جو عورت طلاقِ مغلظہ کی عدت گزار رہی ہے اور حاملہ بھی ہے تو اس کا نفقہ اور سکنیٰ بھی مرد کے ذمہ ہوگا۔ اختلاف اس میں ہے کہ وہ عورت غیر حاملہ ہے اور طلاقِ مغلظہ کی عدت گزار رہی ہے کیا اس صورت میں نفقہ اور سکنیٰ دونوں خاوند کے ذمہ ہوں گے یا صرف سکنیٰ خاوند کے ذمہ ہوگا یا خاوند نفقہ اور سکنیٰ دونوں سے بری الذمہ ہوگا؟ حضرات سیدنا عمر، ابن مسعود، امام زین العابدین، قاضی شریح اور ابراہیم نخعی کا قول یہ ہے کہ اس عورت کے نفقہ اور سکنیٰ دونوں کی ذمہ داری مرد پر ہوگی اور احناف کا بھی یہی مسلک ہے۔

حضرت سعید بن مسیب، سلیمان بن یسار، امام مالک، امام شافعی کا قول یہ ہے کہ اس کا سکنیٰ تو مرد کے ذمہ ہے لیکن نفقہ اس

کے ذمہ نہیں۔

تیسرا گروہ جس کے سرخیل امام حسن بصری اور حماد ہیں ان کے نزدیک ایسی عورت کا نفقہ اور سکنٰی مرد کے ذمہ نہیں۔

احادیث صحیحہ سے پہلے مسلک کی ہی تائید ہوتی ہے حضرت جابر بن عبد اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا۔ المُطلقة ثلاثا لها السكنى والنفقة (دار قطنی) جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہوں عدت کے دوران اس کا نفقہ اور سکنٰی مرد کے ذمہ ہوگا۔ اس سے بھی زیادہ صحیح اور اقویٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہ ارشاد ہے جو حضرت فاروق اعظم سے مروی ہے۔ سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول لها السكنى والنفقة۔ حضرت عمر فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ایسی عورت کو سکنٰی اور نفقہ مہیا کیا جائے گا۔

ابو بکر جصاص لکھتے ہیں کہ ہمیں غور کرنا چاہیے کہ جن عورتوں کو عدت میں نفقہ دیا جاتا ہے اس کی وجہ کیا ہے۔ کیا اس لیے کہ وہ حاملہ ہیں؟ ایسا تو نہیں کیونکہ مطلقہ رجعیہ غیر حاملہ کو سب کے نزدیک نفقہ دیا جاتا ہے۔ کیا اس لیے کہ بعض مصلحتوں کے پیش نظر وہ عورتیں اپنے سابقہ خاوندوں کے گھروں میں رہنے پر مجبور ہیں۔ اس لیے ان کا نفقہ خاوند پر لازم ہے۔ تو یہ علت مطلقہ مغلظہ میں بھی پائی جاتی ہے' اس لیے جب نفقہ کی علت موجود ہے تو نفقہ خاوند کو ادا کرنا پڑے گا۔

جن حضرات نے نفقہ اور سکنٰی دونوں کا انکار کیا ہے یا صرف نفقہ کا انکار کیا ہے وہ حضرت فاطمہ بنت قیس کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ وہ یہ کہتی تھیں کہ مجھے خاوند نے طلاق مغلظہ دی تھی اور حضور نے مجھے نہ نفقہ دیا تھا اور نہ سکنٰی۔ لیکن یہ حدیث ایسی ہے جس پر صحابہ کرام نے عمل کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ حضرت فاروق اعظم کے سامنے جب یہ روایت پیش کی گئی تو آپ نے ان الفاظ میں اس کو رد کر دیا۔ لسنا بتاركي اية في كتاب الله وقول رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم لقول امراة لعلها اوهمت سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول لها السكنى والنفقة۔

یعنی ہم آیت قرآن اور فرمان نبوی کو ایک عورت کے قول سے چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔ شاید وہ کسی وہم میں مبتلا ہوئی ہو۔ میں نے رسول کریم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مطلقہ مغلظہ کے لیے سکنٰی اور نفقہ دونوں ہیں۔

حضرت عائشہ، اسامہ، فاطمہ بنت قیس کے دوسرے شوہر، جب وہ یہ حدیث بیان کرتیں تو سخت برہمی کا اظہار کرتے۔

البتہ ایک بات ابھی تک خلش پیدا کر رہی ہے کہ اگر مبتوتہ غیر حاملہ کے لیے بھی نفقہ ہوتا تو پھر وان کن اولات حمل فانفقوا علیھن میں حمل کو نفقہ کے لیے بطور شرط کیوں ذکر کیا گیا۔

علامہ جصاص لکھتے ہیں کہ کیونکہ حمل کی مدت طویل بھی ہو سکتی ہے' خاوند اتنی مدت کے لیے اس عورت کو خرچہ دینے پر خوشی رضامند نہیں ہوتا جس سے اس کی نفرت کا یہ عالم ہے کہ اس نے اس کو حالت حمل میں طلاق دے دی ہے' اس لیے اس آیت میں مزید تاکید فرما دی کہ مدت مختصر ہو یا طویل ہر حالت میں ایام عدت کا نفقہ تمہارے ذمہ ہی ہے۔

اس عورت کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے جس کا خاوند فوت ہو گیا ہے اور وہ حاملہ ہے۔ علامہ ابو بکر جصاص نے فقہاء کے متعدد اقوال لکھے ہیں جنہیں بالاختصار یہاں نقل کر رہا ہوں۔

يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ۚ وَأْتَمِرُوا

کر وہ بچہ جنیں۔ پھر اگر وہ (بچے کو) دودھ پلائیں تمہاری خاطر تو تم انہیں ان کی اجرت دو ۔۱۔ اور (اجرت کے بارے میں)

۱۔۔۔ حضرات ابن عباس، ابن مسعود، ابن عمر، شریح، ابوالعالیہ، شعبی اور ابراہیم رضی اللہ عنہم کا مذہب یہ ہے کہ شوہر نے جو ترکہ چھوڑا ہے اس سے اس کو نفقہ ادا کیا جائے گا۔

۲۔۔۔ حضرات جابر، ابن زبیر، حسن، ابن المسیب اور عطا رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ اس کا نفقہ اس کے اپنے ذمہ ہے۔ خاوند کے مال سے اس کو نفقہ نہیں ملے گا۔ حضرت ابن عباس سے یہ قول بھی منقول ہے۔

۳۔۔۔ ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ شوہر کے مال سے جس طرح اس کا قرض ادا کیا جاتا ہے عورت کا نفقہ بھی ادا کیا جائے گا۔

۴۔۔۔ امام مالک کے نزدیک اس کے لیے نفقہ نہیں البتہ سکنیٰ ہے۔

۵۔۶۔۔۔ امام شافعی سے دو قول مروی ہیں: (۱) اسے نفقہ اور سکنیٰ دونوں دیے جائیں گے (۲) نہ اسے نفقہ ملے گا اور نہ سکنیٰ۔

۷۔۔۔ امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر کا مذہب یہ ہے کہ خاوند کے مال سے نہ نفقہ کا حق رکھتی ہے اور نہ سکنیٰ کا۔ کیونکہ خاوند کی وفات کے بعد اس کا ملک ختم ہو گیا۔ یہ سارا مال اب وارثوں کا ہے۔ عورت بھی اس کی وارث ہے، اس لیے اپنے حصہ وراثت سے یہ اپنے اخراجات پورے کرے گی۔

۱۔ جب عدت گزارنے والی حاملہ بچہ جنے گی تو عدت ختم ہو جائے گی۔ اب وہ اپنے پہلے خاوند سے بالکل اجنبی ہوگی۔ بچہ کو دودھ پلانا اور اس کو پالنا ماں کی نہیں، باپ کی ذمہ داری ہے۔ اب تو نکاح کا رشتہ بھی ٹوٹ گیا ہے۔ اس لیے باپ بچے کی ماں کو مجبور نہیں کر سکتا کہ وہ اس کو ضرور دودھ پلائے۔ ماں کا دل چاہے تو یہ خدمت انجام دے اور دل نہ چاہے تو انکار کر دے۔ البتہ اگر بچہ ماں کے علاوہ کسی اور کا دودھ پیتا ہی نہیں یا کوئی دوسری دودھ پلانے والی ملتی ہی نہیں تو پھر ماں کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ ضرور دودھ پلائے کیونکہ بچے کے ہلاک ہونے کا خطرہ ہے۔ اگر وہ دودھ پلانے پر رضامند ہو جائے تو خاوند پر لازم ہے کہ وہ اسے مناسب معاوضہ ادا کرے اور یہ معاوضہ باہمی مشورہ سے طے کیا جا سکتا ہے۔ خاوند کو چاہیے کہ وہ بخل سے کام نہ لے اور اپنی حیثیت کے مطابق فراخ دلی سے معاوضہ ادا کرے۔ اسی طرح ماں کے لیے بھی مستحسن ہے کہ وہ سابق خاوند کو زیادہ اجرت دینے پر مجبور نہ کرے۔

یہ مسئلہ زیر غور رہے کہ بے شک عورت پر بچے کی رضاعت کی ذمہ داری نہیں لیکن اگر وہ دودھ پلانے پر رضامند ہو جائے درآں حالیکہ وہ خاوند کے نکاح میں ہے یا ایام عدت گزار رہی ہے تو وہ رضاعت کا معاوضہ طلب نہیں کر سکتی۔ ہاں اگر عدت گزر چکی ہے تو وہ معاوضہ کی مستحق ہوگی۔

بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوفٍ ۚ وَإِن تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهُ أُخْرَىٰ ﴿٦﴾

آپس میں مشورہ کر لیا کرو دستور کے مطابق۔ اور اگر تم آپس میں طے نہ کر سکو تو اسے کوئی دوسری دودھ پلائے ۱۸؎

لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ ۖ وَمَن قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ

خرچ کرے وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق۔ اور وہ تنگ کر دیا گیا ہے جس پر اس کا رزق

فَلْيُنفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ ۚ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا ۚ

تو وہ خرچ کرے اس سے جو اللہ نے اسے دیا ہے ۱۹؎ اور تکلیف نہیں دیتا اللہ تعالیٰ کسی کو مگر اس قدر جتنا اسے دیا ہے۔

سَيَجْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا ﴿٧﴾ وَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ عَتَتْ

عنقریب اللہ تعالیٰ تنگی کے بعد فراخی دے دے گا ۲۰؎ کتنی بستیاں تھیں جنہوں نے سرتابی کی

۱۸؎ علامہ ابن منظور تَعَاسَرَ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب خرید و فروخت کرنے میں بائع اور مشتری کسی بات پر متفق نہ ہو سکیں تو اہل عرب کہتے ہیں۔ تَعَاسَرَ الْبَيِّعَانِ۔ لَمْ يَتَّفِقَا۔ اسی طرح میاں بیوی بھی اگر کسی متفقہ فیصلہ پر نہ پہنچیں اور کشاکش باقی رہے تو کہا جاتا ہے تعاسر الزوجان۔ (لسان العرب) اس تشریح کے پیش نظر ان تعاسرتم کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر اجرت کے بارے میں اتفاق رائے نہیں ہو سکا خاوند کم دینے پر مصر ہے یا ماں زیادہ کا مطالبہ کر رہی ہے تو پھر کسی دوسری عورت کو دودھ پلانے کے لیے مقرر کر دیا جائے۔ صاحب قاموس اس لفظ کے ضمن میں لکھتے ہیں۔ تَعَسَّرَ عَلَى الْأَمْرِ وَتَعَاسَرَ وَاسْتَعْسَرَ اشْتَدَّ وَالْتَوَى۔ یعنی جب کوئی کام سخت پیچیدہ ہو جائے اور الجھ جائے تو عرب کہتے ہیں۔ تَعَاسَرَ عَلَى الْأَمْرِ۔

مسئلہ۔ اگر ماں اتنی اجرت کا ہی مطالبہ کرتی ہے جو خاوند ایک اجنبیہ کو دے رہا ہے تو ماں کا حق زیادہ ہے۔

۱۹؎ باپ کو نصیحت کی جا رہی ہے کہ اگر وہ خوش حال ہے تو فراخ دلی سے اپنے بچے کی رضاعت کا معاوضہ ادا کرے۔ بخل اور کنجوسی سے کام نہ لے۔ لیکن اگر وہ مفلس ہے تو پھر حسب توفیق جو وہ دے گا وہی کافی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی استطاعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

۲۰؎ یعنی اگر کسی وقت غربت اور تنگ دستی کا سامنا کرنا پڑے تو گھبراؤ نہیں جی لگا کر محنت کرو۔ صبر کا دامن ہاتھ سے مت چھوڑو۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کوئی بعید نہیں کہ وہ تمہیں بہت جلد خوش حال اور متمول کر دے۔

عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَ رُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّ عَذَّبْنٰهَا

اپنے رب کے حکم سے اور اس کے رسولوں کے فرمان سے تو ہم نے بڑی سختی سے ان کا محاسبہ کیا ۲۱؎ اور ہم نے

عَذَابًا نُّكْرًا ۝۸ فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَ كَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا

انہیں بھاری سزا دی۔ پس انہوں نے اپنے کرتوتوں کا وبال چکھا اور ان کے کام کا انجام بڑا

خُسْرًا ۝۹ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِي

خسارہ تھا ۲۲؎ تیار کر رکھا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایک سخت عذاب ۲۳؎ پس اللہ سے ڈرتے رہا کرو اے

الْاَلْبَابِ ۛۚ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۛؕ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۝۱۰ رَّسُوْلًا

دانشمندو! ۲۴؎ جو ایمان لائے ہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تمہاری طرف ذکر۔ ایک ایسا رسول

۲۱؎ بہت سے ایسے احکام مذکور ہوئے ہیں جن کا تعلق مسلمانوں کی ازدواجی زندگیوں سے ہے، مناسب طور پر ان احکام کی بجاآوری کی تاکید بھی کی گئی ہے۔ اب بڑے کھلے الفاظ میں بتایا جا رہا ہے کہ اگر تم نے اپنی پسند اور ناپسند کو احکام الٰہیہ پر مقدم رکھا، اپنی نفسانی خواہشات کو ترجیح دی اور ارشاداتِ الٰہیہ کو پس پشت ڈال دیا تو اس کا انجام بڑا عبرت ناک ہوگا۔ ذرا ان قوموں کی تاریخ پڑھو اور ان برباد شدہ شہروں اور بستیوں کی درد بھری داستانیں سنو جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کی اور اس کے رسولوں کی اطاعت سے منہ موڑا جنہوں نے تمرد و سرکشی کا راستہ اختیار کیا تو ہم نے ان سے بڑی شدید باز پرس کی اور ان پر ایسا عذاب نازل کیا جس نے ان کو تہس نہس کر کے رکھ دیا۔

۲۲؎ اس دنیا ہی میں ان کو ان کے کرتوتوں اور بداعمالیوں کا مزہ چکھا دیا گیا۔ انہوں نے جیتے جی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ سرکشی کی جو روش انہوں نے اختیار کی اس کا انجام کتنا خوفناک تھا۔ وہ تو اپنی عیاریوں اور نوسربازیوں سے بڑی منفعتوں کی آس لگا بیٹھے تھے لیکن یہ سب ان کی حماقت اور نادانی تھی۔ انجام کار انہیں گھاٹا ہی گھاٹا ہوا۔ انہیں ایسا خسارہ ہوا جس کی تلافی کی کوئی صورت ہی نہیں۔

۲۳؎ اس رسوائی اور ذلت سے تو انہیں دنیا میں دوچار ہونا پڑا، روزِ محشر جب وہ اپنی قبروں سے اٹھیں گے تو اپنے لیے ایسا دردناک عذاب تیار پائیں گے جس کا ابھی وہ تصور بھی نہیں کر سکتے۔

۲۴؎ اس سرزنش کے بعد اہلِ خرد کو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کی تلقین کی جا رہی ہے۔ الذین اٰمنوا فرما کر اس حقیقت کو آشکارا کر دیا کہ دانا لوگ وہ نہیں جو علوم و فنون میں ماہر ہوں، جو بڑے چالباز اور سیاستدان ہوں، بلکہ حقیقی دانشمند تو وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں ایمان کا چراغ ضوفشاں ہے۔

يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

جو پڑھ کر سناتا ہے تمہیں اللہ کی روشن آیتیں ۲۵ تاکہ نکال لے جائے انہیں جو ایمان لے آئے اور

الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ

نیک عمل کرتے رہے اندھیروں سے نور کی طرف ۲۶ اور جو ایمان لاتا ہے اللہ پر اور نیک عمل

صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ

کرتا ہے ۲۷ تو وہ اس کو داخل فرمائے گا باغات میں جن کے نیچے نہریں رواں ہیں جن میں وہ لوگ تا ابد

۲۵ ذِکْرًا اور رَسُوْلًا کا باہمی تعلق کیا ہے؟ بعض علماء نے لکھا ہے کہ رَسُوْلًا سے پہلے وَاَرْسَلَ مقدر ہے اور ذکر سے مراد قرآن ہے۔ اب معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف قرآن نازل کیا اور اپنا رسول بھیجا اور علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ ذکر سے مراد بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور رسولا اس کا بدل ہے۔ ذکرا هو النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عبّر بہ عنہ لمواظبتہ علیہ الصلوٰۃ والسلام علی تلاوۃ القرآن الذی ذکر وقولہ تعالیٰ رسولا بدل منہ۔

۲۶ یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ رسول جو سراپا ذکر ہے تمہاری طرف اس لیے مبعوث فرمایا ہے کہ اہل ایمان کو اور نیک عمل کرنے والوں کو طرح طرح کے اندھیروں سے نکال کر ہدایت کے نور تاباں تک پہنچائیں۔

اس سیاق میں اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو عائلی قانون اور ازدواجی زندگی کے بارے میں ضوابط حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی امت کو عطا فرمائے ہیں ان کی برکت سے یہ امت گمراہی کے ان اندھیروں سے نکل کر ہدایت کی روشنی میں پہنچ گئی ہے جن اندھیروں میں ابھی تک اقوام عالم بھٹکتی پھر رہی ہیں۔ آپ کو فرصت ملے تو آپ اسلام کے عائلی قوانین کا دنیا بھر کی اقوام کے جدید و قدیم عائلی قوانین سے موازنہ کریں، آپ کو اس قول کی صداقت کا یقین آجائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم شرح صدر سے ان قوانین کو اپنائیں جو ہماری بہتری اور بھلائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف نازل کیے ہیں۔

۲۷ یہ بتلانے کے بعد کہ میرا رسول اہل ایمان کو اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لا رہا ہے اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ قیامت کے دن ان لوگوں کے ساتھ بڑی مہربانی کا سلوک ہوگا۔ انہیں ان باغات میں بسایا جائے گا جہاں میٹھے اور ٹھنڈے پانی کی ندیاں بہ رہی ہیں۔ وہاں ان کا قیام عارضی نہیں، ابدی ہوگا۔ وہاں سے ان کو نکالا نہیں جائے گا۔

أَبَدًا ۖ قَدْ أَحْسَنَ اللَّهُ لَهُ رِزْقًا ﴿١١﴾ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَ

رہیں گے۔ بلاشبہ اللہ نے اس (مومن) کو بہترین رزق عطا فرمایا۔ اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان پیدا فرمائے اور

مِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ

زمین کو بھی انہی کی مانند ۲۸؎ نازل ہوتا رہتا ہے حکم ان کے درمیان ۲۹؎ تاکہ تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿١٢﴾

کامل قدرت رکھتا ہے۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا اپنے علم سے احاطہ کر رکھا ہے۔

۲۸؎ اس سورت کا اختتام اس آیت سے ہو رہا ہے۔ اس میں بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے جس نے سات آسمانوں کو پیدا فرمایا اور اسی طرح زمین کی بھی تخلیق کی۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی شانِ کبریائی کی جلوہ گاہ ہے اور اس کی عظمت اور بڑائی پر گواہی دے رہا ہے۔

ومن الارض مثلھن میں مماثلت کی دو وجہیں بیان کی گئی ہیں:

① آسمان بھی سات پیدا فرمائے اور زمینیں بھی سات پیدا فرمائیں۔

② یعنی جس طرح آسمان کی اس نے تخلیق کی ہے اسی طرح زمین کی بھی اسی نے تخلیق کی ہے۔ اگر زمینوں کی تعداد بھی سات مانی جائے تو امام رازی نے کہا ہے کہ سات زمینوں سے مراد وہ سات براعظم ہیں جنہیں بڑے بڑے سمندر ایک دوسرے سے جدا کیے ہوئے ہیں، یا سات زمینوں سے مراد سات کواکب ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

اس مقام پر بعض مفسرین نے حضرت ابن عباس سے ایک قول نقل کیا ہے۔ آپ نے کہا:

فی کل ارض آدم کآدم ونوح کنوح ونبی کنبیکم۔ اس کے متعلق علامہ ابی الحیان اندلسی بحر محیط میں لکھتے ہیں وعن ابن عباس من روایۃ الواقدی الکذاب وھذا حدیث لا شک فی وضعہ کہ یہ قول واقدی نے ابن عباس سے روایت کیا ہے اور واقدی کذاب ہے اور یہ وہ حدیث ہے جس کے موضوع ہونے میں کوئی شک نہیں۔

۲۹؎ آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے بعد اللہ تعالیٰ ان سے لاتعلق نہیں ہو گیا بلکہ ہر لحظہ اس کے احکام و اوامر کا ان میں نزول ہو رہا ہے اور ہر جگہ انہیں کی تعمیل ہو رہی ہے۔ موت و حیات، غنیٰ و فقر، عزت و ذلت، بناؤ اور بگاڑ غرضیکہ جو تغیرات اور انقلابات آپ بلندیوں اور پستیوں میں مشاہدہ کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے حسن تدبیر کی جلوہ نمائی ہے۔ ای یجری امر اللہ تعالیٰ وقضاءہ و قدرہ عز وجل بینھن۔ (روح المعانی) اگر تم ان میں غور و فکر کرو گے تو تمہیں یقین ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے۔ جو چاہتا ہے ہو جاتا ہے۔ اور تمہیں یقین ہو جائے گا کہ اس کا علم کائنات ارضی و سماوی کے ذرہ ذرہ کو احاطہ کیے ہوئے ہے۔ بے شک وہی ذات

اقدس معبود برحق اور مسجود برحق ہونے کے لائق ہے۔ جس کی قدرت بھی بے پایاں ہے اور جس کا علم بھی بے کراں ہے۔ یہ بت جن کی مشرکین پوجا کرتے ہیں اور انہیں اپنا کارساز حقیقی خیال کرتے ہیں، عاجز ہیں، ان میں کچھ طاقت نہیں، جاہل ہیں انہیں کسی چیز کی خبر نہیں۔ بھلا ان کو اپنا خدا اور معبود تسلیم کرنا کہاں کی دانشمندی ہے۔

◎

فتبارك الله رب العلمين الذى لا اله الا هو لا حول ولا قوة الا بالله العلى العظيم
والصلوة والسلام على حبيبنا المكرم وشفيعنا المعظم سيدنا محمد سيد المرسلين
وامام المتقين وخاتم النبيين وعلى اله وصحبه اجمعين۔
ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم وتب علينا انك انت التواب الرحيم۔

○

تعارف
سُورۃ التحریم

نام : اس سورت کا نام 'التحریم' ہے۔ جو پہلی آیت کے کلمہ 'لِمَ تُحَرِّمُ' سے ماخوذ ہے۔ اس کی بارہ آیتیں ہیں۔ اس کے کلمات کی تعداد ۲۴۷ اور حروف کی تعداد ۱۰۶۰ (ایک ہزار ساٹھ) ہے۔

نزول : یہ مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔ سال نزول سنہ ۷ھ یا سنہ ۸ھ ہے کیونکہ حضرت حاطب ؓ سات ہجری میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا دعوت نامہ لے کر مقوقس والی اسکندریہ کے پاس گئے۔ اس نے ماریہ قبطیہ اور ایک مصری خاتون سیرین نامی کو بطور ہدیہ حضور کی خدمت میں بھیجا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ماریہ کو شرف زوجیت بخشا۔ انکے بطن سے سنہ ۸ھ کے آخری ماہ میں حضرت ابراہیم تولد ہوئے کیونکہ اس سورت کا اس واقعہ سے بھی تعلق ہے اس لیے ماہ نزول سنہ ۷ھ یا سنہ ۸ھ ہی بنتا ہے۔

مضامین : (۱) حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک موقع پر ایک حلال چیز سے اجتناب کرنے کی قسم کھالی (جس کی تفصیل آگے آرہی ہے) اگر وہ پابندی برقرار رہتی تو حضور کو تکلیف ہوتی۔ نیز اُمت کے لوگ ایسا کرنے کو سُنتِ نبوی سمجھ لیتے اور اپنے اُوپر ناروا پابندیاں عائد کرنے کو اعمالِ صالحہ میں شمار کرنے لگتے۔ اسی طرح اسلامی معاشرہ رفتہ رفتہ خود پیدا کردہ مُشکلات اور محرومیوں کے دلدل میں پھنس کر رہ جاتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ قسم کا کفارہ ادا کردیں اور اس پابندی سے رستگاری حاصل کریں۔ آپ کی اور آپ کی اُمت کی تکلیف اور مشقت رحمت الٰہی کو گوارا نہیں۔

یہاں تحریم سے مراد شرعی تحریم نہیں کہ کسی حلال چیز کو انسان حرام اعتقاد کرنے لگے بلکہ کسی چیز کے استعمال سے اجتناب و احتراز مُراد ہے تفصیل آیت کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیے۔

(۲) ازواج مطہرات کے دلوں میں حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم کی جو بے پناہ محبت تھی وہ بعض اوقات رقابت کے جذبہ کو بھڑکا دیتی اور ایسی صُورتِ حال پیدا ہو جاتی جو حضور کے لیے خاصی پریشان کن ہوتی۔ اللہ تعالےٰ نے اس سورت میں ازواج مطہرات کی تادیب فرمائی کہ وہ آئندہ ایسی کوئی حرکت نہ کریں جو حضور کے خاطر عاطر پر بار ہو۔ خواہ اس کا محرک تمہارا والہانہ جذبۂ محبت ہی کیوں نہ ہو۔ تمہاری محبت کو خود سر نہیں ہونا چاہیے بلکہ رضائے حبیب کا حلقہ بگوش ہونا چاہیے۔ تمہارے جذبات شوق کے تقاضے کچھ ہوں انہیں ہر حال میں میرے نبی کی پسند اور ناپسند کا پابند ہونا چاہیے۔

(۳) ایک زوجۂ مکرمہ افشاء راز کر بیٹھیں، انہیں سرزنش فرمادی۔ اس سے اُمت کی خواتین کو بھی سبق مل گیا کہ وہ بھی اپنے

شوہروں کے رازوں کو محفوظ رکھا کریں ورنہ ان کی معمولی سی غفلت ان کے لیے ان کے خاندان کے لیے تباہ کن ثابت ہو سکتی ہے۔

(۴) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی گھر والیوں کی اصلاح کے بعد اب غلامان مصطفےٰ علیہ اطیب التحیۃ والثناء کو حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ خود بھی دوزخ کا ایندھن بننے سے بچیں اور اپنے اہل وعیال کی بھی ایسی صحیح تربیت کریں کہ وہ جہنم کے عذاب سے بچ جائیں۔ گویا ماں باپ پر فرض کر دیا کہ وہ اپنے بچوں کے اخلاق کی کڑی نگرانی کریں۔

(۵) انسانوں سے گناہوں اور خطاؤں کا صدور ہوتا ہی رہتا ہے اس لیے توبۃ نصوحا یعنی خالص توبہ کرنے کی تلقین فرمائی تاکہ ہمارا دامنِ عمل ان بدنما داغوں سے پاک ہو جائے۔

(٦) آخر میں دو مثالیں ذکر فرمائیں، ایک کفار کے لیے اور ایک اہل ایمان کے لیے تاکہ دونوں گروہوں کو اپنی حیثیت کا پورا علم ہو جائے۔ وہ کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ رہیں۔ ایمان اور محبتِ الٰہی کمزور سے کمزور انسان کو کس طرح ناقابلِ تسخیر بنا دیتی ہے اس کو ذہن نشین کرانے کے لیے حضرت آسیہ کا تذکرہ فرمایا۔ حضرت مریم علیہا السلام کی پاکدامنی کا ذکر کر کے مسلم خواتین کو ترغیب دلائی کہ وہ بھی اپنے گوہرِ عصمت کی حفاظت کریں۔ اسے کسی قیمت پر بے آب نہ ہونے دیں۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے لطف وکرم سے انہیں بھی کسی نیک بخت اور نامور فرزند کی ماں بننے کا شرف بخش دے۔

سُوْرَةُ التَّحْرِيْمِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ اثْنَتَا عَشْرَةَ اٰيَةً وَفِيْهَا رُكُوْعَانِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورہ التحریم مدنی ہے۔ اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اس کی آیات ۱۲ رکوع ۲

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ۭ

اے نبی (مکرم!) آپ کیوں حرام کرتے ہیں اس چیز کو جسے اللہ نے آپ کے لیے حلال کر دیا ہے۔ (کیا) آپ (اس سے) اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہیں [1]

[1] اس سے پہلی سورت میں اہل ایمان کی ازدواجی زندگی سے متعلق احکام وہدایات کا ذکر ہوا۔ اس سورت میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خانگی زندگی کے کچھ حالات بیان ہو رہے ہیں تاکہ امت اپنے نبی کریم کے اسوۂ حسنہ پر عمل کر سکے۔

ان آیات کے شانِ نزول کے بارے میں دو روایتیں بیان کی جاتی ہیں۔ پہلے میں اس روایت کا خلاصہ پیش کرتا ہوں جسے امام بخاری اور امام مسلم نے اپنی صحیحین میں نقل کیا ہے۔

سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادتِ مبارکہ تھی کہ نمازِ عصر کے بعد ازواجِ مطہرات کے حجروں میں تشریف لے جاتے اور تھوڑا تھوڑا وقت ہر رفیقۂ حیات کے پاس تشریف رکھتے۔ ایک دفعہ ام المومنین حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں کسی نے شہد تحفۃً بھیجا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب ان کے کاشانۂ اقدس میں رونق افروز ہوتے تو وہ بڑے اہتمام سے شہد پیش کرتیں۔ حضورؐ کو طبعی طور پر شہد بہت پسند تھا۔ اس لیے شوق فرماتے۔ اس طرح حضرت زینب کے ہاں معمول سے زیادہ قیام ہو جاتا۔ حضرت زینبؓ کی مسرت کی حد نہ تھی۔ انہیں اللہ کے محبوب اور اپنے سرتاج کے روئے زیبا کے دیدار کا موقع زیادہ ملتا۔ لیکن جن اُمہات المومنین کے حصے کے یہ لمحے صرف ہوتے ان کے لیے یہ صورتِ حال ناقابلِ برداشت ہوتی گئی۔ محبت جتنی زیادہ ہوتی ہے رقابت کا جذبہ اتنا ہی قوی ہوتا ہے۔ آخر حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ضبط نہ ہو سکا۔ انہوں نے آپس میں یہ طے کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت زینب کے پاس سے اٹھ کر ان میں سے جس کے ہاں آئیں وہ یہ کہے کہ حضور! آپ کے دہنِ مبارک سے مغافیر کی بو آ رہی ہے۔ کیا حضورؐ نے مغافیر تناول فرمایا ہے؟ (مغافیر: عرفط درخت کی گوند جس میں خفیف سی بساند ہوتی ہے)۔ انہیں علم تھا کہ حضورؐ اپنی نفاستِ مزاج کے باعث بدبو کو سخت ناپسند کرتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا میں نے مغافیر تو نہیں کھایا۔ البتہ زینب کے ہاں شہد نوش کیا ہے۔ اس کے بعد میں شہد نہیں پیوں گا۔ تم کسی سے اس کا ذکر نہ کرنا۔ فَلَنْ اَعُوْدَ لَهٗ فَقَدْ حَلَفْتُ لَا تُخْبِرِيْ بِذٰلِكَ اَحَدًا۔ اس وقت یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

دوسری روایت یہ ہے کہ جب سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مختلف ممالک کے سربراہوں کو اسلام قبول کرنے کے دعوت نامے بھیجے تو حضرت حاطب ابن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضورؐ کا گرامی نامہ لے کر اسکندریہ کے والی مقوقس کے پاس گئے۔ اس نے قاصد کی بڑی تکریم کی اور جب وہ واپس روانہ ہوئے تو مقوقس نے ایک عریضہ بھی حضورؐ کی خدمت میں ارسال کیا اور دو اعلیٰ خاندان کی لڑکیاں بھی بھیجیں جن میں سے ایک کا نام سیرین اور دوسری کا نام ماریہ (MARY) تھا۔ حضرت حاطبؓ کی تبلیغ وتلقین سے دونوں

نے مدینہ طیبہ پہنچنے سے پہلے ہی اسلام قبول کر لیا۔ حضورؐ نے سیرین نامی لڑکی حضرت حسانؓ بن ثابت کو مرحمت فرما دی اور ماریہ کو آزاد کر کے اپنی زوجیت کا شرف بخشا۔ انہیں کے بطن سے ذی الحجہ ۸ھ میں حضورؐ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے جو بعد میں ۱۶ ماہ کی عمر میں انتقال فرما گئے۔ ایک روز ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی باری تھی۔ حضورؐ سے اجازت لے کر وہ اپنے والد حضرت عمرؓ سے ملنے چلی گئیں۔ وہیں حضرت ماریہؓ آگئیں اور تخلیہ میں حضورؐ کے ساتھ رہیں۔ ابھی دروازہ بند تھا کہ حضرت حفصہؓ بھی واپس آگئیں اور باہر بیٹھ کر انتظار کرنے لگیں۔ جب حضورؐ نے دروازہ کھولا اور حضرت حفصہؓ نے ماریہؓ کو اپنے حجرے میں دیکھا تو انہیں سخت ناگوار گزرا اور یوں شکوہ کرنے لگیں۔ میری باری، میرا حجرہ، میرا بستر اور ماریہ۔ یا رسول اللہ آپ مجھے حقیر سمجھتے ہیں اس لیے آپ نے ایسا کیا۔ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی جاں نثار زوجہ کی آزردگی اور پریشانی برداشت نہ کر سکے اور قسم کھائی کہ آئندہ ماریہ سے ازدواجی تعلق نہ رکھیں گے اور حضرت حفصہ کو تاکید فرمائی کہ وہ اس کا ذکر کسی سے نہ کریں۔

واقعے یہ دو ہیں لیکن روایات میں بڑا اختلاف اور تعارض ہے۔ کہیں کسی کا نام ہے کہیں کسی کا۔ اس لیے ان واقعات کی مختلف روایتیں نقل کرنے کے بعد امام ابن جریر طبری اپنی تفسیر میں اپنی رائے ان الفاظ میں تحریر کرتے ہیں:

والصواب من القول فی ذلک ان یقال ان الذی حرمہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی نفسہ شیئ کان اللہ قد احلہ لہ۔ یعنی میرے نزدیک صحیح قول یہ ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے اوپر ایک ایسی چیز کو حرام کر دیا جس کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال کیا تھا۔

قال النووی فی شرح مسلم الصحیح ان الاٰیۃ فی قصۃ العسل لا فی قصۃ ماریہ المرویۃ فی غیر الصحیحین ولم تأت قصۃ ماریہ فی طریق صحیح۔ صحیح مسلم کی شرح میں امام نووی کہتے ہیں کہ درست بات یہ ہے کہ یہ آیت شہد کے قصہ میں نازل ہوئی اور ماریہؓ کے واقعہ میں نازل نہیں ہوئی جیسا غیر صحیحین میں مذکور ہے اور ماریہ کا واقعہ کسی صحیح سند سے مروی نہیں۔

یہ آپ سن چکے۔ آئیے اب آیاتِ طیبہ میں غور و فکر کریں۔

زمخشری معتزلی اور اس کے پیروکاروں نے یہاں بڑی ٹھوکریں کھائی ہیں اور ایسی باتیں لکھی ہیں جن سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دامنِ عصمت پر حرف آتا ہے۔ آپ ائمہ اہلِ سنت کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حق فہمی اور محبتِ مصطفوی دونوں نعمتوں سے مالا مال فرمایا ہے۔

علامہ ابی حیان اندلسی اپنی تفسیر "البحر المحیط" میں تحریر فرماتے ہیں۔ یایھا النبی نداء اقبال وتشریف۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے یایھا النبی سے خطاب فرما کر اپنے حبیب کو اپنی طرف متوجہ کیا ہے اور شرفِ ندا سے سرفراز فرمایا ہے۔ لم تحرم سوال تلطف۔ یعنی ازراہِ لطف و محبت دریافت کیا ہے کہ اے حبیب! آپ نے ایسا کیوں کیا۔ اس کا قرینہ یہ ہے کہ پہلے بڑے احترام سے خطاب فرمایا پھر سوال کیا۔ جس طرح عفا اللہ عنک لم اذنت لھم میں ہے۔ پھر فرماتے ہیں تحریم سے مراد تحریم شرعی نہیں یعنی جس طرح وحی الٰہی سے کسی چیز کو جو پہلے حلال تھی حرام کر دیا جاتا ہے اور اس کے بارے میں یہ اعتقاد رکھنا ضروری ہوتا ہے کہ یہ حرام ہے۔ بلکہ یہاں تحریم سے مراد امتناع ہے۔ یعنی کسی چیز کے استعمال سے رک جانا۔ جیسے کوئی شخص کسی حلال اور مباح چیز کے استعمال کرنے سے اپنے آپ کو باز رکھ لیتا ہے اور کبھی یہ

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ① قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ

اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے ٢ بے شک اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیا ہے تمہارے لیے تمہاری قسموں کی گرہ کھولنے کا طریقہ (یعنی کفارہ)

امتناع کسی کی دلجوئی کے لیے ہوتا ہے جس کی خوشنودی مطلوب ہوتی ہے۔ آخر میں لکھتے ہیں کہ ہم زمخشری کی عبارت نقل کرنے سے دانستہ گریز کر رہے ہیں کیونکہ اس نے ایسی باتیں لکھی ہیں جو عصمت نبوت کے لائق نہیں۔

علامہ آلوسی نے بھی تحریم کا مفہوم امتناع ہی بیان کیا ہے۔ والمراد بالتحریم الامتناع (روح المعانی) مطلب یہ ہے کہ آپ ایک حلال چیز کو استعمال کرنے سے کیوں اجتناب کرتے ہیں۔

٢ علامہ سید آلوسی اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فیہ تعظیم شانہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لان ترک الاولی بالنسبۃ الی مقامہ السامی الکریم یعد کالذنب وان لم یکن فی نفسہ کذالک۔ یعنی اگرچہ آپ نے کسی گناہ کا ارتکاب نہیں کیا زیادہ سے زیادہ اولیٰ کا ترک ہوا لیکن آپ کے عالی اور کریم مقام کے لیے یہ بھی مناسب نہ تھا۔ لیکن ہم غفور ہیں ہم نے معاف کر دیا۔ مزید فرماتے ہیں کہ آیت میں جو عتاب ہے وہ کسی ناراضگی کی وجہ سے نہیں بلکہ مزید اعتنا کی وجہ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کو آپ کی ہر ہر ادا کا خیال ہے۔ اسے یہ گوارا نہیں کہ آئینہ نبوت پر ادنیٰ سا غبار بھی پڑے۔ زمخشری کے متعلق لکھتے ہیں کہ اس کا قدم حسب عادت یہاں بھی پھسل گیا ہے۔ اس نے تحریم سے مراد شرعی تحریم لی ہے جو گناہ ہے اور غفور میں اسی گناہ کی آمرزش کی طرف اشارہ ہے۔ آلوسی کہتے ہیں کہ ابن منیر نے یہاں زمخشری کے خوب بخیے ادھیڑے ہیں۔ ماحاصلہ ان ما اطلقہ فی حقہ علیہ الصلوٰۃ والسلام تَقَوُّلٌ وَافْتِرَاءٌ والنبی علیہ الصلوٰۃ والسلام منہ براء۔ ابن منیر کی تنقید کا حاصل یہ ہے کہ زمخشری نے حضور کے حق میں جو کچھ کہا ہے وہ اس کا اپنا گھڑا ہوا افترا ہے اور حضور کی ذات اقدس اس سے بری ہے۔ کیونکہ حلال کی تحریم کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ کسی حلال چیز کو حرام اعتقاد کر لیا جائے۔ یہ ممنوع ہے بلکہ کفر ہے اور نبی معصوم سے اس کا صدور ممکن نہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ حلال کو حلال ہی سمجھا جائے لیکن اس کے استعمال سے اجتناب کیا جائے۔ ایسا کرنا مباح اور حلال ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تحریم کی یہی صورت تھی۔ انما عاتبہ اللہ تعالیٰ علیہ رفقا بہ وتنویھا بقدرہ واجلالا لمنصبہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان یراعی مرضاۃ ازواجہ بمایشق علیہ۔ جریا علی ما الف من لطف اللہ تعالیٰ بہ۔ ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے عتاب کی وجہ یہ ہے کہ حضورؐ نے اپنی ازواج کی خوشنودی کے لیے اپنے اوپر پابندی عائد کر لی جس سے حضور کو تکلیف اور مشقت کا سامنا کرنا پڑتا۔ اللہ تعالیٰ کو یہ ہرگز گوارا نہیں کہ اس کے محبوب کو تکلیف پہنچے۔ اس لیے فرمایا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا آپ کو اپنی ازواج کی خوشنودی مطلوب ہے تو مجھے آپ کا آرام اور آپ کی راحت مرغوب ہے۔ ایسی ناروا پابندیوں کی اجازت میں آپ کو کیوں کر دے سکتا ہوں۔

یہاں اس امر کا ذکر کر دینا بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ یورپ کے کئی متعصب مصنفین نے حضرت ماریہؓ قبطیہ کے واقعہ کی آڑ لے کر شان رسالت میں بڑی گستاخیاں کی ہیں اور ان کی تحریروں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اور پیغمبر اسلام سے ان کی عداوت

وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝۲ وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى

اور اللہ ہی تمہارا کارساز ہے ۳؎ اور وہی سب کچھ جاننے والا، بہت دانا ہے۔ اور (یہ واقعہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے) جب نبی کریم نے

نے ان کو اندھا اور بہرہ کر دیا ہے۔ نہ صدائے حق کو وہ سن سکتے ہیں اور نہ نورِ حق انہیں دکھائی دیتا ہے۔ حضرت ماریہؓ کوئی اجنبی عورت نہ تھیں جن سے خلوت شرع اور عقل کی نظر میں حرام ہوتی۔ وہ حضورؐ کی ازواجِ مطہرات میں سے ایک تھیں۔ مقوقس والیٔ اسکندریہ نے انہیں حضورؐ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ حضورؐ نے انہیں آزاد فرمایا اور اپنی زوجیت کا شرف بخشا تھا۔ خاوند کا اپنی بیوی سے خلوت کرنا کسی قانون کسی شریعت اور کسی نظامِ حیات میں قبیح نہیں۔ اس کو غلط رنگ دے کر پیش کرنا علم اور دیانت کا منہ چڑانا ہے اور اس کے ساتھ اپنی شقاوت پر مُہرِ ثبت کرنا ہے۔ یہ تو بیگانے لوگ تھے جن کے دلوں میں اسلام کے متعلق گوناگوں عداوتیں تھیں لیکن تعجب بلکہ ندامت اس وقت ہوتی ہے جبکہ کئی مدعیانِ علم منبروں پر کھڑے ہو کر اس واقعہ کو بیان کر کے تنقیصِ شانِ رسالت کا پہلو نکالتے ہیں۔ کبھی حضورؐ کے خداداد علم پر انگشت نمائی کی جاتی ہے۔ یہ دیکھو فلاں چیز کا علم نہ تھا۔ کبھی حضورؐ کی شان کا انکار کیا جاتا ہے۔ یہ دیکھو حضورؐ حلال کو حرام نہیں کر سکتے۔ معلوم ہوا کہ حضورؐ کو کوئی اختیار نہیں۔ اپنی امت کو اور اپنے غلاموں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے وغیرہ وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ کج فہمی سے بچائے۔ وہ اتنا بھی نہیں جانتے یا جانتے ہیں تو دانستہ اغماض کرتے ہیں کہ اللہ کا رسول اس لیے مبعوث نہیں کیا جاتا کہ وہ اللہ کے اذن کے بغیر اللہ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو از خود حرام کر دے۔ یہ ممنوع ہے بلکہ کفر ہے۔ یہاں تحریم سے مراد کسی حلال چیز کو حلال اعتقاد کرتے ہوئے اس سے اجتناب کرنا ہے۔ جس کی تفصیل آپ پہلے پڑھ چکے ہیں۔ اور شہد کو حرام کرنا اس لیے نہیں کہ آپ کو علم نہیں تھا بلکہ اس کی وجہ خود قرآن کریم نے بتا دی تبتغی مرضات ازواجك کہ آپ اپنی ازواجِ مطہرات کی دلجوئی کرنا چاہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی وجہ کو پسِ پشت ڈال کر اپنی طرف سے عدمِ علم کو اس کا سبب قرار دینا ایک مومن کو تو ہرگز زیب نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ حق فہمی کی صلاحیت سلب کر لیتا ہے تو اسی قسم کے دلخراش الفاظ انسان کی زبان سے نکلتے ہیں۔ اللهم انا نعوذ بك من سخطك وسخط نبيك المكرم صلى الله عليه وسلم۔

۳؎ تَحِلَّةً کا وزن تفعلة ہے۔ یہ باب تفعیل کا دوسرا وزن ہے۔ کَرَّمَ سے تکریم اور تکرمة۔ کَمَّلَ سے تکمیل اور تکملة دونوں وزن آتے ہیں۔ یہ بھی حَلَّلَ — تَحْلِيلًا کا دوسرا مصدر ہے۔ علامہ راغب نے قد فرض الله لكم تحلة ايمانكم کا یہ معنی لکھا ہے أی بين ما تنحل به عقدة ايمانكم من الكفارة۔ یعنی اللہ نے وہ چیز بیان کر دی جس سے تمہاری قسموں کی گرہ کھل جاتی ہے یعنی کفارہ۔ یعنی قسم کھا کر جو گرہ تم نے ڈال لی تھی اس کے کھولنے کا طریقہ تمہیں بتا دیا کہ کفارہ ادا کرو اور پابندی سے آزاد ہو جاؤ۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو یہ کہتا ہے کہ میں نے تجھے حرام کیا تو اس پر کیا اثر مرتب ہوگا؟ اس میں فقہاء کے متعدد اقوال ہیں۔ میں یہاں صرف حضرت امام اعظمؒ کا قول نقل کروں گا۔

علامہ ابوبکر جصاص احکام القرآن میں رقمطراز ہیں کہ ہمارے علماء کے نزدیک اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو حرام کہتا ہے تو وہ قسم ہوگی گویا اس نے یوں کہا وَاللّٰهِ لَا اَقْرَبُكِ بخدا میں تمہارے قریب نہیں جاؤں گا۔ اس صورت میں وہ مُولی ہوگا اور اگر اس نے یہ الفاظ کہے اور طلاق کی نیت کی تو وہ طلاق ہوگی۔ اگر ایک طلاق کی نیت کی تو طلاق بائن ہوگی اور اگر تین کی نیت کی تو طلاقِ مغلظ۔

بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ

رازداری سے اپنی ایک بیوی کو ایک بات بتائی [۳] پھر جب اس نے دوسری کو راز بتا دیا اور ظاہر کر دیا اللہ نے آپ کو اس پر آگاہ

عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ

کر دیا آپ نے (اس بیوی کو) کچھ بتا دیا اور کچھ سے چشم پوشی فرمائی۔ پس جب آپ نے اس کو اس پر آگاہ کیا تو اس نے پوچھا

[۳] وہ بات کیا تھی جو حضور نے رازداری سے اپنی ایک رفیقۂ حیات کو بتائی تھی اور منع فرمایا تھا کہ کسی دوسری سے وہ اس کا ذکر کرے۔ جن علماء نے حدیث عسل کو ان آیات کے نزول کا سبب تسلیم کیا ہے ان کے نزدیک وہ راز یہ تھا کہ حضور نے فرمایا میں پھر شہد نہیں کھاؤں گا اور تم یہ کسی کو نہ بتانا کہ میں نے شہد نہ کھانے کی قسم کھائی ہے اور جن علماء کے نزدیک اس کی شان نزول ماریہؓ قبطیہ کا واقعہ ہے تو انہوں نے اس راز سے یہ مراد لیا ہے کہ وہ کسی کو نہ بتائیں گی کہ حضور نے ماریہؓ سے آئندہ مقاربت نہ کرنے کا حلف اٹھایا ہے۔

اگر علامہ ابن جریر کے قول کو ترجیح دی جائے تو کسی راز کے تعین کی ضرورت نہیں رہتی۔ ہمارے لیے اتنا سمجھنا ہی کافی ہے کہ کوئی راز کی بات تھی جو حضور نے اپنی ایک زوجہ کو بتائی اور انہیں تاکید کر دی کہ کسی دوسری کو اس کا پتہ نہ چلے لیکن وہ اس راز کو افشا کر بیٹھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو آگاہ کر دیا کہ آپ کی اہلیہ نے وہ راز افشا کر دیا ہے۔ حضور نے جب اس کو بتایا کہ اس نے یہ راز ظاہر کر دیا ہے تو وہ حیران رہ گئیں اور خیال کیا کہ شاید دوسری بیوی نے بتایا ہوگا۔ پوچھا حضور آپ کو کس نے آگاہ کیا ہے کہ میں نے یہ راز فاش کر دیا؟ حضور نے فرمایا کہ مجھے میرے رب نے خبر دی ہے جو سب کچھ جاننے والا اور ہر راز سے باخبر ہے۔

بعض روایات میں منقول ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب حضرت ماریہؓ کے بارے میں حضرت حفصہؓ کو ملول اور رنجیدہ پایا تو ماریہؓ کو اپنے اوپر حرام کر دینے کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا کہ میرے بعد ابوبکرؓ اور ان کے بعد تمہارے والد عمرؓ خلیفہ ہوں گے۔ یہ وہ راز تھا جو حضرت حفصہؓ چھپا نہ سکیں اور حضرت عائشہؓ سے بھی اس کا ذکر کر دیا۔ چند روایات ملاحظہ ہوں:

(۱-۲) اخرج ابن مردویہ عن ابن عباس وابن ابی حاتم عن مجاھد ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اسرّ الی حفصۃ تحریم ماریۃ وان ابابکر وعمر یلیان الناس بعدہ۔ ترجمہ: ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس سے اور حضرت ابن ابی حاتم نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رازداری سے یہ بات کہی کہ ماریہ مجھ پر حرام ہے اور میرے بعد ابوبکرؓ اور عمرؓ لوگوں کے والی ہوں گے۔

(۳) ابن مردویہ نے متعدد طریقوں سے حضرت سیدنا علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی ہے کہ ان دونوں حضرات نے فرمایا۔ ان امارۃ ابی بکر وعمر لفی کتاب اللہ۔ واذ اسر النبی الی بعض ازواجہ حدیثا قال لحفصۃ ابوکِ وابو عائشۃ والیا الناس بعدی فایاکِ ان تخبری احدا۔ ترجمہ: ابوبکرؓ اور عمرؓ کی خلافت تو کتاب اللہ میں موجود ہے۔ واذ اسر النبی الخ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ حضور نے حضرت حفصہؓ کو فرمایا کہ تیرا باپ اور عائشہ کا باپ میرے بعد لوگوں کے امیر ہوں گے خبردار! یہ راز کسی کو نہ بتانا۔

(۴-۵) واخرج ابونعیم فی فضائل الصحابۃ عن الضحاک انہ قال فی الآیۃ اسر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الی حفصۃ

مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ۭ قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ③ اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى

آپ کو اس کی خبر کس نے دی ہے۔ فرمایا مجھے اس نے آگاہ کیا ہے جو علیم و خبیر ہے۔ اگر تم دونوں اللہ کے حضور توبہ کر لو تو تمہارے

اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ

دل بھی تو (نیکی کی طرف) مائل ہو چکے ہیں (تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے) ؎ اور اگر تم نے ایکا کر لیا آپ کے مقابلہ میں تو خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ آپ

ان الخلیفۃ من بعدی ابوبکر ومن بعد ابی بکر عمر۔

(۶) واخرج ابن ابی حاتم نحوہ۔ ترجمہ: ابونعیم نے فضائل الصحابہ میں ضحاک سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ اس آیت کا راز یہ ہے کہ حضورؐ نے حضرت حفصہؓ سے فرمایا کہ میرے بعد ابوبکر خلیفہ ہوں گے اور ان کے بعد عمر۔

ابن ابی حاتم نے بھی اسی قسم کی روایت نقل کی ہے۔

یہ تو اہل سنت کی کتب کے حوالے تھے۔ شیعہ کے جلیل القدر علماء نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے۔ چنانچہ علامہ طبرسی اپنی تفسیر مجمع البیان میں زجاج سے روایت کرتے ہیں۔ قال لما حرم علیہ الصلوٰۃ والسلام ماریۃ القبطیۃ اخبرا ن یملک من بعدی ابوبکر وعمر فعرفہا بعض ما افشت من الخبر واعرض عن بعض ان ابابکر وعمر یملکان من بعدی وقریباً من ذٰلک مارواہ العیاشی بالاسناد عن عبد اللہ ابن العطاء المکی عن ابی جعفر الباقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ترجمہ: جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ماریہ قبطیہ کو حرام کیا تو یہ بھی بتایا کہ آپ کے بعد ابوبکر اور عمر والی ہوں گے اور اسی کے ہم معنی وہ روایت بھی ہے جو عیاشی نے عبد اللہ ابن العطاء کے واسطے سے حضرت امام باقر سے روایت کی ہے۔

یہاں ایک بات توجہ طلب ہے۔

قرآن کریم میں صراحت سے اس راز کو بیان نہیں کیا گیا، لیکن راز کے افشا ہونے اور اس پر افشا کرنے والی کو سرزنش کا تفصیلی تذکرہ موجود ہے۔ اس سے جہاں یہ پتہ چلتا ہے کہ اپنے اہل خانہ سے راز کی بات کہنا درست ہے وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس کو رازدار بنایا جائے وہ اس راز کی پوری پوری نگہداشت کرے۔ خصوصاً ان لوگوں کے اہل خانہ جو اہم ملکی اور ملی مہمات کو انجام دینے کے لیے مقرر ہیں، اگر ان کی بیویاں یا دوسرے مقرب ان کے رازوں کی حفاظت نہیں کریں گے بلکہ افشا کر دیا کریں گے تو دشمن ان کے منصوبوں کو خاک میں ملا سکتا ہے اور انہیں ناقابل تلافی نقصان پہنچا سکتا ہے۔

؎ تتوبا کا فاعل حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے جب حضرت فاروق اعظمؓ سے اس آیت کا مصداق پوچھا تو آپ نے ان ہی دو کا نام لیا۔ توبہ کی وجہ بتا دی فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا۔ صغی کا معنی ہے مائل ہونا، جھک جانا۔ جب ستارے ڈوبنے لگتے ہیں تو عرب کہتے ہیں۔ صَغَتِ النُّجُوْمُ۔ آیت کا مطلب ہو گا کہ تمہارے دل مائل ہو گئے ہیں۔ کدھر مائل ہو گئے ہیں؟ اس کی تشریح علامہ آلوسی نے بایں الفاظ بیان کی ہے۔ مَالَتْ عَنِ الْوَاجِبِ مِنْ مُخَالَفَتِهٖ بِحُبِّ مَا يُحِبُّهٗ وَكَرَاهَةِ مَا

مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ

کا مددگار ہے، جبریل اور نیک بخت مومنین بھی آپ کے مددگار ہیں ؎ اور ان کے علاوہ سارے فرشتے بھی مدد کرنے

ظَهِيْرٌ ﴿۴﴾ عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ اَزْوَاجًا خَيْرًا

والے ہیں ؎ کچھ بعید نہیں کہ اگر نبی کریم تم سب کو طلاق دے دیں تو آپ کا رب تمہارے عوض آپ کو ایسی بیبیاں عطا فرمادے جو تم سے

یکرھہ الی مخالفتہ۔ تم پر واجب تو یہ تھا کہ ہر بات میں حضور کی موافقت کرتیں۔ جو چیز حضور کو پسند ہوتی تم بھی اس کو پسند کرتیں، جو چیز حضور کو ناپسند ہوتی تم بھی اسے ناپسند کرتیں لیکن تم نے ایسا نہ کیا۔ تمہارے لیے یہ کسی طرح مناسب نہ تھا۔ اس لیے اس فروگزاشت سے جتنی جلد توبہ کرو گی تمہارے لیے اتنا ہی بہتر ہو گا۔

اللہ تعالیٰ نے جب زَاغَتْ زیغ جس کا معنی ٹیڑھا ہونا یا کج ہونا ہے، کا لفظ استعمال نہیں کیا، بلکہ صَغَتْ کا لفظ استعمال کیا ہے تو اس کا ترجمہ تمہارے دل کج ہو گئے ہیں یا ٹیڑھے ہو گئے ہیں یا سیدھی راہ سے ہٹ گئے ہیں، کسی طرح مناسب نہیں۔

؎ یہ تظاہرا ہی کا صیغہ ہے۔ اصل تتظاھرا ہے۔ ایک تا کو حذف کر دیا تظاھرا ہو گیا۔ اس کا معنی ہے تعاونا یعنی ایک دوسرے کی اعانت کرنا، پشت پناہی کرنا، ایکا کرنا۔ مقصد یہ ہے کہ اگر تم نے میرے حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا دینے پر ایکا کر لیا تو تم ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گی۔ کیونکہ آپ کا مددگار اللہ تعالیٰ ہے۔ کروبین کا سردار جبریل اور نیک بخت اہل ایمان آپ کے مددگار ہیں۔ ان کے علاوہ فرشتوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ آپ کی اعانت کے لیے تیار کھڑے ہیں۔ جس کی مدد کرنے والا اللہ تعالیٰ ہو جس کی نصرت و تائید کرنے والے ایسے جلیل القدر لوگ ہوں اسے بھلا کوئی زک پہنچا سکتا ہے۔ یہاں مَوْلٰى کا معنی ناصر ہے اور تمام کے لیے یہی معنی درست ہے۔ ولا مانع من ان یکون المولی فی الجمیع بمعنی الناصر لا یخفی۔ (روح المعانی) یعنی اللہ تعالیٰ بھی حضور کا مددگار ہے، جبریل اور صالح المومنین بھی حضور کے مددگار ہیں۔ صالح بظاہر واحد ہے لیکن اس سے مراد جنس ہے جس کا قلیل اور کثیر سب پر اطلاق ہوتا ہے۔ بعض کا یہ قول ہے کہ اصل میں صالحون جمع تھا۔ اضافت کی وجہ سے نون گر گیا۔ صالحوا المومنین ہو گیا، لیکن یہاں واؤ کا تلفظ نہیں کیا جاتا اس لیے کاتبان قرآن نے واؤ کی کتابت بھی ترک کر دی اور صالح المومنین لکھنے پر اکتفا کیا۔ اس قسم کے شواہد قرآن کریم میں بکثرت موجود ہیں۔ سورہ بنی اسرائیل کی آیت ۱۱ میں وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ مکتوب ہے۔ اصل میں ویدعو ہے لیکن کیونکہ واؤ کا تلفظ نہیں اس لیے کتابت بھی ترک کر دی گئی۔

؎ صاحب تاج العروس لکھتے ہیں ظہیر کا معنی، المعین الواحد والجمع فی ذلک سواء وانما لم یجمع ظھیر لان فعیلا و فعولا قد یستوی فیھما المذکر والمونث والجمع کما قال عز وجل انا رسول رب العالمین ___ والملئکۃ بعد ذلک ظھیر (تاج العروس) یعنی ظہیر بروزن امیر اس کا معنی معین و مددگار ہے۔ واحد اور جمع کے لیے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ ظہیر کو جمع ذکر نہیں کیا کیونکہ فعیل اور فعول کبھی کبھی مذکر اور مونث اور جمع سب کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے انا رسول رب العالمین۔ رسول تثنیہ ہونا چاہیے تھا کیونکہ کہنے والے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام ہیں، لیکن فعول کا وزن ہونے کی وجہ سے تثنیہ پر بھی دلالت کرتا ہے اور ظہیر فعیل

مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ

بہتر ہوں گی پکی مسلمان ، ایمان والیاں ، فرمانبردار ، توبہ کرنے والیاں، عبادت گزار ، روزہ دار ،

ثَيِّبٰتٍ وَّ اَبْكَارًا ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ

کچھ پہلے بیاہیاں اور کچھ کنواریاں شہ اے ایمان والو! تم بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو

نَارًا وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ

اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے ؁ اس پر ایسے فرشتے مقرر ہیں جو بڑے تندخو سخت مزاج ہیں

کے وزن کے باعث جمع پر بھی دلالت کرتا ہے۔

شہ ازواج مطہرات کو تادیب کی جارہی ہے کہ بے شک تمہاری بڑی شان ہے تم معزز خاندانوں کی چشم وچراغ ہو، لیکن اگر تم نے میرے نبی مکرم کی خوشنودی حاصل نہ کی اور تمہاری کسی غلطی سے ناراض ہو کر آپ نے تمہیں اپنے شرف زوجیت سے محروم کردیا تو گھاٹا تمہیں ہی ہوگا۔ انہیں کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ ہم ان کی زوجیت کے لیے ایسی بیبیاں فراہم کردیں گے جو تم سے بہتر ہوں گی اور ان تمام مذکورہ خوبیوں سے بدرجۂ اتم موصوف ہوں گی جن کا نبی آخر الزمان کی ازواج مطہرات میں پایا جانا ضروری ہے۔ دوسرے الفاظ کے معانی تو واضح ہیں۔ سائحات کا معنی عام طور پر صائمات کیا جاتا ہے، یعنی روزہ رکھنے والیاں۔ لیکن اس کا دوسرا معنی مہاجرات بھی کیا گیا ہے کیونکہ سائح سیاحت سے ہے اور اسلام میں سیاحت صرف ہجرت ہی ہے۔ قال ابن زید لیس فی الاسلام سیاحۃ الا الھجرۃ۔

ثَيِّبَة: اس عورت کو کہتے ہیں جس کی پہلے شادی ہو چکی ہو اور بعد میں اسے طلاق دے دی گئی ہو یا اس کا خاوند فوت ہو چکا ہو۔

؁ اہل ایمان کو حکم دیا جارہا ہے کہ وہ اپنے آپ کو آتش جہنم سے بچائیں لیکن ان کی ذمہ داری اپنی ذات تک محدود نہیں بلکہ اپنے اہل وعیال کو بھی عذاب دوزخ سے بچانے کی پوری کوشش کرنا ان پر لازم ہے۔ حضرت عمر کا ارشاد ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ نقی انفسنا فکیف لنا باھلینا۔ اے اللہ کے رسول اپنے آپ کو تو دوزخ سے بچانے کا مفہوم سمجھ میں آگیا۔ ہم اپنے اہل وعیال کو کیونکر دوزخ سے بچا سکتے ہیں۔ فقال تنھونھم عما نھاکم اللہ وتامرونھم بما امر اللہ۔ فرمایا تم اس طرح ان کو بچا سکتے ہو کہ جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں روکا ہے تم اپنے اہل وعیال کو بھی ان سے روکو اور جن کاموں کو بجا لانے کا اس نے حکم دیا تم انہیں حکم دو کہ وہ بھی بجا لائیں۔

مقاتل کہتے ہیں ہر شخص پر فرض ہے کہ وہ اپنے آپ کو، اپنی اولاد، اپنی بیوی اور اپنے خدام کو عذاب جہنم سے بچانے کی کوشش کرے۔ علامہ قرطبی نے الکیا کا قول نقل کیا ہے۔ وعلینا تعلیم اولادنا واھلینا الدین والخیر ومالا یستغنی عنہ من الادب۔ یعنی ہم پر فرض ہے کہ ہم اپنی اولاد اور اہل خانہ کو دین کی تعلیم دیں، اچھی باتیں سکھائیں اور وہ ادب وہنر جس کے بغیر چارہ نہیں اس کی تعلیم دیں۔

لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۞ يٰٓاَيُّهَا

نافرمانی نہیں کرتے اللہ کی جس کا اس نے انہیں حکم دیا ہے اور فوراً بجالاتے ہیں جو ارشاد انہیں فرمایا جاتا ہے [۱] اے

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ گرامی ہے حق الولد علی الوالدان یحسن اسمہ ویعلمہ الکتابۃ ویزوجہ اذا بلغ یعنی باپ پر اولاد کا حق یہ ہے کہ جب وہ پیدا ہوں تو ان کے لیے عمدہ نام تجویز کرے۔ جب وہ بڑے ہوں تو انہیں تعلیم دے اور جب وہ بالغ ہوں تو ان کی شادی کرے۔

دوسرا فرمانِ نبوی ہے ما نحل والدٌ ولدًا افضل من ادب حسن۔ کسی باپ نے اپنے بچے کو حسنِ ادب سے بہتر کوئی تحفہ نہیں دیا۔

دینی تعلیم اور عملی تربیت کا آغاز بچپن سے ہی ہوجانا چاہیے۔ اوائلِ عمر میں جو سبق دیا جاتا ہے تادمِ واپسیں وہ یاد رہتا ہے۔ جس کام کی عادت بچپن میں پڑجاتی ہے وہ اس کی فطرتِ ثانیہ بن جاتی ہے۔ جو والدین بچپن میں اپنے بچوں کو اطاعتِ خداوندی کی طرف راغب نہیں کرتے ان کی اولاد عموماً راہِ حق سے بھٹک جایا کرتی ہے۔ اسی لیے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی امت کو حکم دیا۔ مُرُوا ابناءکم بالصلوٰۃ لِسَبْعٍ وَاضربوھم لِعشر وفرقوا مضاجعھم۔ جب تمہارے بچے سات سال کے ہوجائیں تو انہیں نماز پڑھنے کا حکم دو اور جب دس سال کے ہوجائیں اور نماز نہ پڑھیں تو انہیں مار کر پڑھاؤ اور اسی عمر میں ان کی خواب گاہیں جدا کر دو۔

کاش ہم اس فرمانِ خداوندی اور ان ارشاداتِ نبوی کی روشنی میں اپنی اولاد کی تعلیم وتربیت کی طرف توجہ دیں تو ہمیں اپنے بچوں اور بچیوں سے بے راہ روی اور آوارہ مزاجی کا شکوہ نہ رہے۔ آج جبکہ درس گاہوں کالج اور یونیورسٹیوں میں دینی تعلیم وتربیت کا کوئی موثر اور حکیمانہ اہتمام نہیں بلکہ یہ درس گاہیں لادینی نظریات اور ملحدانہ افکار کی رزم گاہیں بن چکی ہیں، جب معاشرے کی وہ حس تیزی سے کند ہوتی جارہی ہے جو کسی نازیبا حرکت پر آتش زیرپا ہوجایا کرتی تھی اور ایسا کرنے والے کے خلاف احتجاج کی ایک تیز وتند لہر ابھرتی تھی آج جب سینما اور ٹی۔وی کے مخرب اخلاق پروگرام رہی سہی کسر بھی نکال دینے کے درپے ہیں اس وجہ سے ماں باپ کی ذمہ داریاں دو چند ہوگئی ہیں کہ وہ اپنی اولاد کی سخت نگرانی کریں۔ اور اس سے بھی اہم یہ کہ اپنے حسنِ عمل اور اچھے نمونہ سے ان کے دلوں میں نیکیوں اور بھلائیوں سے ایک والہانہ محبت پیدا کردیں۔ اگر ہماری بے حسی کے باعث لادینی کی بپھری ہوئی موجوں نے ہمارے گھر کا مورچہ بھی سر کر لیا تو پھر آنے والی نسلوں کا خدا ہی حافظ ہے۔

[۱] اس آگ پر فرشتوں کو بطور داروغہ مقرر کیا گیا ہے۔ وہ فرشتے بڑے تُند خو اور سخت مزاج ہیں۔ کوئی گریہ وزاری کرکے ان کو متاثر نہیں کرسکتا۔ وہ بڑے قوی اور توانا ہیں۔ کوئی ان کی گرفت سے بھاگ نہیں سکتا۔ ان کا کام صرف اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجاآوری ہے نہ ان سے تعمیلِ حکم میں سستی ہوسکتی ہے اور نہ وہ نافرمانی کرسکتے ہیں۔

الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ۖ إِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ⑦

کفار! آج بہانے نہ بناؤ ۱۱؎ تمہیں اسی کا بدلہ ملے گا جو (کرتوت) تم کیا کرتے تھے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا عَسَىٰ رَبُّكُمْ

اے ایمان والو! اللہ کی جناب میں سچے دل سے توبہ کرو ۱۲؎ امید ہے تمہارا رب

۱۱؎ اے کفار! قیامت کے دن بہانہ سازی کام نہ آئے گی۔ عذر اور مجبوریاں پیش کرنے سے چھٹکارا نہ ہوگا۔ اس دن تمہیں ان کرتوتوں کی سزا ضرور ملے گی جو منع کرنے کے باوجود تم کرتے رہے اور کسی نصیحت کرنے والے کی نصیحت کو تم نے قبول نہ کیا بلکہ ان کے درپے آزار رہے۔

۱۲؎ اس آیت میں اہل ایمان کو ہدایت کی جا رہی ہے کہ اگر اس سے پہلے جہالت، کم فہمی یا بشری کمزوری کی وجہ سے تم سے غلطیاں سرزد ہوتی رہی ہیں تو وقت ضائع نہ کرو۔ فوراً اللہ تعالیٰ کے حضور میں صدقِ دل سے توبہ کرو تاکہ تمہارا رحیم وکریم خدا تمہارے گناہوں کے بدنما داغوں کو اپنے دامنِ کرم میں یوں چھپا لے کہ کسی کو ان کا اتہ پتہ بھی معلوم نہ ہو سکے۔ روزِ محشر فرشتے بھی تمہارے نامۂ اعمال سے کوئی ایسی چیز پیش نہ کر سکیں جو تمہاری رسوائی کا باعث ہو۔ توبہ کرنے کے ساتھ توبہ کی قسم بھی بتا دی۔ فرمایا توبہ کرو تو توبۃً نصوحا کرو۔

توبۃً نصوحا کی تشریح میں علماء کے کم وبیش بائیس تیئس اقوال منقول ہیں جن سے چند پیشِ خدمت ہیں اور آپ کے لیے انہی میں کفایت ہے۔

① وہ شہد جس کو موم اور دیگر آلائشوں سے پاک کر دیا گیا ہو اسے عسل ناصح (شہد خالص) کہتے ہیں۔ اگر نصوحا اس سے ماخوذ ہو تو مقصد یہ ہوگا کہ تمہاری توبہ نفاق، ریا اور کاہلی کی آلائشوں سے پاک ہونی چاہیے۔

② پھٹے ہوئے کپڑے کو مرمت کرنا، چاکوں کو رفو کرنا نصاحۃ الثوب کہلاتا ہے۔ اگر نصوحا کا یہ ماخذ ہو تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ جس طرح گناہوں سے تم نے اپنے ایمان کا لباس تار تار کر دیا ہے اور اپنے تقویٰ کے پیراہن میں چاک ڈال دیئے ہیں اب ایسی توبہ کرو کہ وہ چاک رفو ہو جائیں اور ان کا کوئی نشان بھی باقی نہ رہے۔

③ نصوحا کی اصل نصیحت ہے۔ اس وقت اس کا یہ مطلب ہوگا کہ ایسی توبہ کرو کہ اس کے آثار تم میں نمایاں ہو جائیں۔ تم میں نمودار ہونے والی خوش آئند تبدیلی کو دیکھ کر دوسرے گناہگار بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں اور وہ بھی اپنی غفلت وعصیاں سے آلودہ زندگی کو ترک کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ یہ تشریح لغوی معانی کے اعتبار سے ہے۔ اب زبانِ نبوت سے اس کا مفہوم سنیے:

حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ما التوبۃ النصوح۔ اے جانِ عالم! توبہ نصوح کس کو کہتے ہیں۔ ارشاد فرمایا ان یندم العبد علی الذنب الذی اصاب فیعتذر الی اللہ تعالیٰ ثم لا یعود الیہ کما لا یعود اللبن الی الضرع۔ یعنی جو گناہ بندے

اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

دور کر دے گا تم سے تمہاری برائیاں ۱۳؎ اور تمہیں داخل کرے گا ایسے باغات میں جن میں نہریں

سے سرزد ہو اس پر نادم اور شرمسار ہو، بارگاہِ الٰہی میں معذرت طلب کرے۔ جس طرح دودھ گھیری میں دوبارہ داخل نہیں ہو سکتا پھر اس سے یہ گناہ صادر نہ ہو۔

امام نووی فرماتے ہیں سچی توبہ وہ ہے جس میں تین چیزیں جمع ہوں۔ (۱) اس گناہ کو ترک کر دے۔ (۲) جو گناہ کر بیٹھا ہے اس پر دل میں ندامت اور شرمندگی محسوس کرے۔ (۳) پختہ عزم کرے کہ پھر یہ گناہ نہیں کرے گا۔

حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے ایک اعرابی کو سنا کہ وہ کہہ رہا ہے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ۔ یا اللہ میں تجھ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور تیرے حضور توبہ کرتا ہوں۔ فرمایا اے اعرابی! یہ تو جھوٹوں کی توبہ ہے۔ عرض کیا فرمایئے سچوں کی توبہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا جس توبہ میں یہ چھ چیزیں پائی جائیں وہ سچوں کی توبہ ہوتی ہے۔ ① جو گناہ پہلے ہو چکے ہیں ان پر ندامت ② جو فرض ادا نہیں ہوئے ان کی قضا۔ ③ کسی کا حق غصب کیا ہے تو اسے لوٹا دے ④ جس کے ساتھ لڑائی جھگڑا کیا ہے اس سے معافی لے لے۔ ⑤ پختہ عزم کرے کہ آئندہ گناہ نہیں کرے گا۔ ⑥ جس طرح پہلے تو نے اپنے نفس کو بدکاریوں سے فربہ کیا ہے اب اطاعتِ الٰہی میں اس کو گلا دے۔

یہ سچوں کی توبہ ہے، یہ کاملین کی توبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی ہی توبہ کی توفیق ارزانی فرمائے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

توبہ چوں باشد پشیماں آمدن ـــ بر درِ حق نو مسلماں آمدن
خشتے از سر گرفتن با نیاز ـــ با حقیقت روئے کردن از مجاز

یہ یاد رہے کہ گناہوں پر کبھی ندامت کبھی افسوس اس لیے ہوتا ہے کہ ان سے صحت تباہ ہو گئی، مال برباد ہو گیا، عزت خاک میں مل گئی اگر کوئی شخص ان وجوہات سے اپنے گناہوں پر نادم ہوتا ہے تو اسے توبہ نہیں کہا جائے گا۔ توبہ اس وقت ہو گی جب اسے اس بات پر ندامت ہو کہ اس نے اپنے ربِ کریم کی حکم عدولی کی ہے، اپنے نفسِ امارہ کو خوش کرنے کے لیے اپنے پروردگار کو ناراض کر دیا ہے۔ اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا ایسا کر کے اس نے اپنے اوپر ظلم ڈھایا ہے۔

۱۳؎ یعنی اگر تم سچے دل سے توبہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کچھ بعید نہیں کہ وہ تمہارے گناہوں کو اپنے دامنِ کرم سے ڈھانپ دے اور اس طرح ڈھانپ دے کہ ان کا سراغ ہی نہ ملے۔ علامہ راغب اصفہانی کَفَّرَ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں، اَلتَّكْفِيْرُ سَتْرُهٗ وَتَغْطِيَتُهٗ حَتّٰى يَصِيْرَ بِمَنْزِلَةِ مَا لَمْ يُعْمَلْ۔ یعنی کسی گناہ کو یوں ڈھانپ دینا اور اس پر یوں پردہ ڈال دینا کہ وہ ایسا نسیاً منسیاً ہو جائے جیسے یہ ہوا ہی نہ تھا۔ علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ یہ باب تفعیل ہے اور باب تفعیل کبھی مجرد کے معنی کے ازالہ کے لیے مستعمل ہوتا ہے جیسے مَرِضَ کا معنی بیمار ہونا اور مَرَّضَ ــ تمریضًا تیمارداری کرنا یا بیماری کو دور کرنا۔ قَذَا کا معنی ہے آنکھ میں تنکا پڑ جانا۔ تقذیۃ کا معنی ہے تنکا نکال دینا۔ یہاں بھی کَفَّرَ کا معنی اگر یہ لیا جائے کہ کفر یا کفران کا ازالہ تو بھی درست ہے۔ تاج العروس میں ازہری کا یہ قول منقول ہے

الْاَنْهٰرُ ۙ يَوْمَ لَا يُخْزِى اللّٰهُ النَّبِىَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ

بہ رہی ہوں گی اس روز رسوا نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ (اپنے) نبی کو اور ان لوگوں کو جو آپ کے ساتھ ایمان لائے ۱۴؎ (اس روز) ان کا نور

يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا

ایمان دوڑتا ہو گا ان کے آگے آگے اور ان کے دائیں جانب ۱۵؎ وہ عرض کریں گے اے ہمارے رب! مکمل فرما دے

وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۝۸ يٰٓاَيُّهَا النَّبِىُّ جَاهِدِ

ہمارے لیے ہمارا نور اور بخش دے ہمیں۔ بے شک تو ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔ اے نبی! کفار اور

اصل الکفر تغطیة الشیئ تغطیة تستهلكه: کسی چیز کو ایسا ڈھانپ دینا کہ اس کا نام و نشان ہی باقی نہ رہے۔

جوہری فرماتے ہیں کہ ثواب مٹ جائے تو اس کے لیے احباط کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور اگر گناہ معاف کر دیے جائیں تو ان کے لیے تکفیر کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ التکفیر فی المعاصی کالاحباط فی الثواب۔ (الصحاح)

۱۴؎ کفار کو اپنی ثروت اور اپنی سروری پر بڑا گھمنڈ ہوتا ہے اور اہل حق کی غربت اور بے بسی کو دیکھ کر وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ جس طرح آج ہم معزز اور سرفراز ہیں اور یہ لوگ کمزور اور بے نوا ہیں۔ پہلے تو قیامت آئے گی ہی نہیں اور اگر برپا ہو بھی گئی تو وہاں بھی یہی حالات ہوں گے۔ ہماری ہی عزت افزائیاں ہوں گی۔ ہم پر ہی انعام و اکرام کی بارش ہو گی اور یہ مسلمان اس دن بھی اسی کس مپرسی کے عالم میں ہوں گے۔ اس آیت میں ارشاد فرمایا کہ قیامت کا دن ہمارے محبوب مکرم اور اس کے غلاموں کی عزت و سرفرازی کا دن ہو گا اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی شان کو بلند کرے گا۔ مقام محمود پر آپ جلوہ افروز ہوں گے۔ لواء الحمد آپ کے دستِ مبارک میں ہو گا۔ جملہ انبیاء آپ کے ظلِ ہمایوں میں پناہ لیے ہوں گے اور وہ مسلمان جو آپ کے ساتھ ایمان لائے ان کی شان ہی نرالی ہو گی۔ بارگاہِ الٰہی سے انہیں گوناگوں انعامات بخشے جائیں گے۔ انہیں اذن ملے گا کہ اپنے ماں باپ، بیویوں، بچے بچیوں، بھائی بہنوں اور دوست و احباب کی شفاعت کریں۔ اللہ تعالیٰ اس دن اپنے نبی کو اور اس کے غلاموں کو رسوا ہرگز نہیں کرے گا۔ یہ کفار کی غلط فہمیاں ہیں۔ ان کی کوئی حقیقت نہیں۔

۱۵؎ اہل ایمان میدانِ حشر میں بالکل ممتاز ہوں گے۔ ان کے آگے ان کا نورِ ایمان چمک رہا ہو گا۔ ان کی دائیں جانب بھی روشنی ہی روشنی ہو گی اور دوسرے لوگ اندھیروں میں ٹھوکریں کھا رہے ہوں گے۔ مومن عرض کریں گے کہ اے رب ہمارے نور کو اور تابانیاں بخش۔ ایسا نہ ہو کہ راستہ میں بجھ جائے۔ الٰہی جنت کا جو سفر ہمیں درپیش ہے اس میں یہ شمع روشن رہے، یہ چراغ جلتا رہے۔ ہمیں بخش دے۔ بے پایاں رحمتوں کے باوجود ان کے عجز و نیاز کا یہ عالم ہو گا۔ اہل حق کی یہی امتیازی شان ہے۔

الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۚ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ

منافقین سے جہاد جاری رکھو اور ان پر سختی کرو ۱۹؎ اور (آخرت میں) ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اور وہ لوٹ کر

الْمَصِيْرُ ۝ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّ

آنے کی بہت بری جگہ ہے۔ بیان فرمائی ہے اللہ نے کفار کے لیے نوحؑ کی بیوی اور

امْرَاَتَ لُوْطٍ ۚ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ

لوطؑ کی بیوی کی مثال ۲۰؎ وہ دونوں ہمارے بندوں میں سے دو نیک بندوں کے نکاح میں تھیں پھر ان دونوں

۱۹؎ حکم ہو رہا ہے کہ اے میرے نبی! کفار و منافقین سے جہاد جاری رکھو۔ کبھی شمشیر و سناں سے، کبھی نوکِ قلم اور قوتِ بیان سے، کبھی میدانِ کارزار میں، کبھی افکار و نظریات کی رزم گاہ میں۔ تمہارا نعرۂ اللہ ہو بلند ہوتا رہے۔ مخالفت کے طوفانوں میں بھی حق کا چراغ روشن رہے۔ تمہاری جاں فرسائیاں اور عالی ظرفیاں باطل کا تعاقب کرتی رہیں۔ تمہاری شدت اور سختی سے کفر پر لرزہ طاری رہے۔ لوگوں کو حلم اور نرمی کی تلقین کی جاتی ہے لیکن حضور کا حلم اور شانِ رحمت اتنی عمیق ہے کہ حضور کو واغلظ علیہم کا حکم دیا جاتا ہے۔ (ملاحظہ فرمائیے ضیاء القرآن جلد دوم سورۂ توبہ آیت ۷۳ کا حاشیہ)

۲۰؎ مشرکین مکہ کہا کرتے کہ ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ دار اور ہمسائے ہیں۔ ہمیں ایمان لانے اور جان جوکھوں میں ڈالنے کی کیا ضرورت ہے۔ اگر قیامت آہی گئی تو حضور ہماری شفاعت کریں گے اور کفر کے باوجود ہم بخش دیے جائیں گے۔ ان کی اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے یہ پہلی مثال دی کہ بیوی کا اپنے خاوند سے بڑا قریبی اور گہرا تعلق ہوتا ہے۔ دنیوی اعتبار سے دونوں کی خوشی اور دکھ دونوں کی راحت اور تکلیف، دونوں کی خوشحالی اور محرومی یکساں ہوتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ تعلق بھی اس وقت تک بے معنی ہے جب تک بیوی رشتۂ اسلام میں منسلک نہ ہو۔ یہ سمجھانے کے لیے کسی ولی، کسی عالم، کسی بزرگ کی بیوی کی مثال پیش نہیں کی، بلکہ جلیل القدر انبیاء کی بیویوں کی مثال پیش کی ہے۔ ایک حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی اور دوسری حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی ان کے دلوں میں نفاق اور کفر تھا۔ وہ اپنے نامدار شوہروں کی رسالت پر ایمان نہ رکھتی تھیں۔ بلکہ ان کا مذاق اڑاتی تھیں۔ ان کی غیبت کیا کرتیں اور ان کا دل دکھایا کرتیں۔ اس لیے چونکہ وہ کافر تھیں۔ ایمان سے محروم تھیں۔ ان کا پیغمبروں کی بیویاں ہونا انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہ بچا سکا اور انہیں دوسرے جہنمیوں کے ساتھ جہنم رسید کر دیا گیا۔ اے کفار مکہ! تم یہ غلط فہمی اپنے دلوں سے نکال دو۔ جب تک تم کفر و شرک سے توبہ کر کے ایمان سے بہرہ ور نہ ہو گے کسی کی شفاعت تمہارے کام نہیں آئے گی بلکہ تمہارے لیے شفاعت کرنے کی کسی کو اجازت ہی نہ ہو گی۔

متعدد مقامات پر تفصیلاً بتایا جا چکا ہے کہ شفاعت مومن گناہ گار کے لیے ہے۔ کفار و مشرکین اور منافقین کے لیے نہیں۔ بکثرت ایسی صحیح احادیث موجود ہیں جن سے صراحتہً پتہ چلتا ہے کہ حضور سرورِ عالم شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم گنہگاروں کی شفاعت فرمائیں

فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ

نے ان دونوں سے خیانت کی ۱۸ پس وہ دونوں (نبی) ان کے شوہر اللہ کے مقابلہ میں انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے اور انہیں حکم ملا تم دونوں داخل

مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ۝۱۰ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ

ہونے والوں کے ساتھ دوزخ میں داخل ہو جاؤ۔ اور اسی طرح اللہ نے اہل ایمان کے لیے فرعون کی بیوی کی مثال

فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ

پیش فرمائی ۱۹ جب کہ اس نے دعا مانگی اے میرے رب! بنا دے میرے لیے اپنے پاس ایک گھر جنت میں اور بچا لے مجھے

گے حضور کی امت کے اولیاء، شہداء اور علماء بھی شفاعت کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت کو قبول فرمائے گا۔

۱۸ یعنی حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام کی بیویوں نے اپنے شوہروں سے خیانت کی۔ ان کی خیانت کی نوعیت یہ تھی کہ دونوں کافر تھیں۔ دلوں میں نفاق کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ حضرت نوح کی بیوی آپ کو مجنوں اور دیوانہ کہتی اور مذاق اڑاتی۔ حضرت لوط کی بیوی آپ کے دشمنوں کے ساتھ ملی ہوئی تھی جب بھی آپ کے ہاں کوئی مہمان آتا تو وہ انہیں اطلاع کر دیتی اور وہ بے غیرت دندناتے ہوئے حضرت لوط کے مہمان خانہ پر دھاوا بول دیتے۔

خیانت سے مراد بدکاری نہیں کیونکہ ہر نبی کی بیوی اس عیب سے ہمیشہ پاک ہوتی ہے۔

۱۹ فرعون کی بیوی کا نام آسیہ بنت مزاحم تھا۔ جنہوں نے دریا سے حضرت موسیٰ کا صندوق اٹھوا کر نکالا تھا اور حضرت موسیٰ کی پرورش کا اہتمام کیا تھا۔ بعد میں آپ کے معجزات کو دیکھ کر مسلمان ہو گئی تھیں اور ہمیشہ فرعون کے مقابلے میں حضرت موسیٰ کی طرفداری کیا کرتی تھیں۔ آخر فرعون کو پتہ چل گیا کہ آسیہ اسے خدا نہیں تسلیم کرتی اور موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکی ہے اور موسیٰ کے خدا کو ہی اپنا خدا مانتی ہے۔ چنانچہ اس ظالم نے آپ کے دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں میں میخیں ٹھونک دیں اور چلچلاتی دھوپ میں ڈال دیا لیکن آپ کی استقامت اور پامردی کا یہ عالم تھا کہ اس وقت بھی مسکرا رہی تھیں۔ فرعون نے جب انہیں مسکراتے دیکھا تو کہنے لگا یہ تو پاگل اور دیوانی ہو گئی ہے۔ اس حالت میں یہ مومنہ صادقہ اپنے رب کی جناب میں دامن طلب پھیلا دیتی ہے اور عرض کرتی ہے الٰہی! میرے لیے اپنے حریم قرب میں ایک محل تعمیر فرما دے۔ فرعون کے منحوس وجود، اس کی بد اعمالیوں اور ستم رانیوں کی نحوست سے مجھے بچا لے اور یہ ظالم قوم جو اپنے مالک حقیقی کو چھوڑ کر اس فانی انسان کو اپنا خدا ماننے لگی ہے۔ ان کے شر سے بھی مجھے محفوظ رکھ۔ احادیث میں آیا کہ جب حضرت آسیہ کے ہاتھوں اور پاؤں میں میخیں گاڑ دی گئیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے جنت کے محل کو منکشف کر دیا جس سے ان کی ساری تکلیفیں دور ہو گئیں اور اپنے رب کے اس لطف و کرم کو دیکھ کر وہ مسکرانے لگیں۔ دعا میں عِنْدَكَ کا کلمہ آپ کی خصوصی توجہ کا مستحق ہے۔ اہل محبت جنت کے طلبگار نہیں ہوتے۔ مہکتے ہوئے پھولوں، لذیذ پھلوں، مست خرام ندیوں اور آرام و آسائش کی تمنا ان کے دلوں میں کوئی جگہ نہیں پاتی۔ وہ تو صرف اپنے محبوب حقیقی کے دیدار کے متمنی ہوا کرتے ہیں۔ وہ جنت جو انہیں کوچۂ دلدار سے دور کر دے ان کے لیے کوئی کشش نہیں رکھتی۔ وہ تو اپنے محبوب کے سایۂ دیوار پر فردوس بریں کی ہزاروں نعمتوں کو قربان کر دیتے ہیں۔ عِنْدَكَ: اپنے پاس، اپنے قریب، بالکل قریب۔ شوق کی یہ بے تابیاں اور جذب کی یہ مستیاں

مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۱﴾ وَمَرْيَمَ

فرعون سے اور اس کے (کافرانہ) عمل سے اور مجھے اس ستم پیشہ قوم سے نجات دے۔ اور (دوسری مثال)

ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا

مریم دختر عمران کی ہے ۲۰ جس نے اپنے گوہر عصمت کو محفوظ رکھا تو ہم نے پھونک دی اس کے اندر اپنی طرف سے روح

وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ﴿۱۲﴾

اور مریم نے تصدیق کی اپنے رب کی باتوں کی اور اس کی کتابوں کی اور وہ اللہ کے فرمانبرداروں میں سے تھی۔

عشق کی سرخروئی کا عنوان ہیں اور ان سے صرف وہی آشنا ہوتے ہیں جن کو محبت کے بادۂ گلفام کا کوئی جام پلایا جاتا ہے۔

حسن ہی گفت کہ شاہے نہ پذیرد سحرم   عشق ہی گفت تب و تاب دہد ملکے دوام

عِندَكَ کا معنی کیا گیا ہے فی اعلیٰ درجات المقربین۔ بعض نے عندک کا معنی یہ لکھا ہے۔ محض اپنے فضل سے بغیر کسی استحقاق کے مجھ پر یہ کرم فرما۔ دعا میں بیتاً فی الجنۃ سے عندک کو مقدم کیا ہے۔ صرف اہل محبت ہی اس سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔

۲۰ آخر میں حضرت مریم دختر عمران علیہا السلام کے ذکر مبارک سے اس سورہ کا اختتام کیا۔ مریم جو ایک پارسا والدین کی بیٹی تھی جنہوں نے اسے بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف کر دیا تھا۔ عمر بھر سب لوگوں سے الگ ایک حجرہ میں ذکر و فکر میں مشغول رہی جس کی نگرانی اللہ کے پیارے نبی حضرت زکریا علیہ السلام کے سپرد تھی۔ اسے کنوارپنے میں حاملہ کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ اس کے ہاں ایک خوبرو اور صحت مند بچہ پیدا ہوا۔ لوگوں نے ایک طوفان برپا کر دیا طعن و تشنیع کے تیروں کی ہر طرف سے بارش برسنے لگی۔ لیکن اللہ کی یہ بندی پیکر تسلیم و رضا بنے اپنے رب کی مشیت کو پورا ہوتے دیکھتی رہی۔ ایسی آزمائش میں پورا اترنا مریم کا ہی کام تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مقدس میں اس کی پاکدامنی کی شہادت دی۔ فرمایا وہ بڑی عفیفہ تھی۔ اس نے اپنے گوہر عصمت کی پوری پوری حفاظت کی ہم نے اپنی طرف سے ایک خاص روح اس میں پھونک دی جو عیسیٰ بن مریم کے پیکر میں نمودار ہوئی۔ علیہ وعلی امہ صلوٰۃ وسلام۔ اس نے اللہ تعالیٰ کے تمام ارشادات اور تمام نازل شدہ آسمانی کتب کی تصدیق کی اور اس کا شمار ان خوش نصیب لوگوں کے زمرہ میں ہے جو ہمیشہ اپنے رب کی عبادت و طاعت میں سرگرم رہتے ہیں۔

فنفخنا فیہ من روحنا کی تشریح کے لیے ملاحظہ فرمائیے ضیاء القرآن جلد اول سورۃ النساء کی آیت ۱۷۱ کے حواشی۔

○

الحمد للہ رب العلمین الذی بتوفیقہ تتم الطاعات والصلوٰۃ والسلام علی حبیبنا وشفیعنا محمد الذی بجاھہ تقبل الطاعات وعلی آلہ وصحبہ ومن تبعہ الی یوم الدین۔ فاطر السمٰوٰت والارض انت ولی فی الدنیا والاخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصالحین۔

تعارف

سُورۃ المُلک

نام : پہلی آیت میں "الملک" کا کلمہ ہے اسی کو اس کا عنوان مقرر کر دیا گیا۔ اس کی ۳۰ آیتیں ہیں۔ یہ تین سو تیس کلموں اور ایک ہزار تین سو تیرہ حروف پر مشتمل ہے۔

زمانہ نزول : اس کے مضامین سے پتہ چلتا ہے کہ عہد نبوت کے آغاز میں اس کا نزول ہوا۔ اس زمانہ میں نازل شدہ دوسری سورتوں کی طرح یہاں بھی انسان کو بار بار غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے۔ اس کے سامنے اللہ تعالیٰ کی توحید اور کبریائی کے تکوینی دلائل بڑے موثر انداز میں پیش کیے جا رہے ہیں۔ متعدد سوالات اٹھا کر ان کے جوابات کی ذمہ داری لوگوں کے فہم سلیم کے سپرد کر دی گئی ہے۔ غور و تدبر کے نئے افق اس کے سامنے کشادہ کر دیے گئے ہیں اور خداداد قوتوں سے کام لینے کی دعوت دی گئی ہے۔

مضامین : اس سورت کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کے ذکر سے کی جا رہی ہے اور اس کا ذکر خود زبانِ قدرت سے ہو رہا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ اسے ہی زیب دیتا ہے کہ اپنی حمد و ثنا کرے۔

یہ بتا کر کہ حیات و موت کا تسلسل اللہ تعالیٰ نے قائم کیا ہے فوراً انسان کی توجہ اس کی حکمت کی طرف موڑ دی کہ اس سے مقصد صرف تمہارا امتحان ہے کہ تم میں سے کون اپنی زندگی اچھے بلکہ اچھے سے اچھے کاموں کے لیے وقف کرتا ہے۔

اس کے بعد اپنی قدرت و حکمت کے ثبوت کے لیے اپنی کائنات کو پیش کیا اور دنیا بھر کے نقادوں کو بار بار دعوت دی کہ اس میں کوئی عیب تلاش کریں یا اس سے بہتر کوئی اور نقشہ تجویز کر کے دکھائیں جب کسی کو جرأت نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی کسی چیز پر انگشت نمائی کر سکے۔ اس سے بہتر تو کجا اس کا متبادل بھی پیش کرنے سے ساری دنیا کے ماہرین عاجز ہیں۔ تو پھر نادان نہ بنو اپنے سروں کو اس کے سامنے جھکا دو۔ اس کی وحدانیت اور اس کی تمام صفات کمال پر ایمان لے آؤ۔ ورنہ انجام بڑا اندوہناک ہو گا۔ ایسے دوزخ میں پھینک دیے جاؤ گے جس کے شعلے غیظ و غضب سے گرج رہے ہوں گے اس وقت تم اپنی غلطیوں کا اعتراف کرو گے، لیکن اس وقت اعتراف جرم کا تمہیں کوئی فائدہ نہ ہو گا۔

اسی ضمن میں بتا دیا کہ سب انسان حق ناشناس نہیں کچھ وہ بھی ہیں جو اپنے رب کو بن دیکھے مانتے ہیں اور اس کی ناراضگی سے ہر وقت لرزاں ترساں رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے گناہ بھی بخش دیے جائیں گے اور انہیں اجر کبیر عطا فرمایا جائے گا۔

اس کے بعد اپنی قدرت کی کئی اور نشانیوں کو ذکر کیا۔ پھر انہیں جھنجھوڑا کہ اگر تم نے انکار کی یہ روش نہ بدلی، تو

اللہ تعالیٰ کے لیے یہ کوئی مشکل نہیں کہ تمہیں زمین میں دھنسا دے یا پتھر برسا کر تمہیں خاک کر دے۔

حسب عادت بطور استہزاء انہوں نے وقوع قیامت کے بارے میں سوال کیا۔ اس کا جواب دیا کہ اس کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ جب اس کا مقررہ وقت آ جائے گا اور وہ برپا ہوگی تو اس وقت تمہارے چہرے مسخ ہو جائیں گے۔

آخر میں ان سے ایک اہم سوال کر کے جس کا ان کی روزمرہ کی زندگی کے ساتھ بڑا گہرا تعلق ہے ان کے معبودوں کی بے بسی کو آشکارا کر دیا تاکہ وہ غور کریں اور سمجھیں اور اپنے قادر مطلق پروردگار کی جناب پاک میں جبین نیاز جھکا دیں اور اس کے محبوب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو قبول کر کے سعادت دارین کے مستحق ہو جائیں۔

آخر میں چند احادیث لکھ رہا ہوں جن میں اس سورت کی قدر و منزلت بیان کی گئی ہے۔ خدا کرے قارئین کرام انہیں غور سے پڑھیں اور ان سے فائدہ اٹھائیں۔

۱۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے:

قَالَ ضَرَبَ بَعْضُ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خِبَاءَهٗ عَلٰی قَبْرٍ وَهُوَ لَا یَحْسَبُ اَنَّهٗ قَبْرٌ فَاِذَا قَبْرُ اِنْسَانٍ یَقْرَأُ سُوْرَةَ الْمُلْكِ حَتّٰی خَتَمَهَا فَاَتَی النَّبِیَّ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وَ اَخْبَرَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللہِ علیہ الصلوٰۃ والسلام هِیَ الْمَانِعَةُ هِیَ الْمُنْجِیَةُ تُنْجِیْهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ۔ (اخرجہ الترمذی وغیرہ)

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک صحابی نے اپنا خیمہ ایک قبر پر نصب کیا اسے یہ علم نہیں تھا کہ یہاں قبر ہے۔ پس اچانک انہوں نے سنا کہ کوئی آدمی سورہ ملک پڑھ رہا ہے یہاں تک کہ اس نے اس سورت کو ختم کیا۔ وہ صحابی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا اور سارا ماجرا عرض کیا۔ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ یہ سورت اللہ تعالیٰ کے عذاب کو روکنے والی ہے۔ یہ سورت اپنے قاری کو عذاب قبر سے نجات دلانے والی ہے۔

۲۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اِنَّ سُوْرَةً مِنْ كِتَابِ اللہِ مَا هِیَ اِلَّا ثَلٰثُوْنَ اٰیَةً شَفَعَتْ لِرَجُلٍ حَتّٰی غُفِرَ لَهٗ۔

حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ حضور نے فرمایا کہ تبارک الذی اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ایک سورت ہے جس کی صرف تیس آیتیں ہیں۔ اس نے ایک آدمی کے لیے شفاعت کی یہاں تک کہ اسے بخش دیا گیا۔ (ابوداؤد، ترمذی وغیرہما)

۳۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے:

اِنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم كَانَ یَقْرَأُ الٓمّٓ تَنْزِیْلُ السَّجْدَةِ وَ تَبَارَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ كُلَّ لَیْلَةٍ لَا یَدَعُهُمَا فِیْ سَفَرٍ وَلَا حَضَرٍ۔

یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ ہر رات سفر و حضر میں سورہ سجدہ اور سورہ ملک پڑھا کرتے۔

۴۔ حضرت ابن عباسؓ نے ایک شخص کو کہا کہ کیا میں تمہیں ایک ایسا تحفہ نہ دوں جس سے تم خوش ہو جاؤ۔ اس نے

عرض کی بڑی مہربانی۔ آپ نے فرمایا:

اِقْرَأْ تَبَارَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَعَلِّمْهَا أَهْلَكَ وَجَمِيْعَ وَلَدِكَ وَصِبْيَانَ بَيْتِكَ وَجِيْرَانَكَ فَإِنَّهَا الْمُنْجِيَةُ وَالْمُجَادِلَةُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ رَبِّهَا لِقَارِئِهَا۔

آپ نے فرمایا کہ سورہ ملک پڑھا کرو۔ اپنی بیوی کو بھی سکھاؤ۔ اپنی ساری اولاد، اپنے گھر کے بچوں اور اپنے پڑوسیوں کو بھی سکھاؤ کیونکہ یہ نجات دینے والی ہے۔ یہ قیامت کے دن اپنے رب کے حضور میں اپنے قاری کے لیے جھگڑا کرے گی اور اسے عذاب سے بچائے گی۔

۵۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہے:

لَوَدِدْتُ أَنَّهَا فِيْ قَلْبِ كُلِّ إِنْسَانٍ مِنْ أُمَّتِيْ۔

میں اس بات کو بہت پسند کرتا ہوں کہ میری اُمّت کے ہر مرد و زن کو یہ سورت یاد ہو۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی تلاوت کی، اس کے معانی و اثرات سے بہرہ ور ہونے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین۔

سُوْرَةُ الْمُلْكِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ الملک مکی ہے، اس کی ۳۰ آیتیں اور ۲ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۙ ﴿۱﴾

منزہ و برتر ہے [۱] وہ جس کے قبضہ میں (سب جہانوں کی) بادشاہی ہے [۲] اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے [۳]

الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ

جس نے پیدا کیا ہے موت اور زندگی کو تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے عمل کے لحاظ سے کون بہتر ہے [۴]

[۱] تبارک کا ماخذ برکۃ ہے۔ تمام اہل لغت کہتے ہیں البرکۃ: النماء والزیادۃ۔ (لسان، تاج، صحاح) یعنی برکت کا معنی ہے نشو و نما پانا اور زیادہ ہونا۔ اسی سے تبارک مشتق ہے۔ یہ باب تفاعل ہے جو مبالغہ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ علامہ ابن منظور تبارک اللہ کا مفہوم بیان کرتے ہیں۔ تَقَدَّسَ وَتَنَزَّهَ وَتَعَالٰى وَتَعَاظَمَ لَا تَكُوْنُ هٰذِهِ الصِّفَةُ لِغَيْرِهٖ، وہ پاک ہے منزہ ہے اعلیٰ ہے اور عظیم ہے۔ اس کے سوا یہ صفت کسی اور میں نہیں پائی جاتی۔ میں نے اپنے ترجمہ میں (منزہ و برتر ہے) ان تمام معانی کو سمونے کی کوشش کی ہے۔

اس کا دوسرا معنی کثرت خیر اور دوام خیر بھی کیا گیا ہے۔ اس صورت میں تبارک الذی کا مفہوم یہ ہوگا باعتبار کَثْرَةِ مَا يُفِيْضُ مِنْهُ سُبْحَانَهٗ عَلٰى مَخْلُوْقَاتِهٖ مِنْ فُنُوْنِ الْخَيْرَاتِ (روح المعانی) یعنی اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر گوناگوں خیرات و برکات کی بارش اس کثرت سے کرتا ہے کہ اس کا شمار ممکن نہیں ہوتا۔ اس اعتبار سے تبارک کا کلمہ اللہ جل مجدہ کے لیے مستعمل ہوا ہے۔ مزید وضاحت کے لیے ملاحظہ ہو ضیاء القرآن سورۃ الفرقان آیت ۱ کا حاشیہ۔

[۲] یعنی منزہ و برتر ہے وہ ذات جس کے قبضۂ قدرت میں سارے جہانوں کی سلطانی اور فرمانروائی ہے۔ بلندیاں ہوں یا پستیاں، آسمان ہو یا زمین، ہر طرح کی مخلوقات، ہر قسم کے شئون، حالات، واقعات سب اسی کے تصرف میں ہیں۔ فراز عرش سے تحت الثریٰ تک، ازل سے ابد تک اسی کی بادشاہی کا سکہ چل رہا ہے۔ یَدٌ کا معنی یہ جسمانی ہاتھ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ جسم اور جسمانیات سے پاک ہے۔ اس کا معنی قبضہ اور تصرف ہے اور ہم اپنی زبان میں ہاتھ کا لفظ قبضہ و قدرت کے معنی میں بے تکلف استعمال کرتے رہتے ہیں۔ المُلْک پر الف لام جنس بھی ہو سکتا ہے اور استغراق بھی۔ مدعا یہ ہے کہ ہر طرح کی سلطانی، ہر جگہ کی بادشاہی، ہر چیز پر تصرف، اسی کو حاصل ہے۔

[۳] پہلے بتایا کہ تمام موجودات اس کے قبضہ قدرت میں ہیں اور اس جملہ سے اس امر کی تصریح فرما دی کہ جو ممکنات ابھی موجود نہیں وہ بھی اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں۔

[۴] یہ آیت یا تو پہلے موصول الذی بیدہ کا بدل ہے یا هُوَ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ بیدہ الملک دعویٰ ہے۔ اب اس کے دلائل و

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۝ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ

اور وہی دائمی عزت والا بہت بخشنے والا ہے۔ جس نے بنائے ہیں سات آسمان اوپر تلے ش

مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ

تمہیں نظر نہیں آئے گا (خداوند) رحمٰن کی آفرینش میں کوئی خلل۔ ذرا پھر نگاہ اٹھا کر دیکھ، کیا

شہادت پیش کی جارہی ہے۔ سب سے پہلے فرمایا کہ موت اور حیات کا تسلسل قائم کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ اسی کے حکم سے کوئی چیز معرض وجود میں آتی ہے اور اسی کے حکم سے نیست و نابود ہوتی ہے، کوئی چیز خود بخود موجود ہو سکتی ہے اور نہ از خود معدوم ہو سکتی ہے۔ ساتھ ہی اس کی حکمت بھی بیان کر دی کہ اس سے مقصد تمہارا امتحان لینا ہے کہ ہم نے سمع و بصر، فہم و تدبر کی جو بے پناہ صلاحیتیں تمہیں عطا فرمائی ہیں، پھر اس نظام کائنات میں تمہیں اعلیٰ و ارفع مقام بخشا ہے اور تمہاری رہنمائی کے لیے انبیاء و رسل کو مبعوث فرمایا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ ان نعمتوں کی تم قدر پہچانتے ہو اور ان قوتوں کو اپنی خوشی سے رضائے الٰہی کے حصول کے لیے صرف کرتے ہو یا دولت اور اقتدار، جوانی اور صحت کا نشہ تمہیں بدمست کر دیتا ہے اور تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں اپنی قوتیں اور اپنا وقت عزیز خرچ کرتے ہو۔

انسان اگر آیت کے صرف اسی حصہ میں غور کرے لیبلوکم ایکم احسن عملاً تو اس کی ہدایت پذیری کے لیے کافی ہے۔ اس کے دل میں یہ احساس پختہ ہو جاتا ہے کہ یہ دنیا اس کے لیے امتحان گاہ ہے۔ یہ حیات مستعار اس کے لیے امتحان کی مدت ہے اور امتحان وہ لے رہا ہے جو ظاہر و باطن، خفی و جلی، غیب و شہادت کا جاننے والا ہے۔ اگر یہ یقین حاصل ہو جائے تو پھر کیا مجال کہ انسان گناہوں سے اپنا دامن حیات ملوث کرے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کو اس حقیقت کی طرف بڑے دل نشیں انداز میں متوجہ فرمایا۔ ایک ارشاد گرامی آپ بھی سن لیں۔ ایک مرتبہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمر کو ان الفاظ سے نصیحت فرمائی۔ خذ من صحتک لسقمک ومن شبابک لھرمک ومن فراغک لشغلک ومن حیاتک لموتک فانک لاتدری ما اسمک غداً۔ (ترجمہ: "اپنی صحت کی حالت میں بیماری کے لیے، اپنی جوانی کی حالت میں بڑھاپے کے لیے، اپنے فرصت کے لمحات میں مصروفیت کے لیے اور جب تک زندگی کی شمع روشن ہے موت کے لیے ذخیرہ جمع کر لو۔ تو نہیں جانتا کہ کل تیرا کیا نام ہوگا۔")

ش اس کی ترکیب میں بھی تین قول ہیں۔ (۱) یہ ھو مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ (۲) یا الغفور کی صفت ہے۔ (۳) یا پہلے موصول کا بدل ہے۔

طباق کا معنی ہے بعضہا فوق بعض۔ ایک دوسرے کے اوپر تہ در تہ۔ اس کے منصوب ہونے کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں۔ یا تو یہ سبع کی صفت ہے اور کیونکہ یہ مصدر ہے اس لیے جمع کی صفت واقع ہو سکتی ہے اور یا خلق کا مفعول ثانی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی ایک اور دلیل پیش کی جارہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے جس کی قدرت کاملہ اور صناعی کا کرشمہ آپ کو آسمانوں کی تخلیق میں صاف نظر آرہا ہے۔ سات آسمان بنائے، بے ہنگم اور بکھری ہوئی صورت میں نہیں بلکہ ایسی عمدگی سے انہیں ترتیب دی گئی ہے کہ ایک دوسرے کے اوپر منطبق نظر آتے ہیں۔

تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ۝۳ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ

تجھے کوئی رخنہ دکھائی دیتا ہے۔ پھر بار بار نگاہ ڈالو لوٹ آئے گی تیری طرف

الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ۝۴ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ

تیری نگاہ ناکام ہو کر وہاں حالیکہ وہ تھکی ماندی ہو گی ۵ اور بے شک ہم نے قریبی آسمان کو چراغوں سے آراستہ کر دیا ہے ۶

۵ پھر دنیا بھر کے نقادوں اور انجینیئروں اور علوم لطیفہ کے ماہرین کو دعوت دی جا رہی ہے کہ جو کچھ ہم نے پیدا کیا ہے آسمان، زمین، پہاڑ، ہر قسم کی بے جان اور جاندار مخلوق، سب کو دیکھو، غور سے دیکھو، تنقیدی نگاہ سے دیکھو، ایک بار نہیں بار بار دیکھو اور بتاؤ تمہیں اس میں کوئی نقص، کوئی عیب، کوئی رخنہ، کوئی شگاف یا ترتیب و تناسق میں کوئی کوتاہی نظر آتی ہے؟ تم عمر بھر کسی نقص کی تلاش میں سرگرداں رہو، تمہاری نگاہیں تھک کر چور ہو جائیں گی لیکن انہیں کوئی عیب تلاش کرنے میں کامیابی نہیں ہو گی۔ جو ہم نے بنا دیا ہے، جیسا بنا دیا ہے، اس سے بہتر کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ آسمان کی اتنی بلندی اور اتنا پھیلاؤ نہیں ہونا چاہیے تھا اور اس کی فضا میں جو اربوں تارے جگمگا رہے ہیں ان کی ترتیب درست نہیں ہے، یا جس طرح زمین کو بنایا گیا ہے، اس میں رد و بدل کی گنجائش ہے۔ ان بڑی بڑی چیزوں کو رہنے دو، ذرا اپنے انسانی پیکر میں غور کرو اور اس کے نقشہ میں کوئی ترمیم پیش کرو۔ چہرے پر ناک، منہ، آنکھیں، ہونٹ، دانت، زبان اور جو کچھ بنایا ہے اس میں کوئی تبدیلی کر کے دکھاؤ۔ اگر کوئی ترمیم، کوئی تجویز، کوئی رد و بدل ممکن ہی نہیں۔ جو بنا دیا وہی حرف آخر ہے تو پھر تمہیں ضد نہیں کرنی چاہیے بلکہ سچے دل سے مان لینا چاہیے کہ بیدہ الملك وهو على كل شيء قدير۔

ان آیات کے چند الفاظ: مِنْ تَفٰوُتٍ۔ مِنْ زائدہ ہے یا بیانیہ۔ تفاوت: اعوجاج، اختلاف۔ فطور: شگاف، رخنہ۔ کرتین: اگرچہ یہ کَرَّة کا تثنیہ ہے لیکن تکثیر کے لیے ہے یعنی بار بار۔ التثنية للتكثير اى كرة بعد كرة كما فى لبيك (مظہری) والمراد بكرتين ههنا التكثير (قرطبی) خاسئا: قال ابن عباس الخاسی، الذی لم یر ما یهوی۔ یعنی جس کو وہ چاہتا تھا وہ نظر نہیں آیا۔ حسیر: قد بلغ غاية الاعياء۔ حد درجہ کی تھکاوٹ اور درماندگی۔ (قرطبی)

۶ اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کی ایک اور دلیل پیش کی جا رہی ہے۔ الدنیا: ادنی کا مؤنث ہے جس کا معنی قریب تر ہے۔ یہ السماء کی صفت ہے۔ وہ آسمان جو زمین کے قریب تر ہے یعنی آسمان اول۔ مصابیح: مصباح کی جمع ہے چراغ۔ مطلب یہ ہے کہ ذرا آنکھ اٹھا کر اوپر دیکھو کروڑوں اربوں ستارے تمہیں یوں نظر آئیں گے گویا انہیں گنبد نیلوفری میں بڑے سلیقے اور مہارت سے آویزاں کر دیا گیا ہے۔ ان سے رات کے اندھیروں میں تم روشنی بھی حاصل کرتے ہو اور لق و دق صحراؤں اور بے کراں سمندروں میں سفر کرتے ہوئے ان کے ذریعہ ہی تم اپنی منزل کی سمت کا تعین کرتے ہو۔ مزید برآں ان کی وجہ سے جو حسن، جو رعنائی اس کائنات کو نصیب ہے اس کا تو اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا۔ ذرا تصور کرو اگر فضا میں کوئی چاند، کوئی تارا، کوئی کہکشاں رات کے وقت نظر نہ آتی تو یہ منظر کتنا ہولناک اور ڈراونا ہوتا۔ وہ خود جمیل ہے۔ اس کی تخلیقات کے گوشہ گوشہ میں حسن و جمال کے گلشن آباد ہیں جنہیں دیکھ کر بے ساختہ زبان سے نکلتا ہے تبارك الله احسن الخالقين۔

وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ ﴿٥﴾

اور بنا دیا ہے انہیں شیاطین کو مار بھگانے کا ذریعہ ؂ اور ہم نے تیار کر رکھا ہے ان کے لیے دہکتی آگ کا عذاب ؂

وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿٦﴾

اور جنہوں نے انکار کیا اپنے رب کا ان کے لیے عذاب جہنم ہے۔ اور جہنم بڑی بری لوٹنے کی جگہ ہے۔

اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّهِىَ تَفُوْرُ ﴿٧﴾ لا تَكَادُ تَمَيَّزُ

جب وہ اس میں جھونکے جائیں گے تو اس کی زور دار گرج سنیں گے اور وہ جوش مار رہی ہو گی ؂ (ایسا معلوم ہوتا ہے) گویا مارے غضب

؂ رُجُوْم جمع ہے۔ اس کا واحد رَجْم ہے جو مصدر ہے لیکن اس کا اطلاق اس چیز پر ہوتا ہے جس سے مارا جاتا ہے۔ اسی استعمال کے باعث اس کی جمع رجوم بنی ورنہ مصدر کی جمع نہیں ہوتی پہلے بتایا یہ ستارے چراغوں کی طرح روشنی پھیلا رہے ہیں اور مسافروں کی رہنمائی کرتے ہیں۔ اس جملہ میں ان کے ایک دوسرے فائدے کا بھی ذکر کر دیا کہ ان سے شیطانوں پر بھی سنگباری کی جاتی ہے تاکہ وہ اسرار الٰہیہ کا سراغ نہ لگا سکیں۔ علمائے کرام نے صراحتہً لکھا ہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہی ستارے اپنی جگہ سے اکھیڑ کر شیاطین پر دے مارے جاتے ہیں بلکہ ان سے جو شہاب اور شعلے پیدا ہوتے ہیں وہ شیاطین پر برسائے جاتے ہیں۔ علامہ پانی پتی لکھتے ہیں الرجم وقد لا مکا نہا بل بانفصال الشہب فیہا (مظہری) علامہ قرطبی لکھتے ہیں ولا یسقط الکواکب نفسہ انما ینفصل منہ شیء یرجم بہ من غیر ان ینقص ضوءہ ولا صورتہ (قرطبی) دونوں عبارتوں کا مطلب یہ ہے کہ ستارے اپنی جگہ سے نہیں گرتے بلکہ ان سے ایک شعلہ سا جدا ہوتا ہے جو ان شیاطین پر پھینکا جاتا ہے۔ اس شعلہ کی جدائی سے نہ ان کی روشنی میں کمی ہوتی ہے اور نہ ان کی صورت میں کوئی فرق پڑتا ہے۔ امام فخر الدین رازی نے بھی اس چیز کو وضاحت سے اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔

وجعلنٰها رجومًا الخ کا ایک اور مفہوم بھی ذکر کیا گیا ہے کہ شیاطین سے مراد شیاطین انس ہیں جو ستاروں کی حرکات و سکنات کو مد نظر رکھ کر مستقبل کے بارے میں پیش گوئیاں کرتے ہیں اور غیب دانی کا دعویٰ کر کے سادہ لوح عوام بلکہ خواص کا بھی مال لوٹتے ہیں اور رجوم سے مراد ظنون ہیں۔ مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے ان ستاروں کو پیدا کیا اور نجومیوں کے لیے ظنون و گمان کا ایک سبب بنا دیا۔ الوجہ الثانی انا جعلناها ظنونًا ورجومًا بالغیب لشیاطین الانس وهم الاحکامیون من المنجمین۔ (رازی) مزید تشریح کے لیے ملاحظہ فرمائیے ضیاء القرآن سورۃ الحجر آیت ١٨ کا حاشیہ

؂ ہر کافر کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ کا عذاب ہے خواہ وہ جن ہو یا انسان ہو یا شیطان۔

؂ اب وہ منظر بیان کیا جا رہا ہے جب کفار کو دوزخ میں پھینکا جائے گا۔ فرمایا اس وقت جہنم کی آگ بھڑک رہی ہو گی۔ اس کے شعلے جوش مار رہے ہوں گے۔ اس سے ایک شدید ہولناک اور مکروہ شور اٹھ رہا ہو گا۔ دیکھنے والے کو یوں محسوس ہو گا گویا دوزخ کے شعلے اور دہکتے ہوئے انگارے غصہ سے بے قابو ہو رہے ہیں اور شدت غضب سے ابھی پھٹا چاہتے ہیں۔ آگ کا عذاب ویسے ہی ناقابل برداشت حد تک اذیت ناک ہوتا ہے لیکن جب اس کے بھڑکتے ہوئے شعلوں اور جوش مارتے ہوئے انگاروں کا یہ حال ہو کہ ان سے خوفناک شور بلند ہو رہا ہو تو پھر اس کے عذاب

مِنَ الْغَيْظِ ۖ كُلَّمَآ أُلْقِيَ فِيهَا فَوْجٌ سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ أَلَمْ يَأْتِكُمْ

کے پھٹا جا رہا ہے۔ جب بھی اس میں کوئی جتھا جھونکا جائے گا تو ان سے دوزخ کے محافظ پوچھیں گے کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا

نَذِيرٌ ﴿٨﴾ قَالُوا بَلَىٰ قَدْ جَآءَنَا نَذِيرٌ ۙ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ

نہیں آیا تھا [11]۔ وہ کہیں گے کیوں نہیں بے شک ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تھا پس ہم نے اس کو جھٹلایا اور ہم نے اس کو صاف صاف کہہ دیا

اللَّهُ مِن شَيْءٍ ۚ إِنْ أَنتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ كَبِيرٍ ﴿٩﴾ وَقَالُوا لَوْ كُنَّا

کہ اللہ تعالیٰ نے تو کوئی چیز نہیں اتاری۔ تم لوگ کھلی گمراہی میں مبتلا ہو۔ وہ کہیں گے کاش! ہم (ان کی نصیحت کو)

کی اذیت ناکی کا کون اندازہ لگا سکتا ہے اور کون ہے جو اپنے آپ کو ان کے چنگل میں پھنسانے کا خطرہ مول لے۔

چند الفاظ کی تشریح: الشہیق: اقبح الاصوات. قال الزجاج الزفیر والشہیق من اصوات المکروبین. قال والزفیر من شدید الانین وکبیرہ. والشہیق: الانین الشدید المرتفع جدا. سخت قبیح اور ناگوار آواز کو شہیق کہتے ہیں۔ زجاج کہتے ہیں عذاب میں مبتلا لوگوں سے جو آوازیں نکلتی ہیں ان کی یہ دو قسمیں ہیں: زجاج کہتے ہیں سخت قسم کی آہ و زاری کو زفیر کہتے ہیں اور جو فریاد سخت اور بہت اونچی ہو اس کو شہیق کہا جاتا ہے۔ تفور: تغلی کغلیان المرجل۔ ہنڈیا کی طرح ابلنا، جوش مارنا۔ تمیز ای تتشقق۔ پھٹ جانا، پارہ پارہ ہونا۔

[11] دوزخ کے محافظ فرشتے اپنی بے علمی دور کرنے کے لیے یہ سوال ان سے نہیں پوچھیں گے بلکہ اس سے مقصد ان کفار کی سرزنش اور توبیخ ہوگا۔ اس وقت وہ بدنصیب تسلیم کریں گے کہ یہ اندوہناک عذاب ہماری حماقت اور غلط کاریوں کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو ہمیں سمجھانے کے لیے اور گمراہی کی راہ کو چھوڑ کر ہدایت کی شاہراہ پر چلنے کے لیے پورا اہتمام فرمایا۔ انبیاء بھیجے، رسول مبعوث فرمائے۔ ان انبیاء و رسل نے اللہ تعالیٰ کا کلام پڑھ کر ہمیں سنایا۔ عظیم معجزات سے اپنی دعوت کی سچائی کو ثابت کیا۔ دلائل و بینات سے ہمارے شکوک و شبہات کو دور کیا لیکن صد حیف ہم اس دعوت کو قبول کرنے سے محروم رہے۔ اپنی شقاوت اور بدبختی کے باعث ہم ان کا تمسخر اڑاتے رہے۔ بڑی بے حیائی سے انہیں دو ٹوک کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر کوئی وحی نازل نہیں کی۔ یہ سب کچھ تم اپنے پاس سے گھڑ کر پیش کرتے ہو۔ ہم نے انہیں کہا کہ لے خیرو! تم ہمیں گمراہ کہتے ہو۔ ہم تو بڑے زیرک اور ذی فہم لوگ ہیں۔ اپنی زندگی کے لیے جو راستہ ہم نے تجویز کیا ہے وہ غلط راستہ نہیں ہو سکتا۔ دیکھو یہ دولت کی ریل پیل، ہمارے یہ قصور و محلات، ہمارا یہ جاہ و طمطراق، کیا ہمارے ہدایت یافتہ ہونے کے ناقابل تردید دلائل نہیں ہیں۔ گمراہ ہم نہیں، گمراہ تم ہو۔ تمہارے مقدر میں بھوک ہے، افلاس ہے، محرومیاں ہیں اور رسوائیاں ہیں، جن کا صاف مطلب یہ ہے کہ تم سیدھی راہ سے بھٹک گئے ہو۔

نَسۡمَعُ اَوۡ نَعۡقِلُ مَا كُنَّا فِىۡۤ اَصۡحٰبِ السَّعِيۡرِ ۝۱۰ فَاعۡتَرَفُوۡا بِذَنۡۢبِهِمۡ‌ۚ

سنتے اور سمجھتے تو (آج) ہم دوزخیوں میں نہ ہوتے ۱۲؎ پس (اس روز) اپنے گناہوں کا اعتراف کریں گے ۱۳؎

فَسُحۡقًا لِّاَصۡحٰبِ السَّعِيۡرِ ۝۱۱ اِنَّ الَّذِيۡنَ يَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ بِالۡغَيۡبِ

تو پھٹکار ہو اہل جہنم پر ۱۴؎ بے شک جو لوگ اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں ۱۵؎

۱۲؎ لیکن آج حقیقت آشکارا ہو گئی کہ گمراہ وہ نہ تھے جو اپنے رب پر ایمان رکھتے تھے۔ خود بھی حق پر تھے اور ہمیں بھی راہِ حق پر چلنے کی دعوت دیا کرتے تھے۔ گمراہ، بدبخت اور شقی تو ہم تھے کہ جان بوجھ کر ان کا انکار کرتے رہے۔ ان کے روشن معجزات دیکھ کر بھی مدہوش بنے رہے۔ ان کے دل گداز مواعظ کو سن کر بھی حق کی طرف مائل نہ ہوئے۔ کاش ہم ان کے ارشادات کو گوشِ ہوش سے سنتے اور ان کی دعوت کو سمجھنے کی کوشش کرتے تو آج ہماری یہ درگت نہ بنتی اور اس کربناک انجام سے دوچار نہ کر دیے جاتے۔

سمع کو عقل پر مقدم کیا تاکہ دلائلِ سمعیہ کی اوّلیت کا احساس ہو جائے اور یہ معلوم ہو جائے کہ عقل بغیر دلائلِ سمعیہ کی تائید کے قابلِ اعتماد نہیں نیز اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عقلِ سلیم، نقلِ صحیح کے مخالف نہیں ہوا کرتی بلکہ ان میں یکسانیت ہوا کرتی ہے۔

۱۳؎ جہنم کے محافظوں کے اس سوال کا مقصد یہی تھا کہ وہ اپنے جرموں کا اعتراف اپنی زبان سے کریں تاکہ انہیں پتہ چل جائے کہ ان پر کسی قسم کی زیادتی نہیں کی گئی۔ انہیں بلاوجہ اس عذابِ الیم میں جھونک نہیں دیا گیا۔

۱۴؎ مفعولِ مطلق ہے اس کا فعل محذوف ہے۔ فاسحقهم الله سحقا یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی رحمت و عنایت سے دُور کر دیا اور وہ راندۂ درگاہ بنا دیے گئے۔

۱۵؎ بدنصیبوں اور ازلی محروموں کے عبرت ناک احوال بیان ہو چکے۔ اس آیت میں سعادت مند اور خوش نصیب بندوں کا فرحت انگیز اور حوصلہ بخش ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ یہاں ان کی ایک خاص صفت بیان کی کہ یہ لوگ اپنے رب کو دیکھے بغیر اس سے ہر حالت میں لرزہ براندام رہتے ہیں۔ مجمع عام ہو یا کنج عزلت، ان کا کوئی ذاتی معاملہ ہو یا اجتماعی مسئلہ، ان کا دنیاوی مفاد وابستہ ہو یا ان کی عزت و آبرو کا سوال ہو، ہر حالت میں وہ اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں۔ کوئی ایسا بول اپنی زبان سے نہیں نکالتے، کوئی قدم اس راہ پر نہیں اٹھاتے جس سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا اندیشہ ہو۔ آپ سوچیے! جس بندے کے دل میں اپنے رب کا خوف اس حد تک گھر کر چکا ہو کیا وہ کسی کی عزت و آبرو، جان و مال پر دست درازی کر سکتا ہے؟ کیا جبر و ظلم کا صدور اس سے ممکن ہے؟ ہرگز نہیں۔ انسان کی اصلاح اور تربیت کا موثر طریقہ جو قرآن کریم نے اختیار کیا ہے وہ یہی ہے کہ بندے کے دل میں اس کے خالق و مالک کی خشیت پیدا کر دی جائے۔ اس کے شعور میں یہ چراغ روشن ہو جائے تو اس کی عمل کی دنیا میں کوئی تاریک گوشہ باقی ہی نہیں رہتا جس میں چھپ کر وہ کوئی گناہ کر سکے۔ وہ چاہے بھی تو گناہ نہیں کر سکتا۔ آپ اللہ تعالیٰ کے کسی بندے میں اس کا خوف پیدا کر دیں، پھر بے شک اسے آزاد چھوڑ دیں اور یقین رکھیں کہ اس کی ساری قوتیں، اس کے سارے وسائل، اس کی جملہ صلاحیتیں خیر کو فروغ دینے اور شر کا قلع قمع کرنے کے لیے وقف رہیں گی۔ اس کے اثر و نفوذ کا حلقہ

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿۱۲﴾ وَ اَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ ؕ اِنَّهٗ

ان کے لیے (اللہ کی) مغفرت اور اجر عظیم ہے ۱۶ تم اپنی بات آہستہ کہو یا بلند آواز سے (اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا) بے شک

عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۳﴾ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَ هُوَ اللَّطِيْفُ

وہ خوب جاننے والا ہے جو کچھ سینوں میں ہے ۱۷ (نادانو!) کیا وہ نہیں جانتا (بندوں کے احوال کو) جس نے (انہیں) پیدا کیا ہے ۱۸ وہ بڑا باریک بین

جتنا وسیع ہو گا اتنا ہی لوگوں کے اطمینان، مسرت و خوش حالی میں اضافہ ہو گا، جتنا ہی وہ طاقتور ہو گا باطل کو اتنی ہی فیصلہ کن شکست دے گا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کے حبیب اور برگزیدہ بندے اور اس کی ساری کائنات کے محبوب آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا راس الحکمۃ مخافۃ اللہ۔ اللہ تعالیٰ کا خوف حکمت و دانائی کا سرچشمہ ہے۔

قانون بھی معزز ماری کر کے ہے کہ لوگوں کو محاسن اخلاق کا گرویدہ بنائے اور حق کی بالادستی قائم کرے۔ لیکن اس کی مصلحت بین عقل اور مفاد پرست ذہن خود محاسن اخلاق سے بے بہرہ اور حق سے کوسوں دور ہے۔ وہ دوسرے کی رہنمائی کیسے کر سکتا ہے۔ جو نظریات ہر لحظہ بدلتے رہتے ہیں ان میں اتنی سکت کہاں کہ ذاتی اغراض اور عیش و عشرت کی ہوس کا مقابلہ کر سکیں۔ انسانی معاشرہ کی اصلاح کے لیے فقط قانون پر بھی بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ ایک تو قانون ساز انسان ہیں، غلطی کر سکتے ہیں، اس کو ہر وقت بدلا جا سکتا ہے، اس کو نافذ کرنے والے اس کے نفاذ میں غافل ہو سکتے ہیں انہیں فریب دیا جا سکتا ہے، انہیں مرعوب کیا جا سکتا ہے۔ اصلاح احوال کے لیے ان پر کلی اعتماد بھی کوئی عقلمندی نہیں۔ مزید دشواری یہ ہے کہ قانون کی عملداری انسانی زندگی کے ایک محدود حلقہ تک ہے۔ انسانی زندگی کے بیشتر گوشے ایسے ہیں جہاں قانون کا کوئی پاسبان قدم نہیں رکھ سکتا۔ بلکہ ان میں جھانک تک نہیں سکتا۔ اس لیے اگر آپ سچے دل سے یہ چاہتے ہیں کہ انسانی معاشرہ میں نیکی کی بالادستی ہو اور برائی کا خاتمہ ہو تو اس کا بھی ایک قابل اعتماد اور موثر طریقہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا کیا جائے۔ ارشاد الٰہی ہے واما من خاف مقام ربہ ونھی النفس عن الھوی فان الجنۃ ھی الماوی۔ (۷۹: ۴۰-۴۱) یعنی جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہش سے روکا جنت اس کا ٹھکانا ہو گی۔

۱۶ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کو دو انعاموں سے نوازا جاتا ہے۔ ایک تو یہ کہ اگر بشری کمزوری کے باعث ان سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتا ہے اور جو نیک اعمال انہوں نے کیے ہیں ان پر انہیں اجر کبیر مرحمت فرمایا جاتا ہے۔ علامہ پانی پتی کبیر کی تشریح کرتے ہیں یصغر بالنسبۃ الیہ کل ما یخطر بالبال من اللذۃ۔ یعنی دل میں جس لذت و سرور کا تصور کیا جا سکتا ہے وہ بھی اس کے اجر کے سامنے ہیچ ہو گا۔

۱۷ کوئی چھپ کر بات کرے یا بلند آواز سے اللہ تعالیٰ کے سامنے سب یکساں ہیں۔ وہ سب کو جانتا ہے۔ بلکہ تمہارے دل کے نہاں خانہ میں جو خیالات و افکار انگڑائیاں لے رہے ہیں ان سے بھی وہ آگاہ ہے۔ اہل ایمان اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں اور کفار اسے تسلیم کرنے سے گریزاں ہیں۔

۱۸ اس آیت سے کفار کی اس غلط فہمی کا ازالہ کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی کارستانیوں پر مطلع نہیں۔ فرمایا کائنات کی ہر چیز کا جب وہ خالق ہے، ہر چیز میں حسب حالات مختلف صلاحیتیں، خاصیتیں اور اثرات اسی نے ودیعت کیے ہیں تو پھر یہ کیسے مان لیا جائے کہ اسے خبر

الْخَبِيرُ ﴿١٤﴾ هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا

ہر چیز سے باخبر ہے۔ وہی تو ہے جس نے نرم کر دیا ہے تمہارے لیے زمین کو پس (اطمینان سے) چلو اس کے راستوں پر

وَكُلُوا مِن رِّزْقِهِ ۖ وَإِلَيْهِ النُّشُورُ ﴿١٥﴾ أَأَمِنتُم مَّن فِي السَّمَاءِ أَن

اور کھاؤ اس کے دیئے ہوئے رزق سے [19] اور اسی کی طرف تم کو (قبروں سے) اٹھ کر جانا ہے [20] کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اس سے جو آسمان میں ہے کہ

بھی نہ ہو کہ کون کیا کر رہا ہے اس کی دی ہوئی قوتوں سے کس طرح کام لے رہا ہے۔ یہ بڑے اچنبھے کی بات ہے۔ عقل سلیم اس کو تسلیم نہیں کرتی پھر یہ سوچو کہ وہ اللطیف ہے۔ باریک سے باریک بات کو بھی وہ جانتا ہے۔ وہ الخبیر ہے۔ ہر چیز سے وہ باخبر ہے۔ کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں۔ جس کی یہ شان ہو اور یہ صفات ہوں' وہ اپنی مخلوق کے احوال سے کیونکر بے خبر ہو سکتا ہے۔

[19] فرمانبردار اونٹنی جس پر آسانی اور سہولت سے سواری کی جا سکے' عرب اسے نَاقَةٌ ذَلُولٌ کہتے ہیں۔ اس آیت میں ذلول کو زمین کی صفت ذکر کیا گیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو اس طرح بنایا ہے کہ انسان اس پر آسانی اور سہولت کے ساتھ چل سکتا ہے۔ نہ تو ساری سخت پتھریلی ہے اور نہ دلدل ہے کہ اس پر چلنا دشوار ہو جائے۔ اس خالق کریم نے ان گنت مصلحتوں کے باعث زمین پر جگہ جگہ پہاڑوں کے فلک بوس سلسلے کھڑے کر دیے ہیں۔ ان کو بھی ناقابل عبور نہیں رہنے دیا۔ مناسب مسافتوں پر ایسے درّے بنا دیے ہیں جہاں سے انسانوں کے قافلے اور مویشیوں کے گلے آسانی سے گزر سکتے ہیں۔ صرف اسی پر بس نہیں بلکہ اس رب کریم نے ہر جگہ تمہارے رزق کا سامان بھی مہیا کر دیا ہے۔ جہاں سے گزرو گے اس کے لطف و کرم کا وسیع دستر خوان بچھا ہوا پاؤ گے جس میں کھانے کی رنگ برنگی ذائقہ دار چیزیں بھی ہوں گی۔ بتاؤ تم اس کی کس کس نعمت کا شکر ادا کر سکتے ہو۔ اگر ساری زمین دلدل ہوتی تو کیا تم اس میں سے بآسانی گزر سکتے۔ اگر اس نے اپنے دست قدرت سے گزرگاہیں نہ بنائی ہوتیں اور تمہیں ان کی برف پوش چوٹیوں کو عبور کر کے آنا جانا پڑتا تو تمہیں چھٹی کا دودھ یاد آ جاتا۔ میدانوں میں دریا بہہ رہے ہیں' نشیبی علاقوں میں بھی پانی کے زیر زمین ذخائر موجود ہیں۔ جب بلند پہاڑوں پر تم جاتے ہو تو وہاں میٹھے اور ٹھنڈے پانی کے چشمے تمہاری تشنہ لبی کا مداوا کرنے کے لیے موجود ہوتے ہیں۔ اگر وہاں تمہیں کنواں کھود کر پانی نکالنا پڑتا تو تمہیں دن کو تارے نظر آنے لگتے۔ الغرض اس کے لطف و کرم کے بغیر تم جادۂ زیست پر ایک قدم بھی نہیں بڑھا سکتے۔ کیوں جاہل بنتے ہو اور اس کی وحدانیت کا انکار کرتے ہو۔ ذَلُولٌ : سہل۔ مَنَاكِب : منکب کی جمع ہے۔ منکب کندھے کو کہتے ہیں۔ یہاں پہاڑوں کے وہ کنارے مراد ہیں جہاں قدرتی درّے بنے ہوتے ہیں۔

[20] یاد رکھو یہ دنیا اور اس کا مال و متاع سب فانی ہے۔ ایک روز آئے گا اور یقیناً آئے گا جب تم اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کیے جاؤ گے اور تم سے حساب لیا جائے گا۔ کیا تم نے اس روز کے لیے کچھ تیاری کر لی ہے۔

يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ ۝۱۶ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ

وہ تمہیں زمین میں غرق کردے ۲۱؎ اور وہ زمین تھر تھر کانپنے لگے۔ کیا تم بے خوف ہوگئے ہو اس سے جو آسمان میں ہے

اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ۭ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ ۝۱۷ وَلَقَدْ

کہ وہ بھیج دے تم پر پتھر برسانے والی ہوا۔ تب تمہیں پتہ چلے گا کہ میرا ڈرانا کیسا ہوتا ہے۔ اور جو

۲۱؎ پہلے اپنے الطاف و احسانات کا ذکر کر کے انہیں راہ ہدایت کی طرف راغب کیا گیا اب اپنے قہر و جلال سے انہیں ڈرایا جارہا ہے۔ یعنی تم جو اس دیدہ دلیری سے کفر و شرک پر اڑے ہوئے ہو بڑی بے باکی اور بے حیائی سے فسق و فجور کا بازار گرم کیے ہوئے ہو تمہیں کبھی یہ خوف نہیں آیا کہ آسمانوں کا خالق اگر تمہارے کرتوتوں کے باعث ناراض ہوگیا اور اس نے تمہیں زمین میں غرق کردیا تو پھر تمہارا کیا حال ہوگا۔ زمین تھر تھر کانپ رہی ہوگی۔ تم زمین کی گہرائیوں میں جذب ہوتے چلے جارہے ہوگے۔ ہوش میں آؤ۔ آنکھیں کھولو اور اس سے قبل کہ تمہاری بربادی کے حتمی احکام صادر ہوجائیں، تلافی مافات کرلو۔ تمہیں کیفر کردار کو پہنچانا کون سا مشکل کام ہے۔ اگر تیز جھکڑ چلنے لگیں اور پتھر اور سنگریزے اڑ اڑ کر تم پر برسنے لگیں تو تمہارا ستیاناس ہوجائے۔ تمہارا نام و نشان بھی باقی نہ رہے۔ پدی جتنی تمہاری اوقات ہے اور لگے ہو مالک الملک بیدہ الملک وھو علی کل شیئ قدیر کی شان والے کی نافرمانی اور حکم عدولی کرنے۔ تم نے غور و فکر کے سارے دیئے کیوں بجھا دیئے ہیں۔

تَمُوْرُ: ای تَجِیْ ءُ وَتَذْھَبُ۔ زمین کا ہچکولے کھانا اور تھر تھرانا۔ جہاں کہیں زلزلہ آیا ہو وہاں کے لوگوں سے پوچھو کہ جب بھونچال آتا ہے تو زمین، اونچے پہاڑ اور بلند ماڑیاں کس طرح لرزتی اور کانپتی ہیں۔ حاصب: رِیْحٌ شَدِیْدَۃٌ تَحْمِلُ التُّرَابَ وَالْحَصْبَاءَ (لسان العرب) وہ تند آندھی جو گرد و غبار اور سنگریزوں کو اپنے ساتھ اڑائے جاتی ہے۔

ان دو آیتوں میں مَنْ فِي السَّمَآءِ کے کلمات مذکور ہیں جن کا لفظی معنی یہ ہے کہ "جو آسمان میں ہے"۔ کیا ان آیات سے کوئی یہ استدلال کرسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں میں مقیم ہے؟ اگر ایسا نہیں تو پھر ان کلمات کا مفہوم کیا ہوگا؟ گزارش ہے کہ یہ آیتیں متشابہات میں سے ہیں۔ یعنی ان کے الفاظ کا ظاہری معنی مراد نہیں ہوتا۔ اس لیے آسمانوں میں اللہ تعالیٰ کے مقیم ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ آسمانوں کو اس نے پیدا کیا ہے۔ یہ سب حادث ہیں۔ جب یہ نہیں تھے تو وہ کہاں تھا۔ نیز اللہ تعالیٰ مکان و مکانیات سے منزہ ہے۔ وہ کسی ایک جگہ یا ایک جہت میں قیام پذیر نہیں، بلکہ وہ تو ہر جگہ ہے۔ اَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ۔ جدھر بھی تم رخ کروگے وہاں اللہ تعالیٰ کی ذات موجود ہوگی — اس لیے ایسی آیات کے بارے میں علماء کے دو قول ہیں:

(۱) ایک اسلاف کرام کا (۲) دوسرا متاخرین کا۔ متاخرین ایسی آیات کی تاویل کرتے ہیں۔ ان کا ایسا محمل بیان کرتے ہیں جو آیات محکمات سے بھی موافقت رکھتا ہو اور شان خداوندی کے بھی شایان ہو۔ لیکن اسلاف اس کی تاویل نہیں کرتے۔ الفاظ کو اپنے ظاہر پر رکھتے ہیں لیکن اس کے مفہوم کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کردیتے ہیں۔ متاخرین کے نزدیک مَنْ فِي السَّمَآءِ کی یہ تاویل ہوگی کہ وہ فرشتے جنہیں احکام تکوینی کی تنفیذ کا کام سپرد کیا گیا ہے وہ آسمان میں ہیں۔ مَنْ فِي السَّمَآءِ سے مراد یہ فرشتے ہیں۔ دوسری تاویل یہ کی گئی ہے کہ قضاء و قدر اور احکام

كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿١٨﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ

لوگ ان سے پہلے گزرے انہوں نے بھی جھٹلایا (خود دیکھ لو کہ ان پر) میرا عذاب کتنا سخت تھا ۲۲؎ کیا انہوں نے پرندوں کو اپنے اوپر اڑتے

الٰہی کا مخزن آسمانوں میں ہے' لیکن سلف صالحین ایسی تاویلیں نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں مَنْ فِی السَّمَآءِ کا معنی ہے کہ جو آسمان میں ہے" اور اس سے مراد بھی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے لیکن وہ آسمان میں کس طرح ہے؟ جس طرح مکین مکان میں یا مظروف ظرف میں، وہ کہتے ہیں ہم اس کا یقین نہیں کر سکتے۔ وہ ہے آسمان میں' لیکن اس طرح ہے جس طرح اس کی شان تنزیہ کے شایان ہے۔ اہل تحقیق نے اسی قول کو پسند کیا ہے۔ نیز یہ بھی ایک طبعی بات ہے کہ جب ہم اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتے ہیں' فریاد کرتے ہیں' اس سے کوئی سوال کرتے ہیں تو بے ساختہ ہماری نگاہیں آسمان کی طرف اٹھ جاتی ہیں۔ زمین کی طرف نہیں جاتیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی ذات 'عظمت' بلندی اور کبریائی سے موصوف ہے۔ اس کے ذکر کے وقت آسمان کی طرف آنکھوں کا اٹھ جانا ایک قدرتی امر ہے۔ شاید اسی لیے مَنْ فِی السَّمَآءِ فرمایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ورسولہ الکرم اعلم بالصواب۔

ابوداؤد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص حبشن لونڈی لے کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھ پر ایک مومن غلام آزاد کرنا واجب ہو گیا ہے۔ کیا میں اس لونڈی کو آزاد کر کے بری الذمہ ہو سکتا ہوں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس لونڈی سے پوچھا اللہ تعالیٰ کہاں ہے تو اس نے انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ حضورؐ نے پھر پوچھا اور میں کون ہوں۔ اس نے پہلے حضور کی طرف اور پھر آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے ہیں۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا اسے آزاد کر دو۔ یہ مومنہ ہے۔

۲۲؎ یعنی تم ہی پہلے لوگ نہیں ہو جنہوں نے کفر و شرک اختیار کیا ہو اور اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کو اپنا شعار بنایا ہو۔ تاکہ تمہارے انجام کے بارے میں شک و شبہ کی گنجائش ہو کہ یہ ایک نئی جماعت ظہور پذیر ہوئی ہے جس کے انداز نرالے ہیں۔ دیکھیے ان کا انجام کیا ہوتا ہے۔ یوں نہیں ہے بلکہ تمہارے جیسے نابکار پہلے بھی گزرے ہیں اور اپنی بد اعمالیوں کے فطری انجام سے دوچار ہو چکے ہیں۔ تم بابل و نینوا کے شکستہ کھنڈروں سے پوچھو کہ تمہارے بسانے والوں پر کیا بیتی۔ تم موہنجو ڈارو اور ہڑپہ سے برآمد ہونے والی ٹوٹی پھوٹی دیواروں سے پوچھو کہ تمہارے مکینوں پر کیا افتاد پڑی۔ اتنی عظیم ثقافت اور اتنے اعلیٰ تمدن کے باوجود انہیں لوح ہستی سے حرف غلط کی طرح کیوں مٹا دیا گیا۔ وہ تمہیں بتائیں گے کہ ہمارے بسانے والوں نے اپنے خالق حقیقی سے منہ موڑ لیا تھا' انہوں نے حق کا دامن چھوڑ دیا تھا' ظلم و طغیان اور فسق و فجور کو انہوں نے اختیار کر لیا تھا۔ خدا کا غضب ان پر نازل ہوا اور وہ نیست و نابود کر دیے گئے۔

برباد شدہ قوموں کی ان دردناک داستانوں میں اگر عبرت کا پہلو تمہیں نظر آتا ہے تو عبرت حاصل کر لو یوں نہ ہو کہ تمہیں بھی پیہم سرکشیوں اور نافرمانیوں کی پاداش میں تہس نہس کر دیا جائے۔ کیف نذیر اصل میں کیف نذیری اور کیف نکیر اصل میں کیف نکیری تھا۔

فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّيَقْبِضْنَ ؕۘ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍۢ

کبھی نہیں دیکھا پر پھیلائے ہوئے اور کبھی پر سمیٹ بھی لیتے ہیں۔ نہیں روکے ہوئے انہیں کوئی (فضا میں) بجز رحمٰن کے ۲۳ بے شک وہ ہر چیز کو خوب

بَصِيْرٌ ﴿۱۹﴾ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ

دیکھنے والا ہے ۲۴ (بتاؤ اے منکرو!) کیا تمہارے پاس کوئی ایسا لشکر ہے جو تمہاری مدد کرے (خدائے) رحمٰن کے

الرَّحْمٰنِ ؕ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِيْ غُرُوْرٍ ﴿۲۰﴾ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ يَرْزُقُكُمْ

علاوہ ۲۵ بے شک منکرین دھوکا میں مبتلا ہیں۔ کیا کوئی ایسی ہستی ہے جو تمہیں رزق پہنچا سکے

اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۚ بَلْ لَّجُّوْا فِيْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ ﴿۲۱﴾ اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا

اگر اللہ تعالیٰ اپنا رزق بند کر لے ۲۶ لیکن یہ لوگ سرکشی اور حق سے نفرت میں بہت دور نکل گئے ہیں ۲۷ کیا وہ شخص جو منہ کے بل گرتا پڑتا

۲۳ اب اپنی قدرت کی ایک ایسی نشانی کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے جس کا مشاہدہ ہر شخص دن میں کئی کئی بار کرتا ہے۔ پرندے ہوا میں اُڑ رہے ہوتے ہیں، اثنائے پرواز وہ کبھی اپنے پروں کو پھیلا دیتے ہیں اور کبھی ان کو سکیڑ لیتے ہیں۔ ذرا غور کرو کہ اس پرندہ کو اُڑنے کے لیے موزوں پر کس نے دیے ہیں اور اس کو اُڑنے کا ڈھنگ کس نے سکھایا ہے۔ ہوا میں اگر ایک چھٹانک وزنی روڑا پھینکا جائے تو وہ چشم زدن میں نیچے گر پڑتا ہے۔ اس ہوا میں یہ صلاحیت کس نے پیدا کی ہے کہ کئی سیر وزنی پرندہ اس میں پہروں مصروف پرواز رہتا ہے اور گرتا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کون ہے جس نے یہ سارے انتظامات کر دیے ہیں۔ انسان کے لیے زمین کو مسخر کر دیا اور پرندوں کے لیے ہوا کو فرمانبردار بنا دیا۔ صافات: باسطات اجنحتھن فی الجو عند طیرانھا۔ یعنی اُڑتے وقت فضا میں پرندوں کا اپنے پروں کو پھیلا دینا۔ یقبضن: اجنحتھا الی جنوبھن۔ یعنی اپنے پروں کو پہلوؤں کے ساتھ سکیڑ لینا۔

۲۴ وہ صرف پرندوں کی رکھوالی نہیں کرتا، کائنات کی ہر چیز اس کی نگاہوں میں ہے اور وہ ان کی نگہبانی کر رہا ہے۔

۲۵ یعنی وہ لوگ جو نافرمانی کی راہ پر گامزن ہیں کیا ان کے پاس کوئی ایسی فوج ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا عذاب ان پر نازل ہو تو وہ ان کی مدد کر سکے اور آگے بڑھ کر انہیں اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچا سکے؟ ہرگز نہیں۔ یہ کفار تو شیطان کے دام فریب میں پھنس چکے ہیں، اتنی کھلی بات بھی سمجھنے سے قاصر ہیں کہ دنیا میں ایسی کوئی طاقت نہیں جو انہیں عذاب الٰہی سے بچا سکے۔

۲۶ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ اپنے رزق کے دروازے ان پر بند کر دے تو انہیں ایک دانہ بھی دستیاب نہ ہو اور بھوک سے بلک بلک کر لقمۂ اجل بن جائیں۔ لیکن ایسی بے بسی اور بے کسی کے باوصف یہ لوگ ہیں کہ سرکشی اور حق سے گریز کرنے میں حد سے بڑھ چکے ہیں۔

۲۷ مشکل الفاظ کی تشریح: عُتُوٍّ: طغیان یعنی سرکشی۔ نفور من الحق: حق سے نفرت و بیزاری۔ لَجُّوْا: تمادوا واصروا: کسی چیز پر اڑ جانا

عَلٰى وَجْهِهٖٓ اَهْدٰٓى اَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۲﴾

چلا جا رہا ہے وہ راہ راست پر ہے یا جو سیدھا ہو کر صراط مستقیم پر گامزن ہے ۲۸

قُلْ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ

آپ فرمائیے وہی تو ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے لیے کان، آنکھیں اور دل بنائے ۲۹

قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۳﴾ قُلْ هُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَ

(لیکن) تم بہت کم شکر کیا کرتے ہو ۳۰ آپ فرمائیے اسی نے تم کو پھیلا دیا ہے ۳۱ زمین میں اور (روز حشر)

کسی چیز سے چمٹ جانا۔

۲۸؎ کافر کی حالت کو ایک ایسے شخص سے تشبیہ دی جا رہی ہے جو سر اوندھا کیے کسی راستہ پر چل رہا ہے۔ نہ دائیں دیکھتا ہے اور نہ بائیں اور نہ سامنے اس کی نظر پڑتی ہے۔ کسی وقت بھی وہ شخص کسی چیز سے ٹکرا کر اپنا حلیہ بگاڑ سکتا ہے۔ دائیں بائیں کسی گڑھے میں گر کر اپنی ہڈی پسلی توڑ سکتا ہے۔ ایسے شخص کا منزل مقصود تک پہنچنا بعید از امکان ہے۔ اور مومن کو ایسے شخص سے تشبیہ دی گئی ہے جو سیدھا ہو کر سر اٹھائے چل رہا ہے۔ دور دور تک آگے بھی اسے صاف نظر آرہا ہے اور دائیں بائیں ہر طرف بھی وہ دیکھ رہا ہے۔ ایسا شخص جب چلتا ہے تو راستہ کو دیکھ کر چلتا ہے۔ راہ میں کوئی گڑھا ہو، کوئی درخت ہو، کوئی اور چیز حائل ہو تو وہ اس سے بچ کر نکل سکتا ہے۔ دائیں بائیں سے اگر اس پر کوئی بلہ بولے تو وہ اس سے اپنا بچاؤ کر سکتا ہے۔ ایسے شخص کا اپنی منزل پر پہنچنا یقینی ہے۔ اب تم خود فیصلہ کرو کہ صحیح راہ پر کون گامزن ہے۔ کتنی پیاری، واضح اور دل نشیں مثال ہے۔

۲۹؎ کائنات کی ہر چیز کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے، اسی طرح انسان کی تخلیق بھی اسی نے کی ہے، لیکن اسے چند مزید صلاحیتیں ارزانی فرمائی ہیں جو اور کسی کو نہیں بخشی گئیں۔ اسے ایسے کان دیئے ہیں جن سے وہ دعوتِ حق کو سن سکتا ہے، اسے ایسی آنکھیں بخشی ہیں جن سے وہ نورِ حق کو دیکھ سکتا ہے۔ مزید برآں اسے ایسا دل عطا فرمایا ہے جو ان دلائل و بینات میں غور و تدبر کر سکتا ہے اور حق و باطل میں تمیز کر سکتا ہے۔ پھر اسے اختیار ہے کہ اپنی مرضی سے حق کو قبول کرے اور باطل کو مسترد کر دے۔ جس مخلوق کو ایسی صلاحیتیں بخشی گئی ہوں وہ اگر انہیں ایسے مسئلہ کے سمجھنے میں استعمال نہ کرے جس پر اس کی ابدی فلاح کا انحصار ہے تو بڑے ہی افسوس کی بات ہے۔

۳۰؎ بتا دیا کہ بہت کم ایسے انسان ہیں جو ان نعمتوں کو صحیح طور پر استعمال کر کے شکر گزاری کا حق ادا کرتے ہیں۔

۳۱؎ ذَرَأَ کے دو معنی ہیں: پیدا کرنا اور پھیلا دینا۔ دونوں درست ہیں۔

إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٢٤﴾ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٢٥﴾

تم اسی کے پاس جمع کیے جاؤ گے۔ (کفار ازراہ مذاق) پوچھتے ہیں کہ (بتاؤ) یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو ۳۲

قُلْ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِندَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٢٦﴾ فَلَمَّا رَأَوْهُ

آپ فرمائیے (اس کا) علم تو اللہ ہی کے پاس ہے۔ میں تو محض واضح طور پر خبردار کرنے والا ہوں ۳۳ پھر جس وقت اسے قریب

زُلْفَةً سِيئَتْ وُجُوهُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَقِيلَ هَٰذَا الَّذِي كُنتُم

آتے دیکھیں گے تو کافروں کے چہرے بگڑ جائیں گے اور انہیں کہا جائے گا کہ یہ ہے جس کا تم بار بار

بِهِ تَدَّعُونَ ﴿٢٧﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَهْلَكَنِيَ اللَّهُ وَمَن مَّعِيَ أَوْ

مطالبہ کرتے تھے ۳۴ آپ فرمائیے بھلے منکرو ذرا غور تو کرو اگر اللہ تعالیٰ مجھے اور جو میرے ساتھ ہیں کو ہلاک کر دے یا

۳۲۔ کفار بار بار پوچھتے تھے کہ بتاؤ قیامت کب برپا ہوگی لیکن ان کے پوچھنے کا مقصد یہ نہ تھا کہ اگر انہیں پتہ چل جائے کہ قیامت کس سال، کس تاریخ کو کتنے بجے قائم ہونے والی ہے تو وہ ایمان لے آئیں گے۔ اب تک جو وہ قیامت پر ایمان لانے سے گریز کر رہے ہیں اس کی محض یہ وجہ ہے کہ انہیں سال اور تاریخ نہیں بتائی گئی۔ ان کی یہ غرض نہ تھی، بلکہ محض استہزاء و تمسخر کے لیے وہ یہ سوال کیا کرتے تھے کہ صدیاں گزر گئیں، جو پیغمبر بھی آیا وہ اپنی قوم کو قیامت سے ڈراتا رہا۔ ابھی تک وہ آئی نہیں اور اگر آپ بھی اس کے لیے کوئی حتمی تاریخ مقرر نہیں کر سکتے تو ہم یہ باور کرنے میں حق بجانب ہوں گے کہ یہ محض گپ ہے۔ کھوکھلی دھمکی ہے جو سادہ لوح عوام کا استحصال کرنے کے لیے مذہبی لیڈر ہر زمانہ میں استعمال کرتے رہے ہیں۔ اگر قیامت کو آنا ہوتا تو وہ کب کی آچکی ہوتی۔ اگر اس کی کوئی حقیقت ہوتی تو آپ ہمیں اس کی معین تاریخ بتا دیتے۔ اس قسم کے خیالات محض ان کی حماقت کا اظہار تھا۔ جس واقعہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک وقت مقرر کر دیا ہے، جب تک وہ گھڑی نہ آجائے قیامت کیسے برپا ہو سکتی ہے۔

۳۳۔ اس کا علم اس کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے۔ مجھے تو اس لیے تمہارے پاس بھیجا گیا ہے کہ میں تمہیں قبل از وقت خبردار کر دوں تاکہ تم توبہ کر لو اور قیامت کے دن رسوائی کے عذاب سے اور آتش جہنم سے بچ جاؤ۔ علم قیامت کے بارے میں متعدد مقامات پر بحث گزر چکی ہے۔

۳۴۔ آج تو تم قیامت کے لیے جلدی مچا رہے ہو۔ جب وہ برپا ہوگی تو تمہاری حالت دیدنی ہوگی۔ مارے خوف کے چہرہ بگڑ جائے گا، رخساروں کی سرخی غائب ہو جائے گی، ہونٹ لٹکنے لگیں گے، زبان باہر نکل آئے گی، آنکھیں اندر دھنسی جا رہی ہوں گی، حواس باختہ ہو گئے، دماغی توازن کھو بیٹھو گے۔ اس وقت تمہارے پاس آتی ہوش کب ہوگی کہ تم اس پر ایمان لاؤ اور اگر ایمان لے بھی آئے تو اس وقت کا ایمان بارگاہ الٰہی میں مقبول نہیں ہوگا۔ اس وقت تمہیں کہا جائے گا یہ لو! وہ قیامت آگئی جس کا تم بڑی شدت اور اصرار سے مطالبہ کیا کرتے تھے۔

رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾ قُلْ هُوَ

ہم پر رحم فرمائے تو کون بچائے گا کافروں کو دردناک عذاب سے ۳۵؎ فرمائیے وہ (میرا خالق)

الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ

بڑا ہی مہربان ہے ہم اسی پر ایمان لائے ہیں اور اسی پر ہم نے توکل کیا ہوا ہے۔ پس عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا کہ کھلی

ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۹﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ

گمراہی میں کون ہے ۳۶؎ آپ پوچھیے اگر کسی صبح تمہارا پانی زمین کی تہہ میں اتر جائے تو تمہیں

يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ﴿۳۰﴾

میٹھا صاف پانی کون لا دے گا؟ ۳۷؎

۳۵؎ یعنی ہمارے ساتھ تو جو ہوگی تم اس کی فکر نہ کرو، تم اپنی خیر مناؤ۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پر تم ایمان نہیں رکھتے۔ جب اس نے تمہیں پکڑ لیا تو تمہیں کون اس گرفت سے نجات دے گا۔ تمہارا سارا وقت ہم پر زبان طعن دراز کرنے میں گزر جاتا ہے۔ شب و روز تم ہم پر تنقید کے تیر برساتے رہتے ہو۔ کبھی اپنے گریبان میں بھی جھانک لیا کرو اور اپنے انجام کے بارے میں بھی سوچ لیا کرو۔

۳۶؎ ہم تو اپنے پروردگار پر جو رحمٰن ہے، صدق دل سے ایمان لے آئے ہیں۔ اسی پر ہمارا بھروسہ ہے کہ اس دنیا میں بھی وہ ہمیں کامیاب و کامران فرمائے گا، دین کا ڈنکا چاردانگ عالم میں بجنے لگے گا اور آخرت میں بھی وہ اپنی رحمت اور رأفت سے نوازے گا۔ تم بتاؤ جن کا رحمٰن اور رحیم خدا پر نہ ایمان ہے، نہ اس پر بھروسہ ہے۔ تمہارا انجام کیا ہوگا۔ تمہارے یہ بے جان بت تمہارے کیا کام آئیں گے۔ اب تم ہی فیصلہ کرو کہ گمراہ کون ہے۔ خداوند رحمٰن پر ایمان لانے والے یا اس کا انکار کر کے بتوں کو خدا بنانے والے۔ اس قادر و توانا پر توکل کرنے والے یا اصنام و اوثان پر تکیہ رکھنے والے۔

۳۷؎ غَوْرٌ بمعنی غائر۔ یعنی پانی کا زمین میں اتنا گہرا چلا جانا کہ ڈول بھی وہاں نہ پہنچ سکیں۔ ای ذاھبا فی الارض لا تنالہ الدلاء۔ پانی کی ویسے ہی سارے حجاز میں قلت تھی۔ دو تین چشمے تھے یا بارش کا پانی کہیں کہیں حوضوں میں اکٹھا کر لیا جاتا تھا۔ انہی پر ان کی گزراوقات ہوتی تھی۔ اگر بارش کچھ عرصہ نہ ہوتی اور وہ حوض خشک ہونے لگتے تو ان کی جان پر بن آتی۔ آخری آیت میں ان کی دکھتی رگ کو چھیڑا گیا ہے۔ ان سے پوچھا جا رہا ہے کہ جن کو تم اپنا معبود اور خدا سمجھ رہے ہو کیا ان میں اتنی طاقت ہے کہ اگر تمہارے یہ دو چار چشمے سوکھ جائیں یا ان کا پانی زمین میں جذب ہو جائے تو وہ ان کو ازسرنو جاری کر سکیں۔ اگر ان میں یہ قوت نہیں اور تمہیں بھی تسلیم ہے کہ نہیں، تو پھر اس سے بڑا ظلم اور کیا ہو سکتا ہے کہ جس ذات اقدس نے تمہیں پیدا کیا، تمہیں زندگی بخشی اور تمہیں زندہ رہنے کے لیے بن مانگے ساری ضروریات مہیا کیں،

پانی جس کے بغیر تم اور تمہارے سارے مویشی زندہ نہیں رہ سکتے اس کو تمہارے لیے انتظام فرمایا۔ ایسے کریم، حکیم اور رحیم پروردگار پر تم ایمان نہیں لاتے اس کے حضور میں تو سر نہیں جھکاتے اور ان پتھر کے بے جان، بے علم اور بے اختیار بتوں سے ہر وقت چمٹے رہتے ہو۔ کبھی ان کو سجدہ کرتے ہو، کبھی ان کا طواف کرتے ہو، اشرف المخلوقات انسان ہو کر تمہاری یہ حرکتیں بڑی افسوسناک ہیں۔

یاد رکھو! کہ پانی کے یہ چشمے اسی رحمان نے جاری کیے ہیں جو میرا رب ہے۔ اسی نے بارش برسا کر تمہارے حوضوں کو پانی سے لبریز کر دیا ہے۔ اگر یہ حوض خشک ہو جائیں یا ان چشموں کا پانی زمین میں جذب ہو جائے تو اس میں اور صرف اسی میں یہ قدرت ہے کہ وہ چشم زدن میں ان چشموں کو از سر نو جاری کر دے جن سے ٹھنڈا اور میٹھا پانی بکثرت بہنے لگے۔

بزرگوں کا ارشاد ہے کہ جب یہ آیت پڑھے تو دل میں کہے اللہ رب العلمین۔ تاکہ سوال کا صحیح جواب آجائے۔

○

الحمد لله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير۔

والصلوة والسلام على حبيبه المصطفى ورسوله المرتضى سيد الخلق محمد المبعوث رحمة للعلمين وعلى اله واصحابه ومن احبه واتبعه الى يوم الدين۔

فاطر السموات والارض انت ولى فى الدنيا والاخرة توفنى مسلما والحقنى بالصالحين۔

○

تعارف

سورۃ القلم

نام : یہ سورت دو ناموں سے زیادہ مشہور ہے۔ سورۃ "ن" اور "القلم" یہ دو رکوعوں ، باون آیتوں ، تین سو کلمات اور ایک ہزار دو سو چھپن حروف پر مشتمل ہے۔

نزول : باتفاق علماء اس کا نزول مکہ مکرمہ میں ہوا۔

مضامین : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت و ارشاد کا سلسلہ بڑی گرمجوشی سے شروع کر دیا ہے۔ قرآن کریم کی جو سورتیں یا آیات نازل ہوتی ہیں حضور اپنے کیف آگیں لہجہ میں اس کی تلاوت کرتے ہیں اور لوگوں کو سناتے ہیں۔ احکام الہیہ کی خود بھی پابندی فرماتے ہیں اور دامن رحمت سے جو وابستہ ہو جاتا ہے وہ بھی سرخوشی سے ان پر عمل پیرا ہو جاتا ہے۔ سارا مکہ بھڑک اٹھتا ہے ظلم و ستم کا آغاز ہو جاتا ہے۔ اس کے باوجود اللہ کے بندے اپنے اللہ کے بتائے ہوئے راستہ پر بڑی جوانمردی سے گامزن ہیں۔ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس والہانہ جوش و خروش کو دیکھ کر تصویر حیرت بن جاتے ہیں اور آخر اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یہ دیوانہ ہے ، اس کا دماغ ناکارہ ہو گیا ہے۔ سود و زیاں میں تمیز کی صلاحیت باقی نہیں رہی۔ اللہ تعالیٰ قسم اٹھا کر کفار کے ان الزامات کی تردید کرتے ہیں کہ میرا محبوب دیوانہ نہیں ہے بلکہ اخلاق عالیہ کی ان رفعتوں پر فائز ہے جہاں کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ جس کا کردار اتنا بلند ہو، جس کی سیرت اتنی بے داغ اور جس کے اعمال سراپا نور ہوں بھلا اس کو مجنون کہنا کس طرح روا ہے؟

اس کے بعد فرمایا کہ اے حبیب وہ تو چاہتے ہیں کہ آپ ان کے ساتھ مداہنت سے کام لیں اور مصالحت کا رویہ اختیار کریں تو وہ بھی آپ کے ساتھ سختی کا سلوک ترک کر دیں لیکن آپ کا یہ شیوہ ہی نہیں ، وہ لوگ جو اپنے معاشرہ کے رؤسا ہیں اپنے شرکیہ عقائد کے سرغنے ہیں۔ ذرا ان کے اعمال پر تو نظر ڈالو ہر قسم کی اخلاقی برائیوں کے وہاں ڈھیر لگے ہوئے ہیں نیکی کی کوئی کرن بھی تو وہاں نظر نہیں آتی تیرے جیسا مرقع دلبری و زیبائی بھلا ان کی پیروی کیسے کر سکتا ہے۔ جس دولت و ثروت اور جاہ و منصب پر یہ اترا رہے ہیں تیرے رب کی جناب میں تو اس کی کوئی وقعت نہیں۔

پھر مادہ پرستانہ اور سرمایہ دارانہ ذہنیت کی ایسی صحیح تصویر کھینچ کر رکھ دی کہ جسے دیکھ کر طبیعت میں ایسی ذہنیت سے خود بخود نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ جو شخص دولت کی فراوانی کے باوجود کسی غریب کو ایک حبہ تک دینے سے گریزاں ہو اس سے برا انسان اور کون ہو سکتا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ متقی لوگوں کے لیے جنت ہے اور ان کے ساتھ جو معاملہ

کیا جائیگا وہ اُس سے بالکل الگ ہوگا جو معاملہ مجرموں کے ساتھ روا رکھا جائے گا۔ خواب غفلت میں بے سُدھ پڑے رہنے والوں کو بتا دیا کہ اب وقت ہے جبین نیاز اپنے پروردگار کے حضور جھکا لو ورنہ قیامت کے دن تم چاہو گے کہ سجدہ کر سکو لیکن ہزار کوشش کے باوجود تم ایسا نہیں کر سکو گے۔ تمہاری پُشت اور گردن اکڑ جائے گی۔

اللہ تعالیٰ آخر میں اپنے حبیب کو تسلی دے رہا ہے کہ یہ سرکش ہمیشہ دندناتے نہ پھریں گے۔ ہم انہیں یوں بربادی کے گڑھے میں دھکیل دیں گے کہ انہیں خبر تک نہ ہوگی۔

آخر میں حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ بیان کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کی تلقین فرما دی گئی۔

نیو ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا

۱۶-۴-۷۷

سورۃ القلم مکیۃ وھی اثنتان وخمسون آیۃ وفیھا رکوعان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ القلم مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — اس میں ۵۲ آیتیں اور دو رکوع ہیں

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۙ﴿۱﴾ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۚ﴿۲﴾

ن، قسم ہے قلم کی اور جو کچھ وہ لکھتے ہیں [۱] آپ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں ہیں [۲]

۱۔ نٓ، حروفِ مقطعات میں سے ہے۔ ان کے بارے میں تحقیق پہلے گزر چکی ہے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کرم کے درمیان راز ہیں اور اولیائے کاملین کو ان کا علم بارگاہِ رسالت سے ارزانی ہوتا ہے۔

یہاں ایک اور توجیہ بھی قابلِ غور ہے جو سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کی ہے۔ وہ اپنی کتاب التعریفات میں لکھتے ہیں النون: العلم الاجمالی یرید بہ الدواۃ فان الحروف التی ھی صور العلم موجودۃ فی مدادھا اجمالا۔ وفی قولہ تعالیٰ نٓ والقلم، ھو العلم الاجمالی فی الحضرۃ الاحدیۃ والقلم حضرۃ التفصیل۔

النون سے مراد دوات ہے جو علم اجمالی سے عبارت ہے کیونکہ حروف جو علم کی صورتیں ہیں بالاجمال اس میں موجود ہیں اور نٓ والقلم میں نٓ سے مراد علم اجمالی ہے جو مرتبۂ احدیت میں ہوتا ہے اور القلم تفصیل کا مرتبہ ہے۔ واو، قسم کے لیے ہے۔ القلم سے بعض حضرات نے وہ قلم مراد لیا ہے جس نے امرِ الٰہی سے تقادیرِ عالم کو لوحِ محفوظ میں تحریر کیا جس کی ماہیت سے اللہ تعالیٰ ہی آگاہ ہے۔ اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ القلم سے مراد جنس قلم ہے اور اسی کی قسم کھائی جا رہی ہے۔ علوم و فنون، نظریات و افکار کی تعلیم اور اشاعت میں بے شک زبان کی قوتِ بیانیہ کا بڑا حصہ ہے لیکن اس کی افادیت زمان و مکان کی حد بندیوں میں محصور ہے۔ قلم ایک ایسا آلہ ہے جو زمان و مکان کی مسافتوں کو تسلیم نہیں کرتا۔ وہ گزشتہ صدیوں کے علوم و فنون سے حال و مستقبل کو روشن کرتا ہے اور دور دراز علاقوں میں پیدا ہونے والے اولوالعزم حکماء و فضلاء کے افکار و نظریات کو دنیا کے گوشہ گوشہ تک پہنچاتا ہے۔

قرآنِ حکیم جو علم و حکمت کی برتری کا علمبردار ہے جس نے آدمِ خاکی کی عظمت کا راز اس بات کو قرار دیا ہے کہ اس کا سینہ علوم و فنون کا گنجینہ تھا کوئی مخلوق حتیٰ کہ نوری فرشتے بھی اس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتے اس لیے قرآنِ کریم نے قلم کو جو علم کی نشر و اشاعت کا موثر اور بے مثال ذریعہ ہے اس کی جلالتِ شان کو ظاہر کرنے کے لیے اس کی قسم کھائی تاکہ اس قرآنِ کریم کے ماننے والے قیامت تک حکمت و دانش کے کارواں کی قیادت کرتے رہیں۔ اس کے حصول کے لیے پیہم جدوجہد سے اکتا نہ جائیں اور دنیا کے گوشہ گوشہ کو اس کی روشنی سے منور کرنے کے لیے اپنی ہر امکانی کوشش کریں۔ صرف قلم کی قسم کھا کر اس کی عزت افزائی نہیں کی گئی بلکہ وما یسطرون فرما کر علم کے ان جواہر پاروں کی بھی قسم کھائی گئی ہے جو نوکِ قلم سے صفحۂ قرطاس کی زینت بنتے ہیں۔ اس طرح ان کی شان کو بھی دوبالا کر دیا۔

۲۔ یہ جوابِ قسم ہے۔ کفار و مشرکین حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم پر جنون کا بہتان لگاتے تھے۔ ان کے اس جھوٹے الزام کی تردید خود خالقِ دو جہاں قسم اٹھا کر رہا ہے۔ فرمایا قسم ہے قلم اور ما یسطرون کی۔ اس میں اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جس ذاتِ پاک کے بارے میں یہ ایسی لغو باتیں کرتے ہیں وہ تو ایسی ستودہ صفات ہستی ہے کہ قلم کو اس کی تعریف و ثنا سے فرصت نہ ملے گی۔ وہی تحریریں علمی دنیا کے

وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۝۳ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝۴

اور یقیناً آپ کے لیے ایسا اجر ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا ۳؎ اور بے شک آپ عظیم الشان خلق کے مالک ہیں ۴؎

لیے باعثِ عزو افتخار ہوں گی جن میں اس محبوبِ دلربا کا ذکر پاک ہوگا۔ اس پر تو اس کے رب نے فضل و کرم فرمایا ہے۔ اس کے رُوئے زیبا کو دیکھ کر آنکھیں روشن ہوتی ہیں، اس کی حکمت بھری باتیں سُن کر دلوں کے ویرانوں میں بہار آجاتی ہے۔ بدبخت اس کی صحبت میں پل بھر بیٹھیں تو انہیں ابدی سعادت کا تاج پہنا دیا جاتا ہے۔ اس کے نامِ مبارک پر جو لوگ اپنا سر کٹا دیتے ہیں انہیں حیاتِ سرمدی سے سرفراز کر کے شہادت کے منصبِ عالیہ پر فائز کیا جاتا ہے۔ ہر سچائی اور صداقت کے لیے اس کا قول و فعل شاہدِ عادل تسلیم کیا جاتا ہے۔ خود سوچو جس کا خلق عظیم ہو، جس کا علم بیکراں ہو، جس کا گلشنِ حکمت سدا بہار ہو، جس کی برکات بے شمار اور خوبیاں ان گنت ہوں، جس کی فصاحت و بلاغت کا دنیا بھر میں کہیں جواب ہی نہ ہو کیا اس کو مجنون کہنا روا ہے؟ جو اس مرقعِ زیبائی و دلبری کو مجنون کہتا ہے اس سے بڑا دیوانہ، اس سے بڑا پاگل کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا۔

حضرت علامہ عارف ربانی اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کا ایک دوسرا مفہوم ذکر کرتے ہیں،

وفی التاویلات النجمیة ما انت بنعمة ربك بمستور عما كان من الازل وما يكون الى الابد۔ لان الجن هو الستر وما سمی الجن جنا الا لاستتاره من الانس بل انت عالم لما كان وخبير لما يكون ويدل على احاطة علمه قوله عليه السلام فوضع كفه على كتفی فوجدت برد ذلك بين ثدیی وعلمت ما كان وما يكون۔

تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ مجنون کا معنی مستور ہے۔ آیت کا معنی یہ ہے اے حبیب! اللہ تعالیٰ کی نعمت سے آپ پر جو ازل میں ہو چکا یا جو ابد تک ہونے والا ہے وہ مستور، پوشیدہ نہیں۔ کیونکہ مجنون، جن سے ہے اور اس کا معنی پردہ ہے اور جن کو بھی جن اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ انسانوں کی آنکھوں سے چھپا ہوا ہوتا ہے۔ بلکہ آپ جو کچھ ہو چکا اس سے بھی واقف ہیں اور جو ہوگا اس سے بھی خبردار ہیں اور حضور کے اس علم کامل پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا دستِ قدرت میرے دو کندھوں کے درمیان رکھا، میں نے اس کی ٹھنڈک کو اپنے سینے میں پایا۔ پس میں نے ماکان و مایکون کو جان لیا۔

یہ اس حدیث شریف کی طرف اشارہ ہے جو امام ترمذی نے روایت کی ہے اور اس کی سند کے بارے میں لکھا ہے حسن صحیح فسألت محمد بن اسماعیل البخاری عن هذا الحديث فقال هذا الحديث صحیح۔ امام ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ میں نے اس حدیث کے متعلق امام بخاری سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو ضیاء القرآن سورۃ النمل آیت ۶۵ کا حاشیہ۔

۳؎ اے حبیب! نبوت کے اس بارِ گراں کو جس خوبی سے آپ نے اٹھایا ہے، میرے دین کی تبلیغ و اشاعت میں جس استقامت اور عزیمت کا مظاہرہ آپ نے کیا ہے، میری مخلوق کے قلوب و اذہان کو میرے نورِ توحید سے جس طرح آپ نے روشن کیا ہے اس کی کوئی نظیر نہیں۔ یہ آفتابِ صداقت ابد تک درخشاں و تاباں رہے گا۔ توحید کے یہ دل نشیں نغمے بلند ہوتے ہی رہیں گے۔ قیامت تک آنے والے انسان اس سے فیضیاب ہوں گے۔ اس لیے آپ کا اجر بھی ہمیشہ جاری رہے گا، یہ سلسلہ کبھی منقطع نہ ہوگا۔ ممنون، مقطوع، کٹ جانا، ٹوٹ جانا، منقطع ہونا۔

۴؎ خالق کی زبان اپنی تخلیق کے شاہکار کی توصیف فرما رہی ہے۔ اس سے پوری طرح لطف اندوز ہونے کے لیے آپ کو ذرا صبر سے

کام لینا ہوگا۔ اس آیت کا ہر کلمہ اپنے اندر معانی و معارف کی ایک دنیا لیے ہوتے ہے' اس لیے ہر کلمہ کا وقت نظر سے مطالعہ کرنا پڑے گا تا کہ لطف خداوندی پردے کو سرکا دے اور شاہد معنی کی ایک جھلک نصیب ہو جائے۔

پہلے یہ سمجھیے کہ خُلق کس کو کہتے ہیں۔ امام فخرالدین رازی اس کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔ اَلْخُلُقُ مَلَكَةٌ نَفْسَانِيَّةٌ يَسْهُلُ عَلَى الْمُتَّصِفِ بِهَا الْاِتْيَانُ بِالْاَفْعَالِ الْجَمِيْلَةِ۔ یعنی خُلق نفس کے اس ملکہ اور استعداد کو کہتے ہیں جس میں وہ پایا جائے' اس کے لیے افعال جمیلہ اور خصال حمیدہ پر عمل پیرا ہونا آسان اور سہل ہو جائے۔ (کبیر)

پھر فرماتے ہیں کسی اچھے اور خوبصورت فعل کا کرنا الگ چیز ہے' لیکن اس کو سہولت اور آسانی سے کرنا الگ چیز ہے۔ کوئی کام خُلق اسی وقت کہلائے گا جب اس کے کرنے میں تکلف سے کام لینے کی نوبت نہ آئے۔ (کبیر) یعنی جس طرح آنکھ بے تکلف دیکھتی ہے' کان بے تکلف سنتے ہیں' زبان بے تکلف بولتی ہے اسی طرح سخاوت' شجاعت' حیا' حق گوئی' تقویٰ وغیرہ تجھ سے کسی تردد اور توقف کے بغیر صدور پذیر ہونے لگیں تو اس وقت ان امور کو تیرے اخلاق شمار کیا جائے گا۔

عظیم: بہت بڑا۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں۔ اي لَا يُدْرِكُ شَأْوَهٗ اَحَدٌ مِّنَ الْخَلْقِ۔ مخلوق میں سے جس کی سرعت رفتار یا عزم بلند کو کوئی نہ پا سکے اسے عظیم کہتے ہیں۔

علٰی استعلاء کے لیے ہے یعنی کسی پر حاوی ہونا' چھا جانا اور قابو پا لینے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ آیت یوں نہیں ہے وَاِنَّ لَكَ خُلُقًا عَظِيْمًا بلکہ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اخلاق حمیدہ اور افعال پسندیدہ پر حضورؐ کا قبضہ ہے' یہ سب زیر فرمان ہیں۔ یہ سب مرکب ہیں حضورؐ ان کے راکب اور شہسوار ہیں۔ اس لیے حضورؐ کو ان امور کے لیے کسی تکلف اور بناوٹ کی ضرورت نہیں۔ آئینہ ذات محمدی سے صفات محمدیہ اور کمالات احمدیہ کی کرنیں خود بخود پھوٹتی رہتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی حکم دیا قل لا اسئلكم عليه اجرا وما انا من المتكلفين۔ اے حبیب! آپ اعلان کر دیں کہ میں تم لوگوں سے نہ کسی اجر کا مطالبہ کرتا ہوں اور نہ میں تکلف اور بناوٹ کرنے والوں میں سے ہوں۔

انك لعلى خلق عظيم فرما کر بتا دیا کہ حضورؐ کی ذات تمام کمالات کی جامع ہے۔ وہ کمالات جو پہلے نبیوں اور رسولوں میں متفرق طور پر پائے جاتے تھے' وہ مجموعی طور پر اپنی تمام جلوہ سامانیوں اور اپنی جملہ رعنائیوں کے ساتھ اس ذات اقدس و اطہر میں موجود ہیں۔ شکر نوح' خُلت ابراہیم' اخلاص موسیٰ' صدق اسماعیل' صبر یعقوب' تواضع سلیمان علیہم الصلوٰۃ والسلام سب یہاں جمع ہیں۔

حُسنِ یوسف، دمِ عیسیٰ، یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

امام شرف الدین بوصیری نے اپنے مخصوص انداز میں کیا خوب فرمایا ہے۔

فَاقَ النَّبِيِّيْنَ فِيْ خَلْقٍ وَّفِيْ خُلُقٍ
وَلَمْ يُدَانُوْهُ فِيْ عِلْمٍ وَّلَا كَرَمِ

فَاِنَّهٗ شَمْسُ فَضْلٍ هُمْ كَوَاكِبُهَا
يُظْهِرْنَ اَنْوَارَهَا لِلنَّاسِ فِي الظُّلَمِ

یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی ظاہری شکل و صورت اور سیرت و اخلاق کے اعتبار سے تمام انبیاء سے برتر ہیں۔ کوئی نبی آپ کے مقام علم اور شان کرم کے قریب بھی نہیں پہنچ سکتا۔ حضورؐ کی ذات بزرگی کا آفتاب ہے۔ سارے انبیاء آپ کے ستارے ہیں اور وہ ستارے عہد جاہلیت کے اندھیروں میں آپ کے انوار اور تابانیوں کو ظاہر کرتے رہے ہیں۔

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جب کسی نے خلقِ مصطفوی کے بارے میں پوچھا تو آپ نے مختصر اور جامع جواب دیا کان خلقہ القرآن۔ حضور کا خلق قرآن تھا یعنی جن محاسن اوصاف اور مکارم اخلاق کو اپنانے کا قرآن نے حکم دیا ہے حضور ان سے کمال درجہ متصف تھے اور جن لغو باتوں اور فضول کاموں سے بچنے کی ترغیب دی ہے حضور ان سے پوری طرح منزہ و مبرا تھے۔ ایک دوسرے شخص نے جب یہی سوال کیا تو ام المومنین نے فرمایا سورۃ المومنون کی پہلی دس آیتیں پڑھ لو۔ ان میں ہی حضور کے خلق کی صحیح تصویر ہے۔

محمد بن حکیم ترمذی قدس سرہ فرماتے ہیں: "ہیچ خلق بزرگ تر از خلق محمد علیہ الصلوۃ والسلام نبودہ چہ از مشیت خود دست باز داشت و خود را کلی با حق گزاشت"۔

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے خلق سے کسی کا خلق اعلیٰ نہیں کیونکہ حضور اپنی مرضی اور مشیت سے دستکش ہو گئے اور اپنے آپ کو کلیۃً حق تعالیٰ کے سپرد کر دیا۔

امام قشیری کا ارشاد ہے: "نہ از بلا منحرف شد و نہ از عطا منصرف گشت۔" (روح البیان) یعنی نہ آلام و مصائب کے باعث شاہدِ حقیقی سے منہ موڑا اور نہ جود و عطا سے دامن بھر لینے کے بعد اس سے بے رخی برتی۔

حضرت جنیدؒ کی رائے ملاحظہ ہو: سُمِّيَ خُلُقُهٗ عَظِيمًا لِأَنَّهٗ لَمْ تَكُنْ لَهٗ هِمَّةٌ سِوَى اللّٰهِ تَعَالٰى (قرطبی) حضور کے خلق کو عظیم اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بغیر حضور کی کوئی خواہش نہ تھی۔

حضرت حسانؓ نے کیا خوب ترجمانی کی ہے۔ ؎

لَهٗ هِمَمٌ لَا مُنْتَهٰى لِكِبَارِهَا وَهِمَّتُهُ الصُّغْرٰى أَجَلُّ مِنَ الدَّهْرِ

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہمتیں اور حوصلے بے شمار ہیں۔ جو ان میں سے بڑے حوصلے ہیں ان کی تو حد ہی نہیں حضورؐ کی چھوٹی سے چھوٹی ہمت اور حوصلہ زمانہ سے بزرگ تر ہے۔

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے أَدَّبَنِي رَبِّي تَأْدِيبًا حَسَنًا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ادب سکھایا اور اس کا ادب سکھانا بہت خوب تھا۔

جب اس عبد کریم کا مؤدب، مربی اور معلم خود رب العالمین ہے تو پھر اس تلمیذ ارشد کے حسن ادب، حسن تربیت اور کمال علم کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے لگاتار دس سال حضور کی خدمت کی۔ حضور نے مجھے کبھی اُف نہیں کہا۔ جو کام میں نے کیا اس کے متعلق کبھی یہ نہیں فرمایا کہ تُو نے کیوں کیا اور جو کام نہیں کیا اس کے متعلق کبھی نہیں پوچھا کہ کیوں نہیں کیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حسن و جمال میں بھی تمام لوگوں سے برتر تھے۔ میں نے کسی اطلس یا ریشم کو حضور کی ہتھیلیوں سے زیادہ نرم نہیں پایا۔ کوئی مشک کوئی عطر حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے پسینے سے زیادہ خوشبودار میں نے نہیں سونگھا۔

شاہ خوباں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صرف خود ہی سراپا کمال، پیکر جمال کے پیکر رعنا اور تصویر جمیل نہ تھے بلکہ اپنے نیاز مندوں کو بھی ان نعمتوں سے مالا مال کر دیا۔ ان کی ایسی تربیت فرمائی کہ آنے والی نسل انسانی کے لیے وہ ایک دلکش نمونہ بن گئے۔ بے شمار ارشادات نبوی میں سے

صرف چند آپ بھی سنیے جن میں صحابہ کرام کو اخلاقِ حسنہ کی تلقین فرمائی گئی ہے۔

(۱) عن ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اتق اللہ حیثما کنت واتبع السیئۃ الحسنۃ تمحھا وخالق الناس بخلق حسن۔ (ترمذی حسن صحیح)

حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا اے ابوذر! تم جہاں بھی ہو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ کوئی گناہ ہو جائے تو اس کے فوراً بعد نیکی کرو۔ وہ نیکی اس گناہ کو مٹا دے گی۔ اور لوگوں کے ساتھ حُسنِ خلق سے پیش آیا کرو۔

(۲) عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم قال ما من شیئ اثقل فی میزان المومن یوم القیامۃ من خلق حسن۔ وان اللہ تعالیٰ لیبغض الفاحش البذی۔ فرمایا قیامت کے دن مومن کے میزان میں حُسنِ خلق سے زیادہ وزنی اور کوئی چیز نہ ہوگی اور اللہ تعالیٰ فحش کلام کرنے والے بدزبان سے بغض رکھتا ہے۔

(۳) وعنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم یقول ما من شیئ یوضع فی المیزان اثقل من حسن الخلق وان صاحب حسن الخلق لیبلغ بہ درجۃ صاحب الصلوٰۃ والصوم۔ فرمایا میزانِ عمل میں جتنی چیزیں رکھی جائیں گی ان میں حُسنِ خلق زیادہ وزنی ہوگا اور اچھے اخلاق کا مالک اپنے حُسنِ خلق کے باعث نماز پڑھنے والے، روزہ رکھنے والے کے مرتبہ کو پا لیتا ہے۔

مندرجہ ذیل حدیث خصوصی توجہ سے پڑھیے:

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال ان من احبکم الی واقربکم منی مجلسا یوم القیامۃ احاسنکم اخلاقا . . . قال ان ابغضکم الی وابعدکم منی مجلسا یوم القیامۃ الثرثارون والمتشدقون والمتفیھقون قالوا یا رسول اللہ قد علمنا الثرثارون والمتشدقون فما المتفیھقون قال المتکبرون۔

ترجمہ: حضرت جابر سے مروی ہے حضور نے فرمایا میرے نزدیک تم میں سب سے زیادہ محبوب اور روزِ قیامت تم میں مجھ سے سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہوں گے جن کے اخلاق اچھے ہوں گے۔ پھر فرمایا میرے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ ناپسندیدہ اور قیامت کے دن تم میں سے مجھ سے سب سے زیادہ دور رہنے والے وہ باتیں کرنے والے، زبان دراز اور متفیھقون ہوں گے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! پہلے دو لفظوں کا مطلب ہماری سمجھ میں آ گیا، تیسرے لفظ کا کیا مطلب ہے۔ فرمایا متکبر لوگ۔

رُوح البیان میں علامہ اسماعیل حقی نے یہ حدیث نقل کی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک خُلق کی تین سو ساٹھ صورتیں ہیں جس میں توحید کے ساتھ ان میں سے ایک صورت بھی پائی گئی وہ جنت میں داخل ہوگا۔ قال ابوبکر رضی اللہ عنہ ھل فی منھا یا رسول اللہ؟ صدیق نے عرض کی یا رسول اللہ! ان میں سے کوئی چیز مجھ میں بھی پائی جاتی ہے؟ قال کلھا فیک یا ابابکر و احبھا الی اللہ السخاء۔ حضور نے فرمایا اے ابوبکر تم میں حُسنِ خلق کی سب کی سب صورتیں موجود ہیں اور ان میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک سخاوت بہت محبوب ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل ہمیں بھی اخلاقِ حسنہ کی نعمت سے سرفراز فرمائے۔ آمین ثم آمین!

فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ۝٥ بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ ۝٦ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ

عنقریب آپ بھی دیکھیں گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں سے دواقعی مجنون کون ہے ۝ بیشک آپ کا رب خوب جانتا ہے

بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝٧ فَلَا تُطِعِ

ان کو جو اس کی راہ سے بھٹک گئے ہیں اور انھیں بھی خوب جانتا ہے جو ہدایت یافتہ ہیں ۝ پس آپ بات نہ مانیں

الْمُكَذِّبِيْنَ ۝٨ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ۝٩ وَلَا تُطِعْ كُلَّ

ان جھٹلانے والوں کی۔ وہ تو تمنا کرتے ہیں کہ کہیں آپ نرمی اختیار کریں تو وہ بھی نرم پڑجائیں ۝ اور نہ بات مانیے کسی (جھوٹی) قسمیں

۵ حضرت ابن عباسؓ اس آیت کا معنی بیان کرتے ہیں: فستعلم ویعلمون یوم القیامۃ۔ یعنی آج تو تم جو جی میں آتا ہے کہہ دیتے ہو۔ حقیقت سے پردہ اس وقت اٹھے گا جب حشر بپا ہوگا اس روز تمہیں پتہ چلے گا کہ دیوانہ کون تھا۔ خدا کو وحدہٗ لاشریک لہٗ ماننے والا، اس کے احکام کی تعمیل کرنے والا، اس سے ہر وقت ڈرنے والا، یا بتوں کی پوجا کرنے والے، نفس امارہ کی فرمانبرداری کرنے والے، قیامت کا انکار کرنے والے۔

المفتون، المجنون الذی فتنہ الشیطان۔ یعنی وہ دیوانہ جس کو شیطان نے گمراہ کر دیا ہو۔

۶ آپ کا اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ راہِ حق سے کون منحرف ہوگیا اور صراطِ مستقیم پر ہمت و جوانمردی سے کون قدم بڑھاتا ہوا منزل کی طرف جا رہا ہے۔ نہ اسے اپنے آرام کا خیال ہے، نہ اسے لوگوں کی مخالفت کا اندیشہ ہے، نہ مصائب و آلام سے گھبراتا ہے، نہ طولِ سفر اور بُعدِ منزل سے دل برداشتہ ہوتا ہے۔ جب دونوں فریقوں کے حالات سے وہ واقف ہے تو ہر ایک کو ان کو مناسب حال جزا بھی دے گا۔

۷ علامہ جوہری لکھتے ہیں اودُّ، وَدًّا و وُدًّا ای تمنیت (صحاح) یعنی تمنا کرنا۔ الادھان، التلیین لمن لاینبغی لہ التلیین۔ یعنی اس کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا جو ایسے برتاؤ کے قابل نہ ہو۔

کفار کی آرزو تمنا ہے کہ آپ دعوتِ حق اور ردِ شرک میں کچھ نرمی اختیار کریں تو وہ بھی آپ کی مخالفت میں سختی ترک کر دیں گے۔ چنانچہ ان نادانوں نے نبی برحق کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ آؤ اس آئے روز کی مخالفت کو چھوڑ دیں، باہم مصالحت کرلیں۔ چند روز آپ (معاذ اللہ) ہمارے خداؤں کو پوج لیا کریں اور چند روز ہم آپ کے خدائے ذوالجلال کی عبادت کر لیا کریں گے۔ اسلام اس دورنگی کو کب برداشت کر سکتا ہے۔ اس سے صاف منع کر دیا۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔

حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ﴿۱۰﴾ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيْمٍ ﴿۱۱﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ

کھانے والے ذلیل شخص کی جو بہت نکتہ چین، چغلیاں کھاتا پھرتا ہے، سخت منع کرنے والا بھلائی سے، حد سے بڑھا ہوا،

اَثِيْمٍ ﴿۱۲﴾ عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ﴿۱۳﴾ اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۱۴﴾

بدکار ہے۔ اکھڑ مزاج ہے اس کے علاوہ بداصل ہے ۸ یہ غرور و سرکشی اس لیے کہ وہ مالدار اور صاحب اولاد ہے ۹

اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۵﴾ سَنَسِمُهٗ عَلَى

جب پڑھی جاتی ہیں اس کے سامنے ہماری آیتیں تو کہتا ہے کہ یہ تو پہلے لوگوں کے افسانے ہیں۔ ہم بہت جلد اس کی سونڈ پر

الْخُرْطُوْمِ ﴿۱۶﴾ اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اِذْ اَقْسَمُوْا

داغ لگائیں گے ۱۰ ہم نے ان (مکہ والوں) کو بھی آزمایا جیسے ہم نے آزمایا تھا باغ والوں کو ۱۱ جب انہوں نے قسم اٹھائی کہ وہ

۸ ان آیات میں دس عیوب شمار کیے گئے ہیں۔ عام لوگوں میں ان عیوب میں سے دو چار کا پایا جانا تو ممکن ہے لیکن سب میں ان تمام عیوب کا بیک وقت پایا جانا محال نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ چنانچہ علمائے کرام نے لکھا ہے کہ ان آیات میں ایک خاص شخص کا ذکر ہو رہا ہے جس میں یہ تمام نقائص بدرجہ اتم موجود تھے۔ وہ شخص کون تھا؟ اس سلسلہ میں تین کافروں کا نام لیا جاتا ہے۔ ولید بن مغیرہ، اسود بن عبد یغوث اور اخنس بن شریق۔ اکثر کے نزدیک ولید بن مغیرہ مراد ہے۔

مشکل الفاظ کے معانی: حَلَّافٍ: کثیر الحلف بالباطل کثرت سے جھوٹی قسمیں کھانے والا۔ مَهِيْنٍ: رجل حقیر، حقیر اور ذلیل آدمی۔ هَمَّازٍ والهامز: العیاب، عیب جو، نکتہ چیں۔ مَشَّآءٍۭ بِنَمِيْمٍ: جو چغلی کھانے کے لیے بکثرت چلتا پھرتا ہے۔ مُعْتَدٍ: متجاوز الحد، حد سے تجاوز کرنے والا۔ اَثِيْمٍ: کثیر الاثم، بڑا بدکار۔ عُتُلٍّ: الجافی الغلیظ۔ اکھڑ مزاج۔ الزنیم: الملصق بالقوم الدعی۔ یعنی جو اس قوم سے نہ ہو لیکن زبردستی اسے اس میں شامل کیا گیا ہو۔

۹ وہ کمینہ اور رذیل شخص بارگاہ رسالت میں اس لیے گستاخی کی جرأت کرتا ہے کہ اس کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہے اور اس کے بہت سے بیٹے ہیں اور جب اسے میرا رسول میری آیتیں سناتا ہے تو بڑی بے حیائی سے کہتا ہے کہ یہ خدا کا کلام نہیں، پہلے لوگوں کے من گھڑت قصے کہانیاں ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں۔ ہماری بزم عیش و طرب کو مکدر کرنے کے لیے یہ صاحب خواہ مخواہ یہ افسانے سنانے لگتے ہیں۔

۱۰ ہم ضرور اس کی سونڈ جیسی قبیح ناک پر داغ لگائیں گے۔ ہر دیکھنے والا اس داغدار ناک والے کو دیکھ کر سمجھ جائے گا کہ مجسم شر بجسم شقاوت یہ صاحب ہیں۔ جنگ بدر میں اس کی تھوتھنی پر تلوار کا ایک نشان لگا جو آخر دم تک رہا۔

۱۱ رؤسائے قریش اور سرداران مکہ سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مخالفت اور عداوت میں پیش پیش تھے ان کے بارے

میں فرمایا جا رہا ہے کہ ہم نے انہیں فراواں دولت بخشی ہے۔ صاحب اولاد ہیں۔ کعبہ کے متولی ہونے کی وجہ سے اہل عرب ان کی دل سے عزت کرتے ہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ یہ لوگ ان نعمتوں کا شکر ادا کرتے، ہمارے نبی کی دعوت کو قبول کرتے لیکن یہ لوگ اس آزمائش میں پورے نہ اترے اس امتحان میں ناکام ہو گئے۔ انہوں نے شرک کرنا شروع کر دیا۔ ہمارے نبی پر طرح طرح کے آوازے کسنے لگے، ہمارے کلام کو اساطیر الاولین کہا۔ ان سے پہلے بھی کئی لوگ گزرے ہیں۔ جب ہم نے اپنے انعامات سے ان کی آزمائش کی اور وہ آزمائش میں ناکام ہو گئے تو ہم نے ان سے وہ نعمتیں یکایک سلب کر لیں اور وہ ہمیشہ کے لیے قعر ذلت میں گرا دیے گئے۔ اگر مکہ کے یہ رئیس باز نہ آئے تو ان کا انجام بھی سابقہ ناشکروں کا سا ہو گا، چنانچہ ایک ایسی ہی جماعت کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ یمن میں صنعاء کے قریب ایک نیک آدمی رہتا تھا۔ اس نے اپنی زمین میں باغ لگا رکھا تھا۔ وہ اس باغ سے بڑی دریا دلی سے غریبوں مسکینوں کی خدمت کیا کرتا۔ وہ فوت ہو گیا اور اپنے پیچھے تین بیٹے چھوڑ گیا۔ بدقسمتی سے ان کے ذہن مادیت گزیدہ تھے۔ وہ آپس میں کہنے لگے کہ والد صاحب کے زمانے میں مال با فراط تھا اور اخراجات برائے نام تھے۔ اب ہم تین ہیں۔ ہمارا کثیر بال بچہ ہے۔ اخراجات بہت بڑھ گئے ہیں۔ آمدنی وہی سابقہ ہے۔ اب اس کے بغیر چارہ نہیں کہ خیرات و صدقات کا جو دروازہ ہمارے والد صاحب نے کھول رکھا تھا اسے بند کر دیا جائے۔ اپنے گاڑھے پسینہ کی کمائی ان مفت خوروں میں نہ لٹائی جائے۔ ورنہ افلاس و غربت کی دلدل میں پھنس جاؤ گے۔ چنانچہ انہوں نے اپنا یہ معمول بنا لیا کہ فصل بہت سویرے اندھیرے میں برداشت کرتے جبکہ کسی سائل کے آنے کا کوئی امکان بھی نہیں ہوتا تھا۔

ایک دفعہ ان کے باغ کا پھل پک کر تیار ہو گیا۔ انہوں نے اس کو کاٹنے کا پروگرام بنایا۔ رات کو مشورہ کر کے یہ طے کیا کہ منہ اندھیرے جائیں گے اور سویرے سویرے پھل توڑ لیں گے۔ انہوں نے انشاء اللہ کہنا بھی گوارا نہ کیا۔ جن کی آنکھ پہلے کھلی انہوں نے سونے والوں کو جگایا اور جلدی جلدی اپنے باغ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں چپکے چپکے ایک دوسرے کو تاکید کرنے لگے کہ دیکھو آج تمہارے باغ میں کوئی غریب مسکین داخل نہ ہونے پائے۔ یہ لوگ خواہ مخواہ تنگ کرتے ہیں۔ مفت میں جھولیاں بھر کر لے جاتے ہیں۔ اس سے ہمیں بڑا نقصان ہوتا ہے جب باغ کے قریب پہنچے تو وہاں منظر ہی اور تھا۔ ہرے بھرے درختوں اور پھلوں سے لدی ہوئی ٹہنیوں کے بجائے سیاہ ٹنڈ منڈ دکھائی دیے جیسے کسی نے باغ کو جلا کر راکھ کر دیا ہو۔ پہلے کچھ ٹھٹکے۔ خیال گزرا ہم راہ بھول گئے ہیں اور غلطی سے کسی اور جگہ پہنچ گئے ہیں۔ لیکن جب غور سے دیکھا تو چیخ نکل گئی۔ ہائے ہماری قسمت پھوٹ گئی، ہمارا باغ برباد ہو گیا۔ ان میں سے جو قدرے سیانا تھا اس نے کہا کہ میں تو تمہیں بار بار نصیحت کرتا تھا کہ اللہ عزوجل کی حمد و تسبیح کرو، اس کے دیے ہوئے رزق میں سے غریبوں اور مسکینوں کو خوشی خوشی ان کا حق دو، لیکن تم نے میری ایک نہ مانی۔ اب پچھتاؤ اپنے کیے کا مزا۔ اس وقت ان کی آنکھیں کھلیں اور انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا اور ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے کہ تیرے غلط مشورے نے ہمیں اس انجام سے دوچار کیا ہے۔

ان آیات کے وضاحت طلب کلمات: وَلَا يَسْتَثْنُونَ: انہوں نے انشاء اللہ نہ کہا۔ طائف سے مراد عذاب الٰہی ہے جو راتوں رات آیا اور ان کے ہرے بھرے باغ کو خاک سیاہ کر گیا۔ صریم کے کئی معنی مذکور ہیں۔ الصریم اللکدس المصروح من الزرع، کٹی ہوئی فصل کا گٹھا۔ صریم، الرماد الاسود۔ سیاہ راکھ۔ ریت کا وہ ڈھیر جسے الگ کر دیا گیا ہو۔

لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِينَ ﴿١٧﴾ وَلَا يَسْتَثْنُونَ ﴿١٨﴾ فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ

ضرور توڑ لیں گے اس کا پھل صبح سویرے۔ اور انہوں نے انشاء اللہ بھی نہ کہا۔ پس پھر لگا گیا اس باغ پر ایک چکر لگانے والا

مِّن رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُونَ ﴿١٩﴾ فَأَصْبَحَتْ كَالصَّرِيمِ ﴿٢٠﴾ فَتَنَادَوْا

آپ کے رب کی طرف سے دراں حالیکہ وہ سوئے ہوئے تھے۔ چنانچہ (اس کا) باغ کٹے ہوئے کھیت کی مانند ہو گیا۔ پھر انہوں نے ایک دوسرے

مُصْبِحِينَ ﴿٢١﴾ أَنِ اغْدُوا عَلَىٰ حَرْثِكُمْ إِن كُنتُمْ صَارِمِينَ ﴿٢٢﴾

کو پکارا صبح سویرے۔ کہ سویرے سویرے اپنے کھیت کی طرف چلو اگر تم پھل توڑنا چاہتے ہو۔

فَانطَلَقُوا وَهُمْ يَتَخَافَتُونَ ﴿٢٣﴾ أَن لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُم

سو وہ چل پڑے اور ایک دوسرے کو چپکے چپکے کہتے جاتے کہ (خبردار!) اس باغ میں ہرگز داخل نہ ہو آج تم پر

مِّسْكِينٌ ﴿٢٤﴾ وَغَدَوْا عَلَىٰ حَرْدٍ قَادِرِينَ ﴿٢٥﴾ فَلَمَّا رَأَوْهَا قَالُوٓا إِنَّا

کوئی مسکین۔ اور تڑکے چلے (یہ سمجھتے ہوئے) کہ وہ اس ارادہ پر قادر ہیں ۱۲؎ پھر جب باغ کو دیکھا تو کہنے لگے (شاید) ہم

لَضَآلُّونَ ﴿٢٦﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ﴿٢٧﴾ قَالَ أَوْسَطُهُمْ أَلَمْ أَقُل

راستہ بھول گئے۔ نہیں نہیں ہماری تو قسمت پھوٹ گئی۔ ان میں جو زیرک تھا بول اٹھا کہ کیا میں تمہیں

لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُونَ ﴿٢٨﴾ قَالُوا سُبْحَانَ رَبِّنَآ إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿٢٩﴾

کہتا نہ تھا کہ تم (اس کی) تسبیح کیوں نہیں کرتے۔ کہنے لگے پاک ہے ہمارا رب، بے شک ہم ہی ظالم تھے۔

۱۲؎ اس کی تشریح توجہ طلب ہے۔ حرد کا معنی قصد، ارادہ ہے۔ یعنی انہوں نے جو یہ ارادہ کیا تھا کہ آج کسی غریب کو باغ میں داخل نہیں ہونے دیں گے اور باغ کا پھل کاٹیں گے۔ وہ یہ خیال کر رہے تھے کہ جو ارادہ اور قصد ہم نے کیا ہے ہم اس کو عملی جامہ پہنانے کی قدرت رکھتے ہیں۔ اَوْسَطُهُمْ کا معنی یا تو منجھلا بھائی ہے یا اَعْقَلُهُمْ، ان میں سب سے زیادہ زیرک اور عقل مند۔

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا

پھر ایک دوسرے کی طرف منہ کر کے ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے۔ کہنے لگے تف ہے ہم پر ہم

كُنَّا طٰغِيْنَ ﴿۳۱﴾ عَسٰى رَبُّنَآ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا

ہی سرکش تھے۔ امید ہے کہ ہمارا رب ہمیں (اس کا) بدلہ دے گا جو بہتر ہو گا اس سے، ہم (اب) اپنے رب کی طرف

رٰغِبُوْنَ ﴿۳۲﴾ كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا

رجوع کرنے والے ہیں ۱۳؎ (دیکھ لیا) ایسا ہوتا ہے عذاب۔ اور آخرت کا عذاب تو بہت بڑا ہے ۱۴؎ کاش! یہ لوگ

يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۳۴﴾

(اس حقیقت کو) جانتے۔ بے شک پرہیزگاروں کے لیے اپنے رب کے پاس نعمتوں بھری جنتیں ہیں۔

اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۳۵﴾ مَا لَكُمْ ۣ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۶﴾

کیا ہم فرمانبرداروں کا حال مجرموں کا سا کر دیں گے۔ تمہیں کیا ہو گیا۔ تم کیسے فیصلے کرتے ہو ۱۵؎

۱۳؎ جب انہوں نے اپنے باغ کی یہ حالت دیکھی تو غفلت کی پٹی آنکھوں سے اتر گئی۔ انہیں یقین آ گیا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں دینے سے نقصان نہیں ہوتا بلکہ اس کی راہ میں خرچ نہ کرنے سے انسان اپنی تباہی کا سامان کرتا ہے۔ چنانچہ وہ صدق دل سے توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف راغب ہوئے۔ اس کریم نے ان کی توقع سے بھی زیادہ اور بہت جلد انہیں اس کا نعم البدل عطا فرما دیا۔

۱۴؎ کذٰلک: مبتدائے مؤخر کی خبر ہے۔ یعنی جو شکر نہیں کرتا دنیا میں ہم اس کو یوں سزا دیتے ہیں۔ کفرانِ نعمت پر جو عذاب انہیں قیامت کے دن ملے گا اس کا تو اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔

۱۵؎ کفار، اہل ایمان کو کہا کرتے کہ تم ہمیں قیامت سے خواہ مخواہ ڈرایا کرتے ہو۔ پہلے تو قیامت کا آنا ہی عقلاً محال ہے اور اگر بالفرض قیامت آ بھی گئی تو اس سے تم کو ڈرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح اپنے انعامات، دولت، عزت، شہرت، اولاد وغیرہ سے ہمیں یہاں نوازا ہے، وہاں بھی ہمیں ہی اپنی رحمتوں سے سرفراز کرے گا اور جس طرح تم یہاں محرومی اور عسرت کی زندگی بسر کر رہے ہو قیامت کے روز بھی تمہارا یہی حال ہو گا۔ ان کے اس زعم باطل کی تردید کی جا رہی ہے۔ تمہارا یہ خیال سراسر جہالت اور حماقت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی تو نہیں کہ فرمانبردار اور نافرمان میں امتیاز ہی نہ کرے کہ جو لوگ ساری عمر اس سے ڈرتے رہے، اس کے ہر حکم کی تعمیل کرتے رہے انہیں تو وہ اپنی مہربانیوں سے محروم کر دے اور فاسقوں، فاجروں کو ان کے کفر اور کفرانِ نعمت کی یہ جزا دے کہ انہیں جنت میں داخل کر دے۔ اللہ تعالیٰ

أَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيهِ تَدْرُسُوْنَ ﴿٣٧﴾ إِنَّ لَكُمْ فِيهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ ﴿٣٨﴾ أَمْ

کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں تم پڑھتے ہو کہ تمہارے لیے اس میں ایسی چیزیں ہیں جن کو تم پسند کرتے ہو ۱۵ کیا

لَكُمْ أَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ إِنَّ لَكُمْ لَمَا

تمہارے لیے قسمیں ہم پر (لازم) ہیں جو باقی رہنے والی ہیں قیامت تک کہ تمہیں وہی ملے گا جو تم

تَحْكُمُوْنَ ﴿٣٩﴾ سَلْهُمْ أَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيمٌ ﴿٤٠﴾ أَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ

حکم کرو گے۔ ان سے پوچھیے ان میں سے کون ان (بے سروپا) باتوں کا ضامن ہے۔ کیا ان کے پاس کوئی گواہ ہیں۔

فَلْيَأْتُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ إِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿٤١﴾ يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ

اگر ہیں تو پھر پیش کریں اپنے گواہوں کو ۱۷ اگر وہ سچے ہیں۔ جس روز پردہ اٹھایا جائے گا

سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿٤٢﴾ خَاشِعَةً

ایک ساق سے اور ان (نابکاروں) کو سجدہ کی دعوت دی جائے گی تو اس وقت وہ سجدہ نہ کر سکیں گے ۱۸ ندامت سے جھکی ہوں گی

ع ۵

کے ہاں انصاف ہے، دھاندلی اور اندھیر نہیں۔ کیا تمہاری عقلیں تمہارے اس گمان کی تصدیق کرتی ہیں کہ فرمانبرداروں اور نافرمانوں کے ساتھ یکساں سلوک کیا جائے گا۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے کتنے نامعقول فیصلے تم کر رہے ہو۔

۱۶۔ تمہارے پاس کوئی عقلی دلیل تو ہے نہیں جس سے اس زعم باطل کی تصدیق ہو سکے۔ تمہارے پاس اگر کوئی نقلی دلیل ہے تو وہ پیش کرو۔ کیا کسی آسمانی کتاب کا حوالہ پیش کر سکتے ہو جہاں لکھا ہو کہ فرمانبرداروں اور سرکشوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کیا جائے گا۔ یا اس کتاب میں کہیں یہ لکھا ہوا دکھا دو کہ بارگاہ الٰہی سے تمہیں صرف وہی چیزیں ملیں گی جو تم پسند کرو گے۔ جب تمہارے پاس نہ عقلی دلیل ہے اور نہ نقلی تو پھر تم کس بنا پر اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہو۔

۱۷۔ ابھی یہ احتمال باقی تھا کہ وہ کہیں کہ زبانی زبانی ہمارے ساتھ خدا کے عہد و پیمان ہو چکے ہیں کہ وہ ہمیں کوئی عذاب نہ دے گا۔ اس احتمال کو بھی یہ فرما کر ختم کر دیا کہ اگر کوئی ایسا باہمی معاہدہ طے پا چکا ہے تو کوئی ضامن پیش کرو یا گواہ لاؤ جن کے روبرو یہ معاہدہ ہوا۔ الزعیم، الکفیل والضمین۔ کفیل اور ضامن۔ شرکاء ای شہداء، گواہ۔ (قرطبی)

۱۸۔ جب کوئی سخت تکلیف دہ اور مصیبت کا وقت آ جاتا ہے تو اہل عرب یہ محاورہ استعمال کرتے ہیں۔ جب گھمسان کی لڑائی شروع ہو جاتی ہے تو کہتے ہیں۔ شَمَّرَتِ الْحَرْبُ عَنْ سَاقِهَا۔ جنگ نے اپنی پنڈلی سے تہبند اوپر اٹھا لیا۔ راجز کہتا ہے۔

أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۖ وَقَدْ كَانُوا يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ

ان کی آنکھیں ان پر ذلت چھا رہی ہوگی۔ حالانکہ انہیں (دنیا میں) بلایا جاتا تھا سجدہ کی طرف

وَهُمْ سَالِمُونَ ﴿٤٣﴾ فَذَرْنِي وَمَنْ يُكَذِّبُ بِهَٰذَا الْحَدِيثِ ۖ

جبکہ وہ صحیح سلامت تھے ۱۹ پس (اے حبیب!) آپ چھوڑ دیجیے مجھے اور اسے جو اس کتاب کو جھٹلاتا ہے ۲۰

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٤٤﴾ وَأُمْلِي لَهُمْ ۚ إِنَّ

ہم انہیں بتدریج تباہی کی طرف لے جائیں گے اس طرح کہ انہیں علم تک نہ ہوگا ۲۱ اور میں نے دیدہ دست، انہیں مہلت دے رکھی ہے۔

قد کشفت عن ساقہا فشدوا وجدت الحرب بکم فجدوا

اے بہادرو! لڑائی نے اپنی پنڈلی ننگی کر دی ہے تو سب زور سے حملہ کرو جنگ زوروں پر ہے۔ اب تم بھی سنجیدگی سے داد شجاعت دو۔

جس سال قحط انتہا کو پہنچ جائے اس کا ذکر یوں کرتے ہیں فی سنۃ قد کشفت عن ساقہا یعنی اس سال کی بات ہے جس نے اپنی پنڈلی ننگی کر دی۔ اس محاورہ کے مطابق آیت کا معنی ہوگا روز قیامت جب حالات بڑے تکلیف دہ اور ہولناک ہو جائیں گے اور ہر شخص جلال خداوندی سے لرزہ براندام ہوگا، چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی ہوں گی، دل خوف سے دھڑک رہے ہوں گے۔ اس وقت لوگوں کے ایمان یا کفر، خلوص یا نفاق کو آشکارا کرنے کے لیے انہیں حکم دیا جائے گا کہ آؤ سب اپنے رب کو سجدہ کرو۔ جن کے دلوں میں ایمان اور اخلاص ہوگا وہ تو فوراً سربسجود ہو جائیں گے لیکن کفار و منافق بہت زور لگائیں گے کہ سجدہ کریں اور خون لگا کر شہیدوں میں شامل ہو جائیں، لیکن ان کی کمر اکڑ جائے گی۔ بڑی کوشش کے باوجود سجدہ نہ کر سکیں گے۔ اس رسوائی پر آنکھیں جھک جائیں گی، سب کے سامنے ان کے کفر و نفاق کو ظاہر کر دیا گیا۔ ان کے کھوکھلے دعووں کا بھانڈا چوراہے میں پھوٹ گیا۔ ذلت و رسوائی کی گرد ان کے چہروں پر پڑ رہی ہوگی۔

۱۹ آج وہ سجدہ کرنے سے کیوں محروم کر دیئے گئے، اس کی وجہ بتا دی کہ جب دنیا میں وہ صحیح و سالم تھے انہیں کہا گیا کہ سجدہ کرو، لیکن سجدہ کی توفیق نہ ہوئی، اسی حکم عدولی کی پاداش میں آج ان سے سجدہ کرنے کی قوت سلب کر لی گئی ہے۔

۲۰ اے محبوب! آپ انہیں میرے حوالے کر دیجیے، میں ان سے نپٹ لوں گا۔ آپ کو ان کے بارے میں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔

۲۱ بسا اوقات انسان غلطی کرتا ہے تو اسے کسی تکلیف میں مبتلا کر دیا جاتا ہے جس سے اس کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور وہ توبہ کر لیتا ہے لیکن بعض بدکاروں کے ساتھ عجیب طرح کا معاملہ کیا جاتا ہے۔ وہ جتنے گناہ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم کی جناب میں جتنی گستاخیاں اور بے ادبیاں کرتے ہیں، ان کی دولت، ان کی شہرت، ان کی عزت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اور وہ کمبخت اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں یہ عین صواب ہے۔ یہاں تک کہ موت کا فرشتہ ان کو موت کا جام پلا دیتا ہے۔ اس وقت ان کی آنکھیں کھلتی ہیں، تو اپنے آپ کو وہ عذاب الٰہی میں گرفتار پاتے ہیں۔ مجرموں اور نابکاروں کے ساتھ اس قسم کے سلوک کو قرآن کریم نے استدراج کہا ہے۔

كَيْدِي مَتِينٌ ﴿٤٥﴾ أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُم مِّن مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُونَ ﴿٤٦﴾

میری خفیہ تدبیر بڑی پختہ ہے ۲۲؎ کیا آپ ان سے کچھ اجرت مانگتے ہیں پس وہ اس تاوان کے بوجھ سے دبے جاتے ہیں۔

أَمْ عِندَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُونَ ﴿٤٧﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَ

کیا ان کے پاس غیب کی خبر آتی ہے اور وہ اس کو لکھ لیتے ہیں ۲۳؎ پس انتظار فرمائیے اپنے رب کے حکم کا اور

لَا تَكُن كَصَاحِبِ الْحُوتِ إِذْ نَادَىٰ وَهُوَ مَكْظُومٌ ﴿٤٨﴾ لَوْلَا أَن

نہ ہو جائیے مچھلی والے کی مانند ۲۴؎ جب اس نے پکارا اور وہ غم و اندوہ سے بھرا ہوا تھا ۲۵؎ اگر اس کی

وقف لازم

اس کی تشریح کرتے ہوئے حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں۔ نُسْبِغُ عَلَيْهِمُ النِّعَمَ وَنُنْسِيهِمُ الشُّكْرَ یعنی ہم ان پر پے در پے نعمتیں کرتے ہیں اور شکر کرنا انہیں فراموش کرا دیتے ہیں۔ ابو روق کہتے ہیں كُلَّمَا أَحْدَثُوا خَطِيئَةً جَدَّدْنَا لَهُمْ نِعْمَةً وَأَنْسَيْنَاهُمُ الْاِسْتِغْفَارَ جب وہ کوئی نئی خطا کرتے ہیں ہم ان کو نئی نعمت بخش دیتے ہیں اور استغفار کی توفیق سلب کر لیتے ہیں۔ ایک حدیث پاک میں ہے کہ بنی اسرائیل میں سے کسی بدکار نے کہا یا رب كَمْ أَعْصِيكَ وَأَنْتَ لَا تُعَاقِبُنِي یا اللہ میں تیری کتنی نافرمانی کرتا ہوں اور تو مجھے سزا ہی نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ کے نبی کو وحی کی کہ اس احمق سے کہو کہ میں نے تو تمہیں کئی سزائیں دی ہیں لیکن تمہیں ان کا شعور نہیں۔ إِنَّ جُمُودَ عَيْنِكَ وَقَسَاوَةَ قَلْبِكَ اسْتِدْرَاجٌ مِنِّي وَعُقُوبَةٌ لَوْ عَقَلْتَ اگر تجھے عقل ہوتی تو تیری آنکھوں کا آنسوؤں سے محروم ہو جانا اور تیرے دل کا سخت ہو جانا بہت بڑی سزا ہے اور میری طرف سے استدراج ہے۔

۲۲؎ گناہوں کے باوجود یہ لوگ دندناتے پھر رہے ہیں اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ اچھے کام کر رہے ہیں اور ہم ان سے خوش ہیں اور نہ یہ بات ہے کہ یہ ہمارے قابو سے باہر ہیں اور ہم ان کو سزا نہیں دے سکتے۔ درحقیقت ہم نے انہیں کچھ عرصے کے لیے ڈھیل دے رکھی ہے کہ جی بھر کر گناہ کر لو۔ جب ہم پکڑیں گے تو ان کی کیا مجال کہ کہیں بھاگ سکیں۔ اس وقت پکڑ کر شکنجہ میں کس دیے جائیں گے۔

۲۳؎ بظاہر خطاب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہے لیکن مقصد ان منکرین سے یہ پوچھنا ہے کہ تم جو میرے رسول کی بات سننا بھی پسند نہیں کرتے بڑی کراہت اور ناگواری کا اظہار کرتے ہو کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ میرا نبی تم سے کچھ مانگتا ہے جس کی وجہ سے تم بوجھل بوجھل رہتے ہو یا تمہارے پاس غیب سے کوئی اطلاع آتی ہے کہ یہ خدا کا فرستادہ نہیں۔ اگر کچھ نہیں تو پھر تمہارے بدکنے اور بھاگنے کی وجہ کیا ہے؟

۲۴؎ کفار کی ایذا رسانیوں میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو حکم دیتے ہیں کہ آپ صبر کریں اور اپنے رب کے فیصلے کا انتظار کریں۔ وہی بہتر جانتا ہے کہ ان منکرین کے ساتھ کس وقت کس قسم کا سلوک کرنا چاہیے۔ آپ حضرت یونس علیہ السلام کی طرح نہ ہو جائیں کہ جنہوں نے ہمارے حکم کا انتظار کیے بغیر اپنی قوم سے علیحدگی اختیار کر لی اور ان پر عذاب نازل ہونے میں عجلت کی۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ضیاء القرآن سورۂ یونس آیت ۹۸ کا حاشیہ، سورۂ انبیاء کی آیات ۸۷، ۸۸ کے حواشی، الصافات آیات ۱۳۹ تا ۱۴۸ کے حواشی۔

۲۵؎ جب یونس علیہ السلام کو مچھلی نے نگل لیا تو وہاں آپ نے اپنے رب کے حضور میں فریاد کی۔ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ

تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ ﴿٤٩﴾

چارہ سازی نہ کرتا اس کے رب کا لطف تو ڈال دیا جاتا اسے چٹیل میدان میں دراں حال کہ اس کی مذمت کی جاتی ۲۶؎

فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٥٠﴾ وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ

پھر چن لیا اس کو اس کے رب نے اور بنا دیا اس کو اپنے نیک بندوں سے ۔ اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ

كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُوْلُوْنَ

کفار پھسلا دیں گے آپ کو اپنی (بد) نظروں سے جب وہ سنتے ہیں قرآن ۲۷؎ اور وہ کہتے ہیں کہ

اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۔

۲۶؎ اگر اللہ تعالیٰ ان کی اس دعا کو قبول نہ فرماتا اور اس کی شانِ رحمت ان کی چارہ سازی نہ کرتی تو جب ان کو مچھلی نے چٹیل میدان میں اگل دیا تو ان کی یہ کیفیت ہوتی کہ لوگ ان پر الزام لگاتے اور ملامت کرتے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے ان کی دستگیری کی اور ان کو اپنے لیے منتخب کر لیا تو اب وہ قابلِ الزام اور لائقِ مذمت نہ رہے۔ فنبذناہ بالعراء وھو سقیم یعنی جب ہم نے ان کو کھلے میدان میں ڈالا تو وہ بیمار تھے۔ یعنی مذموم نہیں تھے۔

۲۷؎ کفار کے دلوں میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا بغض و عناد کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا خصوصاً اس وقت تو وہ آپے سے باہر ہو جاتے جب حضور قرآن کریم پڑھ کر سنا رہے ہوتے اور وہ ایسی غضبناک نظروں سے گھور گھور کر دیکھتے۔ یوں محسوس ہوتا کہ اگر ان کا بس چلے تو کچا چبا جائیں اور آپ کی شمعِ حیات کو بجھا کر رہیں۔ ان کی اسی ناپسندیدہ ادا کا یہاں ذکر کیا جا رہا ہے۔ علامہ زمخشری لیزلقونک کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں یعنی انهم من شدة تحديقهم ونظرهم اليك شزرا بعيون العداوة والبغضاء يكادون يزلقون قدمك او يهلكونك من قولهم نظر الىّ نظرا يكاد يصرعنى ويكاد يأكلنى۔ یعنی عداوت اور بغض بھری آنکھوں سے حضور کو یوں ٹکٹکی باندھ کر اور گھور گھور کر دیکھتے گویا وہ حضور کو اپنی جگہ سے پھسلا دینا چاہتے ہیں یا ہلاک کر دینا چاہتے ہیں۔ عرب کہتے ہیں کہ فلاں نے میری طرف اس طرح دیکھا کہ اگر اس کا بس چلتا تو وہ مجھے گرا دیتا یا کھا جاتا۔ اس آیت کا ایک اور مفہوم بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ آپ کو اپنی نظرِ بد سے تکلیف پہنچانا چاہتے ہیں۔

بنی اسد قبیلہ میں کئی آدمی تھے جن کی نظرِ بد کبھی خطا نہ جاتی۔ اگر وہ کسی شخص کو یا کسی جانور کو ہلاک کرنا چاہتے تو تین دن فاقہ کرتے اور پھر اس چیز کے پاس آ کر کہتے کہ کتنی خوبصورت اور عمدہ چیز ہے۔ ایسی چیز تو آج تک ہم نے کبھی نہیں دیکھی۔ اتنا کہنے کی دیر ہوتی کہ وہ چیز تڑپنے لگتی اور تھوڑی دیر کے بعد دم توڑ دیتی۔ اگر کوئی موٹی تازہ گائے یا اونٹنی ان کے پاس سے گزرتی اور اس کو وہ نظرِ بد لگا دیتے تو اسی وقت اپنی لونڈی کو کہتے کہ ٹوکری اٹھاؤ پیسے لو اور اس گائے کا گوشت خرید لاؤ۔ تھوڑی دیر بعد پتہ چلتا کہ وہ جانور ذبح کر دیا گیا ہے۔ قریش نے بنی اسد میں سے کسی ایسے نظر باز

إِنَّهُۥ لَمَجْنُونٌ ۝٥١ وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَٰلَمِينَ ۝٥٢

یہ تو مجنون ہے۔ حالانکہ وہ نہیں مگر سارے جہانوں کے لیے وجہ عزت و شرف ۲۸

کی خدمات حاصل کیں اور اسے اس امر کے لیے مقرر کیا کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی نظر بد سے گزند پہنچائے لیکن جس کا نگہبان خداوند رحمت ہو یہ حشکنڈے اسے کیا اذیت پہنچا سکتے ہیں۔

علامہ ابن کثیر نے یہاں متعدد احادیث لکھی ہیں جن سے ثابت کیا ہے کہ نظر بد کا اثر ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے دونوں نواسوں سیدنا حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو یہ پڑھ کر دم کیا کرتے تھے۔ أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّاتِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ۔

حضور فرمایا کرتے کہ حضرت ابراہیم اپنے دونوں صاحبزادوں اسماعیل و اسحاق علیہم الصلوٰۃ والسلام کو یہ پڑھ کر دم کیا کرتے۔ حضرت حسن بصری سے منقول ہے کہ جس کو نظر بد سے تکلیف پہنچے یہ آیت پڑھ کر اسے دم کیا جائے۔

۲۸ کفار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مجنون کہتے تھے۔ ان کے اس الزام کی ابتدا میں بھی تردید کی اور آخری آیت میں بھی اس کا بطلان کیا جا رہا ہے کہ میرا رسول تو سارے جہانوں کے لیے سراپا نصیحت اور باعث صد عزت و شرف ہے۔ اسے مجنون کہنے کی کون جرأت کر سکتا ہے۔ اس کو دیکھ کر اللہ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ اس کی باتیں سن کر دل میں اس کی محبت کی شمع فروزاں ہو جاتی ہے۔ وقيل الضمير لرسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وكونه مذكرا وشرفا للعلمين لاريب فيه (روح المعانی) بعض کے نزدیک ھو کا مرجع قرآن کریم ہے اور اس کے مذکر ہونے میں بھی کوئی کلام نہیں۔

○

اللّٰهم لك الحمد ولك الشكر على ما وفقتني لخدمة هذا الكتاب المجيد رب اوزعني ان اشكر نعمتك التي انعمت علي وعلى والدي وان اعمل صالحا ترضاه واصلح لي في ذريتي اني تبت اليك واني من المسلمين۔

اللّٰهم صل وسلم على حبيبك ونبيك وصفيك ونجيك محمد المبعوث رحمة للعلمين شفيع المذنبين وعلى اٰله الطيبين واصحابه الاكرمين ومن تبعه واحبه الى يوم الدين۔

○

تعارف

سُورہ الحاقۃ

نام : اس سورت کا نام الحاقۃ ہے۔ اس میں دو رکوع، باون آیتیں، دو سو چھپن کلمات اور ایک ہزار چار سو تیئس حروف ہیں۔

نزول : علامہ آلوسی اور دیگر مفسرین نے مسند امام احمد سے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے اسلام لانے سے پہلے کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں یہ نیت کر کے گھر سے نکلا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو جا کر پریشان کروں گا اور جس طرح بن پڑا اُن کا دل دکھاؤں گا۔ لیکن میرے پہنچنے سے پہلے حضور حرم میں داخل ہو چکے تھے اور نماز کی نیت باندھ لی تھی۔ یہ جاننے کے لیے کہ آپ کیا پڑھتے ہیں، میں قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ اُس وقت حضور سورہ الحاقۃ کی تلاوت فرما رہے تھے۔ میں اس کلام بلاغت نظام کو سُن کر حیران و ششدر رہتا جا رہا تھا۔ میرے دل میں خیال گزرا کہ بخدا آپ بڑے باکمال شاعر ہیں۔ اُسی وقت حضور نے یہ آیت تلاوت کی۔ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَّا تُؤْمِنُونَ (یہ کسی شاعر کا قول نہیں ہے تم بہت کم ایمان لے آتے ہو۔) میرے دل میں گزرا کہ کاہن ہیں میرے دل کے خیالات پر آگاہ ہو گئے ہیں۔ فوراً حضور نے یہ آیت پڑھی: وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ (یہ کسی کاہن کا قول بھی نہیں تم بہت کم غور کرتے ہو۔) حضرت عمر کہتے ہیں یہ سورت سن کر اسلام میرے دل کے رگ و ریشہ میں سما گیا۔

اس روایت سے یہ امر واضح ہو گیا کہ یہ سورت مکہ کے ابتدائی دَور میں نازل ہوئی جب کہ حضرت عمرؓ ابھی ایمان نہیں لائے تھے۔ اس سورت کے سننے سے آپ کے دل میں اسلام کی عظمت کا پہلا نقش ثبت ہوا، جو رفتہ رفتہ پختہ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ بہن اور بہنوئی کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا اس نے تمام پردے چاک کر دیے اور آپ ایمان قبول کرنے کے لیے کشاں کشاں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو گئے۔

ع گاہ بہ حیلہ می برُد گاہ بہ زوری می کشد (اقبالؒ)

مضامین : حلف اُٹھا کر بیان کیا کہ قیامت ضرور واقع ہو گی۔ ساتھ ہی ثمود، عاد اور فرعون کا تذکرہ فرما دیا جو قیامت پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔ اس لیے عمر بھر سرکشی اور طغیانی کا راستہ اختیار کیے رہے جس کا نتیجہ انکی عبرتناک تباہی میں ظاہر ہوا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عقیدۂ قیامت افراد اور اقوام کی اصلاح میں کتنا مؤثر کردار انجام دیتا ہے۔

آیات ۱۳ تا ۱۷ میں قیامت کے روز برپا ہونے والے ہولناک حادثات کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ آیت ۱۸ سے

ے کہ آیت ۳۴ تک میں یہ بتایا کہ جو لوگ یہ ایمان رکھتے تھے کہ ایک دن وہ اپنے پروردگار کے رُوبرو پیش کیے جائیں گے اور ان کا محاسبہ ہوگا ۔ اُن کو اس روز ان کا صحیفۂ عمل اُن کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور ان کی بڑی عزت وتکریم کی جائے گی۔ اور جو لوگ وقوع قیامت کے منکر تھے اور ساری عمر ہر قسم کی باز پُرس سے بے نیاز ہو کر دادِ عیش دیتے رہے ۔ اُن کا نامۂ عمل اُن کے بائیں ہاتھ میں پکڑائیں گے ۔ اُس وقت اُن کی حسرت اور ندامت قابلِ دید ہوگی ۔ اور ان کے ساتھ جو خوفناک برتاؤ کیا جائے گا اس کا ذکر سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

دُوسرے رکوع میں یہ بتایا کہ قرآنِ کریم کسی شاعر کی نغز بیانی اور قادر الکلامی کا کرشمہ نہیں اور نہ کسی کاہن کی تک بندی اور ہرزہ سرائی کا نتیجہ ہے بلکہ اس کو رب العالمین نے اپنے رسولِ کریم پر نازل فرمایا ہے۔ میرے رسول کی یہ مجال نہیں کہ اپنی طرف سے کچھ گھڑ کر ہماری طرف منسوب کر دے ۔ اگر وہ اس سنگین جرم کا ارتکاب کرے گا تو اس وقت اُس کی رگِ دل کاٹ کر رکھ دی جائے گی ۔

سنٹرل جیل سرگودھا

۱۷-۴-۷۷

سورۃ الحاقہ مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — اس میں ۵۲ آیات ۲ رکوع ہیں

ٱلْحَآقَّةُ ① مَا ٱلْحَآقَّةُ ② وَمَآ أَدْرَىٰكَ مَا ٱلْحَآقَّةُ ③ كَذَّبَتْ ثَمُودُ

وہ ہو کر رہنے والی ۱؎ کیا ہے وہ ہو کر رہنے والی ۲؎ اور اے مخاطب تم کیا سمجھو وہ ہو کر رہنے والی کیا ہے ۳؎ جھٹلایا ثمود اور

وَعَادٌۢ بِٱلْقَارِعَةِ ④ فَأَمَّا ثَمُودُ فَأُهْلِكُوا۟ بِٱلطَّاغِيَةِ ⑤ وَأَمَّا عَادٌ

عاد نے کھڑکھڑا کر پاش پاش کرنے والی کو ۴؎ پس ثمود تو انہیں ہلاک کر دیا گیا سخت چنگھاڑ سے ۵؎ رہے عاد

۱؎ اس سے مراد قیامت ہے۔ یہ حق سے اسم فاعل مؤنث کا صیغہ ہے۔ حق کا معنی ہے کسی چیز کا متحقق ہو جانا، پایا جانا۔ قیامت کو الحاقہ کہنے کی متعدد وجوہات ہیں۔ یا تو اس لیے کہ اس کا پایا جانا ایک مسلمہ صداقت اور اٹل حقیقت ہے جس میں قطعاً کوئی شک نہیں، یا اس لیے کہ اس میں تمام تصفیہ طلب امور کی حقیقت آشکارا ہو جائے گی، یا اس لیے کہ اس روز سزا و جزا کا تحقق ہو گا۔ (مظہری)

۲؎ جب اہل عرب کسی اہم چیز کا ذکر کرنا چاہتے ہیں تو بسا اوقات مخاطب سے کچھ سوال پوچھتے ہیں تاکہ وہ ہوشیار ہو جائے اور پورے دھیان سے بات کو سنے۔ الاستفهام لتفخيم شانها۔ (مظہری)

۳؎ یہ سوال قیامت کی ہولناکی کا تصور ذہن نشین کرانے کے لیے پوچھا جا رہا ہے کہ قیامت اتنی ہولناک اور خوفناک ہو گی کہ تمہاری عقلیں اس کی ہولناکی کو سمجھنے سے بالکل قاصر ہیں۔ یہ ان کی رسائی سے ماوراء ہے۔

۴؎ یہ بتانے سے پہلے کہ جب یہ ہو کر رہنے والی برپا ہو گی اس وقت کیا حالات ہوں گے، مختلف اقوام کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے گا اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ قیامت پر ایمان لانا ابدی فلاح کے لیے ایک بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ انسان کی اصلاح کا دار و مدار اس کو صدق دل سے ماننے پر ہے۔ جو اس پر ایمان رکھتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے باز آجاتے ہیں اس کی یاد میں بڑے شوق سے محو رہتے ہیں۔ جو قیامت پر ایمان نہیں رکھتے جن کے نزدیک قبر کا تاریک اور خاموش گڑھا کاروانِ حیات کی آخری منزل ہے، وہ قدم قدم پر پھسلتے ہیں۔ ہر موڑ پر بھٹکتے ہیں نفس امارہ کو خوش کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی قائم کی ہوئی حدوں کو توڑتے ہیں۔ اس کا نتیجہ خدا کا غضب اور اس کا انجام مکمل تباہی ہے۔ عاد و ثمود کی بربادی کا ذکر کیا اور وجہ یہ بتائی کہ وہ قیامت پر ایمان نہیں رکھتے تھے اس لیے راہ راست سے بھٹک گئے۔

القارعة، اس سے مراد بھی قیامت ہے۔ قرع کا معنی ہے ایک سخت چیز کو دوسری چیز سے ٹکرانا۔ القرع: ضرب الشيء الصلب بشيء مثله۔ کیونکہ جب قیامت برپا ہو گی نظام کائنات درہم برہم کر دیا جائے گا۔ سیارگان آپس میں ٹکرائیں گے اور اس ٹکر سے مہیب آوازیں پیدا ہوں گی اس لیے اس دن کو بھی القارعة کہہ دیا۔ قیامت کے کئی نام ہیں۔ الطامة، الصاخة، الواقعة، القارعة وغیرہ۔ یہ نام قیامت کی مختلف صفات اور کیفیات پر دلالت کرتے ہیں۔

۵؎ ثمود اور عاد پر تفصیلی حواشی ضیاء القرآن سورۃ الاعراف نیز ضیاء القرآن سورۃ ہود اور الشعراء میں ملاحظہ فرمائیے۔ پہلے ثمود کی ہلاکت کا ذکر

فَأُهْلِكُوا بِرِيحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ﴿٦﴾ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ

تو انہیں برباد کردیا گیا آندھی سے جو سخت سرد، بے حد تند تھی۔ اللہ نے مسلط کردیا اسے ان پر (مسلسل) سات رات

وَثَمَٰنِيَةَ أَيَّامٍ حُسُومًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعَىٰ كَأَنَّهُمْ

اور آٹھ دن تک جو جڑوں سے اکھیڑنے والی تھی تو تو دیکھتا قوم عاد کو ان دنوں کہ وہ گرے پڑے ہیں ؎ گویا وہ

کیا۔ بتایا کہ ثمود کو طاغیۃ سے ہلاک کیا گیا۔ یہ طغی سے مشتق ہے۔ اس کا معنی ہے حد سے تجاوز کرنا۔ اس کی جو شکل بھی تھی وہ شدت اور عنف میں تمام حدوں سے آگے نکلی ہوئی تھی۔ اس کے لیے مختلف مقامات پر صیحۃ (کڑک)، رجفۃ (زلزلہ)، صاعقۃ (گرج) الفاظ مذکور ہیں جو عذاب کی مختلف حالتوں کو بیان کرتے ہیں ان میں تضاد نہیں۔

؎ عاد کو جھکڑ چلا کر ہلاک کیا گیا۔ اس جھکڑ کی کئی صفات ذکر کی گئی ہیں۔ اسے صرصر، عاتیہ اور حسوما سے موصوف کیا گیا ہے۔ ان الفاظ کے معانی پر غور فرمایئے تاکہ اس عذاب کی قہرمانیوں کا آپ کچھ اندازہ کر سکیں۔ صرصر: قال الازھری شدید البرد جدًا وقیل شدید الصوت۔ (لسان) ازہری کہتے ہیں اس کا معنی سخت ٹھنڈی ہوا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ ہوا جس میں بہت شور ہو۔ عاتیۃ: عتا عتوا استکبر وتجاوز الحد۔ یعنی عاتیہ۔ عتا یعتو سے اسم فاعل ہے۔ اس کا معنی ہے تکبر کرنا، حد سے تجاوز کرنا۔ حُسُومًا: علامہ راغب کہتے ہیں الحسم: ازالۃ اثر الشیئ یقال: قطعہ فحسمہ ای ازال مادتہ۔ وفی الآیۃ حُسُومًا قیل حاسما اثرھم۔ قیل حاسما خبرھم (مفردات) یعنی کسی چیز کا نام ونشان مٹا دینا، کسی کے مادہ کو نابود کر دینا۔ آیت میں اس کا یہی معنی ہے کہ اس آندھی نے ان کا نام ونشان مٹا دیا، ان کی خبر کے حروف محو کر دیئے۔ مقصد یہ ہے کہ عاد پر ہمارا عذاب ایسی آندھی کی صورت میں نازل ہوا جو حد درجہ ٹھنڈی تھی۔ اس میں حد سے بڑھی ہوئی تندی اور سرکشی تھی جس نے ان کے تناور پیڑوں کو جڑوں سے اکھاڑ کر پھینک دیا۔ ان کے پختہ مکانات کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں اور ان کا نام ونشان تک باقی نہ چھوڑا۔ یہ سلسلہ ایک پہر، ایک دن نہیں رہا بلکہ پوری سات راتیں اور آٹھ دن آندھی لگاتار چلتی رہی۔ ایک لمحہ کے لیے بھی نہ ٹھہری اور نہ اس کی تندی میں کمی آئی۔ خود سوچیے اگر پچاس ساٹھ میل کی رفتار سے ایک گھنٹہ بھر طوفان چلے تو کیا تباہی مچتی ہے اور جہاں ایک سو ستانوے گھنٹے تک یہ محشر خیز تیز آندھی چلی ہوگی کیا وہاں زندگی کا نشان تک بھی باقی رہا ہوگا۔ وہ صحت مند قوم جو قد وقامت میں بھی اپنا ثانی نہ رکھتی تھی، جب ہوا کے تیز جھونکوں نے ان کے لمبے تڑنگے جسموں کو زمین پر دے مارا ہوگا تو اس نے ان کا خون اور جسم کی تازگی بھی چاٹ لی ہوگی اور کھجور کے بوسیدہ ٹُنڈوں کی طرح اکڑ بنے پڑے ہوں گے۔

صاحب لسان العرب نے حُسُومًا کی تشریح کرتے ہوئے لکھا: ھی المتوالیۃ، وقال ابن سیدہ اراد المتوالیۃ فی الشر خاصۃ۔ یعنی حُسُومًا کا معنی ہے لگاتار، مسلسل۔ ابن سیدہ کہتے ہیں وہ تسلسل جو شر اور شر انگیز کاموں میں ہو اس کو حُسُومًا کہتے ہیں۔ اگر یہ دوسرا معنی لیا جائے تو پھر حُسُومًا کا تعلق لیالی اور ایام سے ہوگا۔ یعنی یہ ٹھنڈی اور تند ہوا مسلسل سات رات اور آٹھ دن چلتی رہی۔

اَعۡجَازُ نَخۡلٍ خَاوِيَةٍ ۝٧ فَهَلۡ تَرٰى لَهُمۡ مِّنۡۢ بَاقِيَةٍ ۝٨ وَجَآءَ

تنہ ہیں کھوکھلی کھجور کے ۔ کیا تمہیں نظر آتا ہے ان کا کوئی باقی ماندہ فرد ؟ ؎ اور

فِرۡعَوۡنُ وَمَنۡ قَبۡلَهٗ وَالۡمُؤۡتَفِكٰتُ بِالۡخَاطِئَةِ ۝٩ فَعَصَوۡا رَسُوۡلَ

فرعون اور جو اس سے پہلے تھے اور الٹائی جانے والی بستیوں کے باشندوں نے غلطی کا ارتکاب کیا ؎ پس انہوں نے نافرمانی کی اپنے رب

رَبِّهِمۡ فَاَخَذَهُمۡ اَخۡذَةً رَّابِيَةً ۝١٠ اِنَّا لَمَّا طَغَا الۡمَآءُ حَمَلۡنٰكُمۡ

کے رسولوں کی تو اللہ نے پکڑ لیا انہیں بڑی سختی سے ؎ ہم نے جب سیلاب حد سے گزر گیا تو تمہیں کشتی میں

؎ یعنی ان کی نسل ہی ختم کر دی گئی۔ سب کو یکبارگی موت کی نیند سلا دیا گیا۔ کیا تمہیں ان کی نسل کا ایک فرد بھی کہیں نظر آتا ہے۔

؎ اس آیت میں دو لفظ تشریح طلب ہیں۔ المؤتفکات اور الخاطئہ۔ المؤتفکات جمع ہے۔ اس کا واحد مؤتفکہ ہے جس کا معنی المنقلبۃ یعنی اُلٹے ہوئے۔ جب کوئی بستی اُلٹ دی جائے تو عرب کہتے ہیں ائتفکت البلدۃ باھلھا اذا انقلبت: اور اسی مادہ سے الافک ہے جس کا معنی جھوٹ ہے کیونکہ جھوٹا بھی حقیقت کو اُلٹا دیتا ہے۔ اس سے مراد قوم عاد کی پانچ بستیاں ہیں جن کے نام یہ ہیں: سَدُوم۔ عَمُورَا۔ اَدْمَہ۔ صَبُوبِیم۔ صَوغَر۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا تو ان پر آگ اور گندھک کا مینہ برسایا۔ زمین سے بدبودار بخارات نے اٹھ کر ان کو ڈھانپ لیا۔ پھر یہی بخارات پانی میں تحلیل ہو کر ایک بحیرہ کی شکل میں جمع ہو گئے۔ اسی کو آج بحیرۂ مُوت یا بحر میت کہتے ہیں۔ اسی کی تہ میں عاد کی وہ الٹی ہوئی بستیاں ہیں۔ ان پر مسلسل سات دن اور آٹھ رات آندھی چلتی رہی۔

الخاطئہ۔ اگر یہ ثلاثی مجرد ہو تو پھر اس کا معنی ہے "جان بوجھ کر غلطی کرنا" اور اگر اس کا باب افعال بنایا جائے تو اس کا معنی ہے بھول سے غلطی کرنا۔ قیل خطئ اذا تعمد واخطأ اذا لم یتعمد۔ اموی کہتے ہیں المخطئ اسے کہا جاتا ہے جو نیکی کا ارادہ کرے لیکن اس سے غلطی ہو جائے اور خاطی اسے کہتے ہیں جو جان بوجھ کر نامناسب بات کا ارتکاب کرے۔ الخاطئہ کیونکہ مجرد ہے اس لیے اس کا معنی گناہ ہو گا۔ قرطبی لکھتے ہیں الخاطئۃ: الذنب العظیم۔ بہت بڑا گناہ۔

آیت کا معنی یہ ہوا کہ جب فرعون اور اس سے پہلے گزری ہوئی قوموں نے اور ان الٹے ہوئے شہروں کے مکینوں نے جان بوجھ کر بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کیا تو ہم نے ان پر اپنا عذاب بھیجا۔

؎ مذکورہ بالا اقوام کی طرف اللہ تعالیٰ نے جو رسول بھیجے ان لوگوں نے ان کی نافرمانی کی۔ ان کی مخلصانہ نصیحتوں کی پروا نہ کی نتیجہ یہ نکلا کہ جب مہلت کی مقررہ مدت ختم ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک شدید عذاب جو اپنی شدت میں بہت بڑھا ہوا تھا، نازل کیا اور ان کو تباہ کر دیا۔

رَابِیَۃ: رَبَا یَرْبُو: بڑھنا، زیادہ ہونا۔ ای شدیدۃ زائدۃ فی الشدۃ۔ (قرطبی)

فِى الْجَارِيَةِ ﴿١١﴾ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ﴿١٢﴾

میں سوار کر دیا۔ ف۱۰ تاکہ ہم بنا دیں اس واقعہ کو تمہارے لیے یادگار اور محفوظ رکھیں اسے یاد رکھنے والے کان ف۱۰

فَاِذَا نُفِخَ فِى الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿١٣﴾ وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَ

پھر جب پھونک ماری جائے گی صور میں ایک بار اور زمین اور پہاڑوں

الْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ﴿١٤﴾ فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿١٥﴾

کو اٹھا کر دفعۃً چُور چُور کر دیا جائے گا ف۱۱ تو اس روز ہونے والا واقعہ ہو جائے گا۔

وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِىَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ﴿١٦﴾ وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى

اور آسمان پھٹ پڑے گا تو وہ اس دن بالکل بودا ہو گا ف۱۲ اور فرشتے اس کے کناروں پر مستعد

اَرْجَآئِهَا ۭ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ﴿١٧﴾

کھڑے ہو جائیں گے ف۱۳ اور آپ کے رب کے عرش کو اس روز اپنے اوپر آٹھ فرشتوں نے اٹھا رکھا ہو گا ف۱۴

ف۱۰ ان دو آیتوں میں طوفانِ نوح کا ذکر ہے جس میں منکرین تو غرق ہو گئے لیکن جو مختصر گروہ حضرت نوح پر ایمان لایا تھا وہ کشتی میں سوار ہو کر ڈوبنے سے بچ گیا۔ اگرچہ اس کشتی میں سوار ہونے والے اہلِ کفر نہ تھے جو مخاطب ہیں لیکن ان کے اجداد کو بچا کر اللہ تعالیٰ نے صرف ان پر احسان نہیں کیا بلکہ ان کی بعد میں آنے والی نسلوں پر بھی احسان فرمایا۔ اگر وہ ہلاک ہو جاتے تو یہ کہاں سے پیدا ہوتے۔

ف۱۱ جب قیامت برپا ہو گی اور نظامِ عالم تہ و بالا ہونے لگے گا۔ اس کا ذکر ان آیات میں کیا جا رہا ہے۔ فرمایا زمین اور اس میں فلک بوس پہاڑوں کو کوٹ کر ریزہ ریزہ کر کے ہموار کر دیا جائے گا۔ کوئی بلندی کوئی پستی کوئی ٹیلہ کوئی گڑھا باقی نہ رہے گا۔ دَكٌّ کا مفہوم بیان کیا گیا ہے۔ دكّ الارض دكًا سوّى صعودها وهبوطها یعنی زمین کی بلندیوں اور پستیوں کو ہموار کر دینا۔

ف۱۲ آسمان پھٹ جائے گا۔ اور الٰہی کشش کے ضابطے جو ان سیاروں کو اپنی اپنی جگہ رکھے ہوئے ہیں وہ ختم ہو جائیں گے۔ الواهية۔ بالية۔ متداعية لا تماسك فيها کسی چیز کا بوسیدہ ہو کر گر پڑنا جیسے اس کے اجزا میں اب کوئی ارتباط باقی نہیں۔ علامہ قرطبی وهی کا معنی کرتے ہیں تمزق وانشق ولم يبق له تماسك یعنی پھٹ جانا شگاف پڑنا۔

ف۱۳ وہ فرشتے جو آج اپنے قیام، رکوع، سجود سے آسمان کے چپہ چپہ کو مزین کیے ہوئے ہیں، جب آسمان کا نظام درہم برہم ہو جائے گا تو وہ کناروں پر صفیں باندھ کر کھڑے ہو جائیں گے۔

ف۱۴ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر تشریف فرما ہو گا اور فرشتے اسے اٹھائے ہوں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک اور

يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لَا تَخْفَىٰ مِنكُمْ خَافِيَةٌ ﴿١٨﴾ فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ

وہ دن جب تم پیش کیے جاؤ گے تمہارا کوئی راز پوشیدہ نہ رہے گا ۔ پس جس کو دے دیا گیا اس کا نامۂ عمل

بِيَمِينِهِ فَيَقُولُ هَاؤُمُ اقْرَءُوا كِتَابِيَهْ ﴿١٩﴾ إِنِّي ظَنَنتُ أَنِّي

دائیں ہاتھ میں تو وہ (فرطِ مسرت سے) کہے گا لو پڑھو میرا نامۂ عمل ۱۸ مجھے یقین تھا کہ میں

مُلَاقٍ حِسَابِيَهْ ﴿٢٠﴾ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَّاضِيَةٍ ﴿٢١﴾ فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿٢٢﴾

اپنے حساب کو پہنچوں گا ۱۹ پس یہ خوش نصیب ایک پسندیدہ زندگی بسر کرے گا۔ عالیشان جنت میں۔

منزہ ہے کہ وہ کسی مکان میں سما سکے۔ عرش کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف اس لیے ہے کہ اس نسبت سے عرش کی شان بلند ہو۔ نیز یہ مقام اللہ تعالیٰ کی خصوصی تجلیات کی جلوہ گاہ ہے۔ اضافۃ العرش الی اللہ تعالیٰ التعظیمہ ولاختصاصہ بتجلی مخصوصۃ۔

کائناتِ علوی و سفلی میں جس قسم کے تصرفات ہو رہے ہیں، جن تدبیروں کا ظہور ہو رہا ہے ان سب کا مرکز یہ مقام ہے جسے عرش کہا جاتا ہے۔ جس طرح بادشاہ اپنے فرائض جہانبانی اپنے تخت پر بیٹھ کر انجام دیتا ہے اسی طرح عالم وجود میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کا منبع اور مصدر یہ مقام ہے۔ اس لیے اسے عرش یعنی تختِ الٰہی کہا گیا ہے۔

آٹھ فرشتے اس کے عرش کو اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ ان کے قد و قامت، ان کے جسم اور ان کی شکل و صورت کی تفصیلات پر ایمان لانے کی ہمیں تکلیف نہیں دی گئی۔ اس لیے ہم ان کی تفصیلات طے کرنے میں وقت ضائع نہیں کرتے۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے فرمایا وہ حق ہے۔ جو باتیں ہماری علمی سطح سے بلند ہوں ہم ان کو اس ذات کے علم کے سپرد کرتے ہیں جو علیم و خبیر ہے۔

۱۸ صالحین اور ابرار کو ان کا صحیفۂ عمل دائیں ہاتھ میں پکڑایا جائے گا۔ یہ گویا اس امر کی علامت ہوگی کہ یہ لوگ جنتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بخش دیا ہے۔ اس وقت ان کی مسرت و شادمانی کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ وہ خوشی سے پھولے نہ سمائیں گے اور اپنے احباب اور اعزہ کو دعوت دیں گے کہ وہ ان کا صحیفۂ عمل خود پڑھ لیں تاکہ انہیں تسلی ہو جائے۔

هاؤم اسم فعل بمعنی خُذُوا، لو پکڑو کے معنی میں ہے۔ کتابیہ، حسابیہ، سلطانیہ وغیرہ کے آخر میں ھا سکتہ کے لیے ہے۔ وقف کریں گے تو پڑھیں گے۔ وصل کی حالت میں اس کی قرأت ساقط ہو جائے گی۔

۱۹ ظننت کا معنی علمت ہے۔ یعنی میں خوب جانتا تھا یا اپنے علم کو ازراہِ تواضع ظن کہا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں کسی کو زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنے علم کا دعویٰ کرے۔ احتقار النفس عن دعوی العلم بحضرۃ ذی الجلال علام الغیوب۔ عالیۃ، رفیعۃ المرتبۃ۔ یعنی وہ جنت جس کی شان بڑی اونچی ہوگی۔ قطوفھا، یعنی اس کے خوشے اونچے نہیں ہوں گے کہ ان کی دسترس سے باہر ہوں یا ان کو توڑنے میں انہیں زحمت اٹھانا پڑے بلکہ نیچے جھکے ہوں گے۔ کھڑے، بیٹھے، لیٹے جس حال میں وہ ہوں گے ان کو تناول کر سکیں گے۔

قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ﴿۲۳﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي

جس کے خوشے جھکے ہوں گے۔ (انہیں ملے گا) کھاؤ اور پیو مزے اڑا اڑا کر یہ ان اعمال کا اجر ہے جو تم نے آگے بھیج

الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ﴿۲۴﴾ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ

دیے گزشتہ دنوں میں ۱۶؎ اور جس کو دیا جائے گا اس کا نامۂ عمل بائیں ہاتھ میں وہ کہے گا اے

يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ﴿۲۵﴾ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ﴿۲۶﴾ يٰلَيْتَهَا

کاش! مجھے نہ دیا جاتا میرا نامۂ عمل۔ اور میں نہ جانتا میرا حساب کیا ہے۔ اے کاش!

كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ﴿۲۷﴾ مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ ﴿۲۸﴾ هَلَكَ عَنِّيْ

موت نے ہی (میرا) قصہ پاک کر دیا ہوتا۔ آج میرا مال میرے کسی کام نہ آیا۔ میری بادشاہی بھی

سُلْطٰنِيَهْ ﴿۲۹﴾ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ﴿۳۱﴾ ثُمَّ فِيْ

فنا ہو گئی ۱۷؎ (فرشتوں کو حکم ہوگا) پکڑو اس کو اور اس کی گردن میں طوق ڈال دو پھر اسے دوزخ میں جھونک دو۔ پھر

۱۶؎ سلف اس چیز کو کہتے ہیں جو پہلے بھیج دی گئی ہو۔ السلف: المتقدم من الشیئ۔ یعنی جو اعمال صالحہ یہاں پہنچنے سے پہلے تم نے یہاں بھیج دیے ہیں۔

۱۷؎ لیکن جس شخص کو اس کا نامۂ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ تڑپ اٹھے گا اور واویلا مچانا شروع کر دے گا۔ یہ جملے اس کے انتہائی قلق اور رنج واندوہ کے آئینہ دار ہوں گے۔ اے کاش! مجھے میرا نامۂ اعمال دیا ہی نہ جاتا۔ کاش! مجھے اپنے حساب کی خبر ہی نہ ہوتی۔ جو موت مجھے آئی تھی وہی میرا قصہ تمام کر دیتی۔ میرا ذکر مذکور ہی باقی نہ ہوتا۔ مجھے دوبارہ زندہ ہی نہ کیا جاتا۔ کہاں گئے میری دولت کے انبار، کہاں گئی میری حکومت و سلطانی، کہاں مر گئے میرے درباری، آج کوئی بھی میرے کام نہیں آرہا۔ سلطانی: مُلکی و تسلطی۔ یعنی میرا ملک اور اقتدار۔ سلطان کا ایک معنی دلیل اور برہان بھی ہے۔ اگر یہاں یہی معنی مقصود ہو تو آیت کا مطلب ہوگا کہ دنیا میں میری حجت بازیاں مسلم تھیں۔ ہر مسئلہ پر میرا ذہن دلائل کے انبار لگا دیا کرتا تھا۔ میری زبان قینچی کی طرح تیز چلتی تھی۔ آج تو میرا ذہن بانجھ ہو گیا ہے۔ میری زبان گونگی ہو گئی ہے مجھے اپنے بچاؤ کی کوئی تدبیر نہیں سوجھتی۔

سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ﴿۳۲﴾ اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ

ستر گز لمبی زنجیر میں اس کو جکڑ دو ۱۹؎ بے شک یہ (بدبخت) ایمان نہیں لایا تھا

بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ﴿۳۳﴾ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿۳۴﴾ فَلَيْسَ

اللہ پر جو بزرگ و برتر ہے۔ اور نہ ترغیب دیتا تھا مسکین کو کھانا کھلانے کی ۲۰؎ پس

لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ ﴿۳۵﴾ وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ ﴿۳۶﴾

آج یہاں اس کا کوئی دوست نہیں۔ اور نہ کوئی طعام بجز پیپ کے ۲۱؎

لَّا يَاْكُلُهٗۤ اِلَّا الْخَاطِئُوْنَ ﴿۳۷﴾ فَلَاۤ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَمَا

جسے کوئی نہیں کھاتا بجز خطا کاروں کے۔ پس میں قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی جنہیں تم دیکھتے ہو اور جنہیں

لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۴۰﴾ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ

تم نہیں دیکھتے ۲۲؎ بے شک یہ قول ہے ایک عزت والے رسول کا اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں۔

ع ۱ / ۵

۱۹؎ فرشتوں کو حکم ملے گا کہ اس کو پکڑ لو۔ اس کے گلے میں آہنی طوق ڈال دو اور اسے جہنم میں پھینک دو اور وہاں اسے ستر گز لمبی زنجیر میں جکڑ دو۔ جلاد دیکھیں اب یہ کیسے بھاگتا ہے۔

۲۰؎ بتایا جا رہا ہے کہ وہ مجرموں کی پاداش میں اسے یہ ہولناک سزا دی جا رہی ہے۔ ایک تو یہ اللہ بزرگ و برتر پر ایمان نہیں لایا تھا۔ دوسرا یہ کہ بڑا کنجوس اور سنگدل تھا۔ خود تو اپنے گھر سے کسی کو کھانا کھلانے کی اسے کبھی توفیق نہ ہوئی۔ مزید برآں اس نے کبھی کسی دوسرے کو بھی جو کسی غریب کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہ دی۔ صرف کنجوس ہی نہیں تھا بلکہ سنگدل بھی تھا۔ (ان اقبح القبائح الکفر باللہ تعالیٰ واشنع الشنائع البخل وقسوۃ القلب۔ قرآن کریم انسان کی مادی اور روحانی ضروریات کی طرف یکساں توجہ دیتا ہے۔ اس نے جہاں بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کی عبادت کرنے کی تاکید کی ہے وہاں فقراء و مساکین کی ضروریات زندگی کو بہم پہنچانے کا بھی تاکیدی حکم دیا ہے۔

۲۱؎ غسلین: صدید اھل النار۔ وہ پیپ جو دوزخیوں کے زخموں سے رس رس کر ایک جگہ جمع ہوتی رہے گی۔ دوزخیوں کو جب بھوک تنگ کرے گی اور وہ کھانے کے لیے کوئی چیز مانگیں گے تو انہیں یہ کریہہ غذا دی جائے گی۔ اس روز ان کا کوئی ہمدرد اور دوست نہیں ہو گا۔

۲۲؎ کفار اس بات کا شدت سے انکار کیا کرتے تھے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر خدا کا کلام نازل ہوتا ہے بلکہ وہ یہ کہتے تھے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود گھڑ کر یا کسی سے سن کر ہمیں یہ کلام سناتے ہیں۔ کیونکہ اس کلام کی فصاحت و بلاغت کا انکار وہ بھی نہیں کر سکتے تھے، اس لیے کبھی

قَلِيلًا مَّا تُؤْمِنُونَ ﴿٤١﴾ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۚ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ﴿٤٢﴾

لیکن تم بہت کم ایمان لاتے ہو ۴۳ اور نہ ہی یہ کسی کاہن کا قول ہے۔ تم لوگ بہت کم توجہ کرتے ہو۔

تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٤٣﴾ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ

بلکہ یہ نازل شدہ ہے رب العالمین کا۔ اگر وہ خود گھڑ کر بعض باتیں ہماری

الْأَقَاوِيلِ ﴿٤٤﴾ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ﴿٤٥﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ﴿٤٦﴾

طرف منسوب کرتا تو ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے پھر ہم کاٹ دیتے اس کی رگِ دل ۴۴

آپ کو شاعر کہتے اور کبھی کاہن۔ ان کے ان الزامات کی تردید قسم کھا کر کی جا رہی ہے۔ فرمایا جو چیزیں تم کو نظر آتی ہیں جن کا تم مشاہدہ کرتے ہو ان کی بھی میں قسم اٹھاتا ہوں اور جو چیزیں تمہیں نظر نہیں آتیں ان کی بھی میں قسم اٹھاتا ہوں۔ یعنی ہر چیز کی قسم اٹھاتی خواہ اس کا تعلق عالم شہادت سے ہو یا عالم غیب سے۔ یہ قول نہ کسی شاعر کا کلام ہے اور نہ کسی کاہن کا بلکہ ایک معزز و محترم رسول کا قول ہے۔ رسول کریم سے مراد حضور کی ذات مقدسہ ہے۔ یہاں نام نہیں لیا بلکہ وصفِ رسالت کو ذکر کیا تاکہ پتہ چل جائے کہ آپ کی حیثیت پیغامبر کی ہے اور ہر دیانت دار پیغامبر اور قاصد اپنی طرف سے گھڑ کر کوئی پیغام نہیں دیتا بلکہ جس نے اسے بھیجا ہے ہو بہو اسی کا پیغام آکر سناتا ہے۔ اس لیے تمہارا یہ اصرار کہ اپنی طرف سے سورتیں گھڑ کر لوگوں کو سناتے ہیں بے جا تعصب اور ناروا ضد ہے۔ اس لیے اس کے بعد وضاحت فرما دی کہ تنزیل من رب العٰلمین یعنی رب العالمین کا کلام ہے کیونکہ حضور اپنی زبان مبارک سے اسے پڑھتے تھے اس لیے اسے حضور کا قول کہا گیا۔

۴۳ اس آیت کے آخر میں قلیلا ما تؤمنون اور اگلی آیت کے آخر میں قلیلا ما تذکرون فرما کر اس امر کی طرف اشارہ کر دیا کہ اس رسول کریم میں اور شاعر اور کاہن میں کوئی دور کی بھی مماثلت نہیں جس کے باعث تم اس غلط فہمی کا شکار ہو جاؤ۔ تم اس چکر میں اس لیے پڑے ہو کہ تم ایمان نہیں لائے اور تم نے کبھی غور و فکر سے کام ہی نہیں لیا۔ اگر تم میرے نبی کریم کی نورانی صحبتوں اور پُر نور شاموں کا مطالعہ کرو ان کی پاکیزہ مصروفیتوں اور بابرکت سرگرمیوں کا جائزہ لو تو پھر تم کبھی انہیں شاعر نہ کہو جن کے پاس مبالغہ آرائی کے سوا کچھ نہیں۔ پھر تم کبھی انہیں کاہن نہ کہو جن کا سارا دھندا کذب بیانیوں اور بیہودہ سرائیوں کے بل بوتے پر چل رہا ہے۔ اگر ایمان کی بجھی ہوئی شمع روشن ہو جائے اور دل و دماغ کی دنیا میں ایمان کی صبح طلوع ہو جائے تو پھر تم بھولے سے بھی یہ نہ کہو گے کہ یہ کسی شاعر یا کاہن کا کلام ہے۔

۴۴ اس آیت میں مقامِ نبوت کی نازک اور گراں ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے۔ یعنی جس کی نبوت کو ہم معجزات اور دلائل سے ثابت کر دیں وہ ہرگز ہرگز اپنے رب کے کلام میں اپنی طرف سے کوئی ملاوٹ نہیں کرتا۔ بفرضِ محال اگر وہ اپنی طرف سے کوئی بات گھڑ کر ہماری طرف منسوب کر دے تو یہ کوئی معمولی سا جرم نہیں جس کا نوٹس نہ لیا جائے یا جس سے اغماض برتا جائے بلکہ یہ تو اتنا بڑا گناہ اور سنگین جرم ہے کہ اگر اسے گوارا کر لیا جائے تو سلسلۂ نبوت کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔ کسی کو نبی کی بات پر وثوق اور اعتماد ہی نہیں رہے گا۔ اس لیے

فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ﴿٤٧﴾ وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ

پھر تم میں سے کوئی بھی (نہیں) اس سے روکنے والا نہ ہوتا ۲۵ اور بے شک یہ تو ایک نصیحت ہے

بفرضِ محال اگر ہمارا کوئی فرستادہ ایسی حرکت کرے، تو ادنیٰ توقف کے بغیر ہمارے انتقام کی تلوار بے نیام ہو جائے گی اور آنِ واحد میں اس کی رگِ دل کاٹ کر رکھ دی جائے گی تاکہ دنیا کو معلوم ہو جائے کہ اگر کوئی خدا کا بھیجا ہوا نبی بھی ایسی قبیح حرکت کرے تو عذابِ الٰہی ایک لحظہ بھی اسے مہلت نہیں دیتا، فوراً اسے فنا کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔

الوتین: عرق فی القلب اذا انقطع مات صاحبہ (لسان العرب)، عرق یسقی الکبد اذا انقطع مات صاحبہ (مفردات) دل کی ایسی رگ کو وتین کہتے ہیں کہ اگر وہ کٹ جائے تو انسان فوراً ہلاک ہو جائے (لسان) رگ جو جگر کو سیراب کرتی ہے جب کٹ جائے تو انسان مر جاتا ہے (مفردات) اس آیت سے مرزا قادیانی کے چیلے یہ استدلال کرتے ہیں کہ اگر مرزا سچا نبی نہ ہوتا اور اللہ تعالیٰ کی طرف غلط باتیں منسوب کرتا تو اس ارشادِ الٰہی کے مطابق اس کی رگِ دل کاٹ دی جاتی اور اسے اسی وقت ہلاک کر دیا جاتا۔ لیکن کیونکہ ایسا نہیں کیا گیا اس لیے ثابت ہوا کہ وہ معاذاللہ سچا نبی تھا۔ اگر عقل کے یہ اندھے اس آیت میں ذرا تامل کرتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ یہ سزا اس جھوٹے شخص کے لیے نہیں جس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا ہو بلکہ اس کے لیے ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنا نبی بنا کر بھیجا ہو، پھر معجزات اور دلائلِ قطعیہ سے اس کی نبوت کی صداقت کو ثابت کیا ہو۔ اگر ایسا نبی کوئی غلط بات اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرے گا تو اس کو یہ سزا ملے گی۔ اور ان دونوں باتوں میں بڑا فرق ہے۔ مرزا صاحب پہلے شخص تو نہیں جنہوں نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا ہو۔ ان سے پہلے بھی کئی طالع آزما لوگوں نے نبوت کا سوانگ رچایا۔ کیا مرزا صاحب اور ان کے حواری یہ بتا سکتے ہیں کہ ایسے لوگوں کی رگِ جان کاٹ کر انہیں ہلاک کر دیا گیا۔ کیا ان کے ساتھ ایسا معاملہ نہ ہونا ان کی نبوت کی دلیل بن سکتا ہے؟ لوگ تو خدا بننے کا بھی دعویٰ کرتے رہے ہیں اور بڑے ٹھاٹھ سے انہوں نے اپنی زندگیاں گزاری ہیں۔ فرعون وغیرہ بیسیوں مثالیں آپ کے سامنے ہیں۔

غیرتِ خداوندی اپنے مقربین سے اس قسم کی غلطی کو برداشت نہیں کرتی۔ جھوٹا تو پہلے ہی جھوٹا ہے۔ اس کے ساتھ یہ معاملہ نہیں کیا جاتا، البتہ اس کے جھوٹ کو ثابت کرنے کے لیے دیگر دلائل سے کام لیا جاتا ہے جن سے ہر دانشمند اس کو جھوٹا سمجھنے لگتا ہے۔ تَقَوَّلَ: افتری وتکلف وتصنع فی القول۔ کسی پر بہتان باندھنا، تصنع اور بناوٹ کرنا۔ الاقاویل: الاقوال المفتراۃ۔ وہ جھوٹی باتیں جو بطور افترا اور بہتان کے گھڑی جائیں۔ یمین سے مراد یا تو قوت و قدرت ہے۔ اس صورت میں آیت میں مِنۡہُ میں مِنۡ زائد ہوگا۔ عبارت یوں ہوگی۔ لاخذناہ بالیمین۔ یعنی ایسے مفتری کو ہم پوری قوت سے پکڑ لیں گے اور اگر یمین کا معنی دایاں ہاتھ لیا جائے تو پھر آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم اس مفتری کا دایاں ہاتھ پکڑ لیں گے تاکہ وہ بھاگ نہ سکے پھر اس کی رگِ جان کاٹ دیں گے۔

۲۵ جب ایسے مفتری کو ہم یہ عبرتناک سزا دینے لگیں تو تم میں سے کسی میں یہ ہمت و جرأت نہیں کہ آڑے آ جائے اور اسے ہماری سیفِ غضب سے بچا لے۔

لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾ وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ

پرہیزگاروں کے لیے۔ اور ہم خوب جانتے ہیں کہ تم میں سے بعض جھٹلانے والے ہیں۔ اور یہ بات باعث حسرت ہوگی

عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾ وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۵۱﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۵۲﴾

کفار کے لیے۔ اور بے شک یہ یقیناً حق ہے ۲۶ پس اے حبیب! آپ تسبیح کیا کریں اپنے رب کی جو عظمت والا ہے ۲۷

۲۶ یہاں حق صفت ہے جسے موصوف الیقین کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ ای انہ الیقین الحق۔ یعنی ایسا یقین جو سراسر حق ہے جس میں باطل کی ذرا ملاوٹ تک نہیں۔

۲۷ اے حبیب! اپنے رب کی پاکی بیان کیا کرو جس نے آپ کو ان لامحدود انعامات سے سرفراز فرمایا ہے۔ تمام انبیاء و رسل کا آپ کو سردار بنایا ہے۔ آپ کے سر پر ختم نبوت کا تاج سجایا ہے۔ آپ کو رحمۃ للعالمین کا لقب عطا فرمایا ہے اور آپ کو ہر عیب اور نقص سے محفوظ رکھا ہے۔ جس رب نے آپ پر اتنے بڑے احسانات فرمائے ہیں وہ واقعی عظیم ہے۔ اس کی تسبیح کرنا، اس کی حمد کرنا، اس کا شکر بجالانا آپ پر فرض ہے۔

اس ارشاد ربانی کی تعمیل میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم بھی بڑی لگن اور بڑے شوق سے مشغول رہا کرتے۔ ساری ساری رات کھڑے ہو کر رب قدوس کی حمد و تسبیح کیا کرتے یہاں تک کہ سحر ہو جاتی اور پاؤں مبارک سوج جایا کرتے۔ جب عرض کیا جاتا تو فرماتے اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا۔

○

سبحان ربی العظیم، سبحان ربی الاعلی، سبحان اللہ الملک الصمد، لا شریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیئ قدیر۔

والصلوٰۃ والسلام علی حبیبہ المصطفیٰ ورسولہ المرتضیٰ وعلی آلہ قادۃ الوریٰ واصحابہ نجوم الھدیٰ ومن تبعہ الی یوم الدین۔

فاطر السمٰوات والارض انت ولی فی الدنیا والاٰخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصالحین۔

○

تعارف
سورہ المعارج

نام : اس سورت کی تیسری آیت میں المعارج کا کلمہ ہے اسی کو اس سورت کا عنوان مقرر فرمایا اس میں دو رکوع، چوالیس آیتیں، دو سو چوبیس کلمات، نو سو انتیس حروف ہیں۔

زمانۂ نزول : یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ یہ ابتدائی دور میں نازل ہونے والی سورتوں میں سے ایک ہے۔

مضامین : اہلِ مکہ قیامت کے برپا ہونے کو ناممکن اور محال سمجھتے تھے اور جب بار بار انہیں قیامت سے ڈرایا جاتا تو وہ ازرہِ استہزا کہتے کہ عرصہ دراز سے آپنے قیامت آئے گی، قیامت آئے گی کی رٹ لگا رکھی ہے لسے لے کیوں نہیں آتے تاکہ ہم بھی اپنی آنکھوں سے دیکھیں کہ قیامت کیسی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس بیمار ذہنیت کی اصلاح فرما رہے ہیں کہ اے اہلِ مکہ! قیامت آئے گی ضرور آئے گی، دنیا کی کوئی طاقت اسے روک نہیں سکتی لیکن وقوعِ قیامت کوئی کھیل تماشہ نہیں کہ ادھر آپ نے فرمائش کی اور ادھر وقوعِ قیامت کا عمل شروع ہوگیا بلکہ یہ تو ایک بڑا ہولناک سانحہ ہوگا۔ آسمان پھٹ پڑے پرزے پرزے ہو جائیں گے۔ اس کی ہولناکی اور دہشت سے ہر شخص تھر تھر کانپ رہا ہوگا۔ دوست بھائی، بیوی بچے، ماں باپ سب فراموش ہو جائیں گے ہر کسی کو اپنے نفس کی پڑی ہوگی، اس لیے تم نادان نہ بنو۔ قیامت تمہارے کہنے پر نہیں آئے گی، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جو وقت مقرر کر دیا ہے جب وہ وقت آئے گا تو قیامت خود بخود برپا ہو جائے گی۔

(۲) اسلامی نظامِ عبادات اور نظامِ اخلاق، انسان کی خامیوں اور کوتاہیوں کو جس حیرت انگیز طریقہ سے دور کرتا ہے اس کا اظہار فرما دیا۔ بتایا کہ انسان اپنی سرشت کے لحاظ سے بڑا بے صبرا اور حریص ہے۔ جب اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو بلبلا اٹھتا ہے جب اسے نعمت دی جاتی ہے تو وہ کنجوس بن جاتا ہے۔ خود سوچیے جس انسان میں یہ عیوب ہوں وہ قطعاً قابلِ احترام شے نہیں لیکن نماز، زکوٰۃ، قیامت پر ایمان، عفت و عصمت، امانت میں دیانت اور عہد کی پاسداری وغیرہ یہ ایسی چیزیں ہیں جن کی تاثیر سے انسان کی خامیاں دور ہو جاتی ہیں اور اسکے نقائص کی اصلاح ہو جاتی ہے جو انسانیت کے دامن پر بدنما داغ کی حیثیت رکھتے ہیں ایسے انسان میں انسانیت کا وہ حسین و جمیل نظر آنے لگتا ہے جس کی وجہ سے یہ مسجودِ ملائک بنا اور اسے خلافتِ ارضی کی مسند پر متمکن کیا گیا۔

(۳) پھر فرمایا یہ کفار کس بات پر فخر و ناز کرتے ہیں ان کے اعمالِ بد کے باعث اگر ہم ان کو نیست و نابود کر دیں گے تو دنیا غیر آباد نہیں ہو جائے گی بلکہ ان کے قائم مقام ہم ایسے لوگ کھڑے کر دیں گے جو اپنے حسنِ عمل سے عروسِ کائنات کے گیسوؤں کو سنوارنے کی صلاحیت رکھتے ہوں گے ——— آخر میں پھر وقوعِ قیامت کے یقینی ہونے کی طرف ان کی توجہ مبذول کرائی۔

سُوْرَةُ الْمَعَارِجِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اَرْبَعٌ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ المعارج مکی ہے، یہ چوالیس آیتوں پر مشتمل ہے اور اس میں دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ﴿١﴾ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ ﴿٢﴾

مطالبہ کیا ہے ایک سائل نے ایسے عذاب کا جو ہو کر رہے [1]۔ (وہ سن لے) یہ تیار ہے کفار کے لیے اسے کوئی ٹالنے والا نہیں

[1] سائل کے دو معنی ہیں۔ پوچھنا، دریافت کرنا اور طلب کرنا، مانگنا۔ اگر پہلا معنی لیا جائے تو آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ اہل کہ پوچھتے ہیں کہ جس عذاب کا آپ ہر وقت ذکر کرتے رہتے ہیں، وہ کن لوگوں پر نازل ہوگا تو ان کے اس سوال کا جواب دیا گیا کہ وہ کفار پر نازل ہوگا اور جب نازل ہوگا تو کوئی اس کو ٹال نہ سکے گا۔

اگر سائل کا دوسرا معنی لیا جائے تو پھر اس میں ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ وہ یہ کہ نضر بن حارث نے ایک دفعہ خانہ کعبہ کے پاس کھڑے ہو کر یہ دعا مانگی۔ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ۔ الٰہی! اگر جو کلام یہ ہمیں سناتے ہیں، حق ہے اور تیری طرف سے نازل ہوا ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہم پر کوئی دوسرا دردناک عذاب نازل کر۔ اس آیت میں اس نابکار کی اس احمقانہ دعا کا ذکر ہے کہ وہ ہم سے دعائیں مانگتا ہے کہ اس پر عذاب نازل کیا جائے وہ سن لے کہ جس عذاب کے لیے اس نے دعا مانگی ہے وہ بالکل تیار ہے، اسے اور اس کے ہمنوا کفار کو ضرور اس میں جھونکا جائے گا اور اس وقت دنیا کی کوئی طاقت اس عذاب کو ٹال نہ سکے گی۔ لیکن ابھی نہیں، ابھی تو میرا محبوب تمہارے درمیان تشریف فرما ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے ہم عذاب نازل نہیں کریں گے۔ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ۔ میرے رسول کو یہاں سے جانے دو پھر دیکھو تمہاری کیسی خبر لی جاتی ہے۔ چنانچہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے تشریف لے گئے تو دوسرے سال ہی بدر کی جنگ ہوئی اور اسے بری طرح قتل کر دیا گیا۔ اور پورا عذاب تو قیامت کے دن ملے گا۔ آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ ایک سوال کرنے والے نے ہم سے یہ سوال کیا ہے کہ ہم اس پر عذاب اتاریں اور اس کو اس کے کفر و شرک کا مزا چکھائیں۔ للکافرین الخ سے اس سائل کا جواب ہے اور للکافرین کا متعلق محذوف ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے هُوَ اَيْ ذٰلِكَ الْعَذَابُ الْمَسْئُوْلُ عَنْهُ مُهَيَّأٌ وَّ مُرْصَدٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ فَلَا يَسْتَعْجِلُوْا۔ (تفسیر المظہری) یعنی جس عذاب کے لیے اس نے دعائیں اور التجائیں کی ہیں وہ بالکل تیار ہے، وہ ضرور انہیں چکھایا جائے گا لیکن اپنے وقت پر، جلد بازی کی ضرورت نہیں۔ اور جب وہ مقررہ گھڑی آجائے گی تو دنیا کی کوئی طاقت اس عذاب کو ٹال نہ سکے گی۔

مِّنَ اللّٰهِ ذِی الْمَعَارِجِ ؕ﴿۳﴾ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ الرُّوْحُ اِلَیْهِ فِیْ

یہ اللہ کی طرف سے ہے جو عروج کے زینوں کا مالک ہے ۲ عروج کرتے ہیں فرشتے اور جبریل اللہ کی بارگاہ میں ۳

یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ﴿۴﴾ فَاصْبِرْ صَبْرًا

یہ عذاب اس روز ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے ۴ (اے حبیب!) صبر کیجیے جو بہت

۲؎ یہ عذاب نازل کرنے والا کوئی کمزور اور ضعیف شخص نہ ہوگا جس کو وہ نیچا دکھا سکتے ہیں بلکہ یہ عذاب اللہ جل مجدہ کی طرف سے ہوگا۔ وہ اللہ تعالیٰ جو مَعَارِج کا مالک ہے۔

مَعَارِج: عروج سے ہے۔ عروج کا معنی بلند ہونا' اونچا ہونا ہے۔ اس سے اسم آلہ مِعْرَاج اور مِعْرَج ہے۔ اسی کی جمع مَعَارِج اور مَعَارِیج ہے۔ اس کا معنی ہے سیڑھیاں' زینے جن کے ذریعے انسان اُوپر چڑھتا ہے۔ حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں مَعَارِج سے مراد آسمان ہیں کیونکہ وہ بھی زینوں کی طرح درجہ بدرجہ ایک دوسرے کے اوپر ہیں۔ قال ابن مسعود ذی المعارج ای ذی السمٰوات۔ یا مَعَارِج سے مراد وہ مراتب و مدارج ہیں جو فرشتوں کو عطا کیے گئے ہیں اور جب معارج کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس سے مراد وہ شان اور وہ عظمت ہے جو اس کی ذاتِ اقدس کے شایاں ہے۔

۳؎ اور رُوح سے مراد جبریل امین ہیں۔ علامہ پانی پتی لکھتے ہیں کہ الرّوح سے مراد روحِ انسانی ہے جس کا تعلق عالم امر سے ہے اور انبیاء و اولیاء کی ارواحِ مقدسہ دوری اور غفلت کی پستیوں سے پرواز کر کے رب ذوالجلال کے حریمِ قرب میں نشیمن بنایا کرتی ہیں۔ المراد بالروح رُوح البشر الذی هو من عالم الامر فان ارواح البشر من الاولیاء والانبیاء تعرج من خفض البُعد والغفلة الی معارج القرب والحضرة۔ (مظہری)

۴؎ اس کا تعلق وَاقِع کے ساتھ ہے۔ یعنی جس عذاب کے نزول کے بارے میں وہ دعائیں مانگ رہے ہیں وہ ایسے دن میں واقع ہوگا جو پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

قال سُئِلَ رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وآله وسلم عن یوم کان مقدارہ خمسین الف سنة ما اطول هذا الیوم۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے رسولِ کریم سے پوچھا گیا کہ وہ دن تو بہت طویل ہوگا جس کا طول پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا۔

فقال علیه الصلوٰة والسلام والذی نفسی بیدہ انه لیُخَفَّفُ علی المؤمن حتی یکون اَهْوَنَ علیه من صلوٰة مکتوبة یُصَلِّیهَا فی الدنیا۔

ترجمہ: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا اس ذات کی قسم! جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے' یہ دن مومن کے لیے بڑا مختصر کر دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ جتنا وقت فرض نماز کے ادا کرنے میں لگتا ہے اس سے بھی اسے مختصر معلوم ہوگا۔

اس میں قطعاً کوئی اچنبھا نہیں۔ وقت کی مقدار ایک ہوتی ہے لیکن کسی کے لیے وہ وقت ایک لمحہ کی طرح گزر جاتا ہے اور کسی کیلئے وہ

وقت بڑا طویل ہوتا ہے۔ قیامت کا دن تو ایک ہی ہوگا لیکن اہل ایمان کو وہ بڑا مختصر معلوم ہوگا اور بعض مجرموں کو وہ ہزار سال کے برابر محسوس ہوگا اور جو سخت متمرد اور باغی ہوں گے انہیں پچاس ہزار سال جتنا لمبا معلوم ہوگا۔ علامہ آلوسی نے عرب کے اشعار سے اس پر استشہاد کیا ہے۔

من قصر الليل اذا زرتني   أشكو وتشتكين من الطول

جس رات تو مجھے ملاقات کا شرف بخشتی ہے تو میں تو شکوہ کرتا ہوں کہ یہ رات نہایت مختصر تھی اور تو اس کے طویل ہونے کی شکایت کرتی ہے۔

بعض نے تو اس سے مراد پورے پچاس ہزار سال لیے ہیں اور بعض کی رائے ہے کہ پچاس ہزار کا عدد مقصود نہیں بلکہ محض اس کی طوالت کو بیان کرنا ہے۔ حضرت ابن عباس سے یہی قول منقول ہے۔

تعرج الملائکۃ کی ایک اور تفسیر بھی بیان کی گئی ہے کہ اس سے مراد قیامت کا دن نہیں بلکہ اب بھی فرشتے بارگاہ الٰہی میں حاضر ہوتے ہیں اور وہاں سے احکام اور ہدایات حاصل کرتے ہیں اور نہایت قلیل وقت میں ان کی تنفیذ کے لیے اپنے اپنے مقام پر پہنچ جاتے ہیں۔ یہ مسافت جو وہ پل بھر میں طے کرتے ہیں اتنی طویل ہے کہ اگر انسان اپنی طبعی رفتار سے چلنا شروع کر دے تو پچاس ہزار سال منزل تک پہنچتے پہنچتے لگ جائیں۔

قال محمد بن اسحاق لو سار ابن ادم من الدنيا الى موضع العرش سيرا طبيعيا لسار خمسين الف سنة (مظہری)

علامہ پانی پتی اس کے بعد لکھتے ہیں:

ومن هٰهنا قالت الصوفية العلية ان فناء القلب الذى يحصل للصوفى بالجذب من الله تعالى بتوسط النبى صلى الله تعالى عليه وسلم والمشائخ لو اراد واحد ان يحصل بالعبادات والرياضات من غير جذب من الشيخ فانما يحصل له فى زمان كان مقداره خمسين الف سنة واذا لم يتصور بقاء احد بل بقاء الدنيا الى هٰذه المدة ظهر ان الوصول الى الله تعالى من غير جذب منه تعالى بتوسط احد من المشائخ كما هو المعتاد وبلا توسط روح رجل كما يكون لبعض الاويسين من الافراد مُحَالٌ والله المستعان۔

ترجمہ: اسی لیے صوفیائے کرام نے فرمایا ہے کہ فنائے قلب کا مقام صوفی کو صرف اللہ تعالیٰ کی کشش اور جذب سے حاصل ہوتا ہے اور یہ جذب و کشش حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور مشائخ کے توسط سے حاصل ہوتا ہے اور اگر کوئی شخص شیخ کامل کی توجہ کے بغیر صرف عبادتوں اور ریاضتوں سے اس مقام تک پہنچنا چاہے تو اس کے لیے پچاس ہزار سال کا عرصہ درکار ہے اور اتنی تو کسی کی عمر نہیں ہو سکتی۔ اس سے یہ بات آشکارا ہو گئی کہ پیر کامل کی توجہ کے بغیر کسی کا اس مقام پر فائز ہونا محال ہے۔ واللہ المستعان (مظہری)

جَمِيْلًا ۞ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا ۞ وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا ۞ يَوْمَ تَكُوْنُ

خوبصورت ہو ۵ کفار کو تو یہ بہت دُور نظر آتا ہے ۔ لیکن ، ہم اسے قریب دیکھ رہے ہیں ۶ اس روز آسمان

السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ۞ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ۞ وَلَا يَسْـَٔلُ

پگھلی ہوئی دھات کی مانند ہو گا اور پہاڑ رنگ برنگی اُون کی طرح ہو جائیں گے ۷ اور کوئی جگری دوست کسی

حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ۞ يُّبَصَّرُوْنَهُمْ ؕ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ

جگری دوست کا حال نہ پوچھے گا ۔ دکھائی دیں گے ایک دوسرے کو ۸ ہر مجرم آرزو کرے گا کہ کاش ! بطور فدیہ دے سکتا

۵ کفار کی اس قسم کی باتیں محض مذاق اڑانے اور حضورؐ کے دلِ رحیم کو دکھانے کے لیے ہوتی تھیں ۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو ارشاد فرماتے ہیں کہ اے حبیب ! ان نادانوں کو ہرزہ سرائی کرنے دیجیے ۔ آپ ان کی پروا نہ کریں اور ملول و رنجیدہ خاطر نہ ہوں صبر سے کام لیں ۔ اور صبر بھی وہ جو صبرِ جمیل ہے کہ مصائب و آلام کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں تو زبان شکوہ سنج نہ ہو ۔ لبوں پر حرفِ شکایت نہ آئے ۔ صبرِ جمیل کا مفہوم حضرت ابن عباس نے یہ بیان کیا ہے ۔ مالا شکوی فیہ الی احد غیر اللہ تعالیٰ (روح المعانی)

۶ کفار عذابِ قیامت کو بعید خیال کرتے ہیں یعنی قیامت کا وقوع بہت دور ہے ۔ اس کی تاریخ کا بھی کسی کو علم نہیں ۔ اور بعید کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ وہ اسے ناممکن اور محال سمجھتے ہیں ۔ جب قیامت کا وقوع ان کے نزدیک خلافِ عقل اور ناممکن ہے تو عذاب بھی محال و ناممکن ہو گا ۔ ای بعید عن الامکان (روح المعانی) عن الامکان او مستبعدا فی العقل محتملا احتمالا ضعیفا (مظہری) لیکن ہم اسے بالکل قریب دیکھ رہے ہیں ۔ اس کا برپا ہونا یقینی ہے اور جس کا برپا ہونا یقینی ہو وہ کتنی ہی دور ہو قریب ہوتی ہے کل ماھو آت قریب ۔ جو چیز آنے والی ہو وہ قریب ہے کیونکہ اسے زود یا بدیر آ کر رہنا ہے ۔

۷ مُہل کہتے ہیں پگھلی ہوئی دھات کو ، تانبہ ہو یا چاندی ہو ۔ المذاب من النحاس وغیرہ من الفلزات ۔ اس کا دوسرا معنی تیل کی تلچھٹ بھی ہے ۔ (دُردی الزیت) ۔

اس روز آسمان کے مختلف رنگ ہوں گے ۔ اس کے رنگوں کے اختلاف کو مختلف مقامات پر مختلف الفاظ میں بیان کیا گیا ۔ اَلْعِھْن ، وہ اون جو مختلف رنگوں سے رنگی ہوئی ہو ۔ الصوف المصبوغ الوانا ۔ کیونکہ پہاڑوں کے رنگ گوناگوں ہوتے ہیں اس لیے ان کو عِھن سے تشبیہ دی گئی ہے ۔ الحمیم ، القریب الذی تھتم بامرہ الصدیق ۔ ادنیٰ درجے کے دوست کو نہیں کہتے ، بلکہ پیارا وہ دوست جس کا تجھے از حد خیال رہتا ہے ۔ اس کی کسی حالت سے تو بے پروائی اور بے رُخی اختیار نہیں کر سکتا ۔

۸ یہ نہیں کہ وہ اس لیے ایک دوسرے کی مدد نہیں کریں گے کہ انہیں پتہ نہ چلے گا کہ ان کے جانی دوست پر کیا بیت رہی ہے بلکہ سب ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوں گے ۔ آنکھوں کے سامنے دُرگت بن رہی ہو گی لیکن ہر شخص اپنے بارے میں اتنا متفکر ہو گا کہ

عَذَابِ يَوْمِئِذٍۭ بِبَنِيْهِ ﴿۱۱﴾ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ﴿۱۲﴾ وَفَصِيْلَتِهِ

آج کے عذاب سے بچنے کے لیے اپنے بیٹوں کو ، اپنی بیوی کو ، اپنے بھائی کو ، اپنے خاندان کو جو ہر مشکل میں

الَّتِيْ تُـْٔوِيْهِ ﴿۱۳﴾ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ يُنْجِيْهِ ﴿۱۴﴾ كَلَّا ؕ اِنَّهَا

اسے پناہ دیتا تھا اور (بس چلے تو) جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کو ۹ پھر یہ (فدیہ) اس کو بچا لے ہرگز نہیں (ایسا ہرگز نہ ہوگا) ۱۰ بیشک

لَظٰى ﴿۱۵﴾ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ﴿۱۶﴾ تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى ﴿۱۷﴾ وَجَمَعَ

آگ بھڑک رہی ہوگی ۱۱ اتار دینے والی گوشت پوست کو ۱۲ وہ بلائے گی جس نے (حق سے) پیٹھ پھیری اور منہ موڑا تھا ۱۳ اور مال جمع کرتا رہا پھر

فَاَوْعٰى ﴿۱۸﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ﴿۱۹﴾ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ

اسے سنبھال سنبھال کر رکھتا رہا بے شک انسان بہت لالچی پیدا ہوا ہے ۱۴ جب اسے تکلیف پہنچے تو

کسی کو دوسرے سے پرسشِ حال کا ہوش ہی نہیں ہوگا۔

۹ بلکہ اس دن ہر مجرم یہ آرزو کرے گا کہ کاش! اس کی گلو خلاصی ہو جائے ، اسے نجات مل جائے اور اس مقصد کے لیے اگر اسے اپنا بیٹا، بیوی، بھائی اور اپنا خاندان بھی فدیہ کے طور پر دینا پڑے تو دے دے گا۔

۱۰ لیکن کسی کو وہ اپنے بدلے قربانی کا بکرا نہ بنا سکے گا۔

۱۱ اِنَّهَا کی ضمیر کا مرجع آگ بھی ہو سکتی ہے اور جہنم بھی۔ پہلی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ وہ ایسی آگ ہوگی جس میں شعلے بھڑک رہے ہوں گے۔ دوسری صورت میں معنی یہ ہوگا کہ وہ جہنم جس کی آگ کے شعلے بھڑک رہے ہوں گے۔

۱۲ شویٰ، جمع ہے۔ اس کا واحد الشواۃ ہے۔ یہ سر کی کھال کو بھی کہتے ہیں۔ دونوں ہاتھوں، دونوں پاؤں اور وہ اطرافِ جسم جن پر ضرب لگنے سے انسان کی موت واقع نہیں ہوتی، ان کو بھی شویٰ کہا جاتا ہے اور انسان کی ساری ظاہری کھال کو بھی شواۃ کہتے ہیں۔ یقال الشواۃ ظاہر الجلد کلہ۔ (تاج العروس) قرطبی نے ضحاک سے نزاعۃ للشوی کا یہ معنی بھی لکھا ہے تفری اللحم والجلد من العظم حتی لا تترک منہ شیئا۔ یعنی یہ آگ انسان کے گوشت اور پوست کو ہڈیوں سے ادھیڑ لے گی۔

۱۳ آگ ان لوگوں کو بلائے گی، کہے گی: اِلَیَّ یَا مُشْرِکُ، اِلَیَّ یَا مُنَافِقُ۔ اے مشرک! کہاں بھاگتے ہو، ادھر آؤ۔ اے منافق! کہاں بھاگتے ہو ادھر آؤ۔

۱۴ یہ چند آیات ۱۹ تا ۳۵ آپ کی خصوصی توجہ کی مستحق ہیں۔ یہاں بڑی وضاحت سے اس حقیقت سے پردہ اٹھایا جا رہا ہے کہ اسلام نے عبادات کا جو نظام اپنے ماننے والوں کے لیے تجویز کیا ہے وہ محض پوجا پاٹ اور بے مقصد رسومات نہیں جن کو انسان کی

اصلاح اور تربیت سے دُور کا واسطہ بھی نہ ہو۔ بلکہ یہ وہ انقلاب آفریں پروگرام ہے جو انسان کی صرف تربیت ہی نہیں کرتا بلکہ اس کی سرشت میں جو عیوب اور کمزوریاں ہیں' ان کا بھی قلع قمع کر دیتا ہے اور اس کو ایسی خوبیوں اور کمالات سے مزین کرتا ہے کہ وہ اپنے لیے' اپنے خاندان کے لیے' اپنی قوم کے لیے اور اپنے ملک کے لیے باعث صد عزّ و افتخار بن جاتا ہے۔ اس کے دم سے حق کا بول بالا ہوتا ہے' اس کی دل نوازیوں سے دُکھی انسانیت کے آلام و مصائب میں کمی آجاتی ہے۔ وہ یکسر یُمن و برکت' جدھر سے گزر جاتا ہے مسرتوں کے پھول کھل جاتے ہیں۔ خوش حالی کے چراغ روشن ہو جاتے ہیں۔ بے کسوں اور بے بسوں کو نئی زندگی' نئی اُمنگ مل جاتی ہے۔ کیجئے! ذرا ان نورانی آیتوں میں غور کریں اور ان کے دامن میں رحمتوں' برکتوں کے جو خزانے سمٹے ہوئے ہیں ان کا مشاہدہ کریں۔

پہلے مشکل الفاظ کی تشریح سُنیے: هَلُوْعًا: الحريص على ما لا يحل۔ قال مقاتل: ضيق القلب۔ قال عطية عن ابن عباس تفسيره ما بعده۔ یعنی وہ حریص جو حلال و حرام کی تمیز نہ کرے اسے هَلُوْع کہتے ہیں۔ مقاتل کہتے ہیں کہ اس کا معنی تنگ دل ہے۔ عطیہ نے ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ اس کا معنی بعد کی دو آیتوں میں بتایا گیا ہے۔

جَزُوْعًا: جزع سے مبالغہ کا صیغہ ہے۔ ضد الصبر، نقيض الصبر۔ یعنی بہت جزع فزع کرنے والا۔

مَنُوْعًا: الضنين الممسك، سخت کنجوس، سخت بخیل۔

اب ان تین آیات کو دوبارہ پڑھیے۔ ان میں بتایا گیا ہے کہ انسان کی سرشت میں تین عیب ہیں۔ ایک تو وہ حریص اور کم ظرف ہے۔ ایسی چیزوں کو بھی ہڑپ کرنے کے لیے بے تاب رہتا ہے جو اس کے لیے حلال نہیں ہوتیں۔ اس کی کوششیں ہر قیمت پر دولت سمیٹنے کے لیے وقف رہتی ہیں۔ خواہ دولت رشوت سے ملے' لوٹ کھسوٹ سے ملے' چوری و راہزنی سے ملے' قوم کی غذائی اجناس کو سمگل کر کے ملے' یا قوم و وطن سے غداری کر کے ملے' وہ باز نہیں آتا۔ ایسے لالچی کو عربی میں "هَلُوْع" کہا جاتا ہے۔ دوسرا نقص اس میں یہ ہے کہ وہ جَزُوْع ہے' بہت گھبرا جانے والا' جب مصائب کی گھٹا اس کی زندگی کے افق پر نمودار ہوتی ہے تو اس کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں' اوسان خطا ہو جاتے ہیں' امید کی کوئی کرن اس کو نظر نہیں آتی۔ تیسرا نقص یہ ہے کہ وہ سخت کنجوس' سخت بخیل ہے' کسی ملی یا قومی مقصد کے لیے' کسی نادار اور فقیر کی امداد کے لیے ایک دمڑی بھی خرچ نہیں کرتا۔

اب خود سوچیے کہ جس شخص میں حرص اتنی کُوٹ کُوٹ کر بھری ہوئی ہو کہ وہ حلال و حرام کی تمیز سے بھی قاصر ہو' جو مصیبت کے وقت اپنے اوسان خطا کر بیٹھے اور مایوس ہو کر اپنے آپ کو حالات کے رحم و کرم پر ڈال دے یا جب وہ دولت مند اور مالدار ہو تو کنجوس' مکھی چوس بن جائے' تو کیا ایسے شخص کا وجود' اپنے ملک و ملت کے لیے باعث ننگ و عار نہیں ہوتا۔ اس سے اس کی بستی والے بھی نفرت کرتے ہیں' اس کے گھر والے بھی اس سے بیزار ہوتے ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کے لیے بھی وبال بن جاتا ہے۔

ایسی فطری کمزوریوں کا پیکر جب اسلام کی تعلیمات کو اپنا لیتا ہے' جب اس کے ارشادات پر عمل پیرا ہو جاتا ہے' جب اپنی زندگی کے روز و شب کو قرآن کریم کے پیش کیے ہوئے اس قالب میں ڈھال لیتا ہے تو اس کی کایا پلٹ جاتی ہے' وہ حریص نہیں رہتا۔ وہ غنی ہو جاتا ہے' اس کا دل غنی ہو جاتا ہے' اس کی آنکھیں سیر ہو جاتی ہیں۔ مصائب کے تند و تیز طوفان جب اس سے آکر ٹکراتے ہیں تو اسے فولاد کی چٹان کی مانند مضبوط پاتے ہیں۔ ان حالات میں اس کی امید کا چراغ اور زیادہ ضیا بار ہوتا ہے۔ سیل حوادث سے وہ گھبراتا نہیں بلکہ اس

جَزُوۡعًا ﴿۲۰﴾ وَّ اِذَا مَسَّہُ الۡخَیۡرُ مَنُوۡعًا ﴿۲۱﴾ اِلَّا الۡمُصَلِّیۡنَ ﴿۲۲﴾ الَّذِیۡنَ

سخت گھبرا جانے والا اور جب اسے دولت ملے تو حد درجہ بخیل بجز ان نمازیوں کے ۱۵؎ جو

هُمۡ عَلٰی صَلَاتِهِمۡ دَآئِمُوۡنَ ﴿۲۳﴾ وَ الَّذِیۡنَ فِیۡۤ اَمۡوَالِهِمۡ حَقٌّ

اپنی نماز پر پابندی کرتے ہیں۔ اور وہ جن کے مالوں میں مقررہ

مَّعۡلُوۡمٌ ﴿۲۴﴾ لِّلسَّآئِلِ وَ الۡمَحۡرُوۡمِ ﴿۲۵﴾ وَ الَّذِیۡنَ یُصَدِّقُوۡنَ بِیَوۡمِ

حق ہے سائل کے لیے اور محروم کے لیے ۱۶؎ اور جو تصدیق کرتے ہیں روز

وقت اس کی خفتہ توانائیاں انگڑائیاں لینے لگتی ہیں۔ وہ ان سے فرار اختیار نہیں کرتا بلکہ شیروں کی طرح ان پر جھپٹتا ہے۔ اور جب اس پر خوش حالی کا دور آتا ہے تو وہ محتاجوں اور مسکینوں کو ڈھونڈ کر ان کی امداد کرتا ہے، وہ کسی کو پریشان نہیں دیکھ سکتا۔ جب تک وہ کسی کی تکلیف کو دور نہ کرلے اسے چین نہیں آتا۔

یہ وہ تبدیلی ہے جو اسلام کے پیش کیے ہوئے نظام عبادات پر عمل کرنے سے انسان میں رونما ہوتی ہے۔ ہماری شومئی قسمت ملاحظہ ہو کہ آج کا مسلمان اس بابرکت پروگرام کو اپنے لیے ایک ناقابل برداشت بوجھ، ایک ناروا پابندی اور ایک غیر دلچسپ مصروفیت گردانتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ فطری کمزوریاں عود کر آئی ہیں اور بڑی قوت سے انہوں نے ہمارے قلب و نظر پر اپنا قبضہ جما لیا ہے۔

اب آئیے! اس نظام عمل کا مطالعہ کریں جو ہمارے خالق و مالک نے ان آیات میں ہمیں عطا فرمایا ہے۔

۱۵؎ ان کمزوریوں سے وہ لوگ نجات پالیتے ہیں جو نماز ادا کرتے ہیں اور نماز ادا کرتے وقت صمیم قلب سے رب کی یاد میں محو ہو جاتے ہیں۔ دائیں بائیں ان کی نظر نہیں اٹھتی۔ یوں اس کیفیت میں ڈوبے رہتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے حضور میں حاضر ہیں۔ ان کی حرکات و سکنات بلکہ دل کے احساسات کو بھی وہ دیکھ رہا ہے۔ اذا المراد من الدوام 'دوام الحضور'۔ ابو الخیر کہتے ہیں کہ ہم نے عقبہ بن عامر سے دریافت کیا کہ کیا اس آیت میں دائمون کا معنی پابندی سے نماز ادا کرنا ہے۔ انہوں نے کہا یہ معنی نہیں بلکہ اس کا مطلب کسی کی طرف التفات نہ کرنا ہے۔ نمازی کو چاہیے کہ اپنی نگاہ اپنی سجدہ گاہ پر مرکوز رکھے' حضور ؐ نے حضرت انس کو فرمایا: یا انس اجعل بصرک حیث تسجد۔ اپنی نگاہ اس جگہ رکھو جہاں تم سجدہ کرتے ہو۔ علماء فرماتے ہیں کہ نظر کو اپنی سجدہ کی جگہ پر مرکوز رکھنے سے حضور قلب حاصل ہوتا ہے اور خطرات سے نجات ملتی ہے۔

۱۶؎ وہ مال کو اپنی ذات کے لیے مخصوص نہیں کرتے بلکہ انہوں نے اس میں ایک خاص حصہ مقرر کر رکھا ہے جو وہ سائلوں اور محروموں کو دیتے ہیں۔ سائل سے مراد مانگنے والا' محروم سے مراد وہ شخص ہے جو از حد ضرورت مند ہونے کے باوجود کسی سے مانگ نہ سکتا ہو اور کسی کے سامنے دست سوال دراز نہ کر سکتا ہو یعنی ان لوگوں کو ایسے لوگوں کی تلاش رہتی ہے' وہ رات کے اندھیروں میں ان کے گھر جاتے

الدِّيْنِ ﴿٢٦﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿٢٧﴾

جزا کی کلے اور جو اپنے رب کے عذاب سے ہمیشہ ڈرنے والے ہیں شلے

اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ﴿٢٨﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ

بے شک ان کے رب کا عذاب نڈر رہنے کی چیز نہیں ۱۹ اور وہ لوگ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت

حٰفِظُوْنَ ﴿٢٩﴾ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ

کرنے والے ہیں ۲۰ بجز اپنی بیویوں کے یا اپنی کنیزوں کے تو ان پر

غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿٣٠﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ

کوئی ملامت نہیں۔ البتہ جو خواہش کریں گے ان کے علاوہ تو وہی لوگ حد سے

الْعٰدُوْنَ ﴿٣١﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿٣٢﴾

بڑھنے والے ہیں۔ اور جو اپنی امانتوں اور عہد و پیمان کی پاسداری کرتے ہیں ۲۱

ہیں اور لوگوں کی نگاہوں سے چھپ چھپ کر ان کی امداد کرتے ہیں۔

۱۷ یہ لوگ اس زندگی کو آخری زندگی خیال نہیں کرتے بلکہ ان کا ایمان ہے کہ قیامت کے روز انہیں دوبارہ زندہ کر کے قبروں سے اٹھایا جائے گا اور ان سے ان کے اعمال کے بارے میں بازپرس کی جائے گی۔

۱۸ وہ نیکیاں کرتے ہیں لیکن ان پر ناز نہیں کرتے۔ ہر وقت اپنی کوتاہیوں کا احساس کر کے اپنے رب کی ناراضگی سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔

۱۹ وہ جانتے ہیں کہ ان کے رب کے عذاب کو کوئی دور نہیں کر سکتا۔ غیر مامون کا ایک اور معنی بھی کیا گیا ہے۔ ای لا ینبغی لاحد ان یامن عذابہ عز وجل۔ یعنی وہ کتنے ہی نیکوکار بن جائیں، وہ اپنے آپ کو اپنے رب کے عذاب سے امن میں نہیں پاتے بلکہ اس کی بے نیازی سے ہر لحظہ ڈرتے رہتے ہیں۔

۲۰ جو اپنے دامنِ عفت پر داغ نہیں پڑنے دیتے، جو اپنے گوہرِ عصمت کی پوری طرح حفاظت کرتے ہیں۔

۲۱ جو امانتیں ان کے سپرد کی جاتی ہیں وہ ان میں خیانت نہیں کرتے۔ امانتوں سے مراد یہاں ہر قسم کی امانتیں ہیں۔ ہمارے اعضا، ہمارے ہوش و حواس، ہماری عقل اور ہماری زندگی سب خدا کی امانتیں ہیں۔ ان کو اس کے حکم کے مطابق صرف کرنا دیانت داری ہے اور ان کو اس کی نافرمانی میں خرچ کرنا بد دیانتی اور خیانت ہے۔ اگر حکومت نے کوئی ذمہ داری کسی کو سونپی ہے تو اس کو اپنی پوری صلاحیتوں

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ

اور جو لوگ اپنی گواہیوں پر قائم رہنے والے ہیں ۲۲ اور جو لوگ اپنی نمازوں کی

يُحَافِظُوْنَ ﴿۳۴﴾ اُولٰٓئِكَ فِیْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۳۵﴾ فَمَالِ الَّذِيْنَ

حفاظت کرتے ہیں ۲۳ یہی لوگ مکرم (و محترم) ہوں گے جنتوں میں ۲۴ پس ان کافروں کو کیا ہو گیا ہے کہ

كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ﴿۳۶﴾ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ ﴿۳۷﴾

آپ کی طرف ٹکٹکی باندھے بھاگے چلے آرہے ہیں۔ ایک گروہ دائیں طرف سے اور دوسرا گروہ بائیں طرف سے ۲۵

اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ ﴿۳۸﴾ كَلَّا

کیا طمع کرتا ہے ان میں سے ہر شخص کہ (ایمان و عمل کے بغیر) نعمتوں بھری جنت میں اسے داخل کیا جائے ۲۶ ہرگز نہیں۔

کے مطابق انجام دینا بھی اس میں داخل ہے۔ اگر کوئی ایسا نہیں کرے گا تو وہ خائن ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی نے کوئی زیور، کوئی سامان برائے حفاظت اس کے پاس رکھا ہے تو اس کی نگہبانی کرنا اور حسب الطلب اس کو جوں کا توں واپس کر دینا یہ بھی اس میں داخل ہے اور جو ایسا نہیں کرے گا وہ بھی بددیانت اور خائن ہوگا۔

عہد سے بھی عام وعدہ مراد ہے۔ خواہ بندے کا اپنے رب سے کوئی وعدہ ہو یا کسی دوسرے انسان سے اس کا ایفا بھی از حد ضروری ہے۔

۲۲ یعنی جو گواہیاں ان کے ذمہ ہیں انہیں بڑی سچائی سے ادا کرتے ہیں۔ کسی کا خوف، کوئی لالچ، کسی ملامت کرنے والے کی ملامت انہیں سچی گواہی دینے سے باز نہیں رکھتی۔

۲۳ جو لوگ پابندی سے نماز پڑھتے ہیں، قضا نہیں کرتے، بے وقت نہیں پڑھتے۔

۲۴ ان خوبیوں سے جو لوگ آراستہ ہیں ان میں وہ فطری کمزوریاں باقی نہیں رہتیں، ان کا وجود سب کے لیے باعث رحمت و برکت بن جاتا ہے انہیں خصائل حمیدہ کے باعث وہ جنت میں داخل ہوں گے اور وہاں ان کو بڑی عزت اور قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

۲۵ کفار جب حضور کریم کو کہیں بیٹھے ہوئے دیکھ لیتے تو دائیں بائیں سے جتھے کے جتھے بھاگے چلے آتے اور ٹکٹکی باندھ کر حضور کو دیکھنے لگتے لیکن ان کی یہ سرگرمی دعوت حق سننے کے لیے نہیں بلکہ مذاق اور ہنسی اڑانے کے لیے ہوا کرتی۔ حضور کے ارد گرد جمع ہو کر طرح طرح کے الزامات لگاتے اور پھبتیاں کستے۔

مُهْطِعِيْنَ: ای مسرعین مقبلین الیک یعنی آپ کی طرف متوجہ ہو کر بڑی تیزی سے آ رہے ہیں۔ عِزِيْن: جماعات متفرقۃ۔ ٹولیاں ٹولیاں گروہ در گروہ

۲۶ اور گروہ جمع ہو کر بیٹھ جاتے اور کہتے کہ اگر یہ مفلس اور کنگال مسلمان جنت میں گئے تو ہم ان سے کہیں پہلے جنت کی روشوں پر محو خرام

إِنَّا خَلَقْنٰهُم مِّمَّا يَعْلَمُونَ ﴿۳۹﴾ فَلَآ أُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ

ہم نے ان کو پیدا کیا ہے اس مادہ سے جس کو وہ بھی جانتے ہیں ۲۷ پس میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے رب کی کہ

إِنَّا لَقٰدِرُونَ ﴿۴۰﴾ عَلَىٰٓ أَن نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ وَمَا نَحْنُ

ہم پوری قدرت رکھتے ہیں کہ ان کے بدلے میں ان سے بہتر لوگ لے آئیں ۲۸ اور ہم ایسا کرنے

بِمَسْبُوقِينَ ﴿۴۱﴾ فَذَرْهُمْ يَخُوضُوا وَيَلْعَبُوا حَتّٰى يُلٰقُوا يَوْمَهُمُ

سے عاجز نہیں ۲۹ سو آپ رہنے دیجیے انہیں کہ خرافات میں الجھے رہیں اور کھیلتے کودتے رہیں حتیٰ کہ وہ ملاقات کریں اپنے اس دن

ہوں گے۔ اگر ان کو اللہ تعالیٰ نے کسی نعمت سے نوازا تو ہم پر وہ اپنی نعمتوں کا مینہ برسائے گا۔ ان سے پوچھا جا رہا ہے کہ نہ تم ایمان لائے اور نہ نیک عمل کیے، اس پر یہ خوش فہمیاں کہ تمہیں جنت میں داخل کیا جائے گا۔ ع

این خیال است و محال است و جنوں

۲۷ ان کا خمیر کسی الگ مادہ سے نہیں اٹھایا گیا جس کے باعث انہیں ایمان و عمل کے بغیر جنت میں داخل ہونے کا حق پہنچتا ہے۔ ایک ہی مادہ ہے جس سے سب کی تخلیق ہوئی ہے۔ غریب و امیر، رذیل و شریف سب مساوی ہیں۔ اگر دوسرے لوگوں کو جنت میں داخل ہونے کے لیے ایمان و عمل کی ضرورت ہے تو کفار کو بھی اس کے بغیر چارہ نہیں۔

آیت کا یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ وہ کس منہ سے نخوت و غرور کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے احکام کے سامنے اکڑ جاتے ہیں حالانکہ انہیں خوب علم ہے کہ ان کو ایک قطرہ آب سے پیدا کیا گیا ہے۔

۲۸ ارشاد ہے کہ ان لوگوں کو شاید یہ غلط فہمی ہے کہ دنیا کی رونق اور آبادی ان کے دم قدم سے ہے۔ اگر یہ نہ ہوں تو گلستان ہستی اجڑ جائے، اس پر خزاں کا عالم طاری ہو جائے۔ فرمایا کہ ہم اپنی ذات کی قسم کھاتے ہیں جو مشارق و مغارب کی پروردگار ہے کہ ہم اس پر قادر ہیں کہ تمہیں تباہ و برباد کر دیں اور تم سے کہیں زیادہ بہتر کسی قوم کو تمہارا جانشین بنا دیں جو تم سے زیادہ نیک بخت ہو، علم اور عمل کی دولت سے مالا مال ہو، میری وحدانیت پر ایمان رکھتی ہو اور میرے رسول مکرم سے دلی محبت رکھتی ہو ان کے حسن عقیدہ اور خوبی عمل کی برکت سے ہر طرف بہار ہی بہار آ جائے۔

مشارق، مشرق کی جمع ہے، مغارب، مغرب کی جمع ہے۔ کیونکہ ہر روز سورج کا مشرق و مغرب بدلتا رہتا ہے اس لیے جمع کے صیغے استعمال کیے۔

۲۹ مسبوق اس کو کہتے ہیں جس کو کوئی مد مقابل پیچھے چھوڑ کر خود آگے نکل جائے۔ یہ عجز و کمزوری کی علامت ہے۔ فرمایا ہم عاجز و کمزور نہیں۔

الَّذِیْ یُوْعَدُوْنَ ﴿۴۲﴾ یَوْمَ یَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا

سے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے ۳۰ اس روز نکلیں گے (اپنی) قبروں سے جلدی جلدی گویا وہ (اپنے

كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ یُّوْفِضُوْنَ ﴿۴۳﴾ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ

بتوں کے) استھانوں کی طرف دوڑے جا رہے ہیں ۳۱ جھکی ہوں گی ان کی آنکھیں چھا رہی ہوگی ان پر

ذِلَّةٌ ؕ ذٰلِكَ الْیَوْمُ الَّذِیْ كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ ﴿۴۴﴾

ذلت ۳۲ یہی وہ دن ہے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا۔

ع ۲ ۸

۳۰ ـ اے حبیب! آپ نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔ انتہائی خلوص کے ساتھ ان کو گمراہی کے اندھیروں سے نکالنے کی کوشش فرمائی یہ پھر بھی باطل سے چمٹے رہنے پر بضد ہیں تو آپ فکرمند اور رنجیدہ کیوں ہوں۔ ان کو چھوڑیئے اپنی خرافات میں غرق رہیں اور اپنی زندگی کی قیمتی ساعتیں کھیل کود میں برباد کرتے رہیں۔ یہاں تک کہ موت کا گھڑیال کوچ کر ان کی یہاں سے روانگی کا اعلان کر دے اور پھر انہیں قیامت کے روز قبروں سے نکال کر اپنا حساب دینے کے لیے حاضر کر دے۔

۳۱ ـ روز قیامت قبروں سے ان کے نکلنے کا منظر بیان ہو رہا ہے جب صور پھونکا جائے گا تو قبروں سے فوراً اٹھ کھڑے ہوں گے۔ مجال نہیں ہوگی کہ ذرا توقف بھی کریں۔ پھر تیزی سے لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے اپنی منزل کی طرف دوڑنے لگیں گے۔ یوں معلوم ہوگا کہ دنیا میں اپنے بتوں کے استھانوں کی طرف جس شوق اور وارفتگی سے وہ دوڑا کرتے تھے وہی وارفتگی آج ان پر طاری ہے۔ انہیں علم ہے کہ آج انہیں جہنم رسید کر دیا جائے گا اگر ان کا بس چلتا تو وہ ضرور راہ فرار اختیار کرتے اور اگر بھاگنا ناممکن تھا تو کم از کم رستہ میں ہی کچھ وقت ضائع کرتے لیکن بلاوا آگیا۔ اب کیا مجال کہ ذرا سستی کریں۔

۳۲ ـ اگلے پچھلے فرعونوں، نمرودوں، ابوجہلوں، ابولہبوں اور شاتموں کا یہ حال ہوگا کہ شرم و ندامت کے مارے آنکھیں جھکی ہوں گی اور چہروں پر رسوائی اور ذلت کی دھول بھی ہوگی۔ خستہ حال، کس مپرسی کا عالم۔

الٰہی! ہمیں صحیح عقائد پر ثابت قدم رکھ اور نیک کام کرنے کی توفیق ارزانی فرما جب تک زندہ رہیں تیرے بندے تیرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلام اور دین پاک کے مخلص خادم بن کر زندہ رہیں اور جب یہاں سے رخصت ہوں تو شہادت کی سعادت نصیب فرما اور نبی کریم کے لواء الحمد کے نیچے ہمارا حشر ہو اور تیرے حبیب کی شفاعت نصیب ہو!

فاطر السموات والارض انت ولی فی الدنیا والاخرة توفنی مسلما والحقنی بالصالحین۔ ربنا اغفرلی ولوالدی وللمؤمنین یوم یقوم الحساب۔

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدی رحمۃ للعلمین وعلی آلہ الطاہرین وصحبہ المکرمین ومن احبہ وتبعہ الی یوم الدین۔

تعارف

سُورۂ نوح

نام : اس سورت کا نام نوح ہے۔ کیونکہ اس میں نوح علیہ السلام کی مساعی کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کی آیات کی تعداد ۲۸ ہے، یہ دو سو چوبیس کلمات اور نو سو ننانوے حروف پر مشتمل ہے۔

زمانۂ نزول : یہ بھی ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔

مضامین : پہلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی قوم کو تباہ کرنے سے پہلے اس کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کے لیے کوئی نذیر بھیجا جاتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی سُنت ہے۔ یوں ہی بے خبری میں کسی کو ہلاک نہیں کر دیا جاتا۔

نوح علیہ السلام کی دعوت کے تین ستون ہیں۔ ۱۔ اللہ وحدہٗ کی عبادت۔ ۲۔ تقویٰ اور پرہیزگاری۔ ۳۔ اپنے نبی کی اطاعت۔ انہی اصولوں پر تمام اقوامِ عالم کی فلاحِ دارین کا انحصار ہے۔

نوح علیہ السلام نے جس خوبصورتی سے اپنے فرائضِ نبوت کو ادا کیا اس کی تفصیلات آپ آیات ۵ تا ۲۰ میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ آپ نے صرف آخرت کی نجات کا راستہ ہی اپنی قوم کو نہیں دکھایا بلکہ ان سے وعدہ کیا کہ اگر تم میری دعوت کو قبول کرو گے تو تم دُنیا میں بھی خوشحال ہو جاؤ گے۔ تمہارے بنجر میدانوں میں باغات لہلہانے لگیں گے۔ تمہارے خشک گھاٹیوں میں نہریں رواں ہو جائیں گی، تمہیں اولادِ نرینہ بکثرت دی جائے گی۔ بروقت بارشیں ہوا کریں گی۔ قحط اور خشک سالی کا جو خوف ہر وقت تمہارے اعصاب پر سوار رہتا ہے اس سے نجات مل جائے گی۔

پھر آپ نے اپنی قوم کے رئیسوں کی عیاریوں کا ذکر کیا کہ وہ خود بھی اس دین کو قبول نہیں کرتے۔ اس کی وجہ تو ظاہر ہے کہ اس دین کی تعلیمات ان کے مفاد سے ٹکراتی تھیں، وہ کیسے زکوٰۃ دیں عیش و نشاط سے وہ کیسے دستکش ہو جائیں میخواری اور رقص و سرود کو کس طرح درہم برہم کر دیں لیکن وہ غریبوں اور عوام کو بھی نوح علیہ السلام کے نزدیک نہیں آنے دیتے تھے اور اس کے لیے بڑی بڑی عیاریاں اور مکر کرتے تھے۔ ان کے خیراندیش اور ناصحِ مشفق بن کر انہیں نصیحتیں کرتے کہ اے عوام! اے طاقت و قوت کے حقیقی سرچشمو! اے ملک کے اصل حکمرانو! اس نوح سے بچنا، اس کے دام میں نہ آنا یہ تمہیں تمہارے دیوتاؤں سے برگشتہ کرنا چاہتا ہے۔ خبردار ایسا ہرگز نہ کرنا ہم صرف تمہاری خیر خواہی کے لیے تمہیں مشورے دے رہے ہیں۔ یہ ڈرامہ ہر زمانے میں کھیلا جاتا رہا ہے۔ اور جنہوں نے پھنسنا ہو، وہ پھنستے رہتے ہیں۔

نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو سال تک شب و روز جلوت و خلوت میں ان کو دعوتِ حق دیتے رہے۔ یہ حوصلہ اور

اتنا صبر پیغمبر ہی کو نصیب ہوتا ہے لیکن جب ان پر کوئی اثر نہ ہوا، تو آپ نے بددعا کی کہ الٰہی! ان سب کو غرق کر دے اور ان میں سے کسی کو زندہ نہ رہنے دے۔

آخر میں اپنے لیے اور اپنوں کے لیے دُعائے مغفرت کرتے ہیں اور سب کی بخشش کے لیے دامن پھیلاتے ہیں۔

سُوْرَةُ نُوْحٍ مَّكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً فِيْهِمَا رُكُوْعَانِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورہ نوح مکی ہے۔ اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اس میں ۲۸ آیات اور ۲ رکوع ہیں

اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ

بے شک ہم نے بھیجا نوح کو ان کی قوم کی طرف[1] (اور فرمایا اے نوح!) بروقت خبردار کرو اپنی قوم کو اس سے

اَنْ يَّاْتِيَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ① قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ②

پہلے کہ نازل ہو جائے ان پر عذاب الیم۔ آپ نے فرمایا اے میری قوم! میں تمہیں صریح طور پر ڈرانے والا ہوں[2]

۱؎ تورات کی کتاب پیدائش باب پانچ آیات ۳ تا ۲۹ میں حضرت نوح علیہ السلام کے احوال درج ہیں۔ اس میں آپ کا یہ نسب نامہ درج ہے:

نوح بن لمک بن متوسلح بن حنوک بن یارد بن مہلل ایل بن قینان بن انوس بن سیت بن آدم۔

اس طرح بھی آپ حضرت آدم سے دسویں پشت میں ہیں۔ علامہ قرطبی اور دیگر مفسرین نے بھی حضرت نوح کو دسویں پشت ہی میں شمار کیا ہے اور آپ کے آبا کے ناموں میں برائے نام فرق ہے۔ نوح بن لامک بن متوشلخ بن اخنوخ وہو ادریس بن یرد بن مہلائیل بن انوش بن قینان بن شیث بن آدم علیہم السلام۔ قال وهب كلهم مؤمنون۔ وہب کہتے ہیں کہ یہ تمام کے تمام مومن تھے۔

قتل عمد کی ابتدا تو حضرت آدم علیہ السلام کے عہد میں ہو چکی تھی حضرت ادریس علیہ السلام کے زمانہ میں نفاق پھیل گیا۔ لوگ فسق و فجور میں مبتلا ہو گئے حضرت نوح کے عہد تک تو شرک و کفر، ظلم و ستم اور بدکاریوں کی انتہا ہو گئی۔ دل اتنے سخت ہو گئے، مزاج اتنے بگڑ گئے، عقلیں اتنی مسخ ہو گئیں کہ حضرت نوح علیہ السلام نے دس پچاس سال نہیں، ساڑھے نو سو سال تک انہیں صبح و شام سمجھایا، خلوتوں اور جلوتوں میں انہیں دعوتِ حق دی لیکن گنتی کے چند آدمیوں کے سوا کسی نے آپ کی دعوت کو قبول نہ کیا بلکہ ان کا عناد اور بڑھ گیا۔

حضرت نوح، آپ کی تبلیغی مساعی، قوم کی معاندانہ روش کا ذکر آپ پہلے بھی کئی مقامات پر پڑھ آئے ہیں۔ یہ ساری سورت آپ کے حالات پر مشتمل ہے۔ غور فرمائیے جب طبیعتیں بگڑ جاتی ہیں تو اصلاح کی کوششیں کیسے ناکام ہوتی ہیں۔ پہلی آیت میں نوح علیہ السلام کو ان کے فریضۂ نبوت سے آگاہ کیا جا رہا ہے کہ آپ اٹھیے اور اپنی قوم کے پاس تشریف لے جائیے اور انہیں بتائیے کہ ان کی پیہم بدکاریوں اور کفر و شرک کے باعث وہ عذاب الٰہی کے سزاوار ہو گئے ہیں لیکن ابھی توبہ کا دروازہ بند نہیں ہوا۔ اب بھی اگر وہ آنکھیں کھول لیں اور اپنی غلط روش سے باز آجائیں تو ان کی بخشش کی امید کی جا سکتی ہے۔

۲؎ میں تمہیں عام فہم الفاظ میں اور کھلے کھلے انداز میں ڈرانے والا بن کر آیا ہوں تاکہ تم باز آجاؤ اور توبہ کرو۔

أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَأَطِيْعُوْنِ ﴿۳﴾ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ

کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اس سے ڈرو اور میری پیروی کرو ــ۳ وہ بخش دے گا تمہارے لیے تمہارے گناہ ــ۴

وَيُؤَخِّرْكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ إِنَّ أَجَلَ اللّٰهِ إِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ

اور مہلت دے گا تمہیں ایک مقررہ میعاد تک۔ بلاشبہ اللہ کا مقررہ وقت جب آجاتا ہے تو اسے مؤخر نہیں کیا جاسکتا ــ۵

لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّيْ دَعَوْتُ قَوْمِيْ لَيْلًا وَّنَهَارًا ﴿۵﴾

کاش! تم (حقیقت کو) جان لیتے ــ۶ نوح نے عرض کی اے میرے رب! میں نے دعوت دی اپنی قوم کو رات کے وقت اور دن کے وقت ــ۷

ــ۳ میری دعوت کے تین بنیادی اصول ہیں۔ (۱) کفر و شرک چھوڑ دو۔ اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرو۔ اس سے تمہارے عقائد درست ہوجائیں گے۔ توہمات اور وسوسوں سے تمہاری عقلیں آزاد ہوجائیں گی اور جب نورِ توحید چمکے گا تو تمہارا سینہ وادیٔ ایمن بن جائے گا۔ (۲) میری دعوت کا دوسرا اصول یہ ہے کہ تم تقویٰ کو اپنا شعار بناؤ۔ جب تم متقی اور پارسا بن جاؤ گے تو فسق و فجور کی عفونتوں سے تمہارا دامن پاک ہوجائے گا۔ ظلم و ستم، لوٹ کھسوٹ، جھوٹ اور غیبت، خودغرضی اور حرص کا تمہارے معاشرے میں نام و نشان بھی باقی نہ رہے گا۔ خود سوچو اس طرح تمہارے معاشرے میں کتنی خوش آئند تبدیلی رونما ہوگی۔ (۳) میری دعوت کا تیسرا اصول یہ ہے کہ تم میری اطاعت کرو۔ تمہارے رب نے مجھے مرشد و رہنما کر کے مبعوث فرمایا ہے۔ میں تمہیں سیدھی راہ پر لے چلوں گا اور منزلِ مراد تک پہنچا دوں گا۔ جب تم مجھے اپنا رہنما اور پیشوا تسلیم کر لو گے تو قوم میں انتشار اور طوائف الملوکی کے بجائے قومی اتحاد پیدا ہوجائے گا۔ تم ایک منظم اور متحد ملت کی طرح قوت و شوکت کے ساتھ زندگی بسر کر سکو گے۔

ــ۴ میری دعوت کو قبول کرنے کا پہلا بابرکت نتیجہ تو یہ نکلے گا کہ تمہارے سابقہ سارے گناہ بخش دیے جائیں گے اور ان گناہوں کے باعث جو عذاب عنقریب تم پر نازل ہوا چاہتا تھا، وہ ٹل جائے گا اور تمہاری مہلت کو لمبا کر دیا جائے گا۔

ــ۵ جب کوئی قوم اپنے نبی کی دعوت کو ٹھکرا دیتی ہے اور اسے غور و فکر کرنے کے لیے جو مہلت دی گئی ہو، وہ ختم ہوجاتی ہے اور مشیتِ ایزدی اس قوم کو نابود کر دینے کا قطعی فیصلہ کر دیتی ہے تو پھر کوئی طاقت اس فیصلے کو مؤخر نہیں کر سکتی۔

ــ۶ اگر یہ حقیقت تم پر آشکارا ہوجائے تو تم مہلت کے ان قیمتی لمحوں کو ضائع نہ کرو بلکہ فوراً توبہ کرو۔

ــ۷ نوح علیہ السلام منصبِ رسالت پر فائز ہونے کے بعد اپنے فرائض کی ادائیگی میں مصروف ہوگئے۔ آپ کو برا بھلا کہا جاتا، طعن و تشنیع کے تیر برسائے جاتے، افترا و بہتان کے طوفان اٹھائے جاتے، حتیٰ کہ آپ کو مار مار کر لہولہان کر دیا جاتا۔ آپ پہروں بے ہوش پڑے رہتے۔ آپ کو کسی مکان میں بند کر دیا جاتا لیکن اس جور و جفا کے باوجود یہ پیکرِ اخلاص و وفا ان ناہنجاروں کی اصلاح میں لگا رہا۔ بارگاہِ الٰہی میں ان کے لیے دعائیں مانگتا رہا۔ آپ ان کو شب و روز تبلیغ بھی کرتے۔ عام اجتماعوں میں بلند آواز سے انہیں وعظ فرماتے۔ جب وہ اپنی خلوت گاہوں میں بیٹھے ہوتے آپ وہاں جا کر رازدارانہ طور پر اور چپکے چپکے ان کو گمراہیاں چھوڑنے کی تلقین کرتے۔ یہ سلسلہ جاری رہا۔ ماہ و سال نہیں، نو صدیاں بیت

فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَاءِىْٓ اِلَّا فِرَارًا ۝ وَاِنِّىْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ

تو میری دعوت کے باعث ان کے فرار (و نفرت) میں ہی اضافہ ہوا۔ اور جب بھی میں نے انہیں بلایا تاکہ تو ان کو بخش دے

جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ فِىْٓ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَاَصَرُّوْا

(تو ہر بار) انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیں ؁ اور اپنے اوپر لپیٹ لیے اپنے کپڑے اور اڑ گئے (کفر پر)

وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ۝ ثُمَّ اِنِّىْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۝ ثُمَّ اِنِّىْٓ

اور پرلے درجے کے مستکبر بن گئے۔ پھر (بھی) میں نے ان کو بلند آواز سے دعوت دی۔ پھر انہیں

اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ۝ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ

کھلے بندوں بھی سمجھایا اور چپکے چپکے بھی انہیں (تلقین) کی۔ پس میں نے کہا (ابھی وقت ہے) معافی مانگو اپنے رب سے

اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ وَّيُمْدِدْكُمْ

بے شک وہ بہت بخشنے والا ہے ؁ وہ برسائے گا آسمان سے تم پر موسلا دھار بارش اور مدد فرمائے گا تمہاری

گئیں ان میں حق پذیری کے آثار نمایاں نہ ہوئے بلکہ ان کی ہٹ اور تعصب میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا گیا۔ جب آپ کو ان کے ایمان لانے کی امید نہ رہی تو آپ نے اپنے پروردگار کے حضور میں اپنی روداد الم بیان کرنی شروع کر دی۔ عرض کرتے ہیں الٰہی ان کو سمجھانے میں میں نے دن رات ایک کر دیا کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی لیکن جتنا میں ان کو حق کی طرف کھینچتا ہوں اتنا ہی وہ اس سے دور بھاگتے ہیں اور ان کی نفرت میں اضافہ ہوتا ہے۔

؁ جب بھی میں ان کو وعظ کرنے کے لیے کھڑا ہوتا ہوں یہ اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس دیتے ہیں تاکہ میری آواز ہی انہیں سنائی نہ دے اور اپنے آپ کو اپنے کپڑوں سے ڈھانپ لیتے ہیں تاکہ میری شکل ہی نہ دیکھ سکیں یا منہ پر چادر ڈال کر گزر جاتے ہیں تاکہ میں نہ ان کو پہچانوں اور نہ ان کو تلقین کروں۔ الٰہی! یہ کفر پر جم کر رہ گئے ہیں۔ انہوں نے بارہا مجھے کھلے لفظوں میں کہا اے نوح! تم خواہ مخواہ اپنا دماغ کھپا رہے ہو تم لاکھ دلائل پیش کرو، ہم کفر کو نہیں چھوڑیں گے۔

ان کا رویہ اپنے رسول کے ساتھ از حد متکبرانہ تھا۔ وہ کہتے ہم آپ کو اپنا پیشوا کیسے تسلیم کر لیں کمین اور رذیل قسم کے لوگ آپ کے مرید ہیں، کسی قابل شخصیت نے، کسی رئیس قریہ نے، کسی ملک التجار نے تو آپ کو آج تک نبی تسلیم نہیں کیا۔ ان کنگلوں کے پاس بیٹھنا بھی ہماری توہین ہے۔ اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ۔ (الشعراء: ۱۱۱)

؁ میں نے انہیں یہ بھی بتایا کہ اگر تم سچے دل سے توبہ کرو گے تو صرف تمہاری آخرت ہی نہیں سنورے گی بلکہ دنیا بھی سنور جائے گی۔

بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ﴿۱۲﴾

اموال اور فرزندوں سے ف۱۰ اور بنائے گا تمہارے لیے باغات اور بنا دے گا تمہارے لیے نہریں۔

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ﴿۱۳﴾ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ﴿۱۴﴾ اَلَمْ

تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم پروا نہیں کرتے اللہ کی عظمت و جلال کی ف۱۱ حالانکہ اس نے تمہیں کئی مرحلوں سے گزار کر پیدا کیا ہے ف۱۲ کیا تم نے

بروقت بارشیں برسیں گی، قحط سالی کا تمہیں کوئی اندیشہ نہ رہے گا۔ ڈول نکالنے، رہٹ چلانے، نہریں کھودنے سے اور فقروں میں آبپاشی کرنے کی زحمت سے بھی نجات مل جائے گی۔

ف۱۰ صرف اتنا ہی نہیں کہ تم پر لگاتار بارشیں ہی کی جائیں گی، تمہیں خوبصورت، تندرست، قوی ہیکل فرزند بھی دیئے جائیں گے، مال و دولت میں بھی بے حد اضافہ ہو جائے گا، یہ بنجر زمین، یہ چٹیل میدان جو حد نگاہ تک پھیلے ہوئے ہیں یہاں سرسبز و شاداب باغات لہلہانے لگیں گے۔ ان خشک ریگزاروں میں نہریں بہنے لگیں گی۔ بتاؤ تمہیں اور کیا چاہیے

سورۂ مائدہ کی آیت ۶۶، اعراف کی آیت ۹۶، سورۂ ہود کی آیت ۵۲ اور آیت ۵۳ اسی مضمون کی تائید کرتی ہیں کہ جو قوم اللہ تعالیٰ کی فرمانبردار بن جاتی ہے اور اپنے گناہوں پر نادم ہو کر استغفار کرتی ہے، اللہ تعالیٰ اس کی مالی حالت بھی بہتر بنا دیتا ہے۔ امام شعبی سے منقول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ استسقاء کے لیے نکلے اور صرف استغفار کی اور واپس چلے آئے اور فوراً بارش برسنے لگی۔ صحابہؓ نے کہا کہ آپ نے نماز استسقاء تو نہیں پڑھی پھر یہ بارش کیسے آگئی۔ آپ نے جواب دیا۔ لَقَدْ طَلَبْتُ الْمَطَرَ بِمَجَادِيحِ السَّمَاءِ الَّتِي يُسْتَنْزَلُ بِهَا الْمَطَرُ ثُمَّ قَرَأَ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ۔ میں نے بارش آسمان کے اس ستارے کے طفیل طلب کی ہے جس کے باعث بارش اترتی ہے۔ پھر یہ آیتیں پڑھیں۔ معلوم ہوا کہ استغفار بھی نزول بارش کا ذریعہ ہے۔

ابن صبیح کہتے ہیں کہ امام حسن بصری کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے قحط سالی کی شکایت کی۔ آپ نے اسے فرمایا استغفر اللہ۔ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو۔ ایک اور آدمی آیا اس نے فاقہ کی شکایت کی اس کو بھی یہی جواب دیا۔ تیسرا آدمی آیا اس نے اولاد نرینہ کے لیے درخواست کی۔ اس کو بھی یہی جواب دیا۔ ایک اور آدمی آیا اس نے عرض کی میرا باغ خشک ہو گیا پھل نہیں دیا۔ اسے بھی یہی جواب دیا۔ ہم نے کہا کہ مختلف لوگوں نے مختلف درخواستیں پیش کیں اور آپ نے سب کا ایک ہی جواب دیا۔ حسن بصری نے کہا کہ میں نے اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا بلکہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ نوح میں فرمایا ہے استغفروا ربکم انہ کان غفارا یرسل السماء علیکم مدرارا ویمددکم باموال وبنین ویجعل لکم جنت ویجعل لکم انہارا۔ (قرطبی)

ف۱۱ جب اس بات کا بھی کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا تو آپ انہیں سرزنش فرمانے لگے کہ بڑے افسوس کی بات ہے اگر کوئی معمولی آدمی تمہارے پاس آتا ہے تم اٹھ کر اسے سلام کرتے ہو، اگر کسی علاقے کا کوئی سردار آجائے تو اس کا تم احترام کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کی ہی ایک ایسی ذات ہے جس کا تمہیں کوئی لحاظ نہیں، جس کی تمہیں کوئی پروا نہیں، جس کی گرفت کا تمہیں کوئی خوف نہیں۔ مجاہد اور ضحاک نے آیت کا یہی مفہوم بتایا ہے۔ مالکم لا تبالون للہ عظمۃ۔ یعنی تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بزرگی کی تم پروا نہیں کرتے۔ قطرب کہتے ہیں کہ حجازی لغت میں اس کا یہی معنی ہے۔ ہذیل، خزاعہ اور مضر یقولون لم ارج : لم اُبال۔ (قرطبی)، وقار : عظمت۔

ف۱۲ اطوار کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں کئی مرحلوں سے گزارا اور پھر اس شکل و صورت میں آراستہ کر کے پیدا فرمایا۔ قال ابن عباس،

تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۝١٥ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ

نہیں دیکھا کہ اللہ نے کیسے پیدا کیا ہے سات آسمانوں کو تہ بہ تہ ۱۳ اور بنایا ہے چاند کو

فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ۝١٦ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ

ان میں روشنی اور بنایا ہے سورج کو درخشاں چراغ۔ اور اللہ نے تم کو زمین سے

الْاَرْضِ نَبَاتًا ۝١٧ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ۝١٨ وَاللّٰهُ

عجب طرح اگایا ہے ۱۴ پھر لوٹا دے گا تمہیں اس میں اور (اسی سے) تمہیں (دوبارہ) نکالے گا۔ اور اللہ نے

جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ۝١٩ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ۝٢٠

ہی زمین کو تمہارے لیے فرش کی طرح بچھا دیا ہے تاکہ تم اس کے کھلے راستوں میں چلو ۱۵

قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَ

نوح نے عرض کی اے میرے پروردگار! انہوں نے میری نافرمانی کی ۱۶ اور اس کی پیروی کرتے رہے جس کو نہ بڑھایا اس کے مال اور

اطوارا یعنی نطفة ثم علقة ثم مضغة ای طورا بعد طور الی اتمام الخلق۔ اور بعض نے اس کا یہ مفہوم بتایا ہے کہ پہلے تم بچے تھے پھر جوان ہوئے پھر بڑھاپا آیا پھر یہ قوت بن کر کمزور ہوگئے۔ وقیل اطوارا: صبیا ثم شبابا ثم شیوخا وضعفاء۔ اطوارا کا ایک تیسرا معنی بھی بتایا گیا ہے۔ مختلف انواع و اقسام کوئی تندرست کوئی بیمار کوئی بینا کوئی نابینا کوئی غنی کوئی فقیر۔ (قرطبی) وقیل اطوارا ای انواعا صحیحا وسقیما وبصیرا وضریرا وغنیا وفقیرا۔ (قرطبی)

۱۳ انسانی زندگی کے مختلف مراحل میں اس کی قدرت، حکمت اور رحمت کے جو آثار جلوہ نما ہوتے ہیں ان کے ذکر کے بعد منکرین کی طرف متوجہ کیا۔ فرمایا تہ بہ تہ سات آسمانوں کو دیکھو، نور برسانے والے چاند کو دیکھو، نیر اعظم آفتاب عالمتاب کو دیکھو۔ کیا اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے لیے اس کے بعد بھی تمہیں کسی دلیل کی ضرورت ہے۔

۱۴ انسان کی تخلیق، موت اور بعثت کی طرف متوجہ کیا۔

۱۵ اللہ تعالیٰ کے ایک اور احسان کا ذکر فرمایا کہ رب کریم نے زمین کو تمہارے لیے فرش کی طرح بچھا دیا ہے اور اس میں بڑے کشادہ راستے بنا دیے ہیں جن پر چل کر تم بآرام منزل تک پہنچ سکتے ہو۔ سُبُل، سبیل کی جمع ہے اور فجاج: فج کی۔ الطریق الواسعة وقیل الفج: المسلك بین الجبلین۔ یعنی اس کا معنی کشادہ راستہ ہے اور بعض نے کہا ہے کہ دو پہاڑوں کے درمیانی راستہ کو فج کہتے ہیں۔

۱۶ الٰہی! مجھے تو نے ان کا رسول اور ہادی بنا کر بھیجا تھا۔ انہیں چاہیے تھا کہ وہ کسی پس و پیش کے بغیر میری اطاعت کرتے اور دنیا

وَلَدُهٗۤ اِلَّا خَسَارًا ﴿۲۱﴾ وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿۲۲﴾ وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ

اولاد نے بجز خسارہ کے۔ اور انہوں نے بڑے بڑے مکروفریب کیے [۳۲] اور رئیسوں نے کہا (اے لوگو!) (نوح کے کہنے پر)

اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَ

ہرگز نہ چھوڑنا اپنے خداؤں کو [۳۳] اور (خاص طور پر) وَدّ اور سواع کو مت چھوڑنا اور نہ یغوث اور یعوق اور

اور آخرت کی سعادتوں سے اپنا دامن بھرتے، لیکن انہوں نے میری تو ایک نہ سنی بلکہ عمر بھر نافرمانی کی اور ایسے بدبخت اور بدکار رئیسوں کو اپنا پیشوا بنا لیا جو مال اور اولاد کی کثرت کے باعث تجھ سے دُور ہو چکے تھے اور رات دن عیش و عشرت میں بسر کرتے اور اپنے گھاٹے کو دن بدن بڑھاتے چلے جاتے تھے۔

[۳۲] یہ رئیس لوگ خود ہی گمراہ اور بدکار نہ تھے بلکہ وہ اس کوشش میں لگے رہتے کہ عوام بھی حضرت نوح سے برگشتہ رہیں اور ان کے دین کو قبول نہ کریں۔ انہیں یہ فکر دامنگیر تھا کہ اگر عوام نے حضرت نوح کے دین کو قبول کر لیا تو ان کی چودھراہٹ ختم ہو جائے گی۔ ان کمزوروں اور ضعیفوں کا اگر شعور بیدار ہو گیا اور خدا کے ساتھ ان کا رابطہ قائم ہو گیا تو وہ ان کی غلامی کا طوق اتار کر دُور پھینک دیں گے۔ اس خطرہ کے سدباب کے لیے وہ ہر قسم کے مکروفریب سے کام لیتے۔ ایسی ایسی چالیں چلتے کہ بھلے چنگے سمجھدار لوگ بھی پھنس جاتے۔ کبھی کہتے نوح ہماری طرح ہی ایک بشر ہے، اس پر کیسے وحی نازل ہو گی (الاعراف: ۶۳) کبھی کہتے اس کے مرید رذیل قسم کے لوگ ہیں کوئی کام کا آدمی تو ان کے ہاں نظر نہیں آتا۔ کیا قوم کے بڑے بڑے رئیس، تاجر اور چودھری سب احمق ہیں اور یہی لوگ ہی اتنے سیانے واقع ہوئے ہیں کہ انہوں نے ان کی دعوت کو قبول کر لیا۔ (ہود: ۲۷) کبھی کہتے اگر اللہ تعالیٰ نے کسی کو نبی بنانا ہوتا تو کسی معصوم فرشتے کو بناتا۔ (المومنون: ۲۴) کبھی کہتے کہ نوح نے نبوت کا دعویٰ محض اپنی ریاست قائم کرنے کے لیے اور تمہارا لیڈر بننے کے لیے کیا۔ (المومنون: ۲۴) یہ اور اس قسم کی کئی بے سروپا باتیں وہ بڑے جوش و خروش سے کیا کرتے اور اکثر لوگ ان کے اس دام فریب میں پھنس جاتے۔ کُبَّار، کُبَار اور کَبِیر ہم معنی ہیں۔ وقیل کُبَّار للمبالغة۔ (قرطبی)

[۳۳] بڑے ناصح مشفق بن کر انہیں نصیحت کرتے کہ نوح کی باتوں سے متاثر ہو کر اپنے معبودوں کو نہ چھوڑ بیٹھنا خصوصاً جو بڑے پانچ بت ہیں ان کی خدائی پر پختہ یقین رکھنا ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔

ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر۔ نوح علیہ السلام کے عہد کے یہ پانچ بڑے دیوتا تھے جن کی پرستش بڑی دھوم دھام سے کی جاتی تھی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے صدیوں اپنی قوم کو سمجھایا کہ یہ بے جان بت کیونکر خدا بن سکتے ہیں لیکن اس کا کوئی خاطرخواہ نتیجہ نہ نکلا۔ اس کا تفصیلی ذکر آپ پہلے بھی کئی مقامات پر پڑھ چکے ہیں اور اس سورت میں بھی پڑھ رہے ہیں۔

یہاں یہ عرض کرنا ہے کہ ان بتوں کی حقیقت کیا تھی۔ عقل انسانی نے کیوں انہیں معبود یقین کر لیا۔ صنم پرستی کا رواج اہل تحقیق کے نزدیک دو طریقوں سے ہوا۔ پہلا طریقہ صابئین نے اختیار کیا۔ ان کا اعتقاد تھا کہ اجرام سماوی (ستارے، چاند، سورج) بھی جاندار اور ذی روح ہیں

ان کا تعلق اس عالم دنیا سے بھی ہے اور اسی تعلق کی بنا پر یہاں سارے تغیرات 'ولادت' موت' صحت' بیماری' فتح' شکست' عزت' ذلت وغیرہ رونما ہوتے ہیں جب ان کے ذہن میں یہ عقیدہ راسخ ہو گیا تو وہ ان کی عبادت کی طرف راغب ہوئے۔ لیکن یہ اجرام ان کی رسائی سے بالا تھے ان میں سے بیشتر ان کی آنکھوں سے اوجھل تھے' انہوں نے ان کے ناموں پر بت بنا کر سامنے رکھ لیے تاکہ ان کے ذکر و تصور کی وہاں تک رسائی ہو سکے چنانچہ اس طرح بت' معرض وجود میں آئے اور پھر ان کی عبادت شروع ہو گئی۔ مذاہب باطلہ میں سے سب سے قدیم مذہب انہی صابئین کا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ پانچ بت' جن کی پرستش حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں ہوتی تھی' بعض ستاروں کے نام ہوں اور ان کے ناموں پر یہ اصنام تراشے گئے ہوں۔ نسر تو دو ستاروں کا نام ہے۔ ایک کو نسر الواقع اور دوسرے کو النسر الطائر کہتے ہیں۔ اشوریین جو نوح علیہ السلام کے بعد آئے ان کے ایک معبود کا نام نسروخ یعنی نسر عظیم تھا۔ اس کا ایک ہیکل ان کے دارالحکومت نینوا میں بھی تھا جس کی وہ پوجا کیا کرتے تھے۔

اصنام پرستی کی دوسری وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ جب ان میں بعض ایسے لوگ پائے جاتے جو کہانت' شجاعت' قوت' علم یا اخلاق حسنہ میں عام لوگوں کی سطح سے بہت اونچے تھے تو عوام اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے کہ ان میں روح الٰہی نفوذ کیے ہوئے ہے' اسی لیے ان سے یہ مافوق البشر اعمال صادر ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے مرنے کے بعد ان کے مجسمے تراش لیتے اور ان کی عبادت کرنے لگتے۔

کتب تفسیر میں ایسی روایات بھی مذکور ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کے پانچ بیٹے تھے۔ ود' سواع وغیرہ بہت پارسا اور عبادت گزار۔ جب یہ انتقال کر گئے تو لوگوں پر ان کی جدائی بڑی شاق گزری۔ انہیں ان کی موت کا از حد صدمہ پہنچا۔ کیونکہ یہ لوگ انہیں اللہ تعالیٰ کی یاد اور نیکی کی دعوت دیتے تھے' خود بھی سراپا نیکی و طہارت تھے۔ ان کے نورانی چہروں کو دیکھ کر اور ان کی صحبت میں بیٹھ کر انہیں خدا کی یاد آتی تھی چنانچہ کسی کے مشورے سے (بعض نے لکھا ہے کہ مشورہ دینے والا ابلیس تھا اور انسانی شکل میں ان کے پاس آیا تھا) انہوں نے ان کی تصویریں بنا لیں تاکہ ان کی شبیہوں کو دیکھ کر دلوں کو سکون ملے اور اللہ تعالیٰ کی یاد کا جذبہ کمزور نہ ہونے پائے۔ کئی نسلیں تو اسی حالت پر گزریں لیکن جب کافی عرصہ گزر گیا تو بعد میں آنے والی نسلوں نے رفتہ رفتہ اصل مقصد کو بھلا دیا اور شیاطین جن و انس کے اغوا کرنے پر انہیں اپنا معبود سمجھ لیا اور ان کی عبادت شروع کر دی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے انہیں بہت سمجھایا لیکن وہ باز نہ آئے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا غضب' طوفان کی صورت میں نمودار ہوا اور انہیں اور ان کے بتوں کو خس و خاشاک کی طرح بہا لے گیا۔

اس طوفان سے صرف وہی لوگ بچے جو آپ کے سفینہ میں سوار تھے اور جو توحید پر کامل ایمان رکھتے تھے۔ جب پھر کافی عرصہ گزر گیا تو سابقہ گمراہیاں دوبارہ عود کرنے لگیں حتیٰ کہ بت پرستی کی رسم بد بھی شروع ہو گئی۔ بعد میں آنے والی نسلوں نے اپنے آباء و اجداد سے یہ تو سن رکھا تھا کہ نوح علیہ السلام کی قوم کے پانچ بڑے دیوتا تھے جن کے یہ نام تھے۔ ان لوگوں نے اپنے جذبہ مذہب پرستی کی تسکین کے لیے نئے بت تراشے اور انہیں ان پہلے دیوتاؤں کے ناموں سے موسوم کر دیا۔

عرب میں سب سے پہلے بت پرستی کا آغاز کرنے والا عمرو بن لحی بن قمعہ تھا۔ یہ ان لوگوں سے متاثر ہوا۔ اس نے تین صد چالیس سال کی طویل عمر پائی۔ کعبہ کی تولیت پانچ سو سال تک اس کے اور اس کی اولاد کے پاس رہی اور اس نے بت پرستی کو رواج دینے میں اپنی پوری کوششیں صرف کر دیں۔ کعبۃ اللہ جس کو حضرت خلیل علیہ السلام نے اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کے لیے تعمیر کیا تھا اسی بدبخت

نَسۡرًا ﴿۲۳﴾ وَقَدۡ اَضَلُّوۡا كَثِيۡرًا ۚ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيۡنَ اِلَّا ضَلٰلًا ﴿۲۴﴾

نسر کو۔ اور انہوں نے گمراہ کر دیا بہت سے لوگوں کو۔ (الٰہی!) تو بھی ان کی گمراہی میں اضافہ کر دے ۱۹؎

مِمَّا خَطِيۡٓـٰٔتِهِمۡ اُغۡرِقُوۡا فَاُدۡخِلُوۡا نَارًا ۙ فَلَمۡ يَجِدُوۡا لَهُمۡ

اپنی خطاؤں کے باعث انہیں غرق کر دیا گیا ۲۰؎ پھر انہیں آگ میں ڈال دیا گیا ۲۱؎ پھر انہوں نے نہ پایا اپنے لیے

کے زمانے میں بت خانہ بنا عرب کے مختلف قبائل کے ہاں جو بت تھے ان میں بھی جن بتوں کو بڑی شہرت اور ناموری حاصل تھی وہ پانچ بت ہی تھے جن کے نام وُدّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر تھے۔

چنانچہ بنی کلب کے بت کا نام وُدّ تھا جس کا مسند دومۃ الجندل میں تھا قریش کا بھی ایک بت تھا جس کو وہ وُدّ کہا کرتے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ وہی بنی کلب والا بت ہو اور یہ اس کا تلفظ وُدّ، واؤ مضموم سے کرتے ہوں۔ ہو سکتا ہے یہ ان کا نیا بت ہو اور اس کے مقابلہ کے لیے انہوں نے بنایا ہو۔

سواع: یہ بھی ایک بت کا نام تھا جو پہلے ہذیل کے پاس تھا اور ان سے منتقل ہو کر قبیلہ ہمدان کے پاس آیا۔ وہ رہاط کے مقام پر نصب تھا۔ لوگ دور دراز سے اس کا حج کرنے آتے۔ یغوث، بنی مراد کا بت تھا۔ ان کے پاس سے پھر بنی غطیف کے پاس آیا۔ اس کا استھان ملک سبا میں تھا۔ یعوق بنی کنانہ کا بت تھا اور نسر حمیر کے قبیلہ کی ایک شاخ آل ذی الکلاع کا معبود تھا۔ ان کے بارے میں یہ بھی تصریح ہے کہ ان سب کی شکلیں انسانی نہ تھیں بلکہ مختلف تھیں۔ وُدّ کا بت تو ایک ہیکل مرد کی شکل کا تھا۔ سواع ایک عورت کا مجسمہ تھا۔ یغوث کی شکل شیر کی تھی یعوق گھوڑے کا ہمشکل تھا اور نسر عقاب کی صورت پر تھا اور سب مختلف دھاتوں کے بنے ہوئے تھے۔

علم الاصنام، اصنام ہی کی طرح، خرافات کا پلندہ ہے۔ توہمات و تخیلات کا مجموعہ، جتنا اس کو سمجھنے کی کوشش کرو اتنا ہی یہ الجھتا چلا جاتا ہے۔ قارئین کے ذوقِ تجسس کا پاس نہ ہوتا تو شاید یہ چند سطور بھی نہ لکھتا۔

۱۹؎ یہ نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول کا تتمہ ہے۔ عرض کر رہے ہیں کہ الٰہی! ان گمراہ رئیسوں نے گمراہی کا طوفان برپا کر دیا اور سادہ لوح لوگوں کی اکثریت اس میں تنکوں کی طرح بہہ گئی ہے۔ الٰہی! ان ظالموں کی گمراہی میں اور اضافہ کر تاکہ یہ سخت سے سخت ترین عذاب کے مستحق قرار پائیں اور انہیں اپنی بدمعاشیوں، مکاریوں اور شرارتوں کی خوب خوب سزا ملے۔

۲۰؎ ان کی خطاؤں کے باعث ان کو غرق کر دیا گیا۔ اگرچہ ان کے گناہوں کی فہرست بڑی لمبی ہے، لیکن سرِ فہرست شرک ہے۔ یہی ان کا وہ گناہ تھا جس کے باعث وہ دوسرے گناہوں کی دلدل میں دھنستے چلے گئے اور انبیاء و صالحین نے ان کو باہر نکالنے کی جس قدر مساعی کیں، انہوں نے اپنی ہٹ دھرمیوں سے انہیں ناکام بنا دیا۔

۲۱؎ اُدخلوا پر فا عاطفہ ہے۔ جہاں ترتیب اور تعقیب بتانا مقصود ہو یعنی یہ کام پہلے کام کے بعد ہوا اور اس کے بعد فوراً ہوا تو یہ فا استعمال ہوتی ہے۔ یعنی ان کے غرق ہونے کے بعد فادخلوا نارا کہ انہیں معاً آگ میں ڈال دیا گیا۔ اسی سے اہلِ سنت عذابِ قبر پر استدلال

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ﴿۲۵﴾ وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ

اللہ کے سوا کوئی مددگار ۲۲ اور نوح نے عرض کی اے میرے رب! نہ چھوڑ روئے زمین پر

مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿۲۶﴾ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَ

کافروں میں سے کسی کو بستا ہوا ۲۳ اگر تو نے ان میں سے کسی کو چھوڑ دیا تو وہ گمراہ کر دیں گے تیرے بندوں کو اور

لَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿۲۷﴾ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَ

نہ جنیں گے مگر ایسی اولاد جو بڑی بدکار، سخت ناشکر گزار ہوگی ۲۴ میرے رب! بخش دے مجھے اور میرے والدین کو

کرتے ہیں کیونکہ اگر یہ بتانا مقصود ہوتا کہ قیامت کے روز ان کو داخل جہنم کیا جائے گا تو فادخلوا نہ کہا جاتا بلکہ ثم أدخلوا ہوتا۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں۔ ہی نار البرزخ فالمراد عذاب القبر۔ ومن مات فی ماء او نار او اکلته السباع او الطیر مثلا اصابه ما یصیب المقبور من العذاب۔ یعنی اس آگ سے مراد برزخ کی آگ ہے۔ مقصد عذاب قبر ہے۔ جو شخص پانی میں ڈوب جائے، آگ میں جل جائے یا اسے درندے یا پرندے نوچ کھائیں تو اس کو بھی وہی عذاب ہوتا ہے جو اس ظاہری قبر میں مدفون کو ہوتا ہے۔ معتزلہ عذاب قبر کے منکر ہیں۔ وہ برزخ کی زندگی کو تسلیم ہی نہیں کرتے۔ انہوں نے اس آیت کی تاویلیں کی ہیں۔ علامہ پانی پتی نے اس مقام پر ان کا رد کیا ہے اور عذاب قبر کے اثبات کے لیے متعدد احادیث نقل کی ہیں۔ ان میں سے صرف ایک پیش خدمت ہے:

حضرت صدیقہ فرماتی ہیں ما رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم صلی صلوۃ الا تعوذ من عذاب القبر۔ میں نے جب بھی حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا حضور نماز کے بعد عذاب قبر سے ضرور پناہ مانگتے۔ (متفق علیہ)

۲۲ جب اللہ تعالیٰ کے عذاب نے ان کو گھیر لیا تو کوئی نہ تھا جو اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں ان کی امداد کرتا اور انہیں عذاب کے چنگل سے رہائی دیتا۔

۲۳ الارض سے مراد آپ کی قوم کی سرزمین ہے۔ ای ارض قومہ (مظہری) آپ نے بددعا کی الٰہی! سب کو ہلاک کر دے۔ ان میں سے کسی کو بھی زندہ باقی نہ رہنے دے۔

۲۴ معلوم ہوا کہ نوح علیہ السلام باعلام اللہ تعالیٰ یہ بھی جانتے تھے کہ اب ان کی نسلوں میں کوئی بھی مومن پیدا نہ ہوگا۔ سب فاسق و فاجر، مشرک و کافر پیدا ہوں گے۔

لِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ط وَلَا

اور اسے بھی جو میرے گھر میں ایمان کے ساتھ داخل ہوا اور بخش دے سب مومن مردوں اور عورتوں کو ۲۵ اور کفار کی

تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا ۲۸ ع

کسی چیز میں اضافہ نہ کر بجز ہلاکت و بربادی کے۔

۲۵ آخر میں اپنے لیے، اپنے والدین کے لیے اپنے عقیدت مندوں کے لیے بلکہ سب اہل ایمان مردوں اور عورتوں کے لیے مغفرت کی دعا مانگی۔

○

ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنكونن من الخاسرين. وتب علينا انك انت التواب الرحيم. وصل وسلم على سيد الورى امام الانبياء شفيع المذنبين وعلى اله وصحبه ومن احبه وعزره واكرمه وتبعه الى يوم الدين.

○

تعارف

سُورۃ الجنّ

نام : اس سُورۂ پاک میں جنات کے احوال کا بیان ہے نیز اس کی پہلی آیت میں "الجن" کا لفظ بھی مذکور ہے اس لیے اس کا نام الجن تجویز ہُوا ہے۔

نزول : اس بات پر سب عُلماء متفق ہیں کہ یہ سُورت مکہ مکرمہ میں نازل ہُوئی، لیکن مکی زندگی کے کس دَور میں نازل ہُوئی اس کا تعین مشکل ہے؛ البتہ حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت سے یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اس کا نزول مکی زندگی کے ابتدائی دَور میں ہُوا۔ اس روایت کا ماحصل یہ ہے۔

صحیحین میں حضرت ابنِ عباس سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ کی غرض سے اپنے صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ عکاظ کے بازار کی طرف روانہ ہُوئے۔ یہ وہ وقت تھا جب جنات کا آسمان کی طرف پرواز کرنا بند ہوگیا تھا۔ وہ آسمان کے قریب جانے کی کوشش کرتے تو شہاب ثاقب اُن کا تعاقب کرتے۔ اُنھوں نے اس کا ذکر اپنی قوم کے سرداروں سے کیا۔ ایک دُوسری روایت میں ہے کہ اُنھوں نے یہ ماجرا ابلیس سے آکر کہا۔ وہ بولا ضرور کوئی ایسا حادثہ رُونما ہُوا ہے جس کی وجہ سے آسمان کی طرف تمہارا عروج روک دیا گیا ہے۔ اس لیے زمین کے شرق و غرب میں پھیل جاؤ۔ زمین کا گوشہ گوشہ چھان ڈالو اور اس حادثہ کا سراغ لگاؤ۔ جنات کا وہ گروہ جو تہامہ کے علاقہ میں چکر لگانے کے لیے آیا تھا۔ اُنھوں نے نخلہ کے مقام پر حضور کو صبح کی نماز ادا کرتے پایا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس وقت قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے۔ اُنھوں نے جب کلامِ الٰہی سُنا تو کہنے لگے بخدا یہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے ہمیں روک دیا گیا ہے۔ پھر وہ اپنی قوم کی طرف گئے اور جو سُنا تھا انہیں جاکر بتایا اور اپنے ایمان لانے کا اعلان کردیا۔

اللہ تعالیٰ نے یہ سُورت نازل فرمائی اور اپنے حبیب کو جنات کی آمد اور اُن کے دیگر احوال کے بارے میں آگاہ کیا۔ اس روایت میں غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ مکی دور کی ابتداء میں ہی یہ واقعہ رُونما ہُوا ہوگا کیونکہ جنات کی آسمان کی طرف پرواز نزولِ وحی کے ساتھ ہی بند کردی گئی تھی۔

حضرت ابنِ عباس سے ایک دُوسری روایت بھی ہے جس میں طائف سے واپسی کے وقت نخلہ میں قیام اور جنات کی حاضری کا بیان ہے۔ طائف کا سفر ۱۰ نبوی میں پیش آیا۔ اس سفر میں حضور کے ہمراہ صرف زید ابن حارثہ تھے۔ یہ دو الگ الگ واقعات ہیں۔ آیاتِ قرآنی سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے کیونکہ اس سُورت میں جن جنات کا ذکر ہے وہ مشرک اور

بے دین تھے اور جن کا ذکر سورۂ احقاف میں ہے۔ وہ انبیاء اور آسمانی کتب پر ایمان رکھنے والے تھے۔

کتب احادیث میں جنات کی حاضری کے بارے میں متعدد روایات ہیں۔ محدثین کی تحقیق یہ ہے کہ جنات چھ مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے۔ ان میں سے ایک کا تذکرہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کیا ہے فرماتے ہیں: "ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عشاء کی نماز ادا کی۔ مسجد سے باہر تشریف لے آئے، پھر میرا ہاتھ پکڑا اور چل پڑے یہاں تک کہ ہم ایک مقام پر پہنچے تو حضور نے مجھے ایک جگہ پر بٹھایا اور میرے اردگرد ایک خط کھینچ دیا اور فرمایا کہ تم اس سے باہر ہرگز نہ نکلنا۔ چنانچہ میں وہاں بیٹھ گیا۔ کئی لوگ میرے پاس سے گزرتے رہے۔ حضور سحری کے وقت تک واپس تشریف نہ لائے۔ پھر مجھے طرح طرح کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ یہاں تک کہ حضور پہنچ گئے۔ میں نے عرض کیا: میرے آقا رات بھر آپ کہاں تشریف فرما رہے ہیں؟ فرمایا: مجھے آج جنات کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ میں نے عرض کیا یہ آوازیں کیسی تھیں؟ فرمایا یہ ان جنوں کی آوازیں تھیں۔ وہ مجھے الوداع کہہ رہے تھے اور سلام عرض کر رہے تھے۔"

جنات کی حقیقت

جن جمع ہے اس کا واحد جنّی ہے جس طرح "رُوم" کا واحد "رومی" ہے۔ اس لفظ کی تشریح کرتے ہوئے علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں: اصل الجن ستر الشیء عن الحاسة (کسی چیز کے حواس سے پوشیدہ ہونے کو جن کہتے ہیں)، انہوں نے اس مادہ سے کئی مشتقات کا بھی ذکر کیا ہے ان سب میں یہ معنی موجود ہے۔ ماں کے شکم میں جو حمل ہوتا ہے۔ اس کو "جنین" کہتے ہیں۔ دل کو "جنان" کہتے ہیں جو سینے میں پوشیدہ ہوتا ہے "مجنّة" ڈھال کو کہتے ہیں جو انسان کو دشمن کے وار سے چھپا لیتی ہے۔ اس لفظ کی لغوی تحقیق کے بعد علامہ مذکور لکھتے ہیں:

ان الروحانیین ثلاثة اخیار وھم الملائکة واشرار وھم الشیاطین واوساط فیھم اخیار و اشرار وھم الجن (مفردات)

ترجمہ: "روحانی مخلوق کی تین قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جو سراپا خیر ہی خیر ہیں، وہ فرشتے ہیں۔ دوسری قسم ان کی ہے جو سراسر شر ہی شر ہیں، وہ شیاطین ہیں تیسری قسم وہ ہے جن میں کچھ نیک اور کچھ شریر ہوتے ہیں وہ جن ہیں۔"

علامہ ثناء اللہ پانی پتی نے جنات کی حقیقت کے بارے میں اہل سنت کی تحقیقات کا خلاصہ بایں الفاظ رقم فرمایا ہے:

الجن اجسام ذات ارواح کالحیوان عاقلة کالانسان خفیة عن اعین الناس ولذا سمیت جنًا خلقت من النار کما خلق آدم من طین ..... تتصف بالذکورة والانوثة وتتوالد والظاھر ان الشیاطین منھم بخلاف الملائکة فانھم لا یتصفون بالذکورة ولا بالانوثة ووجود الجن والشیاطین والملائکة ثابت بالشرع وانکرہ الفلاسفة (تفسیر مظہری)

ترجمہ: جن اجسام ہیں ان میں ارواح ہوتی ہیں جس طرح حیوان۔ یہ انسان کی طرح عقلمند ہوتے ہیں۔ لوگوں کی آنکھوں سے پوشیدہ ہوتے ہیں اسی لیے انہیں جن کہا جاتا ہے۔ ان کی تخلیق آگ سے کی گئی ہے جیسے آدم کی مٹی سے۔ ان میں نر مادہ بھی ہیں۔ ان کی اولاد بھی پیدا ہوتی ہے لیکن فرشتے نر مادہ نہیں ہوتے۔ جنات،

شیاطین اور ملائکہ کا وجود شریعت سے ثابت ہے، لیکن فلاسفہ ان کا انکار کرتے ہیں۔"

ہمارے متجددین جنات کے وجود کا انکار کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ جنات کے بارے میں جو قصے اور واقعات زبان زد عوام ہیں، یہ سب توہمات کی گلکاری ہے۔ قرآن کریم میں جن کا لفظ جو مذکور ہے ان کے نزدیک اس سے مراد کوئی علیحدہ مخلوق نہیں بلکہ انسانوں کے اُن گروہوں کو جن کہا گیا ہے جو جنگلوں صحراؤں اور پہاڑوں میں آباد ہیں۔ دوسرے لوگوں سے الگ تھلگ ویرانوں میں اپنی زندگی بسر کرتے ہیں کیونکہ عام آبادیوں میں وہ دکھائی نہیں دیتے اور نگاہوں سے اوجھل رہتے ہیں۔ اس لیے انہیں جن کہا گیا ہے اور یہی جن کا لغوی مفہوم ہے یا جنات سے وہ انسان مراد ہیں جو کھل کر قرآن کریم سننے کی جرأت نہیں کرتے تھے بلکہ لوگوں کی نگاہوں سے چھپ چھپ کر قرآن کریم سننے کی سعادت حاصل کیا کرتے تھے۔

بہتر ہے کہ ہم اس نزاع کے تصفیہ کے لیے قرآن کریم کو ہی اپنا حکم تسلیم کریں۔ اگر قرآن کریم کی آیات سے یہ پتہ چلے کہ جن انسانوں کے ہی بعض گروہ ہیں تو ہمیں تسلیم کرنے میں ذرا تامل نہ کرنا چاہیے اور اگر قرآن کریم کی متعدد آیات اُن کے علیحدہ مخلوق ہونے کی شہادت دیں تو ہمیں انکار کی جرأت نہیں کرنی چاہیے۔ قرآن کریم میں جنات کا ذکر ایک بار نہیں بار بار آیا ہے۔ اُن مقامات کا آپ مطالعہ فرمائیں حقیقت خود بخود کھل کر سامنے آجائے گی۔ سب سے پہلے سورۃ الرحمٰن کی آیتیں پڑھیے: خلق الانسان من صلصال کالفخار ۝ وخلق الجآن من مارج من نار ۝

ترجمہ: "انسان کو ٹھیکری کی طرح بجنے والی مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اور جنوں کو آگ کے شعلہ سے پیدا کیا گیا ہے۔"

اگر جن نوع انسانی کے بعض افراد ہی ہوتے تو اُن کی تخلیق بھی مٹی سے ہوئی ہوتی۔ حالانکہ قرآن بتا رہا ہے کہ جنات کی پیدائش آگ کے شعلے سے ہوئی جب دونوں کا مادہ تخلیق جدا جدا ہے تو پھر جنات کو نوع انسانی کے افراد کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ اس چیز کو قرآن کریم میں متعدد مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔ جن و انس کی تخلیق کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے فرمایا: "ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔" (ہم نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔)

اگر جن انسانوں کے ہی کسی مخصوص گروہ کا نام ہوتا تو پھر ان کو یہاں الگ ذکر کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ انسانوں کے متعدد گروہ ہیں۔ اُن میں سے اور کسی کا ذکر نہ کرنا صرف جنگلوں اور پہاڑوں میں بسنے والوں کا علیحدہ ذکر کرنا کسی طرح بھی مناسب معلوم نہیں ہوتا۔

آیات قرآنی سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ جنات کی تخلیق انسان سے بہت پہلے ہوئی تھی۔ شیطان جنوں کا ہی ایک فرد تھا جو آدم علیہ السلام کی تخلیق کے وقت موجود تھا اور آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے کے باعث راندۂ درگاہ بن گیا تھا۔ اُس کے بارے میں ارشاد ہے: "كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ"۔ (شیطان جنوں میں سے تھا، پھر اُس نے اپنے رب کی نافرمانی اختیار کرلی) تو جن جو نوع انسانی کے باپ آدم علیہ السلام سے پہلے موجود تھے، انہیں ان کی اولاد کیسے شمار کیا جا سکتا ہے؟ جنات کی ایک اور خصوصیت بیان کی گئی ہے جو انسانوں میں نہیں پائی جاتی۔ اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ جنات نوع انسانی کے افراد نہیں بلکہ جدا مخلوق ہیں۔ ارشاد ہے: "اِنَّهٗ یَرٰىكُمْ هُوَ وَ قَبِیْلُهٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ"

ترجمہ (شیطان اور اس کا قبیلہ تمہیں دیکھتا ہے لیکن تم انہیں نہیں دیکھ سکتے۔)

کثیر التعداد آیات میں سے صرف چند پیش کی گئی ہیں۔ اگر آپ غیر جانبداری سے ان کا مطالعہ کریں گے تو آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ انسانوں کی طرح جن بھی ایک علیٰحدہ مخلوق ہیں۔ صرف اس لیے ان کا انکار کہ یہ ہمیں نظر نہیں آتے اپنے اندر کوئی معقولیت نہیں رکھتا۔ کیا ہم اپنے حواس کو اتنا ہمہ گیر خیال کرتے ہیں کہ انہوں نے ہر چیز کو اپنے احاطہ میں لے لیا؟ اور جو چیز ان حواس سے ثابت نہ ہو وہ موجود ہی نہیں۔ اس طرح تو ہمیں پھر بہت سی چیزوں کا انکار کرنا پڑے گا۔ رُوح فرشتے، نزولِ وحی وغیرہ وغیرہ یہ سب چیزیں ہمارے حواس سے ماوریٰ ہیں اور کون ایسا مُسلمان ہے جو ان کو تسلیم کرنے میں پس و پیش کرے۔

مضامین : پہلے رکوع میں جنات کے اس خاص گروہ کے حالات بیان ہُوئے ہیں جسے نخلہ کے مقام پر حضور سرورِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبانِ مُبارک سے قرآنِ کریم سُننے کی سعادت نصیب ہُوئی تھی اور اس کی وجہ سے جو انقلاب اُن کے افکار و نظریات میں رُونما ہوا تھا اور جس جرأت سے اُنہوں نے اپنے ایمان لانے کا تذکرہ کیا تھا، اس کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ دُوسرے رکوع کی ابتداء سے عقیدۂ توحید کا اعلان کرنے کا حکم دیا جارہا ہے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نظریۂ توحید کو بیان فرمارہے ہیں۔ اس کے بعد اُن کُفّار کا ذکر ہے جو خدا اور رسُول کی نافرمانی کو اپنا شعار بنائے ہُوئے ہیں۔ قیامت کے دن اُن کی حالت بڑی قابلِ رحم ہوگی۔

آخر میں اس حقیقت کو بیان فرمادیا کہ علمِ غیب صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے مخصوص ہے جب تک وہ کسی کو غیب کا علم نہ دیں اسے کوئی جان نہیں سکتا۔ اور یہ علمِ غیب جنّوں، ساحروں اور کاہنوں کو نہیں تعلیم کیا جاتا۔ یہ نعمت فقط اُن رسولوں کو مرحمت فرمائی جاتی ہے جن کو اللہ تعالیٰ اس شرف کے لیے چُن لیا کرتا ہے۔

سُوْرَۃُ الْجِنِّ مَکِّیَّۃٌ وَهِیَ ثَمَانٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰیَۃً وَّفِیْهَا رُکُوْعَانِ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورۃ الجن مکی ہے اس میں ۲۸ آیتیں اور دو رکوع ہیں — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا

آپ فرمائیے میری طرف وحی کی گئی ہے کہ بڑے غور سے سنا ہے قرآن کو جنوں کی ایک جماعت نے ۲ پس انہوں نے جاکر دوسرے جنات کو بتایا کہ

۱ رسول الثقلین نبی الحرمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جن وانس سب کے نبی تھے۔ جنات نے کئی مرتبہ بارگاہِ اقدس میں حاضری دی۔ علامہ پانی پتی، علامہ سید آلوسی، علامہ قرطبی اور دیگر مفسرین نے اپنی تفاسیر میں اسی قول کو ترجیح دی ہے کہ جنات نے حضور سے چھ بار ملاقات کی۔ اس لیے احادیث میں تعارض نہیں جس طرح بعض لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے اور ان میں سے بعض نے گھبرا کر جنات کے وجود ہی کا انکار کر دیا ہے۔ بلکہ مختلف احادیث میں مختلف ملاقاتوں کے احوال مذکور ہیں۔ ان احادیث میں نہ تضاد ہے اور نہ تعارض اور نہ پریشان ہونے کی کوئی وجہ۔

پہلی حاضری وہ ہے جس کا ذکر ان آیات میں کیا گیا ہے۔ صحیح روایات کے مطابق یہ واقعہ اس وقت رونما ہوا جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے چند صحابہ کے ساتھ عکاظ کے بازار کی طرف جا رہے تھے۔ یہ جگہ مکہ سے دو رات کی مسافت پر ہے۔ یہاں زمانۂ جاہلیت میں میلے لگا کرتے، خرید و فروخت ہوتی اور اردگرد کے سارے قبائل وہاں جمع ہوتے۔ نخلہ کے مقام پر صبح کا وقت ہو گیا۔ حضور صبح کی نماز ادا فرما رہے تھے اور سورۂ اقرأ یا سورۂ طٰہٰ کی تلاوت ہو رہی تھی کہ جنات کے ایک گروہ کا ادھر سے گزر ہوا۔ سوز و گداز میں ڈوبی ہوئی آواز جب انہوں نے سنی تو وہاں رک گئے۔ بڑی خاموشی اور توجہ سے اس کو سنتے رہے۔ اس کلام پاک کے سننے سے ان کے دل کی دنیا بدل گئی، غفلت کے پردے چاک ہو گئے اور نورِ ایمان سے ان کے سینے روشن ہو گئے۔ دولتِ ایمان سے مالا مال ہو کر جب وہ اپنے قبیلہ میں پہنچے تو انہوں نے ان کو بھی بتایا کہ ہمارے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا۔ ہم نے کفر و شرک سے توبہ کر لی ہے۔ تمہارے لیے بھی یہی بہتر ہے کہ تم جن گمراہیوں میں مبتلا ہو ان سے برأت کا اظہار کرو اور اس رسول مکرم کی دعوت کو قبول کر لو۔ اللہ تعالیٰ نے ان جنات کی آمد، قرآن کریم کو غور سے سننے اور پھر اپنے قبیلہ میں جا کر تمام ماجرا بیان کرنے کے سارے حالات بذریعہ وحی اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بتا دیے اور حکم دیا کہ آپ سب لوگوں میں اس کا اعلان کریں۔

۲ صرف کسی آواز کے سننے کو عربی میں سمع کہتے ہیں اور استمع کا معنی غور اور توجہ سے سننا ہے اور اسی غور و تدبر سے سننے کا یہ نتیجہ نکلا کہ ان کو ہدایت نصیب ہو گئی۔ اس کلام پاک کا یہی اعجاز ہے کہ جو اسے توجہ سے پڑھتا یا سنتا ہے اس کی تاثیر اس کے دل میں اثر کر جاتی ہے اور وہ ہدایت پا جاتا ہے۔

نفر کا لفظ عام طور پر تین سے دس تک کے گروہ کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن اس سے زیادہ پر بھی اس کا اطلاق ہوتا رہتا ہے۔

قُرْاٰنًا عَجَبًا ﴿۱﴾ يَّهْدِيْۤ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَاۤ

ہم نے ایک عجیب قرآن سُنا ہے ؎ جو راہ دکھاتا ہے ہدایت کی پس ہم دل سے اس پر ایمان لے آئے ۔ اور ہم ہرگز شریک نہیں بنائیں گے کسی کو

اَحَدًا ﴿۲﴾ وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ﴿۳﴾

اپنے رب کا ۔ اور بے شک اعلیٰ و ارفع ہے ہمارے رب کی شان ؎ نہ اس نے کسی کو اپنی بیوی بنایا ہے اور نہ بیٹا ۔

وَّاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ﴿۴﴾ وَّاَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنْ لَّنْ

اور یہ راز بھی کھل گیا کہ ہمارے احمق اللہ کے بارے میں ناروا باتیں کہتے رہے ؎ اور ہم تو یہ خیال کیے تھے کہ

؎ جنات جب واپس اپنے قبیلہ میں پہنچے تو انہیں جاکر بتایا کہ ہم نے ایک عجیب و غریب قرآن سُنا ہے جو ہدایت کی طرف رہنمائی کرتا ہے ۔ ہم تو اس سے اتنے متاثر ہوئے ہیں کہ سُنتے ہی اس پر ایمان لے آئے ہیں اور یہ اعلان کرتے ہیں کہ ہم عمر بھر کبھی اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔

عجبًا مصدر ہے بمعنی عجیب ۔ اس میں مبالغہ ہے ۔ یعنی یہ کلام اتنا عجیب و غریب ہے کہ ہم نے آج تک نہ ایسی فصاحت و بلاغت دیکھی ہے نہ تبلیغ حق کا کہیں ایسا بانکپن نظر آیا ہے ۔ الفاظ ہیں تو جیسے سُچے موتیوں کی لڑیاں ہوں اور معانی ہیں تو اتنے ارفع و اتنے بلند کہ طائرِ فکر بھی وہاں دم نہیں مار سکتا اور اثر ہے تو ایسا کہ خود بخود دل کھنچے چلے آتے ہیں۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جنات پہلے مشرک تھے ۔ مشرک قوموں کی طرح انہوں نے بھی کسی کو اللہ تعالیٰ کی جورو اور کسی کو اس کا بیٹا بنا رکھا تھا ۔ قرآن سُننے سے جب نورِ ایمان ان کے دلوں میں چمکا تو انہوں نے ان تمام خرافات کو پرے پھینک دیا۔

سورۃ الاحقاف میں جن جنات کا ذکر ہے وہ حضرت موسیٰؑ کے پیرو تھے اور اہلِ کتاب تھے ۔ اس لیے وہ واقعہ اس واقعہ سے جُدا ہے ۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ جنات میں بعض مومن ہوتے ہیں اور بعض کافر ـــــ اور انسانوں کی طرح یہ بھی مکلف ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں، اپنے زمانے کے نبی کی اطاعت کریں اور اس کے لائے ہوئے دین کی پوری پوری اطاعت کریں ۔ نیز یہ کہ ان میں سے نبی مبعوث نہیں کیے جاتے بلکہ وہ انسانوں کے نبیوں کے ہی پیروکار ہوتے ہیں۔

؎ جَدّ کا معنی ہے عظمت و جلال ۔ یعنی ہمارے رب کی عظمت اور اس کا جلال بڑا اعلیٰ و ارفع ہے ۔ کوئی اس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا ۔ وقیل مُلکہٗ و سُلطانہٗ ۔ یعنی جَدّ کا معنی اس کی حکومت اور بادشاہی۔

؎ سفیہ کا معنی ہے بیوقوف ، احمق ۔ اس سے وہ سرکش جن مراد ہیں جو راہِ حق سے بھٹک گئے اور کفر و گمراہی میں مبتلا ہو گئے۔

الشطط ، الافراط فی البعد . . . ویُعبّر بالشطط عن الجور ۔ لقد قلنا اذًا شططًا ای قولاً بعیدًا عن الحق۔

یعنی شطط کا اصلی معنی بہت دُور ہونا ہے ۔ یہ لفظ ذکر کرکے جور کا معنی بھی لیا جاتا ہے اور وہ بات جو حق سے بہت دُور ہو اسے بھی قولاً شططًا کہتے ہیں۔

تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۙ وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ

انسان اور جن اللہ کے بارے میں کبھی جھوٹ نہیں بول سکتے ۵ اور یہ کہ انسانوں میں سے چند مرد پناہ

الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۙ وَّاَنَّهُمْ

لینے لگے جنات میں سے چند مردوں کی پس انہوں نے بڑھا دیا جنوں کے غرور کو ۶ اور ان

مطلب یہ ہے کہ ہم میں سے جو جن گمراہ اور سرکش ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہمیں سراسر جھوٹی اور بعید از حق باتیں بتلاتے رہے ہیں۔

۵ اپنی گزشتہ گمراہی پر وہ معذرت خواہانہ انداز میں کہتے ہیں کہ جن کو آج تک ہم نے اپنا پیشوا بنائے رکھا اور آنکھیں بند کر کے ان کے پیچھے چلتے رہے ہمیں ان کے بارے میں قطعاً یہ خیال نہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹی باتیں بھی منسوب کرتے ہیں۔ اسی حسن ظن کے باعث آج تک ہم بھٹکتے رہے۔ اگر ہمیں یہ پتہ چل جاتا کہ انسانوں اور جنوں میں ایسے رذیل اور گستاخ افراد بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کرتے ہیں تو ہم ہرگز اتنے عرصہ تک ان لوگوں کی پیروی نہ کرتے اور اپنی گزشتہ عمر برباد نہ کرتے۔

۶ عہد جاہلیت میں اہل عرب میں یہ رواج تھا کہ جب کسی ویران اور اجاڑ وادی میں انہیں رات بسر کرنا پڑتی اور انہیں یہ خوف ہوتا کہ کوئی چیز انہیں گزند پہنچائے گی تو سونے سے پہلے بلند آواز سے وہ یہ کہتے۔ یا عزیز الوادی اعوذ بك من السفهاء الذین فی طاعتك۔ اے اس وادی کے سردار! میں تجھ سے ان احمقوں کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جو تیرے تابعدار ہیں۔ جنات جب یہ سنتے تو ان کے غرور کی کوئی حد نہ رہتی اور کہتے سدنا الجن والانس کہ ہم جنوں اور انسانوں سب کے سردار بن گئے ہیں۔

آیت میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ رهقا، قال المجاهد طغیانا وقال مقاتل غیا۔ سرکشی اور گمراہی۔

علامہ پانی پتی نے اسی آیت کے ضمن میں ایک واقعہ تحریر کیا ہے۔ آپ بھی سن لیجیے:

بنی تمیم کا ایک شخص جس کا نام رافع بن عمیر تھا وہ اپنے اسلام لانے کی وجہ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات میں عالج کے ریگستان میں سفر کر رہا تھا۔ مجھے نیند آ گئی۔ میں نے اونٹنی بٹھائی اور سونے سے پہلے جاہلیت کے دستور کے مطابق میں نے بلند آواز سے کہا۔ اعوذ بعظیم هذا الوادی من الجن۔ جنات کے شر سے میں اس وادی کے سردار کی پناہ مانگتا ہوں۔ پھر میں سو گیا۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک آدمی کے ہاتھ میں نیزہ ہے اور وہ اس سے میری اونٹنی کو ذبح کرنا چاہتا ہے۔ میں گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ ادھر ادھر دیکھا کوئی آدمی نہ تھا۔ پھر سو گیا۔ دوسری مرتبہ پھر ایسا ہی ہوا۔ تیسری بار جب سویا اور اسی منظر سے گھبرا کر اٹھ بیٹھا تو اب میں کیا دیکھتا ہوں کہ میری اونٹنی تھر تھر کانپ رہی ہے۔ کوئی آدمی ہاتھ میں نیزہ لیے کھڑا ہے۔ ایک بوڑھے آدمی نے اس کا ہاتھ پکڑ رکھا ہے۔ اسی اثنا میں تین جنگلی بیل دوڑتے ہوئے ادھر آ نکلے۔ اس بوڑھے نے کہا کہ میری پناہ لینے والے اس انسان کی ناقہ کے عوض تم ایک وحشی بیل پکڑ لو۔ پھر اس نے مجھ سے کہا کہ جب کبھی ایسی وادی میں رات گزارنے کا اتفاق ہو تو کسی جن کی پناہ نہ لیا کرو۔ بلکہ یہ کہا کرو کہ اعوذ بالله رب محمد من هول هذا الوادی۔ کہ میں اللہ تعالیٰ سے جو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا پروردگار ہے اس وادی کے خوف سے پناہ مانگتا ہوں۔ میں نے پوچھا محمد کون ہیں؟ شیخ نے کہا محمد نبی عربی لا شرقی ولا غربی کہ محمد صلی اللہ

ظَنُّوا كَمَا ظَنَنتُمْ أَن لَّن يَبْعَثَ اللَّهُ أَحَدًا ﴿٧﴾ وَأَنَّا لَمَسْنَا السَّمَاءَ

انسانوں نے بھی یہی گمان کیا جیسے تم گمان کرتے ہو کہ اللہ کسی کو رسول بنا کر مبعوث نہیں کرے گا اور (دوستو) ہم نے ٹٹولا آسمان کو

فَوَجَدْنَاهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيدًا وَشُهُبًا ﴿٨﴾ وَأَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ

تو ہم نے اس کو سخت پہروں اور شہابوں سے بھرا ہوا پایا ف۸ اور پہلے تو ہم بیٹھ جایا کرتے تھے

مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ۖ فَمَن يَسْتَمِعِ الْآنَ يَجِدْ لَهُ شِهَابًا رَّصَدًا ﴿٩﴾

اس کے بعض مقامات پر سننے کے لیے لیکن اب جو (اس) سننے کی کوشش کرے گا تو وہ پائے گا اپنے لیے کسی شہاب کو انتظار میں۔

تعالیٰ علیہ وسلم نبی عربی ہیں۔ ان کا مشرق سے کوئی تعلق ہے نہ مغرب سے۔ میں نے پوچھا وہ کہاں رہتے ہیں۔ اس نے بتایا یثرب میں جہاں کھجوروں کے بکثرت نخلستان ہیں۔ صبح ہوتی تو اونٹنی پر سوار ہو کر میں نے مدینہ طیبہ کی راہ لی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب مجھے دیکھا تو میرے کچھ عرض کرنے سے پہلے جو سرگزشت مجھ پر بیتی تھی سب کا ذکر فرما دیا اور مجھے اسلام کی دعوت دی چنانچہ میں نے اسلام قبول کیا۔ (مظہری)

ف۸ صحیح روایات سے ثابت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے بعد آسمانوں پر پہرہ سخت کر دیا گیا اور جنات پہلے تو کوئی نہ کوئی ایسی جگہ تلاش کر لیتے تھے جہاں بیٹھ کر وہ آسمان پر ہونے والی گفتگو سن سکتے لیکن اب ان کے لیے ایسا ممکن نہ رہا۔ اب جونہی وہ آسمان کی طرف جانے کی کوشش کرتے تو شہابوں کا مینہ ان پر برسنے لگتا جس کے باعث ان کا اوپر جانا بالکل ناممکن ہو گیا۔ اس اچانک تبدیلی سے وہ بہت حیرت زدہ ہوئے اور اس کی وجہ معلوم کرنے کے لیے متعدد دستے تشکیل دیئے گئے کہ روئے زمین پر گشت لگائیں اور اس کی وجہ معلوم کریں۔ انہی میں سے ایک گروہ جو تہامہ کے علاقہ کی چھان بین کے لیے مقرر ہوا تھا نخلہ کے پاس سے اس وقت گزرا جب سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز صبح میں قرآن کریم کی تلاوت فرما رہے تھے۔ وہاں ہی استماع قرآن کا واقعہ پیش آیا۔

اسی کا ذکر اب ان آیات میں کیا جا رہا ہے۔ جن کہتے ہیں کہ جب ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو ہم نے دیکھا کہ جگہ جگہ پہرے دار کھڑے ہیں اور شہابوں کے آتشیں گولے ان کا تعاقب کرنے کے لیے تیار ہیں۔ اب اگر کسی جن نے کوئی بات سننے کی کوشش کی تو یہ آتشیں شہاب اس کو جلا کر راکھ کر دیں گے۔

یہاں کسی کو یہ غلط فہمی ہو سکتی ہے کہ شہابوں کے ٹوٹنے کا سلسلہ تو بعثت نبوی سے پہلے بھی تھا بعثت کے بعد کون سا ایسا نیا حادثہ پیش آیا جس کی وجہ سے جنات کا آسمان کی طرف جانا ناممکن ہو گیا۔ اس کا یہ جواب بھی دیا جا سکتا ہے کہ پہلے بھی شہاب تھے لیکن اتنی کثرت سے نہ تھے۔ جنات بچ بچا کر کہیں نہ کہیں بیٹھ کر کوئی نہ کوئی بات سن لیا کرتے۔ لیکن اب انتظامات سخت کر دیئے گئے اور اب قطعی طور پر جنات کا اوپر جانا بند ہو گیا۔ صحیح یہ ہے کہ اس امر کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جائے۔ جو اس نے فرمایا ہے وہ حق ہے۔ ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ لیکن وہ کون سے شہاب ہیں ان کے ذریعے جنات کی کیسے سرکوبی کی جاتی ہے؟ اس کی حقیقت سے ہم آگاہ نہیں۔ ہو سکتا ہے مستقبل قریب

وَّاَنَّا لَا نَدْرِيْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ

اور ہم نہیں سمجھتے (اس کی کیا وجہ ہے) کیا کسی شر کا ارادہ کیا جا رہا ہے زمین کے مکینوں کے بارے میں یا ان کے رب نے ان کو

رَبُّهُمْ رَشَدًا ۝۱۰ وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ۭ كُنَّا

ہدایت دینے کا ارادہ فرمایا ہے ۹ ۔ اور ہم میں بعض نیک بھی ہیں اور بعض اور طرح کے ۔ ہم بھی تو

طَرَاۗىِٕقَ قِدَدًا ۝۱۱ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ وَلَنْ

کئی راستوں پر گامزن ہیں ۱۰ ۔ اور (اب) ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ ہم زمین میں بھی اللہ تعالیٰ کو ہرگز عاجز نہیں کر سکتے اور نہ

نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ۝۱۲ وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓى اٰمَنَّا بِهٖ ۭ فَمَنْ يُّؤْمِنْ

بھاگ کر اسے ہرا سکتے ہیں ۱۱ ۔ اور (اے جن بھائیو!) ہم نے جب پیغام ہدایت سنا تو ہم اس پر ایمان لے آئے ۔ پس جو شخص اپنے رب پر ایمان

میں کوئی علمی تحقیق اس راز کو بھی آشکارا کر دے جس طرح کئی تکوینی اسرار بے نقاب ہو چکے ہیں۔

۹ ۔ یہ جدید انتظامات دیکھ کر جنات اس کی وجہ معلوم کرنے کے درپے ہوئے اور کہنے لگے کیا تو اہل زمین پر عذاب نازل کرنے کے انتظام ہو رہے ہیں۔ اس پروگرام کو صیغۂ راز میں رکھنے کے لیے یہ سارے انتظامات کیے گئے ہیں یا یہ کہ اللہ تعالیٰ کوئی نبی مبعوث فرمانے والا ہے تاکہ ان خفتہ بخت انسانوں کو بیدار کر کے انہیں راہ ہدایت پر گامزن کرے۔ ان اسباب میں سے ہی کوئی سبب ہے۔

۱۰ ۔ وہ کہتے ہیں ہم سب جن ایک عقیدے پر نہیں اور نہ ہی سیرت و اخلاق میں ہم یکساں ہیں۔ بعض ہم میں سے صالح اور نیک ہیں جو کسی کو اذیت نہیں پہنچاتے، کسی کا نقصان نہیں کرتے اور بعض فتنہ پرور شرارتی اور فسادی ہیں۔ پھر ہمارے مذہب بھی الگ الگ ہیں۔ بعض اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کے انبیاء اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہیں اور بعض گمراہ ہیں۔ طرائق جمع ہے طریقہ کی اور قِدَد جمع ہے قِدَّة کی۔ ای متفرقة مختلفة۔ جدا جدا، الگ الگ۔ ہمارے راستے جدا جدا الگ الگ ہیں۔

۱۱ ۔ پہلے ہم اپنے سفہاء کے فریب میں آ کر گمراہ ہو گئے تھے۔ لیکن قرآن سننے کے بعد اب ہماری آنکھیں کھل گئی ہیں اور ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ نہ ہم زمین میں اللہ تعالیٰ کو ہرا کر بچ سکتے ہیں اور نہ یہ ممکن ہے کہ ہم یہاں سے کہیں بھاگ جائیں اور اس طرح اس کے قابو سے نکل جائیں۔ اس آیت کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ قرآن سننے سے پہلے بھی ہمارا یہ عقیدہ ضرور تھا کہ اللہ تعالیٰ بڑی قوت اور قدرت والا ہے ہم اسے عاجز نہیں کر سکتے اور شاید اسی عقیدہ کی برکت سے ہم نے آسانی سے ہدایت قبول کر لی ہے اور جب ہم نے قرآن کا حقیقت افروز پیغام سنا تو شک و شبہ کے سارے بادل چھٹ گئے۔

بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ﴿۱۳﴾ وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا

لاتا ہے تو اسے نہ کسی نقصان کا خوف ہوتا ہے اور نہ ظلم کا ۱۲؎ اور بے شک ہم میں سے کچھ تو فرمانبردار ہیں اور

الْقٰسِطُوْنَ ؕ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ﴿۱۴﴾ وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ

کچھ ظالم ۱۳؎ تو جنہوں نے اسلام قبول کیا تو انہوں نے حق کی راہ تلاش کر لی ۱۴؎ اور جو حق سے منحرف ہوتے

فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ﴿۱۵﴾ وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ

ہیں تو وہ جہنم کا ایندھن ہیں اور اگر وہ ثابت قدم رہیں راہِ حق پر تو ہم انہیں سیراب کریں گے

مَّآءً غَدَقًا ﴿۱۶﴾ لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ

کثیر پانی سے ۱۵؎ تاکہ ہم ان کی آزمائش کریں اس فراوانی سے۔ اور جو منہ موڑے گا اپنے رب کے ذکر سے تو وہ داخل کرے گا

۱۲؎ اپنے اہلِ قبیلہ کو اپنی سرگزشت سنانے کے بعد انہیں یقین دلاتے ہیں کہ جو شخص اپنے رب پر ایمان لائے گا اس کی نہ حق تلفی ہوگی اور نہ اس پر ظلم و زیادتی ہوگی۔ حق تلفی کا مطلب تو یہ ہے کہ جتنے کوئی نیک کام کرے گا اسے پورا پورا اجر ملے گا، اس میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی اور ظلم کا مطلب یہ ہے کہ اسے اس کی نیکیوں کی جزا سرے سے دی ہی نہ جائے یا اسے ناکردہ گناہوں کی سزا دی جائے۔ وہاں تو عدل و انصاف ہے اور مزید براں فضل و احسان ہے۔

۱۳؎ قَسَطَ (مجرد) عدل اور جور دونوں معنی میں استعمال ہوتا ہے اور اَقْسَطَ (مزید) صرف عدل کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ مجرد میں معنی کا تعین سیاق و سباق سے ہوگا۔ یہاں قاسطون کا مدِمقابل اَلْمُسْلِمُوْنَ ہے اس لیے یہاں اس کا معنی ظالم اور حد سے تجاوز کرنے والا ہوگا۔

۱۴؎ بعض کے نزدیک تو یہ جملہ بھی جنات کا قول ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ومنا القاسطون پر جنات کا کلام ختم ہوگیا۔ فَمَنْ اَسْلَمَ سے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو خطاب فرما رہا ہے۔

تحرّوا: توخّوا وقصدوا۔ تلاش کرنا، قصد کرنا۔

۱۵؎ اگر جن و انس اسلام کے صراطِ مستقیم پر استقامت و پامردی سے گامزن رہیں تو انہیں دنیا میں بھی خوش حال کر دیا جائے گا۔ انہیں رزق فراخ دیا جائے گا۔ ماءً غدقًا یعنی کثیر مقدار میں پانی بارش کے ذریعہ برسا دیا جائے گا خشک سالی دُور ہو جائے گی ہر طرف سبزہ ہی سبزہ نظر آئے گا۔

یہ مضمون ابھی آپ سورۂ نوح میں بھی پڑھ چکے ہیں۔ یہ مال و رزق کی فراوانی بھی ان کی ایک آزمائش ہوگی کہ آیا وہ اس نعمت کا شکریہ ادا کرتے ہیں یا نہیں۔

عَذَابًا صَعَدًا ﴿۱۷﴾ وَّ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿۱۸﴾

اسے سخت عذاب میں ۱۵؎ اور بے شک سب مسجدیں اللہ کے لیے ہیں پس مت عبادت کرو اللہ کے ساتھ کسی کی ۱۶؎

وَّ اَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ یَدْعُوْهُ كَادُوْا یَكُوْنُوْنَ عَلَیْهِ لِبَدًا ﴿۱۹﴾

اور جب کھڑا ہوتا ہے اللہ کا خاص بندہ تاکہ اس کی عبادت کرے تو لوگ اس پر ہجوم کر کے آ جاتے ہیں ۱۷؎

۱۵؎ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی یاد سے روگردانی کرے گا اس کو شدید عذاب میں داخل کیا جائے گا۔ سلکہ و اسلکہ، ادخل۔ صعدا شدیدا۔ یعنی سخت عذاب۔

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جہنم میں ایک اونچا پہاڑ ہے جس پر کفار کو چڑھنے کا حکم دیا جائے گا لیکن اس کے املس ہونے کی وجہ سے ان کے قدم بار بار پھسل جائیں گے۔ نعوذ باللہ من عذاب القبر ومن عذاب جھنم شدیدہ وخفیفہ۔

۱۶؎ مکہ کے مشرکوں نے بیت اللہ شریف کو بت کدہ بنا رکھا تھا اور مسجد حرام میں کھلم کھلا بتوں کی پوجا ہوتی اور شرکیہ اعمال کیے جاتے ارشاد ہے کہ یہ مسجدیں تو اللہ تعالیٰ کی ہیں۔ ان میں تو صرف اسی کی عبادت اور اسی کا ذکر ہونا چاہیے۔ اے مشرکین! اس سے بڑا بھی کوئی ظلم ہو سکتا ہے جو تم روا رکھے ہوئے ہو۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت تو کسی جگہ بھی جائز نہیں اور تم اس قبیح، حرام اور ممنوع فعل کا ارتکاب اللہ تعالیٰ کے گھروں میں کرتے ہو۔ اس سے باز آ جاؤ۔ یا اللہ تعالیٰ کے گھروں میں اسی کی عبادت کے لیے ان کو تعمیر کیا گیا ہے۔ کسی غیر کی عبادت کی یہاں ہرگز اجازت نہیں۔ ای لا تعبدوا۔ (روح المعانی)

اس لیے علمائے کرام نے مسجد کے آداب کو ملحوظ رکھنے کا سختی سے حکم دیا ہے۔ اس میں خرید و فروخت کرنا، دنیاوی گفتگو کرنا، گمشدہ چیز کے بارے میں اعلانات کرنا منع ہیں۔ ناپسندیدہ اشعار بلند آواز سے پڑھنا ممنوع ہے۔

بعض لوگ مسجد میں حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نعت شریف پڑھنے کو بھی ناجائز کہتے ہیں اور اس آیت سے استدلال کرتے ہیں ہم ان کی توجہ ان متعدد مجالس کی طرف منعطف کرتے ہیں جبکہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے لیے حکم نبوی کے مطابق منبر رکھا جاتا تھا اور وہ اس پر کھڑے ہو کر بارگاہ رسالت میں اپنے ہدیہ اور نعتیہ قصائد پڑھا کرتے تھے۔ ان کے علاوہ کئی دیگر شعراء مثلاً حضرت سواد بن قارب، حضرت زہیر، حضرت عباس رضی اللہ عنہم جیسے نامور اکابر مسجد نبوی میں حضور کے سامنے اپنے نعتیہ قصائد پیش کرتے۔ حضور خوش ہوتے اور دعاؤں سے نوازتے۔

باقی رہا درود و سلام تو آپ نماز میں بھی پڑھتے ہیں اس میں بھی آپ کہتے ہیں السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ تو جو وظیفہ نماز کا جزو ہے اسے کیسے ناجائز کہا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب کی تعریف درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی حمد ہے جس نے اپنے محبوب کو ان بے شمار کمالات سے متصف کر کے مبعوث فرمایا۔

حضرت حسن بصری فرمایا کرتے کہ مساجد سے مراد ساری زمین ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے جُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا۔ ساری زمین کو میرے لیے مسجد بنا دیا گیا ہے۔ بعض حضرات نے مساجد سے وہ سات اعضاء مراد لیے ہیں جن پر انسان سجدہ کے وقت ٹیک لگاتا ہے۔

۱۷؎ عبد اللہ سے مراد حضور کی ذاتِ اقدس و اطہر ہے۔ عزت افزائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضور کو رسول یا نبی کے بجائے عبد اللہ کے

قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا ۝۲۰ قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ۝۲۱ قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ

آپ فرمایئے میں تو بس اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں اور شریک نہیں ٹھہراتا اس کا کسی کو۔ آپ فرمایئے (اللہ کے اذن کے بغیر) میں نہیں تمہیں نقصان پہنچانے کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ ہدایت کا ۱۹ آپ فرمایئے مجھے اللہ تعالیٰ سے کوئی پناہ نہیں دے سکتا ۲۰

خطاب سے نوازا ہے۔

آیت کے دو مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ جب نخلہ کے مقام پر اللہ کا محبوب بندہ نمازِ صبح میں مصروف تھا اور ان جنات کا ادھر سے گزر ہوا تو اللہ تعالیٰ کے اس بندے کو دیکھ کر قرآن کی شاانگیز تلاوت کو سن کر اس کے خشوع و خضوع اور اس کے صحابہ کی اطاعت و انقیاد کو دیکھ کر ان کے دلوں میں ایسی کشش پیدا ہوئی کہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ گویا فرطِ شوق سے حضور پر ٹوٹے پڑتے ہیں۔ ایسا دلنواز اور روح پرور منظر انہوں نے آج تک نہیں دیکھا تھا۔ یہ محویت، یہ استغراق، یہ تواضع، یہ انکسار ان کے لیے بالکل اوپری چیزیں تھیں۔ یا اس آیت میں جن و انس کے کفار و متمردین کا ذکر ہے کہ جب وہ حضور کو اپنے رب کی عبادت میں دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو پاتے تو ان کا غصہ اور بڑھ جاتا۔ ان کے عناد کی آگ بھڑکنے لگتی اور ان کا جی چاہتا کہ ان پر ٹوٹ پڑیں اور ہدایت کی اس شمع کو گل کر دیں۔ لیکن جسے اللہ تعالیٰ روشن رکھے اسے کون بجھا سکتا ہے۔ کاد الجن والانس یکونون مجتمعین لابطال امرہ یریدون ان یطفئوا نور اللہ بافواھھم ویأبی اللہ الا ان یتم نورہ۔ (مظہری)

۱۹ آپ فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر نہ میں تمہیں کوئی نقصان پہنچا سکتا ہوں اور نہ راہِ ہدایت پر گامزن کر سکتا ہوں۔ حقیقی نفع و نقصان پہنچانے کا اسی کو اختیار ہے۔ کسی کو ہدایت دینا یا کسی کو محروم کر دینا اس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ بے شک ہمارا یہی عقیدہ ہے اس میں کسی کلمہ گو کو شبہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن وہ جس کو جتنا چاہے دے دے وہ اس خداداد اختیار کے باعث لوگوں کے لیے رشد و ہدایت کا باعث بن سکتا ہے اور اس کی گستاخی کے باعث بڑے بڑے اہلِ ثروت و اقتدار ملیامیٹ ہو جاتے ہیں۔ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قاصد گرامی نامہ لے کر کسریٰ کے پاس پہنچا اور اس نے از راہِ گستاخی اس گرامی نامہ کو چاک کر دیا تو حضور نے فرمایا مَا مَزَّقَ كِتَابِيْ بَلْ مَزَّقَ مُلْكَهٗ۔ اس نے میرے والا نامہ کو چاک نہیں کیا بلکہ اپنی مملکت کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔

۲۰ مشرکین نے ایک دفعہ آ کر کہا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی عبادت چھوڑ دیں تو ہم سب آپ کے محافظ بن جائیں گے کسی دشمن کی مجال نہیں ہوگی کہ آپ کی طرف انگلی بھی اٹھا سکے۔ ان کی اس بیہودہ پیش کش کو اس طرح ٹھکرانے کا حکم دیا جا رہا ہے کہ اے محبوب! آپ فرما دیجیے کہ اگر میں تمہارا کہنا مان لوں اور اپنے رب کو ناراض کر بیٹھوں تو اس کے غضب سے مجھے کوئی نہیں بچا سکتا۔ تم چند ہزار نفوس کی کیا حقیقت ہے۔ سارے جہاں کے لشکر جمع ہو جائیں تب بھی مجھے نہیں بچا سکتے اور میرے لیے اس کی بارگاہ کے بغیر اور کہیں پناہ نہیں۔ مُلْتَحَدًا ای ملتجأً الجأ الیہ۔ (قرطبی)

وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۲﴾ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ؕ

اور نہ میں پا سکتا ہوں اس کے بغیر کہیں پناہ ۔ البتہ میرا فرض صرف یہ ہے کہ پہنچا دوں اللہ کے احکام اور اس کے پیغامات ؎۲۱

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ

پس واب) جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تو اس کے لیے جہنم کی آگ ہے جس میں (یہ نافرمان) ہمیشہ رہیں گے

اَبَدًا ؕ﴿۲۳﴾ حَتّٰۤى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ

تا ابد ؎۲۲ یہاں تک کہ جب وہ دیکھ لیں گے (وہ عذاب) جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے تو انہیں پتہ چل جائے گا کہ کون ہے جس کا

نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا ﴿۲۴﴾ قُلْ اِنْ اَدْرِيْۤ اَقَرِيْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ

مددگار کمزور ہے اور جس کی تعداد کم ہے ؎۲۳ آپ فرمائیے میں (اپنی سوچ بچار سے) نہیں جانتا کہ وہ دن قریب ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا

يَجْعَلُ لَهٗ رَبِّيْۤ اَمَدًا ﴿۲۵﴾ عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا

ہے یا مقرر کر دی ہے اس کے لیے میرے رب نے لمبی مدت ؎۲۴ (اللہ تعالیٰ) غیب کو جاننے والا ہے پس وہ آگاہ نہیں کرتا اپنے غیب پر

؎۲۱ میرا فریضہ یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے پیغامات پہنچا دوں اور اس کے احکامات سے آگاہ کر دوں۔ ان کو ماننا یا نہ ماننا تمہارا کام ہے۔ یہ میری ذمہ داری نہیں۔

؎۲۲ جو دین کے بنیادی اصولوں میں سے کسی کا انکار کرے گا اور اس پر ایمان نہیں لائے گا اس کے لیے دوزخ کا ابدی عذاب ہے۔

؎۲۳ اب تو تم اپنے آپ کو بڑا طاقتور اور زور آور سمجھتے ہو تمہارا یہ بھی خیال ہے کہ جس وقت تم نے اپنے حلیف قبائل کو مدد کے لیے للکارا تو جنگجو بہادروں کا تانتا بندھ جائے گا، لیکن یہ سب تمہاری غلط فہمیاں ہیں۔ جب عذاب کی مقررہ گھڑی آپہنچے گی جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ اس وقت تمہیں ٹھیک ٹھیک پتہ چل جائے گا کہ کس کے مددگار کمزور اور بے بس ہیں اور کس کے معاونوں کی تعداد بالکل قلیل ہے۔

؎۲۴ یہاں درایت کی نفی کی جا رہی ہے اور درایت مطلق علم کو نہیں کہتے بلکہ وہ علم جو حیلہ اور غور و تدبر سے حاصل ہو۔ علامہ راغب اصفہانی اس کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: الدراية ، المعرفة المدركة بضرب من الختل يقال دريته ودريت به دريةً نحو فطنت و شعرت . . . . والدراية لا يستعمل فى الله تعالى وقول الشاعر . لاهمّ لا ادرى وانت الدرى . فمن تعجرف اجلاف العرب (مفردات)

اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ

کسی کو بجز اس رسول کے جس کو اس نے پسند فرما لیا ہو (غیب کی تعلیم کے لیے) ۲۵؎ تو مقرر کر دیتا ہے اس رسول کے

(ترجمہ) درایت اس معرفت کو کہتے ہیں جو کسی حیلے سے حاصل ہو۔ عرب کہتے ہیں دریتہ و دریت بہ۔ اس کا معنی عقل سے سمجھنا اور شعور کرنا ہے اور یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال نہیں ہوتا اور کسی شاعر کا مصرعہ کہ لاھم لا ادری وانت الداری میں درایت نہیں کرتا اور تو درایت کرنے والا ہے۔ یہ گنوار اعرابی کی بڑ ہے۔

اسی طرح علامہ زبیدی تصریح کرتے ہیں کہ درایت علم سے اخص ہے اور اس کا معنی کسی حیلے سے کسی چیز کو جاننا۔ اسی لیے اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ کی ذات پر نہیں کیا جاتا اور راجز کا یہ مصرعہ لاھم لا ادری وانت الداری۔ یہ اعرابی کی بڑ ہے۔ قال شیخنا صریحہ اتحاد العلوم والدرایۃ وصرح غیرہ بان الدرایۃ اخص من العلم۔ او علتہ بضرب من الحیلۃ ولذا لا یطلق علی اللہ تعالیٰ۔ (تاج العروس) کیونکہ قیامت کا علم علوم غیبیہ میں سے ہے اس لیے انسان اپنے عقل و فہم، غور و فکر یا کسی حیلے سے اس پر اطلاع نہیں پا سکتا۔ اس پر مطلع ہونے کا ایک ہی ذریعہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو سکھائے۔ چنانچہ علامہ قرطبی لکھتے ہیں۔ فھو غیب لا اعلم منہ الا ما یعرفنیہ اللہ۔ یہ غیب ہے اور میں اس میں سے کچھ نہیں جان سکتا مگر جتنا اللہ تعالیٰ مجھے سکھا دے۔ (مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے ضیاء القرآن سورۃ الاعراف آیت ۱۸۷ کا حاشیہ)

۲۵؎ غیب کسے کہتے ہیں۔ اس کی تصریح کئی مقامات پر گزر چکی ہے۔ البتہ شیخ عبد القادر مغربی نے اس لفظ کی جو تعریف کی ہے وہ زیادہ واضح ہے۔ لکھتے ہیں:

والغیب ما غاب عنا معشر البشر فما لا نھتدی الیہ بشیء من حواسنا ومشاعرنا او بشیء من فراستنا وقیاسنا واستنتاج عقولنا۔

یعنی جو چیز انسانوں سے پوشیدہ اور مخفی ہو اور ہم اپنے حواس اور شعور کی قوتوں سے یا فراست سے یا قیاس سے یا عقل کے زور سے اس تک رسائی حاصل نہ کر سکیں اس کو غیب کہتے ہیں۔ پھر لکھتے ہیں کہ جو چیز ان ذرائع میں سے کسی ایک سے دریافت ہو سکے وہ غیب نہیں۔

عالم الغیب خبر ہے اور اس کی مبتدا ھو محذوف ہے یعنی ھو عالم الغیب۔ یہاں مبتدا اور خبر دونوں معرفہ ہیں۔ اس لیے حصر کا معنی بھی پایا جائے گا یعنی وہی غیب کو جاننے والا ہے۔ اس سے یہ پتہ چل گیا کہ کوئی انسان خواہ وہ کتنا ذہین و فطین ہو، اس کے علم و عرفان کا پایہ کتنا بلند ہو اس کے درجات کتنے ہی ارفع ہوں، وہ غیب نہیں جان سکتا۔ نہ اپنے حواس سے، نہ قوت شعور سے، نہ فراست سے، نہ قیاس سے اور نہ عقل سے بجز اس کے کہ خدا وند عالم، جو عالم الغیب ہے، وہ خود اس کو اس نعمت سے سرفراز فرما دے۔ یہ بھی بتا دیا کہ علم غیب کے دروازے ہر ایرے غیرے کے لیے کھلے نہیں بلکہ وہ صرف ان رسولوں کو اس نعمت سے نوازتا ہے جن کو وہ چن لیا کرتا ہے۔ یہ ہے وہ صاف اور سیدھا مطلب جو اس آیت سے بغیر کسی تکلف کے سمجھ آتا ہے۔ چنانچہ علامہ بغوی لکھتے ہیں۔

الا من یصطفیہ لرسالتہ فیظھرہ علی ما یشاء من الغیب۔ (معالم التنزیل) کہ اللہ تعالیٰ جس کو اپنی رسالت کے لیے

چن لیتا ہے اس کو جس غیب پر چاہتا ہے آگاہ کر دیتا ہے۔ علامہ خازن لکھتے ہیں الا من یصطفیہ لرسالتہ ونبوتہ فیظہرہ علی ما یشاء من الغیب۔ (خازن) علامہ قرطبی کی عبارت ملاحظہ فرمائیے: ثم استثنی من ارتضاہ من الرسل فاودعہم ماشاء من غیبہ بطریق الوحی الیہم۔ (قرطبی) پھران رسولوں کو جن کو اس نے چنا ہے مستثنیٰ کر دیا پس ان کو جتنا چاہا اپنے غیب کا علم بطریق وحی عطا فرمایا۔ ابوحیان اندلسی رقمطراز ہیں۔ الا من ارتضی من رسول استثناء من احد ای فانہ یظہرہ علی مایشاء من ذلک۔ یعنی من احد سے استثنا کی گئی۔ یعنی رسول مرتضیٰ کو جتنے غیب پر وہ چاہتا ہے مطلع کر دیتا ہے۔

علامہ ابن جریر طبری نے حضرت ابن عباس، قتادہ اور ابن زید سے اس آیت کی یہ تفسیر نقل کی ہے۔ الا من ارتضی من رسول فانہ یصطفیہم ویطلعہم علی مایشاء من الغیب۔ یعنی اللہ تعالیٰ رسولوں کو چن لیتا ہے اور انہیں غیب میں سے جتنا چاہتا ہے اس پر آگاہ کر دیتا ہے۔

علامہ زمخشری معتزلی ہیں۔ اپنے عقیدہ اعتزال کے مطابق اس آیت سے انہوں نے اولیائے کرام کی کرامات کی نفی کی ہے لیکن انبیاء کے لیے علم غیب کا انکار انہوں نے بھی نہیں کیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ آیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف اپنے رسولوں کو غیب پر آگاہ کرتا ہے۔ اولیاء خواہ وہ مرتبہ ارتضیٰ پر بھی فائز ہوں بہرحال وہ رسول نہیں ہیں۔ اس لیے انہیں غیب کا علم نہیں ہو سکتا۔ اس کا آسان اور واضح جواب تو یہ ہے کہ اولیائے کرام کے سارے علوم بارگاہ مصطفوی کا عطیہ ہوتے ہیں۔ یہ اسی بحر علم کے چند قطرے ہیں جو رب کریم نے اپنے رسول کریم کو عنایت فرمایا ہے۔ بلاواسطہ ان پر وحی جلی نہیں ہوتی تاکہ آیت کے منافی ہو۔

علامہ پانی پتی فرماتے ہیں کہ انبیاء و رسل کا علم قطعی اور یقینی ہوا کرتا ہے۔ اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ لیکن اولیاء کا علم انبیاء کے علم کی طرح قطعی اور یقینی نہیں ہوتا۔

اولیائے کرام کے علوم لدنیہ کے بارے میں جس طرح آپ نے قلم اٹھایا ہے آپ ہی کا حصہ ہے۔ اہل ذوق تفسیر مظہری کا اس مقام پر مطالعہ کریں۔

بعض حضرات نے رائے ظاہر کی ہے کہ جن علوم غیبیہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو آگاہ کیا ہے، وہ فقط علوم شرعیہ ہیں۔ وہ اس طرح رسول کریم سے علوم تکوینیہ کی نفی کرنا چاہتے ہیں۔ میری گزارش ہے کہ ان حضرات نے کیا وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا کا ارشاد الٰہی نہیں پڑھا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو سب کے سب اسماء سکھا دیئے۔ جب آدم علیہ السلام کی یہ شان ہے جو زمین میں اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہیں تو سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو رحمۃ للعالمین ہیں، اور سارے جہانوں میں اللہ تعالیٰ کے خلیفہ اعظم ہیں ان کے علوم و معارف کا کوئی کیسے اندازہ لگا سکتا ہے۔ اس لیے سلامتی اسی میں ہے کہ ہم آیات کو وہ معانی نہ پہنائیں جن کو ان کے کلمات قبول نہیں کرتے اور سیدھی اور صاف بات جو قرآن نے فرمائی ہے اس کو صدق دل سے تسلیم کر لیں کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام غیبوں کو جاننے والا ہے اور اپنے ان علوم غیبیہ پر کسی کو آگاہ نہیں کرتا بجز اپنے رسولوں کے ان کو جتنا چاہتا ہے علوم غیبیہ عطا فرماتا ہے۔ یہ "جتنا" کتنا ہے، اس کو اللہ تعالیٰ جس نے دیا ہے اور اس کا رسول، جس نے لیا ہے، وہی بہتر جانتے ہیں ہم بیچارے اختراع بندہ ہیں۔ حضور کے علوم کی بے کرانیوں کا کچھ اندازہ ان احادیث صحیحہ سے ہوتا ہے جن سے کتب احادیث بھری پڑی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے ضیاء القرآن سورۂ آل عمران آیت ۱۷۹، سورۃ النمل آیت ۶۵ کا حاشیہ اور دیگر مقامات۔

يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿۲۷﴾ لِّيَعْلَمَ أَنْ قَدْ أَبْلَغُوا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ

آگے اور اس کے پیچھے محافظ [۲۶] تاکہ وہ دیکھ لے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیے ہیں [۲۷]

وَأَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَأَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾ ع

اور حقیقت پہلے ہی اللہ ان کے حالات کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور ہر چیز کا اس نے شمار کر رکھا ہے [۲۸]

[۲۶] اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی حفاظت کے لیے اس کے آگے اور پیچھے اپنے محافظ فرشتے مقرر کر دیے ہیں تاکہ ان علوم کی پوری طرح حفاظت کی جا سکے۔

[۲۷] اور تاکہ اللہ تعالیٰ دیکھ لے کہ فرشتوں نے اس کے پیغامات بجوں کے توں اس کے رسول کو پہنچا دیے ہیں۔ تفسیر یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ میں ہے تا بداند خدائے تعالیٰ در حال چنانکہ میدانست در ماضی و میداند در استقبال۔

[۲۸] ریت کے ذرے، پانی کے قطرے، درختوں کے پتے، ہر قسم کی مخلوق بے جان، جاندار، زمینی، آسمانی، جن، انسان ہر چیز کو اس نے گن رکھا ہے۔ ہر چیز اس کے علم اور قبضۂ قدرت میں ہے۔

○

سُبحان ذی الملك والملكوت سبحان ذی العزة والهيبة والكبرياء والجبروت سبحان الملك الحی الذی لا يموت۔ وصلی الله تعالٰی علی عبده المرتضٰی ورسوله المجتبٰی ونبيه المصطفٰی وعلٰی اٰله مصابيح الدجٰی واصحابه نجوم الهدٰی وبارك وسلم۔ ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم وتب علينا انك انت التواب الرحيم۔

○

تعارف

سُورۃ المُزّمّل

نام : اس سورۂ مبارکہ کا نام 'المزمّل' ہے۔ اس میں دو رکوع، بیس آیتیں، دو سو پچاسی کلمات اور آٹھ سو اڑتیس حروف ہیں۔

نزول : اس کے زمانۂ نزول کے بارے میں اختلاف ہے بعض علما کہتے ہیں کہ یہ ساری سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی حضرت حسن بصری، عکرمہ، عطاء اور جابر کا یہی قول ہے لیکن بعض علما کی یہ رائے ہے کہ اس کا پہلا رکوع تو مکی ہے، لیکن دوسرا رکوع مدینہ طیبہ میں نازل ہوا تھا اس نے حضرت ابن عباس سے یہی قول نقل کیا ہے۔ آیات بھی اسی کی تائید کرتی ہیں کیونکہ دوسرے رکوع میں جہاد فی سبیل اللہ اور زکوٰۃ کا ذکر ہے۔ یہ دونوں حکم مدینہ طیبہ میں نازل ہوئے کیونکہ مکہ میں تو جہاد کا تصور تک بھی نہ تھا۔ اور اس پر بھی سب علماء کا اتفاق ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت کا حکم مدینہ طیبہ میں نازل ہوا اس لیے حضرت ابن عباس کا قول ہی قرینِ قیاس ہے۔

ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو سحر خیزی کی تلقین فرمائی ہے کہ آپ رات کا نصف حصہ یا اس سے کم و بیش مصروفِ عبادت رہا کریں کیونکہ رات کی خاموشیوں میں تلاوتِ قرآن اور ذکرِ الٰہی سے رُوح کی توانائیوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس وقت کی عبادت سے اسرارِ الٰہیہ پر مطلع ہونے کی استعداد پیدا ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے پر جو فرائض عائد کیے گئے ہیں، اُن سے عمدگی کے ساتھ عہدہ برآ ہونے کی قوت اور ہمت پیدا ہوتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ گرامی ہے : اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَادِیْبِیْ (میرے رب نے مجھے ادب سکھایا اور ادب سکھانے میں کمال کر دیا)۔ تادیب و تربیتِ خداوندی کا یہ بھی ایک حصہ ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام کو بھی سحری کے وقت جاگنے کی ترغیب دلایا کرتے تھے۔ صحابۂ کرام بڑے ذوق و شوق سے سحری کے وقت بیدار ہوتے اور مصروفِ عبادت رہا کرتے۔ انہی ارشاداتِ نبوی کے طفیل اولیائے اُمّت اور صالحین سحری کے وقت جاگ کر اپنے رب کے ذکر اور اس کی یاد میں مصروف رہتے ہیں۔ علامہ نے خوب کہا ہے :

عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

"رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ" (آیات ۹ تا ۱۴) فرما کر یہ بتایا جا رہا ہے کہ نبوت کی نازک اور گراں ذمہ داریاں

کو ادا کرنے کے راستہ میں طرح طرح کی رکاوٹیں پیش آئیں گی۔ اے حبیب! آپ ان سے مت گھبرائیے۔ اپنے رب کو اپنا کارساز بنا لیجیے۔ آپ کا رب وہ ہے جو مشرق اور مغرب کی ہر چیز کا پروردگار ہے۔ مخالفین اگر اذیت رسانی پر اتر آئیں تو آپ صبر کی ڈھال پران کا ہروار روکیے۔ ہم خود ان سے نبٹ لیں گے۔ جب ہم نے عذاب کے شکنجہ میں اُن کو کسا تو اُن کے سارے نشے ہرن ہو جائیں گے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ (آیت ۱۵ تا ۱۹) سے کفارِ مکہ کو متنبہ کیا جا رہا ہے کہ تمہیں فرعون کے حسرت ناک انجام سے عبرت حاصل کرنی چاہیے۔ اُس نے اور اس کی قوم نے ہمارے رسول موسیٰ کلیم اللہ کو جھٹلایا تھا اور اُس کو ستانے کی حد کر دی تھی۔ اُنہیں بھی اپنی قوت اور شوکت پر بڑا گھمنڈ تھا، لیکن جب ہمارے غضب کی بجلی ان پر کوندی تو اُن کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔ کیا تم اپنے لیے اسی قسم کا انجام پسند کرتے ہو۔

دُوسرے رکوع میں نمازِ تہجد میں تخفیف فرما دی گئی۔ نصف شب جاگ کر عبادت کرنا عام لوگوں کے لیے از بس دشوار ہے۔ ان میں کئی بیمار، کئی مسافر اور کئی جہاد میں مصروف ہوتے ہیں۔ دن بھر کی تھکاوٹ ان کو چُور چُور کر دیتی ہے۔ اس لیے اُن کے لیے نرمی فرما دی کہ جتنی دیر وہ آسانی سے تلاوت و عبادت کر سکیں اتنا ہی کافی ہے۔ فرض نمازوں کی سختی سے پابندی کریں اور زکوٰۃ ادا کرنے میں سستی کا مظاہرہ نہ کریں۔

آخر میں ارشاد فرمایا کہ اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے اگر تمہیں اپنا مال خرچ کرنا پڑے تو بخل سے کام نہ لیا کرو بلکہ بڑی فیاضی اور دریا دلی سے خرچ کیا کرو۔ اللہ کی راہ میں جو تم خرچ کرو گے وہ رائیگاں نہیں جائے گا۔ وہ تو ایسا ہے گویا تم اپنے رب کو قرض دے رہے ہو۔ اللہ قیامت کے دن یہ قرض کئی گنا بڑھا کر تمہیں واپس کرے گا۔ اس دن تمہیں پتہ چلے گا کہ اللہ کے راستہ میں اپنی دولت خرچ کر کے تم نے کتنے بڑے نفع کا سودا کیا تھا۔ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ فرما کر اس خطرہ سے بھی آگاہ کیا کہ کہیں تم میں غرور پیدا نہ ہو جائے۔ ہمیشہ اپنے رب سے اپنی لغزشوں کے لیے مغفرت طلب کرتے رہا کرو۔ وہ غفورٌ رحیم تمہاری لغزشوں کو معاف فرما دے گا اور تمہارے اعمالِ حسنہ کو شرفِ قبولیت بخشے گا۔

نیو ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا

۲۱۔۴۔۷۷

سُوْرَةُ الْمُزَّمِّلِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ عِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۂ مزمل مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — اس میں ۲۰ آیتیں اور دو رکوع ہیں

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝١ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝٢ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ

اے چادر لپیٹنے والے [۱] رات کو نماز کے لیے قیام فرمایا کیجیے مگر تھوڑا یعنی نصف رات یا کم کر لیا کریں

[۱] اَلْمُزَّمِّلُ اصل میں اَلْمُتَزَمِّلُ ہے اور تَزَمَّلَ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے تَلَفَّفَ یعنی اپنے اوپر چادر یا کوئی کپڑا لپیٹ لینا۔

اس میں تو کوئی اختلاف نہیں کہ یٰٓاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ میں خطاب محبوب کریم علیہ افضل التحیۃ والتسلیم کو ہے۔ البتہ اس خطاب سے نوازنے کا سبب کیا ہے؟ اس بارے میں علماء کے متعدد اقوال ہیں۔ حضرت ابن عباس کا قول یہ ہے اور جمہور کا بھی یہی مذہب ہے کہ جب غار حرا میں جبریل علیہ السلام نے حاضر ہو کر اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ کا فرمان ربانی سنایا تو اس حیرت انگیز واقعہ سے خوف اور دہشت سی طاری ہو گئی اور جسم لرزنے لگا۔ اسی حالت میں حضور اپنے گھر تشریف لائے اور حضرت خدیجہ سے فرمایا زَمِّلُوْنِیْ۔ زَمِّلُوْنِیْ۔ مجھے چادر اوڑھا دو، مجھے چادر اوڑھا دو۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب چادر لپیٹ چکے تو جبریل فوراً حاضر ہوئے اور یٰٓاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ کے خطاب سے وحی کا آغاز کیا۔

عرب میں یہ دستور ہے کہ جب کسی کے ساتھ لطف و محبت کا اظہار کرنا ہو تو جس حالت میں وہ ہو اسی سے نام مشتق کر کے اس کو خطاب کرتے ہیں۔ حضرت حذیفہ ایک دفعہ سو رہے تھے۔ اسی اثنا میں سوئے ہوئے بختوں کو جگانے والا تشریف لے آیا اور فرمایا قُمْ یَا نَوْمَانُ۔ اے سونے والے جاگ! ایک بار حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت سیدۃ النساء بتول زہرا علی ابیہا وعلیہا اطیب التحیات سے کسی بات پر رنجیدہ ہو کر مسجد کے فرش پر آ کر لیٹ گئے۔ حضور آپ کو تلاش کرنے کے لیے تشریف لائے تو فرمایا قُمْ یَا اَبَا تُرَابٍ۔ اے مٹی کے باپ اٹھو! حضرت ابوہریرہ کو آقا نے ایک مرتبہ ابوھریرہ (بلی کا باپ) فرمایا۔ وہ اسی خطاب سے مشہور ہو گئے اور جو نام ماں باپ نے تجویز کیا تھا وہ متروک ہو گیا۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں نِدَاءُهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ تَانِيْسًا لَهٗ وَمُلَاطَفَةً عَلٰى عَادَةِ الْعَرَبِ … كُلُّ مَا يَفْعَلُ الْمَحْبُوْبُ مَحْبُوْبٌ۔ اہل عرب کے دستور کے مطابق از راہ انس و لطف یوں خطاب فرمایا … درحقیقت محبوب کی ہر ادا محبوب ہوا کرتی ہے۔

علامہ ابن جریر نے اس خطاب کی دو وجہیں لکھی ہیں: ① عَنْ قَتَادَةَ وَصَفَهٗ بِاَنَّهٗ مُتَزَمِّلٌ فِيْ ثِيَابِهٖ مُتَأَهِّبٌ لِلصَّلٰوةِ۔ قتادہ کہتے ہیں کہ حضور کپڑے پہن کر نماز کے لیے تیار ہو گئے تھے اس لیے یٰٓاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ فرمایا۔ اے کپڑے پہن کر میری عبادت کے لیے تیار ہونے والے! ② عکرمہ کہتے ہیں کہ یہ زَمْلٌ سے مشتق ہے۔ اس کا معنی ہے بوجھ۔ عرب کہتے ہیں اِزْدَمَلَهٗ: فلاں نے وہ بوجھ اٹھایا۔ اب اس کا معنی یہ ہو گا اے نبوت کے بار گراں کو اٹھانے والے!

علامہ آلوسی مندرجہ بالا اقوال نقل کرنے کے بعد رقمطراز ہیں کہ زمخشری معتزلی نے لکھا ہے کہ اس خطاب سے حضور کو عتاب کیا جا رہا ہے کہ آپ ایسے لوگوں کی طرح جن کے سامنے کوئی مقصد نہیں ہوتا چادر لپیٹ کر سو رہے ہیں۔ اٹھو اور اپنا فریضہ نبوت ادا کرو۔ علامہ آلوسی کہتے ہیں کہ یہ کلام گستاخانہ ہے اور اس کی کوئی تاویل نہیں کی جا سکتی۔ بعض لوگوں نے زمخشری کی طرف سے جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ لیکن آپ فرماتے ہیں:

مِنْهُ قَلِيْلًا ﴿۳﴾ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ﴿۴﴾ اِنَّا سَنُلْقِيْ

اس سے بھی تھوڑا سا ۲؎ یا بڑھا دیا کریں اس پر اور (حسب معمول) خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کیجیے قرآن کریم کو ۳؎ بے شک ہم جلد ہی القا کریں گے

ولا یخفی انہ لا ینبغی بہ سوء ادب الزمخشری فی تعبیرہ فانہ تعالیٰ وان کان لہ ان یخاطب حبیبہ بما شاء لکنا نحن لا نجری علی ما عاملہ سبحانہ بہ بل یلزمنا الادب والتعظیم بجناب الکریم۔ (روح المعانی)

قائل کی اس توجیہ سے زمخشری کی تعبیر میں جو گستاخی کا پہلو ہے اس کا تدارک نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ جیسے چاہے اپنے حبیب کو خطاب فرمائے، ہم پر لازم ہے کہ ہم بارگاہ رسالت کے ادب و احترام کو ہر طرح ملحوظ رکھیں۔

عارف کامل حضرت یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں یہ ترجمہ کیا ہے: "اے آراستہ بلباس پیغمبری"۔ رسالت کی خلعت فاخرہ زیب تن فرمانے والے۔

۲؎ اُٹھیے! اور رات کی ان خاموشیوں میں نماز ادا فرمایئے۔

پہلے آپ اس جملہ کی ترکیب ذہن نشین کر لیں تو اس کا معنی سمجھنے میں کوئی دقت نہ ہوگی۔

اللیل مستثنیٰ منہ۔ الا حرف استثنا۔ قلیلاً مستثنیٰ۔ نصفہ، قلیلاً کا بدل ہے۔ اس کی ضمیر کا مرجع اللیل ہے۔ اس بدل نے قلیل کے ابہام کو دور کر دیا۔ اَوْ حرف عطف۔ اُنْقُصْ مِنْہُ کی ضمیر کا مرجع اللیل اور نصف دونوں ہو سکتے ہیں۔ قلیلاً کا تعلق اُنْقُصْ سے ہے یعنی نقصاً قلیلاً۔

قُمِ اللَّیْلَ سے تو یہ سمجھا جا سکتا تھا کہ ساری رات نماز پڑھتے پڑھتے گزار دیجیے لیکن اِلَّا قَلِیْلًا فرما کر اس خیال کی نفی کر دی۔ فرمایا کچھ تھوڑا سا وقت آرام بھی فرمایئے۔ اب تھوڑے کی مقدار بتائی یعنی نصف رات۔ لیکن نصف شب میں اگر تھوڑی سی کمی یا تھوڑی سی زیادتی ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو اختیار دے دیا کہ چاہے نصف رات آرام فرمائیں یا نصف سے کچھ کم یا نصف سے کچھ زیادہ، آپ کو اختیار ہے۔

۳؎ علامہ قرطبی لکھتے ہیں: الترتیل: التنضید والتنسیق وحسن النظام ومنہ ثغر رتل اذا کان حسن التنضید۔ یعنی ترتیل کا معنی ہے بڑی خوبصورتی سے منظم اور مرتب ہونا۔ وہ منہ جس کے دانت خوبصورت اور ترتیب سے ہوتے ہیں اسے ثغر رتل کہتے ہیں یعنی کوئی دانت اونچا نیچا نہیں، کوئی جگہ خالی نہیں، کوئی دانت ٹوٹا ہوا نہیں۔ اسی مناسبت سے ترتیل قرآن کا معنی ہوگا کہ اس کو آہستہ آہستہ سوچ سمجھ کر پڑھا جائے اور اس کی تلاوت میں تیزی نہ کی جائے۔ اس آیت کی جامع اور دل نشین تفسیر حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے۔ آپ سے اس آیت کا مفہوم پوچھا گیا تو ارشاد فرمایا: بینہ تبییناً ولا تنثرہ نثر الدقل ولا تھذہ ھذ الشعر، قفوا عند عجائبہ وحرکوا بہ القلوب ولا یکن ھم احدکم اٰخر السورۃ۔ (روح المعانی) آپ نے فرمایا کہ اس آیت کا معنی ہمارے نبی کریم نے ہمیں بتایا کہ جس طرح تم جلدی جلدی ردی کھجوریں بکھیرتے چلے جاتے ہو اور بال کاٹتے چلے جاتے ہو، ایسا نہ کرو۔ جب کوئی نادر نکتہ آئے تو ٹھہر جاؤ، اپنے دل کو اس کی اثر انگیزی سے متحرک کرو۔ تمہیں اس سورت کو جلدی جلدی ختم کرنے کا فکر نہ ہو۔

عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ۝ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ

آپ پر ایک بھاری کلام ۷ بلاشبہ رات کا قیام (نفس کو) سختی سے روندتا ہے ۸ اور بات کو

۷ عنقریب آپ پر ایک گراں قدر کلام نازل ہونے والا ہے۔ جس میں اوامر و نواہی' احکام و ارشادات کا ایک طویل سلسلہ ہو گا اس پر عمل کرنا اور دوسرے لوگوں سے اس پر عمل کرانا بڑی بھاری ذمہ داری ہے۔ اس کے بوجھ کا اندازہ لگانا آسان کام نہیں۔ اگر پہاڑوں پر بھی یہ کلام نازل ہو تو وہ اس کی دہشت اور جلال سے ریزہ ریزہ ہو جائیں۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نزولِ آیات کے وقت عجیب کیفیت طاری ہوتی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ ولقد رأيته ينزل عليه الوحي في اليوم الشديد البرد فيفصم عنه وان جبينه ليتفصد عرقا۔ یعنی میں نے حضور کو اس حالت میں دیکھا جب سخت سردی کے دن بھی وحی نازل ہوتی تو جب وحی کا نزول ختم ہوتا تو حضور کی پیشانی مبارک سے پسینے کے قطرے ٹپکنے لگتے۔

کلام الٰہی کے ثقیل ہونے کی یہ وجہ بھی بیان کی گئی ہے کہ پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حرا کی خلوتوں میں ذکرِ الٰہی اور مشاہدۂ انوار و تجلیات میں مستغرق رہتے۔ اس طرح دل کو بڑی خوشی اور اطمینان نصیب ہوتا۔ مقامِ نبوت پر فائز کر کے حضور کو مخلوق کی اصلاح کی طرف متوجہ کیا گیا۔ توجہ کی سمت میں یہ تبدیلی حضور پر بڑی گراں تھی۔ ارشاد و تکمیل کا درجہ اگرچہ استکمال و خلوت سے اعلیٰ و برتر ہوتا ہے لیکن صوفی کے لیے رجوع الی الخلق بڑا صبر آزما ہوتا ہے۔ اسی لیے بعض نے کہا ہے کہ نبی کی شانِ ولایت' اس کی شانِ نبوت سے ارفع ہوتی ہے' کیونکہ پہلی حالت میں ساری توجہ محبوبِ حقیقی کی طرف ہوتی ہے اور دوسری حالت میں توجہ کا مرکز' مخلوق ہوتی ہے لیکن حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ قول غلط ہے۔ بل النبوة مطلقا افضل من الولاية وهي عبارة عند الصوفية عن السير في الذات والولاية عن السير في الصفات والشتان بينهما یعنی نبوت' ہر لحاظ سے ولایت سے افضل ہے کیونکہ صوفیاء کی اصطلاح میں نبوت سیر فی الذات کا نام ہے اور ولایت سیر فی الصفات کا اور دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ (مظہری)

۸ نَاشِئَةٌ، وزن کے لحاظ سے تو اسم فاعل مونث کا صیغہ ہے' لیکن یہ مصدر ہے جس طرح عافیۃ بمعنی عفو ہے۔ ناشئۃ اللیل کا معنی حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ بتایا ہے قیام اللیل بعد النوم۔ سونے کے بعد رات کو اٹھنا۔ ابن کیسان کہتے ہیں هي القيام من آخر الليل یعنی رات کے آخری حصہ میں قیام کرنا۔ اَشَدُّ وَطْاً، وطی کہتے ہیں پاؤں سے کسی کو لتاڑنا، روندنا۔ کیونکہ رات کو خوابِ راحت سے بیدار ہونا' نرم اور گرم بستر سے اٹھ کر وضو کرنا' نماز پڑھنا' ذکر اذکار کرنا نفس کے لیے بہت گراں ہے۔ اس لیے جو شخص شب بیداری اور سحر خیزی کو اپنی عادت بنا لیتا ہے وہ گویا سرکش نفس کی سرکوبی کر رہا ہے اور اس کے غرور و نخوت کو پاؤں تلے روند رہا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پہلے چند روز تو نفس اس کو ناگوار سمجھتا ہے۔ اس سے بچ نکلنے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر اس کو اٹھا کر مصلیٰ پر کھڑا کر دیا جائے تو اونگھنے لگتا ہے۔ نماز میں خشوع و خضوع پیدا نہیں ہوتا۔ کم ہمت سالک یہ خیال کرکے کہ اس نماز سے کیا فائدہ جس میں خضوع نہ ہو' نفس کے اس فریب کے سامنے ہتھیار ڈال دیتا ہے۔ لیکن اربابِ عزیمت نفس کی ان چالوں میں نہیں آتے۔ وہ اس کی ان حرکتوں کے باوجود سحری کو اٹھنے کی مشق جاری رکھتے ہیں۔ چند روز بعد جب ان کا سرکش نفس سدھائے ہوئے گھوڑے کی طرح ان کے اشارے پر عمل کرنے لگتا ہے تو ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔ اس لیے فرمایا کہ نفس کے غرور کو کچلنے کے لیے اور

قِيلًا ۝ إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا ۝ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَ

درست کرتا ہے۔ یقیناً آپ کو دن میں بڑی مصروفیتیں ہیں ۔ اور ذکر کیا کرو اپنے رب کے نام کا اور

اس کی سرکشی کو ختم کرنے کے لیے یہ نسخہ بڑا کارگر ہے۔ اسے شب بیداری سے خوب لتاڑو چند دن میں ہی یہ رام ہو جائے گا اور اس کی خرمستیاں باقی نہیں رہیں گی۔ علامہ بوصیری نے کیا خوب کہا ہے:

النفس کالطفل ان تھملہ شب علی حب الرضاع وان تفطمہ ینفطم

ترجمہ: نفس بچے کی مانند ہے۔ اگر تم اس کا دودھ نہ چھڑاؤ تو وہ جوان ہونے تک ماں کا دودھ پیتا رہے گا اور اگر تم اس کا دودھ چھڑا دو تو چند روز شور مچانے کے بعد وہ خود ہی ماں کا دودھ چھوڑ دے گا۔

شب بیداری کا ایک اثر تو یہ ہوا اور اس کی دوسری تاثیر اَقْوَمُ قِيلًا میں ظاہر ہوتی ہے۔ اقوم کا معنی اعدل: بالکل سیدھا ہموار جس میں کوئی کجی نہیں جس میں کوئی خم نہیں۔ قیلاً، قال کا مصدر ہے یعنی قول یعنی اس وقت قرآن کریم کی تلاوت بڑے صحیح طریقہ پر ہو سکتی ہے نہ شور و شغب ہوتا ہے اور نہ کسی اور کام کی جلدی ہوتی ہے۔ انسان مزے لے لے کر اللہ تعالیٰ کے اس پاک کلام کی تلاوت کرتا ہے اور لطف اندوز ہوتا ہے۔

۱؎ سبح پانی میں تیرنے کو کہتے ہیں، وہ گھوڑا جو بہت تیز رفتار ہو اس کو فرس سابح کہا جاتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ دن میں آپ کو مزاران صروفیتیں ہیں۔ دعوت حق، تبلیغ احکام، سیاسی اور معاشرتی امور کا انصرام، تنازعات کے فیصلے، لشکروں کی ترتیب وغیرہ۔ اس لیے دن میں فرصت کم ملتی ہے۔ رات کی گھڑی ذکر الٰہی اور قرأت قرآن کے لیے بہت موزوں ہے۔

ان آیات میں نماز تہجد کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی مختلف دلنشیں ارشادات سے اپنے ماننے والوں کو سحری کے وقت اٹھ کر سربسجود ہونے کی تلقین فرمائی ہے۔ چند ارشادات نبوی آپ بھی ملاحظہ فرمائیے:

(۱) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ینزل ربنا کل لیلۃ الی السماء الدنیا حین یبقی ثلث اللیل الاخر یقول من یدعونی فاستجیب من یسألنی فاعطیہ ومن یستغفرنی فاغفرلہ۔ (متفق علیہ) یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جب رات کا آخری حصہ رہ جاتا ہے تو ہمارا پروردگار پہلے آسمان پر (اپنی شان کے شایان) نزول اجلال فرماتا ہے اور فرماتا ہے کون ہے جو مجھ سے دعا مانگ رہا ہے تاکہ میں اس کی دعا قبول کروں کون ہے جو مجھ سے سوال کر رہا ہے تاکہ میں اس کو دوں۔ کون ہے جو گناہوں کی بخشش چاہتا ہے تاکہ میں اس کو بخش دوں۔

(۲) عن ابی امامۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علیکم بقیام اللیل فانہ دأب الصالحین قبلکم وھو قربۃ لکم الی ربکم ومکفر للسیئات۔ (رواہ الترمذی) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم کو رات کو جاگنا ضروری ہے۔ پہلے زمانے کے نیک لوگوں کا یہ دستور رہا ہے رات کو جاگنا اللہ کے قرب کا ذریعہ ہے اور گناہوں کو ملیامیٹ کرنے والا ہے۔

(۳) عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ثلاثۃ یضحک اللہ الیھم الرجل اذا قام باللیل یصلی والقوم اذا صفوا فی الصلوٰۃ والقوم اذا صفوا فی قتال العدو۔ (رواہ البغوی) حضور نے فرمایا تین آدمی وہ ہیں جن کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ ہنستا ہے۔ (۱) وہ شخص جو رات کے وقت اٹھ کر نماز تہجد پڑھتا ہے (۲) وہ لوگ جو نماز کیلئے صفیں باندھتے ہیں (۳) وہ لوگ جو میدان جنگ میں اپنی صفوں کو درست کرتے ہیں۔

۲؎ اس کا عطف قم اللیل پر ہے۔ مقصد یہ ہے کہ رات کو قیام کیا کرو، نماز و قرأت میں شب بسر کیا کرو اور ذکر الٰہی رات دن صبح و شام کیا کرو۔

تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ۝۸ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ

سب سے کٹ کر اسی کے ہو رہو ش۔ مالک ہے مشرق و مغرب کا اس کے سوا کوئی معبود نہیں

لیکن یہ مقام حاصل نہیں ہوتا جب تک دل ذاکر نہ ہو اور حق تو یہ ہے کہ صرف دل کا ذکر ہی حقیقی ذکر ہے کیونکہ ذکر کا معنی ہے طرد الغفلۃ غفلت کو دور بھگا دینا اور یہ اسی وقت ہوتا ہے جبکہ دل ذاکر ہو۔ کیونکہ زبان بسا اوقات ذکر کرتی ہے لیکن دل غافل ہوتا ہے۔ ایسے ذکر کو ذکر کہنا بڑی زیادتی ہے۔

ش۔ تبتل کا مفہوم علامہ آلوسی نے یہ بتایا ہے۔ انقطع الیہ تعالی بالعبادۃ وجرد نفسک عما سواہ عزوجل واستغرق فی مراقبۃ سبحانہ۔ یعنی ہر طرف سے تعلق توڑ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو جا اور اپنے نفس کو ماسوا کے خیال سے پاک کر دے اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کے مراقبہ میں مستغرق ہو جا۔

قاعدہ کے مطابق مفعول مطلق فعل کے باب سے تَبَتُّلًا ہونا چاہیے تھا لیکن کیونکہ بتل اور تبتل دونوں کے معنی ایک ہیں اس لیے باب تفعیل کا مصدر ذکر کر دیا تاکہ قوافی کی رعایت ہو جائے۔

اس آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انسان دنیا سے قطع تعلق کر لے۔ نہ گھر بار سے سروکار نہ اہل و عیال کا خیال۔ اس قسم کے تبتل کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ ارشاد نبوی ہے لا رھبانیۃ فی الاسلام کہ اسلام میں رہبانیت کی کوئی گنجائش نہیں۔ حضور نے حضرت ابن عمر کو ارشاد فرمایا: ان لنفسک علیک حقا ولزوجک علیک حقا ولضیفک علیک حقا کہ تیرے نفس کا بھی تجھ پر حق ہے تیرے اہل و عیال کا بھی تجھ پر حق ہے تیرے مہمان کا بھی تجھ پر حق ہے۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ دل میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی طلب نہ رہے۔ صوفیائے کرام کا قول ہے کہ جس راہ کے ہم مسافر ہیں اس پر دو قدم ہی اٹھتے ہیں کہ منزل آ جاتی ہے۔

الخطوۃ الاولی، الانقطاع عن الخلق والثانیۃ الوصول الی الحق، پہلا قدم مخلوق سے قطع تعلق اور دوسرا قدم وصول الی الحق: یہ دونوں آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔ ذرا مزید غور فرمائیے حکم دیا گیا ہے کہ اپنے رب کا نام یاد کرو۔ واذکر ربک نہیں کہا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری رسائی اس کے اسمائے حسنیٰ کے ذکر تک ہے اس کی ذات کا ذکر بڑی دور کی منزل ہے۔ دوام ذکر سے دوام حقیقی مراد نہیں بلکہ دوام عرفی ہے یعنی الاکثار بقدر الطاقۃ البشریۃ۔ انسانی طاقت کے مطابق کثرت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا۔ ایسا ذکر انسان کو تبتل کی منزل تک پہنچانے کا وسیلہ بن جاتا ہے بشرطیکہ جذب الٰہی دستگیری فرمائے یا شیخ کامل کی کشش نصیب ہو جائے۔ وکذالک یفضی الی التبتل ووسیلۃ الیہ بشرط الاجتباء من اللہ تعالی او جذب من الشیخ۔ (مظہری)

حضرت یعقوب چرخی لکھتے ہیں: وایں معنی را اہل سلوک نفی ماسوا اللہ گویند وایں معنی بکثرت ذکر حاصل می شود۔ بعنایت الٰہیہ و بخدمت شیخ کامل و مکمل۔

بے عنایات حق و خاصان حق ۔۔۔ گر ملک باشد سیاہ ہستش ورق

ویک نظر مبارک از شیخ کہ محبوب حق و مجذوب مطلق باشد چنداں تصفیہ و تجلیہ ظاہر و باطن حاصل آید کہ بانواع عبادات ظاہرہ حاصل نیاید۔

فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا ۝٩ وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا

بس بنا لیجیے اسی کو اپنا کارساز ۹؎ اور صبر کیجیے ان کی دل آزار باتوں پر اور ان سے الگ ہو جائیے بڑی

جَمِيلًا ۝١٠ وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ أُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيلًا ۝١١

خوبصورتی سے ۱۰؎ آپ چھوڑ دیں مجھے اور ان جھٹلانے والے مالداروں کو اور انہیں تھوڑی سی مہلت دیں ۱۱؎

إِنَّ لَدَيْنَا أَنكَالًا وَجَحِيمًا ۝١٢ وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَعَذَابًا أَلِيمًا ۝١٣

ہمارے پاس ان کے لیے بھاری بیڑیاں اور بھڑکتی آگ ہے ۱۲؎ اور غذا جو گلے میں پھنس جانے والی ہے اور دردناک عذاب ۔

ترجمہ: اس معنی کو ہی اہل تصوف ماسوی اللہ کی نفی کہتے ہیں اور یہ معنی کثرتِ ذکر سے حاصل ہوتا ہے اور عنایت ازلی اور شیخ کامل و مکمل کی خدمت اس کا سبب بنتی ہے۔

اللہ کی عنایت اور خاصانِ حق کی عنایت کے بغیر اگر کوئی فرشتہ بھی ہو تو اس کا نامۂ عمل سیاہ ہوتا ہے۔

شیخ جو محبوبِ حق اور مجذوبِ مطلق ہوتا ہے اس کی ایک نظرِ مبارک سے ظاہر و باطن کی وہ صفائی حاصل ہوتی ہے جو طرح طرح کی ظاہری عبادتوں سے حاصل نہیں ہوتی۔ اللھم ارزقنا من جذباتک مایلیق بکرمک۔ الٰہی ہمیں اپنی کششوں سے وہ عطا فرما جو تیری شانِ کرم کے شایان ہو۔

۹؎ وہ مشرق کا بھی مالک ہے اور مغرب کا بھی مالک ہے۔ ہر چیز اس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ ہر کام اسی کی مرضی سے طے پاتا ہے۔ وہی معبودِ برحق ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس لیے اسی کو اپنا کارساز بنالو۔ اپنے سارے کام، اپنے سارے احوال، اپنی ساری ضرورتیں، اسی کے سپرد کر دو اور یقین رکھو کہ وہ کارسازی فرمائے گا اور دین و دنیا میں تمہیں کامیابی نصیب ہوگی۔

۱۰؎ وہ دل جو ان کے لیے ہمدردی اور خلوص کے جذبات سے لبریز تھا وہ اسی کو دکھانے میں لگے رہتے۔ کاہن، شاعر، ساحر، مجنون جیسے مکروہ اور نازیبا الفاظ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے استعمال کرتے۔ مذاق کرنا، جھوٹے الزام تراشنا، غلط تہمتیں لگانا ان کا محبوب مشغلہ بن گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے محبوب! یہ جو بکتے ہیں انہیں بکنے دو۔ ان کی طرف سے رخ انور پھیر لو۔ ان کی گستاخیوں اور اذیت رسانیوں کا انتقام لینے کا خیال بھی قلبِ مبارک میں نہ گزرے۔ آپ نے اپنے سب کام میرے سپرد کر دیئے ہیں۔ اب آپ کو فکر کی ضرورت نہیں، میں خود ان سے نپٹ لوں گا۔ ھجرا جمیلا کا بھی یہی مطلب ہے کہ ان سے الجھنا ان کے منہ لگنا اور ان سے انتقام لینا آپ کو زیب نہیں دیتا۔

۱۱؎ اے محبوب! آپ نے مجھ پر توکل کرلیا اور مجھے اپنا کارساز بنالیا۔ اب آپ کو فکر کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ اس آیت کے نزول کے بعد بہت جلد یہ اولی النعمۃ میدانِ بدر میں ذلیل و رسوا کر کے قتل کر دیئے گئے۔

۱۲؎ أنکال: نکل کی جمع ہے۔ وہ بھاری بھرکم بیڑیاں جو پاؤں میں ڈال دی جاتی ہیں اور انسان ہل جل نہیں سکتا۔ الانکال: القیود واحدھا نکل

يَوْمَ تَرْجُفُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيبًا مَّهِيلًا ﴿۱۴﴾

یہ اس روز (ہوگا) جس دن لرزنے لگیں گے زمین اور پہاڑ اور پہاڑ ریت کے بہتے ٹیلے بن جائیں گے ۱۳

إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا ۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ

(اے اہل مکہ!) ہم نے بھیجا ہے تمہاری طرف ایک (عظیم الشان) رسول تم پر گواہ بنا کر ۱۴ جیسے ہم نے فرعون کی طرف

فِرْعَوْنَ رَسُولًا ﴿۱۵﴾ فَعَصَىٰ فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَاهُ أَخْذًا

(موسیٰ کو) رسول بنا کر بھیجا۔ پس نافرمانی کی فرعون نے رسول کی تو ہم نے اس کو بڑی سختی سے

وَبِيلًا ﴿۱۶﴾ فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِن كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ

پکڑ لیا ۱۵ (ذرا سوچو) کہ تم کیسے بچو گے اگر تم کفر کرتے رہے اس روز جو بچوں کو بوڑھا بنا دے

شِيبًا ﴿۱۷﴾ السَّمَاءُ مُنفَطِرٌ بِهِ ۚ كَانَ وَعْدُهُ مَفْعُولًا ﴿۱۸﴾ إِنَّ هَٰذِهِ

گا (اور) آسمان پھٹ جائے گا اس (دن) کے ہول سے ۱۶ اللہ کا وعدہ تو پورا ہو کر رہے گا۔ یقیناً یہ (قرآن)

وھو مانع الانسان من الحرکۃ۔ والغصۃ ما یاخذ بالحلق لاھو نازل ولاھو خارج۔ وہ چیز جو گلے کو پکڑ لیتی ہے، نہ نیچے اترتی ہے نہ باہر نکلتی ہے جیسے غسلین، زقوم وغیرہ۔

۱۳ قیامت کے روز انہیں مذکورہ بالا عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا۔ کثیب: الرمل المجتمع، ریت کا ٹیلہ۔ مَھِیْل: رَمْلًا سَائِلًا مُتَنَاثِرًا۔ ایسی ریت کا ڈھیر جو ہوا کے جھونکوں سے یا کوئی ٹھوکر لگنے سے پانی کی طرح بہنے لگتا ہے۔

۱۴ اہل مکہ کے سامنے فرعون کا ذکر کیا جا رہا ہے جس کی شان و شوکت اور غرقابی کے تذکرے وہ اپنے بڑوں سے سنتے چلے آئے تھے۔ انہیں فرمایا جا رہا ہے کہ ہم نے تمہاری طرف ایسا رسول بھیجا ہے جو قیامت کے روز تمہارے کفر و ایمان پر گواہی دے گا۔ شاھدا: یشھد یوم القیامۃ بما صدر منکم من الکفر والعصیان۔ (روح المعانی) جو کفر و نافرمانی تم سے صادر ہوئی ہے قیامت کے روز وہ اس کی گواہی دے گا۔ جس طرح ہم نے تمہاری طرف رسول بھیجا ہے اسی طرح ہم نے فرعون کی طرف موسیٰ علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا تھا۔

۱۵ تمہاری طرح فرعون نے بھی حضرت موسیٰ کو ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ ہم نے اس کو تباہ و برباد کر دیا۔ اگر تم نے میرے رسول کی دعوت رد کر دی تو پھر اسی قسم کے انجام کے لیے تیار رہنا۔ وبیل: شدید اور سخت چیز۔ جو بارش بڑی تیز برستی ہے اسے مطر وابل کہتے ہیں۔ جو پانی پینے کے قابل نہ ہو اسے ماء وبیل کہتے ہیں۔ اخذا وبیلا: ثقیلا شدیدا۔

۱۶ اگر تم کفر سے باز نہ آئے اور اس گمراہی و ضلالت پر مصر رہے تو پھر وہ دن جو آنا ہے اتنا ہولناک اور لمبا ہوگا کہ بچے بھی بوڑھے ہو جائیں گے اور

تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۱۹﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ

نصیحت ہے ۳۱ پس اب جس کا جی چاہے اختیار کرلے اپنے رب کی طرف سیدھا راستہ۔ بے شک آپ کا رب جانتا ہے کہ

اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ

آپ (نماز میں) قیام کرتے ہیں کبھی دو تہائی رات کے قریب، کبھی نصف رات اور کبھی تہائی رات اور ایک جماعت ان سے

مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ۭ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۭ عَلِمَ اَنْ لَّنْ

جو آپ کے ساتھ ہیں وہ بھی (رات کو) قیام کرتے ہیں ۳۲ اور اللہ تعالیٰ ہی ٹھیک اندازہ کرتا رہتا ہے رات اور دن کو۔ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ تم

آسمان جیسی مضبوط چیز بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی تو اس دن عذاب الٰہی سے تم کیونکر بچ سکو گے۔

۳۱ یہ آیات جو آج ہمارا رسول تمہیں پڑھ کر سنا رہا ہے یہ تمہارے لیے یاد دہانی ہے تاکہ تم خواب غفلت سے آنکھیں کھولو اور جس کا جی چاہے وہ اس راستہ پر گامزن ہو جائے جو اس کے پروردگار کی رضا اور معرفت کی طرف لے جاتا ہے۔ علامہ پانی پتی رقمطراز ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان کوئی حسی بُعد اور ظاہری دُوری تو ہے نہیں کہ کسی راستہ پر چل کر اس کا قُرب حاصل کیا جائے۔ وہ تو شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ ہمارے اور اس کے درمیان جو بُعد جو دُوری ہے وہ غفلت کی دوری ہے، وہ ظلمانی حجاب ہے۔ اس حجاب غفلت کو دور کرنے کی ایک ہی صورت ہے کہ ہر وقت اس کو یاد کیا جائے، اس کے ذکر کو اپنا معمول بنا لیا جائے۔ ذکر سے ہی یہ حجاب اٹھتا ہے۔ اس ذکر سے ہی بندے کو اپنے رب کی معیت اور اس کا عشق نصیب ہوتا ہے اور اسی محبت و عشق کے فیض سے اس کی عظمت و کبریائی کے نورانی پردے اٹھتے ہیں اور محب صادق سُرادقاتِ عظمت کو اٹھاتا ہوا حریم قرب میں حبیب سالی کا شرف حاصل کرتا ہے۔ کشف تلک الحجب یتیسر بالتذکیر فان التذکیر یزیل الغفلۃ ویستوجب المحبۃ مع المعیۃ کما قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم المرء مع من احب المحبۃ یفضی المحب الی المحبوب بحیث لا تمنعہ سرادقات العظمۃ والکبریاء۔ (مظہری)

ترجمہ: ان پردوں کا اٹھنا صرف ذکر الٰہی سے ہی آسان ہوتا ہے، کیونکہ ذکر سے غفلت زائل ہوتی ہے۔ محبت پیدا ہوتی ہے معیت نصیب ہوتی ہے۔ جس طرح ارشاد رسالت ہے ہر انسان اس کے ساتھ ہوتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ پس محبت، محب کو اپنے محبوب کے قریب پہنچا دیتی ہے عظمت و کبریائی کے پردے اس وقت اس کو روکتے نہیں۔

۳۲ قُمِ الَّيْلَ کا حکم نازل ہوا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نصف شب یا اس سے تھوڑا کم یا تھوڑا زیادہ تک نماز تہجد ادا کرنا اور اس میں قرآن کریم کی تلاوت کرنا فرض ہو گیا۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ ابتداء میں نماز تہجد تمام مسلمانوں پر فرض تھی اور بعض کا خیال ہے کہ نماز تہجد صرف حضورؐ پر فرض تھی لیکن جب مسلمانوں نے اپنے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نصف شب تک عبادت میں مصروف دیکھا تو ان کے دل میں بھی اپنے رسول کے اتباع کا شوق پیدا ہوا اور وہ بھی اپنے ہادی کے ساتھ اپنے مالک کی عبادت میں مشغول رہنے لگے۔ کیونکہ نصف رات کا وہ صحیح

تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ عَلِمَ

اس کی طاقت نہیں رکھتے تو اس نے تم پر مہربانی فرمائی پس تم اتنا قرآن پڑھ لیا کرو جتنا تم آسانی سے پڑھ سکتے ہو ۱۹ وہ یہ بھی

اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِى الْاَرْضِ

جانتا ہے کہ تم میں سے کچھ بیمار ہوں گے اور کچھ سفر کرتے ہوں گے زمین میں

يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ

تلاش کر رہے ہوں گے اللہ کے فضل (رزق حلال) کو ۲۰ اور کچھ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہوں گے۔

اندازہ نہیں لگا سکتے تھے اس لیے بسا اوقات دو تہائی رات نماز پڑھتے پڑھتے گزر جاتی یہاں تک کہ ان کے پاؤں سوج گئے اور چہروں کی رنگت زرد پڑ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے لطف و کرم فرماتے ہوئے اس حکم میں تخفیف کر دی کہ اب نصف رات جاگنے کی پابندی ختم، جتنا تم آسانی سے جاگ سکتے ہو اور جتنا بآسانی قرآن کریم پڑھ سکتے ہو اتنا ہی کافی ہے۔

یہ آیت پہلے حکم کے کتنا عرصہ بعد نازل ہوئی اس میں مختلف اقوال ہیں۔ آٹھ ماہ، سولہ ماہ اور ایک سال اور دس سال کی روایات منقول ہیں۔ آخری روایت سعید بن جبیر سے مروی ہے۔ امام ابن جریر نے اپنی تفسیر میں بارہ ماہ کا عرصہ لکھا ہے اور یہی زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ کسی روایت سے ثابت نہیں کہ مسلمانوں پر نصف شب کا قیام دس سال کی طویل مدت تک فرض رہا ہو اور اس کے بعد تخفیف کی گئی ہو۔

۱۹ بعض نے تو اس کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ تم اس کا صحیح طور پر اندازہ نہیں لگا سکتے۔ اس وقت کوئی ایسا ذریعہ نہ تھا جس سے بالیقین پتہ چل جاتے کہ ٹھیک آدھی رات گزر گئی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس حکم میں نرمی فرما دی اور بعض نے لن تحصوہ کا معنی لن تطیقوا قیامہ کیا ہے کہ تم ہمیشہ اتنی دیر قیام کی طاقت نہیں رکھتے، تم اس حکم کو نباہ نہ سکو گے۔ میرے نزدیک یہی معنی اس مقام سے زیادہ مناسب ہے کیونکہ یہاں بیماری، سفر وغیرہ ان عوارض کا ذکر ہوا ہے جن کے باعث نصف رات تک جاگنا ازحد مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ ایسے عوارض ہیں جن سے ہر شخص کو کم و بیش واسطہ پڑتا رہتا ہے۔ اگر نصف رات تک جاگنا فرض ہوتا اور ان وجوہات کی بنا پر لوگ ایسا نہ کر سکتے تو وہ نافرمان اور گنہگار ہوتے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے تم پر آسانی اور تخفیف کر دی ہے۔ اب جتنا آسانی سے جاگ سکتے ہو اور آسانی سے تلاوت کر سکتے ہو اتنا ہی کافی ہے۔

۲۰ یہاں پہلے حکم میں تخفیف کی علت بیان کی جا رہی ہے کہ انسان ہمیشہ صحت و تندرستی سے گھر میں اقامت پذیر نہیں رہتا۔ کبھی وہ بیمار بھی ہو جاتا ہے، کبھی اسے رزقِ حلال کی تلاش میں اور علم کے حصول میں سفر بھی کرنا پڑتا ہے۔ کبھی میدانِ جہاد میں دشمنانِ اسلام کے مقابلہ میں دادِ شجاعت بھی دینا پڑتی ہے۔ ان حالات میں سحر خیزی کی یہ پابندی بڑی مشکل ہے اس لیے نصف رات جاگنے کی یہ پابندی ختم کی جاتی ہے۔ اب جتنا تم آسانی سے جاگ سکو اتنا ہی کافی ہے۔

اللّٰهِ ۚ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ

تو پڑھ لیا کرو قرآن سے جتنا آسان ہو ۲۱ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو ۲۲

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اسلام میں رزق حلال کے لیے جدوجہد کا مقام بڑا اونچا ہے کہ اس کو مجاہدین کے ساتھ شمار کیا گیا ہے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں، سوّى الله تعالى في هذه الآية بين درجة المجاهدين والمكتسبين المال الحلال للنفقة على نفسه وعياله والاحسان والافضال فكان هذا دليلاً على ان كسب المال بمنزلة الجهاد۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے مجاہدین اور رزق حلال کمانے والوں کے درجہ کو برابر کر دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسب حلال بھی جہاد ہے۔

احادیث طیبہ میں اس حقیقت کو بڑی وضاحت سے بیان کیا گیا ہے:

روى ابراهيم عن علقمة قال قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ما من جالب يجلب طعاما من بلد الى بلد فيبيعه بسعر يومه الا كانت منزلته عند الله منزلة الشهداء ثم قرأ رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ الاٰية۔ یعنی جو شخص ایک شہر سے خوراک کا سامان کسی دوسرے شہر میں لے آتا ہے اور اس دن کے بھاؤ کے مطابق فروخت کر دیتا ہے تو اس کا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شہداء کے مرتبہ کے برابر ہے۔ پھر حضور نے یہ آیت طیبہ پڑھی۔ علامہ قرطبی ایک واقعہ لکھتے ہیں:

"واسط شہر میں ایک تاجر رہتا تھا۔ اس نے اپنا گندم سے بھرا ہوا ایک جہاز بصرے کی طرف بھیجا اور اپنے وہاں کے ایجنٹ کو لکھا کہ جس روز یہ جہاز بصرہ میں پہنچے اسی روز اس کو فروخت کر دو اور آنے والے دن کے لیے اسے بچا کر نہ رکھو۔ اتفاق ایسا ہوا کہ جس روز وہ جہاز پہنچا گندم کا بھاؤ گرا ہوا تھا۔ غلہ کے تاجروں نے اس ایجنٹ کو کہا کہ اگر تم ایک ہفتہ انتظار کرو تو کئی گنا نفع زیادہ کماؤ گے چنانچہ اس ایجنٹ نے ایک ہفتہ اس گندم کو فروخت نہ کیا۔ ان ایام میں بھاؤ تیز ہو گیا اور اس نے کئی گنا زیادہ نفع کمایا۔ اس نے اپنے مالک کو اس صورت حال سے آگاہ کیا۔ اس تاجر نے اس کو لکھا: يا هذا انا كنا قنعنا بربح يسير مع سلامة ديننا وقد جنيت علينا جناية فاذا اتاك كتابي هذا فخذ المال وتصدق به على فقراء البصرة وليتني انجو من الاحتكار كفافا لا علي ولا لي۔

اے فلاں! اگر ہمارا دین سلامت رہے تو ہمیں تھوڑا نفع ہی کافی ہے۔ تو نے ہم پر بڑی زیادتی کی ہے۔ جس وقت میرا یہ خط تمہیں ملے تو سارا مال بصرہ کے فقراء میں تقسیم کر دو۔ اس غلہ کی ذخیرہ اندوزی کا جو جرم تم نے کیا ہے اس کے مواخذہ سے ہی اگر بچ جاؤں تو کافی ہے۔ مجھے اس مال کے صدقہ کرنے سے مزید ثواب کی کوئی آرزو نہیں۔

۲۱ اس مقدار کا تعین ہر شخص کے اپنے حالات پر ہے۔ ویسے بعض نے پچاس آیتیں اور بعض نے سو آیات لکھی ہیں۔

۲۲ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ یہ آیت نماز پنجگانہ اور زکوٰۃ کی فرضیت کے بعد نازل ہوئی تو پھر نماز سے مراد پانچ فرض نمازیں اور زکوٰۃ سے مراد فرض زکوٰۃ ہوگی اور اگر نماز و زکوٰۃ کی فرضیت سے پہلے یہ آیت نازل ہوئی ہے تو پھر الصلوٰة سے مراد وہی نماز ہوگی جو اس وقت

وَ اَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ وَ مَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ

اور اللہ کو قرض حسنہ دیتے رہا کرو ۲۳ اور جو (نیکی) تم آگے بھیجو گے اپنے لیے ۲۴ تو

خَیْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَیْرًا وَّ اَعْظَمَ اَجْرًا ؕ وَ اسْتَغْفِرُوا

اسے اللہ کے پاس موجود پاؤ گے یہی بہتر ہے اور (اس کا) اجر بہت بڑا ہو گا ۲۵ اور مغفرت طلب کیا کرو

اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۲۰﴾

اللہ تعالیٰ سے ۲۶ بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

ادا کی جاتی تھی اور زکوٰۃ سے اس کا لغوی معنی مراد ہو گا یعنی صدقۃ التطوع، نفلی صدقات۔

۲۳ قرض حسن کا مطلب یہ ہے کہ پاک مال سے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خرچ کرنا۔ ما قصد به وجه الله تعالیٰ خالصا من المال الطیب۔

۲۴ ایک دفعہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھجور اور دودھ کو ملا کر حیس یعنی حلوا بنایا۔ اسی اثنا میں ایک مسکین آیا۔ آپ نے وہ حلوہ اٹھا کر اس مسکین کو دے دیا۔ اہل مجلس میں سے کسی نے کہا امیر المومنین! اس لذیذ حلوے کی قدر یہ بے چارا مسکین کیا سمجھ سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا لکن رب المسکین یدری ما هو۔ مسکین کا رب تو جانتا ہے کہ یہ کیا ہے۔

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ سے پوچھا کہ تم میں سے کون ہے جس کو اپنا مال اپنے وارث کے مال سے زیادہ پیارا ہو۔ سب نے عرض کی یا رسول اللہ! ہم سب کو اپنا مال وارث کے مال سے زیادہ محبوب ہے۔ حضور نے فرمایا سوچ لو کیا کہہ رہے ہو۔ سب نے عرض کی یا رسول اللہ! ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ ہمیں اپنا مال وارث کے مال سے زیادہ پیارا ہے۔ حضور نے فرمایا نہیں تم سب کو اپنے مال سے وارث کا مال زیادہ محبوب ہے۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! یہ کیسے؟ قال انما مال احدکم ما قدم ومال وارثه ما اخر۔ رواہ البغوی (مظہری) تمہارا مال تو وہ ہے جو تم اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کر کے اپنے سے پہلے بھیج رہے ہو اور وارث کا مال وہ ہے جو تم اپنے پاس رکھتے ہو۔

۲۵ خَیْرًا اور اَعْظَمَ، تَجِدُوْهُ کے مفعول ثانی ہیں اس لیے منصوب ہیں۔ هُوَ ضمیر فصل ہے۔ اس کا کوئی اعراب نہیں اور اَجْرًا تمیز ہے۔

۲۶ اس سے پہلے بدنی اور مالی عبادات اور اعمال صالحہ کا ذکر کیا گیا۔ ہو سکتا تھا کہ کوئی کوتاہ اندیش اپنے اعمال پر غرور و ناز کرنے لگے، اس لیے آخر میں ہدایت فرما دی کہ اپنے اعمال صالحہ اور نیکیوں پر بھروسہ مت کرو۔ تمہارے اعمال کتنے ہی اچھے کیوں نہ ہوں نقص و عیب سے خالی نہیں اور اگر خالی ہوں بھی تو بارگاہ خداوندی کی عظمتوں اور رفعتوں کے شایان شان نہیں۔ اس لیے تمہاری نگاہ ہمیشہ اپنی کوتاہیوں

اور خامیوں پر رہنی چاہیے اور ہر وقت ان کے لیے مغفرت طلب کرنے میں تمہیں کوشاں رہنا چاہیے۔ اپنی نجات اور بخشش کی امید فقط اس کی رحمت اور مغفرت پر ہونی چاہیے۔ بے شک وہ بہت مغفرت فرمانے والا اور ہر وقت اپنے بندوں کے حال زار پر رحمت فرمانے والا ہے۔

○

اللّٰھم انی ظلمتُ نفسی ظلماً کثیراً لا یغفر الذنوب الا انت فاغفر لی من عندک مغفرۃ وارحمنی انک انت الغفور الرحیم۔ رب ارحمھما کما ربیانی صغیرا۔ واعف عنا واغفر لنا وارحمنا انت مولٰنا فانصرنا علی القوم الکافرین۔

اللّٰھم صل وسلم وبارک علی المزمل المدثر حبیبک الاکرم سیدنا ومولٰنا محمد المبعوث رحمۃ للعٰلمین وعلی اٰلہ واصحابہ ومن احبہ و اتبعہ الی یوم الدین۔

○

تعارف

سُورۃ المُدثر

نام : اِس سورۂ مُبارکہ کا نام المدثر ہے۔ اس میں دو رکوع چھپن آیتیں، دو سو چھپن کلمات اور ایک ہزار دس حروف ہیں۔

نزول : عُلماء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ سُورت مکّہ مکرمہ میں نازل ہوئی لیکن ساری سُورت بیک وقت نازل نہیں ہُوئی بلکہ مختلف اوقات میں اُن کے مناسبِ حال آیتیں نازل ہُوئیں۔

مضامین : پہلی سات آیتوں کے بارے میں بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ نزولِ وحی کا آغاز اِن آیات سے ہُوا۔ لیکن محققین کے نزدیک یہی بات مُسلّم ہے کہ سب سے پہلے سورۂ اِقرأ کی آیتیں نازل ہُوئیں۔ اِس کے بعد کچھ عرصہ کے لیے نزولِ وحی کا سلسلہ منقطع رہا۔ یہ دن حضور کے لیے بڑے کرب واضطراب کے دن تھے طبیعت ہر وقت بے چین رہتی۔ ایک روز حضور غارِ حرا میں حسبِ معمول عبادت سے فارغ ہو کر گھر واپس تشریف لے جا رہے تھے کہ اچانک افقِ آسمان پر آپ کو وہی فرشتہ کرسی پر بیٹھا ہُوا نظر آیا جو پہلی وحی لے کر آیا تھا۔ اس منظر کو دیکھ کر طبیعت میں ہراس پیدا ہوا گھر پہنچے فرمایا: دَثِّرُوْنِي ، دَثِّرُوْنِي (مجھے لحاف اُڑھاؤ، مجھے لحاف اُڑھاؤ) حضور لحاف اوڑھ کر لیٹ گئے اسی حالت میں یہ آیات نازل ہُوئیں جن میں فرائضِ نبوت کی ادائیگی کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ پہلی وحی سے صرف یہ بتانا مقصود تھا کہ آپ کو منصبِ نبوت پر فائز کر دیا گیا اور اس وحی سے فرائضِ نبوت سے آگاہ کیا اور ان کی ادائیگی کے لیے کمربستہ ہونے کی تلقین فرمائی۔

آیات گیارہ تا چھبیس میں ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کی تفصیل آیات کی تشریح کے ضمن میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ ان آیات میں ولید ابن مغیرہ کا نام لیے بغیر اس کے اطوارِ بد کا ذکر کر دیا گیا کہ اس کا دل تو حضور کو سچا رسُول اور قرآن کریم کو کلام الٰہی مانتا ہے لیکن اپنی قوم کی ناراضگی کے خوف سے وہ اس کا برملا اظہار نہیں کرتا اور اپنی سرداری کو برقرار رکھنے کے لیے وہ حضور پر افترا بازی سے باز نہیں آتا۔ یہ حضور کو ساحر اور آیاتِ قرآنی کو سحر کہتا ہے۔ اس کو بتا دیا کہ اُسے دوزخ کی آگ کا ایندھن بنایا جائے گا۔ اُس کے شعلے اُس کو مجنون کر رکھ دیں گے، نہ وہ زندوں میں شمار ہوگا نہ مُردوں میں۔

آیت ۲۷ سے رکُوع کے اختتام تک دوزخ کے بعض حالات پر روشنی ڈالی۔ دُوسرے رکُوع میں بھی دوزخ اور

دوزخیوں کے حالات کا تذکرہ ہے۔ آپ کی خصوصی توجہ کے لائق وہ سوال وجواب ہے جو اہلِ دوزخ اور اہلِ جنت کے درمیان ہوگا۔ جنتی اُن سے پوچھیں گے کہ تمہیں کیوں جہنم میں گھسیٹ دیا گیا۔ وہ جواب دیں گے ہمارے جرائم میں سے دو بڑے جرم یہ تھے کہ ہم نماز نہیں پڑھا کرتے تھے اور ہم غریبوں کو کھانا نہیں کھلایا کرتے تھے۔ غور فرمائیے قرآن کریم غریب اور حاجتمند طبقہ کی مادی ضرورتوں کی فراہمی کو اسلامی معاشرہ اور اس کے خوشحال افراد کی کتنی بڑی ذمہ داری خیال کرتا ہے جو شخص اس ذمہ داری کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے اُس کا جرم اتنا ہی سنگین ہے جتنا اُس شخص کا جو اپنے ربِّ قدوس کو سجدہ نہیں کرتا۔ جس دین میں غریب پروری کو اتنا اہم مقام دیا گیا ہو اُس کے نام لیواؤں کو اپنے معاشرہ سے غربت و افلاس کی بیخ کنی کے لیے مارکس اور لینن کے اشتراکی فلسفہ کی قطعاً ضرورت نہیں اگر ضرورت ہے تو فقط اس بات کی کہ ہم آیاتِ قرآنی کی سرسری تلاوت نہ کیا کریں بلکہ اس کی گہرائیوں میں اُتریں۔ اس کے تقاضوں کو سمجھیں اور پھر ان تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے اپنے سارے وسائل کام میں لے آئیں۔

فَمَا لَهُمْ آیت ۴۹ سے کفار کے خبثِ طبع کا ذکر فرمادیا کہ اگر انہیں اللہ کا کلام سنایا جاتا ہے تو وہ اس سے یُوں بدکتے ہیں اور ڈر کر یُوں دُور بھاگتے ہیں جیسے جنگلی گدھے شیر سے ڈر کر بھاگتے ہوں۔ حالانکہ یہ کتاب سراپا نصیحت ہے۔ اس میں ان لوگوں کی فوز و فلاح کا سامان ہے۔ انہیں تو چاہیے تھا کہ ذوق و شوق سے اس کو سُنتے، خلوصِ قلب سے اس کو قبول کرتے اور اس کی روشنی میں جادۂ زیست کے نشیب و فراز کو طے کرتے ہوئے منزلِ مقصود تک جا پہنچتے۔

نیو ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا
۲۱۔۴۔۷۷

سُوْرَةُ الْمُدَّثِّرِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سِتٌّ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً فِيْهَا رُكُوْعَانِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورہ المدثر مکی ہے اس میں — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — ۵۶ آیتیں اور ۲ رکوع ہیں

يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝۱ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝۲ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝۳ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝۴

اے چادر لپیٹنے والے ۱ اٹھیے اور (لوگوں کو) ڈرائیے ۲ اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کیجیے ۳ اور اپنے لباس کو پاک رکھیے ۴

۱۔ وہ لباس جو جسم کو مس کرتا ہے اسے عربی میں شعار کہتے ہیں اور اس کے اوپر جو چادر، کمبل وغیرہ پہنا جاتا ہے اسے دثار کہتے ہیں۔ مدثر، دثار سے ہی مشتق ہے۔ اس کا لغوی معنی ہے چادر یا کمبل میں اپنے آپ کو لپیٹنے والے۔

اس کی شان نزول کے بارے میں مذکور ہے کہ غار حرا میں جبرئیل امین جب پہلی مرتبہ وحی لے کر حاضر ہوئے تو اس کے بعد کافی عرصہ تک نزول وحی کا سلسلہ بند رہا۔ اسے فترۃ الوحی کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ اس عرصہ میں حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بڑے قلق و اضطراب کی کیفیت طاری رہی۔ کلام الٰہی میں جو چاشنی اور مٹھاس ہے کان اب اس سے آشنا ہو چکے تھے اس کو دوبارہ سننے کے لیے سخت بے تاب تھے۔ اتنا لطف و کرم پھر سکوت، وہ بھی اتنا طویل۔ قبض کی یہ کیفیت بڑی صبر آزما تھی۔ دل بے چین، کان بے تاب، اور آنکھیں مشتاق۔ آخر پھر در رحمت کھلا اور سلسلہ وحی شروع ہوا۔ اس کی حالت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خود ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک روز میں چلا جا رہا تھا کہ آسمان کی طرف سے ایک آواز سنائی دی میں نے نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہی فرشتہ جو حرا میں میرے پاس آیا تھا، زمین و آسمان کے درمیان ایک زریں کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ یہ منظر دیکھ کر مجھے خوف محسوس ہوا گھر واپس لوٹ آیا۔ میں نے کہا۔ زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ۔ فَدَثَّرُوْنِیْ تو انہوں نے چادر یا کمبل مجھ پر ڈال دیا۔ اس وقت جبرئیل امین آ گئے اور یہ پیغام خداوندی آ کر سنایا۔

اس خطاب میں بھی اسی لطف و عنایت اور محبت و پیار کا اظہار ہے جس کا تذکرہ آپ ابھی المزمل میں پڑھ آئے ہیں۔ عکرمہ کہتے ہیں معنی یٰاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ ای المدثر بالنبوۃ و اثقالھا۔ اے نبوت اور اس کے بار گراں کو اٹھانے والے۔ صوفیائے کرام نے اس خطاب سے جو معنی سمجھا ہے علامہ آلوسی کے الفاظ میں سماعت فرمایئے۔

قال بعض السادۃ ای یایھا الساتر للحقیقۃ المحمدیۃ بدثار الصورۃ الآدمیۃ او یایھا الغائب عن انظار الخلیقۃ فلا یعرفک سوی اللہ تعالیٰ علی الحقیقۃ۔

ترجمہ: اقلیم معرفت کے بعض سرداروں نے اس کا یہ معنی بتایا ہے کہ اے انسانی شکل و صورت سے حقیقت محمدیہ کو چھپانے والے یا لوگوں کی نگاہوں سے اپنے آپ کو مستور رکھنے والے کہ تیری حقیقت کو اللہ تعالیٰ کے بغیر اور کوئی نہیں جان سکتا۔

اس کے بعد علامہ موصوف نے چند اشعار لکھے ہیں۔ ان میں سے قصیدہ بردہ کے دو شعر آپ بھی سن لیجیے:

۱۔ وکیف یدرک فی الدنیا حقیقتہ — قوم نیام تسلوا عنہ بالحلم

۲۔ فمبلغ العلم فیہ انہ بشر — وانہ خیر خلق اللہ کلھم

(۱) اس دنیا میں سوئی ہوئی قوم جو محض خیالات سے اپنے دلوں کو بہلا رہی ہے حضور کی حقیقت کو کیسے پہچان سکتی ہے۔
(۲) علم کی انتہا تو یہ ہے کہ آپ بشر ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوقات میں سب سے بہتر ہیں۔
قرآن کریم کے معانی کا سمندر بڑا عمیق ہے۔ اس کی تہہ تک کون پہنچ سکتا ہے۔ اس کے اسرار و معارف کے موتی ان گنت ہیں۔ ان کا شمار کون کر سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وحبیبہ الاکرم۔

۲ے آغاز نبوت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو جو ہدایات دیں، جن احکام اور ارشادات سے نوازا اس سے بہتر کوئی لائحہ عمل ہو ہی نہیں سکتا۔ یایھا المدثر کے محبت بھرے خطاب کے بعد پہلا حکم یہ دیا کہ اٹھیے! کاہلی اور بے پروائی سے نہیں بلکہ عزم اور پوری سنجیدگی کے ساتھ اٹھیے۔ آپ کے گرد و پیش بسنے والی مخلوق غفلت کی نیند سوئی پڑی ہے۔ اسے خبردار کر دیجیے کہ آنکھیں کھولو! اپنی روش بدلو ورنہ عذاب الٰہی نازل ہونے ہی والا ہے۔ اگر اپنی خیر چاہتے ہو تو اس عذاب سے بچنے کا راستہ میں تمہیں دکھاتا ہوں۔ وقت ضائع کیے بغیر اس پر گامزن ہو جاؤ۔

۳ے اس دعوت اور تنذیر کے مخاطب اگرچہ کافۃ الناس ہیں لیکن اولین مخاطب اہل مکہ اور قریش تھے جو صدیوں سے شرک کو قبول کر چکے تھے۔ مشرکانہ عقیدے ان کے قلوب و اذہان میں رچ بس چکے تھے۔ مزید برآں انہیں اپنی برتری کا ایک انوکھا احساس تھا۔ وہ کسی کو خاطر میں ہی نہ لاتے تھے۔ سب سے بڑے معزز، سب سے زیادہ عقل مند، سب سے بڑھ کر دور اندیش وہ خود تھے۔ مزید طرہ یہ کہ وہ کعبہ کے مجاور تھے، مذہبی رسوم اور دین کے جملہ حقوق انہی کے نام محفوظ تھے۔ اس لیے ان کو خدا کے عذاب سے ڈرانا یا دعوت حق دینا کوئی آسان کام نہ تھا۔ ان کے دلوں کی پتھریلی اور سنگلاخ زمین میں ایمان کی تخم ریزی بڑا دشوار مرحلہ تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو فرماتے ہیں کہ اپنے رب کی بڑائی کا عقیدہ بھی رکھو اور اس کا اعلان بھی کرو۔ جب آپ کا یہ عقیدہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے تو پھر دوسرے بڑوں کی آپ کو پروا نہیں رہے گی۔ ٹھیک ہے یہ لوگ بڑے ہوں گے، لیکن ان کی بڑائی چند میلوں اور چند دنوں تک ہے اور آپ کے رب کی بڑائی کا پرچم بحر و بر، دشت و جبل، عرش و فرش پر ازل سے لہرا رہا ہے اور ابد تک لہراتا رہے گا۔ آپ ان فانی بڑوں کی پروا مت کریں۔ ان کا جتنا جی چاہے آپ کے راستوں میں رکاوٹوں کے پہاڑ کھڑے کر دیں، آپ کا رب جو حقیقی بڑا ہے وہ انہیں رائی بنا کر اڑا دے گا۔ دل میں اس کی کبریائی کا عقیدہ اور زبان سے اس کی کبریائی کا اعلان یہی تو وہ فریضہ ہے جو آپ نے ادا کرنا ہے۔ اللہ اکبر سے نماز کا افتتاح اسی آیت سے ماخوذ ہے۔

۴ے آپ کو نبوت کے منصب رفیع پر فائز کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی کبریائی کے اعلان کے لیے منتخب فرمایا ہے۔ آپ کے رب کا جمال اس بات کو گوارا نہیں کر سکتا کہ آپ میلے کچیلے ہوں یا آپ کے کپڑے گندے یا ناپاک ہوں۔ جس طرح آپ کی زندگی کا مقصد مقدس ہے اسی طرح آپ کا لباس بھی اجلا، صاف اور پاک ہونا چاہیے۔ اس کا دوسرا معنی یہ کیا گیا ہے کہ اپنے اخلاق کو بھی پاک رکھیے۔ آپ کے دامن عصمت پر کسی قسم کا کوئی دھبہ لگنے نہ پائے۔ دشمنان حق کو انگشت نمائی کا کوئی موقع نہ دیجیے کہ ان کے اعتراضات طالبان حق کے لیے رکاوٹ نہ بن جائیں۔ لغت عرب میں پاکدامن آدمی کے لیے طاھر الذیل اور نقی الثوب کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ یعنی وہ پاکدامن ہے اور اس کا لباس ہر داغ سے پاک ہے۔ فقہا نے اسی آیت سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ نماز کے لیے کپڑوں کا پاک ہونا ضروری ہے اور جب کپڑوں کا پاک ہونا ضروری ہے تو نمازی کا اپنا جسم اور وہ جگہ جہاں وہ نماز ادا کر رہا ہے اس کا پاک ہونا بطریق اولیٰ ضروری ہو گا۔

وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝۵ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝۶ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝۷

اور بتوں سے (حسبِ سابق) دُور رہیے ۵؎ اور کسی پر احسان نہ کیجیے زیادہ لینے کی نیت سے ۶؎ اور اپنے رب (کی رضا) کے لیے صبر کیجیے ۷؎

۵؎ عقیدہ اور عمل کی ہر ظاہری اور باطنی قباحت سے حسبِ سابق احتراز کرنے کی تاکید ہو رہی ہے کیونکہ ایک مبلغ کا کلام اس وقت تک مؤثر نہیں ہو سکتا جب تک وہ خود ان برائیوں سے منزہ اور مبرا نہ ہو۔ فرمایا وہ تمام گناہ جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور عذاب کا باعث بنتے ہیں جن میں سب سے بڑا گناہ بتوں کی پرستش ہے، ان سے کنارہ کش رہیے ورنہ لوگ آپ پر زبانِ طعن دراز کریں گے اور تبلیغ کی کوششیں نتیجہ خیز ثابت نہ ہوں گی۔

قرطبی لکھتے ہیں "رِجز" اور "رُجز" دو لغتیں ہیں، معنی ایک ہی ہے۔ لغتان مثل الذکر والذکر۔ ابو العالیہ، ربیع اور کسائی کہتے ہیں: الرجز بالضم الصنم و بالکسر النجاسة والمعصية۔ یعنی رُجز، بت کو کہتے ہیں اور رِجز پلیدی اور گناہ کو کہتے ہیں۔ کسائی کہتے ہیں بالضم الوثن و بالکسر العذاب۔ (قرطبی) رُجز کا معنی بت اور رِجز کا معنی عذاب۔

۶؎ کیا ہی پیاری نصیحت ہے، کتنے اعلیٰ ضابطۂ اخلاق کی تعلیم ہے۔ عام طور پر تو کسی کے ساتھ جب احسان اور بھلائی کی جاتی ہے تو یہ توقع ہوتی ہے کہ جب وقت آئے گا تو یہ مجھ سے بڑھ کر احسان کرے گا۔ لوگ وہاں ہی ایک روپیہ خرچ کرتے ہیں جہاں کم از کم دو کی بازیافت کی امید ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسولِ کرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حکم دیتے ہیں کہ ہدایت کا جو احسان آپ ان پر فرما رہے ہیں، معرفتِ الٰہی کی جو دولت آپ انہیں عطا فرما رہے ہیں یہ بڑی بیش قیمت چیز ہے۔ لیکن بھولے سے بھی یہ خیال آپ کے دل میں کبھی نہ آنا چاہیے کہ آپ کے دستِ مبارک پر مشرف باسلام ہونے والے اس احسانِ عظیم کا معاوضہ آپ کو دیں گے۔ آپ محض اور محض اپنے رب کے حکم کی تعمیل اور اس کی رضا کے لیے یہ کام کریں اور کسی انسان سے اس کے معاوضہ کی قطعاً توقع نہ رکھیں۔ آپ کا رب خود آپ کو اس کا اجرِ عظیم اور اجرِ غیر ممنون عطا فرمائے گا۔ ہر قسم کے لالچ یا منفعت سے بے نیاز ہو کر آپ دعوتِ حق کا فریضہ انجام دیں۔

اس آیت کا ایک اور مفہوم بھی بتایا گیا ہے کہ آپ اپنے پروردگار کی عبادت، اس کے دین کی تبلیغ اور اس کے نام کو بلند کرنے کے لیے جو کوششیں کر رہے ہیں ان کو بڑا اور کثیر سمجھ کر اس پر نازاں نہ ہوں بلکہ جتنا بھی آپ جدوجہد کریں اس کو قلیل اور حقیر ہی سمجھیں۔ قال الحسن لا تمنن علی اللہ بعملک فتستکثرہ۔

۷؎ اس دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں جو تکلیفیں پیش آئیں، جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑے ان پر صبر کیجیے اور صبر بھی محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لیے۔

ان آیاتِ طیبات میں جو ہدایات مذکور ہیں کوئی یہ خیال نہ کرے کہ حضور پہلے ان کے خلاف عمل پیرا تھے اور حضور کی اصلاح کے لیے یہ ہدایات نازل کی گئیں بلکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فطرتِ زکیہ اور طبیعتِ سعیدہ پہلے ہی مکارمِ اخلاق سے متصف تھی۔ ہر قسم کی خامیوں اور عیوب سے حضور کا دامن پاک تھا۔ یہ احکام یا تو دوام کے لیے ہیں کہ حسبِ معمول آپ ان پر کاربند رہیے یا قیامت تک آنے والے مبلغین اور خادمانِ دین کے لیے یہ ایک منشور مقرر کر دیا گیا کہ اگر نبوت کی وراثت سے کچھ حصہ لینا چاہتے ہو تو ان اصولوں پر مضبوطی سے کاربند رہو۔

فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ ﴿۸﴾ فَذٰلِكَ یَوْمَئِذٍ یَّوْمٌ عَسِیْرٌ ﴿۹﴾ عَلَی

پھر جب صور پھونکا جائے گا ش۸ تو وہ دن بڑا سخت دن ہو گا۔ کفار

الْكٰفِرِیْنَ غَیْرُ یَسِیْرٍ ﴿۱۰﴾ ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا ﴿۱۱﴾ وَّجَعَلْتُ

پر آسان نہ ہو گا۔ آپ چھوڑ دیجیے مجھے اور جس کو میں نے تنہا پیدا کیا ہے ش۹ اور دے

لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ﴿۱۲﴾ وَّبَنِیْنَ شُهُوْدًا ﴿۱۳﴾ وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِیْدًا ﴿۱۴﴾

دیا ہے اس کو مال کثیر۔ اور بیٹے دیئے ہیں جو پاس رہنے والے ہیں۔ اور مہیا کر دیا ہے اسے ہر قسم کا سامان ش۱۰

ش۸ ای نُفِخَ فِی الصور۔ جب قیامِ قیامت کے لیے صور پھونکا جائے گا تو وہ دن کفار کے لیے بڑا سخت ہو گا۔ ان کی کوئی تدبیر کام نہ آئے گی۔ ان کا کوئی عذر مقبول نہ ہو گا۔ ان کی ساری آسیں اور امیدیں ٹوٹ جائیں گی۔ نَاقُوْر: فاعول کا وزن ہے۔ وہ آلہ جس میں حضرت اسرافیل علیہ السلام پھونک ماریں گے۔ اس آلے کی حقیقت شکل و صورت سے ہم کو آگاہ نہیں کیا گیا اور نہ اس کی تحقیق کا حکم دیا گیا ہے۔

ش۹ یہاں سے ولید بن مغیرہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ اپنی ناراضگی اور غضب کا اظہار فرما رہے ہیں۔ اس قسم کا کلام غصہ اور غضب کے اظہار کے لیے بولا جاتا ہے۔ اس غضبِ شدید کی وجہ آیت ش۱۸ سے شروع ہو رہی ہے۔ یہاں صرف اس کی احسان فراموشی اور کفرانِ نعمت کا ذکر ہو رہا ہے۔ وحیدا کے بارے میں دو قول ہیں۔ یا تو خَلَقْتُ کی ضمیرِ فاعل کا حال ہو گا۔ مطلب یہ ہو گا کہ میں نے کسی مدد کے بغیر اس کو پیدا کیا ہے۔ مجھے اس کو ہلاک کرنے کے لیے کسی دوسرے کی اعانت کی ضرورت نہیں یا یہ مفعول کی ضمیر محذوف خلقتہ کا حال ہو گا۔ اس صورت میں معنی یہ ہو گا کہ اس کو میں نے اس حالت میں پیدا کیا ہے کہ وہ تنہا تھا۔ نہ اس کے پاس مال تھا نہ دولت، نہ زمین نہ باغات۔ نہ اس کے پاس کوئی بیٹا تھا اور نہ کوئی ملازم۔ اب ہم نے اس پر یہ احسان فرمایا اس کو اتنا مال دے دیا جو ختم ہونے میں نہیں آتا۔ دس بروایت بارہ بیٹے دیے جو کسبِ رزق سے مستغنی ہیں۔ تجارت و کاروبار کے لیے انہیں دور دراز ملکوں کی خاک چھاننا نہیں پڑتی۔ کھیتی باڑی میں سارا سارا دن مصروف نہیں رہتے بلکہ تمام ضروریات سے بے نیاز ہو کر ہر وقت اپنے باپ کے پاس حاضر رہتے ہیں۔

شہود کا معنی معروف و مشہور بھی کیا گیا ہے یعنی باپ کی طرح نامور اور معزز ہیں۔ لوگ اپنی حاجات میں ان کے پاس بھی حاضر ہوتے رہتے ہیں۔

ش۱۰ اس کا مفہوم علامہ پانی پتی کے الفاظ میں یوں ہے: ای بسطت لہ الریاسۃ والجاہ العریض۔ یعنی میں نے اس کے لیے ریاست و سروری اور عزت و جاہ کے اسباب فراہم کر دیے ہیں اور مکہ کا کوئی رئیس اس کے ساتھ ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا یہاں تک کہ اس کے ہم قوم اسے ریحانۃ قریش، قریش کا گلِ خنداں کہا کرتے اور یہ اپنے آپ کو وحید بن وحید یگانہ فرزند یگانہ کے متکبرانہ الفاظ سے ملقب کیا کرتا۔

ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ ﴿۱۵﴾ كَلَّا ۖ إِنَّهُ كَانَ لِآيَاتِنَا عَنِيدًا ﴿۱۶﴾ سَأُرْهِقُهُ صَعُودًا ﴿۱۷﴾ إِنَّهُ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ﴿۱۸﴾ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ قُتِلَ

پھر طمع کرتا ہے کہ میں اسے مزید عطا کروں [۱۱] ہرگز نہیں [۱۲] وہ ہماری آیتوں کا سخت دشمن ہے۔ میں اسے مجبور کروں گا کہ وہ کٹھن چڑھائی چڑھے [۱۳] اس نے غور کیا اور پھر ایک بات طے کر لی [۱۴] اس پر پھٹکار اس نے کتنی بری بات طے کی۔ اس پر پھر پھٹکار کیسی

۱۱۔ اتنے عظیم احسانات کے باوجود اسے شکر کی توفیق نصیب نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کے رسول سے مخاصمت اور عناد اس کا شغل بن کر رہ گیا ہے۔ بایں ہمہ مزید نعمتوں کا خواہاں ہے۔

۱۲۔ ہرگز نہیں، اب اس کے لیے انعام و اکرام کے دروازے بند کیے جا رہے ہیں اور عذاب و عتاب کے دروازے کھولے جا رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس کے بعد ولید کا کاروبار ماند پڑ گیا۔ زراعت و تجارت کی ترقی رک گئی۔ خسارے کا چکر چلنے لگا۔

۱۳۔ اَرْھَقَ، سَاُکَلِّفُ۔ ہم اسے جبراً حکم دیں گے کہ وہ اس پہاڑ پر چڑھے۔ آرام و آسائش کی زندگی کا دور ختم ہو گیا۔ اب اسے ذلت و نامرادی، محرومی و تنگدستی کی زندگی بسر کرنا پڑے گی۔ روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ جہنم میں ایک پھسلواں پہاڑ ہے جس کا نام صعود ہے۔ اسے ایسے پہاڑ پر چڑھنے کا حکم دیا جائے گا۔ جان جوکھوں میں ڈال کر جب وہ چوٹی کے قریب پہنچے گا تو اس کا پاؤں پھسل جائے گا اور دھڑام سے نیچے آ گرے گا۔ پھر اسے اسی طرح اوپر چڑھنے کا حکم ملے گا۔ اسے مجال انکار نہ ہو گی۔ قال ابن عباس ساکلف۔ مشقۃ من العذاب لا راحۃ لہ فیہ۔ (قرطبی) حضرت ابن عباس نے اس کا معنی یہ بتایا کہ ہم اسے ایک ایسے عذاب کی مشقتوں میں مبتلا کریں گے جس میں اس کو پل بھر کے لیے بھی آرام نصیب نہیں ہو گا۔

۱۴۔ یہاں سے اس غضب شدید کی وجہ بتائی جا رہی ہے۔ آیات کی تشریح سے پہلے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ وہ واقعہ سن لیں جس کا ان آیات میں ذکر ہو رہا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی دعوت کا آغاز کیے ابھی چند ماہ ہی گزرے تھے کہ حج کا موسم آ گیا۔ اس موقع پر ہر سال عرب کے اطراف و اکناف سے لوگ یہاں جمع ہوتے۔ اپنے اپنے رسم و رواج کے مطابق پوجا پاٹ کیا کرتے۔ اہل مکہ کو اب یہ فکر دامنگیر ہوئی کہ ابھی تک قرآن کی دعوت کو ایک محدود تھی جو کسی کے جی میں آیا کہہ دیا۔ اب بیرونی قبائل کے لوگ آ رہے ہیں۔ وہ اس نئے داعی کے بارے میں ضرور پوچھیں گے اگر ہم سب نے کوئی متفقہ جواب نہ دیا تو وہ ہمارا مذاق اڑائیں گے۔ اس لیے انہوں نے سوچا کہ ایک میٹنگ بلائی جائے اور اس میں طے کر لیا جائے کہ بیرونی لوگ اگر ان کے بارے میں پوچھیں تو انہیں کیا متفقہ جواب دیا جائے۔ چنانچہ دار الندوہ میں ان کا اجتماع ہوا۔ ولید نے ہی گفتگو کا آغاز کیا اور لوگوں کو اس مجلس کے انعقاد کے اغراض و مقاصد سے آگاہ کیا۔ اس نے کہا کہ ہمیں چاہیے کہ ہم سب ایک بات پر متفق ہو جائیں اور جو شخص بھی ان کے بارے میں پوچھے سب ایک ہی جواب دیں۔ چنانچہ بعض لوگوں نے کاہن کا لفظ تجویز کیا۔ ولید بولا بخدا وہ کاہن نہیں ہیں۔ کاہنوں کے بے جوڑ بے ربط فقرے میں نے بارہا سنے ہیں۔ قرآن کو بھلا ان سے کیا نسبت۔ دوسرے لوگ کہنے لگے کہ انہیں مجنون کہنا چاہیے۔ ولید نے اس کی بھی تردید کی اور کہا کہ اگر تم نے ایسی بیہودہ بات کی تو وہ لوگ تمہارا مذاق اڑائیں گے۔ چند لوگوں نے کہا کہ ان کے لیے مناسب لفظ شاعر ہے۔ ولید سے نہ رہا گیا کہنے لگا تم شعر کی

بری بات اس نے طے کی۔ پھر دیکھا۔ پھر منہ بسورا اور ترش رو ہوا ﴿۱۵﴾ پھر پیٹھ پھیری اور غرور کیا۔

تمام اصناف سے واقف ہو۔ کیا قرآن کی کسی آیت پر ان میں سے کسی صنف کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ جو لوگ اب تک گفتگو میں شریک نہیں ہوئے تھے وہ کہنے لگے اور کوئی لفظ ان کے لیے موزوں نہیں البتہ ہم انہیں بڑے اطمینان سے ساحر کہہ سکتے ہیں۔ ولید نے کہا دوستو! جادوگروں کی غلیظ زندگی اور ناپاک کردار کو حسنِ مکارمِ اخلاق کے اس حسین و جمیل پیکر سے کوئی نسبت ہو سکتی ہے؟ ان الفاظ میں سے کوئی لفظ بھی اگر تم نے استعمال کیا تو عربی عوام تم پر بدگمان ہو جائیں گے اور اسے جھوٹی تہمت خیال کریں گے۔ پھر کہنے لگا والله ان لقوله لحلاوة وان عليه لطلاوة وان اعلاه لمثمر وان اسفله لمغدق وانه ليعلو ولا يعلى عليه۔ بخدا اس کلام میں بڑی مٹھاس ہے اس کی جڑیں بہت گہری ہیں اس کی ٹہنیاں پھلوں سے لدی ہیں یہ ہر ایک سے اونچا ہے اور کوئی اس سے اونچا نہیں ہو سکتا۔ ولید یہ کہہ کر مجلس سے اٹھا اور گھر چلا گیا۔ مجمع میں شور مچ گیا کہ ولید صابی ہو گیا۔ ابوجہل نے کہا تم فکر نہ کرو یہ مشکل میں حل کرتا ہوں چنانچہ بڑی افسردہ شکل بنا کر اس کے پاس گیا۔ ولید نے پوچھا خیر تو ہے بیٹے غمگین نظر آ رہے ہو۔ ابوجہل نے کہا اب غمزدہ ہونے کے بغیر چارہ ہی کیا ہے۔ قریش کے لوگ تیرے لیے گھر گھر سے چندہ جمع کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ ولید بھوکا ہو گیا ہے اس لیے حضور کا اسم گرامی لے کر اس کی طرف اور ابوبکر کی طرف راغب ہو گیا ہے تاکہ وہ اس کی مالی امداد کریں۔ کم ظرف تھا فوراً مشتعل ہو گیا۔ کہنے لگا لات و عزیٰ کی قسم! میرے جیسا رئیس اعظم محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور ابوبکر کے ٹکڑوں کا محتاج نہیں ہو سکتا۔ لیکن ان کے بارے میں جو الفاظ تم کہتے ہو وہ غلط ہیں۔ پھر بڑے غور سے سوچنے لگا یوں معلوم ہوتا تھا گویا بحرِ فکر میں غوطہ زنی کر رہا ہے تاکہ آپ کے لیے کوئی موزوں لفظ نکال لائے۔ کافی دیر تک اسی حالت میں رہا اور آخر کار کہنے لگا کہ ہم اسے ساحر کہہ سکتے ہیں کیونکہ اس نے بھائی کو بھائی سے بیٹے کو باپ سے جدا کر دیا ہے۔

اب ذرا ان آیات کو نظرِ تعمق سے دیکھیں ایسے شخص کی جو تصویر کشی کی گئی ہے یہ بھی اپنے اندر ایک اعجازی شان رکھتی ہے۔

وہ اس بارے میں غور و فکر کرنے لگا کہ اس نبی مکرم کے لیے کون سا لفظ تجویز کیا جائے کاہن، شاعر، مجنون یا ساحر۔ طویل غور و خوض کے بعد اس نے طے کر لیا کہ انہیں ساحر کہنا درست ہے۔ ایسی سمجھ اور ایسی عقل پر پھٹکار کہ کتاب کی خوبیوں کو پوری طرح جاننے اور صاحبِ کتاب کے مکارمِ اخلاق کو تسلیم کرنے کے باوجود وہ ایسا لفظ منہ سے نکالنے کا فیصلہ کرتا ہے۔

﴿۱۵﴾ معلوم ہوتا ہے اس کا اپنا ضمیر بھی اس کو ملامت کر رہا ہے۔ وہ انتہائی ذہنی کشمکش میں مبتلا ہے اور اس کے آثار اس کے چہرے پر صاف نمایاں ہو رہے ہیں۔

آخری اعلان سے پہلے ایک مرتبہ پھر رعونت سے مجمع پر نگاہ ڈالتا ہے پھر اس کی پیشانی پر بل پڑ جاتے ہیں۔ پھر وہ منہ بسورتا ہے جیسے کوئی سخت بنا ہے۔ پھر غرور و تکبر سے منہ پھیر لیتا ہے اور کہتا ہے اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ کہ یہ جادو ہے اور اس کتاب کا لانے والا جادوگر ہے۔ پھر لوگوں کو مطمئن کرنے کے لیے کہتا ہے کہ یہ کوئی نئی چیز نہیں۔ اس کا رواج قدیم زمانے سے چلا آ رہا ہے۔ ہر زمانے کے جادوگر اپنے شاگردوں کو اس کی تعلیم دیتے آئے ہیں اور یوں ہی یہ سلسلہ جاری رہا ہے۔ ان کو بھی کسی بڑے جادوگر نے یہ چیزیں سکھا دی ہیں اور گھر گھر میں جو انتشار و افتراق پیدا ہو گیا ہے یہ اسی جادو کا کرشمہ ہے۔

فَقَالَ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ یُّؤْثَرُ ﴿۲۴﴾ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿۲۵﴾ سَاُصْلِیْهِ

پھر (لا) یہ نہیں ہے مگر جادو جو پہلوں سے چلا آتا ہے۔ یہ نہیں مگر انسان کا کلام۔ عنقریب میں اسے جہنم

سَقَرَ ﴿۲۶﴾ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ﴿۲۷﴾ لَا تُبْقِیْ وَلَا تَذَرُ ﴿۲۸﴾ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ﴿۲۹﴾

میں جھونکوں گا ۱۶ اور تو کیا سمجھے کہ جہنم کیا ہے۔ نہ باقی رکھے اور نہ چھوڑے ۱۷ جھلسا دینے والی آدمی کی کھال کو ۱۸

عَلَیْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿۳۰﴾ وَمَا جَعَلْنَاۤ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً

اس پر انیس فرشتے مقرر ہیں ۱۹ اور ہم نے نہیں مقرر کیے آگ کے داروغے مگر فرشتے ۲۰

۱۶ اس پر ہم نے اتنے احسانات کیے، بیٹے دیے، بے اندازہ دولت دی، عزت و سرداری بخشی اور اتنی لمبی عمر عطا فرمائی اور یہ اچھی طرح جانتا ہے کہ نہ آپ ساحر ہیں اور نہ یہ کلام سحر ہے لیکن محض اپنی جھوٹی نام و نمود کے لیے اور چند روزہ سرداری کے لیے وہ ایسا ناپاک الزام ایسے نبی مکرم پر لگا رہا ہے۔ ایسے نابکار کو ہم ضرور دوزخ کا ایندھن بنائیں گے۔

۱۷ نہ تو اسے زندہ رہنے دیتی ہے اور نہ اس کو جلا کر فنا کر دیتی ہے۔ جل کر کوئلہ ہوتے ہیں اور پھر عذاب جھیلنے کے لیے زندہ کر دیے جاتے ہیں۔

۱۸ لواح ھو تلویح الجسم و تغییرہ الی سواد۔ یعنی جلد کی رنگت سیاہی مائل کر دینے والی ہے۔ بَشَر جمع ہے بَشَرۃ کی۔ اس کا معنی انسانی جلد ہے۔

۱۹ ہم نے اس کشادہ اور وسیع دوزخ کی حفاظت کے لیے انیس داروغے مقرر کیے ہیں۔ کفار نے جب یہ آیت سنی تو بڑے زور سے قہقہے لگانے لگے۔ بس یہی کچھ ہے اس نبی کے خدا کی فوج۔ ہم تو سمجھے تھے بے شمار لشکر ہوگا جو جہنم کو چاروں طرف سے گھیرے کھڑا ہوگا اور ان کی گرفت سے بچ کر نکلنے کی کسی میں ہمت نہ ہوگی۔ کل انیس! کیا حقیقت ہے ان انیس کی؟ کفار کا مجمع لگا تھا، یہی بات موضوع بحث بنی ہوئی تھی۔ ہر شخص چٹخارے لے لے کر نکتہ آفرینیاں کر رہا تھا۔ ابوجہل کہنے لگا دوستو! تم نے سن لیا اس نبی کے خدا کی فوج صرف انیس سپاہیوں پر مشتمل ہے۔ کیا ہم دس دس مل کر بھی ایک ایک کو پکڑ کر اس کا کچومر نہ نکال دیں گے۔ ابوالاشد بن اسید الجمحی جو اپنے قبیلہ بنی جمح کا زور آور پہلوان تھا وہ بھی وہاں موجود تھا۔ کہنے لگا ابوجہل جی مہاراج! ان میں سے سترہ کو تو میں اکیلا کافی ہوں۔ باقی رہے دو تو آپ سب مل کر ان دو کو سنبھال لیں۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ اے بیوقوفو! یہ تمہاری مانند بشر نہیں، نہ یہ گوشت پوست کے آدمی ہیں کہ دس دس یا سولہ سولہ مل کر ان کو پچھاڑ دو۔ یہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہیں جن کی قوت و طاقت کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اگر تمہیں کچھ غلط فہمی ہو تو عاد و ثمود اور سدوم و عمورہ سے پوچھو۔ وہ تمہیں ان کی قوت کے بارے میں بتائیں گے۔

۲۰ جہنم کے داروغوں کی یہ تعداد بیان کرنے میں کیا حکمت ہے؟ بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سن کر کفار نے اودھم مچا دیا اور اس کے

وَّمَا جَعَلۡنَا عِدَّتَہُمۡ اِلَّا فِتۡنَۃً لِّلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ۙ لِیَسۡتَیۡقِنَ الَّذِیۡنَ

اور نہیں بنایا ہم نے ان کی تعداد کو مگر آزمائش ان لوگوں کے لیے جنہوں نے کفر کیا تاکہ یقین کرلیں

اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ وَ یَزۡدَادَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِیۡمَانًا وَّ لَا یَرۡتَابَ الَّذِیۡنَ

اہل کتاب اور بڑھ جائے اہل ایمان کا ایمان اور نہ شک میں مبتلا ہوں

اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ وَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ۙ وَ لِیَقُوۡلَ الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ مَّرَضٌ

اہل کتاب اور مومن اور تاکہ کہنے لگیں جن کے دلوں میں روگ ہے

رسول کو ہدفِ تنقید و استہزا بنایا۔ اس لیے اس کی حکمت بتائی جا رہی ہے کہ جن کے دلوں میں کفر بھرا ہوا ہے اور وہ کسی مصلحت کے باعث ظاہر نہیں کر رہے تو وہ کفر بھی کھل کر سامنے آجائے۔ نیز یہ کہ اہل کتاب کو بھی یقین آجائے کہ واقعی یہ اللہ تعالیٰ کا رسول ہے اور اپنے رب کا فرمان ہی سنا رہا ہے۔ اور مسلمان تو پہلے ہی نور ایمان سے مشرف ہیں۔ وہ تو بے چون و چرا بصد انشراح صدر کے ساتھ اس عدد کو تسلیم کرلیں گے۔ اس طرح ان کے ایمان اور قوتِ ایمان دونوں میں اضافہ ہو جائے گا۔ مسلمانوں کے ایمان میں اضافہ کی بات تو واضح ہے لیکن اہل کتاب کو اس سے کیسے یقین آگیا اس کے بارے میں علما کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض کی رائے ہے کہ اہل کتاب کی کتب میں بھی ان کی یہی تعداد مذکور ہے۔ اس پر یہ شبہ کیا جاتا ہے کہ کتب اہل کتاب کی ورق گردانی کے باوجود یہ کہیں نہیں ملا کہ ان کے نزدیک بھی دوزخ کے داروغوں کی تعداد انیس ہے۔ اس بارے میں عرض ہے کہ اہل کتاب کی کتب میں تحریف و تبدیل کا سلسلہ مدتوں جاری رہا۔ ہو سکتا ہے یہ عدد کسی تحریف کی زد میں آگیا ہو اور آپ کو نہ ملا ہو۔ دوسرا شبہ یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ اگر انیس کا عدد ان کی کتب میں مل بھی جائے تو اس سے بھی ان کے یقین میں اضافہ کی کوئی صورت نہیں۔ وہ تو الٹا یہ کہہ دیں گے کہ آپ نے ہماری کتابوں سے نقل کیا ہے۔ اس کے لیے گزارش ہے کہ تمام اہل کتاب تو ہٹ دھرم اور متعصب نہیں۔ ان میں کئی حق پسند بھی تو ہوں گے۔ وہ تو یہ جانتے ہیں کہ اس نبی کریم نے عبرانی کتب کا مطالعہ تو کجا اپنی مادری زبان میں بھی ابجد شناسی تک نہیں سیکھی چہ جائیکہ وہ عبرانی کتب سے اخذ کر کے قرآن مرتب کرتے رہے ہوں۔ باقی رہے متعصب تو ایسے لوگوں کے حصہ میں ہدایت لکھی ہی نہیں ان کا کیا ذکر۔

بعض علما نے ان کے یقین میں اضافہ کی یہ توجیہ کی ہے کہ ان کے صحائف میں بھی ایسی چیزیں بکثرت موجود ہیں جن کا تعلق عالم آخرت سے ہے اور اس دنیا میں رہتے ہوئے ان کی کوئی تاویل نہیں کی جا سکتی۔ وہ لوگ بآسانی سمجھ سکتے ہیں کہ یہ عدد بھی عالم آخرت کے حقائق میں سے ایک حقیقت ہے۔ اگر اس کی صحیح سمجھ نہ آسکے کہ اتنے وسیع جہنم اور اتنی بے شمار مخلوق کی حفاظت کے لیے انیس فرشتے کیسے کافی ہو سکتے ہیں تو یہ کوئی ایسی بات نہیں جو صرف قرآن میں ہو اور ان کی کتابیں اس سے خالی ہوں۔

ایک تیسری توجیہ بھی کی گئی ہے کہ اہل کتاب نے دیکھا یہ تعداد سن کر کفار نے وہ اودھم مچایا کہ الامان والحفیظ۔ لیکن حضور نے ان کی اس مخالفت اور استہزا کو کوئی اہمیت نہ دی۔ اسی وثوق سے قرآن کا پیغام پہنچایا تو انہیں یقین آگیا کہ مخالفت کے طوفانوں میں حق بات کہنا اور کہتے رہنا

وَالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ

اور کفار کیا ارادہ کیا ہے اللہ نے اس بیان سے ۲۱ یونہی اللہ تعالیٰ (ایک ہی بات سے)

مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ؕ

گمراہ کر دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور ہدایت بخشتا ہے جس کو چاہتا ہے ۲۲ اور کوئی نہیں جانتا آپ کے رب کے لشکروں کو بجز اس کے ۲۳

وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ﴿۳۱﴾ كَلَّا وَالْقَمَرِ ﴿۳۲﴾ وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ﴿۳۳﴾

اور نہیں ہے یہ بیان مگر نصیحت لوگوں کے لیے۔ ہاں ہاں! چاند کی قسم ۲۴ اور رات کی قسم جب وہ پیٹھ پھیرنے لگے

ع ۱ / ۱۵

صرف پیغمبر کا حصہ ہے، عام آدمی کے بس کا روگ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۱۔ جن کے دلوں میں شک کا روگ ہے اور وہ جن کے دلوں میں کفر سمایا ہوا ہے وہ کہتے ہیں اس تعداد کو بیان نہ کیا جاتا تو کیا حرج تھا۔ اس کو ذکر کر کے حالات کو اور زیادہ پیچیدہ بنا دیا گیا ہے۔ اس قسم کی باتیں وہی لوگ کرتے ہیں جنہیں ایمان کا نور نصیب نہیں ہوتا۔

اس مرض سے مراد نفاق اصطلاحی نہیں جو مدینہ طیبہ میں نمودار ہوا بلکہ اس سے مراد شک ہے اور مکہ میں جہاں ایسے لوگ موجود تھے جو کفر اور کفریات پر دل سے یقین رکھتے تھے، وہاں ایسے لوگوں کی بھی کثیر تعداد موجود تھی جنہوں نے اگرچہ اسلام کو قبول نہیں کیا تھا لیکن اسلامی دعوت کے بارے میں وہ تردد میں مبتلا تھے۔ کبھی کہتے ایسا ممکن ہے، کبھی کہتے یہ غلط ہے۔ اس آیت کو محض اس لیے مدنی کہنا کہ اس میں مرض کا لفظ موجود ہے سراسر تکلف ہے۔

۲۲۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ جبراً کسی کو گمراہ کر دیتا ہے اور مجبور کر کے کسی کو ہدایت دے دیتا ہے ورنہ جواب دہی اعمال نیک و بد کی ذمہ داری، پھر ان پر ثواب و عقاب جو اسلام کے بنیادی ارکان ہیں سب منہدم ہو کر رہ جائیں گے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ عقل و فہم، غور و فکر کی جو صلاحیتیں اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا کی ہیں اس کے بعد اسے آزادی دی کہ چاہے تو وہ اسے نیکی کے لیے استعمال کرے چاہے تو گمراہی میں استعمال کرے۔ اگر کوئی شخص ان قوتوں کو ہدایت پذیری کے لیے خرچ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ہدایت بخش دیتا ہے ایسا کرنے والے کو جبراً گمراہی کے گڑھے میں پھینک نہیں دیا جاتا اور اگر وہ دانستہ سمجھ بوجھ کر گمراہی کو اختیار کرتا ہے تو قدرت اسے مجبور نہیں کرتی کہ چوہدری صاحب! ہدایت قبول فرما لیجیے۔

۲۳۔ اللہ تعالیٰ کے لشکروں کو اس کے بغیر کوئی جان نہیں سکتا۔ یہ بےچارا ابوجہل کیا جانے کہ خالق السموات والارض کے لشکروں کی تعداد کیا ہے۔

۲۴۔ اس کا معنی کیا گیا ہے حقاً والقمر۔ یعنی ہاں ہاں قمر کی قسم! اس وقت کلّا پر وقف نہ ہوگا اور اگر کلّا کو ان کے زعم باطل کے رد کرنے کے لیے ذکر کیا گیا ہو تو پھر کلّا پر وقف کریں گے معنی ہوگا کہ جیسے تم گمان کیے بیٹھے ہو کہ قیامت نہیں آئے گی جیسا کہ تمہارا خیال ہے

وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ ﴿۳۴﴾ اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ ﴿۳۵﴾ نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ ﴿۳۶﴾ لِمَنْ

اور صبح کی قسم جب روشن ہو جائے۔ یقیناً دوزخ بڑی آفتوں میں سے ایک آفت ہے ۲۵ ڈرانے والی ہے لوگوں کے لیے ۲۶ ان کے لیے

شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ ﴿۳۷﴾ كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ﴿۳۸﴾

جو تم میں سے آگے بڑھنا چاہتے ہیں یا پیچھے رہنا چاہتے ہیں ۲۷ ہر نفس اپنے عملوں میں گروی ہے ۲۸

اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ﴿۳۹﴾ فِيْ جَنّٰتٍ ۚ يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۴۰﴾ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۴۱﴾

سوائے اصحاب یمین کے ۲۹ جو جنتوں میں ہوں گے۔ اہل جنت پوچھیں گے مجرموں سے ۳۰

ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ چاند کی قسم! قیامت ضرور آئے گی۔

چاند کی قسم کے بعد رات کی قسم جب وہ پیٹھ پھیر رہی ہو۔ بعض اہل لغت نے دَبَرَ اور اَدْبَرَ کا ایک ہی معنی کیا ہے۔ لیکن بعض نے فرق کیا۔ جب رات پیٹھ پھیر رہی ہو اس کو اَدْبَرَ کہتے ہیں اور جب رات پیٹھ پھیر چکے یعنی گزر جائے تو دَبَرَ کہتے ہیں۔

۲۵ الکبر، جمع ہے کُبْرٰی کی جو اکبر کی تانیث ہے۔ اس کا مطلب ہے والکبر ھی العظائم من العقوبات۔ یعنی قیامت کا آنا بڑی آفتوں میں سے ایک بڑی آفت ہے۔

۲۶ یہاں صفت مشبہ نہیں تاکہ اس کا معنی ڈرانے والا ہو۔ بلکہ یہ مصدر ہے۔ قال الخلیل النذیر مصدر کالنکیر لذالک یوصف به المونث۔ خلیل نے کہا ہے کہ یہ نکیر کے وزن پر مصدر ہے۔ اس کا معنی ڈراوا ہے۔ ایسی چیز جس سے ڈرایا جاتا ہے۔ وقال الحسن ما انذر الخلائق بشیئ ادھی منھا۔ حسن بصری فرماتے ہیں انسان کے لیے اس سے بڑا ڈراوا اور کوئی نہیں ہے جس سے اس کو خوفزدہ کیا جائے۔

۲۷ اب تمہاری مرضی کہ تم میں سے کون نیکیوں کی طرف سبقت کرتا ہے اور کون برائیوں میں پھنس کر پیچھے رہ جاتا ہے۔

۲۸ آیت میں رَهِيْنَةٌ، رَهِيْنٌ کی تانیث نہیں ہے۔ کیونکہ نحو کا یہ قاعدہ ہے کہ جب فعیل، مفعول کے معنی میں ہو تو مذکر و مونث دونوں کے لیے رَهِيْن صفت آتی ہے۔ اگر یہ رَهِيْنٌ بمعنی مرهونٌ ہوتا تو یہاں اس کو مونث ذکر کرنے کی حاجت نہ ہوتی۔ بلکہ یہ شتیمة کی طرح مصدر ہے۔ اس کا معنی رہن، گروی۔ والمعنی کل نفس بما کسبت من السیئات بکفرھا محبوسة فی النار ابدا۔

۲۹ ان سے کون لوگ مراد ہیں اس بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ مومنین کے چھوٹے بچے، وہ لوگ جن کو ان کا نامۂ عمل دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور ایک پسندیدہ قول یہی ہے کہ وہ لوگ جو اپنے اعمال اور نیکیوں پر اعتماد نہیں کرتے بلکہ اپنے رب کے فضل و احسان پر چشم امید لگائے بیٹھے ہیں۔

۳۰ آیت میں یتساءلون کا معنی یسالون ہے، یعنی اہل جنت دوزخیوں سے پوچھیں گے تمہیں کس جرم کی پاداش میں جہنم کے دردناک عذاب میں مبتلا کیا گیا؟ وہ جواب دیں گے ہمارے وہ قصور تھے جن کے کارن یہ سزا بھگت رہے ہیں۔ (۱) اپنے رب کریم کو سجدہ نہیں کرتے

مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ ﴿٤٢﴾ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ﴿٤٣﴾ وَلَمْ نَكُ

کہ کس جرم نے تم کو دوزخ میں داخل کیا۔ وہ کہیں گے ہم نماز نہیں پڑھا کرتے تھے۔ اور مسکین کو

نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ ﴿٤٤﴾ وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ ﴿٤٥﴾ وَكُنَّا نُكَذِّبُ

کھانا بھی نہیں کھلایا کرتے تھے اور ہم بیہودہ سرائی کرنے والوں کے ساتھ بیہودہ سرائی میں لگے رہتے۔ اور ہم جھٹلایا کرتے تھے

بِيَوْمِ الدِّينِ ﴿٤٦﴾ حَتَّىٰ أَتَانَا الْيَقِينُ ﴿٤٧﴾ فَمَا تَنفَعُهُمْ شَفَاعَةُ

روزِ جزا کو۔ یہاں تک کہ ہمیں موت نے آلیا۔ پس انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچائے گی شفاعت کرنے

الشَّافِعِينَ ﴿٤٨﴾ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ ﴿٤٩﴾ كَأَنَّهُمْ

والوں کی شفاعت ۳۱؎ پس انہیں کیا ہو گیا ہے کہ وہ اس نصیحت سے روگرداں ہیں۔ گویا وہ

تھے۔ اکڑے اکڑے رہتے تھے۔ کبھی بھولے سے بھی یہ خیال نہیں آتا تھا کہ جس کریم کے کرم کے صدقے یہ زندگی عزت و آرام سے گزر رہی ہے اسے سجدہ بھی کرنا چاہیے اس کی عبادت بھی ضروری ہے اور دوسری غلطی ہم سے یہ ہوئی کہ خود تو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھایا کرتے لیکن غریبوں مسکینوں کی ضرورت کی طرف توجہ ہی نہ دیتے۔ وہ ہمارے پڑوس میں کئی کئی روز بھوکے بلکتے رہتے۔ ہم نے کبھی ان کی پروا تک نہ کی یہاں بھی آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ نماز جو تمام عبادتوں سے اعلیٰ و ارفع ہے اس کا تارک اور فقراء و مساکین کی ضروریاتِ زندگی سے غفلت برتنے والا یکساں عذاب و سزا کے مستحق ہیں۔ اسلام انسان کی معاشی ضروریات کی بہم رسانی کا کتنا خیال رکھتا ہے۔

۳۱؎ جس کی موت کفر پر ہوئی ہو اس کی کوئی شفاعت نہ کر سکے گا۔ کسی کو اس کی شفاعت کی اجازت ہی نہ ہوگی۔ شفاعت تو مومن گنہگار کے لیے ہے۔ اس موضوع پر کافی لکھا جا چکا ہے۔

علامہ ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں۔ وقد انعقد الاجماع علی جواز الشفاعۃ لکل مومن . . . . وانکر الشفاعۃ اھل الھواء من المعتزلۃ والخوارج وغیرھم قبحھم اللہ تعالیٰ۔ وقد تواترت فی ذالک الاحادیث تواتراً معنویاً۔ کہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ ہر مومن کے لیے شفاعت جائز ہے۔ البتہ معتزلہ، خوارج اور ان کے علاوہ دیگر اہل ہوا نے شفاعت کا انکار کیا ہے۔ خدا ان کو تباہ کرے۔ حالانکہ احادیثِ شفاعت اتنی کثرت سے ہیں کہ تواتر معنوی کو پہنچی ہوئی ہیں۔

اس کے بعد آپ نے متعدد احادیث ذکر کی ہیں۔ یہ حدیث زید بن ارقم اور تیرہ چودہ دیگر صحابہ سے مروی ہے۔ شفاعتی یوم القیامۃ حق فمن لم یومن بھا لم یکن من اھلھا۔ قیامت کے روز میری شفاعت حق ہے۔ جو شخص شفاعت پر اعتقاد نہیں رکھتا وہ شفاعت کا مستحق نہ ہو گا۔ (مظہری)

حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿۵۰﴾ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿۵۱﴾ بَلْ يُرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ

بھڑکے ہوئے جنگلی گدھے ہیں جو بھاگے جا رہے ہیں شیر سے ۳۲ بلکہ ان میں سے ہر شخص چاہتا ہے

مِّنْهُمْ أَنْ يُؤْتَىٰ صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿۵۲﴾ كَلَّا ۖ بَلْ لَا يَخَافُونَ الْآخِرَةَ ﴿۵۳﴾

کہ ان کو کھلے ہوئے صحیفے دیے جائیں ۳۳ ایسا ہرگز نہیں ہوگا، دراصل وہ آخرت سے ڈرتے ہی نہیں ۳۴

كَلَّا إِنَّهُ تَذْكِرَةٌ ﴿۵۴﴾ فَمَنْ شَاءَ ذَكَرَهُ ﴿۵۵﴾ وَمَا يَذْكُرُونَ إِلَّا أَنْ

ہاں ہاں یہ قرآن تو نصیحت ہے۔ پس جس کا جی چاہے نصیحت حاصل کرے اور وہ نصیحت قبول نہیں کریں گے بجز اس کے کہ

يَشَاءَ اللَّهُ ۚ هُوَ أَهْلُ التَّقْوَىٰ وَأَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿۵۶﴾

اللہ تعالیٰ چاہے ۳۵ وہی اس قابل ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور وہی بخشنے کے لائق ہے ۳۶

۳۲ ویسے تو ہر جانور کو قدرت نے ایسی حس دے رکھی ہے جو خطرے کو بھانپ لیتی ہے اور وہ حفاظتی تدبیر کر لیتا ہے لیکن ان تمام جانوروں میں گدھے کی شان نرالی ہے۔ جب یہ شیر کو دیکھ لیتا ہے یا اس کی بو سونگھ لیتا ہے تو بدحواس ہو جاتا ہے اور بدحواسی کی حالت میں بھاگ نکلتا ہے۔ قرآن کریم نے ان لوگوں کی مثال ایسے گدھے سے دی ہے جو شیر کی آہٹ پا کر دم دبا کر بھاگ نکلا ہو۔ حُمُر، حمار کی جمع ہے قال ابن عباس اراد الحمر الوحشیۃ، جنگلی گدھے۔ قَسْوَرَة شیر کو کہتے ہیں۔ ان تیر اندازوں کو بھی قسورہ کہا جاتا ہے جو شکار کھیلنے کے لیے نکلے ہوں۔ القسورۃ: الرماۃ والصیادون۔ یہ جمع ہے۔ اس کا واحد قَسْوَر ہے۔

۳۳ کفار مکہ اپنے ایمان لانے کے لیے کئی کئی شرائط پیش کرتے تھے۔ کبھی کہتے ہمارے ان صحراؤں میں سرسبز کھیت اور شاداب باغات لہلہانے لگیں، یہاں نہریں جاری ہو جائیں۔ کبھی کہتے آپ ہمارے سامنے آسمان پر چڑھیں اور ایک کتاب لے آئیں۔ بدنیت کے لیے بہانوں کی کمی نہیں ہوتی۔ ان کے احمقانہ مطالبات میں سے ایک مطالبہ یہاں ذکر کیا جا رہا ہے۔ وہ کہتے اس عمومی دعوت کو قبول کرنے کے لیے ہم تیار نہیں۔ اگر ہم سب رئیسوں اور سرداروں کے نام علیحدہ علیحدہ آسمان سے خط آجائیں جن میں ہمیں مسلمان ہونے کی دعوت دی گئی ہو تب ہم ایمان لانے کے بارے میں غور کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو کیا پروا کہ کوئی ایمان لائے یا نہ لائے۔ لوگوں کو اسلام کی ضرورت ہے اسلام کے بغیر وہ گمراہی کی تاریکی سے نہیں نکل سکتے۔ اس شمع جمال پر پروانوں کی کوئی کمی نہیں۔

۳۴ ان کے ان نامعقول مطالبات کی وجہ بتائی جا رہی ہے۔ ان کی اصل بیماری یہ ہے کہ ان کا آخرت پر ایمان نہیں۔ اس لیے یہ ایسی احمقانہ باتیں کر رہے ہیں۔ اگر انہیں یقین ہوتا کہ مرنے کے بعد انہیں پھر زندہ کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے انہیں پیش کیا جائے گا اور ان سے ان کے عقائد و اعمال کے بارے میں باز پرس ہوگی تو وہ کبھی ایسی باتیں نہ کرتے۔

۳۵۔ قرآن کریم تو پند و نصیحت ہے۔ یہ غافلوں کو خبردار کرنے کے لیے نازل ہوا ہے۔ ڈنڈے کے زور سے کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کرنا اس کا مقصد نہیں۔ جس کا جی چاہے اس سے نصیحت قبول کرے اور اپنی ابدی سعادت کا اہتمام کرے لیکن یہ سعادت اسی کو مل سکتی ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے نوازنا چاہے۔ محض علم، فہم اور تجربہ کافی نہیں۔

۳۶۔ آخر میں بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی وہ ذات ہے جو اس بات کی مستحق ہے کہ بندہ اس سے ڈرتا رہے۔ خلوت ہو یا جلوت ایسے کاموں سے احتراز کرے جن سے اس نے منع فرمایا ہے اور اس کے احکامات کو بجا لانے میں کسی حالت میں بھی غفلت نہ کرے اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ یہ بھی اسی کی شان ہے کہ جب کوئی بدکار اور روسیاہ اس کی بارگاہ میں معافی مانگنے کے لیے حاضر ہو تو اس کو معاف فرما دے۔ اس کی رحمت بے پایاں ہے۔ اس کی بخشش عام ہے۔ اس کی مغفرت کا دامن بڑا کشادہ ہے۔

○

اللهم انت اهل التقوىٰ واهل المغفرة وانت اكرم المسئولين ان توفقني ان اكون من عبادك المتقين وارجوك ان تغفرلي ولوالدي وللمومنين والمومنات انك انت الغفور الرحيم۔

اللهم صل من صلواتك اجملها وسلم من تسليماتك اكملها ومن تحياتك احسنها على حبيبك ونبيك وصفيك سيد الورىٰ سيدنا ومولٰنا محمد وعلى اٰله واصحابه ومن احبه واتبعه الى يوم الدين۔

فاطر السمٰوٰت والارض انت ولي في الدنيا والاٰخرة توفني مسلمًا والحقني بالصٰلحين۔

○

تعارف

سُورۃ القیامۃ

نام : اس سُورۃ کے دو نام مذکور ہیں۔ سورۃ "لَآ اُقْسِمُ" اور سُورۃ "القیامۃ" اس میں دو رکوع، چالیس آیتیں، ایک سو ننانوے کلمے اور چھ سو بانوے حروف ہیں۔

نزول : علماءِ کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ سورۃ مکہ مکرمہ میں نازل ہُوئی۔ اس کی آیات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تعلق مکی عہد کے ابتدائی دور سے ہے۔

مضامین : قیامت کے بارے میں کفار و مشرکین جن شکوک و شبہات میں بُری طرح گرفتار تھے کئی قسمیں کھا کر ان کا ازالہ کیا جا رہا ہے۔ فرمایا کہ جس چیز کو تم محال سمجھ رہے ہو ہمارے لیے وہ بالکل آسان ہے۔ اس کے بعد قیامت کے ہولناک احوال کا ذکر کیا گیا اور غافل انسانوں کی بے بسی اور بے کسی کی تصویر کھینچ دی گئی۔

ابتداء میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نزولِ وحی کے وقت بڑی مشقت محسوس فرماتے۔ اس بات کا احساس بے چین رکھتا کہ کہیں کوئی لفظ بھول نہ جائے۔ اس لیے جب جبرائیل امین کلام الٰہی کی وحی کرتے تو حضور جلدی جلدی ساتھ ساتھ اس کو دہراتے جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس خدشہ کو ہمیشہ کے لیے دُور کر دیا۔ فرمایا : اے حبیب ! وحی کو آپ کے لوحِ قلب پر ثبت کر دینا بھی ہماری ذمہ داری ہے۔ اس کے علاوہ اس کے معانی اور مطالب کا سمجھانا، اس کے اسرار و معارف پر آگاہی بخشنا بھی ہم نے اپنے ذمۂ کرم پر لیا ہوا ہے۔ آپ اس بارے میں ہرگز متفکر نہ ہوا کریں۔

اس اطمینان دہی کے بعد یہ بتایا کہ قیامت کے روز اللہ کے نیک بندے جب حاضر ہوں گے تو ان کے چہرے گلاب کے پھول کی طرح شگفتہ ہوں گے اُن کی مشتاق نگاہیں انوارِ الٰہی کے دیدار میں مستغرق ہوں گی۔ لیکن بدکار لوگ جب وہاں پکڑ کر لائے جائیں گے تو ان کے چہروں پر نحوست برس رہی ہوگی۔ خوف سے تھر تھر کانپ رہے ہوں گے۔ پھر ایسے لوگوں کی موت کا منظر پیش فرمایا۔ دُوسرے رکوع میں نام لیے بغیر مکہ کے ایک مغرور اور خود سر رئیس (غالباً وہ ابوجہل ہے) کے اطوار و احوال بیان فرمائے اور اس کو اس کے فطری انجام سے آگاہ کر دیا، تاکہ عبرت پکڑنے والے عبرت پکڑ سکیں۔

نیو ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا

۷۷ - ۴ - ۲۱

سُوْرَةُ الْقِيٰمَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ اَرْبَعُوْنَ اٰيَةً فِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورہ القیامۃ مکی ہے اس میں ۔ اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے ۔ چالیس آیات اور دو رکوع ہیں

لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۝۱ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۝۲ اَيَحْسَبُ

میں قسم کھاتا ہوں روز قیامت کی ۱ ۔ اور میں قسم کھاتا ہوں نفس لوامہ کی (کہ حشر ضرور ہوگا) ۲ ۔ کیا انسان یہ خیال

الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ۝۳ بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ

کرتا ہے کہ ہم ہرگز جمع نہ کریں گے اس کی ہڈیوں کو ۳ ۔ کیوں نہیں ہم اس پر بھی قادر ہیں کہ ہم اس کی انگلیوں کی پور پور درست

۱ ۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ ابو اللیث سمرقندی کا قول ہے اجمع المفسرون ان معنی لَآ اُقْسِمُ اُقْسِمُ ۔ سب مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ لَآ اُقْسِمُ کا معنی ہے میں قسم کھاتا ہوں لیکن لَا کی تفسیر میں اختلاف ہے ۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ لا زائدہ ہے اور کلام کو مزین و آراستہ کرنے کے لیے لایا گیا ہے ۔ اہل عرب کے ہاں یہ استعمال عام ہے ۔ بعض نے کہا کہ لا ان کے انکار قیامت کا رد ہے ۔ عرب جب کہتے ہیں لا واللہ لا افعل فلا رد لکلام قد مضی وفائدتها توکید القسم فی الرد ۔ یعنی لا سے پہلے کلام کا ابطال مقصود ہوتا ہے اور بعد میں قسم اٹھائی جاتی ہے اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ قسم مؤکد ہو جائے ۔

۲ ۔ دوسری قسم نفس لوامہ کی کھائی جا رہی ہے ۔ حسن بصری کے نزدیک نفس لوامہ مومن کا نفس ہے جو ہر وقت اپنی کوتاہیوں اور غلطیوں پر اپنے آپ کو ملامت کرتا رہتا ہے ۔ صوفیائے کرام کا ارشاد ہے کہ نفس سرکش کو نفس امارہ کہتے ہیں جو امارہ کا مبالغہ ہے کیونکہ وہ ہر وقت برے کاموں کا حکم کرتا رہتا ہے ۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کی یاد میں کوشاں ہو جاتا ہے تو مولا کریم کی خصوصی توجہ اور جذب سے اس پر اس کے اپنے عیوب و نقائص منکشف ہو جاتے ہیں ۔ اس پر وہ پشیمان ہوتا ہے اور اپنے آپ کو برا بھلا کہتا رہتا ہے ۔ اس نفس کو نفس لوامہ کہتے ہیں اور جب وہ ہر ماسوا سے قطع تعلق کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اس کا دل مطمئن ہو جاتا ہے تو اس کو نفس مطمئنہ کہتے ہیں ۔

یہاں دو قسمیں کھائی گئیں ۔ لیکن مقسم بہ مقدر ہے ۔ ای لَتُبْعَثُنَّ کہ تم ضرور دوبارہ زندہ کیے جاؤ گے ۔

۳ ۔ ہر وہ انسان جو قیامت پر یقین نہیں رکھتا اسی قسم کے وسوسوں میں پھنسا رہتا ہے ۔ وہ جب یہ سوچتا ہے کہ لوگوں کو مرے ہوئے سینکڑوں ہزاروں سال گزر چکے ہیں ان کی قبروں کے نشان تک ناپید ہیں ۔ ان کی ہڈیاں گل کر مٹی میں مل گئیں اور اس مٹی کے ذروں کو ہوا کے جھونکے صدہا بار الٹ پلٹ کر چکے اور کہیں کا کہیں اڑا کر پھینک آئے ۔ دشت و جبل کی پہنائیوں میں بکھرے ہوئے ان ذروں کا اکٹھا ہو جانا کیسے باور کر لیا جائے ۔ پھر کئی انسان تو ایسے تھے جو سمندر میں غرق ہوئے اور مچھلیوں کا نوالہ بن گئے ۔ کئی لاشوں کو گدھ اور دوسرے پرندے چٹ کر گئے کئی کو آگ نے جلا کر راکھ کر دیا ۔ ان سب کا جمع ہونا ۔ پھر ان کا پہلی حالت میں لوٹ کر دوبارہ انسان بن جانا قطعاً محال اور ناممکن ہے ۔ وہ اپنے فکر کے گھوڑے دوڑاتے اور آخر اسی نتیجہ پر پہنچتے کہ قیامت کا برپا ہونا محض گپ ہے ۔ اس کی کوئی حقیقت نہیں ۔

بَنَانَهٗ ﴿۴﴾ بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ ﴿۵﴾ يَسْـَٔلُ اَيَّانَ يَوْمُ

کردیں گے بلکہ انسان کی خواہش تو یہ ہے کہ آئندہ بھی بدکاریاں کرتا رہے ۳ (از راہِ تمسخر) وہ پوچھتا ہے قیامت کب

ہو سکتا ہے الانسان سے مراد کوئی خاص انسان ہو جیسے روایات میں مذکور ہے کہ اس سے عدی بن ربیعہ مراد ہے۔ وہ ایک دن حضور کے پاس آیا اور قیامت کے بارے میں پوچھنے لگا۔ حضورؐ نے اس کو بتایا قیامت ضرور ہوگی۔ ہر انسان کو اس کی نیکیوں کی پوری جزا اس دنیا میں نہیں مل سکتی اور نہ اس کو اس کی بدکاریوں کی پوری سزا یہاں ملتی ہے۔ انسان کے باشعور اور بااختیار ہونے کا یہ تقاضا ہے کہ ایسا دن آئے جب عدل کا ترازو رکھا جائے۔ ہر شخص کو اس کے اعمال کی پوری پوری جزا اور سزا ملے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابن ربیعہ کو پوری کوشش سے سمجھایا۔ آخر وہ کہنے لگا لو عاینت ذٰلک الیوم لم اصدقک یا محمد ولم اومن بہ۔ اگر میں قیامت کو برپا ہوتے اپنی آنکھوں سے دیکھ بھی لوں تب بھی میں آپ کی تصدیق نہیں کروں گا اور نہ اس پر ایمان لاؤں گا۔ بعض نے کہا ہے الانسان سے مراد ابوجہل ہے۔ بہرحال عدی ہو یا ابوجہل، ان کے یہ مخصوص نظریات نہ تھے بلکہ ان تمام لوگوں کے خیالات و نظریات کے نمائندے تھے جو قیامت کے منکر ہیں۔ ان منکرین سے ایک سوال کیا جا رہا ہے اور سوال ایسا ہے کہ اس کا جواب اسی میں مضمر ہے۔ یعنی اگر میرا یہ دعویٰ ہوتا کہ ان بوسیدہ ہڈیوں کو کوئی انسان جمع کرے گا تو تمہارا اعتراض بجا تھا۔ اگر میں یہ کہتا کہ منتشر ذرے خود بخود جمع ہو جائیں گے تب بھی تمہاری حیرت بجا تھی۔ میں نے تو یہ بات کہی ہی نہیں، میں نے تو تمہیں بار بار یہی بتایا ہے کہ اللہ جو خالق ارض و سما ہے، جس نے مٹی، پانی، ہوا کے اجزا کو ترتیب دیا اور تیرے جیسا پیکرِ ناز بنا کر پیدا کر دیا کیا وہ بھی ان بکھرے ہوئے ذروں کو جمع کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اس کا انکار تو وہ مشرک بھی نہیں کر سکتے جو اللہ تعالیٰ کو زمین و آسمان کا خالق مانتے ہیں۔

۲ تمہارے بڑے بڑے اعضا، اور ان میں جو ہڈیاں ہیں، ان کو بنانا تو بجائے خود، وہ تو ایسا قادرِ مطلق ہے کہ تمہارے ہاتھ پھر ان ہاتھوں کی چھوٹی چھوٹی انگلیاں اور پھر ان کے چھوٹے چھوٹے پوروں کو بھی جوڑ کر درست کر کے انہیں پہلی حالت پر لا سکتا ہے۔ بڑی چیزوں کو اپنی اصلی حالت پر لے آنا اس کے لیے کیونکر مشکل ہو سکتا ہے۔

۳ ان کی طبیعتیں قیامت پر ایمان لانے کی طرف کیوں مائل نہیں ہوتیں۔ ان کے دل اس سراسر حق بات کو قبول کرنے سے کیوں انکار کرتے ہیں، اس کی وجہ اس آیت میں ذکر کر دی کہ اصل بات یہ ہے کہ فسق و فجور، مے پرستی و رندی ان کے رگ و ریشہ میں سرایت کر چکی ہے۔ اپنے سے کمزوروں پر ظلم و ستم، لوٹ کھسوٹ کی انہیں ایسی لت پڑ چکی ہے کہ اب وہ اس سے باز آنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے۔ اگر یہ قیامت کے دن پر ایمان لے آئیں اور ان کے دلوں میں یہ یقین پیدا ہو جائے کہ ان کے سارے اعمال پر ان کا محاسبہ ہوگا تو ساغر و مینا کی کھنک، ساقی و شاہد کی عشوہ طرازیاں ختم ہو کر رہ جائیں، ان کی اخلاق باختگی اور بے راہروی جس میں ان کی ساری لذتیں اور عزتیں مرکوز ہیں سب ختم ہو جائیں۔ ہر قدم اٹھانے سے پہلے انہیں یہ دیکھنا پڑے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسا کرنے والے کا کیا حال ہے۔ یہ پابندیاں ان سے نہیں اٹھائی جاتیں، اس لیے وہ اس عقیدہ کے نزدیک بھی نہیں جاتے جو ان کی بزمِ نشاط کو الٹ کر رکھ دے جو ان کو کسی ضابطۂ اخلاق کا پابند بنا دے۔

الْقِيٰمَةِ ۝٦ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۝٧ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ۝٨ وَجُمِعَ الشَّمْسُ

آئے گی ؟ ‏ پھر جب آنکھ خیرہ ہو جائے گی ‏ اور چاند بے نور ہو جائے گا ‏ اور (بے نوری میں) سورج اور

وَالْقَمَرُ ۝٩ يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَىِٕذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ۝١٠ كَلَّا لَا وَزَرَ ۝١١

چاند یکساں ہو جائیں گے۔ (اس روز) انسان کہے گا کہ بھاگنے کی جگہ کہاں ہے ‏ ہرگز نہیں۔ وہاں کوئی پناہ گاہ نہیں۔

اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَىِٕذِ ۨالْمُسْتَقَرُّ ۝١٢ يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَىِٕذٍۢ بِمَا قَدَّمَ

صرف آپ کے رب کے پاس ہی اس روز ٹھکانا ہو گا۔ ‏ آگاہ کر دیا جائے گا انسان کو اس روز جو عمل اس نے پہلے بھیجے اور جو

وَاَخَّرَ ۝١٣ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ۝١٤ وَّلَوْ اَلْقٰى

(اثرات) وہ پیچھے چھوڑ آیا ‏ بلکہ انسان خود بھی اپنے نفس کے احوال پر نظر رکھتا ہے۔ ‏ خواہ وہ (زبان سے ہزار) بہانے

‏ یہ سوال بھی محض مذاق اڑانے کے لیے ہے جو ان کا معمول تھا۔

‏ قیامت کے ساتھ مذاق کرنے والوں کے سامنے قیامت کا ہولناک منظر پیش کیا جا رہا ہے۔ وہ معمولی دن نہیں ہو گا اس کی ہولناکیوں کو دیکھ کر دہشت اور خوف کے مارے آنکھیں چندھیا جائیں گی۔ بَرَقَ بفتح العین ہو تو اس کا معنی لَمَعَ تلالأ چمکا اور بَرِقَ (بکسر العین) ہو تو اس کا معنی دَهِشَ وتَحَيَّرَ وَلَمْ يَبْصُر۔ دہشت اور حیرت کے مارے اسے کچھ نظر نہ آیا۔

‏ جب قیامت برپا ہو گی تو ابتدائی مرحلوں میں یہ سارا نظام کائنات درہم برہم ہو جائے گا۔ یہ درخشندہ و تابندہ مہر و ماہ بے نور ہو جائیں گے۔ جُمِعَ کا مطلب یا تو یہ ہے کہ دونوں بے نور ہونے میں یکساں ہو جائیں گے اور یا اس کا یہ مطلب ہے کہ کشش کا قانون جو اس عالم میں کارفرما ہے اور نظام شمسی کے ثوابت و سیارات اپنے اپنے مقام پر پختگی کے ساتھ موجود ہیں یہ ختم ہو جائے گا اور چاند سورج کے ساتھ جا ملے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

‏ یہ انسان جو آج نخوت و غرور سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بات کو تسلیم نہیں کرتا جب قیامت برپا ہو گی تو اس وقت اس پر عیاں ہو گا کہ وہ آج تک راہ راست سے بھٹکا رہا ہے۔ وہ زور زور سے چلائے گا کہ کوئی پناہ کی جگہ ہو تو بتا دو۔ میں بھی جا کر پناہ لوں لیکن اس دن اسے کوئی پناہ نہیں ملے گی۔ الوزر في اللغة ما يلتجأ اليه من حصن او جبل او غيرهما (قرطبی) وہ قلعہ، پہاڑ یا غار جہاں انسان جا کر پناہ گزیں ہو سکے اسے لغت میں وزر کہتے ہیں۔ الْمُسْتَقَرُّ: الْمُنْتَهٰى آخر کار ٹھہرنے کی جگہ۔

‏ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ کی بہترین تفسیر وہ ہے جو ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔ اي بما اسلف من عمل سيئ او صالح او اخر من سنة سيئة او صالحة يعمل بها بعده (قرطبی) یعنی جو برا یا نیک کام اس نے اپنے سے پہلے بھیجا ہے

معاذیرہ ۱۵ لا تحرک بہ لسانک لتعجل بہ ۱۶ ان علینا جمعہ

بنا کر پیش کرے ۱۶ اے حبیب! آپ حرکت نہ دیں اپنی زبان کو اس کے ساتھ تاکہ آپ جلدی یاد کر لیں اس کو ۱۶ بلاشبہ ہمارے ذمہ ہے اس کو سینہ مبارک میں جمع کرنا

اور اَخَّرَ سے مراد وہ بُرا یا اچھا طریقہ ہے جو وہ اپنے پیچھے چھوڑ آیا اور جس پر لوگ عمل کرتے رہے۔ اَخَّرَ سے مراد بعض نے یہ لیا ہے کہ ایسے کام جن کا فیض جاری رہے۔ اس کے مرنے کے بعد بھی ان کاموں کا اجر اسے ملتا رہے گا۔ عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سبع یجری اجرھن للعبد بعد موتہ وھو فی قبرہ من علم علما او اجری نھرا او حفر بئرا او غرس نخلا او بنی مسجدا او ورث مصحفا او ترک ولدا یستغفر لہ بعد موتہ۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا سات کام ایسے ہیں جن کا اجر بندے کو اس کے مرنے کے بعد بھی ملتا رہے گا در آں حالیکہ وہ اپنی قبر میں ہوگا: (۱) جس نے علم پڑھایا (۲) جس نے کوئی نہر جاری کی۔ (۳) جس نے کنواں کھدوایا (۴) جس نے درخت لگایا (۵) جس نے مسجد بنوائی (۶) یا قرآن مجید پیچھے چھوڑا (۷) یا ایسی اولاد چھوڑی جو اس کے مرنے کے بعد اس کے لیے مغفرت طلب کرتی رہی۔

۱۵ بصیرۃ: کا معنی ہے شاہد، گواہ۔ معاذیر: اگر معذار کی جمع ہو تو اس کا معنی ہوگا پردے اور اگر یہ عذر سے ماخوذ ہو تو پھر اس کا معنی ہوگا حیلہ بہانہ۔ ان دو آیتوں میں ایک راز سے پردہ اٹھایا جا رہا ہے کہ انسان جو برائیاں کرتا ہے ان کا اسے بخوبی علم ہوتا ہے۔ دنیا کے سامنے اپنی راست گفتاری، راست روی، خلوص اور دیانت داری کو ثابت کرنے کے لیے وہ لاکھ پاپڑ بیلے، ہزاروں جتن کرے۔ ممکن ہے لوگ اس کی بات کو سچا مان بھی لیں، ممکن ہے عدالت بھی اس کی حیلہ سازیوں کے باعث اسے بری قرار دے۔ لیکن کیا وہ اپنے ضمیر کے سامنے بھی اپنے آپ کو بے گناہ اور معصوم ثابت کر سکتا ہے۔ اس کا شعور تو اس وقت بھی اسے لعن طعن کر رہا ہوتا ہے جب وہ اپنے جھوٹے تقدس کا بھرم رکھنے کے لیے جھوٹ کے پل باندھ رہا ہوتا ہے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ اس کا ضمیر مطمئن ہو کہ اس نے کوئی جرم نہیں کیا، اس کا دامن کسی آلودگی سے میلا نہیں۔ اگر یوسف صدیق علیہ السلام کی طرح تیرا دامن پاک ہے تو پھر سارا مصر یک زبان ہو کر تجھ پر الزام لگاتا رہے تیری نیند میں خلل نہ ہوگا تیرے دل کی دنیا میں اطمینان کا نور برس رہا ہوگا۔ لیکن اگر ساری دنیا تجھے پاکباز کہتی ہو اور تیرا دل تجھے خائن گردانتا ہو پھر تجھے سکون اور اطمینان نصیب نہیں ہو سکتا۔ یہاں قیامت کا ذکر ہو رہا ہے کہ اس روز انسان کو اس کے اعمال نیک و بد سے پوری طرح آگاہ کر دیا جائے گا۔ تاکہ عدل و انصاف کے ظاہری ضابطے بھی پورے ہو جائیں ورنہ ہر انسان پر اس کے اعمال آشکارا ہیں۔ لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے ہزار حیلے بہانے تراشا کرے اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔

۱۶ نبوت کی نازک اور گراں ذمہ داریوں کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو از حد احساس تھا۔ جب وحی نازل ہوتی تو حضور پوری طرح متوجہ ہوتے اور جبرئیل امین جونہی اللہ تعالیٰ کے کلام کی قرأت شروع کرتے حضور بھی اسے جلدی جلدی سے تلاوت کرتے، مبادا کوئی لفظ رہ جائے۔ بیک وقت تین کام۔ سراپا توجہ بن کر سننا، پھر اسی وقت اس کی تلاوت کرنا اور اس کے مفہوم کو سمجھنا بڑا دقت طلب اور تکلیف دہ کام تھا۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب کی یہ تکلیف گوارا نہ ہوئی۔ اس زحمت سے بچانے کے لیے یہ آیات نازل فرمائیں۔

اس سیاق و سباق میں یہ آیات شاید کسی کو بے ربط معلوم ہوں۔ لیکن حقیقت یہ نہیں رہی وہ مقام ہے جہاں انہیں ہونا چاہیے حضور

اعضا اس میں پیدا ہوئے ان میں جو جو توانائیاں مخفی رکھی گئیں پھر انسان کو کامل الاعضا بنا کر اس تاریک کوٹھڑی سے نکالا اور اس رزم گاہ حیات میں کھڑا کر دیا۔ پھر کسی میں باپ بننے کی اور کسی میں ماں بننے کی صلاحیتیں رکھ دیں۔ وہ قوتیں جو قدرت کے غیر مرئی ہاتھوں نے اس بچے میں ودیعت کی تھیں وہ اس دنیا میں آکر پروان چڑھنے لگیں اور انسان اپنی پیہم کوششوں کے باعث آج چاند کی سطح پر اپنی فتمندی کے پرچم گاڑ رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ جس کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کا شاہکار خود حضرت انسان ہے کیا اتنی قدرت والا خدا اس بات پر قدرت نہیں رکھتا کہ مُردوں کو از سر نو زندہ کر دے۔

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ بَلٰى

اے اللہ! تو ہر نقص اور کمزوری سے پاک ہے۔ تو مُردوں کو دوبارہ زندہ کرنے کی پوری قدرت رکھتا ہے۔
الٰہی! ہمارے مُردہ دلوں کو بھی زندہ فرما دے۔ الٰہی! ہمارے سینوں میں اپنے ذکر کی شمع روشن کر دے۔ اللّٰهم اعنا علی ذكرك وشكرك وحسن عبادتك۔ وصل وسلم وبارك علی شمس الضحی بدر الدجی سيدنا ومولانا محمد المصطفی وآله الكرماء واصحابه الاتقياء ومن احبه واتبعه الی يوم القيام۔

○

تعارف

سُورۃ الدّھر

نام : اس کو سورۂ دہر، اور سورۂ "الانسان" کے ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس کے اور نام بھی ہیں لیکن وہ زیادہ مشہور نہیں۔ یہ دو رکوعوں اکتیس آیتوں، دو صد چالیس کلموں اور ایک ہزار چوّن حروف پر مشتمل ہے۔

نزول : اس کے متعلق علماء میں شدید اختلاف ہے۔ 'بحر المحیط' میں ہے کہ یہ جمہور کے نزدیک مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی، مجاہد اور قتادہ کہتے ہیں کہ یہ مدنی ہے۔ حضرت حسن بصری، عکرمہ اور کلبی کی رائے ہے کہ یہ سورت مدنی ہے سوائے آیت ۲۴ کے کہ وہ مکی ہے۔ (روح المعانی)

مضامین : انسان جو آج اپنے بازو کی قوت، ساز و سامان اور مال و دولت پر نازاں ہے اور اپنے خالق کو بھول بیٹھا ہے اُسے بتایا جارہا ہے کہ تو ہمیشہ سے ایسا نہ تھا بلکہ تجھے نیست سے ہست کیا گیا ہے اور تمہیں ہوش و گوش کی جو قوتیں عطا کی گئی ہیں ان کا مقصد تمہاری آزمائش ہے کہ کیا تم اللہ کے شکر گزار بندے بننا چاہتے ہو یا کفرانِ نعمت کر کے نافرمانوں کے گروہ میں شامل ہونا چاہتے ہو۔ پھر اُن انعامات کا ذکر فرمایا جو شکر گزار بندوں پر کیے جائیں گے۔

وہ دَور خود بینی اور خود غرضی کا دَور تھا۔ دُوسروں کی خستہ حالی کو دیکھ کر رحمت و شفقت کے بجائے نفرت و حقارت کے جذبات اُمڈ آیا کرتے تھے۔ ایسے زمانے میں اُن لوگوں کی توصیف فرمائی جارہی ہے جو مسکینوں، یتیموں اور اسیروں کو محض اللہ کی رضا کے لیے کھانا کھلایا کرتے تھے۔ پھر اُن نوازشات کا ذکر فرمایا جن سے ایسے لوگوں کو نوازا جائے گا۔ آخری رکوع میں پھر اپنے محبوب کو بتا دیا کہ یہ کتاب مقدس ہم نے آپ پر نازل فرمائی ہے۔ اس کی تبلیغ میں جو تکلیف آئے اس پر صبر کیجیے اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہیے تاکہ رُوحانی قوتیں نشوونما پائیں اور حوصلے بلند رہیں۔

اس کے بعد دُنیا پرستوں کے حالات بیان کیے اور اُن کی کوتاہ نظری پر انہیں تنبیہ کی کہ وہ فانی زندگی کی لذتوں میں مگن رہے اور آخرت کی اَبدی راحتوں کو اُنھوں نے پس پُشت ڈال دیا ہے۔ آخر میں بتایا کہ یہ کتاب پند و موعظت ہے اب جس کی مرضی ہے وہ اس کی نصیحتوں پر عمل کرے۔

نیو ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا

۲۱-۴-۷۷

سورۃ الدھر مکیۃ وھی اِحدیٰ وثلثون اٰیۃ وفیھا رکوعان ۔ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

سورۃ الدہر مکی ہے اس میں اکتیس آیات اور دو رکوع ہیں ۔ اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

هَلۡ اَتٰى عَلَى الۡاِنۡسَانِ حِيۡنٌ مِّنَ الدَّهۡرِ لَمۡ يَكُنۡ شَيۡـئًا مَّذۡكُوۡرًا ①

بے شک گزرا ہے انسان پر زمانہ میں ایک ایسا وقت جبکہ یہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا [1]

اِنَّا خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ نُّطۡفَةٍ اَمۡشَاجٍ ۖ نَّبۡتَلِيۡهِ فَجَعَلۡنٰهُ سَمِيۡعًا

بلاشبہ ہم ہی نے انسان کو پیدا فرمایا ایک مخلوط نطفہ سے [2] تاکہ ہم اس کو آزمائیں [3] پس (اس غرض سے) ہم نے بنا دیا

[1] یہاں هَلۡ استفہام کے لیے نہیں بلکہ بمعنی قَدۡ ہے۔ یعنی ضرور انسان پر ایک ایسا وقت گزرا ہے جبکہ یہ قابل ذکر چیز نہ تھا۔
حین: الزمان المطلق۔ مطلق زمانہ طویل ہو یا مختصر۔ الدھر: فی الاصل اسم لمدۃ العالم من مبدأ وجودہ الی انقضاءہ۔ وجود عالم کی ابتداء سے لے کر انتہا تک کے عرصہ کو دھر کہتے ہیں۔ (لسان العرب)
ان الفاظ کا مفہوم سمجھ لینے کے بعد اب آیت کا معنی سمجھیے۔ ارشاد ہے کہ دنیا کی لمبی عمر میں ایک وقت ہر شخص پر ایسا گزرا ہے جبکہ وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔ پیدا ہونے سے پہلے تو ویسے ہی معدوم تھا۔ اس کے ذکر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جب رحم مادر میں اس نے قرار پکڑا تب بھی کسی کو کیا خبر تھی کہ اس صدف میں کس نوعیت، کس آب وتاب اور کس قدر و قیمت کا موتی پرورش پا رہا ہے اور جب وہ پیدا ہوا تو کمزور سا بچہ۔ نہ چل سکے نہ بول سکے۔ بہرحال ہر شخص پر کوئی نہ کوئی ایسا دور گزر چکا ہے جبکہ یہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔ آج اگر وہ شہریار و تاجدار بن گیا ہے، آج اگر وہ لشکر جرار کا سپہ سالار ہے، آج اگر دولت و ثروت کے انبار اس کے قدموں میں لگے ہیں تو اس کو مغرور ہو کر اپنے پروردگار کو فراموش نہیں کر دینا چاہیے بلکہ ہر لحظہ اپنی اصلیت پر نگاہ رکھنی چاہیے۔

[2] اب اس کی پیدائش کی حقیقت بیان کی جا رہی ہے۔ آیت میں غور کرنے سے پہلے دو لفظوں کی تشریح سمجھ لیں۔ نُطۡفَة: الماء القلیل یبقی فی الدلو۔ وقیل ھی الماء الصافی۔ (لسان العرب) وہ پانی کے چند قطرے جو ڈول میں رہ جاتے ہیں۔ صاف ستھرے پانی کو بھی نطفہ کہتے ہیں۔ مرد کے مادہ منویہ پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے اور یہاں یہی معنی مراد ہے۔ اَمۡشَاج: یہ جمع ہے۔ اس کا واحد مَشِیۡج ہے جیسے یتیم کی جمع ایتام۔ ابن سیدہ کہتے ہیں کہ مرد و عورت کے پانی کے خلط ملط ہونے کو مشیج کہتے ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ مرد کا پانی جو عورت کے پانی کے ساتھ مل جاتا ہے اسے مشیج کہا جاتا ہے۔ ابن سکیت کہتے ہیں الامشاج: الاخلاط یرید اختلاط النطفۃ لانھا ممتزجۃ من انواع ولذالک یولد الانسان ذا طبائع مختلفۃ۔ (لسان العرب) امشاج ان عناصر کو کہتے ہیں جن سے نطفہ کا قوام تیار ہوتا ہے کیونکہ یہ مختلف انواع سے مرتب ہوتا ہے۔ عناصر کے اسی تنوع کے باعث انسان کی طبائع میں اختلاف اور صلاحیتوں میں تفاوت ہوتا ہے۔
"نطفہ" واحد ہے۔ اس کی صفت بھی واحد ہی آنی چاہیے تھی۔ اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ امشاج جمع نہیں واحد ہے اور جو اسے

بَصِيرًا ۝ إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا ۝ إِنَّا أَعْتَدْنَا

ہے اس کو سننے والا دیکھنے والا۴ ہم نے اسے دکھایا ہے (اپنا) راستہ۵ اب چاہے شکر گزار بنے چاہے احسان فراموش۶ بے شک ہم نے بالکل

لِلْكَافِرِينَ سَلَاسِلَا وَأَغْلَالًا وَسَعِيرًا ۝ إِنَّ الْأَبْرَارَ يَشْرَبُونَ مِنْ

تیار کر رکھی ہیں کفار کے لیے زنجیریں، طوق اور بھڑکتی آگ۷ بے شک نیک لوگ پئیں گے (شراب کے) ایسے

كَأْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُورًا ۝ عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللَّهِ يُفَجِّرُونَهَا

جام جن میں آب کافور کی آمیزش ہو گی۸ (کافور) ایک چشمہ ہے جس سے اللہ کے (وہ) خاص بندے پئیں گے اور جہاں چاہیں گے

مشیج کی جمع کہتے ہیں جیسے اوپر ذکر ہو چکا ہے، وہ اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ نطفہ اگرچہ واحد ہے لیکن یہ متعدد عناصر سے مرکب ہے اس لیے اس کے اجزا کا اعتبار کرتے ہوئے صفت جمع ذکر کر دی گئی۔

۳ فرمایا جا رہا ہے کہ ہم نے انسان کو گوناگوں خوبیوں اور قوتوں سے آراستہ کر کے اس لیے پیدا کیا ہے کہ ہم اسے آزمائیں کہ آیا وہ ہمیں پہچانتا ہے یا نہیں، پہچان کر ہماری نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے یا نہیں۔ ای نختبرہ۔ (قرطبی) مبتلیہ کا دوسرا مفہوم یہ بتایا گیا ہے کہ ہم اسے اوامر و نواہی کا مکلف کر سکیں۔ عقل، ارادہ اور اختیار کی جو قوتیں اسے دی گئی ہیں ان کا مقصد یہ ہے کہ وہ احکام شرعی کا بوجھ اٹھا سکے۔

۴ اسی لیے ہم نے اسے مشاہدہ اور فہم کی قوتیں بخشی ہیں۔ سمیعا، صرف سننے والا نہیں بلکہ دعوت حق کو سننے والا۔ بصیرا، صرف دیکھنے والا نہیں بلکہ قدرت حق کو دیکھنے والا۔ ہم نے اپنے فضل و کرم سے اس کو یہ صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں۔ اب اس کی مرضی کہ وہ ان سے کام لیتا ہے یا انہیں بیکار چھوڑے رکھتا ہے۔

۵ ہم نے اپنے انبیاء کے ذریعے اپنی کتابوں کے ذریعے اسے بتا دیا کہ یہ سیدھی راہ ہے اور یہ ٹیڑھی راہ ہے، یہ ہدایت ہے یہ گمراہی ہے۔

۶ ہم نے اسے ہر قسم کی صلاحیتیں بھی بخشیں، پیغمبروں کے ذریعے حق و باطل کی پہچان کرا دی، اس کے بعد ارادہ اور عمل کی آزادی بھی عطا فرمائی تاکہ ہم دیکھیں کہ یہ کیسا بندہ ثابت ہوتا ہے۔ شکر کرنے والا، ہمیں یاد کرنے والا، ہمارے احکام کی تعمیل کرنے والا یا احسانات و انعامات پر ناشکری کرنے والا، بتوں اور پتھروں کو ہمارا شریک بنانے والا، نفس امارہ کے ہاتھ اپنی باگ ڈور دے کر فسق و فجور کے گرداب میں غلطاں و پیچاں رہنے والا۔

۷ اگر اس نے دوسری روش اختیار کی اور کفر و انکار کا علمبردار بنا رہا تو وہ آج ہی کان کھول کر سن لے اس کے لیے وہ آتشیں زنجیریں ہیں جن میں اس کو جکڑا جائے گا، وہ آتشیں طوق جو اس کے گلے میں ڈالے جائیں گے اور وہ بھڑکتی ہوئی آگ جس میں اسے جھونک دیا جائے گا ہر چیز بالکل تیار ہے۔ جب یہ صاحب وہاں پہنچیں گے تو انہیں ایک لمحہ بھی انتظار نہ کرنا پڑے گا۔ دوزخ کے داروغے فوراً طوق و سلاسل لے کر حاضر ہو جائیں گے۔

۸ ابرار کے ساتھ جو ذرہ نوازی کا برتاؤ کیا جائے گا اس کا ذکر ہو رہا ہے۔ چند الفاظ کی تشریح پہلے سن لیں۔ الابرار: جمع ہے اس کا واحد بَرّ ہے جو بِرّ سے ماخوذ ہے۔ بِرّ نیکی کرنے اور صدقہ و احسان کو کہتے ہیں۔ بعض نے ابرار کا واحد بَارّ بتایا ہے لیکن بَارّ کی جمع

تَفْجِيْرًا ۝ يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ۝

لے جا کر لے جائیں گے ؎ جو پوری کرتے ہیں اپنی منتیں ؎ اور ڈرتے ہیں اس دن سے جس کا شر ہر سو پھیلا ہوگا ؎

نیز دہ ہوتی ہے۔ بڑ اس کو کہتے ہیں جو اپنی زندگی اپنے رب کی فرمانبرداری میں گزار دے۔ ہو من امتثل امر اللہ۔ یعنی مومن صادق۔ کاس: اس پیالے کو کہتے ہیں جس میں شراب بھری ہو۔ لا تسمی الکاس کاسا الا وفیہا الشراب۔ (صحاح)

مزاج: ملاوٹ، آمیزش۔ کافور: اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس میں کافور ملا ہوگا بلکہ خود تصریح فرما دی کہ کافور جنت کے ایک چشمہ کا نام ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہو سکتی ہے کہ کافور کی طرح اس چشمہ کے پانی کی رنگت سفید براق ہوگی۔ اس کی تاثیر ٹھنڈی ہوگی اور اس سے کافور کی مہک آ رہی ہوگی۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے نیک بندے جنت میں تشریف فرما ہوں گے تو انہیں شراب طہور کے جام بھر بھر کر پلائے جائیں گے اور اس میں جو پانی ملایا جائے گا وہ اس چشمہ کا ہوگا جس کی رنگت خوشبو اور خنکی کافور کی مانند ہوگی۔

؎ ایسا نہیں ہوگا کہ اہل جنت کو جب پانی کی ضرورت ہو تو اپنے بالاخانوں سے نیچے اتریں۔ انہیں مشکیزہ یا گھڑے میں بھر کر لانے کی زحمت ہو بلکہ جدھر وہ اشارہ کریں گے اس چشمہ کا پانی اس طرف بہتا چلا جائے گا۔ بلندی و پستی یا کوئی گڑھا اور وادی اس پانی کے رواں ہونے میں رکاوٹ نہیں بنے گی۔

؎ ابرار کو جن اعمال حسنہ اور اخلاق حمیدہ کے باعث ان نوازشات سے مالا مال کیا جا رہا ہے اب تفصیل سے ان کا بیان ہو رہا ہے۔ فرمایا ایک تو ان کا یہ معمول تھا کہ جو نذر مانتے تھے اس کو پورا کیا کرتے تھے۔ النذر کی تشریح کرتے ہوئے فقہائے کرام کہتے ہیں۔ النذر ھو ایجاب المکلف علی نفسہ من الطاعات مالم یوجبہ لم یلزمہ۔ یعنی کسی مُکلّف (عاقل بالغ مومن) کا اپنے اُوپر کسی ایسی نیکی اور عبادت کو واجب کر لینا کہ اگر وہ خود اسے اپنے اوپر لازم نہ کرے تو یہ اس پر لازم نہ ہو۔ اس کی تفصیل بحث کا یہ مقام نہیں۔ اس کے لیے کتب فقہ کی طرف رجوع فرمائیں۔ قتادہ نے النذر کا ایک اور مفہوم بھی بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ بما فرض اللہ علیہم من الصلوٰۃ والزکاۃ والصوم والحج والعمرۃ وغیرھا من الواجبات۔ یعنی نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، عمرہ اور ان کے علاوہ دیگر واجبات کو وہ پابندی سے ادا کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہوا کہ جو عبادتیں اللہ تعالیٰ نے ان پر فرض کی ہیں، ان کی ادائگی میں بھی سستی نہیں کرتے اور جن نیکیوں اور طاعتوں کو خود اپنے اوپر لازم کر لیا ہے ان کو بھی پابندی سے بجا لاتے ہیں۔

؎ ان کی دوسری خوبی یہ ہے کہ ہر وقت قیامت سے خائف رہتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ یہ دن ضرور آئے گا۔ اس کی سنگینیں اور ہولناکیاں چار سو پھیل جائیں گی۔ دُور دُور تک کہیں گوشۂ عافیت نظر نہیں آئے گا۔

مُستطیرًا: فاشیا وھو فی اللغۃ ممتدا۔ (قرطبی)

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ﴿۸﴾ اِنَّمَا

اور جو کھانا کھلاتے ہیں ۱۲؎ اللہ کی محبت میں ۱۳؎ مسکین، یتیم اور قیدی کو۔ اور کہتے ہیں ہم

۱۲؎ ان کی تیسری خوبی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے باعث اس کی حاجت مند مخلوق کی ضرورتوں کو اپنی ضرورتوں پر فوقیت دیتے ہیں۔ حاجت مندوں کی فہرست اگرچہ طویل ہے۔ ان میں سے تین اہم اقسام کا ذکر کر دیا۔ اگر کوئی بھوکا، کوئی یتیم یا کوئی قیدی ان کے دروازے پر آ کر دستک دے تو وہ اسے دھتکارتے نہیں بلکہ اس کو کھانا کھلا کر رخصت کرتے ہیں۔

مکہ کے مادہ پرستانہ ماحول میں اس قسم کے فقراء پر جو گزرتی ہو گی وہ کسی سے مخفی نہیں۔ غریبوں اور مسکینوں سے ان کی نفرت اظہر من الشمس تھی۔ حضور کے پاس اگر غریب لوگ بیٹھے ہوئے ہوتے تو مشرکین اس محفل میں بیٹھنا اپنے لیے باعث ہتک سمجھتے۔ جو لوگ اس قسم کے غرباء و فقراء پر احسان کیا کرتے اللہ تعالیٰ ان کی عزت افزائی کر رہے ہیں تاکہ دوسرے لوگوں کے دلوں میں بھی ان کے نقش قدم پر چلنے کا شوق پیدا ہو تاکہ اسلامی معاشرہ میں کوئی مسکین، کوئی یتیم اور کوئی اسیر ایسا نہ ہو جو رات کو بھوکا سوئے۔

بعض مفسرین نے ایک واقعہ کو ان آیات کی شان نزول بتایا ہے جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

ایک دفعہ حضرات حسنین کریمین بیمار ہو گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور دیگر صحابہ عیادت کے لیے گئے۔ کسی نے یہ تجویز پیش کی اے علی! آپ نذر کیوں نہیں مانتے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ان بچوں کو صحت دی تو آپ نذر کو پورا کریں گے۔ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے تین روزے رکھنے کی منت مانی۔ اسی طرح حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا اور آپ کی کنیز فضہ نے بھی تین تین روزے رکھنے کی نذر مانی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرات حسنین کو شفا بخشی۔ اب نذر کے ایفا کا وقت آ گیا۔ کاشانۂ حیدری میں روزہ کے افطار کے لیے بھی کوئی چیز نہ تھی۔ چنانچہ آپ شمعون یہودی کے پاس تشریف لے گئے اور تین صاع جو بطور قرض یا بعوض اجرت لے آئے۔ صبح کو سب نے روزہ رکھا۔ حضرت سیدہ نے ایک صاع جو پیسے اور اس کی پانچ روٹیاں پکائیں۔ شام کی نماز کے بعد حضرت علی واپس تشریف لائے تو سب اہل خانہ کھانا تناول کرنے کے لیے بیٹھے۔ اچانک کسی نے دروازے پر دستک دی اور کہا میں مسکین ہوں بھوکا ہوں۔ آپ نے سب روٹیاں اٹھا کر اسے دے دیں اور خود سادہ پانی پی کر سو گئے۔ دوسرے روز افطار کے بعد کھانا کھانے بیٹھے تو دروازے پر پھر دستک ہوئی۔ آواز آئی یتیم ہوں بھوکا ہوں۔ پھر پانچوں روٹیاں اٹھا کر اسے دے دی گئیں۔ تیسرے روز پھر روزہ رکھا گیا۔ جب کھانا کھانے بیٹھے تو ایک سائل نے آواز دی اسیر ہوں بھوکا ہوں۔ چنانچہ سارا کھانا اس کو دے دیا گیا۔ تین دن اور تین رات کے مسلسل فاقے سے بچوں کی کمزوری کی یہ حالت ہو گئی کہ چوزوں کی طرح کانپ رہے تھے۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ انہیں لے کر بارگاہ رسالت پناہ میں حاضر ہوئے۔ حضور سب کو لے کر حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے۔ دیکھا کہ فرط نقاہت سے حضرت سیدہ بھی ایک کونے میں سمٹی پڑی ہیں۔ حضور سخت پریشان ہوئے۔ اس وقت جبریل سورہ الدہر کی یہ آیات لے کر نازل ہوئے۔

لیکن اہل تحقیق نے اس روایت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ روایت اور درایت دونوں اعتبار سے یہ درست نہیں۔ علامہ قرطبی نے بڑی تفصیل سے اس پر جرح و تنقید کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر ایک فقیر آیا تھا تو اسے ایک روٹی دے دی جاتی اور باقی چار روٹیاں پانچوں حضرات کھا لیتے۔ اس طرح دوسرے دن، تیسرے دن ایک سائل کو پانچوں روٹیاں دے دینے میں کوئی معقولیت نظر نہیں

نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۝ اِنَّا نَخَافُ

تمہیں کھلاتے ہیں اللہ کی رضا کے لیے نہ ہم تم سے کسی اجر کے خواہاں ہیں اور نہ شکریہ کے۔ ہم ڈرتے ہیں

مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ۝ فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ

اپنے رب سے اس دن کے لیے جو بڑا ترش (اور) سخت ہے [13] پس بچائے گا انہیں اللہ تعالیٰ اس دن کے شر سے

آتی۔ نیز معصوم بچے ویسے ہی مکلف نہیں اور بحالیکہ ابھی ابھی وہ بیماری سے شفایاب ہوئے ہیں ان کو لگاتار تین دن تک روزہ رکھنے کی اجازت دینا شرعاً جائز نہیں۔ حضرت سیدنا علیؓ اس کو کیسے روا رکھ سکتے تھے۔ تیسرا یہ کہ اسلام نے جنگی قیدیوں کی خاطر تواضع کا حکم دیا ہے۔ ان کے کھانے پینے اور آرام کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے۔ عہد جاہلیت کے قیدیوں کی طرح انہیں بھیک مانگ کر پیٹ بھرنے کی اجازت نہیں دی جاتی تھی۔ اس لیے قرطبی لکھتے ہیں فھذا حدیث مزوق مزیف۔ یہ حدیث من گھڑت اور ضعیف ہے۔

علامہ پانی پتی لکھتے ہیں: قال الحکیم الترمذی ھذا حدیث مفتعل لا یروج الا علی احمق وجاھل واوردہ ابن الجوزی فی الموضوعات۔ حکیم ترمذی کا قول ہے کہ اس حدیث کو صرف احمق اور جاہل آدمی ہی قبول کر سکتا ہے۔ ابن جوزی نے اسے موضوع احادیث میں شمار کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کے موضوع ہونے میں کوئی شک نہیں۔

سچی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے اہل بیت کو جن کمالات، خصائل حمیدہ، اعمال رشیدہ سے مشرف فرمایا ہے، پھر انہیں جن مراتب عالیہ اور مقامات رفیعہ پر سرفراز کیا ہے انہیں اس قسم کی خلاف عقل روایات کے سہارے کی کوئی ضرورت نہیں۔

ان آیات کے اولین مصداق خاندان نبوت کے یہی حضرات ہیں۔ جن لوگوں نے ان نفوس قدسیہ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کیا ہے ان پر مخفی نہیں کہ خاندان نبوت نے ساری زندگی اپنی ضروریات پر دوسروں کی ضرورتوں کو فوقیت دی۔ خود تکلیف برداشت کی لیکن دوسروں کو خوش و خرم رکھا۔ اگر یہ واقعہ نہ بھی ہو تب بھی ان آیات کے اولین مصداق یہی حضرات ہیں۔

[13] حُبِّہٖ کی ضمیر کے مرجع کے بارے میں دو قول ہیں: (۱) اس کا مرجع طعام ہے یعنی انہیں خود کھانے کی ضرورت ہوتی ہے اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو نظر انداز کر کے دوسروں کی بھوک کا ازالہ کرتے ہیں۔ (۲) دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے۔ یعنی یہ کام وہ محض اللہ تعالیٰ کی محبت میں کرتے ہیں۔ انما نطعمکم الآیۃ۔ اسی کی تائید کرتی ہے۔ یعنی اپنے قول یا اپنے طرز عمل سے ان پر یہ بات واضح کر دیتے ہیں کہ اس خدمت کا وہ ان سے کوئی معاوضہ نہیں مانگیں گے۔ وہ یہ بھی نہیں چاہتے کہ وہ اظہار تشکر کریں اور لوگوں کے سامنے ان کی سخاوت کا تذکرہ کریں۔ انہوں نے یہ کام محض اپنے رب کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کیا ہے۔

[14] وہ کہتے ہیں کہ ہم آج اپنے رب کریم کو راضی کر لینا چاہتے ہیں کیونکہ ہمیں یقین ہے کہ ایک بہت سخت دن آنے والا ہے جس کی ہولناکیوں کا تصور کر کے ہمارے دل آج بھی لرز رہے ہیں۔ اگر ہم نے اپنے رب کو خوش کر لیا تو ہمیں یقین ہے کہ قیامت کے روز ہمیں کوئی کھٹکا نہ ہو گا

وَلَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ﴿۱۱﴾ وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ﴿۱۲﴾

اور بخش دے گا انہیں چہروں کی تازگی اور دلوں کا سرور ۱۸ اور مرحمت فرمائے گا انہیں صبر کے بدلے جنت اور ریشمی لباس ۱۹

مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ﴿۱۳﴾

وہاں پلنگوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ نہ نظر آئے گی انہیں وہاں سورج کی تپش اور نہ ٹھنڈک۔

وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ﴿۱۴﴾ وَيُطَافُ

اور قریب ہوں گے ان سے اس کے درختوں کے سائے اور میووں کے گچھے جھکے ہوئے لٹک رہے ہوں گے۔ اور گردش میں ہوں گے

عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا۠ ﴿۱۵﴾ قَوَارِيْرَا۠

ان کے سامنے چاندی کے ظروف اور شیشہ کے چمکدار گلاس۔ (اور) شیشے بھی وہ جو

عبوس: اس شخص کو کہتے ہیں جس نے اپنی پیشانی پر بل ڈال رکھے ہوں اور اس کے چہرے سے غصہ اور وحشت برس رہی ہو۔ القمطریر: الشدید۔ بہت سخت، بہت کرخت۔ ہولناک منظر اور اس پر اس کی طوالت پناہ بخدا!

۱۸؎ جن لوگوں کی یہ صفات ہوں گی اللہ تعالیٰ انہیں ہول قیامت سے محفوظ رکھے گا۔ ولقی: اعطی۔ ان کے چہرے پھول کی طرح تروتازہ ہوں گے اور ان کے دل شاداں و فرحاں ہوں گے۔

۱۹؎ مومن کی ساری زندگی صبر سے عبارت ہے۔ احکام الٰہی کی ادائیگی پر صبر، نواہی سے اجتناب پر صبر، محرومیوں پر صبر، نقصانات پر صبر، دشمنانِ اسلام کے سامنے معرکۂ کارزار میں صبر اور جنگ جیتنے کے بعد اپنے اقتدار و اختیار کے صحیح استعمال کرنے پر صبر۔ الغرض مومن کی زندگی کا کوئی گوشہ بھی تو ایسا نہیں جہاں صبر کا نور و نکھار نہ رہا ہو۔ اس آیت میں ارشاد ہے کہ اہل ایمان نے زندگی کا سفر جس صبر و استقامت سے طے کیا، نفس کے سرکش گھوڑے کو جس عزم سے انہوں نے قابو میں رکھا، آج ان تمام کاموں کا انہیں معاوضہ ملے گا۔

یہاں سے لے کر آیت ۲۲ تک ان الطاف و عنایات کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جن سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عالم آخرت میں سرفراز فرمائے گا۔ آیات کے مشکل الفاظ کی وضاحت کر دی جاتی ہے، مطلب سمجھنا مشکل نہیں۔ ارائک جمع ہے۔ اس کا واحد اریکۃ ہے۔ اس مخصوص پلنگ کو کہا جاتا ہے جو نو بیاہتا دلہن کے لیے بچھایا جاتا ہے۔ ای السریر للحجلة۔ زمھریر: شدة البرد (قاموس) سخت ٹھنڈک۔ دانیة: دنا یدنو سے اسم فاعل مونث کا صیغہ ہے۔ اس کا معنی ہے قریب، نزدیک۔ ذُلِّلت تذلیلا: ذُلِّلت عناقیدہ وجعلت سهل التناول۔ کہ انگور کے گچھوں کو نیچے لٹکا دیا جائے گا اور جنتی بڑی آسانی سے اسے تناول کر سکیں گے۔ آنیة: جمع ہے اناء کی، ظرف، برتن۔ اکواب: کوب کی جمع ہے۔ وہ پیالہ یا پیالی جس کے ساتھ کنڈا نہ ہو۔ کانت قواریر من فضة کا مفہوم حضرت ابن عباس نے ان الفاظ میں بیان کیا

مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ﴿۱۶﴾ وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا

چاندی کی قسم کے ہوں گے ساقیوں نے انہیں پورے اندازہ سے بھرا ہوگا ۱۷ اور انہیں پلائے جائیں گے وہاں (ایسی شراب کے) جام جس میں زنجبیل کی

زَنْجَبِيْلًا ﴿۱۷﴾ عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا ﴿۱۸﴾ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ

آمیزش ہوگی۔ (یہ زنجبیل) جنت میں ایک چشمہ ہے جس کو سلسبیل کہا جاتا ہے ۱۸ اور چکر لگاتے رہیں گے ان کی خدمت میں ایسے بچے جو ایک

مُّخَلَّدُوْنَ اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ﴿۱۹﴾ وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ

ہی حالت پر رہیں گے ۱۹ جب تو انہیں دیکھے تو یوں سمجھے گویا یہ موتی ہیں جو بکھیر دیئے گئے ہیں۔ اور جدھر بھی تم وہاں دیکھو گے

رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّمُلْكًا كَبِيْرًا ﴿۲۰﴾ عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّ

تمہیں نعمتیں ہی نعمتیں اور وسیع مملکت نظر آئے گی ۲۰ ان کے اوپر لباس ہوگا باریک سبز ریشم کا (بنا ہوا) اور

ہے۔ آنیۃ من فضۃ صفاءھا کصفاء القواریر۔ یعنی یہ سارے برتن چاندی کے بنے ہوں گے لیکن ان میں چمک اتنی زیادہ ہوگی کہ خیال گزرے گا کہ شیشہ اور بلور ڈھال کر انہیں بنایا گیا ہے۔ پہلا قواریر، کانت کے اسم اکواب کا حال ہے۔ دوسرا قواریر بدل ہے پہلے قواریر کا۔

۱۷ یعنی ساقی گری کی خدمت پر جو خدام مقرر ہوں گے وہ بھی بڑے سلیقہ شعار اور ادا شناس ہوں گے۔ صراحی سے جام میں اتنی مقدار میں شراب انڈیلیں گے جتنی پینے والا چاہے گا۔ جتنی اس کی خواہش ہوگی۔ اتنی ہی دیں گے۔ جس کو چند گھونٹ کی خواہش ہو اسے چھلکتا گلاس نہ دیں اور جو زیادہ پینا چاہتا ہو اُسے چند قطروں پر نہ ٹرخا دیں۔ جن کی دلداری اور عزت افزائی مقصود ہے وہ ان کی خواہشات کا پورا پورا احترام کریں گے۔

۱۸ ایک دوسری قسم کی شراب کا ذکر ہو رہا ہے کہ انہیں ایسی شراب دی جائے گی جس میں زنجبیل کی ملاوٹ ہوگی۔ ساتھ ہی بتا دیا کہ یہ بھی جنت کے ایک چشمہ کا نام ہے اور اسی کو سلسبیل بھی کہا جاتا ہے۔ اہل عرب شراب میں سونٹھ ملا کر پیتے تھے۔ انہی کا پسندیدہ نام ذکر فرما دیا اور بتا دیا کہ جنت میں ایک چشمہ اسی نام کا جاری ہے جس میں سونٹھ کی بو تو ہوگی لیکن اس کے ذائقہ کی تلخی نہ ہوگی۔

۱۹ لڑکے ہر وقت ان کی خدمت بجا لانے کے لیے اور ان کے احکام کی تعمیل کے لیے ان کے آگے پیچھے پھرتی سے دوڑ رہے ہوں گے۔ مرور وقت کے ساتھ ساتھ ان کی شکل وصورت اور ان کے رنگ روپ میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی اور جب وہ جنت کے مرغزاروں میں اہل جنت کی خدمت میں ادھر اُدھر بھاگے پھر رہے ہوں گے تو یوں معلوم ہوگا کہ کوئی موتیوں کی لڑی ٹوٹ گئی ہے اور اس کے تابندہ اور رنگ رنگیلے موتی ادھر اُدھر لڑھکتے چلے جا رہے ہیں۔

۲۰ ثَمَّ، اشارۃ الی المکان یعنی بہ الجنۃ۔ یہ ظرف ہے رویت کے فعل کے لیے یعنی جنت میں جدھر بھی تو دیکھے گا ہر طرف تجھے نعمتیں ہی نعمتیں نظر آئیں گی اور ایک وسیع مملکت ہوگی جو خداوند کریم نے اپنے ایک ایک بندے کو دے دی ہے۔ سُندس، باریک ریشمی کپڑا۔ استبرق:

اِسْتَبْرَقٌ ۫ وَّ حُلُّوْۤا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ۚ وَ سَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا

اطلس کا اور انہیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے ۲۱؎ اور پلائے گا انہیں ان کا پروردگار نہایت پاکیزہ

طَهُوْرًا ﴿۲۱﴾ اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّ كَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۲۲﴾

شراب ۲۲؎ (انہیں کہا جائے گا) یہ تمہارا صلہ ہے اور (مبارک ہو) تمہاری کوششیں مقبول ہوئیں ۲۳؎

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ﴿۲۳﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَ

ہم نے ہی (اے حبیب!) آپ پر تھوڑا تھوڑا کر کے کلام نازل کیا ۲۴؎ اور اپنے رب کے حکم کا انتظار کیجیے اور

ع ۲۲ / ۱۹

الدیباج الغلیظ: موٹا ریشمی کپڑا۔

۲۱؎ انہیں چاندی کے کنگن پہنائے گئے ہوں گے۔ ایک مقام پر پہلے گزر چکا ہے کہ انہوں نے سونے کے کنگن پہن رکھے ہیں۔ ان میں تطبیق یوں ہو سکتی ہے کہ ان کے پاس سونے اور چاندی کے بنے ہوئے کنگن ہوں گے۔ جب ان کا جی چاہے گا سونے کے اور جب جی چاہے گا چاندی کے کنگن پہن لیں گے یا انہوں نے دونوں قسم کے کنگن پہن رکھے ہوں گے۔

۲۲؎ دو قسم کی شرابوں کا ذکر پہلے ہو چکا۔ ایک وہ جس میں کافور کے چشمے کا پانی ملا ہوگا۔ دوسری وہ جس میں زنجبیل کے چشموں کا پانی ملا ہوگا۔ اب تیسری قسم کی شراب کا ذکر ہے لیکن اس میں وہ ایسی خصوصیتیں ہیں جو پہلی دو قسموں میں نہیں پائی جاتیں۔ اس شراب کو شراب طہور کہا گیا ہے نیز اس کو پلانے والا خود رب العالمین ہے۔ اسی لیے حضرت یعقوب چرخی لکھتے ہیں:

"سابقان و مقربان حضرت حق را جل جلالہ از زیر عرش قدح ہائے شراب طہور برساند و مقتصدان را فرشتگان دہند و عاصیان را غلمان دہند چوں از شراب بہشتی بخورند مست ذوالجلال گردند حجاب برگیرند تا بے چون و بے چگونہ و بے جہت حق تعالیٰ را بینند۔ اللّٰھم ارزقنا واجعلنا بکرمك من المقربین۔" (تفسیر چرخی)

یعنی سابقین اور مقربین کو اللہ تعالیٰ اپنے عرش کے نیچے سے شراب طہور کے بھرے ہوئے پیالے بلاواسطہ پلائے گا۔ درمیانی درجے والوں کو فرشتے پلائیں گے اور عام لوگوں کے ساقی غلمان ہوں گے۔ جب وہ بہشت کے شراب کو پئیں گے تو اللہ تعالیٰ کی محبت میں مست ہو جائیں گے پردوں کو اٹھا دیں گے۔ بے چون و بے چگونہ و بے جہت حق تعالیٰ کا دیدار کریں گے۔ الٰہی! ہمیں بھی یہ نعمتیں عطا فرما اور اپنے کرم سے مقربین میں داخل فرما۔

۲۳؎ یہ نوازشیں یہ عنایتیں تمہارے ان مخلصانہ اعمال کی جزا ہیں اور تمہیں مبارک ہو کہ اس کریم و رحیم نے محض اپنے رحم و کرم سے تمہارے ناقص اعمال کو قبول فرما لیا ہے۔ ایک بندے کے لیے اس سے بڑھ کر خوشی کا اور کیا مقام ہوگا جب اسے یہ مژدہ سنایا جائے گا۔

۲۴؎ کفار کی شرارت پسند ذہنیت نے انہیں اعتراض کرنے کے فن کا امام بنا دیا تھا۔ جب اور کوئی اعتراض مؤثر ثابت نہ ہوا تو کہنے لگے کہ ہم بڑی قوی دلیل سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں بلکہ ان کا اپنا اختراع کردہ ہے۔ اگر خدا کی طرف سے ہوتا تو سارے کا سارا یکبارگی نازل ہو جانا چاہیے

لَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ﴿۲۴﴾ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۲۵﴾

نہ کہنا مانیے ان میں سے کسی بدکار یا احسان فراموش کا ۲۵ اور یاد کرتے رہا کرو اپنے رب کے نام کو صبح بھی اور شام بھی ۲۶

وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ﴿۲۶﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ

اور رات کی تنہائیوں میں بھی اس کو سجدہ کیا کیجیے اور رات کا کافی وقت اس کی تسبیح کیا کیجیے۔ بے شک یہ لوگ دنیا سے محبت

الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ﴿۲۷﴾ نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَ

کرتے ہیں اور پس پشت ڈال رکھا ہے انہوں نے بڑے سخت دن کو۔ ہم نے ہی ان کو پیدا کیا ہے اور

شَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ ۚ وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا ﴿۲۸﴾ اِنَّ هٰذِهٖ

ان کے جوڑ بند مضبوط کیے ہیں ۲۷ اور جب ہم چاہیں تو ان کی شکلوں کو بدل کر رکھ دیں ۲۸ بے شک یہ ایک

موسیٰ علیہ السلام کو تورات ایک مرتبہ دی گئی تھی۔ یہ چونکہ خود گھڑتے ہیں اس لیے جتنا گھڑتے ہیں اسے اکٹھا سنا دیتے ہیں، کبھی کم، کبھی زیادہ۔ ان کے اس الزام کی تردید فرمائی جا رہی ہے کہ ہم نے اسے اپنے محبوب رسول پر نازل کیا ہے تھوڑا تھوڑا کر کے حسب حال اور حسب ضرورت نازل کرنے میں بے شمار حکمتیں ہیں۔

۲۵ اے محبوب! آپ کو اپنے رب کی طرف سے جو احکام ملے ہیں ان کی پابندی کرتے رہیں کسی کی مخالفت کی ہرگز پروا نہ کریں۔ یہ بدکار اور احسان فراموش آپ کو اگر فرمانِ خداوندی سے منحرف کرنا چاہیں تو آپ ان کا کہنا ہرگز نہ مانیں۔

۲۶ مومن کی طاقت کا سرچشمہ اور اس کی قوت کا راز ذکرِ الٰہی میں پوشیدہ ہے۔ پہلے اپنے نبی مکرم کو صبر کی تلقین فرمائی۔ اب ذکر کی طرف متوجہ کیا جا رہا ہے۔ وہ شخص جو اپنے رب کا ذکر کثرت سے کرتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ کی معیت نصیب ہو جاتی ہے اور جس خوش نصیب کو اللہ تعالیٰ کی معیت نصیب ہو جائے باطل کی طاغوتی طاقتیں اس کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتیں۔ بعض علماء نے اس سے اوقاتِ نماز مراد لیے ہیں۔ بکرۃ سے مراد صبح کی نماز، اصیل، زوال سے غروب کے وقت تک کو کہتے ہیں۔ اس سے مراد ظہر اور عصر کی نماز، ومن الیل سے مغرب و عشاء کی نماز، وسبحہ لیلا طویلا سے تہجد کی نماز مراد ہے۔

۲۷ اسر کا معنی ہے ایک چیز کو دوسری کے ساتھ مضبوطی سے باندھ دینا۔ قدرتِ الٰہی نے انسان کے مختلف اعضا کو ایک دوسرے کے ساتھ پٹھوں، ریشوں اور رگوں کے ذریعے بڑی پختگی سے جوڑ دیا ہے۔ سب اعضا اپنے اپنے فرائض انجام دیتے رہتے ہیں اس کے باوجود ایک دوسرے سے پیوستہ بھی ہیں، ایک دوسرے کی قوت و طاقت کا ذریعہ بھی ہیں، ایک دوسرے کا بوجھ بھی اٹھائے ہوئے ہیں۔ اگر اسی ایک بات پر تم غور کرو تو سب شکوک و شبہات کے تاریک بادل چھٹ جائیں گے۔

۲۸ اس کے دو مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔ ایک مفہوم تو یہ ہے کہ اگر ہم چاہیں تو ان کو ہلاک کر دیں، نیست و نابود کر دیں اور ان کی جگہ کوئی نئی قوم پیدا کریں۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ ان کے چہروں کی رنگت اور خد و خال کو مسخ کر دیں۔ کسی ایسی بیماری میں مبتلا کر دیں کہ دیکھنے والے پہچان بھی نہ سکیں۔

تَذْكِرَةٌ فَمَن شَآءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ﴿٢٩﴾ وَمَا تَشَآءُونَ إِلَّآ

نصیحت ہے۔ پس جس کا جی چاہے اختیار کرلے اپنے رب کے قرب کا راستہ ۲۹؎ اور (اے لوگو!) تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے بجز

أَن يَشَآءَ اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٣٠﴾ يُدْخِلُ مَن يَشَآءُ

اس کے کہ اللہ خود چاہے ۳۰؎ بے شک اللہ تعالیٰ علیم ہے، حکیم ہے ۳۱؎ جس کو چاہتا ہے اپنے دامن رحمت

فِى رَحْمَتِهِۦ ۚ وَالظَّٰلِمِينَ أَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًۢا ﴿٣١﴾

میں داخل کرلیتا ہے ۳۲؎ اور ظالموں کے لیے تو اس نے تیار کر رکھا ہے دردناک عذاب۔

۲۹؎ یہ قرآن ایک نصیحت ہے۔ جس کا جی چاہے اس نصیحت کو قبول کرلے، ہدایت کی اس روشنی میں سفر طے کرتا ہوا قرب و رضا کی منزل میں پہنچ جائے اور جس کا جی چاہے اپنی عمر برباد کردے۔

۳۰؎ ساتھ ہی بتا دیا کہ صرف تمہاری خواہش اور آرزو سے کچھ نہیں ہوسکتا جب تک میری مشیت تمہاری سعادتمندی کا فیصلہ نہ کرے اس وقت تک تمہاری کوششیں لاحاصل، تمہاری جدوجہد بے ثمر۔ جب توفیق الٰہی دستگیری فرماتی ہے، نورِ حق تب نظر آتا ہے، دعوت حق تب سنائی دیتی ہے، دل میں شوق کا طوفان امڈتا ہے، راستے کی ساری مشکلیں سہل ہوجاتی ہیں اور جذب الٰہی واماندہ راہ محبت کو اپنے حریم ناز میں داخل فرمالیتا ہے۔

۳۱؎ بے شک اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کس بندے پر کون سی مہربانی فرمانی ہے، کس مسکین کے دلِ مضطرب پر کیسے کرم فرمانا ہے اور کن اشکبار آنکھوں اور نالہ فرسا ہونٹوں کو اپنے جمال جہاں آرا سے روشن کرنا ہے۔ وہ حکیم ہے۔ اس کے انداز نگاہ، اس کی عطا، نگاہ، اس کی ہر ادا حکیمانہ ہے۔

۳۲؎ جس کو چاہتا ہے گمراہی کے اندھیروں سے نکال کر ہدایت کے نور سے منور کردیتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے ہجر و فراق کی دوریوں سے رہائی بخش کر اپنے وصال کی لذت سے شادکام کردیتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے غفلت کی نیند سے بیدار کرکے اپنی یاد کی نعمت سے مالامال کردیتا ہے۔

○

اللھم انت ربی لا الٰہ الا انت یا من بیدہ ناصیتی کن لی رؤوفا رحیما۔ فاطر السموات والارض انت ولی فی الدنیا والآخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصالحین۔ و احشرنی تحت لواء حبیبک المکرم و رسولک المعظم شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم۔

○

تعارف

سورہ المرسلت

نام: اس کا نام المرسلت ہے جو اس سورۃ کا پہلا کلمہ ہے۔ اس میں دو رکوع، پچاس آیتیں، ایک سو اسی کلمے اور آٹھ سو سولہ حروف ہیں۔

نزول: علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔

مضامین: متعدد چیزوں کی قسمیں کھا کر ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ قیامت ضرور برپا ہوگی۔ پھر قیامت برپا ہونے کے ہولناک منظر کو بیان کیا گیا ہے۔ آیات نمبر ۱۶، ۱۷، ۱۸ میں ایک سُنّتِ الٰہی ذکر کی گئی ہے کہ جو شخص راہِ راست کو چھوڑ کر بادیۂ ضلالت میں بھٹکتا ہے۔ فسق و فجور کے جرائم کا ارتکاب کرتا ہے۔ اس کی مخلوق پر ظلم اور تشدد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی سُنّت یہ ہے کہ ایسے شخص کو ہلاک و برباد کر دیا جائے۔ اس کے بعد انسان کی تخلیق پھر اُس کی بقا اور نشوونما کے لیے جن اسباب و وسائل کی ضرورت ہے اُن کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اور آیت انتیس سے لے کر آخر تک کفار کے ساتھ روزِ حشر جو معاملہ کیا جائے گا اس کو بیان فرما دیا۔ ساتھ ہی آیت نمبر اکتالیس تا چوالیس میں متقین پر جو عنایات اور نوازشات کی جائیں گی وہ بتا دیں تاکہ لوگ دونوں گروہوں میں سے جس گروہ میں شامل ہونا چاہیں سوچ سمجھ کر شامل ہوں۔

نیو ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا

۲۲ - ۴ - ۷۷

سُوْرَةُ الْمُرْسَلٰتِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۂ المرسلات مکی ہے اس میں پچاس آیات اور دو رکوع ہیں۔ اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ۝١ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ۝٢ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ۝٣

ان ہواؤں کی قسم جو پے در پے بھیجی جاتی ہیں [1] پھر ان کی قسم جو تند و تیز ہیں اور ان کی قسم جو بادلوں کو پھیلانے والی ہیں۔

فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ۝٤ فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ۝٥ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ۝٦ اِنَّمَا

پھر ان کی جو بادلوں کو پارہ پارہ کرنے والی ہیں پھر ان کی قسم جو دلوں میں ذکر کا القا کرنے والی ہیں حجت تمام کرنے کے لیے یا ڈرانے کے لیے۔ بے شک جس

تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ۝٧ فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ۝٨ وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ۝٩

بات کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ ضرور ہو کر رہے گی۔ پس اس وقت جب ستارے بے نور کر دیے جائیں گے اور جب آسمان میں شگاف پڑ جائیں گے [2]

[1] صدر الافاضل حضرت مولانا محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی قم طراز ہیں:
ان آیتوں میں جو قسمیں مذکور ہیں وہ پانچ صفات ہیں جن کے موصوفات ظاہر میں مذکور نہیں۔ اسی لیے مفسرین نے ان کی تفسیر میں بہت وجوہ ذکر کیے ہیں۔ بعض نے یہ پانچوں صفتیں ہواؤں کی قرار دی ہیں۔ (ترجمہ اسی کے مطابق کیا گیا ہے) بعض نے ملائکہ کی۔ بعض نے آیات قرآنی کی۔ بعض نے نفوس کاملہ کی جو استکمال کے لیے ابدان کی طرف بھیجے جاتے ہیں۔ پھر وہ ریاضتوں کے جھونکوں سے ماسوائے حق کو اڑا دیتے ہیں۔ پھر تمام اعضا میں اس کا اثر پھیلاتے ہیں۔ پھر حق بالذات اور باطل فی نفسہ میں فرق کرتے ہیں اور ذات الٰہی کے سوا ہر شے کو ہالک دیکھتے ہیں۔ پھر ذکر کا القا کرتے ہیں اس طرح کہ دلوں میں اور زبانوں پر اللہ تعالیٰ ہی کا ذکر ہوتا ہے اور ایک وجہ یہ ذکر کی ہے کہ پہلی تین صفتوں سے ہوائیں مراد ہیں اور باقی دو سے فرشتے۔ اس تقدیر پر معنی یہ ہیں کہ قسم ان ہواؤں کی جو لگاتار بھیجی جاتی ہیں۔ پھر زور سے جھونکے دیتی ہیں ان سے مراد عذاب کی ہوائیں ہیں اور ناشرات سے مراد وہ رحمت کی ہوائیں جو بادلوں کو اٹھاتی ہیں۔ اس کے بعد جو صفتیں مذکور ہیں وہ قول اخیر پر جماعت ملائکہ کی ہیں۔ ابن کثیر نے کہا کہ فارقات اور ملقیات سے جماعات ملائکہ مراد لینے پر اجماع ہے۔ (خزائن العرفان)

[2] جب قیامت برپا ہوگی تو کائنات کا سارا نظام درہم برہم کر دیا جائے گا۔ ان گنت ستارے جو روشن چراغوں کی طرح چمکتے دمکتے نظر آتے ہیں سب بے نور ہو جائیں گے۔ یہ آسمان کی نیلگوں چھت جس میں ہزارہا سال گزرنے کے باوجود بوسیدگی اور کہنگی کی کوئی علامت ظاہر نہیں ہوئی اس میں شگاف اور دراڑیں پڑ جائیں گی اور یہ فلک بوس پہاڑ جن کے پتھر از حد سخت ہیں، غبار بن کر یوں اڑ جائیں گے کہ ان کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے گا۔ مختلف اوقات میں اور مختلف امتوں کی طرف اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسول اپنی امتوں پر گواہی دینے کے لیے وقت مقرر پر اکٹھے ہو جائیں گے۔

وَ اِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ﴿١٠﴾ وَ اِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ﴿١١﴾ لِاَیِّ یَوْمٍ اُجِّلَتْ ﴿١٢﴾

اور جب پہاڑ دھنک بنا کر اڑا دیے جائیں گے اور جب رسولوں کو وقت مقررہ پر اکٹھا کیا جائے گا (تمہیں علم ہے) کس دن کے لیے یہ ملتوی کیا گیا ہے؟ ؎۳

لِیَوْمِ الْفَصْلِ ﴿١٣﴾ وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الْفَصْلِ ﴿١٤﴾ وَیْلٌ یَّوْمَىٕذٍ

فیصلہ کے دن کے لیے۔ (اے مخاطب!) تجھے کیا علم کہ فیصلے کا دن کیسا ہے۔ تباہی ہوگی اس روز

لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿١٥﴾ اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِیْنَ ﴿١٦﴾ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ

جھٹلانے والوں کے لیے ؎۴ کیا ہم نے ہلاک نہیں کر دیا جو ان سے پہلے تھے ؎۵ پھر ہم ان کے پیچھے پیچھے بھیج دیں گے بعد

اس ہوشربا منظر کے ذکر سے مقصد ان لوگوں کو اس دن سے ڈرانا ہے جو خواب غفلت میں پڑے ہوئے اپنی زندگی کے قیمتی لمحوں کو برباد کر رہے ہیں۔

؎۳ یہ مذکورہ بالا واقعات کب رونما پذیر ہوں گے؟ ان کے لیے کون سی تاریخ اور کون سا دن مقرر کیا گیا ہے۔ بتا دیا کہ ان کے لیے یوم الفصل کی تاریخ مقرر ہے۔ اے سننے والے! تم یوم الفصل کی حقیقت کو کیونکر سمجھ سکتے ہو۔ یہ وہ دن ہوگا جب تمام مقدمات، تمام تنازعات اور سارے اختلافات کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔

؎۴ اس روز بڑی تباہی اور ہلاکت کا سامنا ان لوگوں کو کرنا پڑے گا جو اللہ تعالیٰ کے رسول اور اس کی لائی ہوئی کتاب کی تکذیب کرتے ہیں، جو وقوع قیامت کا انکار کرتے ہیں اور اسے ناممکن یقین کرتے ہیں۔

مندرجہ بالا آیات میں مشکل الفاظ کی تشریح:

طُمِسَتْ: ذهب نورها۔ يقال طمس الشيء اذا درس۔ وطُمِسَ فهو مطموس۔ طُمِسَتْ، کا مطلب یا تو یہ ہوگا کہ ستاروں کا وجود ہی مٹ جائے گا یا یہ کہ ان کی روشنی مٹ جائے گی۔ یہ بے نور ہو جائیں گے۔ النسف، تفريق الاجزاء حتى تذروها الرياح۔ کسی چیز کو ریزہ ریزہ کر دینا کہ ہوائیں اس کے اجزا کو اڑا کر لے جائیں۔ فُرِجَتْ، شُقَّتْ فصارت بها فروجا، کسی چیز کا پھٹ جانا۔ اس میں دراڑیں اور شگاف پڑ جانا۔ ویل: مصدر بمعنی حلول الشر والهلاك۔ یہ مصدر ہے اور اس کا معنی ہے تباہی اور ہلاکت نازل ہوگئی۔

؎۵ اہل مکہ جو بڑی شدت سے وقوع قیامت کا انکار کیا کرتے تھے، انہیں بتایا جا رہا ہے کہ اگر وہ اپنے سے پہلے گزری ہوئی قوموں کے انجام پر غور کریں اور اس کی وجہ تلاش کریں تو انہیں قیامت پر ایمان لانے میں کوئی دقت نہ ہوگی۔ عاد، ثمود، قوم نوح، قوم فرعون جسمانی قوت و زور میں کسی سے کم نہ تھیں، دولت و ثروت کے بھی ان کے پاس انبار لگے تھے۔ ان کے پاس لشکر جرار تھے، ان کے سپاہی تجربہ کار اور جنگجو تھے، ان کے پاس ماہرین حرب اور جرنیلوں کی بھی کمی نہ تھی۔ اپنے زمانے کے معیار کے مطابق وہ علوم و فنون میں بھی کسی قوم سے پیچھے نہ تھے۔ ان کی کاریگری مہارت بھی لاجواب تھی۔ اگر ان چیزوں کو پیش نظر رکھا جائے تو ان قوموں کو مدت دراز تک عزت و اقبال سے زندگی بسر کرنی چاہیے تھی۔ ان کے

الْاٰخِرِيْنَ ۝۱۷ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ۝۱۸ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ

میں آنے والوں کو۔ گناہگاروں کے ساتھ ہم ایسا ہی سلوک کیا کرتے ہیں۔ تباہی ہوگی اس روز

لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝۱۹ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۝۲۰ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ

جھٹلانے والوں کے لیے۔ کیا ہم نے تمہیں حقیر پانی سے پیدا نہیں فرمایا۔ پھر ہم نے رکھ دیا اسے ایک

قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝۲۱ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝۲۲ فَقَدَرْنَا ۖ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ۝۲۳

محفوظ جگہ (رحم مادر) میں ؎ ایک معین مدت تک ؎ پھر ہم نے ایک اندازہ ٹھہرایا پس ہم کتنے بہتر اندازہ ٹھہرانے والے ہیں ؎

اقتدار کا نقارہ دور دور تک بجا کرتا تھا لیکن اے اہل مکہ! تم یہ جانتے ہو کہ انہیں آناً فاناً تباہ کر دیا گیا۔ اس کی وجہ اس کے بغیر اور کیا ہو سکتی ہے کہ ان کے اعمال بڑے قبیح، ان کی حرکتیں بڑی ذلیل اور ان کے اخلاق بہت بگڑے ہوئے تھے۔ جھوٹ، بدعہدی، کم تولنا، کم ناپنا، کمزور لوگوں پر ظلم و تشدد ان کا وتیرہ بن گیا تھا۔ وہ عیش و عشرت میں بڑی دریا دلی سے اپنی دولت کو لٹاتے اور معصوم عصمتوں کو بڑی بے دردی سے لوٹتے۔ گمراہی اور برائی میں بے فکری کی حد تک ان کے یوں گم ہونے کا سبب یہی تو تھا کہ انہیں اپنے محاسبہ کا کوئی اندیشہ نہ تھا۔ اگر انہیں یہ خیال ہوتا کہ ایک روز انہیں ضرور اپنے رب کے روبرو پیش ہو کر حساب دینا ہے تو وہ یوں فسق و فجور میں غرق نہ ہو جاتے۔ روز حساب سے بے فکر ہو کر وہ فسق و فجور کی دلدل میں دھنستے چلے گئے یہاں تک کہ ان کی بداعمالیوں کے طبعی نتائج اس دنیا میں ہی ظاہر ہو گئے اور انہیں تباہ و برباد کر دیا گیا۔ اے اہل مکہ! اگر تم بھی اسی قسم کے ہولناک انجام سے دوچار ہونا چاہتے ہو تو بے شک اس روش کو مت چھوڑو اور اگر تم اپنے آپ کو تباہ و برباد نہیں کرنا چاہتے تو روز قیامت پر ایمان لاؤ۔ صرف محاسبہ کے ڈر سے ہی تمہارے بگڑے ہوئے دماغ درست ہو سکتے ہیں۔

؎ اپنی قدرت و حکمت کے ان شاہکار کرشموں کا ذکر کر کے وقوع قیامت کے امکان کی طرف انہیں متوجہ کیا جا رہا ہے۔ فی قرار مکین کے کلمات غور طلب ہیں۔ رحم مادر میں جب نطفہ قرار پکڑتا ہے تو اس کی حفاظت کے کتنے مکمل اور مضبوط انتظامات کیے جاتے ہیں کہ وہ بار ہا تغیرات کے نازک ترین مرحلوں سے بخیر و خوبی گزرتا رہتا ہے۔ خارجی عوامل اس کی نشوونما میں آسانی سے دخل انداز نہیں ہو سکتے۔ ماں اپنے گھر کے کام کاج میں مصروف رہتی ہے بدنی مشقت کے کام بھی وہ کیا کرتی ہے لیکن کسی غیر معمولی حادثہ کے سوا حمل کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ اسے خوراک بھی پہنچتی رہتی ہے۔ اسے حرکت کرنے میں بھی کوئی دقت نہیں ہوتی۔ ان امور پر غور کرنے سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر یقین آ جاتا ہے اور ماننا پڑتا ہے کہ جو خالق حکیم اور قادر مطلق یہ عجوبہ دکھا سکتا ہے اس کے لیے قیامت کا برپا کرنا قطعاً مشکل نہیں۔

؎ اس خلوت کدہ میں اس کے رہنے کی صحیح مدت جاننے کے لیے ابھی سائنس نے بھی کوئی آلہ ایجاد نہیں کیا۔

؎ یعنی ہم نے اس کے بارے میں تمام امور کا اندازہ کر لیا ہے اور ان کے بارے میں اپنا فیصلہ صادر کر دیا ہے۔ ساتھ ہی فرما دیا کہ ہم سے

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۹﴾ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ﴿۲۵﴾

تباہی ہوگی اس روز جھٹلانے والوں کے لیے ۹ کیا ہم نے نہیں بنایا زمین کو سمیٹنے والی۔

اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا ﴿۲۶﴾ وَّجَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ وَّاَسْقَيْنٰكُمْ

(اپنے اندر) زندوں اور مُردوں کو ۱۰ اور ہم نے بنا دیے اس میں خوب جمے ہوئے اونچے اونچے پہاڑ ۱۱ اور ہم نے ہی تمہیں

بہترین اور حکیمانہ اندازہ کون لگا سکتا ہے۔ عن ابن مسعود قال حدثنا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وھو الصادق المصدوق ان خلق احدکم یجمع فی بطن امہ اربعین یوما نطفۃ ثم یکون علقۃ مثل ذالک ثم یکون مضغۃ مثل ذالک ثم یبعث اللہ ملکا باربع کلمات۔ فیکتب عملہ واجلہ ورزقہ وشقی او سعید ثم ینفخ فیہ الروح۔ (متفق علیہ)

حضرت ابن مسعود کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بیان فرمایا "صدق" سچے ہیں اور آپ کی تصدیق کی گئی ہے کہ تم میں سے ہر ایک کی تخلیق اس طرح ہوتی ہے کہ چالیس دن تک وہ اپنی ماں کے شکم میں نطفہ کی صورت میں ہوتا ہے۔ پھر اتنی مدت وہ لوتھڑا کی شکل میں ہوتا ہے پھر اتنی مدت وہ گوشت کا ٹکڑا ہوتا ہے۔ پھر اللہ تعالٰی چار باتوں کے ساتھ ایک فرشتہ کو مبعوث کرتے ہیں۔ اس وقت اس کا عمل، اس کی موت کا دن، اس کا رزق اور یہ بات کہ وہ بدبخت ہے یا نیک بخت لکھ دی جاتی ہیں۔ پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے۔

۹ جو لوگ اللہ تعالٰی کی قدرت کے اس شاہکار کو دیکھتے ہیں اور پھر اس کے نبی کی تکذیب کرتے ہیں اور قیامت کا انکار کرتے ہیں ان کے لیے قیامت کے دن تباہی و بربادی کے سوا اور کیا ہوگا۔

۱۰ اے قیامت کا انکار کرنے والو! ہماری قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کا مشاہدہ کرو۔ دیکھو کہ زمین کو ہم نے اس طرح پیدا فرمایا ہے کہ ہر قسم کی زندہ اور مردہ مخلوق اس کے دامن میں سماتی ہوئی ہے۔ ہر قسم کے جانداروں کے لیے ان کے مزاج کے مطابق رزق کا اہتمام یہیں سے ہوتا ہے۔ گوشت خوروں کے لیے گوشت، سبزی خوروں کے لیے طرح طرح کے چارے، سبزیاں، ترکاریاں وافر پیدا ہو رہی ہیں۔ اگر انسان کی اپنی بے تدبیری، حرص و لالچ اور کوتاہیاں آڑے نہ آئیں تو کسی کو خوراک کی قلت کی شکایت نہ رہے۔ کچے پکے مکانات اور شاندار محلات اور سنگین قلعوں کی تعمیر کے لیے جس قسم کے سامان کی ضرورت ہو وہ بآسانی دستیاب ہو سکتا ہے۔ جب یہاں سے اپنی زندگی کے مقررہ دن پورے کرکے کوئی چیز رخصت ہوتی ہے تو یہی زمین جو اس کا بوجھ اپنی پشت پر اٹھائے ہوئے تھی اپنا سینہ چیر کر اسے اپنے اندر چھپا لیتی ہے۔

۱۱ ہماری حکمت کا مزید نظارہ کرنا چاہو تو ان فلک بوس پہاڑوں کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھو۔ ان کے شکموں میں قیمتی معدنیات کے انبار لگے ہیں۔ کہیں نمک ہے، کہیں کوئلہ، کہیں تانبہ ہے، کہیں چاندی، کہیں سونا ہے اور کہیں فولاد۔ ان کی برف سے سدا سفید رہنے والی چوٹیاں، تمہارے لیے میٹھے اور ٹھنڈے پانی کی بہم رسانی کے مرکز ہیں۔ چشمے اُبل رہے ہیں، ندیاں بہہ رہی ہیں اور دریا رواں دواں ہیں۔ پہاڑوں کے دامن میں دراز قامت درخت اگتے ہیں جو مکان بنانے کے کام آتے ہیں۔ ان میں ان گنت جڑی بوٹیاں پیدا ہوتی ہیں جو تمہارے امراض کے لیے اکسیر کا

مَآءً فُرَاتًا ﴿٢٧﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٢٨﴾ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى

میٹھا پانی پلایا۔ تباہی ہوگی اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ۱۲ (انہیں حکم ملے گا) چلو اس (آگ)

مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿٢٩﴾ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِىْ ثَلٰثِ

کی طرف جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے ۱۳ چلو اس سایہ کی طرف جو تین شاخوں

شُعَبٍ ﴿٣٠﴾ لَّا ظَلِيْلٍ وَّلَا يُغْنِىْ مِنَ اللَّهَبِ ﴿٣١﴾ اِنَّهَا تَرْمِىْ بِشَرَرٍ

والا ہے۔ نہ وہ سایہ دار ہے اور نہ وہ بچاتا ہے آگ کی لپٹ سے۔ وہ (جہنم) پھینک رہی ہوگی (ایسے) بڑے انگارے

نم رکھتی ہیں۔ اس کے علاوہ ملکوں کی قدرتی حد بندی، موسموں کے تغیر میں ان کا غیر معمولی دخل، بارشوں میں ان کا حصہ۔ کس کس فائدہ کو تم گن سکتے ہو۔ پھر ہماری رحمت کا یہ پہلو بھی تمہاری نگاہوں سے اوجھل نہ رہے کہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر بھی پانی ابل رہا ہے۔ دامن کوہ میں بھی ندیاں بہہ رہی ہیں۔ ہموار میدانوں میں بھی دریا خراماں خراماں رواں ہیں اور جہاں یہ نہیں، وہاں کنوئیں کھود کر، ٹیوب ویل نصب کر کے تم پانی کے زیر زمین خزانے سے سیراب ہو سکتے ہو۔

۱۲؎ اگر ان کھلی دلیلوں کے باوجود تم قیامت پر ایمان نہ لاؤ تو پھر اس روز تم پر یقیناً تباہی نازل ہو، اس کے تم خود ذمہ دار ہو اور اس کے مستحق ہو۔ کفاتا: اسم لما یکفت فیہ۔ جس میں کوئی چیز لپیٹ لی جائے، سمیٹ لی جائے اسے کفات کہتے ہیں۔ شامخات: اونچے، بلند۔ فراتا: عذبا، میٹھا پانی۔

۱۳؎ جب قیامت برپا ہوگی اور ضرور ہوگی کیونکہ مذکورہ بالا دلائل کے بعد کسی صاحب عقل سلیم کے لیے انکار کی گنجائش نہیں رہتی۔ اس وقت منکرین قیامت کو حکم ملے گا چلو، تشریف لے چلو اس جہنم کی طرف جس کا تم انکار کیا کرتے تھے۔ چلو اس سائے کی طرف جس کی تین شاخیں (بنی ہوئی) ہیں۔ ساتھ ہی بتا دیا کہ یہ سایہ ٹھنڈا سایہ نہیں جس کے نیچے آگ کی تپش سے نجات مل جائے۔ بظاہر تو یہ سایہ معلوم ہوتا ہے حقیقت میں یہ دوزخ سے اٹھتا ہوا دھواں ہے۔ اگر کوئی بھاگ کر اس کے تلے پناہ لینا چاہے گا تو اسے پتہ چل جائے گا کہ اس کی کوئی چھاؤں نہیں۔ اس کے نیچے کھڑے ہونے سے کوئی ٹھنڈک محسوس نہیں ہوتی۔ تنور سے اٹھتے ہوئے دھوئیں کو آپ دیکھیں تو پہلے وہ ایک بگولے کی طرح اٹھتا ہے، جب وہ فضا میں بلند ہوتا ہے تو اس کی کئی شاخیں الگ الگ بننے لگتی ہیں۔ دوزخ سے جو دھواں اٹھے گا اس کی تین شاخیں ہوں گی۔

كَالْقَصْرِ ﴿۳۲﴾ كَأَنَّهُ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ﴿۳۳﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۴﴾

جیسے محل۔ گویا وہ زرد رنگ کے اونٹ ہیں ۱۴؎ تباہی ہوگی اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ۱۵؎

هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ﴿۳۶﴾

یہ وہ دن ہوگا جس میں نہ وہ بول سکیں گے ۱۶؎ اور نہ انہیں اجازت ملے گی کہ وہ کچھ عذر پیش کریں ۱۷؎

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۷﴾ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ جَمَعْنٰكُمْ

تباہی ہوگی اس روز جھٹلانے والوں کے لیے ۱۸؎ (اے کافرو!) یہ فیصلے کا دن ہے (جس میں) ہم نے تمہیں اور

وَالْأَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ ﴿۳۹﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ

اگلوں کو جمع کر دیا ہے ۱۹؎ پس اگر تمہارے پاس کوئی چال ہے تو میرے خلاف استعمال کرو ۲۰؎ تباہی ہوگی اس روز

۱۴؎ یہاں آتش جہنم کی ہولناکی کا ذکر کیا جا رہا ہے کہ اس کی آگ سے جو شرارے اٹھیں گے وہ اتنے بڑے بڑے ہوں گے جیسے کوئی شاہی محل ہو۔ بلکہ یوں سمجھیے جیسے محل کے قد کے شرارے اور چنگاریاں ہوں گی اور ان کی رنگت زرد ہوگی۔ دیکھنے والوں پر یہ تاثر ہوگا جیسے زرد رنگ کے اونٹوں کی قطار جنگل میں پھیل گئی ہو۔ پہلے ان کے حجم کا ذکر کیا اب ان کی ڈراونی رنگت کی کیفیت بیان کی۔ بعض نے صُفر کا معنی سیاہ بھی کیا ہے۔

۱۵؎ جنہوں نے اتنے خوفناک دن اور ایسے دردناک عذاب کو دنیا میں تسلیم نہ کیا بلکہ اس کا انکار کرتے رہے اس کا مذاق اڑاتے رہے وہ خود ہی بتائیں کہ قیامت کے روز ان کے مقدر میں تباہی، رسوائی اور ہلاکت کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔

۱۶؎ اس روز ان منکرین کا کیا حال ہوگا۔ فرمایا خوف کے مارے زبان گونگی ہو جائے گی۔ قوت گویائی سلب ہو جائے گی ہر وقت قینچی کی طرح تیز چلنے والی زبان ایک لفظ بھی نہ بول سکے گی۔

۱۷؎ دنیا میں بہانہ سازی کے فن میں وہ ید طولیٰ رکھتے تھے جب کہیں پھنس جاتے کوئی نہ کوئی ایسا عذر تراشتے کہ ان کی گلو خلاصی ہو جاتی ان کو اپنی اس قابلیت پر بڑا ناز تھا اور اسی چیز نے انہیں بدکاریوں پر دلیر کر دیا تھا۔ دنیا میں تو بے شک ان کی یہ مہارت مسلّم تھی لیکن قیامت کے دن ان کے لبوں کو سی دیا جائے گا اور انہیں کسی قسم کا عذر بہانہ پیش کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

۱۸؎ جب وہ اس طرح پھنسے ہوں گے تو ان کی تباہی و بربادی میں کسی کو کیا شک ہو سکتا ہے۔

۱۹؎ انہیں کہا جائے گا یہ کرکا بازار نہیں، یہ عکاظ کا میلہ نہیں، یہ پیرس اور جنیوا کے اوپیرا تھیٹر نہیں، یہ یو۔این۔او کا ہیڈ کوارٹر نہیں کہ جو کسی کے جی میں آئے بکتا چلا جائے۔ یہ مقامات کے آخری فیصلہ کا دن ہے۔ یہاں کسی بدکار منکر کو یاوہ گوئی کی اجازت

لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۰﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِىْ ظِلٰلٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۴۱﴾ وَّفَوَاكِهَ

جھٹلانے والوں کے لیے۔ ۴۱؎ بے شک پرہیزگار (اللہ کی رحمت کے) سایوں میں اور چشموں میں ہوں گے اور (ان) پھلوں میں ہوں گے

مِمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۴۲﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓــًٔۢا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّا

جن کو وہ پسند کریں گے۔ (انہیں کہا جائے گا) مزے سے کھاؤ اور پیو ان اعمال کے صلہ میں جو تم کیا کرتے تھے۔ ہم

كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۵﴾ كُلُوْا

یونہی صلہ دیا کرتے ہیں نیکوکاروں کو ۲۲؎ تباہی ہوگی اس روز جھٹلانے والوں کے لیے ۲۳؎ (اے منکرو!) اب

نہیں مل سکتی۔

یہ اس وقت کا ذکر ہے جب ان پر فرد جرم ثابت ہو جائے گا۔ فرشتوں کے لکھے ہوئے صحیفے بلکہ ان کے اپنے ہاتھ پاؤں ان پر گواہی دے چکے ہوں گے۔ اس سے پہلے تو وہ بڑے بڑے سوانگ رچائیں گے۔ کبھی کہیں گے ہم دنیا میں دن بھر کے لیے گئے اور واپس بلا لیے گئے۔ اس قلیل مدت میں ہم کیا کرتے۔ کبھی کہیں گے کہ ہمارے پاس آپ کا بھیجا ہوا کوئی رسول نہیں گیا اور نہ کسی نے ہم کو خواب غفلت سے جگایا ہے اور بعض کفار اور بدکار تو اپنے آپ کو بالکل معصوم عن الخطا کہیں گے کہ ہم نے زندگی بھر میں کوئی نافرمانی نہیں کی، کوئی حکم عدولی نہیں کی۔ غرضیکہ جتنے منہ اتنی باتیں، لیکن جب دلائل سے ان کا مجرم ہونا ثابت ہو جائے گا اس وقت ان سے قوت گویائی سلب کر لی جائے گی۔

۲۰؎ تمہیں اپنی چالاکی اور عیاری پر بڑا گھمنڈ تھا۔ دنیا میں تم اپنے دشمنوں کے خلاف بڑی خطرناک چالیں چلا کرتے تھے۔ اے بڑے عیارو! بڑے چالبازو! اگر تمہاری پٹاری میں کوئی مکر، کوئی چال ہو تو اسے باہر نکالو اور اسے ہمارے خلاف استعمال کرو۔ ہم بھی تو دیکھیں تمہیں اس فن میں کتنا کمال حاصل ہے۔ لیکن اس وقت انہیں جان کے لالے پڑے ہوں گے۔ بھڑکتے ہوئے دوزخ کو سامنے دیکھ کر ان پر جانکنی کی کیفیت طاری ہوگی، بجز خاموشی کے کوئی چارہ نہ ہوگا۔

۲۱؎ اس دن جھٹلانے والوں کے حصہ میں ہلاکت و تباہی ہوگی۔ وہ آج کیوں اس تباہی سے بچنے کے لیے فکر نہیں کرتے۔

۲۲؎ مجرموں کے ساتھ تو یہ سلوک ہوگا لیکن وہ لوگ جنہوں نے اپنی ساری زندگی اللہ تعالیٰ سے ڈر کر گزاری، اس کے احکام کی پابندی کرتے رہے، قیامت کے تصور سے ہی ان کے دل لرزتے رہے۔ ان پاکباز اور نیک بخت لوگوں کے ساتھ جو سلوک کیا جائے گا اب اس کا بیان ہو رہا ہے۔

۲۳؎ اہل جنت کے ذکر کے بعد اس جملے کو دہرانے میں کیا حکمت ہے۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں۔ حيث نال اعداءهم هذا الثواب العظيم وهم بفراق العذاب الاليم۔ یعنی ان کے دشمن جن کو زندگی بھر وہ ستاتے رہے، ان پر ظلم توڑتے رہے، انہیں

وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۷﴾

کھاؤ اور عیش کر لو تھوڑا سا وقت، بے شک تم مجرم ہو ۲۴ تباہی ہو گی اس روز جھٹلانے والوں کے لیے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ

اور (آج) جب ان سے کہا جاتا ہے اپنے رب کے سامنے جھکو تو نہیں جھکتے ۲۵ تباہی ہو گی اس روز

لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۰﴾

جھٹلانے والوں کے لیے ۲۶ آخر کس بات پر وہ اس کتاب کے بعد ایمان لائیں گے؟ ۲۷

ع ۲ / ۲۲

طرح طرح کی انگشت نمائیاں کرتے رہے، ان کو حقیر و نادان سمجھتے تھے، وہ آج اپنے پروردگار کے پاس فردوس بریں میں اس کے لطف و کرم سے محظوظ ہو رہے ہیں۔ فرشتے، غلمان اور حوریں ان کی نازبرداریاں کر رہی ہیں اور یہ جو بڑے معزز اور رئیس بنے ہوئے تھے آج اس ذلت میں گرفتار ہیں۔

۲۴؎ سورت کے اختتام سے پہلے منکرین قیامت کو پھر جھنجھوڑا جا رہا ہے کہ طرح طرح کے لذیذ کھانے خوب سیر ہو کر کھالو، دنیوی عزتیں اور بڑائیاں جو تمہیں حاصل ہیں اور جو عیش و عشرت کا سامان تمہیں میسر ہے اس سے جی بھر کر لطف اٹھالو۔ یہ رونق میلہ چند روزہ ہے۔ درحقیقت تم بدترین مجرم ہو۔ صرف مہلت کی مدت گزرنے اور مقررہ گھڑی آنے کا انتظار ہے۔ تمہیں اپنا انجام معلوم ہو جائے گا۔

۲۵؎ یعنی کفار کو جب کہا جاتا ہے کہ سرکشی اور نافرمانی کی روش ترک کر دو اور اپنے رب کے حضور میں تواضع و انکساری اختیار کرو، اس کے احکام کے سامنے اپنی اکڑی ہوئی گردنیں جھکا دو۔ اس کے رسول کے فرمان کو قبول کر لو اور نمازیں پڑھا کرو تو انہیں یہ اچھی بات سمجھ ہی نہیں آتی۔ نماز کو ادا کرنے کے لیے ان کے دل میں شوق پیدا ہی نہیں ہوتا۔ ارکعوا سے مراد پوری نماز ادا کرنا ہے۔ نماز کو رکوع سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ بنی ثقیف کو جب سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اور نماز کا طریقہ بتایا تو کہنے لگے کوئی ایسی نماز بتائیں جس میں یہ رکوع و سجود نہ ہو۔ ہم رئیسوں کے لیے یوں جھکنا اور پھر زمین پر منہ کے بل گر پڑنا بڑے عیب کی بات ہے تو رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا لا خیر فی دین لیس فیہ رکوع ولا سجود۔ اس دین میں کوئی خوبی نہیں جس میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رکوع و سجود نہیں۔ وہ مسلمان جو اپنے رب کو سجدہ نہیں کرتے، رکوع نہیں کرتے، نماز ادا نہیں کرتے اور پھر مسلمان ہونے کے مدعی بھی ہیں اور اس اقرار پر خوش بھی ہیں، وہ اپنے انجام کے بارے میں خود سوچ لیں۔

۲۶؎ جن لوگوں کی پیشانیوں کو اپنے رب کی جناب میں سجدہ کرنے اور جھکنے کی سعادت نصیب نہیں ہوئی بار بار سمجھانے کے باوجود وہ اس شرف سے محروم رہے، ان کے لیے روز قیامت بجز ویل و ہلاکت کے اور کیا ہو سکتا ہے۔

۲۷؎ اگر وہ عقل و خرد سے کام لیتے اور غور و فکر کی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے تو قرآن کریم کے چشمۂ صافی و شیریں سے وہ اپنی تشنہ لبی کا درماں کر لیتے۔ اس آفتاب ہدایت کے انوار سے وہ اپنی زندگی کی جلوتوں اور خلوتوں کو روشن کر لیتے۔ لیکن ان بدنصیبوں نے ایسا نہیں کیا۔ اس کے بعد اس سے زیادہ موثر، اس سے زیادہ شیریں، اس سے زیادہ حقیقت افروز کتاب انہیں کہاں نصیب ہوگی کہ وہ اس پر ایمان لے آئیں گے۔ وہ ازلی بدبخت ہیں۔ ان کی قسمت میں ہدایت کی نعمت ہے ہی نہیں۔

○

اللهم اياك نعبد ولك نصلي ونسجد واليك نسعى ونحفد ونرجو رحمتك ونخشى عذابك ان عذابك بالكفار ملحق۔ اللهم صل وسلم وبارك على سيدنا ومولانا وحبيبنا وشفيعنا

مُحَمَّدٍ

المبعوث رحمة للعالمين وعلى اله واصحابه ومن احبه واتبعه الى يوم الدين۔ رب اوزعني ان اشكر نعمتك التي انعمت علي وعلى والدي وان اعمل صالحا ترضه واصلح لي في ذريتي اني تبت اليك واني من المسلمين۔ فاطر السموت والارض انت ولي في الدنيا والاخرة توفني مسلما والحقني بالصالحين۔

○

تعارف

سُورَۃُ النَّبَاِ

نام : اس سورت مبارکہ کا نام النبأ ہے جو دوسری آیت سے ماخوذ ہے۔ اس کے علاوہ اسے سورۂ عم، سُورت عم یتساء لون اور التساؤل بھی کہا جاتا ہے۔ یہ دو رکوعوں اور چالیس یا اکتالیس آیتوں پر مشتمل ہے۔ اس کے کلمات کی تعداد ۱۷۳ اور حروف کی تعداد ۹۷۰ ہے۔

نزول : باتفاق علماء یہ عہد نبوت کی ابتداء میں مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔

مضامین : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات ویسے تو اہل مکہ کے لیے حیرت انگیز تھی وہ لوگ حضور کی باتیں سنتے اور حضور کے اعمال کا مشاہدہ کرتے تو ان پر عجیب قسم کی سراسیمگی طاری ہو جاتی۔ سب سے زیادہ جس چیز نے انہیں پریشان کر رکھا تھا وہ نبی کریم کا یہ ارشاد تھا کہ اس جہانِ رنگ و بُو کے بعد ایک اور جہان بھی ہے۔ اس چند روزہ زندگی کے بعد ایک ایسی زندگی بھی ہے جس کی انتہا نہیں۔ قیامت کے دن انہیں اور ان کے آباؤ اجداد کو قبروں سے نکال کر ربّ کائنات کے سامنے پیش کیا جائے گا اور وہاں اُن سے اُن کے چھوٹے بڑے اعمال کا حساب لیا جائے گا۔ اُن کی عقل جس کی دقیقہ سنجی پر انہیں بڑا گھمنڈ تھا اس بات کو تسلیم کرنے کے لیے ہرگز تیار نہ تھی۔ ہزاروں صدیوں کی پہنائیوں میں اُن کی مشتِ غبار کے بکھرے ہوئے ذرّے کون جمع کرے گا اور پھر ان میں رُوح کیسے پھونکی جائے گی۔ وہ اس مسئلہ پر شب و روز غور کرتے آپس میں بحث و تمحیص کرتے ان کی مجلسوں میں اس موضوع پر گرما گرم مذاکرے ہوتے لیکن وہ کسی صُورت میں وقوعِ قیامت کو ماننے کے لیے اپنے آپ کو تیار نہ پاتے۔ اس نہ ماننے میں ایک نفسیاتی جھجک بھی سدِ راہ بنی ہُوئی تھی۔ اگر وہ وقوعِ قیامت کو تسلیم کرتے ہیں تو ان کی زندگی کا سارا نقشہ تلپٹ ہو کر رہ جاتا ہے۔ اُس معاشرہ میں انہیں لُوٹ کھسوٹ کی جو آزادی میسر تھی۔ عیش و طرب کی محفلیں جن میں مدہوش اور بدمست جوانیاں ساری رات محوِ رقص رہا کرتیں۔ بادۂ ارغوانی کے بلوریں جام مصروفِ گردش رہتے۔ جہاں کسی ضرورت مند کا استحصال مباح تھا۔ جہاں قرض خواہ اپنے مقروض سے من مانی شرح پر سُود لیا کرتا تھا۔ اگر وہ روزِ حساب پر ایمان لاتے ہیں تو اُن کو تمام لغویات سے دست کش ہونا پڑتا ہے جس کے لیے وہ تیار نہ تھے۔ اس سنگِ گراں کو ان کی راہ سے ہٹانے کے لیے قرآن کریم میں متعدد بار بڑے زور شور سے بڑے زوردار دلائل پیش کیے گئے ہیں۔

اس سورۂ مبارکہ میں بھی یہی موضوع زیر بحث ہے۔

پہلے تو دو ٹوک الفاظ میں یہ بتا دیا کہ تمہارے انکار سے حقیقت نہیں بدل سکتی۔ قیامت ضرور برپا ہوگی تم خود اپنی آنکھوں سے

اس کا مشاہدہ کروگے اور اس کا اعتراف بھی کروگے لیکن اُس وقت تمہارا قیامت پر ایمان لانا تمہیں جہنم سے بچا نہ سکے گا۔

پھر اُن کے اس اعتراض کا جواب دیا کہ اُن کے منتشر ذرّوں کو کیسے جمع کیا جائے گا۔ بتایا کہ ان ذرّوں کو جمع کرنے والا وہ قادرِ مطلق اور حکیم و علیم خُدا ہے جس کی قُدرت اور حکمت کے جلوے قدم قدم پر اس کی کبریائی کی گواہی دے رہے ہیں جو ایسے محیّر العقول کام سرانجام دے سکتا ہے اس کے لیے تمہیں از سرِ نو زندہ کرنا قطعاً مشکل نہیں ہے۔

اس کے بعد قیامت برپا کرنے کی حکمت بتائی کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک انسان ساری عمر لوگوں پر ظلم و ستم کرتا رہے غریبوں کو لُوٹتا رہے، داد عیش دیتا رہے، اپنے خالق کی نافرمانی کرتا رہے اور دُوسرا شخص ساری عمر بنی نوعِ انسان کی خدمت کرتا رہے۔ دکھیوں کی غمگساری محتاجوں کی امداد یتیموں اور بیواؤں کی سرپرستی کرتا رہے۔ اپنے ربِ کریم کی اطاعت سے سرِ مُو انحراف نہ کرے ان دو شخصوں کے عملوں میں اتنے سنگین تفاوت کے باوجود اس کا نتیجہ یکساں رہے۔ اس سے بڑی ناانصافی اور کیا ہوسکتی ہے۔ بتا دیا کہ قیامت برپا کرنے میں حکمتِ الٰہی یہ ہے کہ بدکاروں کو اُن کی بدی کی سزا دی جائے اور نیکوں کو اُن کی نیکی کا اجرِ عظیم مرحمت فرمایا جائے۔

آخر میں اُس غلط فہمی کا بھی ازالہ کر دیا جس میں اکثر کفار مبتلا تھے۔ وہ کہا کرتے کہ اگر قیامت آ بھی گئی تو اس روز بھی اللہ کی نعمتیں ہمیں ہی ملیں گی۔ ہمیں جو عزت اور سرفرازی اس دُنیا میں نصیب ہے۔ قیامت کے دن بھی یہ ہمیں نصیب ہوگی۔ ہمارے جاں نثار خدّام اور وفادار غلام اس وقت ہمارے ارد گرد حلقہ زن ہوں گے۔ اگر کسی فرشتہ نے ہماری طرف دستِ تعدّی دراز کیا تو ہمارے در جنوں جواں سال اور بہادر بیٹے اُن کو مزا چکھا دیں گے اور یہ ہمارے بُت جن کی ہم پرستش کرتے ہیں قیامت کے دن ہماری شفاعت کریں گے۔ اس لیے ہمیں دوزخ کا کوئی اندیشہ نہیں۔ ان کم نگاہوں کو بتا دیا کہ اس قسم کی خام خیالیوں کو اپنے دل سے نکال دو۔ وہاں کسی کی مجال نہ ہوگی کہ دم مار سکے۔ شفاعت کے لیے وہی زبان کھول سکے گا جس کو رحمٰن و رحیم نے منصبِ شفاعت پر سرفراز کیا ہوگا۔ تمہارے یہ بُت اُس روز خود دوزخ کا ایندھن بنیں گے۔ تمہاری نجات کا انہیں کب خیال ہوگا۔ آخر میں تنبیہ فرما دی کہ آج راہِ حق اختیار کر لو۔ اس فرصت کو غنیمت جانو ورنہ قیامت کے روز تمہاری حالت اتنی ناگفتہ بہ ہوگی کہ تم اپنی زندگی سے بے زار ہوگے اور بصد حسرت یہ کہہ رہے ہوگے۔ يٰلَيْتَنِىْ كُنْتُ تُرٰبًا ۝ (کاش کہ میں مٹی ہو جاتا)۔

نیو ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا

۶-۴-۷۷

سُوْرَةُ النَّبَاِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ النبأ مکی ہے اور یہ چالیس آیتوں پر مشتمل ہے اور اس میں دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ۝١ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ۝٢ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ

وہ کس چیز کے بارے میں ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہیں؟ کیا وہ اس بڑی اہم خبر کے بارے میں پوچھ رہے ہیں ۱؎ جس میں وہ اختلاف

مُخْتَلِفُوْنَ ۝٣ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝٤ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝٥ اَلَمْ نَجْعَلِ

کرتے رہتے ہیں ۲؎ یقیناً وہ اسے جان لیں گے پھر یقیناً وہ اسے جان لیں گے (کہ قیامت برحق ہے) ۳؎ کیا ہم نے نہیں

۱؎ یہ سورت ان سورتوں میں سے ایک ہے جو اعلانِ نبوت اور آغازِ دعوت کے ابتدائی سالوں میں نازل ہوئیں۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم جس ہمہ گیر انقلاب کے داعی بن کر تشریف لائے تھے اس کی کامیابی کا انحصار عقیدۂ قیامت پر تھا اور اسی عقیدہ کو تسلیم کرنا کفارِ مکہ کے لیے ازحد مشکل تھا۔ اس لیے اس سورت میں بھی قیامت کے بارے میں کفار کی غلط فہمیوں کو دور کیا جارہا ہے اور ان کے سامنے اپنی قدرتِ کاملہ کے ایسے دلائل پیش کیے جارہے ہیں کہ اگر وہ تعصب سے بلند ہو کر ان میں غور کریں تو انہیں وقوعِ قیامت پر یقین آجائے اور اس کے انعقاد میں جو گوناگوں حکمتیں ہیں وہ ان پر آشکارا ہو جائیں۔

عَمَّ: اصل میں عن ما تھا۔ ما استفہامیہ پر جب حرفِ جار داخل ہو تو تخفیف کے لیے الف کو گرا دیتے ہیں جیسے لِمَ، فِیمَ، عَمَّ۔ نیز اس طرح ما استفہامیہ اور خبریہ میں امتیاز ہو جاتا ہے۔ پوچھا جارہا ہے کہ یہ کفارِ مکہ کے سردار کس موضوع پر تبادلۂ خیال کرتے رہتے ہیں، کس چیز کے بارے میں ایک دوسرے سے پوچھ گچھ کررہے ہیں۔ دوسری آیت میں خود بتا دیا کہ یہ بحث و تمحیص، یہ چہ میگوئیاں ایک بڑی اہم خبر کے بارے میں ہو رہی ہیں۔

علامہ راغب لکھتے ہیں النبأ خبرٌ ذو فائدۃ عظیمۃ۔ نبأ اس خبر کو کہتے ہیں جس میں بہت بڑا فائدہ ہو (المفردات)۔ اس کو عظیم کی صفت سے موصوف کیا یعنی یہ خبر معمولی قسم کی نہیں جس کا جاننا نہ جاننا برابر ہے بلکہ اس خبر کا بہت بڑا فائدہ ہے اور یہ اپنی ذات میں بہت ہی بڑی اور اہم ہے۔ اکثر مفسرین کی یہی رائے ہے کہ اس سے مراد قیامت کے وقوع کی خبر ہے۔

۲؎ فرمایا کہ ان کی چہ میگوئیوں اور بحث و تمحیص کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ اس کے بارے میں وہ متفق الرائے نہیں ہیں بلکہ بھانت بھانت کی بولیاں بول رہے ہیں۔ اس کے بارے میں ان کی آراء کے اختلاف کی کوئی حد نہیں۔ بعض لوگ وقوعِ قیامت کو اس لیے ناممکن کہتے ہیں کہ ان کے

نزدیک یہ عالم قدیم ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ یہ نیلگوں آسمان، اس میں آویزاں اربوں چمکتے دمکتے ستارے، یہ سورج، یہ چاند، یہ فلک بوس پہاڑ، یہ مختلف عناصر، یہ سب چیزیں ہمیشہ یونہی برقرار رہیں گی۔ ان کے درہم برہم ہو جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور نہ ان کو درہم برہم کر دینا کوئی ممکنہ فعل ہے۔ اس لیے قیامت کے بارے میں جو کچھ ہمیں بتایا جا رہا ہے یہ سب من گھڑت باتیں ہیں۔

بعض کا یہ خیال ہے کہ ہماری صرف یہی دنیوی زندگی ہے، اس کے بعد اور کوئی زندگی نہیں۔ وہ کہتے ہیں ان هی الا حیاتنا الدنیا وما نحن بمبعوثین۔ (الانعام آیت ۲۹) بس ہماری یہی دنیوی زندگی ہے اور ہمیں دوبارہ زندہ کر کے ہرگز نہیں اٹھایا جائے گا۔ اس کی وجہ ان کے نزدیک یہ ہے، وہ کہا کرتے۔ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْمٌ، جب ہماری ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی اور مٹی میں مل جائیں گی اور ہوا کے جھونکے انہیں صد بار الٹ پلٹ کر کے رکھ دیں گے تو پھر ان بکھرے ہوئے ذروں کو جمع کرنا قطعاً ناممکن ہے اور بعض لوگ قیامت کو ناممکن تو خیال نہیں کرتے تھے لیکن انہیں یہ بھی یقین نہ تھا کہ قیامت ضرور آئے گی۔ وہ گومگو کی کیفیت میں مبتلا تھے۔ ان نظن الا ظناً وما نحن بمستیقنین۔

اور بعض اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ پہلے تو قیامت برپا ہی نہ ہوگی اور اگر بفرض محال برپا ہوئی بھی تو اس روز بھی اللہ تعالیٰ اپنے لطف و احسان سے ہمیں ہی سرفراز کرے گا۔ یہ لوگ جو آج غربت کے شکنجہ میں کسے ہوئے ہیں، ان کا اس روز بھی کوئی پرسان حال نہ ہوگا۔ ان میں سے کئی ایسے لوگ بھی تھے جنہیں علمائے نصاریٰ کے پاس اٹھنے بیٹھنے کا موقع ملا تھا اور ان کی باتوں سے متاثر ہو کر وہ اگرچہ جسمانی بہشت کے قائل تو نہ تھے لیکن روحانی بہشت کو وہ تسلیم کرتے تھے اور بعض تناسخ کے قائل تھے کہ روح، اپنے نیک و بد اعمال کے بعد جسم بدلتی رہتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ جتنے منہ اتنی باتیں۔

سـ ان آیتوں میں کَلَّا کا لفظ تحقیق طلب ہے۔ علامہ بدرالدین زرکشی نے اپنی کتاب البرہان فی علوم القرآن میں اس کی خوب تحقیق کی ہے۔ وہیں سے استفادہ کرتے ہوئے یہ چند سطور ہدیۂ ناظرین ہیں۔

سیبویہ کے نزدیک کَلَّا حرف ردع اور زجر ہے۔

صفار کہتے ہیں یہ اسم ہے اور کسی کلام کو رد کرنے کے لیے مستعمل ہوتا ہے قال اصحاب موسیٰ انا لمدرکون قال کلا۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں نے کہا ہم تو پکڑے گئے۔ آپ نے ان کے اس کلام کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کَلَّا۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ نہ فرعون ہمیں اپنے محاصرہ میں لے سکتا ہے اور نہ سمندر ہمارا راستہ روک سکتا ہے۔ اور کبھی یہ حقاً کے معنی میں ہوتا ہے۔ اب یہ کیسے معلوم ہو کہ کَلَّا ردع اور رد کے لیے استعمال ہوا ہے یا حقاً کے معنی میں مستعمل ہے تو علامہ زرکشی کہتے ہیں کہ اگر وقف کَلَّا پر ہو تو اس وقت ردع اور رد کے معنی میں ہوگا اور کَلَّا سے پہلے وقف ہو اور کَلَّا سے اگلے جملے کی ابتدا ہو تو اس وقت یہ حقاً کے معنی میں ہوگا۔ ان دو آیتوں میں کَلَّا سے جملے کی ابتدا ہو رہی ہے اور وقف اس سے پہلے ہے اس لیے یہاں حقاً کے معنی میں ہوگا۔ ومنهم من نظر الی المعنیین فیقف علیها اذا کانت بمعنی الردع ویبتدئ بها اذا کانت بمعنی التحقیق وهو اولیٰ (البرہان) یہ اختلاف صرف اولیت میں ہے۔ اگر اسے ردع اور رد کے معنی میں لیا جائے تو پھر بھی غلط نہ ہوگا۔ زرکشی اس کی ترکیب کے متعلق لکھتے ہیں۔ وتکون کلا بمعنی حقا عند الکسائی فیبتدأ بها التاکید ما بعدها فتکون فی موضع المصدر ویکون موضعها انصبا علی المصدر والعامل محذوف ای احق ذلک حقا۔ (البرہان) یعنی کسائی کے نزدیک کَلَّا، حقاً کے معنی میں ہوگا اور اس سے جملے کی ابتدا ہوگی۔ اس کا مقصد بعد میں آنے والے کلام کی تاکید کرنا ہوتا ہے۔ اس وقت یہ مصدر ہوگا اور عامل محذوف کا مفعول مطلق ہوگا اور منصوب ہوگا۔ نیز

الْاَرْضَ مِهٰدًا ۙ﴿۶﴾ وَّ الْجِبَالَ اَوْتَادًا ۙ﴿۷﴾ وَّ خَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۙ﴿۸﴾ وَّ جَعَلْنَا

بنا دیا زمین کو بچھونا ۶ اور پہاڑوں کو میخیں ۷ اور ہم نے پیدا کیا ہے تمہیں جوڑا جوڑا ۸ اور ہم نے بنا دیا ہے

نے علامہ زرکشی کی تحقیق کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔

علامہ قرطبی نے بھی کلّا کا معنی حقًا ذکر کیا ہے۔ ای حقا لیعلمون۔ (قرطبی)

سَيَعْلَمُوْنَ کا مفعول مذکور نہیں لیکن سیاقِ کلام سے پتہ چلتا ہے کہ یہ وہی چیز ہے جس کے متعلق وہ چہ میگوئیاں کر رہے ہیں اور جیسے پہلے بتایا گیا ہے کہ اکثر مفسرین کے نزدیک اس سے مراد قیامت ہے۔

۶ منکرین قیامت سے پوچھا جا رہا ہے کہ کیا ہم نے اس کرۂ ارض کو تمہارے لیے بچھونے کی طرح آرام دہ نہیں بنا دیا۔ تمہاری بقا، تمہاری نشوونما اور آرام و آسائش کے لیے جو جو چیزیں مطلوب تھیں سب کی سب بڑی فیاضی سے تمہارے لیے مہیا کر دی گئی ہیں۔ حدِ نگاہ تک پھیلے ہوئے زرخیز میدان، ان میں لہلہاتے ہوئے کھیت، سرسبز باغات، اُبلتے ہوئے چشمے، ٹھنڈے اور میٹھے پانی کے دریا کس نے بنا دیے ہیں۔ جس علیم و قدیر نے تمہیں زندہ و سلامت رکھنے کے لیے کمال حکمت سے ہر چیز فراہم کر دی ہے، کیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ تمہیں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر دے۔

۷ فلک بوس سلسلہ ہائے کوہ کی طرف دیکھو، یوں معلوم ہوتا ہے جیسے کیل کی طرح انہیں زمین میں گاڑ دیا گیا ہے تاکہ اس کے وزن سے کرۂ زمین کی اضطراری حرکت رک جائے۔ اس کے علاوہ ان پہاڑوں میں تمہارے لیے ان گنت فوائد اور منافع ہیں۔ جو ذات اتنے بڑے بڑے پہاڑ پیدا کرنے پر قادر ہے اس کے بارے میں یہ خیال کہ وہ بالشت بھر کے انسان کو دوبارہ پیدا نہیں کر سکتی، کتنا بڑا دھوکہ ہے۔

۸ اگر تمہاری نظر اتنی بینا نہیں کہ وسیع زمین اور فلک بوس پہاڑوں میں اس کی حکمت کے جلووں کو دیکھ سکو تو آؤ! اپنی ذات میں غور کرو۔ اس نے تم سب کو مرد ہی پیدا نہیں کیا اور نہ سب کو عورتیں بنایا۔ تم خود سوچو مرد و زن دونوں کی تخلیق اسی قطرۂ آب سے ہوتی ہے، ایک ہی رحم میں نشوونما پاتے ہیں۔ خوراک بھی دونوں کی یکساں ہے، لیکن کسی کو لڑکا بنا دیا اور کسی کو لڑکی۔ ایک باپ بننے کے قابل ہے دوسری ماں بننے کے قابل ہے۔ جسے باپ بننا ہے اس کو تمام ایسے آلات، قوتیں اور صلاحیتیں بخش دی ہیں جس کے باعث وہ باپ بننے کے منصب پر فائز ہو سکتا ہے، جس کو ماں بننا ہے وہ ماں بننے کی تمام جسمانی اور نفسیاتی صلاحیتوں سے بہرہ ور ہے۔ اگر تمہیں جوڑا جوڑا نہ بنایا جاتا تو افزائشِ نسل کیسے ہوتی۔ اگر تم جوڑا جوڑا پیدا نہ کیے جاتے تو زندگی کا یہ کٹھن سفر ہر کیف و رنگ سے محروم ہوتا۔ جس ذاتِ پاک نے نسلِ انسانی کو مرد و زن میں تقسیم کر کے ان کی تمام صنفی ضروریات کا اہتمام کیا ہے اس کے لیے تمہیں دوبارہ زندہ کرنا قطعاً مشکل نہیں۔

نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ﴿٩﴾ وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ﴿١٠﴾ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ﴿١١﴾

تمہاری نیند کو باعث آرام ۸؎ نیز ہم نے بنادیا رات کو پردہ پوش ۹؎ اور ہم نے دن کو روزی کمانے کے لیے بنایا ۱۰؎

۷؎ اگر ان باریکیوں میں غوطہ زنی کی تمہیں مہلت نہیں تو ذرا اپنی نیند اور بیداری کی دو مختلف حالتوں میں غور کرو۔ بیداری کی حالت میں تم دماغی یا جسمانی مشقت کرتے ہو، تم تھک کر چور ہو جاتے ہو۔ تم میں مزید کام کرنے کی سکت باقی نہیں رہتی۔ اچانک نیند تمہیں اپنی آغوش میں لے لیتی ہے۔ کچھ وقت کے لیے تم دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتے ہو۔ جملہ تفکرات اور اندیشوں سے تمہیں نجات مل جاتی ہے۔ کچھ دیر سو لینے کے بعد جب تم بیدار ہوتے ہو تو دماغی درماندگی اور جسمانی تھکاوٹ کافور ہو چکی ہوتی ہے۔ جوش و نشاط کی کیفیت عود کر آتی ہے اور تم از سر نو جہاد زندگی کا آغاز کر دیتے ہو۔

سنو! ہم نے ہی تمہارے لیے نیند کو آرام و راحت کا ذریعہ بنایا ہے۔ اگر ہم تمہیں نیند کی نعمت سے محروم کر دیں تو یہ زندگی تمہارے لیے موت سے بھی زیادہ تکلیف دہ بن جائے اور دنیا کی ساری لذتیں ہیچ ہو جائیں۔ یہ میری قدرت ہے جس نے نیند جیسے تم موت کی بہن کہا کرتے ہو اسی کو ہم نے قوت و نشاط کا سرچشمہ بنا دیا ہے۔ جس کی قدرت کا اظہار یہ عالم ہے کیا اس کے لیے تمہیں دوبارہ زندہ کرنا ناممکن ہے۔ کچھ تو انصاف سے کام لو۔

لفظ سُبَات کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ راغب لکھتے ہیں: وجعلنا نومکم سباتا ای قطعا للعمل واصل السبت القطع (مفردات) سبت کا معنی کسی چیز کے تسلسل کا منقطع ہو جانا۔ جب انسان کو نیند آتی ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے اور وہ بے حس و حرکت اپنی چارپائی پر دراز ہو جاتا ہے۔ لیکن جوہری اپنی صحاح میں لکھتے ہیں السبات: النوم واصله الراحة من قوله تعالیٰ وجعلنا نومکم سباتا۔ یعنی سبات کا اصل معنی راحت و سکون ہے اور اس آیت میں سبات اسی معنی میں مستعمل ہوا ہے۔

۸؎ ذرا شب و روز کے اس تسلسل پر غور کرو۔ رات آتی ہے، ساری کائنات پر اندھیرے کا پردہ ڈال دیا جاتا ہے۔ ہر چھوٹی بڑی چیز اس میں لپٹ کر رہ جاتی ہے۔ جو کام دن کے اجالے میں تم نہیں کر سکتے وہ رات کی اس تاریکی میں تم بلا تکلف انجام دے سکتے ہو۔ دن بھر کی تگ و دو کے بعد تم گھر واپس آتے ہو، اپنے بال بچوں کے ساتھ رات بسر کرتے ہو۔ تمہیں رات کے تاریک سناٹوں میں جو آرام ملتا ہے اور جو میٹھی نیند تم سوتے ہو وہ آرام اور میٹھی نیند دن کے اجالے میں کہاں نصیب ہوتی ہے۔ شیطان اور نفس کے پرستار رات کو ہی اپنے عشرت کدوں کی رونق بڑھاتے ہیں اور خداوند رحمن کے بندے رات کو اٹھتے ہیں جب ساری دنیا سوتی ہے اور اپنے سجدہائے نیاز سے، اپنے نالہ ہائے جگر گداز سے اور اپنی اشکباریوں سے اپنے گوشۂ خلوت میں چراغاں کرتے ہیں۔ کسی کو خبر تک نہیں ہوتی کہ کسی نے کیسی رات گزاری ہے۔ رات کو ایسا لباس اور مکمل پردہ ہم نے بنایا ہے۔

۹؎ معاشا ای سببا للمعاش (مظہری) رات کے برعکس جب دن ہوتا ہے تو پردہ اٹھ جاتا ہے، ہر چیز نظر آنے لگتی ہے، ہر سو روشنی پھیل جاتی ہے، زندگی کی رکی ہوئی گاڑی پھر حرکت کرنے لگتی ہے۔ بازار کھل جاتے ہیں۔ منڈیوں میں چہل پہل شروع ہو جاتی ہے۔ کاشتکار اپنی زمینوں میں ہل جوتتے ہیں۔ غرضیکہ سورج طلوع ہوتے ہی کسب معاش کے لیے جد و جہد اور تگ و دو کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ﴿۱۲﴾ وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ﴿۱۳﴾ وَّاَنْزَلْنَا

اور ہم نے بنائے تمہارے اوپر سات مضبوط (آسمان) ۱۱ اور ہم نے ہی ایک نہایت روشن چراغ بنایا ۱۲ اور ہم نے برسایا

مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ﴿۱۴﴾ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ﴿۱۵﴾ وَّجَنّٰتٍ

بادلوں سے موسلادھار پانی ۱۳ تاکہ ہم اگائیں اس کے ذریعہ اناج اور سبزی نیز گھنے

۱۱ ہماری قدرت اور صنعت کاری کی شان ملاحظہ کرنی ہو تو ذرا آسمانوں کی اس نیلگوں چھت کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھو۔ ہزاروں صدیاں بیت چکی ہیں اس سائبان کو تنے ہوئے۔ بتاؤ شکست و ریخت کا کوئی نشان اس میں نظر آتا ہے۔ کہیں کوئی شکن کوئی سلوٹ کوئی جھول ہرگز نہیں۔ ینقلب الیك البصر خاسئا وھو حسیر۔ بار بار دیکھو، طاقتور دوربینیں لگا کر دیکھو تمہیں کہنگی اور بوسیدگی کی کوئی علامت دکھائی نہ دے گی۔ ان کو اتنا مضبوط بنا دیا گیا ہے کہ بے شمار ستارے اس میں محو گردش ہیں۔ لیکن کسی کی مجال نہیں کہ اپنے مدار سے سرمو سرک سکے تیز رو یا سست گامی کا مظاہرہ کرے یا جو نظام اوقات اس کے لیے مقرر ہے اس میں ایک لمحے کی بھی تاخیر کرے۔ تم ہماری قدرت و طاقت کو اپنی ناقص طاقت پر قیاس کرتے ہو یہ تمہاری سراسر نادانی ہے۔

۱۲ سراج سے مراد سورج ہے۔ اس کو وہّاج کی صفت سے موصوف کیا اور وہّاج ، ھو مضیئ النور والحرارۃ۔ وہاج اس کو کہتے ہیں جو نور و حرارت کا منبع ہو۔ مشہور مفسر قتادہ کہتے ہیں جعل فیھا نورا وحرارۃ والوھج مجمع النور والحرارۃ یعنی اللہ تعالیٰ نے سورج میں نور اور حرارت دونوں کو جمع کر دیا ہے۔

وہ ایک چراغ جو سارے عالم کو منور کر رہا ہے اس کے بنانے والے ہم ہیں، وہ صرف روشن ہی نہیں گرم بھی ہے۔ روشنی اور حرارت دونوں زندگی کا سرچشمہ ہیں۔ اہل علم سے مخفی نہیں کہ کائنات کی یہ ساری چہل پہل، گلشن ہستی کی یہ حسن آرائیاں اور جمال آفرینیاں، نور اور حرارت دونوں کا کرشمہ ہیں۔ اگر اس میں صرف نور ہوتا یا صرف حرارت ہوتی تو زندگی نام کی کوئی چیز یہاں نہ پائی جاتی۔

اس سورج کے بارے میں ہی اگر انسان غور کرے تو اللہ تعالیٰ کے قادر مطلق ہونے کا پختہ یقین حاصل ہو جاتا ہے۔ زمین کے حجم سے اس کا حجم تین لاکھ تیس ہزار گنا بڑا ہے۔ زمین سے اس کا فاصلہ ۹ کروڑ تیس لاکھ میل ہے۔ اس کا درجہ حرارت ایک کروڑ چالیس لاکھ ڈگری سنٹی گریڈ ہے۔ اس کا قطر آٹھ لاکھ چھیاسی ہزار میل ہے جو زمین کے قطر سے ۹۰ گنا ہے۔ آپ اس پر حیران نہ ہوں بعض ستارے سورج سے بھی صد ہا گنا بڑے ہیں۔ کئی ایسے بھی ہیں جن کا قطر سورج کے قطر سے ۸ سو گنا ہے۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا)

زمین سے اتنا دور ہونے کے باوجود وہ مناسب مقدار میں روشنی بھی پہنچا رہا ہے جس کے باعث اس کا چپہ چپہ روشن ہے اور مناسب مقدار میں حرارت بھی فراہم کر رہا ہے جس سے انسانی، حیوانی اور نباتاتی زندگی برقرار ہے۔ زمین سے اس کی مناسب دوری، اس کے طلوع و غروب کا نظام، موسموں کا تغیر و تبدل، رات کا آنا جانا، ہر چیز پکار پکار کر اعلان کر رہی ہے کہ اس کو منبع نور و حرارت بنانے والا، اس کو مناسب دوری پر رکھنے والا، اس کے منظم طلوع و غروب کا لائحہ عمل مرتب کرنے والا قادر مطلق بھی ہے، حکیم بھی ہے اور علیم بھی۔

۱۳ مُعْصِرات : ھی الریاح تعصر السحاب، یعنی معصرات سے مراد وہ ہوائیں ہیں جو بادلوں کو نچوڑتی ہیں اور بارش برستی ہے۔ معصرات ان بادلوں کو بھی کہتے ہیں جو بارش کے پانی سے بھرے ہوئے ہیں اور ابھی انہوں نے برسنا شروع نہیں کیا ہو۔ قال الفراء المعصرات السحاب

أَلْفَافًا ﴿۱۶﴾ إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيقَاتًا ﴿۱۷﴾ يَوْمَ يُنفَخُ فِي الصُّورِ

باغات ۱۳؎ بے شک فیصلہ کا دن ایک معین وقت ہے ۱۴؎ جس روز صور پھونکا جائے گا تو

ینجلب بالمطر ولم یمطر۔ ثجاجا: صبّا۔ مدرارا۔ پانی کا زور سے گرنا۔ موسلادھار بارش۔

۱۳؎ یعنی بادلوں سے بارشوں کا موسلادھار برسانا بے مقصد اور عبث نہیں بلکہ بارشیں برسا کر ہم انسانوں کے لیے ہر طرح کا اناج، حیوانات کے لیے ہر قسم کا چارہ اگاتے ہیں اور اس کے پانی سے گنجان باغات بہار دکھا رہے ہیں جن کی شاخوں پر مختلف ذائقوں کے رنگارنگ پھل تمہارے کام و دہن کی ضیافت کے لیے تیار ہو رہے ہیں۔ یہ سب چیزیں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے شاہکار ہیں، جو اس کی حکمت بالغہ اور علم محیط کی گواہی دے رہی ہیں۔ جس کی قدرت کے حیرت افزا نمونے تم دیکھ چکے ہو، خود انصاف سے بتاؤ کہ کیا تمہیں وہ دوبارہ زندہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ نیز اس کی ہر قدرت میں اس کی بے پایاں حکمت کے جلوے جلوہ طراز ہیں، جس کا ہر کام حکمت ہی حکمت ہے کیا تم اس کے بارے میں یہ باور کر سکتے ہو کہ اس نے انسان کو بے مقصد پیدا کیا۔ انسان کو اشرف المخلوقات بنایا، غور و فکر کی استعداد بخشی، عمل اور ارادہ کی آزادی مرحمت فرمائی، اپنی کائنات کو مسخر کر کے اس کی تگ و تازیوں کے لیے میدان ہموار کر دیا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قوتوں کو اپنی مرضی اور خواہش سے استعمال کرتا رہا۔ کسی نے اپنی قوتوں کو عروس گیتی کے نوک پلک سنوارنے کے لیے صرف کیا، علم و حکمت کے کارواں کی قیادت کی، زندگی کے سنسان صحراؤں میں نیکیوں کے خیابان آباد کیے اور شاہراہ حیات پر ہر قدم بڑی ذمہ داری سے اٹھایا اور آخر دم تک اس نے اپنے پروردگار کی بندگی میں کوتاہی نہ کی۔

اور بعض لوگ انسانیت کا سہاگ لوٹتے رہے، گلشن ہستی کو ویرانیوں اور بربادیوں کے شعلوں سے بھسم کرتے رہے، اپنی سفاکیوں اور خون آشامیوں سے بے گناہوں کے معصوم خون سے ہولی کھیلتے رہے۔ نہ انہوں نے اپنے خالق کو پہچانا اور نہ اپنے معبود کی بندگی اختیار کی اور نیکی کے جتنے چراغ ان کی زد میں آئے انہیں گل کرتے رہے اور اسی طرح اپنی زندگی کو برباد کر دیا۔ تم خود سوچو کہ اگر ان دونوں کو دوبارہ زندہ کر کے جزا و سزا نہ دی جائے تو اس سے بڑا ظلم بھی کوئی اور ہو سکتا ہے؟ کیا تم اس اندھیر گردی کی اپنے رب سے جو رحیم بھی ہے اور کریم بھی توقع رکھ سکتے ہو؟ اس کی حکمت کا یہ تقاضا ہے کہ اپنے نیک بندوں کو وہ زندہ کر کے اپنی ابدی نعمتوں سے سرشار کرے تاکہ انہیں اپنے اعمال صالحہ کا میٹھا پھل نصیب ہو اور بدکاروں اور ظالموں کو دوبارہ زندہ کر کے قعر جہنم میں جھونک دے تاکہ انہیں اپنی فتنہ پرستیوں اور بدکاریوں کی پوری پوری سزا ملے۔ یہ دنیا دار العمل ہے اور وہ عمل جس پر کوئی نتیجہ مرتب نہ ہو وہ فضول اور عبث ہے۔ اس دار العمل میں انسان کو اس کے اعمال کی پوری پوری جزا نہیں مل سکتی۔ خود بتائیے کہ جو حق کی سربلندی کے لیے اپنے وطن اور قوم کی آزادی کے حصول کے لیے لقمۂ اجل بنا اس کو اس دنیا میں اس کا کیا اجر ملا۔ کیا آپ اس عمل کو اتنا معمولی سمجھتے ہیں کہ اس کا اسے کوئی اجر نہ ملنا چاہیے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی حکمت اس امر کی متقاضی ہے کہ اس زندگی کے بعد ایک اور زندگی ہو، اس فنا ہو جانے والی دنیا کے بعد ایک اور جہان ہو، جہاں ہر شخص کو اپنے نیک یا بد اعمال کی پوری پوری جزا ملے۔

۱۴؎ کفار ازراہ مذاق کہا کرتے کہ جس قیامت کی آمد کے بارے میں اتنا شور مچایا جا رہا ہے اسے کہو کہ وہ برپا ہو جائے۔ ہم بھی تو اپنی

فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ﴿۱۸﴾ وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ﴿۱۹﴾ وَّسُيِّرَتِ

تم چلے آؤ گے فوج در فوج ۱۵ اور کھول دیا جائے گا آسمان تو وہ دروازے ہی دروازے بن کر رہ جائے گا ۱۶ اور حرکت دی جائے گی

الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ﴿۲۰﴾ اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ﴿۲۱﴾ لِّلطّٰغِيْنَ

پہاڑوں کو تو وہ سراب بن جائیں گے ۱۷ درحقیقت جہنم ایک گھات ہے ۱۸ (یہ) سرکشوں کا

آنکھوں سے دیکھ لیں کہ جو آپ کہہ رہے تھے وہ سچ ہے۔ انہیں بتایا جا رہا ہے کہ قیامت کا برپا ہونا کوئی کھیل تماشا تو ہے نہیں کہ جب کسی نے کہا اسی وقت اس کی نمائش شروع ہو گئی۔ یہ تو ایک نہایت سنگین حادثہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ایک وقت مقرر کر دیا ہے۔ تم ہزار پاپڑ بیلو، وقتِ مقررہ سے پہلے ایک منٹ بھی یہ برپا نہ ہو گی اور جب اس کا وقت آ جائے گا تو پھر دنیا کی کوئی طاقت اس کو روک نہ سکے گی۔ تمہارا بھلا اسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی کی بات پر یقین کرو اور اس دن کے لیے تیاری شروع کر دو تاکہ اس دن تمہیں پچھتانا نہ پڑے۔

۱۵ آج تو تم اس کا انکار کر رہے ہو لیکن جب صور پھونکا جائے گا تو زمین کے جس دُور دراز گوشے میں تم مدفون ہو گے یا جہاں جہاں تمہارے ذرّے بکھرے پڑے ہوں گے سب جمع ہو جائیں گے اور تم فوج در فوج کشاں کشاں اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہو گے۔ کسی کی مجال نہ ہو گی کہ چادر تان کر سویا رہے، کسی غار میں چھپ جائے یا کہیں بھاگ کر چلا جائے۔

احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ اس روز گروہ بندی نسل، زبان یا وطن کی بنیادوں پر نہ ہو گی بلکہ نیک و بد اعمال کی اساس پر ہو گی۔ مشرق و مغرب کے سُود خور، حرام خور ایک صف میں اکٹھے ہوں گے۔ عرب و عجم کے ظالم و سفاک ایک جگہ جمع ہوں گے۔ اشتراکی اور سرمایہ دار ملکوں میں بسنے والے سارے زانی اور فاجر ایک مقام پر جمع ہوں گے اور سب ایک ساتھ بارگاہِ رب العزت میں حاضر کیے جائیں گے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے نیک لوگوں کی بھی الگ الگ گروہ بندیاں ہوں گی۔ مجاہد اور شہید ایک جگہ، علمائے ربانیین ایک جگہ، اولیائے کاملین ایک جگہ اکٹھے کیے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم ناچیز بندوں کا حشر بھی اس گروہ کے ساتھ کرے جن کے دلوں میں اس کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے عشق کی شمع فروزاں ہے۔ آمین ثم آمین۔

۱۶ روزِ حشر کی کیفیت پہلے بیان ہوئی۔ قیامت کے ابتدائی مرحلوں کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ اس روز یہ مضبوط آسمان جگہ جگہ سے پھٹ جائے گا یوں معلوم ہو گا جیسے ہر جگہ دروازے ہی دروازے ہیں۔ آلام و مصائب کا طوفان کسی رکاوٹ کے بغیر ان سے اُمڈا چلا آ رہا ہے۔

۱۷ یہ جمے ہوئے پہاڑ اپنی جگہ سے اکھڑ جائیں گے، ریزہ ریزہ ہو کر ہوا میں اُڑ جائیں گے۔ ان کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے گا۔ علامہ قرطبی نے سرابًا کا معنی لاشیئ کیا ہے۔ جس طرح سراب کو دیکھنے والا اسے پانی سمجھ کر اس کی طرف بڑھتا ہے جب قریب پہنچتا ہے تو وہاں پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں ہوتا۔ سُیِّرَتْ کا معنی ہے جڑوں سے اکھڑ جانا، اپنی جگہ سے ہٹ جانا۔ لاشیئ کما ان السراب کذلک یظنہ الرائی ماء ولیس بماء۔ وقیل و سُیِّرَتْ، نُسِفَتْ من اصولھا وقیل اُزیلت عن مواضعھا۔ (قرطبی)

۱۸ منکرینِ قیامت کو جس عذاب میں مبتلا کیا جائے گا اب اس کا ذکر ہو رہا ہے۔ علامہ جوہری لفظ مِرْصَاد کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے

مَاٰبًا ﴿۲۲﴾ لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا ﴿۲۳﴾ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ﴿۲۴﴾

ٹھکانا ہے ۱۹ ٹھہرے رہیں گے اس میں عرصہ دراز ۲۰ وہ نہیں چکھیں گے اس میں کوئی ٹھنڈی چیز اور نہ پانی۔

ہیں کہ جو شخص کسی کی گھات میں بیٹھا ہوا ہو اس کو راصد کہتے ہیں۔ کسی کی گھات میں تیار ہو کر بیٹھنے کو مَرْصَد کہتے ہیں۔ اصمعی کہتے ہیں کہ اگر تو کسی پر اچانک جھپٹنے کے لیے بالکل تیار ہو کر بیٹھ جائے تو تُو کہے گا ارصدتہ، ای اعددت لہ۔

یہ لکھنے کے بعد علامہ قرطبی اس آیت کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں:

قُلْتُ فجھنم معدۃ مترصدۃ ای ھی متطلعۃ لمن یأتی۔ یعنی میں کہتا ہوں کہ جہنم تیار ہو کر بڑی بے تابی سے آنے والوں کے لیے گھات لگائے بیٹھا ہوگا۔

مِرْصَاد کا معنی راستہ، راہگزر بھی بتایا گیا ہے۔ اس وقت آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ سب لوگ جہنم کے اوپر سے گزر جائیں گے۔ جہنمی اس میں گر پڑیں گے اور جنتی سلامتی سے اسے عبور کر لیں گے۔ جب حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت گزرنے لگے گی تو حضور پل صراط کے قریب کھڑے ہو کر فرمائیں گے، یَارَبِّ سَلِّمْ سَلِّمْ۔ الٰہی! میرے امتی کو سلامتی سے گزار دے۔ (مظہری)

علامہ قرطبی نے مِرْصَاد کا یہ مفہوم بھی بیان کیا ہے۔ المرصاد: مفعال من ابنیۃ المبالغۃ فکانہ یکثر من جھنم انتظار الکفار۔ یعنی مرصاد کا وزن مفعال ہے۔ یہ مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اس وقت مطلب یہ ہوگا کہ جہنم کفار کا بڑی شدت اور بے تابی سے انتظار کر رہا ہوگا۔

۱۹ طاغی کا معنی سرکش۔ کفر بھی سرکشی ہے اور بدکاری بھی سرکشی ہے۔ اس لیے طاغین کا لفظ کفار کے لیے بھی استعمال ہو سکتا ہے اور گنہگاروں کے لیے بھی۔ مآب: مرجع، منزل جہاں گھوم پھر کر انسان لوٹ کر جاتا ہے۔

۲۰ احقاب: حُقُبٌ اور حُقْبٌ کی جمع ہے۔ اس کا معنی ہے دہر۔ احقاب کا معنی ہے دھور۔ فراء جو لغت عرب اور نحو کے امام ہیں، وہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حُقْبٌ اسی سال کی مدت کو کہتے ہیں۔ ہر سال تین سو ساٹھ دن کا ہوتا ہے اور آخرت کا ہر دن ایک ہزار دنیوی سالوں کے برابر ہوگا۔ پھر کہتے ہیں کہ اس آیت سے کوئی اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو کہ جب یہ طویل مدت گزر جائے گی تو جہنمی دوزخ سے رہائی پا لیں گے۔ کیونکہ اگر ان احقاب کی تعداد بیان کی جاتی یعنی چار یا دس احقاب کہا جاتا تو توقیت بھی ہو جاتی کہ چار یا دس صدیاں وہ وہاں گزاریں گے۔ یہاں احقاب کی تعداد مذکور نہیں، اس لیے آیت کا معنی یہ ہے کہ انھم یلبثون فیھا احقابا کلما مضیٰ حقب تبعہ حقب اٰخر۔ (لسان) یعنی وہ قرنہا قرن وہاں رہیں گے۔ جب ایک قرن ختم ہو جائے گی تو اس کے بعد دوسری قرن شروع ہو جائے گی پھر تیسری پھر چوتھی اور یہ سلسلہ ابدالآباد تک جاری رہے گا۔ اس لیے کفار کے جہنم سے نکلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

لغت عرب کے ایک امام کی اس تشریح کے بعد کسی کج فہمی میں مبتلا ہونا سراسر نادانی ہے۔ خصوصاً جب قرآن کریم میں جو تیس مقامات پر یہ تصریح کی گئی ہے کہ وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اور بعض مقامات پر صرف خالدین پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ ابداً کا اضافہ بھی کر دیا گیا ہے اس لیے قرآن کریم کی کسی آیت کا ایسا مفہوم بیان کرنا جو دوسری کثیر آیات کے خلاف ہو کسی مومن کو زیب نہیں دیتا۔ قال قطرب ھو الدھر

إِلَّا حَمِيمًا وَغَسَّاقًا ۝ جَزَاءً وِفَاقًا ۝ إِنَّهُمْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ

بجز کھولتے پانی اور گرم پیپ کے ۲۱ (ان کے گناہوں کی) پوری سزا۔ یہ لوگ (روزِ) حساب کی توقع ہی نہیں

حِسَابًا ۝ وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كِذَّابًا ۝ وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ كِتَابًا ۝

رکھتے تھے اور انہوں نے ہماری آیتوں کو سختی سے جھٹلایا ۲۲ حالانکہ ہر چیز کو ہم نے گن گن کر لکھ لیا تھا۔

فَذُوقُوا فَلَن نَّزِيدَكُمْ إِلَّا عَذَابًا ۝ إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا ۝

پس (اب) مزہ چکھو (اپنے کیے کا) ہم نہیں زیادہ کریں گے تم پر مگر عذاب ۲۳ بلاشبہ پرہیزگاروں کے لیے کامیابی (ہی کامیابی) ہے۔

حَدَائِقَ وَأَعْنَابًا ۝ وَكَوَاعِبَ أَتْرَابًا ۝ وَكَأْسًا دِهَاقًا ۝

(ان کے لیے) باغات اور انگوروں (کی بیلیں) ہیں۔ اور نوجوان سال ہم عمر لڑکیاں۔ اور چھلکتا ہوا جام ۲۴

الطویل غیر المحدود۔ یعنی امام فخر، قطرب نے کہا ہے کہ حقب اس لیے زمانے کو کہتے ہیں جس کی کوئی حد نہ ہو۔

۲۱ حمیم: کھولتا ہوا پانی۔ غساق: پیپ، کچ لہو، وہ گندا مادہ جو زخموں سے نکلتا ہے۔ غساق: صدید اهل النار و قیحهم۔

۲۲ انہیں ایسی سزا دی جائے گی جو ان کے اعمال کے مطابق ہو گی۔ جزاء فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے۔ اس لئے منصوب۔ اصل عبارت یوں ہے ای جازیناهم جزاء وافق اعمالهم۔ (قرطبی) کذاب باب تفعیل کے مصادر کا ایک وزن ہے۔ وهو احد مصادر المشدد لان مصدره قد یجیئ علی تفعیل مثل التکلیم وعلی فعال مثل کذاب وعلی تفعلة مثل توصیة وعلی مُفعَّل مثل مُمَزَّق۔ (قرطبی) باب تفعیل مصدر کے یہ چار وزن ہیں۔ ان میں ایک فعال ہے۔

۲۳ یعنی تم یہ سمجھ کر تمہیں یونہی آوارہ چھوڑ دیا گیا ہے۔ جو تمہارے جی میں آئے کرتے رہو۔ تم سے کوئی باز پرس نہ ہو گی۔ ایسا اندھیر ہمارے ہاں نہیں۔ ہم تمہارے اعمال، تمہارے افکار اور تمہارے ارادوں کو گن گن کر ضبطِ تحریر میں لا رہے ہیں اور یہ سارا ریکارڈ قیامت کے دن تمہارے سامنے کھول کر رکھ دیا جائے گا۔

۲۴ اب ان لوگوں پر اپنے لطف و کرم کا ذکر ہو رہا ہے جو روزِ قیامت پر ایمان رکھتے تھے۔ خداوند ذوالجلال کے دربار میں حاضری کا خوف ان کو ہر گناہ سے باز رکھتا تھا۔ مفاز: موضع فوز و نجاة۔ کامیابی و نجات کی جگہ۔ یہ کامیابی کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے۔ حدائق: حدیقة وہ باغ جس کے اردگرد چاردیواری تعمیر کر دی گئی ہو۔ اعناب: ای کروم اعناب۔ انگور کی بیلیں۔ کواعب: اس کا واحد کاعب: نوخیز، نوجوان۔ دهاق: مملوّ۔ لبریز، چھلکتا ہوا۔

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا ۝۳۵ جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ۝۳۶

نہ سنیں گے وہاں کوئی بیہودہ بات اور نہ جھوٹ۔ یہ بدلہ ہے آپ کے رب کی طرف سے بڑا کافی انعام ۲۵

رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ

جو پروردگار ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، بے حد مہربان ۲۶ انہیں طاقت نہ ہوگی کہ (بغیر اجازت) اس سے

خِطَابًا ۝۳۷ يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۛ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا

بات بھی کر سکیں ۲۷ جس روز رُوح اور فرشتے پرے باندھ کر کھڑے ہوں گے ۲۸ کوئی نہ بول سکے گا بجز اس

۲۵۔ آپ کے رب کی طرف سے ان متقین کو یہ بدلا ملے گا۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہوگا اور دیا بھی وافر مقدار میں دیا جائے گا کہ لینے والے کہیں گے بس بس! ہمیں اتنا ہی بہت ہے ہمیں اور نہیں چاہیے۔ یہ انعام و اکرام کیونکہ ان کے اعمال صالحہ کے عوض میں ہے اس لیے اسے جزاء کہا گیا، کیونکہ اس میں اس کا فضل و احسان جلوہ نما ہے اس لیے اسے عطاء کہا گیا ہے۔ پھر عطاء کی صفت حساب ذکر کی گئی۔ قتادہ نے اس کا معنی کثیرا بتایا ہے۔ یقال احسبت فلانا ای کثرت له العطاء حتی قال حسبی۔ جب کسی کو کوئی چیز اتنی فراواں مقدار میں دی جائے کہ وہ خود کہہ اٹھے بس بس مجھے اتنا کافی ہے تو لغتِ عرب میں کہتے ہیں احسبت فلانا میں نے اسے بہت عطا کیا۔ مجاہد کہتے ہیں کہ حسابا سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنا کسی کے ساتھ وعدہ کیا ہے عطاء اس کے مطابق ہوگی۔ بعض کو ایک کے بدلے دس، بعض کو ایک کے بدلے سات سو اور بعض کو بے حد و حساب دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب۔ ہر شخص کو اس کے خلوصِ نیت، عجز و نیاز کی کیفیت کے مطابق اجر ملے گا۔ (قرطبی)

جزاء من ربک کے الفاظ اہلِ محبت کے لیے اپنے اندر خصوصی کشش رکھتے ہیں۔ جب دوزخیوں کی سزا کا ذکر ہوا تو صرف جزاء وفاقا فرمایا گیا اور جب اہلِ جنت پر اپنے جود و کرم کی بارش فرمانے کا موقع آیا تو اس کو اپنی ذات کی طرف منسوب کیا اور اپنی شانِ ربوبیت کی اضافت اپنے حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف فرما دی۔ رب تو سب کا ہے لیکن صفتِ ربوبیت کا جو خصوصی تعلق ذاتِ پاک مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء سے ہے وہ کسی اور کو نصیب نہیں۔ نہ عرش کو، نہ کرسی کو، نہ جبریل کو، نہ نوح و خلیل کو۔

۲۶۔ یہ بدل ہے ان کا بدل من ربک سے۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں۔ فی ابدالہ تعظیم لا یخفی۔ اس بدل سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت شان یوں ظاہر ہو رہی ہے جو کسی پر مخفی نہیں۔ اس کے بعد لکھتے ہیں۔ وایماء علی ما قیل الی ما روی فی کتب الصوفیۃ من الحدیث القدسی لولاک لما خلقت الافلاک۔ اس میں صوفیاء کی روایت کردہ اس حدیث قدسی کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اے حبیب! اگر تو نہ ہوتا تو میں آسمانوں کو ہی پیدا نہ کرتا۔ الرحمٰن بھی بدل ہے یا صفت۔

۲۷۔ کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے زبان نہ کھول سکے گا۔ کسی میں دم مارنے کی ہمت نہ ہوگی۔ کفار و منکرین آج بڑے زبان دراز

مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ فَمَنْ

کے جس کو رحمٰن اذن دے اور وہ ٹھیک بات کرے ۲۹؎ یہ دن برحق ہے، سو جس کا جی

بنے ہوئے ہیں ذرا روزِ قیامت کا بھی خیال رکھیں۔

۲۸؎ روح سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک جبریل امین ہیں۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ جبریل علیہ السلام بارگاہ خداوندِ ذوالجلال میں دست بستہ کھڑے ہوں گے اور مارے خوف کے کانپ رہے ہوں گے اور ان کی زبان پر یہ جاری ہو گا۔ لا الٰہ الا انت ما عبدناک حق عبادتک جبریل کے علاوہ دوسرے ملائکہ بھی صفیں باندھے حاضر ہوں گے۔

۲۹؎ جلالِ خداوندی کا یہ عالم ہو گا کہ سب چپ سادھ لیں گے۔ کسی میں لب ہلانے کی بھی ہمت نہ ہو گی۔ البتہ وہ نفوسِ قدسیہ جن کو اذنِ گویائی ملے گا وہ اپنے رب کے حضور اپنی گزارشات اور اپنی التجائیں پیش کر رہے ہوں گے۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں حدیثِ شفاعت بڑی مفصل درج کی ہے جس کا خلاصہ پیشِ خدمت ہے:

"کافی عرصہ سب لوگ خاموشی سے سر جھکائے کھڑے رہیں گے اور پسینوں میں شرابور ہوں گے کسی شخص تک پسینے میں ہو گا کسی کا ٹخنوں تک کسی کا کمر تک کوئی گردن تک پسینے میں ڈوبا ہو گا۔ آخر سب آدم علیہ السلام کے پاس حاضر ہو کر شفاعت کے لیے درخواست کریں گے۔ آپ اپنی معذوری بیان کریں گے۔ چنانچہ مختلف انبیا کے پاس باری باری حاضر ہوں گے لیکن ناامید ہو کر لوٹیں گے۔ آخر عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جب جائیں گے تو آپ جواب دیں گے کہ میں خود تو شفاعت کی جرأت نہیں کر سکتا البتہ تمہیں ایک ایسی ہستی کا پتہ بتاتا ہوں جس کے پاس سے کوئی سائل نامراد واپس نہیں لوٹتا۔ وہ سب کو بارگاہِ محمد مصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہ اطیب التحیۃ والثنا کی طرف جانے کا حکم دیں گے۔ جب در در کی ٹھوکریں کھانے کے بعد سب مخلوق شکستہ خاطر پراگندہ حال وہاں جائے گی اور شفاعت کی درخواست کرے گی۔ ان درخواست کرنے والوں میں وہ لوگ بھی شامل ہوں گے جو آج بڑے طمطراق سے شفاعتِ مصطفوی کا انکار کرتے ہیں اور اگر انکار نہیں کر سکتے تو اس کی ایسی تاویل کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ایسی خودساختہ شرائط کا اضافہ کرتے ہیں کہ شانِ مصطفوی کا ظہور نہیں ہوتا۔ وہ لوگ بھی اس دن حاضر ہوں گے۔ حضور سرورِ عالم سب کی فریاد سن کر فرمائیں گے انا لھا، انا لھا۔ ہاں میں تمہاری شفاعت کروں گا۔ ہاں مجھے یہ منصب حاصل ہے کہ میں تمہاری شفاعت کروں۔ چنانچہ حضور عرشِ الٰہی کے قریب جا کر سجدہ ریز ہو جائیں گے اور اپنے پروردگار کی حمد و توصیف کی حد کر دیں گے۔ عرش والا فرمائے گا یا محمد ارفع رأسک سل تعط۔ اشفع تشفع۔ اے پیکرِ ہر خوبی و زیبائی! اپنا سرِ مبارک اٹھاؤ۔ تم مانگتے جاؤ میں دیتا جاؤں گا۔ تم شفاعت کرتے جاؤ میں شفاعت قبول کرتا جاؤں گا۔ اذنِ شفاعت سے شرف یاب ہو کر مقامِ محمود پر جلوہ فگن ہوں گے۔ لواء الحمد کا پرچم دستِ مبارک میں جھوم رہا ہو گا اور جو آئے گا سب کو پناہ دیتے جائیں گے۔"

اللھم صل علی شفیع الامم۔ اللھم سلم علی صاحب المقام المحمود اللھم بارک علی حامل لواء الحمد من الصلوات ازکاھا ومن التسلیمات اسناھا ومن البرکات اعلاھا وعلیٰ آلہ واصحابہ وعلینا معھم اجمعین۔ اللھم ارزقنا شفاعتہ واحشرنا فی زمرتہ تحت لواء الحمد۔ اللھم انت اکرم المسئولین۔

شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ﴿۳۹﴾ اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا ۚ يَّوْمَ

چاہے بنالے اپنے رب کے جوارِ رحمت میں اپنا ٹھکانا ۳۰۔ بے شک ہم نے ڈرا دیا ہے تمہیں جلد آنے والے عذاب سے۔ اس دن

يَّنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴿۴۰﴾

دیکھ لے گا ہر شخص (ان) عملوں کو جو اس نے آگے بھیجے تھے اور کافر (بصد حسرت) کہے گا کاش! میں خاک ہوتا ۳۱۔

۳۰۔ آخر میں پھر بتا دیا کہ اس دن کا آنا برحق ہے۔ اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ جس کا جی چاہے آج اس راستہ پر چل کھڑا ہو جو اس کو اس کے رب کی طرف لے جاتا ہے۔ مَاٰبًا: مرجعا و سبیلا۔

۳۱۔ کفار کے اعمال کا کچا چٹھا ان کے سامنے کھول کر رکھ دیا جائے گا۔ اس وقت سارے نقشے بیرون ہو جائیں گے۔ ساری نخوتیں خاک میں مل جائیں گی۔ بصد حسرت و یاس کہے گا کاش! میں مٹی میں مل کر مٹی ہو گیا ہوتا اور مجھے یہ روزِ بد دیکھنا نہ پڑتا۔

بعض علماء نے الکافر سے مراد ابلیس لیا ہے۔ اس روز جب اولادِ آدم کے نیکوکاروں کی یہ عزت افزائیاں دیکھے گا تو کہے گا کہ کاش! مجھے آگ سے پیدا نہ کیا جاتا اور اس کی وجہ سے مغرور ہو کر میں گمراہ نہ ہوتا۔ کاش! میری تخلیق مٹی سے ہوتی۔ میں اپنے رب کے حضور عجز و انکساری اختیار کرتا اور آج اس رسوائی سے دوچار نہ ہوتا۔

○

سبحان ذی الملك والملكوت سبحان ذی العزة والهيبة والكبرياء والجبروت سبحان الملك الحی الذی لا يموت سبوح قدوس ربنا ورب الملائكة والروح لا اله الا انت سبحانك انی كنت من الظالمين فاطر السموات والارض انت ولی فی الدنيا والاخرة توفنی مسلما والحقنی بالصالحين وارزقنی مرافقة حبيبك المكرم فی الدنيا والاخرة. اللهم صل وسلم وبارك علی شفيع المذنبين قائد الغر المحجلين وعلی اٰله الطاهرين واصحابه المكرمين وعلی سائر امته اجمعين.

○

تعارف

سُورۃ النّٰزِعٰت

نام : اس سورۃ کا نام 'النازعات' ہے۔ یہ کلمہ اس کی پہلی آیت میں مذکور ہے۔ اس کے علاوہ اس کو 'الساہرۃ' اور 'الطامۃ' بھی کہا جاتا ہے۔ اس میں دو رکوع، چالیس آیتیں ہیں اس کے کلمات کی تعداد ایک سو تانوے اور حروف کی تعداد سات سو ترپن ہے۔

نزول : حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ اس کا نزول سورۃ "النبأ" کے معاً بعد ہوا۔ گویا یہ بھی عہد نبوت کے آغاز میں نازل ہوئی۔

مضامین : کفار کسی قیمت پر وقوعِ قیامت کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہ تھے۔ ان کی اسی اُلجھن کو دُور کرنے کے لیے اس سورت میں بھی خصوصی توجہ مبذول فرمائی گئی ہے۔

اہم تکوینی فرائض کی انجام دہی پر جو ذی شان فرشتے مقرر ہیں اُن کی قسم اُٹھا کر فرما دیا کہ قیامت ضرور برپا ہوگی۔ دُنیا کی کوئی طاقت اس کو روک نہیں سکتی۔ دُنیا بھر کے کفار و مُشرکین اگر اس کا انکار بھی کرتے رہیں اور اس کے ناممکن ہونے کا فتوی بھی صادر کرتے رہیں اور اس کے وقوع پر اپنی خشم ناکی اور برہمی کا اظہار بھی کرتے رہیں تب بھی قیامت برپا ہو کر رہے گی۔ خداوند ذوالجلال کا یہ اعلان وقوعِ قیامت کی مُجملہ دلیلوں سے قوی اور ناقابلِ تردید ہے۔ بات اسی پر ختم کر دی جاتی تو مزید کسی وضاحت کی ضرورت نہ تھی لیکن اس کے بعد اُن کے اس اعتراض کو بھی پیش کر دیا جو وہ بڑی شد و مد سے کیا کرتے تھے کہ بھلا یہ ہڈیاں جب بوسیدہ اور خستہ ہو کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گی اور ہوا کے تیز جھونکے ان کو زمین کے گوشہ گوشہ میں بکھیر دیں گے۔ ان ذرّوں کو پھر یکجا کرنا اور ان میں رُوح پھونکنا قطعاً ممکن نہیں۔ اس کا جواب یہ کہہ کر دے دیا کہ جس چیز کو تم ناممکن تصوّر کر رہے ہو، اس کے لیے تو صرف ہمارے ایک جھڑکے کی ضرورت ہے سب قبروں سے نکل کر میدانِ محشر میں کھڑے ہو جائیں گے۔ تم ایسا نہیں کر سکتے یہ دُرست ہے۔ تم ان بکھرے ہُوئے ذرّوں کے مقام کو نہیں جانتے یہ درست ہے تم ان میں از سرِ نو رُوح نہیں پھونک سکتے یہ درست ہے لیکن کیا خالقِ کائنات بھی ایسا نہیں کر سکتا؟ کچھ تو سوچو کچھ تو عقل سے کام لو۔

پھر انہیں بتایا گیا کہ اُن سے پہلے بھی اس قسم کے سرکش لوگ گزرے ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے رسُولوں کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا۔ انہیں اپنی قوت اور سلطنت پر بڑا ناز تھا، لیکن جب غضبِ الٰہی کی بجلی کوندی تو ان کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔ فرعون کو اے اہلِ مکہ! تم سب جانتے ہو اس نے میری مخلوق پر جو مظالم کیے، میرے کلیم کے خلاف جو محاذ آرائی کی اس کا

انجام تمہیں خوب معلوم ہے۔ اگر تم اپنے آپ کو اس عبرت ناک انجام سے بچانا چاہتے ہو تو فرعونی روش کو ترک کر دو۔ میرے حبیب کی نافرمانی چھوڑ دو۔ جو دعوت وہ پاک نہاد تمہیں دے رہا ہے اس کو بطیبِ خاطر قبول کرو۔ دونوں جہانوں میں فوز و کامرانی ہوگی۔

اس کے بعد پھر اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کے شواہد پیش کیے اور لوگوں کو دعوت دی کہ چشم ہوش کھولیں اور خود فیصلہ کریں کہ جو ذات ان امور پر قادر ہے۔ اس کے لیے تمہیں دوبارہ پیدا کرنا ذرا مشکل نہیں۔ ساتھ ہی وقوعِ قیامت میں جو حکمت ہے، اس کا ذکر فرمایا۔

کفار باربار یہ پوچھتے کہ اگر قیامت آنی ہے تو آپ ذرا اس کی تاریخ تو بتا دیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محبوب اس کی تاریخ بیان کرنا آپ کے فرائض میں سے نہیں اور حکمتِ الٰہی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ یہ خبر صیغۂ راز میں رہے۔ آپ کا بس اتنا ہی فرض ہے کہ آپ انہیں ڈراتے رہیں تاکہ یہ لوگ اپنی بروقت اصلاح کریں۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا

۷۷-۴-۶

سُوْرَةُ النّٰزِعٰتِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سِتٌّ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورہ النازعات مکی ہے اس کی چھیالیس آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ' ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۝١ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۝٢ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ۝٣

قسم ہے اُن فرشتوں کی جو غوطہ لگا کر (جان) کھینچنے والے ہیں[1] اور بند آسانی سے کھولنے والے ہیں[2] اور تیزی سے تیرنے والے ہیں[3]

[1] اس سورت کا آغاز بھی پانچ قسمیں کھا کر کیا گیا ہے لیکن یہاں بھی مقسم بہا کے بجائے ان کے اوصاف کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس پر علما کے درمیان اختلاف ہے کہ وہ پانچ کون سی چیزیں ہیں جن کی قسم اٹھائی گئی ہے۔ یہاں صرف دو قول ذکر کرنے پر اکتفا کیا جائے گا۔

پہلا قول تو یہ ہے کہ یہ ملائکہ کی صفات ہیں۔ اس قول کے مطابق آیات کا مفہوم یہ ہو گا کہ قسم ہے ان فرشتوں کی جو جسموں میں غوطہ لگا کر بڑی سختی اور شدت سے رُوحوں کو باہر نکالتے ہیں۔ النزع: جذب بالشدة۔ سختی سے کسی چیز کے کھینچنے کو نزع کہا جاتا ہے اور جب اس پر غرقًا کا اضافہ کر دیا جائے تو پھر اس شدت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ ای اغراقا فی النزع من اقاصی الاجساد۔ (روح المعانی) یعنی جسم کے دُور دراز حصوں میں ڈوب کر رُوح کو نکالنا۔ اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو کفار کی رُوحوں کو قبض کرتے ہیں کیونکہ جب موت آتی ہے تو کافر کی رُوح جسم سے نکلنے سے انکار کر دیتی ہے۔ فرشتے اس کے رگ و ریشہ میں گھس کر اس کو باہر کھینچ لاتے ہیں۔

[2] النشط: الاخراج برفق وسهولة۔ کسی چیز کو نرمی اور آسانی سے باہر نکالنے کو عربی میں نشط کہتے ہیں جیسے کنوئیں سے پانی کا ڈول نکالا جاتا ہے۔ اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو مومن کی رُوح کو قبض کرنے آتے ہیں۔ وہ رُوح پہلے ہی محبوبِ حقیقی کے وصال کے لیے بے تاب ہوتی ہے اور اس گھڑی کا بے چینی سے انتظار کر رہی ہوتی ہے جب قفسِ جسم سے اُسے اذنِ رہائی ملے چنانچہ فرشتوں کو مومن کی رُوح قبض کرنے کے لیے کسی دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ بلکہ اشارہ ملتے ہی وہ بدن کی زنجیروں کو توڑتی ہوئی باہر نکل آتی ہے۔

[3] سبح کا معنی ہے پانی میں تیرنا، تیز رفتار گھوڑے کو بھی فرس سابح کہتے ہیں۔ اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو ان رُوحوں کو لے کر فضائے عالم میں تیرتے ہوئے بڑی برق رفتاری سے بارگاہِ ربانی میں پیش کرتے ہیں۔ یا وہ فرشتے ہیں جو احکام کی تعمیل میں آنا فانا شرق سے غرب اور اوپر سے نیچے محوِ پرواز رہتے ہیں۔

فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ﴿٤﴾ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ﴿٥﴾ يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ﴿٦﴾

پھر تعمیل ارشاد میں جو دوڑ کر سبقت لے جانے والے ہیں ۴؎ پھر حسب الحکم ہر کام کا انتظام کرنے والے ہیں ۵؎ جس روز تھرتھرائے گی تھرتھرانے والی ۶؎

۴؎ وہ فرشتے جو احکام خداوندی کے بجالانے میں ذرا سستی نہیں کرتے دوڑ دوڑ کر ایک دوسرے سے سبقت لے جانا چاہتے ہیں۔ تعمیل ارشاد ربانی میں بڑی تن دہی اور مستعدی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

۵؎ جن تکوینی فرائض کی انجام دہی ان کو سونپی گئی ہے ان کو بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیتے ہیں۔ اس کارخانہ ہستی میں موت و حیات صحت و بیماری، بارش و طوفان، ہوائیں اور آندھیاں اور دیگر مختلف تغیرات اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے مختلف فرشتوں کو تفویض کیے ہوئے ہیں۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے الملائکۃ وکلت بتدبیر احوال الارض فی الریاح والامطار وغیر ذلک۔ کہ زمین کے مختلف احوال کی تدبیر مثلاً ہوائیں، بارشیں وغیرہ مختلف فرشتوں کو سونپی گئی ہیں۔

حضرت عبدالرحمٰن بن سابط سے منقول ہے کہ امور دنیا کی تدبیر چار ملائکہ کے سپرد ہے۔ جبریل، میکائیل، عزرائیل اور اسرافیل۔ ہواؤں اور لشکروں کا انتظام جبریل کے ذمہ ہے۔ بارشوں اور کھیتی باڑی کے کام میکائیل کے سپرد ہیں۔ بحر و بر میں روحوں کو قبض کرنا عزرائیل کی ذمہ داری ہے اور اسرافیل تمام احکام ان تک پہنچاتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ صفات نفوس فاضلہ اور ارواح کاملہ کی ہیں اور انہی کی قسم اٹھائی گئی ہے۔ نازعات سے مراد ان کا جسموں سے اپنا تعلق منقطع کرنا ہے۔ جس جسم کے گھوڑے پر سوار ہو کر انہوں نے رضائے الٰہی اور قرب خداوندی کی منزلیں طے کی ہیں اس سے جدائی انہیں شاق گزرتی ہے۔ عالم ملکوت کی طرف رجوع کرنے کا جب انہیں حکم ملتا ہے تو ان کی خوشی و نشاط کی حد نہیں رہتی۔ شاداں و فرحاں وہاں سے وہ روانہ ہوتے ہیں۔ فضائے بسیط میں تیرتے ہوئے وہ حظائر قدس کی طرف تیزی سے پرواز کرتے ہیں۔ اپنے شرف اور قوت روحانی کے باعث انہیں المدبرات کے زمرے میں شامل کر لیا جاتا ہے۔ تدبیر کے اسی مقام پر فائز ہونے کے باعث دنیا سے مفارقت کے باوجود ان سے ایسے آثار و احوال ظاہر ہوتے ہیں جن کا مشاہدہ اہل دنیا کرتے رہتے ہیں۔

یہ بیان کرنے کے بعد علامہ آلوسی لکھتے ہیں ولاشک فی انہ یحصل لزائرھم مدد روحانی ببرکتھم وکثیرا ما تحل عقد الامور بانامل التوسل الی اللہ تعالیٰ بحرمتھم۔ (روح المعانی) یعنی اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص ان کی زیارت کے لیے جاتا ہے ان کی برکت سے اسے روحانی مدد نصیب ہوتی ہے اور اکثر مشکل امور کی پیچیدہ گرہیں اللہ تعالیٰ کی جناب میں ان کی حرمت کے وسیلے کھل جایا کرتی ہیں۔

یہ پانچ قسمیں کھائی گئی ہیں لیکن جواب قسم محذوف ہے یعنی لَتُبْعَثُنَّ کہ تمہیں ضرور دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔

۶؎ رجف: اضطرب اضطرابا شدیدا۔ قال ابو اسحاق الراجفۃ: الارض ترجف، تتحرک حرکۃ شدیدۃ۔ (لسان العرب) کسی چیز کے تھرتھر کانپنے کو رجف کہتے ہیں۔ ابو اسحاق کا کہنا ہے کہ راجفۃ سے مراد زمین ہے۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں المراد بھا الاجرام الساکنۃ التی تشتد حرکتھا حینئذ کالارض والجبال۔ (روح المعانی) یعنی راجفۃ سے مراد وہ تمام ساکن چیزیں ہیں جو اس وقت زور زور سے کانپنے لرزنے لگیں گی جیسے زمین، پہاڑ وغیرہ۔ یعنی جب نفخۂ اولیٰ ہوگا اور نظام کائنات کے درہم برہم ہونے کا حکم صادر ہوگا تو یوں محسوس ہوگا کہ زبردست زلزلہ

تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ﴿٧﴾ قُلُوبٌ يَوْمَئِذٍ وَاجِفَةٌ ﴿٨﴾ أَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ﴿٩﴾

اس کے پیچھے ایک اور جھٹکا ہوگا ٦ کتنے دل اس روز (خوف سے) کانپ رہے ہوں گے۔ ان کی آنکھیں (ڈر سے) جھکی ہوں گی ٨

يَقُولُونَ أَإِنَّا لَمَرْدُودُونَ فِي الْحَافِرَةِ ﴿١٠﴾ أَإِذَا كُنَّا عِظَامًا

کافر کہتے ہیں کیا ہم پلٹائے جائیں گے اُلٹے پاؤں ٩ (یعنی جب) ہم بوسیدہ ہڈیاں بن چکے ہوں

نَّخِرَةً ﴿١١﴾ قَالُوا تِلْكَ إِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ﴿١٢﴾ فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَاحِدَةٌ ﴿١٣﴾

گے ١٠ بولے یہ واپسی تو بڑے گھاٹے کی ہوگی ١١ (بس اس واپسی کے لیے) تو فقط ایک جھڑک کافی ہے۔

کے جھٹکوں سے زمین، پہاڑ، قلعے، مکانات اور ان کے اونچے درخت جب لرزنے لگے ہیں۔

٦ گھوڑے پر جو سوار کے پیچھے آدمی بیٹھتا ہے اس کو ردیف کہتے ہیں یعنی اس کے فوراً بعد عالم بالا میں کہرام مچ جائے گا، آسمان ستارے مہر و ماہ آپس میں ٹکرانے لگیں گے، ہر چیز اپنی اپنی جگہ سے اکھڑنے لگے گی۔ وقیل الاجرام التابعة وهي السماء والكواكب فانها تنشق وتنتشر بعده۔

بعض علما کے نزدیک ردفہ سے مراد نفخہ ثانیہ ہے جو پہلے نفخہ کے بعد ہوگا جس کے بعد سب مُردے دوبارہ زندہ ہو جائیں گے۔

٨ بڑے بڑے شیر دل اور بہادر لوگوں کے دل دھڑکنے لگیں گے۔ وجفت القلوب وجفا: اضطرب من شدة الفزع۔ اور ان کی آنکھیں فرط خوف سے جھکی ہوں گی۔ اوپر نگاہ اٹھا کر دیکھنے کی انہیں ہمت نہیں ہوگی۔

یہ حال کفار و منافقین کا ہوگا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے نیک بندے اس روز ہر حزن و غم سے محفوظ ہوں گے۔ ان کے دل مطمئن ہوں گے۔ ان کی طبیعتوں میں کسی قسم کا اضطراب نہ ہوگا۔ لا يحزنهم الفزع الاكبر وتتلقهم الملائكة هذا يومكم الذي كنتم توعدون۔ (الانبیاء: ١٠٣) ہولناک کرنے کی انہیں وہ بڑی گھبراہٹ اور فرشتے ان کا استقبال کریں گے انہیں بتائیں گے یہی وہ تمہارا دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔

٩ جب کوئی شخص اسی راستے سے پلٹ جاتا ہے جس پر چل کر وہ آیا ہے تو عرب کہتے ہیں رجع فلان في حافرته اى طريقته التي جاء فيها فحفرها یعنی جس راستہ کو وہ پہلے اپنے قدموں سے کھود آیا ہے اور اپنے نقوش پا ثبت کر آیا ہے اسی پر وہ لوٹ گیا۔

ان آیات طیبات کو سن کر جن میں قسمیں کھا کر قیامت کے آنے کا ذکر کیا گیا ہے اور اس کے ہولناک مناظر بیان ہوئے ہیں کفار از راہِ تمسخر ایک دوسرے کو کہتے کیا یہ سچ ہے کہ ہمیں پھر الٹے پاؤں پلٹا دیا جائے گا یعنی جس شاہراہِ حیات پر چل کر ہم قبر کی منزل تک پہنچے ہیں کیا پھر لوٹ کر زندگی کی اسی روندی ہوئی راہ پر ہمیں چلنا پڑے گا۔

١٠ اور یہ واپسی اس کے بعد ہوگی جب صدیاں گزرنے کے بعد ہماری ہڈیاں بوسیدہ اور کھوکھلی ہو کر ریزہ ریزہ ہو چکی ہوں گی۔ یہ بالکل انہونی بات ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ نَّخِرَةً: من نخر العظم اى بلا وصار اجوف تمر به الريح فيسمع له نخير اى صوت۔ (روح المعانی) جب ہڈی بوسیدہ ہو جائے اس کے اندر کا گودا گل جائے اور وہ خالی ہو جائے اور اس میں سے ہوا گزرنے لگے جس سے

فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ﴿۱۴﴾ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ﴿۱۵﴾ اِذْ نَادٰىهُ

پھر وہ فوراً کھلے میدان میں جمع ہو جائیں گے ۱۲ (اے حبیب!) کیا پہنچی ہے آپ کو موسیٰ کی خبر؟ جب ان کے رب نے

رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿۱۶﴾ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۱۷﴾

انہیں طویٰ کی مقدس وادی میں پکارا تھا ۱۳ (کہ) جاؤ فرعون کے پاس وہ سرکش بن گیا ہے۔

فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ﴿۱۸﴾ وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ﴿۱۹﴾

پس (اس سے) دریافت کرو کیا تیری خواہش ہے کہ تو پاک ہو جائے اور (کیا تو چاہتا ہے کہ) میں تیری رہبری کروں تیرے رب کی طرف تاکہ تو (اس سے) ڈرنے لگے ۱۴

نخیر آواز پیدا ہو۔ ایسی ہڈیوں کو عظامٌ نخرۃ کہتے ہیں۔

۱۱ے کہنے لگے اگر ایسا ہو گیا تو پھر ہمیں تو خسارہ ہی خسارہ ہو گا۔ ہم ساری عمر اس کی آمد کو جھٹلاتے رہے۔ اس کے لیے ہم نے کوئی عمل ہی نہیں کیا۔ کوئی تیاری ہی نہیں کی۔ ان کی یہ گفتگو بطور استہزا تھی۔

۱۲ے تم وقوع قیامت کو محال سمجھ رہے ہو۔ بوسیدہ ہڈیوں اور بکھرے ہوئے ذرّوں کو اکٹھا کرنا اور ان کو زندہ کرنا تمہیں بڑا مشکل نظر آ رہا ہے۔ ایسا کرنا بے شک تمہاری دسترس سے باہر ہے لیکن ہمارے لیے یہ قطعاً مشکل نہیں۔ صرف ایک جھڑک اور ڈانٹ کی دیر ہے۔ بحر و بر، شرق و غرب میں منتشر ذرے جمع ہو جائیں گے اور تم زندہ ہو کر جواب دہی کے لیے فوراً ہمارے روبرو ایک صاف چٹیل کھلے میدان میں کھڑے کر دیے جاؤ گے۔ الساهرة: ای البيضاء۔ (قرطبی)

۱۳ے قیامت کا ذکر ہو رہا ہے کہ اچانک رخِ سخن فرعون کی طرف پھر گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کفارِ مکہ انکارِ قیامت پر تلے ہوئے تھے کسی دلیل سے وہ متاثر نہیں ہو رہے تھے اس لیے ان کے سامنے ایک ایسے شخص کا دردناک انجام پیش کیا جا رہا ہے جو قیامت کا منکر تھا اور اسی وجہ سے وہ سرکشی و طغیان میں اتنا دور نکل گیا تھا۔ انہیں بتایا جا رہا ہے کہ اے میرے رسول کے ساتھ ٹکر لینے والو! اور اس کی باتوں کا انکار کرنے والو! تم سے پہلے فرعون جیسے مطلق العنان حکمران نے میرے رسول موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اسی طرح ٹکر لی تھی۔ وہ بھی ان کی تکذیب کرتا اور قیامت کو تسلیم نہیں کرتا تھا۔ اس کا جو انجام ہوا وہ تم نے بارہا سنا ہے۔ کیا تم اپنے لیے اسی قسم کا انجام پسند کرتے ہو۔ نیز اس میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تسلی دے رہے ہیں کہ آپ ان کفار کے انکار اور ان کی ہٹ دھرمی پر رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔ جس طرح ہم نے موسیٰ کو کامیاب کیا اور ان کے دشمنوں کو تباہ و برباد کیا اسی طرح ہم آپ کے دین کا بول بالا کریں گے اور آپ کی نبوت کا پرچم ہر جگہ لہرا دیں گے۔ طویٰ: اس وادی کا نام ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا۔

۱۴ے موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ فرعون نے بڑا اودھم مچا رکھا ہے۔ اس نے بڑی سرکشی اختیار کر رکھی ہے۔ رعایا کو اس نے مختلف طبقات میں تقسیم کر دیا ہے اور ان کے مفادات کو آپس میں متصادم کر دیا ہے تاکہ وہ متحد ہو کر اس کے ظلم کے خلاف علمِ بغاوت بلند نہ کر سکیں۔ کمزوروں

فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ﴿٢٠﴾ فَكَذَّبَ وَعَصٰى ﴿٢١﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ﴿٢٢﴾

پس آپ نے دکھا دی اسے بڑی نشانی۔ بس اس نے جھٹلایا اور نافرمانی کی ۱۵ پھر روگرداں ہو کر فتنہ انگیزی میں کوشاں ہو گیا

فَحَشَرَ فَنَادٰى ﴿٢٣﴾ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴿٢٤﴾ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ

پھر لوگوں کو جمع کیا پس پکارا اور کہا میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔ آخر کار مبتلا کر دیا اسے اللہ نے آخرت اور

الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ﴿٢٥﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ﴿٢٦﴾ ءَاَنْتُمْ

دنیا کے دوہرے عذاب میں ۱۶ بے شک اس میں بڑی عبرت ہے اس کے لیے جو اللہ سے ڈرتا ہے ۱۷ کیا تمہیں

پر اس کے مظالم کی حد ہو گئی ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ بندہ ہو کر اس نے خدا بننے کا دعویٰ کر رکھا ہے۔ آپ اس کے پاس جائیں اور اسے سمجھائیں کہ اس مشتِ خاک کو یہ غرور زیبا نہیں۔ اگر تو چاہے تو میں تجھے رذائل سے پاک ہونے کا طریقہ سکھا سکتا ہوں۔ اگر تیری مرضی ہو تو اس راہ پر تجھے چلا سکتا ہوں جو اللہ تعالیٰ کی معرفت کی راہ ہے۔ اس طرح تیرے دل سے یہ غرور و پندار دُور ہو جائے گا اور تیرے دل میں اپنے خدا کا خوف پیدا ہو جائے گا اور جب اس کا خوف پیدا ہو گیا تو یہ ساری سرمستیاں کافور ہو جائیں گی اور تو راہِ راست پر گامزن ہو جائے گا۔

۱۵ موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس گئے۔ اسے دعوتِ حق دی اور اپنی صداقت پر دلیل پیش کی۔ اپنا عصا اس کے سامنے زمین پر پھینکا جو اژدہا بن کر پھنکارنے لگا۔ لیکن اتنا بڑا معجزہ دیکھ کر بھی وہ آپ کی تکذیب سے باز نہ آیا اور کہنے لگا کہ یہ سب جادو کی کرشمہ سازی ہے۔

۱۶ پھر اس نے آپ کی طرف سے منہ موڑ لیا اور آپ کے اس معجزہ کا توڑ پیش کرنے کے لیے کوشاں ہو گیا۔ مصر کے گوشے گوشے سے ماہر جادوگروں کو اکٹھا کیا اور ان کو بڑے بڑے انعامات کا لالچ دیا۔ وہ لوگ جنہیں اپنے فن پر بڑا ناز تھا بڑے کروفر سے موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں آئے اور اپنی رسیوں پر ایسے منتر پھونکے کہ وہ سانپ بن کر لہرانے لگیں۔ یہ دیکھ کر اس کو اپنے غلبے کا یقین ہو گیا اور اس نے اعلان کر دیا کہ میں ہی تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا غضب جوش میں آیا اور اسے دنیا و آخرت کے عذابوں میں مبتلا کر دیا۔

دنیا کے عذاب سے تو وہ ذلت و رسوائی مراد ہو سکتی ہے جو اسے مجمع عام میں اٹھانی پڑی۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا پھینکا تو وہ اژدہا بن کر ان سانپوں کی طرف لپکا اور انہیں نگل گیا۔ صرف یہی شکست فرعون کو نہیں ہوئی بلکہ جن ساحروں کو وہ موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے کے لیے لایا تھا انہوں نے موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کا اعلان کر دیا۔ فرعونیت کو جو ہزیمت اور پسپائی اس میدان میں ہوئی اس کی نظیر نہیں مل سکتی اور قیامت کے دن تو اس کے ساتھ جو برتاؤ ہو گا اس کا آج تصور تک نہیں کیا جا سکتا۔

۱۷ فرعون کی اس ہزیمت اور تباہی میں ہر اس شخص کے لیے بڑی عبرت ہے جس کے دل میں خدا کا خوف ہو اور جو دل اس نعمت سے بے بہرہ ہیں وہ کسی قیمت پر ہدایت قبول نہیں کریں گے۔ ان کی آنکھ صرف اس وقت کھلے گی جب خدا کا عذاب انہیں چاروں طرف سے گھیرے گا اور اس کے غضب کی بجلیاں گر کر انہیں بھسم کر دیں گی۔

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰىهَا ﴿۲۷﴾ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿۲۸﴾ ۙ وَ

پیدا کرنا مشکل ہے یا آسمان کا۔ اس نے اسے بنایا ۱۸؎ اس کی چھت کو خوب اونچا کیا پھر اس کو درست کیا ۱۹؎ اور

اَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ﴿۲۹﴾ ص وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ﴿۳۰﴾ ؕ

تاریک کیا اس کی رات کو اور ظاہر کیا اس کے دن کو ۲۰؎ اور زمین کو بعد ازاں بچھا دیا ۲۱؎

۱۸؎ دلائل قیامت کا سلسلہ جو درمیان میں منقطع کر دیا گیا تھا اسے پھر شروع کیا جا رہا ہے۔ فرمایا ذرا غور کرو کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہیں دوبارہ زندہ کرنا بڑا مشکل کام ہے تم چند بالشت قد و قامت کے مالک ہو اور یہ آسمان جس کی پہنائیوں اور وسعتوں کا اندازہ ہی نہیں لگایا جا سکتا پھر اس میں ان گنت تارے اور کہکشاؤں کا محیر العقول اور لامتناہی سلسلہ ان سب کو کس نے پیدا کیا ہے۔ اگر تم عقل و انصاف سے بالکل محروم نہیں ہو گئے ہو تو تم بآسانی سمجھ سکتے ہو کہ جو عالم بالا کا خالق ہے اس کے لیے تمہیں پیدا کرنا کوئی مشکل نہیں۔

۱۹؎ آسمان کی تخلیق میں اپنی قدرت کے کرشموں کا ذکر ہو رہا ہے۔ سَمْك کا معنی سَقْف، چھت بھی ہے، یعنی آسمان کو ہم نے بہت اونچا کر دیا اور سَمْك، ارتفاع اور بلندی کو بھی کہتے ہیں یعنی اس کی بلندی اور اونچائی معمولی نہیں جس کا تم اندازہ کر سکو۔ اس نے آسمان کی بلندی کو اتنا اونچا کر دیا ہے کہ تم اس کو پا نہیں سکتے۔ پھر اس گنبد مینائی کو اس طرح درست کر دیا ہے کہ اس میں کوئی جھول، کوئی شکن اور کوئی شگاف نہیں۔

۲۰؎ رات کی سیاہی اور دن کے اجالے کو آسمان کی طرف منسوب کیا کیونکہ اس کا تعلق آفتاب کے طلوع و غروب سے ہے جو اجرام سماویہ میں سے ہے۔ اغطش لیلہا ای جعلہ مظلما

۲۱؎ دحا الارض یدحوھا دحوا: بسطھا۔ زمین کو بچھا دیا، پھیلا دیا۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت قاہرہ کی اور نشانی بتاتے ہیں کہ میں نے ہی اس زمین کو تمہارے لیے بچھا دیا ہے اور اسے وسیع اور کشادہ کر دیا ہے تاکہ ان گنت مخلوقات اس پر اپنی زندگی بسر کر سکے۔

اس مقام پر یہ شبہ دل میں پیدا ہوتا ہے کہ اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ زمین کی تخلیق آسمان کی تخلیق اور تسویہ کے بعد کی گئی حالانکہ سورۂ بقرہ کی آیت (خلق لکم ما فی الارض جمیعا ثم استویٰ الی السماء) اور سورہ فصلت میں یہ صراحت مذکور ہے کہ زمین کی تخلیق پہلے ہوئی اور آسمان کو اس کے بعد پیدا کیا گیا۔ علمائے کرام نے اس کے متعدد جواب دیے ہیں۔ بعض نے فرمایا ہے کہ زمین کا کرہ پہلے بنایا گیا اس کے بعد آسمان کی تخلیق ہوئی لیکن زمین کو انسانی زندگی کے قابل بنانا اور اس میں ضروریات زندگی کا بہم پہنچانا آسمان کی تخلیق کے بعد ہوا اور یہاں دحو زمین سے یہی مراد ہے۔ لیکن اس جواب کو دوسرے حضرات نے پسند نہیں کیا کیونکہ سابقہ آیات میں صراحت موجود ہے۔ خلق لکم ما فی الارض جمیعا تمہارے لیے زمین میں ہر چیز کو پیدا کیا اور اس کے بعد آسمان کی طرف توجہ فرمائی اس لیے دوسرے حضرات نے اس کا یہ جواب فرمایا ہے کہ زمین میں زندگی کی ضروریات کی بہم رسانی کی صلاحیت اور نشوونما کی استعداد تو پہلے ہی رکھ دی گئی لیکن اس کا بالفعل ظہور اس وقت ہوا جب آسمان بنا، اس میں سورج جو منبع نور و حرارت ہے اس کو پیدا کیا گیا۔ اس کی حرارت اور کرنوں کی تاثیر سے مختلف چیزیں پیدا ہوئیں۔ بعض علماء کا ارشاد ہے کہ یہاں بعد ذلک

أَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰهَا ﴿٣١﴾ وَالْجِبَالَ أَرْسٰهَا ﴿٣٢﴾ مَتَاعًا لَّكُمْ

نکالا اس سے اس کا پانی اور اس کا سبزہ۔ اور پہاڑ (اس میں) گاڑ دیے۔ سامانِ زیست ہے تمہارے لیے

وَلِأَنْعَامِكُمْ ﴿٣٣﴾ فَإِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ﴿٣٤﴾ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ

اور تمہارے مویشیوں کے لیے ٢٢ پھر جب آئے گی سب سے بڑی آفت ٢٣ اس دن انسان یاد کرے گا جو

الْإِنْسَانُ مَا سَعٰى ﴿٣٥﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى ﴿٣٦﴾ فَأَمَّا مَنْ طَغٰى ﴿٣٧﴾

دوڑ دھوپ اس نے کی تھی ٢٤ اور ظاہر کردی جائے گی جہنم ہر دیکھنے والے کے لیے ٢٥ پس جس نے سرکشی کی ہوگی

سے تخلیق کی بعدیت مراد نہیں بلکہ رتبہ کی بعدیت ہے۔ لیکن اس کی جو تفسیر حضرت ابن عباس سے منقول ہے وہ اتنی واضح ہے کہ اس کے بعد کسی تاویل کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی۔ آپ فرماتے ہیں بعد ذالک اس جگہ مع ذالک کے معنی میں مذکور ہے جس طرح عتل بعد ذالک زنیم میں ہے چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز لکھتے ہیں، از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ منقول است کہ بعد ذالک دریں جا بمعنی مع ذالک است چنانچہ آیت عتل بعد ذالک زنیم۔ وہ جفا کار ہے اور اس کے ساتھ ساتھ بداصل بھی ہے۔

٢٢ پانی کے میٹھے چشمے جاری کر دیے۔ اس میں طرح طرح کی سبزیاں اور ترکاریاں اور چارہ پیدا ہونے لگا جس سے تم اپنی ضرورتیں بھی پوری کرتے ہو اور تمہارے مویشیوں گائے بھینس گھوڑے وغیرہ کی خوراک کا سامان بھی مہیا ہو جاتا ہے۔ جو قادرِ مطلق ان تمام کاموں کو بڑی حکمت سے انجام دے رہا ہے اس کے بارے میں تمہیں شک ہے کہ وہ قیامت کے دن تمہیں کیونکر زندہ کرے گا۔

ہماری آسائش اور نشوونما کے لیے جو ان گنت چیزیں زمین کے شکم سے نکل رہی ہیں اس میں آسمان کی بلندی، سورج اور چاند کی کرنوں کے اثرات اور سلسلہ ہائے کوہ اور زمین کی زرخیزی، ساری چیزوں کا جو حصہ ہے وہ اہلِ دانش سے مخفی نہیں۔ کائنات کے مختلف اجزا میں اگر موجودہ نظم و نسق کو بدل دیا جائے تو ہر چیز بے اثر ہو کر رہ جائے گی۔

٢٣ اب پھر احوالِ قیامت کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔ الطآمّة: اعظم الدواھی۔ سب مصیبتوں سے بڑی مصیبت کو الطآمّة کہتے ہیں۔ جو چیز اپنی مقدار یا اپنی تعداد کی کثرت کے باعث دوسری چیزوں پر چھا جائے اسے الطآمّة کہا جاتا ہے۔ جیسے کہتے ہیں جاء السیل فطم الرکیة۔ سیلاب آیا اور اس نے تمام کنوؤں اور نشیبوں کو لبریز کر دیا۔ جری الوادی فطم علی القری۔ وادی میں پانی کا ریلا آیا اور اس نے تمام بستیوں کو بھر دیا۔ قیامت کی مصیبت دوسری تمام مصیبتوں سے فزوں تر اور ہولناک ہے۔ اس لیے اس کو طامہ کہا گیا اور ساتھ ہی کبریٰ کا اضافہ کر کے تاکید کر دی گئی تاکہ کوئی شک نہ رہے۔

٢٤ اس وقت انسان کی نگاہوں کے سامنے اس کی زندگی کی فلم گھومنے لگے گی۔ وہ اعمال جو اس کو بالکل بھول گئے تھے ایک ایک کر کے نسیان کی گہرائیوں سے ابھرنے لگیں گے۔ اگر اس نے اچھے کاموں میں زندگی گزاری تھی تو اس کی خوشی کی انتہا نہ ہوگی اور اگر بداعمالیوں میں عمر برباد کر کے

وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۳۸﴾ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿۳۹﴾ وَاَمَّا مَنْ

اور ترجیح دی ہوگی دنیوی زندگی کو ۔ تو دوزخ ہی (اس کا) ٹھکانا ہوگا ۲۶ اور جو

خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿۴۰﴾ فَاِنَّ الْجَنَّةَ

ڈرتا رہا ہوگا اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے اور روکتا رہا ہوگا اپنے نفس کو ہر بری خواہش سے ۔ یقیناً جنت ہی

هِيَ الْمَاْوٰى ﴿۴۱﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ﴿۴۲﴾ فِيْمَ اَنْتَ

اس کا ٹھکانا ہوگا ۲۷ یہ لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ وہ کب قائم ہوگی ۔ اس کے بیان

آیا تھا تو اس روز اس کا طول ویدنی ہوگا۔ یا یہ کہ اس کے سامنے اس کے صحائف عمل کھول کر رکھ دیے جائیں گے۔ جو باتیں اس کو فراموش ہو گئی تھیں وہ بھی یاد آنے لگیں گی۔

۲۵۔ جس جہنم کا وہ آج تک انکار کرتا رہتا تھا وہ اس کی آنکھوں کے سامنے ظاہر کر دی جائے گی۔

۲۶۔ اس وقت اولادِ آدم دو گروہوں میں بٹ جائے گی۔ ایک گروہ ان لوگوں کا ہوگا جنہوں نے سرکشی اختیار کی اور اللہ تعالیٰ کی حدود کو توڑ دیا اور دنیوی زندگی کے آرام و آسائش کو ابدی زندگی کے آرام و آسائش پر ترجیح دی۔ ان کی جدوجہد دولت کے حصول، شہرت و ناموری حاصل کرنے کے لیے وقف ہو کر رہ گئی تھی۔ ان کے شب و روز اسی ادھیڑ بن میں گزرتے رہے کہ وہ اس دنیا میں دوسروں سے اونچے منصب پر فائز ہوں۔ اپنی اخروی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے وہاں سرخروئی حاصل کرنے کے لیے ان کے پاس کوئی وقت نہ تھا اور نہ کبھی اس کے بارے میں انہوں نے سوچنے کی زحمت گوارا کی۔ فرمایا ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ جن عظمتوں کو حاصل کرنے کے لیے وہ مگن رہتے وہ فانی تھیں۔ چند روز ان کی عظمت کا ڈنکا بجا اور پھر ہمیشہ کے لیے فنا کی وادیوں میں گمنام ہو گئے۔

۲۷۔ اور دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہوگا جو عمر بھر یہ تصور کر کے ڈرتے رہے کہ انہوں نے ایک دن اپنے رب کے روبرو کھڑے ہونا ہے۔ انہوں نے اپنے نفس کے گھوڑے کو کبھی بے لگام نہیں چھوڑ دیا۔ انہوں نے شریعت کی قائم کی ہوئی حدود کو توڑنے کی اسے ہرگز اجازت نہیں دی۔ وہ اس کو ایسی خواہشات سے جو احکام الٰہی سے متصادم تھیں سختی سے باز رکھا کرتے تھے۔ آج جنت کی بہاریں ان کے لیے چشم براہ ہیں۔ حوریں، نغمیں اور خوشبودار پھولوں کے ہار پکڑے ہوئے ان کا انتظار کر رہی ہیں۔

عارف ربانی یعقوب چرخی ھَوٰی کا معنی کرتے ہیں اَلْھَوٰی، میل کردن دل بچیزے ناشایہ۔ دل کا کسی ایسی چیز کی طرف مائل ہونا جو ناجائز ہو۔

علامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ الھوی کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں الھوی، الانھدام والسقوط من علو۔ بلندی سے پستی کی طرف گرنا اور لڑھکنا۔ فرماتے ہیں ہوی کو ہوی اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ انسان کو دنیا میں ہر مصیبت میں پھنسا لیتی ہے اور آخرت میں ھاویۃ یعنی جہنم میں پھینکتی ہے۔ قیل سمی بہ لانہ یھوی صاحبہ فی الدنیا الی کل داھیۃ وفی الاٰخرۃ الی الھاویۃ۔ پھر فرماتے ہیں کہ ہوائے نفس کے ترک کے کئی مرتبے ہیں:

مِنْ ذِكْرٰىهَا ﴿٤٣﴾ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا ﴿٤٤﴾ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰىهَا ﴿٤٥﴾

کرنے سے آپ کا کیا تعلق ۲۸؎ آپ کے رب تک اس کی انتہا ہے ۲۹؎ آپ تو صرف خبردار کرنے والے ہیں ہر اس شخص کو جو اس سے ڈرتا ہو ۳۰؎

سب سے نیچے والا درجہ یہ ہے کہ احکام شرعیہ کی مخالفت سے اجتناب۔ نیز اسلاف کرام کے متفق علیہ عقائد کی مخالفت سے پرہیز۔ اس کا درمیانی درجہ یہ ہے کہ انسان کسی گناہ کا ارادہ کرے اور پھر قیامت کی حاضری کے خوف سے اس سے باز رہے اور مشتبہ چیزوں سے پرہیز کرے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے کہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا سب سے نزدیک راستہ یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کی مخالفت کرتا رہے۔ وجدت طریقا اقرب طرق الی اللہ سبحانہ وھی المخالفۃ مع النفس۔ فرماتے ہیں کہ نفس کی چالیں بڑی باریک ہوتی ہیں، کبھی وہ گناہوں سے انسان کو اپنے رب سے دور کرتا ہے اور کبھی نیک اعمال کے باعث ریا اور خود بینی کے جذبات کو ابھار کر انسان کو دور کرتا ہے۔

شیخ پانی پتی لکھتے ہیں والحصن الحصین فی ھذا المقام: التشبث بذیل شیخ فان فی اللہ باق بہ وان لا یفعل شیئا الا بامرہ و اجازتہ۔ یعنی ہوائے نفس کی دست درازیوں اور شب خونوں سے بچنے کا محفوظ ترین طریقہ یہ ہے کہ اپنے شیخ کامل کے دامن کو مضبوطی سے پکڑے رکھے اس کے حکم اور اس کی اجازت کے بغیر کوئی کام نہ کرے۔

حضرت یعقوب چرخی نے اپنے شیخ خواجہ نقشبند سے پوچھا کہ اگر کسی کو ایسا شیخ کامل نصیب نہ ہو تو وہ کیا کرے تو آپ نے فرمایا کہ وہ کثرت سے استغفار پڑھا کرے یا ہر نماز کے بعد تین مرتبہ یہ استغفار پڑھے: استغفر اللہ الذی لا الہ الا ھو الحی القیوم واتوب الیہ۔

آخر میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک حدیث پاک بھی سن لیجیے: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ثَلَاثٌ مُّهْلِكَاتٌ هَوًى مُّتَّبَعٌ وَشُحٌّ مُّطَاعٌ وَاِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهٖ وَهِيَ اَشَدُّهُنَّ۔ (رواہ البیہقی عن ابی ھریرہ)

ترجمہ: امام بیہقی نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا کہ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تین چیزیں انسان کو ہلاک کرنے والی ہیں نفس کی وہ خواہش جس کی پیروی کی جائے۔ بخل اور کنجوسی جس کی اطاعت کی جائے اور خود بینی کہ انسان اپنے نفس کو بہتر سمجھنے لگے فرمایا یہ تیسری چیز سب سے زیادہ مہلک ہے۔

۲۸؎ جب کفار کو قیام قیامت کے متعلق بتایا جاتا تو وہ یہ پوچھنا شروع کر دیتے بتائیے یہ قیامت کس تاریخ کو برپا ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے میرے محبوب! آپ کو اس لیے نہیں بھیجا گیا کہ آپ قیامت کے دن کا تعین کر کے انہیں بتائیں بلکہ آپ کی تشریف آوری کا مقصد یہ ہے کہ آپ انہیں خواب غفلت سے جگائیں۔ انہیں دعوت حق سنائیں تاکہ آپ کی دعوت کو قبول کر کے اور آپ کے ارشادات پر عمل کر کے قیامت کے دن یہ سرخروئی حاصل کر سکیں اور ان کا فائدہ اسی میں ہے۔ اگر ان کو قیامت کی تاریخ بتا بھی دی جائے تو اس سے انہیں کیا فائدہ؟ یہ لوگ بے مقصد باتوں میں اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں اور وہ امور جن میں ان کا نفع ہی نفع ہے ان کی طرف یہ متوجہ نہیں ہوتے۔ بعض نے فیم پر وقف کیا ہے اور انت من ذکرھا ان کے سوال کا جواب ہے کہ آپ اس قیامت کی یاد دہانیوں میں سے اور اس کی نشانیوں میں سے ایک ہیں۔

۲۹؎ یہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے جب وہ چاہے گا قیامت برپا ہو جائے گی۔

۳۰؎ آپ کو اس لیے نہیں بھیجا گیا کہ آپ ان کے لیے قیامت کی تاریخ کا تعین فرمائیں بلکہ آپ کی بعثت کا مقصد یہ ہے کہ آپ ان

كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا ﴿۴۶﴾ ع ۲

گویا وہ جس روز اس کو دیکھیں گے (انہیں یوں محسوس ہوگا) کہ وہ (دنیا میں) نہیں ٹھہرے تھے مگر ایک شام یا ایک صبح ۳۱؎

لوگوں کو بروقت خبردار کر دیں تاکہ وہ اپنی اصلاح کر لیں۔

۳۱؎ آج تو انہیں دنیا کی زندگی بڑی طویل معلوم ہو رہی ہے اور یہ گمان کرتے ہیں کہ جو چیز اتنے لمبے عرصہ میں وقوع پذیر نہیں ہوئی اس کے بعد اس کے وقوع پذیر ہونے کا امکان ہی نہیں۔ اس کا انتظار کرنا عبث اور بے سود ہے۔ فرمایا جب قیامت برپا ہوگی تو اس وقت انہیں اپنی طویل زندگیاں بڑی مختصر معلوم ہوں گی۔ اس وقت وہ قلتِ وقت کا شکوہ کریں گے کہیں گے ہم پل بھر کے لیے دنیا میں گئے اور پھر واپس بلا لیے گئے۔ ہمارا قیام صرف اتنی دیر رہا جتنی دیر صبح یا شام کا وقت ہوتا ہے۔ ہمیں غور و فکر کی مہلت ہی نہیں ملی۔ ہمیں سوچ بچار کا وقت ہی نہیں دیا گیا۔ اتنے قلیل وقت میں ہم اس حقیقت کو کس طرح سمجھ سکتے تھے۔

○

اللّٰهم اجعلنا من السعداء الذين خافوا مقام ربهم ونهوا النفس عن الهوىٰ وارزقنا اتباع حبيبك المكرم
صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم۔
ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم وتب علينا انك انت التواب الرحيم۔

○

تعارف

سُوْرَۃ عَبَسَ

نام : اس سورت کا نام عبس ہے جو اس سورت کا پہلا کلمہ ہے۔ اس میں ایک رکوع، بیالیس آیتیں، ایک سو تیس کلمات اور پانچ سو تینتیس حروف ہیں۔

نزول : یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔

مضامین : حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ جو ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے خالہ زاد بھائی تھے اور اُن خوش نصیبوں میں سے تھے جن کا شمار "السابقون الاولون" میں ہوتا ہے، یہ نابینا تھے۔ ایک روز بارگاہِ رسالت میں شیبہ، عتبہ پسران ربیعہ، ابوجہل، امیہ ابن خلف، ولید ابن مغیرہ، عباس ابن عبدالمطلب اور دیگر رؤسائے قریش حاضر تھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بڑی دلسوزی اور محویت سے انہیں کفروشرک کے اندھیروں سے نکالنے کی سعی فرما رہے تھے۔ "حریصٌ علیکم" کی شان اپنے پورے جوبن پر تھی۔ دریں اثنا عبداللہ ابن ام مکتوم حاضر ہوئے۔ نابینا ہونے کی وجہ سے محفل کا رنگ نہ دیکھ سکے۔ اُنہوں نے اپنے شوقِ فراواں سے مجبور ہو کر آتے ہی عرض کی، "یا رسول اللہ علمنی مما علمک اللہ" (اے اللہ کے رسُول جو اللہ نے آپ کو سکھایا اُس میں سے مجھے بھی سکھایئے)

یہ مداخلتِ بیجا حضور کو پسند نہ آئی۔ رُخِ انور پر ناگواری کے آثار نمایاں ہوئے۔ آدابِ مجلس کا تقاضا بھی یہی تھا کہ جو سلسلہ کلام پہلے شروع ہے وہ ختم ہو جائے تو نئی بات چھیڑی جائے۔ یہاں تو حضور تبلیغ کا نہایت اہم ترین فریضہ ادا کرنے میں مصروف تھے۔ عبداللہ پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے اُن کے پاس بے شمار مواقع تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت عبداللہ کی دلجوئی کرتے ہوئے یہ سورۂ مبارکہ نازل فرمائی تاکہ دُنیا کو پتہ چل جائے کہ اس بارگاہ میں شکستہ دلوں اور سوختہ جگروں کی جو قدر و منزلت ہے وہ کسی اور کی نہیں۔

یہاں ایک چیز غور طلب ہے۔ قرآنِ کریم میں دُوسرے مقامات پر جہاں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب لبیب صلی اللہ علیہ سے خطاب فرمایا ہے۔ وہاں محبت، پیار اور دلجوئی کی حد کر دی گئی ہے لیکن اُن مقامات کے برعکس یہاں اسلوبِ بیان میں بڑا جلال ہے۔ اندازِ خطاب میں تُندی کا پہلو غالب ہے۔ بظاہر غلطی حضرت عبداللہ کی ہے کہ اُنہوں نے مجلسِ نبوت کے آداب کا پاس نہ رکھا نیز حضور کسی اپنے ذاتی کام میں مصروف نہ تھے بلکہ "بلغ ما انزل الیک" کے حکم کی تعمیل میں مشغول تھے چاہیے تو یہ تھا کہ عبداللہ کو سرزنش کی جاتی کہ اُنہوں نے فرائضِ نبوت کی ادائیگی میں مداخلت کیوں کی ہے لیکن اُن کے بجائے اپنے

محبوب کریم کو تنبیہ فرما دی کہ آپ نے ناگواری کا اظہار کیوں کیا اور اُس سے بے رُخی کیوں برتی۔ اس میں کیا حکمت ہے۔

آیات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا تُند لہجہ اختیار کر کے رؤسائے مکہ کی ایک غلط فہمی کا ازالہ کرنا مقصود ہے جس میں وہ بُری طرح مُبتلا تھے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اسلام کو ان کی بڑی ضرورت ہے۔ ان کے مسلمان ہونے سے اسلام کو چار چاند لگ جائیں گے پیغمبرِ اسلام کی عزت اور توقیر میں اضافہ ہوگا۔ انہیں اسلام کی چنداں ضرورت نہیں اس لیے جس محفل میں وہ موجود ہوں کسی دُوسرے شخص کو در خورِ اعتنا نہیں سمجھنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی ابتدائی آیتوں میں اُن کی اس غلط فہمی کو دُور کر دیا کہ یہاں تو اس کو پذیرائی بخشی جاتی ہے جو خلوص اور طلبِ صادق لے کر حاضر ہوتا ہے۔ خواہ وہ مفلس و کنگال ہی کیوں نہ ہو جس شخص کو اپنی دولت اور جاہ و منصب پر گھمنڈ ہے جس کے دل میں جذبۂ صادق نہیں اُس کی یہاں کوئی گنجائش نہیں، انہیں اسلام کی ضرورت ہے تاکہ اُس کی برکتوں اور ضیا پاشیوں سے اُن کا تاریک مستقبل درخشاں ہو جائے۔ اسلام کو ان کی قطعاً ضرورت نہیں۔ اگر وہ اس سے فیض یاب نہ ہوں گے تو کئی دُوسرے خوش نصیب اس چشمۂ شیریں سے آ کر سیراب ہوں گے۔ قیامت تک آنے والے رئیسوں، دولتمندوں، خاقانوں اور قیصروں کی اس غلط فہمی کو دُور کر دیا۔ آیات کے لہجہ میں یہ تُندی ایک اہم ضرورت کے پیشِ نظر اختیار کی گئی۔

جو لوگ ان آیات سے سرورِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مرتبۂ عالیہ کی تنقیص کرتے ہیں وہ پرلے درجے کے کم فہم ہیں پہلے بھی اہلِ نفاق کا یہ شیوہ تھا۔ علامہ اسماعیل حقی لکھتے ہیں کہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا کہ ایک امام ہمیشہ نماز میں اسی سورت کی قرأت کرتا ہے تو آپ نے ایک آدمی بھیجا جس نے اس کا سر قلم کر دیا چونکہ وہ حضور کے مرتبہ عالی کی تنقیص کے ارادے اس کی قرأت کیا کرتا تھا تاکہ مقتدیوں کے دل میں بھی حضور کی عظمت کم ہو جائے۔ اس لیے نگاہِ فاروق میں وہ مُرتد تھا، اور مرتد واجب القتل ہُوا کرتا ہے (رُوح البیان)، ایسے مقامات پر انسان کو سنبھل کر قدم اٹھانا چاہیے مبادا ایمان کی شمع گل ہو جائے۔

آیت نمبر ۱۷ سے ایک نیا مضمون شروع ہوتا ہے۔ انسان کی ناشکری کی کیفیت بتائی جا رہی ہے کہ جس ربِ کریم نے اس کو پیدا کیا اور اُس کے ظاہری اعضاء اور باطنی قوٰی میں موزونیت کا خیال رکھا۔ پھر اس کی خوراک کا سامان مہیا فرما دیا۔ اس کو کبھی خیال نہ آیا کہ وہ ایسے کریم پروردگار کا شکریہ ادا کرے۔ اس سے بڑھ کر اور بدنصیبی کیا ہو سکتی ہے۔

آیت نمبر ۳۳ سے آخر تک احوالِ قیامت کی طرف متوجہ کر دیا تاکہ انسان آج ہی اس امتحان کے لیے تیاری شروع کرے۔

نیو ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا

۲۳ - ۴ - ۷۷

سُوْرَةُ عَبَسَ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اِثْنَتَانِ وَاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَفِيْهَا رُكُوْعٌ وَاحِدٌ كَذَا اَلَخ

سورہ عبس مکی ہے اس کی بیالیس آیتیں اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ۙ﴿۱﴾ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ؕ﴿۲﴾ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى ۙ﴿۳﴾

تیوری چڑھائی اور منہ پھیر لیا ۱؎ (اس وجہ سے) کہ ان کے پاس ایک اندھا آیا ۲؎ اور آپ کیا جانیں شاید وہ پاکیزہ تر ہو جاتا ۳؎

۱؎ ایک روز بارگاہ رسالت میں رؤسائے قریش عتبہ، شیبہ پسران ربیعہ، ابوجہل، امیہ بن خلف، ولید بن مغیرہ وغیرہ حاضر تھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام انہیں دعوت اسلام دے رہے تھے کہ اچانک عبداللہ ابن ام مکتوم آگئے اور آداب مجلس کی رعایت کیے بغیر عرض کرنے لگے یا رسول اللہ اقرأنی وعلمنی مما علمک اللہ۔ یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو سکھایا ہے مجھے بھی وہ سکھائیے اور مجھے پڑھ کر سنائیے۔ ان کا یہ انداز گفتگو حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ناگوار گزرا۔ ناگواری کے آثار چہرہ مبارک پر بھی نمایاں ہوئے جبین سعادت پر شکن پڑ گئے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ گوارا نہ ہوا۔ اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں۔

امام فخر الدین رازی یہاں ایک سوال اٹھاتے ہیں پھر خود ہی اس کا جواب دیتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ غلطی حضرت عبداللہ سے ہوئی تھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کفار کو دعوت اسلام دے رہے تھے انہوں نے قطع کلام کرتے ہوئے اپنی بات چھیڑ دی نیز ایک کافر کو دعوت اسلام دینا، ایک مسلمان کو قرآن کی تعلیم سے مقدم ہے۔ نیز بارگاہ رسالت کے جو آداب اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو سکھائے تھے وہ تو یہ تھے کہ عامیانہ انداز میں حجروں سے باہر کھڑے ہو کر حضور کو نہ بلائیں بلکہ حضور کی آمد کا انتظار کریں۔ پھر اس محفل میں تو انہیں سراپا ادب بن کر بیٹھ رہنا چاہیے تھا یہاں تک کہ حضور تبلیغ سے فارغ ہوتے اور پھر یہ اپنی گزارش کرتے۔ ان تمام باتوں کے پیش نظر عتاب حضرت عبداللہ کو ہونا چاہیے تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عتاب کرنے میں کیا حکمت ہے۔

رازی فرماتے ہیں کہ یہ ساری باتیں بجا ہیں اور عتاب کی اس کے بغیر اور کوئی حکمت نہیں کہ وہ کفار جو اس وقت حاضر تھے وہ مکہ کے سردار، دولت مند لوگ تھے انہیں اپنی اس برتری کا احساس بھی تھا اور اس پر انہیں گھمنڈ بھی تھا۔ ان کی موجودگی میں اپنے کسی نیازمند کے ساتھ یہ بے اعتنائی عام لوگوں کو اس غلط فہمی میں باسانی مبتلا کر سکتی تھی کہ یہ بے رخی، تبلیغ میں انہماک کی وجہ سے نہیں برتی گئی بلکہ محض ان لوگوں کی دولت و ثروت اور ان کی ریاست کی وجہ سے ان کی پاسداری کی گئی ہے اور عبداللہ کو محض اس لیے نظر انداز کیا گیا ہے کہ یہ غریب عوام کا ایک فرد ہے اور جس نبی کو اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہی غریب نواز بنا کر ہو جس کا مقصد اولین ہی شکستہ دلوں اور مجبوروں کی دلجوئی اور دل داری ہو اور جو تشریف ہی اس لیے لایا ہو کہ فقراء و مساکین کی عزت افزائی کرے اس ہستی سے کسی ایسی بات کا صدور جس سے اس کے منصب رفیع کے خلاف کوئی واہمہ پیدا ہو سکے، اللہ تعالیٰ کو ہرگز گوارا نہیں۔

عبداللہ بن ام مکتوم کے دل نیازمند پر صد ہا شیبہ و عتبہ قربان کیے جاسکتے ہیں۔ بارگاہ نبوت کے درویشوں اور فقیروں کی درویشی و فقر کے سامنے دنیا بھر کے رئیسوں کی کوئی حقیقت نہیں۔

قطرۂ آبِ وضوئے قنبرے

خوب تر از خون نابِ قیصرے

قنبر کے وضو کے پانی کا قطرہ قیصر کے خون ناب سے قدر و قیمت میں کہیں فزوں تر ہے۔

لیکن اس عتاب میں بھی لطف و کرم اور پیار کے جلوے دمک رہے ہیں۔ عتاب کرتے ہوئے بعثت و تولیت خطاب کے صیغے استعمال نہیں کیے بلکہ غیاب کے پردے میں عتاب کیا گیا ہے کیونکہ روبرو عتاب خاطر عاطر پر بہت گراں گزرتا۔

ان آیات کے نزول کے بعد نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جب حضرت عبداللہ حاضر ہوتے تو حضور فرماتے مرحبا بمن عاتبنی فیہ ربی۔ خوش آمدید اے وہ شخص جس کے بارے میں میرے رب نے مجھے عتاب فرمایا۔ پھر پوچھتے ھل لک من حاجۃ۔ کوئی کام ہے تو بتاؤ۔ کسی مہم کے سلسلہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بیرون مدینہ تشریف لے جاتے تو مدینہ میں اپنا کسی کو نائب بنا جاتے حضرت عبداللہ کو یہ شرف دو بار حاصل ہوا۔

۲؎ حضرت عبداللہ کو نابینا کہنے میں ان کی تحقیر مقصود نہیں بلکہ ان کی طرف سے معذرت پیش کی جا رہی ہے۔ یعنی یہ نابینا معذور تھا۔ نہ محفل کو دیکھ سکا، نہ حاضرین کو پہچان سکا اور نہ اسے یہ پتہ چلا کہ آپ اس قدر مصروف ہیں۔ ان کا نام عبداللہ بن شریح بن مالک بن ربیعہ الفہری ہے بنی عامر بن لوی کے قبیلہ سے ہیں۔ رازی فرماتے ہیں ام مکتوم ان کی دادی تھیں۔ لیکن اکثر نے ام مکتوم کو ان کی والدہ لکھا ہے۔ یہ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پھوپھی زاد بھائی بھی تھے۔

۳؎ حضرت عبداللہ کے پاس خاطر کی وجہ بتائی جا رہی ہے کہ وہ کفار جن کی طرف آپ ہمہ تن متوجہ تھے۔ ان میں سے کسی کے دل میں طلب حق کا جذبہ نہ تھا۔ انہیں تو اپنی دولت کا گھمنڈ اور اپنے رئیس ہونے پر ناز تھا۔ وہ آپ کی دعوت کو سمجھنے اور سمجھ کر اس کو قبول کرنے کی نیت سے حاضر نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ آپ کی خصوصی توجہ کے باعث وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے تھے کہ اسلام کو ان کی بڑی ضرورت ہے۔ اگر انہوں نے اس دعوت کو قبول نہ کیا تو اسلام کی ترقی اور عروج کے امکانات ختم ہو کر رہ جائیں گے۔ ان نادانوں نے اس حقیقت کو نہ سمجھا کہ بیماروں کو مسیحا کی ضرورت ہوتی ہے نہ کہ مسیحا بیماروں کا محتاج ہوا کرتا ہے نہ کہ اس کے برعکس۔ غیرت خداوندی یہ کب گوارا کر سکتی تھی کہ وہ اپنے دل میں اسلام اور ہادی اسلام کے بارے میں اس قسم کے تصورات کو جگہ دیں اور یہ درویش تو پہلے ہی حق کی شمع اپنے سینہ میں فروزاں کر چکا تھا اور حضور کی غلامی سے عہد وفا باندھ چکا تھا۔ ان ازلی محروموں کے ساتھ جو کوشش ہو رہی تھی انہیں اس کا کوئی فائدہ پہنچنے والا نہ تھا۔ البتہ اسے جو آپ سکھاتے وہ اسے حرز جان بنا کر صدق دل سے اس پر عمل کرتا۔ اس کا آئینہ دل اور زیادہ شفاف اور تابناک ہو جاتا۔

اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ۝۴ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۝۵ فَاَنْتَ لَهٗ

یا وہ غور و فکر کرتا تو نفع پہنچاتی اسے یہ نصیحت ۴ لیکن وہ جو پروا نہیں کرتا ۔ آپ اس کی طرف تو

تَصَدّٰى ۝۶ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ۝۷ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ۝۸

توجہ کرتے ہیں اور آپ پر کوئی ضرر نہیں اگر وہ نہ سدھرے ۔ اور جو آپ کے پاس آیا ہے دوڑتا ہوا ۔

وَهُوَ يَخْشٰى ۝۹ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۝۱۰ كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝۱۱ فَمَنْ

اور وہ ڈر بھی رہا ہے تو آپ اس سے بے رخی برتتے ہیں ۵ ایسا نہ چاہیے یہ تو نصیحت ہے ۔ سو جس کا

۴ یا آپ اسے جو کلام الٰہی سناتے وہ اس میں مزید غور و فکر کرتا اس سے نصیحت قبول کرتا ۔ آپ کی یاد دہانی اس کے لیے بالم نفع بخش ہوتی ۔ دعوتِ اسلام اگرچہ عام ہے لیکن اس سے فائدہ تو وہی اٹھاتا ہے جو اس میں غور و فکر کرے ۔

۵ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سراپا رأفت و رحمت تھے ۔ حضور کی یہ آرزو تھی کہ کوئی بھی نعمتِ ایمان سے محروم نہ رہے اس لیے پوری دل سوزی سے ہر محجوب کو اس کے حجاب سے رہائی دلانے کی سعی فرماتے ۔ حضور کی اسی کیفیت کو قرآن نے حریصٌ علیکم کے کلمات سے یاد کیا ہے ۔ لیکن ان کی استعداد یکساں نہ تھی ۔ ان کے نظریات و افکار میں بڑا تفاوت تھا ۔ کچھ تو ایسے تھے جن کے دلوں میں حق کی تلاش کا ذوق موجود تھا اور وہ حضور کی ذاتِ اقدس کو ہی ایسا چشمہ تصور کرتے تھے جہاں سے ان کے ذوق کی تسکین ہو سکتی تھی ۔ اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جنہوں نے یہ طے کر لیا تھا کہ کچھ بھی ہو جائے وہ اس کو ہرگز قبول نہیں کریں گے ۔ اگر داعی ان نااہلوں کی طرف زیادہ توجہ مبذول کرے اور حق کے متلاشیوں کی طرف سے بے اعتنائی برتے تو اس دعوت کی ترقی میں غیر معمولی رکاوٹیں پیدا ہو جاتی ہیں ۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی تادیب و تربیت خود فرماتے ہیں اور ارشاد ہے کہ وہ شخص جو اس دعوت کی طرف سے بے نیازی کا رویہ اختیار کیے ہوئے ہے آپ اس کی طرف تو ہمہ تن متوجہ ہیں ، حالانکہ اگر وہ مسلمان نہ ہو تو آپ کی بلا سے ۔ نہ آپ پر اس کے اسلام لانے کی کوئی ذمہ داری ہے اور نہ آپ کو اس کے کفر سے کوئی ضرر پہنچ سکتا ہے ۔ لیکن وہ طالبِ حق جو پیغامِ حق سننے کے لیے سخت بے تاب ہے ، فرطِ شوق سے آپ کے قدموں میں دوڑا چلا آ رہا ہے اور اس کے دل میں خدا کا خوف ہے آپ اس کی طرف سے کیوں بے اعتنائی برتیں ۔ اے میرے حبیب ! آپ کو یہ بات زیب نہیں دیتی ۔ شمعِ ہدایت پر پروانہ وار نثار ہونے والوں کی طرف سے بے رخی آپ کے شایانِ شان نہیں ۔

شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۱۲﴾ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ﴿۱۳﴾ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ﴿۱۴﴾ بِاَيْدِيْ

بھی چاہے اسے قبول کرے ۷ یہ ایسے صحیفوں میں (ثبت) ہے جو معزز ہیں۔ جو بلند مرتبہ پاکیزہ ہیں ۸ ایسے کاتبوں کے

سَفَرَةٍ ﴿۱۵﴾ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ﴿۱۶﴾ قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ﴿۱۷﴾ مِنْ اَيِّ

ہاتھوں سے لکھے ہیں جو بڑے بزرگ اور نیکوکار ہیں ۹ غارت ہو (منکر) انسان! ۱۰ وہ کتنا احسان فراموش ہے ۱۱ کس چیز سے

شَيْءٍ خَلَقَهٗ ﴿۱۸﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ ؕ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ السَّبِيْلَ

اللہ نے اسے پیدا کیا۔ ایک بوند سے۔ اسے پیدا کیا پھر اس کی ہر چیز اندازے سے بنائی ۱۲ پھر زندگی کی راہ اس پر

۶ اگر وقف کَلَّا پر ہو تو پھر اس کا معنی ردع و زجر ہوگا یعنی ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہیے اور اگر کَلَّا پر وقف نہ ہو تو پھر یہ حقًّا کے معنی میں ہوگا یعنی یقیناً یہ آیاتِ ربانی ایک تذکرہ ہیں۔ جس کا جی چاہے ان سے نصیحت قبول کرے اور اپنی بگڑی بنالے اور جس کا جی چاہے ان سے اعراض کرے۔ ان لوگوں کو فوز و فلاح حاصل کرنے کے لیے اس دعوت کی حاجت ہے۔ اس دعوت کو ان کی ضرورت نہیں۔

۷ قرآن کریم کی عظمتِ شان کا ذکر ہو رہا ہے کہ قدرت نے اسے ان باعزت صحیفوں میں محفوظ کر دیا ہے جن کی شان بڑی اونچی ہے جن کا مرتبہ بڑا عالی ہے یہ ہر ملاوٹ اور آمیزش سے پاک ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ اس میں اپنی طرف سے کسی چیز کا اضافہ کرے یا اس میں باطل کو ملا دے۔

۸ سفرۃ، سافر کی جمع ہے۔ اس کا معنی ہے پوشیدہ چیز کو ظاہر کرنے والا۔ کاتب کو بھی سافر کہتے ہیں کہ وہ اپنی تحریر سے اپنے مافی الضمیر کو ظاہر کرتا ہے۔

یہاں سے ان فرشتوں کی تعریف کی جا رہی ہے جنہوں نے ان پاکیزہ صحیفوں میں کلامِ الٰہی کو تحریر کیا ہے کہ وہ بڑے بزرگ ہیں۔ ان سے یہ توقع ہرگز نہیں رکھی جا سکتی کہ انہوں نے کچھ اپنی طرف سے اضافہ کر دیا ہوگا یا کچھ کمی کر دی ہوگی۔ وہ نیکوکار ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں غفلت و سستی ان کے لیے ناممکن ہے۔

۹ مجاہد کہتے ہیں کہ قرآن میں جہاں بھی قُتِلَ الْاِنْسَانُ کے الفاظ آئے ہیں وہاں انسان سے مرد کافر ہے یعنی یہ انسان جو ہر لحظہ ہمارے احسانات سے بہرہ ور ہو رہا ہے لیکن ان کا شکریہ ادا نہیں کرتا بلکہ کفرانِ نعمت کی روش اختیار کرکے نافرمانی اور بغاوت پر آمادہ ہے بندگی کے بجائے کفر و شرک کو اپنا رکھا ہے غارت ہو جائے ایسا انسان! اس کا وجود انسانیت کے لیے باعثِ ننگ و عار ہے اس کا کٹ جانا اس کے باقی بچنے سے کہیں بہتر ہے۔

۱۰ اظہارِ تعجب کے لیے آیا ہے۔ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو بارگاہِ نبوت کے درویشوں اور فقیروں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور ان کی مجلس میں بیٹھنا بھی اپنی ہتک خیال کرتے تھے۔

۱۱ ذرا یہ لوگ اپنی اصلیت پر تو غور کریں۔ جب یہ دنیا میں آئے تو کیا ان کی یہی دھج کا یہی عالم تھا ان کے خزینے لعل و جواہر سے یوں ہی پُر تھے کتنے کم ظرف ہیں یہ لوگ کیا انہوں نے اس قطرۂ آب پر توجہ نہیں کی جس سے ان کا پُتلا تیار کیا گیا۔ شکمِ مادر میں ان کو کس نے پیدا کیا۔ وہ کون ہے

يَسَّرَهٗ ۝٢٠ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ۝٢١ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ۝٢٢ كَلَّا لَمَّا

آسان کر دی ۱۲؎ پھر اسے موت دی اور اسے قبر میں پہنچا دیا ۱۳؎ پھر جب چاہے گا اسے دوبارہ زندہ کرے گا ۱۴؎ یقیناً وہ بجا نہ لایا جو اللہ

يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ ۝٢٣ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ ۝٢٤ اَنَّا صَبَبْنَا

نے اسے حکم دیا تھا ۱۵؎ پھر ذرا انسان غور سے دیکھے اپنی غذا کو ۔ بے شک ہم نے زور

جس نے ان کے اعضا کی ساخت، شکل و صورت کا تعین، ان کی دماغی صلاحیتوں، ان کے مقدر کی پستی یا بلندی اور ان کی عسرت و ثروت کے بارے میں آخری فیصلہ صادر فرما دیا۔ آج جبکہ ان کا طوطی بول رہا ہے اس وقت بھی ان کی یہ مجال نہیں کہ اس الٰہی فیصلہ میں رائی برابر ردوبدل کر سکیں۔ ایسی بے بسی اور فرعونیت کا دعویٰ پرلے درجے کی حماقت اور کوتاہ نظری ہے۔

۱۲؎ یہ بڑی جامع آیت ہے۔ اس کے مفہوم میں یہ بات بھی داخل ہے کہ رحم مادر میں اسے پروان چڑھایا، وہاں سے اس کے باہر نکل آنے کی راہ آسان کر دی، اور یہ بھی اس کے مفہوم میں داخل ہے کہ گوناگوں قوتوں کی اس کے خمیر میں تخم ریزی کی۔ جب اسے اس دنیا میں پیدا کیا تو وہ سارا سامان بڑی فیاضی سے مہیا کر دیے جن کی وجہ سے اس کی امکانی قوتیں عمل جامہ پہن سکیں اور ان کا پوری طرح ظہور ہو سکے۔ اگر اللہ تعالیٰ ان کی نشوونما کے لیے سازگار فضا اور خوشگوار ماحول مہیا نہ کرتا تو وہ قوتیں ہمیشہ خوابیدہ رہتیں۔ وہ بیج بغیر اُگے ضائع ہو جاتے۔ یہ انسان جو کچھ بھی نظر آ رہا ہے اس کو اس مرتبہ تک پہنچانے میں قدرت کے لطف و کرم کا ہاتھ ہے۔ نیز اس آیت میں یہ حقیقت بھی بیان کی گئی ہے کہ ابدی فوز و فلاح کی منزل کی طرف جانے والی شاہراہ پر نبوت کے چراغ روشن کر کے رکھ دیے گئے ہیں جس سے سالک کو اپنی منزل تک پہنچنا آسان ہو گیا ہے۔ اگر رسالت کی تنویریں راستے کے نشیب و فراز کو روشن نہ کر دیتیں تو انسان کی کیا طاقت تھی کہ وہ بخیریت منزل تک پہنچ سکتا۔ کسی نہ کسی فکری گرداب میں ڈبکی کھا رہا ہوتا یا کوئی لغزش اسے کسی تاریک غار میں دھکیل دیتی اور وہ وہاں دم توڑ چکا ہوتا۔

۱۳؎ جب تک اس کی موت کا مقررہ وقت نہیں آتا ہزاروں خطرات میں بھی یہ سلامت رہتا ہے۔ بارش کی طرح برستے ہوئے بم بھی اس کا بال بیکا نہیں کر سکتے۔ دشمن کی کوئی سازش اس کو گزند نہیں پہنچا سکتی اور جب صدر دفتر سے اس کی موت کا پروانہ جاری ہو چکا ہے تو پھر ہزاروں محافظوں کے جھرمٹ میں سے بھی موت کا ہاتھ اسے اچک لیتا ہے۔ پھر کہیں یہ بھاگ سکتا ہے، نہ چھپ سکتا ہے، نہ خود بچ سکتا ہے اور نہ اسے کوئی بچا سکتا ہے۔ اور پھر جہاں اس کے خالق کی مرضی ہوتی ہے وہاں اسے دفن کر دیا جاتا ہے۔ زمین کا شکم، پرندوں اور درندوں کے معدے اور قعر دریا اس کا مدفن بن سکتے ہیں۔ بے بسی کا یہ عالم اور اس پر اتنا غرور اور گھمنڈ؟

۱۴؎ وہ قادر مطلق جس کے قبضے میں کی آفرینش، پیدائش، انتہائے حیات اور موت کے بارے میں اٹل تھے وہی جب چاہے گا اسے دوبارہ زندہ کر کے اسے کھڑا کر دے گا۔

۱۵؎ یہاں کلا، حقا کے مترادف ہے۔ یعنی انسان کو اس کے مالک نے جن احکام کو بجا لانے کا حکم دیا، افسوس کہ وہ ان کو بجا لانے سے قاصر رہا۔ اپنی کم فہمی کے باعث وہ ان احکام کو بوجھ سمجھتا رہا۔ اپنی ترقی کی راہ میں سنگ گراں خیال کرتا رہا، حالانکہ اگر وہ ان ارشادات کی کماحقہ تعمیل کرتا تو

الْمَآءَ صَبًّا ﴿۲۵﴾ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ﴿۲۶﴾ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ﴿۲۷﴾

سے پانی برسایا۔ پھر اچھی طرح پھاڑا زمین کو۔ پھر ہم نے اُگایا اس میں غلہ

وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ﴿۲۸﴾ وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ﴿۲۹﴾ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ﴿۳۰﴾ وَّفَاكِهَةً

اور انگور اور ترکاریاں اور زیتون اور کھجوریں اور گھنے باغات اور طرح طرح کے پھل

وَّاَبًّا ﴿۳۱﴾ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۲﴾ فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ﴿۳۳﴾

اور گھاس۔ سامانِ زیست تمہارے لیے اور تمہارے مویشیوں کے لیے ۱۶؎ پھر جب کان بہرا کرنے والا شور اٹھے گا ۱۷؎

اس کا اپنا بھلا ہوتا۔

۱۶؎ انسان کے احوالِ معاد ذکر کرنے کے بعد اب اس کے احوالِ معاش کا ذکر ہو رہا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت اور بے شمار نوازشات کے جو جلوے دکھ رہے ہیں ان کی طرف انسان کو متوجہ کیا جا رہا ہے۔ یعنی تم اپنے دسترخوان پر چُنے ہوئے رنگارنگ کھانوں کو ہڑپ کر جاتے ہو اور یہ نہیں سوچتے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح ان کو پیدا کیا ہے۔ بارش برستی ہے۔ بیج زمین کا سینہ شق کرتے ہوئے نازک نازک پتیوں کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں پھر وہ اُگتے ہیں نشوونما پاتے ہیں۔ کسی کھیت میں تمہارے لیے اناج کے ذخیرے تیار کیے جا رہے ہیں کہیں انگوروں کی بیلیں زمین پر پلی کھاتی نشوونما پا رہی ہیں۔ کہیں تمہارے جانوروں کے لیے چارہ اُگ رہا ہے۔ زیتون اور کھجور کے درخت کہیں بہار دکھا رہے ہیں کہیں شاداب اور گھنے باغات ہیں جن کے درختوں کی ٹہنیاں رنگارنگ پھولوں اور پھلوں سے لدی ہیں۔ کہیں گھاس اُگ رہی ہے جو تمہارے جانوروں کے کام آتی ہے۔ اس طرح ہم نے اپنی رحمت و قدرت سے تمہارے لیے اور تمہارے حیوانوں کے لیے سامانِ زیست فراہم کر دیا ہے۔

مشکل الفاظ کی تشریح: صب: پانی کو اوپر سے انڈیلنا۔ شقا: زمین کا پھٹنا اس کا چرنا۔ حبّا سے مراد ہر قسم کا اناج ہے گندم جو اور تمام وہ غلہ جسے کاٹا جاتا ہے اور اس کا ذخیرہ کیا جاتا ہے۔ ای الحبا شعیرا وسائر ما یحصد ویدخر۔ قضبا: قضب کا لغوی معنی کاٹنا ہے۔ وہ چارہ جو کاٹنے کے بعد پھر اُگ آتا ہے اس کو بھی قضب کہتے ہیں اور وہ ترکاریاں جن کا اوپر سے کاٹا جاتا ہے اور ان کی جڑیں پھر پھوٹ آتی ہیں ان کو بھی قضب کہا جاتا ہے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں هو القت والعلف؛ سمی بذلك لانه يقضب ای يقطع بعد ظهوره مرة بعد اخرى وسائر البقول التي تقطع فينبت اصلها۔ (قرطبی)

غلبا: جو درخت بھاری بھرکم ہو اس کو شجرة غلباء کہتے ہیں۔ شیر کو اغلب کہا جاتا ہے کیونکہ اس کی گردن موٹی اور بھاری ہوتی ہے۔ حدیقة غلبا کا معنی یہ ہوگا کہ وہ باغات جن کے درخت بھاری بھرکم ہوتے ہیں جن کی شاخیں باہم پیوست ہوتی ہیں۔ ابّا: هو ما تاكله البهائم من العشب۔ وہ چارہ اور گھاس جو جانوروں کے کھانے کے کام آتا ہے۔

۱۷؎ ذکرِ معاش کے بعد پھر ذکرِ معاد ہو رہا ہے تاکہ لوگ اس کے لیے تیار ہو جائیں اور اس طویل سفر کے لیے اعمالِ صالحہ کی زاد فراہم کر لیں۔

الصّآخّة: خلیل اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں الصاخة صيحة تصخ الآذان صخا ای تصمها بشدة وقعتها۔ (قرطبی) یعنی صاخۃ اس

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ۝٣٤ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ۝٣٥ وَصَاحِبَتِهِ وَ

اس دن آدمی بھاگے گا اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور

بَنِيهِ ۝٣٦ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ۝٣٧ وُجُوهٌ

اپنے بچوں سے۔ ہر شخص کو ان میں سے اس دن ایسی فکر لاحق ہوگی جو اسے (سب سے) بے پروا کر دے گی ۱۸ کتنے ہی چہرے

يَوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ۝٣٨ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ۝٣٩ وَوُجُوهٌ

اس دن (نورِ ایمان سے) چمک رہے ہوں گے۔ ہنستے ہوئے خوش و خرم ۱۹ اور کئی منہ

يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۝٤٠ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ۝٤١ أُولَٰئِكَ هُمُ

اس دن غبار آلود ہوں گے۔ ان پر کالک لگی ہوگی۔ یہی وہ کافر (و)

الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ۝٤٢

فاجر لوگ ہوں گے ۲۰

ع ۲ / ۵

گرجدار آواز کو کہتے ہیں جس کے شور سے کان بہرے ہو جاتے ہیں۔ اس سے مراد نفخۂ ثانیہ ہے جبکہ سب لوگ اپنی قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے۔

۱۸ اس دن عجیب افراتفری اور نفسا نفسی کا عالم ہوگا۔ کسی کو دوسرے کی ہوش نہ ہوگی۔ ہر ایک اپنی مصیبت میں پھنسا ہوگا۔

۱۹ اس ہولناک دن بھی بعض چہرے ایسے ہوں گے جو چمک رہے ہوں گے۔ خوشی سے ہنس رہے ہوں گے اور ان کے چہروں پر مسرت و فرحت کے آثار نمایاں ہوں گے۔ انہیں کوئی اندیشہ اور فکر نہ ہوگا۔ الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون کا منظر ساری دنیا دیکھ رہی ہوگی۔

۲۰ لیکن وہ بدنصیب جنہوں نے سرکشی اور سرتابی کرتے کرتے اپنی عمریں برباد کر دی تھیں ان کے چہروں پر خاک اڑ رہی ہوگی ان کے چہروں پر سیاہی چھائی ہوگی۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو ساری عمر کفر کرتے رہے اور فسق و فجور میں مبتلا رہے۔

اللّٰهم انت ربنا وانت الرحمٰن الرحيم اجعل وجوهنا يومئذ مسفرة ضاحكة مستبشرة۔ انت اهل التقوىٰ و اهل المغفرة بجاه حبيبك الكريم ورسولك المعظم الذي ارسلته رحمة للعٰلمين والبسته تاج الشفاعة للمذنبين اللهم ابعثه مقاما محمودا يغبطه فيه الاولون والآخرون وصل وسلم وبارك عليه وعلى آله واصحابه ومن احبه و اتبعه الى يوم الدين يا اكرم الاكرمين يا ارحم الراحمين۔ فاطر السمٰوات والارض انت ولي في الدنيا والآخرة توفني مسلما والحقني بالصالحين۔

تعارف

سُورۃُ التکویر

نام : پہلی آیت میں کُوِّرت باب تفعیل سے ماضی مجہول کا صیغہ مذکور ہے جس کا مصدر تکویر ہے۔ یہی اس سورۃ کا نام ہے۔

زمانۂ نزول : آیات کا اسلوب گواہی دے رہا ہے کہ یہ آغاز رسالت کے عہد میں نازل ہوئی۔ نیز جن دو مسئلوں قیامت اور رسالت کو یہاں وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ وہ بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔

مضامین : قیامت اور رسالت کے بارے میں ہی یہاں دلائل و شواہد ذکر فرمائے جا رہے ہیں۔ قیامت کے دو مرحلے ہیں۔ پہلا مرحلہ وہ ہے جب یہ موجودہ نظام کائنات درہم برہم کر دیا جائے گا۔ نہ چرخ نیلوفری رہے گا نہ مہر و ماہ کی تابانیاں ہیں گی اور نہ ان گنت ستارے چمکتے رہیں گے۔ فلک بوس پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر ہوا میں غبار کی طرح اُڑنے لگیں گے۔ چرند و پرند کی حالت دیدنی ہوگی۔ اس کے بعد اس کے دُوسرے مرحلے کا ذکر فرمایا گیا جب دوسری مرتبہ صُور پھونکا جائے گا ہر چیز اپنی اپنی قبروں سے زندہ و بیدار اُٹھ کھڑی ہوگی اور سب کو بارگاہ خداوند ذوالجلال میں محاسبہ کے لیے پیش کر دیا جائے گا۔ ایک طرف آنکھوں کے سامنے دوزخ کے شعلے بھڑک رہے ہوں گے۔ دوسری طرف جنت اپنی تمام زینت اور آرائش کے ساتھ بندگانِ خدا کے لیے چشم براہ ہوگی۔

ذکر قیامت کے بعد رسالت کا تذکرہ فرمایا پہلے متعدد قسمیں کھائیں پھر بتایا کہ حاملِ قرآن اللہ کا رسول ہے۔ یہ کلام جو وہ تمہیں پڑھ کر سناتا ہے۔ یہ نہ اس نے خود تالیف کیا ہے اور نہ کسی نے اُسے لکھایا اور پڑھایا ہے بلکہ ایک معزز و محترم فرشتہ جس کی امانت و دیانت ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ وہ فرشتہ اللہ کی جناب سے لے کر آیا ہے۔

اے نادانو! اس چشمۂ شیریں کو چھوڑ کر تم سراب کے پیچھے کیوں دوڑے جا رہے ہو۔ ذرا ہوش سے کام لو اپنی عاقبت برباد نہ کرو۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا

۷۷-۴-۶

سُوْرَةُ التَّكْوِيْرِ مَكِّيَّةٌ ﴿٧﴾ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ هِيَ تِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً ﴿٢٩﴾

سورۃ التکویر مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — اس میں ۲۹ آیات ہیں۔

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝۱ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ۝۲ وَاِذَا الْجِبَالُ

(یاد کرو) جب سورج لپیٹ دیا جائے گا [۱] اور جب ستارے بکھر جائیں گے [۲] اور جب پہاڑوں کو اکھیڑ دیا

سُيِّرَتْ ۝۳ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۝۴ وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ۝۵ وَ

جائے گا [۳] اور جب دس ماہ کی گابھن اونٹنیاں چھٹی پھریں گی [۴] اور جب وحشی جانور یکجا کر دیے جائیں گے [۵] اور

[۱] وقوعِ قیامت کے وقت جو ہولناک تغیرات رونما ہوں گے ان کا ذکر کیا جا رہا ہے تاکہ لوگ خوابِ غفلت سے آنکھیں کھولیں، اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری اختیار کریں، کہ اس روز انہیں اپنے اعمال پر پریشانی اور پشیمانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

نظامِ شمسی میں آفتاب کی اہمیت کسی سے مخفی نہیں، جب ابھرتا ہے تو اس کی کرنیں اندھیروں میں ڈوبی ہوئی دنیا کو آناً فاناً منور کر دیتی ہیں، اس کی حرارت سے زمین تانبے کی طرح تپ جاتی ہیں لیکن اس روز اس کی نور افشانی کرنے والی کرنیں اس کے ارد گرد لپیٹ دی جائیں گی، اس کی تیز رفتار شعاعوں کو زنجیر پا کر دیا جائے گا اور جب یہ منبعِ نور بے نور ہو جائے گا تو اس وقت جو اندھیرا پھیلے گا وہ کس قدر گہرا اور کتنا بھیانک ہو گا اس کا صرف تصور ہی ہوش رُبا ہے۔

جب کوئی شخص اپنی لمبی دستار کو سر کے ارد گرد لپیٹ لیتا ہے تو عرب کہتے ہیں کَوَّرَ الْعِمَامَةَ عَلَى الرَّأْسِ۔ اسی سے تکویر بابِ تفعیل ہے۔

[۲] سورج کے بعد ستاروں کی حالت زار بیان کی جا رہی ہے کہ وہ تیزی سے ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر جائیں گے۔ انکدر: اسرع وانقض۔ ٹوٹنا۔ وانکدرت النجوم: تناثرت۔ وہ قانونِ کشش جو ہر ایک ستارہ کو اپنے مقام پر اور ہر ایک سیارہ کو اپنے مدار میں روکے ہوئے ہے، وہ قانون منسوخ کر دیا جائے گا، ستارے اپنی اپنی جگہ سے ٹوٹ کر بکھر جائیں گے۔ بعض نے انکدرت کا معنی مکدر ہونا، بے نور ہونا کیا ہے یعنی ستاروں کی چمک ختم ہو جائے گی۔

[۳] اسی طرح کششِ ثقل بھی فنا ہو جائے گی، پہاڑوں کا وزن باقی نہیں رہے گا، ہوا کے جھونکے روئی کے گالوں کی طرح انہیں فضا میں اڑانے لگیں گے۔ انجام کار ان کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہے گا۔

[۴] عشار: اس گابھن اونٹنی کو کہتے ہیں جس کو دسواں مہینہ ہو اور وہ جلد ہی ایک بچے کو جنم دینے کے ساتھ شیر دار ہونے والی ہو۔ اہلِ عرب کو ویسے ہی اونٹ بڑے عزیز ہوتے ہیں خصوصاً وہ اونٹنی جس کے حمل کو دس ماہ گزر چکے ہوں ان کے نزدیک وہ متاعِ گراں بہا شمار ہوتی ہے۔ وہ اس کی حفاظت اور دیکھ بھال پوری توجہ سے کرتے ہیں لیکن قیامت کے روز لوگوں کی بدحواسی کا یہ عالم ہو گا کہ ایسی قیمتی چیز کا بھی کوئی پرسان حال نہ ہو گا، ہر ایک کو اپنی جان کی پڑی ہو گی۔

[۵] صرف انسان ہی بدحواس نہ ہوں گے بلکہ جنگلی جانور جو انسان کی آواز سے بھاگتے اور اس کے سائے سے دور رہتے ہیں وہ بھی جنگل

وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ﴿۶﴾ وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ﴿۷﴾ وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ

اور جب سمندر بھڑکا دیے جائیں گے ؎۶ اور جب جانیں (جسموں سے) جوڑ دی جائیں گی ؎۷ اور جب زندہ درگور کی ہوئی (بچی)

سُئِلَتْ ﴿۸﴾ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ﴿۹﴾ وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ﴿۱۰﴾ وَاِذَا

سے پوچھا جائے گا ؎۸ کہ وہ کس گناہ کے باعث ماری گئی۔ اور جب اعمال نامے کھولے جائیں گے اور جب

بیابان چھوڑ کر شہروں میں آگھسیں گے۔ نہ کوئی گدھا کسی کو دولتیاں مارے گا، نہ کوئی سانپ کسی کو ڈسے گا اور نہ کسی شیر کو کسی شکار کو پھاڑنے کی ہوش ہو گی۔ سب دم دبائے اور سہمے ایک جگہ جمع ہوں گے۔

؎۶ سمندروں میں اس روز پانی کی لہروں میں آگ کے شعلے اٹھ رہے ہوں گے۔ پانی سے شعلوں کا اٹھنا تعجب انگیز معلوم ہوتا ہے لیکن اگر پانی کے اجزائے ترکیبی پر نظر ڈال لی جائے تو تعجب اس پر نہیں ہونا چاہیے کہ اس سے آگ بھڑکے گی بلکہ حیرت اس پر ہوگی کہ پانی ڈالنے سے آگ بجھ کیوں جاتی ہے۔ پانی دو گیسوں آکسیجن اور ہائیڈروجن کا مرکب ہے۔ ان میں سے ایک گیس بھڑکانے والی ہے اور دوسری بھڑک اٹھنے والی ہے چاہیے تو یہ تھا کہ جب ان کو اکٹھا کیا جائے تو یہ آگ کی صورت اختیار کر لیں لیکن قادرِ مطلق نے ان کے مرکب کو پانی کی شکل دے دی اور اس میں آگ بجھانے کی تاثیر رکھ دی۔ قیامت کے دن جب دوسرے تکوینی ضابطے بالائے طاق رکھ دیے جائیں گے، سورج، ستارے اور پہاڑ کیا سے کیا بن جائیں گے پانی کے اس ضابطہ پر بھی قلم تنسیخ کھینچ دیا جائے گا۔ آکسیجن اور ہائیڈروجن اپنی اصلی حالت پر لوٹ آئیں گی اور ان کے بے پایاں ذخائر جو سمندروں میں پانی کی صورت میں آج ٹھاٹھیں مار رہے ہیں وہ بھڑکتے شعلے بن جائیں گے۔ سبحان من لا تنتہی حکمہ ولا یحاط بآثار قدرتہ۔

؎۷ اس کا ایک مفہوم تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ اعمال و اخلاق کے مطابق انسانوں کی گروہ بندی کر دی جائے گی۔ مقربین کا ایک گروہ ہوگا اصحاب یمین ایک پرچم تلے اکٹھے ہوں گے اور اصحاب شمال کو ایک جگہ جمع کیا جائے گا۔

ع کند ہم جنس با ہم جنس پرواز

قال الحسن، اُلحق کل امرئ بشیعتہ۔ اور عکرمہ سے اس کا یہ معنی منقول ہے۔ قرنت الارواح بالاجساد۔ یعنی قیامت کے دن روحوں کو پھر جسموں کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ (قرطبی)

؎۸ عہد جاہلیت میں کئی قبیح اور سنگدلانہ رسمیں رائج تھیں جنہیں وہ بڑے شرح صدر سے انجام دیا کرتے تھے۔ انہی غیر انسانی رسوم سے ایک یہ بھی تھی کہ وہ اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے۔ اس پر شرمندہ یا پشیمان ہونے کے بجائے وہ فخر و مباہات کا اظہار کیا کرتے تھے۔ اس ظالمانہ حرکت کے آغاز کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ ایک دفعہ ربیعہ قبیلہ پر ان کے دشمنوں نے شبخون مارا اور ربیعہ کے ایک سردار کی بیٹی کو وہ اٹھا کر لے گئے۔ جب دونوں قبیلوں کے درمیان صلح ہو گئی تو اس لڑکی کو بھی واپس کر دیا گیا اور اسے اختیار دیا گیا کہ چاہے اپنے باپ کے پاس رہے اور چاہے تو اسیری میں جس کے ساتھ رہ رہی تھی اس کے پاس واپس چلی جائے۔ اس نے اس شخص کے پاس جانا پسند کیا۔ اس کے باپ کو بڑا غصہ آیا اور اس نے اپنے قبیلے میں یہ رسم جاری کر دی کہ جب کسی کے ہاں بچی پیدا ہو تو اس کو زندہ زمین میں دبا دیا جائے تاکہ آئندہ ان کی ایسی رسوائی نہ ہو۔ آہستہ آہستہ دوسرے

قبائل میں بھی یہ رواج مقبولیت اختیار کر گیا اور اس کی کئی وجوہات تھیں۔ ① عام اہل عرب کی معاشی حالت بڑی خستہ ہوتی تھی بچیوں کو پالنا پوسنا پھران کی شادی کرنا وہ اپنے لیے ناقابل برداشت بوجھ تصور کرتے تھے اس لیے ان کو بچپن میں ہی ٹھکانے لگا دیا کرتے تھے۔ قبائل میں باہمی کشت وخون روزمرہ کا معمول تھا۔ لڑکے جوان ہو کر ایسی لڑائیوں میں ان کا ہاتھ بٹاتے۔ لڑکیاں لڑائیوں میں بھی شرکت نہ کر سکتیں اور پھر ان کو دشمن کی دستبرد سے بچانے کے لیے بھی انہیں کافی تردد کرنا پڑتا اس لیے وہ ان کو زندہ رکھنا اپنے لیے وبال جان سمجھتے ② ان کی جاہلانہ نخوت بھی اس کا ایک سبب تھی۔ وہ کسی کو اپنا داماد بنانا اپنی توہین سمجھتے تھے۔ اس سے بچنے کا یہی آسان طریقہ تھا کہ بچی زندہ ہی نہ رہنے دی جائے اور نہ کوئی ان کا داماد بنے۔

وجوہات اگرچہ مختلف اور متعدد تھیں لیکن یہ ظالمانہ رسم عرب کے جاہلی معاشرے میں اپنے پنجے بہت گہرے گاڑ چکی تھی۔ عام طور پر اسے کوئی معیوب چیز اور ظلم بھی نہ سمجھا جاتا۔ باپ اپنی اولاد کا مالک کل ہے۔ چاہے اسے زندہ رکھے، چاہے قتل کر دے، کسی کو اس پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں۔ لیکن اس سنگ دل معاشرے میں خال خال ایسے لوگ موجود تھے جو معصوم بچیوں کی بے کسی پر خون کے آنسو بہاتے اور ان سے جتنا کچھ بن آتا اس سے دریغ نہ کرتے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچازاد بھائی زید بن عمرو بن نفیل کو جب پتہ چلتا کہ فلاں کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی ہے اور وہ اس کو زندہ دفن کرنا چاہتا ہے تو دوڑ کر اس کے پاس جاتے اور اس بچی کی پرورش اور اس کی شادی وغیرہ کے اخراجات کی ذمہ داری اٹھاتے اور اس طرح اس معصوم کی جان بچاتے۔

مشہور شاعر فرزدق کے دادا صعصعہ بن ناجیہ المجاشعی کا بھی یہی معمول تھا۔ علامہ آلوسی نے طبرانی کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے زمانہ جاہلیت میں بھی نیک کام کیے ہیں، کیا مجھے ان کا بھی اجر ملے گا؟ میں نے تین سو ساٹھ بچیوں کو زندہ درگور ہونے سے بچایا اور ہر ایک کے عوض دو دو دس دس ماہ کی گابھن اونٹنیاں اور ایک ایک اونٹ بطور فدیہ ان کے باپوں کو دیا کیا مجھے اس عمل کا کوئی اجر ملے گا؟ فقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اجرہ اذ منّ اللہ علیک بالاسلام۔ نبی رحمت نے فرمایا اس عمل کا اجر تو تجھے مل گیا اللہ تعالیٰ نے تجھ کو اسلام لانے کی توفیق مرحمت فرمائی اور نعمت ایمان سے تجھے سرفراز کر دیا۔ (روح المعانی)

چنانچہ فرزدق اپنے دادا کے اس کارنامے پر فخر کیا کرتا تھا۔ اس کا ایک شعر ہے ؎

وجدّی الذی منع الوائدۃ　　فاحیا الوئید فلم توئد

میرا دادا وہ ہے جس نے زندہ درگور کرنے والیوں کو روکا۔ اس طرح ان بچیوں کو زندہ درگور ہونے سے بچا کر زندگی بخش دی۔

لیکن اس ظالمانہ رسم کا پوری طرح قلع قمع اس وقت ہوا جب اللہ تعالیٰ کا محبوب رحمۃ للعالمین بن کر تشریف لایا اور بیٹی کو وہ شان بخش دی کہ وہ باعث عار ہونے کے بجائے اپنے والدین کے لیے وجہ صد افتخار بن گئی حضور نے اپنے دلآویز ارشادات سے اس غلط فہمی کو اہل عرب کے دلوں سے نکال دیا کہ بچی ایک ناگوار بوجھ ہے یا خاندان کی ذلت و رسوائی کا سبب ہے۔ چند ارشادات آپ بھی ملاحظہ فرمائیں تاکہ آپ کے دل میں اپنی بچیوں کی قدر و منزلت پیدا ہو۔

① مَنِ ابْتُلِیَ مِنْ ھٰذِہِ الْبَنَاتِ بِشَیْءٍ فَاَحْسَنَ اِلَیْھِنَّ کُنَّ لَہٗ سِتْرًا مِّنَ النَّارِ۔ جو شخص ان بچیوں کا باپ بننے سے آزمایا گیا اور اس نے ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا تو وہ اس کے لیے آتش جہنم سے پردہ ثابت ہوں گی۔ (بخاری و مسلم)

(۲) ام سلمہ کی روایت ہے من عال جاریتین حتی تبلغا جاء یوم القیامۃ انا وھو ھکذا وضم اصابعہ۔ جس نے دو لڑکیوں کی پرورش کی یہاں تک کہ وہ بالغ ہوگئیں تو قیامت کے دن میں اور وہ اس طرح کھڑے ہوں گے، یہ فرمایا اور اپنی انگلیوں کو باہم پیوست کر دیا۔

(۳) ابوداؤد کی حدیث ہے من کانت لہ انثٰی ولم یئدھا ولم یھنھا ولم یؤثر ولدہ علیھا ادخلہ اللہ الجنۃ۔ جس کی ایک بچی ہو وہ اسے زندہ درگور بھی نہ کرے اس کی توہین بھی نہ کرے اپنے بیٹے کو اس پر فوقیت بھی نہ دے تو اس امر کے بدلے اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا۔

آخر میں تعلیم نبوی کی ہمہ گیری کا اندازہ کرنے کے لیے آپ یہ حدیث پاک پڑھیں:

ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال لسراقۃ بن جعشم الا ادلک علی اعظم الصدقۃ او من اعظم الصدقۃ قال بلی یا رسول اللہ! قال ابنتک المردودۃ الیک لیس لھا کاسب غیرک۔ (ابن ماجہ) نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سراقہ بن جعشم سے فرمایا کیا میں تمہیں سب سے بڑے صدقہ پر آگاہ نہ کروں، عرض کیا ضرور مہربانی فرمایئے۔ فرمایا تیری وہ بیٹی جو طلاق پا کر یا بیوہ ہو کر تیری طرف پلٹ آئے اور تیرے سوا اس کے لیے کمانے والا کوئی نہ ہو۔

کثیر التعداد احادیث میں سے صرف چند احادیث یہاں ذکر کی گئی ہیں۔ حضور کے اس قسم کے ارشادات اور اپنی دختران عالی مرتبت کے ساتھ آپ کا غایت درجہ پیار اور ہر موقع پر ان کی قدر افزائی یہ وہ اسباب تھے جن کے باعث بچیوں کے متعلق صرف اہل عرب کے نظریات میں ہی انقلاب نہیں آیا بلکہ دنیا بھر میں بچیوں کی قدر و منزلت بلند ہوگئی۔

اب ذرا آیت کا مفہوم سمجھنے کی کوشش فرمایئے۔

یہ نہیں فرمایا کہ اس کے سنگدل باپ سے پوچھا جائے گا کہ تو نے اپنی بچی کو کیوں زندہ درگور کیا بلکہ فرمایا کہ اس بچی سے پوچھا جائے گا گویا یہ باپ جس نے اپنی بے گناہ بچی پر ایسا ظلم کیا ہے نگاہ خداوندی میں اس قابل ہی نہیں کہ اس کو خطاب کیا جائے اسے منہ لگایا جائے۔ اظہار کمال الغیظ والسخط لوائدھا واسقاطہ عن درجۃ الخطاب والمبالغۃ فی تبکیتہ۔ (روح المعانی) یعنی اس انداز سے اپنے غصے اور ناراضگی کی انتہا کا اظہار کیا گیا۔ اس کو مخاطب بنانے کے درجے سے ہی گرا دیا گیا اور اس کو رسوا کرنے میں مبالغہ سے کام لیا گیا۔

نیز ظالم سے اگر اس کے ظلم کے بارے میں پوچھا جائے تو وہ اس کے لیے کئی حیلے بہانے تراشنے لگتا ہے اس لیے مناسب یہی تھا کہ مظلوم سے پوچھا جائے تاکہ وہ اپنے ظلم و الم کی داستان بیان کرے۔

اس میں ایک اور حکمت بھی ہے۔ وہ یہ کہ دنیا میں کئی مظلوم ہوتے ہیں جنہیں ناحق قتل کر دیا جاتا ہے لیکن ان کا انتقام لینے کے لیے کئی تلواریں بے نیام ہو جاتی ہیں یا کم از کم ان کی مظلومیت پر رنج و غم کے آنسو تو بہائے جاتے ہیں اور یہ ایسی مظلومہ تھی جس پر ظلم اس کے ماں باپ نے کیا۔ اس کی مظلومیت پر کسی نے صدائے احتجاج بھی بلند نہ کی۔ اس کی جواں مرگی پر کوئی آنکھ نمناک تک نہ ہوئی بلکہ اطمینان کا سانس لیا گیا۔ اس کے قاتل پر تحسین و آفرین کے پھول نچھاور کیے گئے۔ اسے غیرت مند اور اپنے خاندان کی ناموس کے پاسبان کا خطاب ملا۔ کیا مظلومیت میں اس کا کوئی ہمسر ہے۔ اگر ایسی معصوم ستم رسیدہ بچی کی دلجوئی اس کا پروردگار بھی نہ کرے تو اور کون کرے گا۔

اس سوال میں قیامت کے برپا کرنے کی حکمت کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ تم خود سوچو کہ اگر قیامت برپا نہ ہو تو کیا اس مظلومہ کی دادرسی کی کوئی

السَّمَآءُ كُشِطَتْ ﴿١١﴾ وَإِذَا الْجَحِيمُ سُعِّرَتْ ﴿١٢﴾ وَإِذَا الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ ﴿١٣﴾

آسمان کی کھال ادھیڑ لی جائے گی ۹ اور جب جہنم دہکائی جائے گی اور جب جنت قریب کر دی جائے گی۔

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ أَحْضَرَتْ ﴿١٤﴾ فَلَآ أُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ﴿١٥﴾ الْجَوَارِ

(تو اس دن) ہر شخص جان لے گا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے ۱۰ پھر میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹ جانے والے تاروں کی، اور قسم کھاتا ہوں سیدھے چلنے

الْكُنَّسِ ﴿١٦﴾ وَالَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ ﴿١٧﴾ وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ ﴿١٨﴾ إِنَّهُ

والے رک رک جانے والے تاروں کی ۱۱ اور رات کی جب وہ رخصت ہونے لگے ۱۲ اور صبح کی جب وہ سانس لے ۱۳ کہ یہ (قرآن) ایک

صورت ہو سکتی ہے ایسے ظالم کو سزا دینا ممکن ہے۔ اگر ستم زدہ مظلوم والدین کو رزا دیئے والا ظالم محاسبہ سے بچ جائے تو اس سے بڑی اندھیر گردی اور کیا ہو سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں عدل ہے، انصاف ہے، اندھیر گردی اور جور و ستم نہیں۔

۹ قیامت کے دوسرے واقعات بیان کیے جا رہے ہیں کشط کہتے ہیں کسی کی کھال ادھیڑ لینا۔ فاصل الکشط۔ السلخ یعنی آج انسان چرخ نیلوفری کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتا ہے تو اس کے جلال و جمال کو دیکھ کر حیران ہو جاتا ہے۔ لیکن اس روز جب اس کی کھال اتار لی جائے گی تو جلال و جمال سب فنا ہو جائے گا اور اس کے چپے چپے سے وحشت برسنے لگے گی۔

۱۰ اس وقت غفلت کے سارے پردے اٹھ جائیں گے۔ ہر قسم کا خمار اتر جائے گا اور اسے اچھی طرح معلوم ہو جائے گا کہ اس نے اپنی زندگی میں کیا کھویا کیا پایا؟ اس کے اعمال نیک و بد اسے اپنے سامنے نظر آنے لگیں گے۔

یہاں تک سورت کا ایک مضمون اختتام پذیر ہوا۔ اس کے بعد دوسرا مضمون شروع ہوتا ہے اور وہ ہے حضورؐ کی رسالت کا بیان۔

۱۱ پہلے خنّس، جوارِ، الکنّس کا لغوی معنی ذہن نشین کر لیں۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں الخنّس جمع خانس من الخنوس۔ وھو الانقباض والاستخفاء۔ خنّس کا واحد خانس ہے جو خنوس سے مشتق ہے۔ اس کا معنی سمٹ جانا اور چھپ جانا ہے۔ الجوار، جمع جاریۃ من الجری وھو المرّ السریع: جواری کا واحد جاریۃ ہے۔ یہ جریٌ سے مشتق ہے۔ اس کا معنی تیزی سے گزرنا۔

الکنّس: جمع کانس وکانسۃ من کنس الوحش اذا دخل کناسہ۔ کنّس کا واحد کانس اور کانسہ ہے۔ یہ کنس الوحش سے ماخوذ ہے۔ اس کا معنی ہے کہ جنگلی جانور اپنے ٹھکانے میں داخل ہو گیا۔ اب ان الفاظ سے کیا مراد ہے تو سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا اس سے تمام ستارے مراد ہیں۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی گئی ہے کیونکہ وہ دن کے وقت آنکھوں سے چھپ جاتے ہیں اس لیے انہیں خُنّس کہا اور رات کے وقت اپنی اپنی جگہ پر نمودار ہو جاتے ہیں اس لیے انہیں کنّس کہا۔ ابن ابی حاتم نے سیدنا علی مرتضیٰ سے یہ قول بھی نقل کیا ہے انہ قال ھی خمسۃ انجم زحل، عطارد، مشتری، مریخ اور زہرہ۔ کہ آپ نے فرمایا ان سے یہ پانچ ستارے مراد ہیں۔ ان کو نجوم متحیرہ بھی کہتے ہیں۔

لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿١٩﴾ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ﴿٢٠﴾

معزز قاصد کا لایا ہوا قول ہے ؎۱۴ جو قوت والا ہے مالکِ عرش کے ہاں عزت والا ہے۔

مُطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ﴿٢١﴾ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ﴿٢٢﴾ وَلَقَدْ رَاٰهُ

سب فرشتوں کا سردار اور وہاں کا امین ہے اور تمہارا یہ ساتھی کوئی مجنون تو نہیں ؎۱۵ اور بلاشبہ اس نے اس

بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ﴿٢٣﴾ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ﴿٢٤﴾ وَمَا هُوَ

قاصد کو دیکھا ہے روشن کنارے پر ؎۱۶ اور یہ نبی غیب بتانے میں ذرا بخیل نہیں ؎۱۷ اور یہ (قرآن)

کیونکہ ان کی رفتار کا حال یکساں نہیں ہوتا بلکہ مختلف ہوا کرتا ہے۔ کبھی تو انہیں دیکھتے ہیں کہ وہ ایک سمت کی طرف جا رہے ہیں، پھر وہ اس کے برعکس دوسری سمت کی طرف لوٹتے ہیں کبھی وہ متحرک ہوتے ہیں اور کبھی وہ ٹھہرے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ اس صورت میں خُنّس کا معنی رواجع یعنی پیچھے پلٹنے والے ہوگا اور کُنّس کا معنی اختفاء ھا فی مغیبھا۔ اس کا اپنے مغیب میں چھپ جانا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

؎۱۲ عسعس کے دو معنی کیے گئے ہیں۔ ای ادبر ظلامہ او اقبل۔ اندھیرے کا پیٹھ پھیر جانا جیسے رات کے اختتام کے وقت ہوتا ہے۔ اندھیرے کا آجانا جیسے ابتدائے شب میں ہوتا ہے۔ یہ دونوں معنے حضرت ابن عباس سے مروی ہیں۔ پہلی صورت میں معنی ہوگا رات جب پیٹھ پھیرے اور دوسری صورت میں معنی ہوگا رات جب چھا جائے۔

؎۱۳ تنفّس: جب صبح سانس لے یعنی جب اس کی روشنی پھیلنے لگے۔ زمخشری کہتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ جب صبح طلوع ہوتی ہے تو نسیم صبح چلنے لگتی ہے۔

؎۱۴ یہ پانچ قسمیں کھانے کے بعد فرمایا تمہارا یہ کہنا سراسر باطل ہے کہ یہ قرآن حضور خود گھڑتے ہیں یا کسی انسان سے سیکھ کر لوگوں کو سناتے ہیں، بلکہ یہ وہ کلام ہے جو ایک محترم قاصد لے کر آیا ہے۔ اس سے مراد جبریل امین ہے۔ ان کی چند اور صفات بھی بیان کردیں کہ وہ بڑے طاقتور ہیں، مالکِ عرش کی جناب میں ان کا مرتبہ بڑا بلند ہے اور تمام ملائکہ ان کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں اور ان کی امانت میں کوئی ادنیٰ وہم تک بھی نہیں۔ جب لانے والا ان صفاتِ عالیہ سے متصف ہو ان مراتبِ رفیعہ پر فائز ہو تو کون یہ خیال کرسکتا ہے کہ اس نے اس کلام میں کوئی کمی بیشی کی ہوگی۔

؎۱۵ لانے والے کی شان بیان کرنے کے بعد اب اس ذاتِ اقدس و اطہر کا ذکر ہو رہا ہے جس کے پاس جبریل یہ کلام لے کر آیا۔ فرمایا وہ کوئی اجنبی نہیں ہے جس کی گزشتہ زندگی سے تم بے خبر ہو۔ جس کی سیرت و کردار کا تمہیں تجربہ نہ ہو۔ اعلانِ نبوت سے پہلے چالیس سال کا عرصہ انہوں نے تمہارے ساتھ بسر کیا ہے۔ زندگی کی مختلف منزلیں انہوں نے تمہاری آنکھوں کے سامنے طے کی ہیں۔ تم ان کی دیانت، پاکبازی، اولوالعزمی اور دانائی کے خود گواہ ہو تم ہوش و حواس میں ہوتے ہوئے ان کو مجنون کہنے کی جرأت نہیں کرسکتے۔

بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿۲۵﴾ فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ ﴿۲۶﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ

کسی شیطان مردود کا قول نہیں ۔ ۱۸ؔ پھر تم (منہ اٹھائے) کدھر چلے جا رہے ہو ۱۹ؔ نہیں ہے یہ مگر نصیحت

لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۷﴾ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ﴿۲۸﴾ وَمَا تَشَآءُوْنَ

سب اہل جہان کے لیے ۲۰ؔ (لیکن ہدایت وہی پاتا ہے) جو تم میں سے سیدھی راہ چلنا چاہے ۔ اور تم نہیں چاہ سکتے

۱۶ؔ پھر جو فرشتہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر آتا ہے وہ بھی ان کا جانا پہچانا ہے۔ انہوں نے دن کی روشنی میں آسمان کے افق پر اس کو ان آنکھوں سے دیکھا ہے' اس لیے انہیں اس کے بارے میں کوئی غلط فہمی نہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جیسے معزز فرشتہ جس کو وہ اچھی طرح پہچانتے ہیں' لے کر ان پر نازل ہوا ہے۔

۱۷ؔ تمہارا انہیں کاہن کہنا سراسر زیادتی ہے۔ کاہن کے پاس تو غیب کا علم ہوتا ہی نہیں اور جو کسی قیاس آرائی یا ظن و تخمین کی بنا پر وہ کچھ جانتا ہے' اس کو بتانے کے لیے تیار نہیں ہوتا جب تک اس کی مٹھیں ساتھیں نہ کی جائیں اور اس کا منہ مانگا نذرانہ پیش نہ کیا جائے' وہ منہ سے کچھ اگلتا ہی نہیں اور یہاں تو یہ حال ہے کہ علوم غیبیہ کے خزانے' جو انہیں بخشے گئے ہیں' وہ معارف الٰہیہ جن سے ان کا سینہ معمور ہے' وہ تجلیات ربانی جو ان کے قلب منیر پر ہر لحظہ نازل ہو رہی ہیں' یہ ان کو بتانے میں ذرا بخل سے کام نہیں لیتے بلکہ ان کے علوم و معارف کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے اور ہر تشنہ لب کو اپنی طرف بلا رہا ہے۔ کیا اس بیّن تفاوت کے باوجود تم انہیں کاہن کہہ سکتے ہو۔

مولانا شبیر احمد عثمانی نے اس آیت پر جو تفسیری حاشیہ لکھا ہے وہ حضور کے علم غیب پر اعتراض کرنے والوں کے لیے باعث ہدایت ہو سکتا ہے۔ لکھتے ہیں:

"یعنی یہ پیغمبر ہر قسم کے غیوب کی خبر دیتا ہے' ماضی سے متعلق ہوں یا مستقبل سے یا اللہ کے اسماء و صفات سے یا احکام شرعیہ سے یا مذاہب کی حقیقت و بطلان سے یا جنت و دوزخ کے احوال سے یا واقعات بعد الموت سے اور ان چیزوں کے بتلانے میں ذرا بخل نہیں کرتا۔" (تفسیر عثمانی) الضنین، البخیل۔ بخیل اور کنجوس۔

۱۸ؔ یعنی اس کلام میں توحید کی دعوت ہے' کفر و شرک سے احتراز کا حکم ہے' اخلاق حسنہ کی تاکید ہے' شیطان کو کیا پڑی ہے کہ وہ لوگوں کو توحید کی طرف بلائے' کفر و شرک اور صفات رذیلہ سے اجتناب کی تاکید کرے' یہ کلام اپنے مقاصد کے اعتبار سے تمہاری اس غلط فہمی کی پُر زور تردید کر رہا ہے۔

۱۹ؔ اس چشمۂ صافی کو چھوڑ کر سراب کی طرف بھاگ کر جانا کہاں کی عقل مندی ہے' اس نور ہدایت کی تابانیوں سے منہ موڑ کر گمراہی کی تاریکیوں میں بھٹکتے رہنا تمہارے جیسے دانش مندوں کو زیب نہیں دیتا۔

۲۰ؔ جس طرح اس کو نازل کرنے والا رب العالمین ہے اور وہ جس پر یہ نازل ہوا ہے' وہ رحمۃ للعالمین ہے' اسی طرح یہ کتاب بھی ذکر للعالمین ہے۔ زمان و مکان کی حد بندیوں سے آزاد ہے' تمام بنی نوع انسان کے لیے' قیامت تک کے لیے رشد و ہدایت کا چمکتا ہوا

ع ۱ ۲۹

اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۹﴾

بجز اس کے کہ اللہ چاہے جو رب العالمین ہے [1]

آفتاب ہے۔ لیکن ان سے مستفید وہی ہو سکتا ہے جس کے دل میں یہ خواہش ہو کہ وہ راہ راست پر گامزن ہو۔

[1] اور حقیقت یہ ہے کہ تم از خود اس کی خواہش بھی نہیں کر سکتے جب تک توفیق الٰہی دستگیری نہ کرے۔ فہم و خرد کے سارے چراغ بجھے رہتے ہیں، راہ راست پر ایک قدم بھی نہیں اٹھ سکتا اور جب اس کی نظر لطف چارہ سازی کرتی ہے تو سب حجاب اٹھ جاتے ہیں، ساری رکاوٹیں دور ہو جاتی ہیں اور انسان پوری یکسوئی کے ساتھ اس منزل کی طرف رواں دواں ہو جاتا ہے۔

○

ماشاء اللہ الا ان یشاء اللہ رب العلمین لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم یا حی یا قیوم برحمتک استغیث لا تکلنی الی نفسی طرفۃ عین واصلح لی شانی کلہ۔

اللّٰھم صل وسلم وبارک علی حبیبک المصطفیٰ ونبیک المرتضیٰ ورسولک المجتبیٰ افضل الصلوات واجمل التسلیمات واکمل البرکات وعلی آلہ ذوی الدرجات واصحابہ أولی الطاعات وعلینا بجاھھم الی یوم الدین۔

○

تعارف

سُورَۃُ الانفطار

نام : اس کی پہلی آیت میں "انفطرت" کا کلمہ ہے جس کا مصدر "انفطار" ہے۔ یہی اس سورت کا نام ہے اس میں ایک رکوع انیس آیتیں، اسی کلمے اور تین سو ستائیس حروف ہیں۔

نزول : یہ بھی مکی دور کے آغاز میں نازل ہونے والی سورتوں میں سے ایک ہے۔

مضامین : وقوعِ قیامت کا ہولناک منظر پیش کرنے کے بعد بتا دیا کہ اس روز غریب کے سارے پردے چاک ہو جائیں گے۔ حقیقت اپنی صحیح صورت میں نمایاں ہو جائے گی۔ ہر شخص کو خود بخود اپنے کارناموں کے بارے میں پتہ چل جائے گا کہ وہ دنیا میں کیا کرتا رہا؟ نیکی یا بدی کا جو بیج وہ بو آیا تھا اس کے اچھے یا برے کیا نتائج مرتب ہوئے؟

پھر انسان کو کہا جا رہا ہے کہ اے انسان جس رب کریم نے تجھے اپنے لطف و کرم کے آغوش میں پالا اپنے بے پایاں احسانات سے نوازا تم اسی کی ناشکری کر رہے ہو۔ تم یہ نہ سمجھو کہ تم جو کچھ کر رہے ہو وہ فراموش کر دیا جائے گا اور روزِ محشر اس کا کوئی باضابطہ ثبوت پیش نہ کیا جا سکے گا۔ یہ تمہاری غلط فہمی ہے ایسا ہرگز نہیں ہوگا، بلکہ ہم نے معتبر فرشتے مقرر کر دیے ہیں جو تیرے ہر فعل اور تیرے ہر جملہ کو ضبطِ تحریر میں لا رہے ہیں۔ اس قابلِ وثوق ریکارڈ کے مطابق نیکوں کو ان کی نیکی کا اجر اور بروں کو ان کی برائی کی سزا ملے گی۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا

۷۷-۴-۶

سُوْرَةُ الْاِنْفِطَارِ مَكِّيَّةٌ ۚ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ هِيَ تِسْعَ عَشْرَةَ اٰيَةً

سورۃ الانفطار مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — اس میں انیس آیات ہیں

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۝۱ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ۝۲ وَاِذَا الْبِحَارُ

جب آسمان پھٹ جائے گا اور جب ستارے بکھر جائیں گے اور جب سمندر بہنے

فُجِّرَتْ ۝۳ وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ۝۴ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَ

لگیں گے اور جب قبریں زیر وزبر کر دی جائیں گی ؎۱ (اس وقت) جان لے گا ہر شخص جو (اعمال) اس نے آگے بھیجے تھے اور

اَخَّرَتْ ۝۵ يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۝۶ الَّذِيْ

جو (اثرات) وہ پیچھے چھوڑ گیا تھا ؎۲ اے انسان! کس چیز نے تجھے دھوکے میں رکھا اپنے رب کریم کے بارے میں ؎۳ جس نے تجھے

؎۱ قیامت کی ہولناکیوں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ آسمان پھٹ جائے گا اس میں دراڑیں اور شگاف نمودار ہو جائیں گے ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر بکھرنے لگیں گے سمندر جو آج ساکن ہیں وہ دریاؤں کی طرح بہنے لگیں گے وہ خیبر نمی بند جو ایک سمندر کو دوسرے سمندر میں آج خلط ملط نہیں ہونے دیتے وہ ٹوٹ جائیں گے اور سمندروں کا پانی بہنا شروع ہو جائے گا۔ قبروں کو اُلٹ پلٹ کر رکھ دیا جائے گا۔ ان میں جو لوگ دفن ہیں وہ باہر نکل آئیں گے۔ اس وقت انسان پر اس کے نیک و بد اعمال کی حقیقت آشکارا ہوگی۔ مشکل الفاظ کی تشریح: انفطار: پھٹ جانا۔ انتثار: بکھر جانا۔ تفجیر: بہنا۔ بعثرۃ: زیر و زبر ہونا۔

؎۲ اس کا ایک مفہوم تو وہ ہے جس کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے۔ یعنی جو اعمال عبادات، صدقات اس نے آج کے دن کے لیے پہلے بھیج دیے تھے ان کا بھی اسے پتہ چل جائے گا اور جن نیک کاموں کی اس نے بنیاد رکھی تھی اس کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد جو نیک نتائج مدت دراز تک ان پر مرتب ہوتے رہے ان سے بھی اسے آگاہ کر دیا جائے گا۔ اسی طرح جن برے کاموں کی اس نے تخم ریزی کی تھی ان سے جو گمراہیاں پھیلیں، اخلاق و کردار میں جو بگاڑ پیدا ہوا اس کا بوجھ بھی اس کی گردن پر لاد دیا جائے گا۔

اس کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جن احکام الٰہیہ کی اس نے تعمیل کی اور جن کی بجا آوری سے وہ پیچھے رہ گیا ان سب کا اس کو علم ہو جائے گا۔ اس کا یہ بھی مطلب بتایا گیا ہے کہ جو کام اس نے ابتدائی زندگی میں کیے اور جو بعد میں کیے سب کے سب اس کے سامنے پیش کر دیے جائیں گے۔

؎۳ کتنے پیارے انداز میں غافل انسان کو جھنجھوڑا جا رہا ہے کس محبت بھرے اسلوب سے اس کو خواب غفلت سے جگایا جا رہا ہے۔ ارشاد ہے اے انسان! تیرا پروردگار جو کریم ہے جس کے لطف و عنایت کی آغوش میں تو پل کر جوان ہوا ہے جس کے انعام و احسان کا دسترخوان ہر وقت تیرے لیے بچھا ہوا ہے جس کی رحمت و رأفت کے دروازے تیرے لیے کشادہ ہیں اس سے تجھے کس نے دُور کر دیا ہے کس عیار کے

خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۝ فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ۝

پیدا کیا پھر تیرے (اعضاء کو) درست کیا پھر تیرے (عناصر کو) معتدل بنایا ؎ (الغرض) جس شکل میں چاہا تجھے ترکیب دے دیا۔

كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ۝ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۝ كِرَامًا

یہ سچ ہے بلکہ تم جھٹلاتے ہو روزِ جزا کو ؎ حالانکہ تم پر نگران (فرشتے) مقرر ہیں ؎ جو معزز ہیں (اعمال کے)

كَاتِبِيْنَ ۝ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ۝ وَّ

لکھنے والے ہیں۔ جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو ؎ بے شک نیک لوگ عیش و آرام میں ہوں گے۔ اور

دامِ فریب میں پھنس کر تو نے اس کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر دیا ہے۔ شریف لوگ تو یوں نہیں کیا کرتے۔ کیا تیرے نزدیک احسان کا بدلہ سرکشی اور بغاوت سے دینا انسانیت ہے۔ اگر تو کسی پر مہربانی کرے اور وہ بجائے شکرگزار ہونے کے تیرے درپئے آزار ہو جائے تو کیا تو اس کو پسند کرے گا۔

؎ اس کریم نے تجھ پر گوناگوں نوازشات فرمائی ہیں۔ اگر وہ تجھے پیدا ہی نہ کرتا، یا تیری ساخت کو بگاڑ دیتا، یا تیرے عناصر ترکیبی میں اعتدال کو ملحوظ نہ رکھتا تو تو اس کا کیا بگاڑ سکتا تھا، یا اس کی عظمت و کبریائی میں اس سے کیا فتور پیدا ہوتا۔ اس نے تجھے پیدا کیا، تجھے مکمل اعضاء بخشے، ان میں مناسبت کا پورا پورا لحاظ رکھا، پھر تیری جسمانی، ذہنی اور نفسیاتی ساخت کو بڑے اعتدال سے پایۂ تکمیل تک پہنچایا اور تو ہے کہ اس کی طرف سے غافل ہے۔ اس کے ذکر اور اس کے شکر کی تجھے فرصت ہی نہیں ملتی اور اس کی فرمانبرداری تیرے لیے بارِ گراں بنی ہوئی ہے۔

؎ بات دراصل یہ ہے کہ تجھے روزِ جزا پر یقین نہیں۔ اگر تجھے یہ یقین ہوتا کہ ایک دن وہ آنے والا ہے جب تو اپنے خالقِ کریم کے روبرو پیش کیا جائے گا اور تجھ سے تیرے اعمال کا محاسبہ کیا جائے گا تو تو بغاوت و سرکشی کی یہ روش ہرگز اختیار نہ کرتا۔ تیری غفلت اور بے پروائی کی یہ کیفیت نہ ہوتی۔ ذمہ داری کا احساس اور جواب دہی کا خوف تمہیں شترِ بے مہار بن کر زندگی بسر کرنے کی قطعاً اجازت نہ دیتا۔ ہر کام کرنے سے پہلے تو سوچتا اور بار بار سوچتا کہ ایسا کرنے سے روزِ حشر مجھے اپنے پروردگار کے روبرو شرمندگی تو نہ ہوگی۔

؎ تمہارے انکار سے قیامت کا پروگرام منسوخ تو نہیں ہو جائے گا۔ ہم اس روز کے لیے پورے انتظامات کر رہے ہیں۔ تم جیسے خود فراموش کے ساتھ ہم نے ایسے فرشتے مقرر کر دیے ہیں جو تمہارے جملہ اعمال کی یادداشت تیار کر رہے ہیں۔ ہمارے یہ کارندے جن کو یہ اہم کام تفویض کیا گیا ہے معمولی قسم کے اہلکار نہیں بلکہ بڑے بزرگ اور بلند پایہ حضرات ہیں۔ نہ انہیں رشوت دی جا سکتی ہے، نہ انہیں مرعوب کیا جا سکتا ہے اور نہ تمہارے اعمال کو ضبطِ تحریر میں لانے میں وہ کوتاہی کر سکتے ہیں۔ نہ ان کی کسی سے ذاتی دوستی ہے اور نہ عداوت۔ 'جو کچھ تم کرتے ہو' بلا کم و کاست، وہ حرف بحرف لکھ رہے ہیں۔

؎ ان کا علم ادھورا اور ان کی معلومات ناقص نہیں۔ تمہاری ہر بات، تمہارا ہر کام بلکہ اس کے پسِ پردہ تمہارے جو جذبات اور نیتیں ہیں وہ ان سے بھی باخبر ہیں۔ تم خود غور کرو ایسے غیر جانبدار، دیانتدار اور ہر بات سے خبردار تمہارے اعمال کا جو ریکارڈ تیار کریں گے ان کو تم کس طرح

اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ ﴿١٤﴾ یَّصْلَوْنَهَا یَوْمَ الدِّیْنِ ﴿١٥﴾ وَ مَا هُمْ عَنْهَا

یقیناً بدکار جہنم میں ہوں گے۔ داخل ہوں گے اس میں قیامت کے روز۔ اور وہ اس سے غائب

بِغَآىِٕبِیْنَ ﴿١٦﴾ وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ ﴿١٧﴾ ثُمَّ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ

نہ ہو سکیں گے۔ اور آپ کو کیا علم کہ روزِ جزا کیا ہے۔ پھر آپ کو کیا علم کہ روزِ جزا

الدِّیْنِ ﴿١٨﴾ یَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَیْـًٔا وَ الْاَمْرُ یَوْمَىِٕذٍ لِّلّٰهِ ﴿١٩﴾

کیا ہے۔ (یہ) وہ دن ہوگا جس روز کسی کے لیے کچھ کرنا کسی کے بس میں نہ ہوگا۔ اور سارا حکم اس روز اللہ ہی کا ہوگا [8]

جھٹلاؤ گے۔

[8] قیامت کا دن کوئی معمولی دن نہیں ہوگا۔ اس دن سارے جھوٹے بادشاہوں کی بادشاہیاں ختم ہو جائیں گی۔ کوئی فرعون، کوئی نمرود سر اٹھانے کی جرأت نہ کر سکے گا۔ اس دن صرف اللہ تعالیٰ کی حکمرانی ہوگی اور اسی کا فرمان نافذ ہوگا۔ کسی کی مجال نہ ہوگی کہ اس کی مرضی کے خلاف دم مارسکے یا اس کے فیصلے کو رد کر سکے۔ اس کے اذن کے بغیر کوئی کسی کو فائدہ پہنچانے کا اختیار نہ رکھتا ہوگا۔

○

مالک یوم الدین ایاک نعبد و ایاک نستعین اهدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیهم غیر المغضوب علیهم ولا الضالین۔ آمین ؛

اللّٰهم صل و سلم و بارك علی سید الاولین والآخرین امام الانبیاء والمرسلین سیدنا و مولانا محمد المبعوث رحمة للعٰلمین وعلی اٰله الطیبین واصحابه الاکرمین وعلینا معهم اجمعین الی یوم الدین۔

○

تعارف

سُورۃ المطففین

نام : اس سورۂ پاک کا نام "المطففین" ہے جو اس کی پہلی آیت میں مذکور ہے۔ اس میں ایک رکوع، چھتیس آیتیں، ایک سو انہتر کلمات اور سات سو تیس حروف ہیں۔

نزول : حضرت ابن مسعود، ضحاک اور ان کے ہم خیال لوگوں کی رائے یہ ہے کہ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی لیکن حضرت ابن عباس کی رائے یہ ہے کہ اس کا نزول ہجرت کے فوراً بعد مدینہ طیبہ میں ہوا۔ وہاں ایک تاجر تھا جس کا نام ابوجہینہ تھا۔ اس نے دو قسم کے باٹ رکھے ہوئے تھے۔ جب کوئی جنس خریدتا تو اس کے لیے اور باٹ استعمال کرتا اور جب فروخت کرتا تو اس کے لیے دوسرے باٹ لیکن صحیح قول یہی ہے کہ اس سورت کا نزول مکہ مکرمہ میں ہوا۔ ایک تیسرا قول بھی منقول ہے کہ اس کا نزول حالتِ سفر میں مکہ اور مدینہ کے درمیان ہوا۔

مضامین : اصلاحِ معاشرہ کے لیے آخرت پر ایمان جو مؤثر کردار انجام دیتا ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔ جو لوگ روزِ جزا پر پختہ یقین رکھتے ہیں اُن کی بظاہر نگرانی نہ بھی کی جائے تو وہ راستی اور دیانتداری کی راہ پر ثابت قدمی سے بڑھتے چلے جائیں گے۔ کوئی لالچ اور کوئی خوف انہیں جادۂ حق سے سرِ مُو منحرف نہیں کر سکتا۔ لیکن وہ معاشرہ جس کے افراد قیامت پر یقین نہیں رکھتے اُن میں طرح طرح کی خرابیاں بڑی آسانی سے راہ پالیتی ہیں۔ تھوڑا سا خوف اور تھوڑا سا لالچ انہیں راہِ راست سے بھٹکانے کیلیے کافی ہے۔ اہلِ مکہ چونکہ عام طور پر تجارت پیشہ تھے اس لیے لین دین میں ڈنڈی مارنا اُن کے ہاں عام مروج تھا۔ اس کی خرابی صرف یہی نہیں تھی کہ دوسرے کی حق تلفی ہوتی تھی بلکہ انجام کار ایسا کرنے والے کی تجارت کا بھی ستیاناس ہو جایا کرتا تھا۔ اس لیے انکارِ کو وقوعِ قیامت کی ضرورت اور حکمت پر غور کرنے کے لیے اس سورت میں جو دعوت دی جارہی ہے۔ اس کی ابتداء "ویل للمطففین" سے کی اور انہیں بتایا کہ اگر وہ اس خبیس حرکت سے اپنی کاروباری سرگرمیوں کو محفوظ رکھنا چاہتے ہیں تو اس کی یہی ایک صورت ہے کہ وہ قیامت پر ایمان لے آئیں۔ اس صورت میں کسی کی جرأت نہ ہوگی کہ اس بددیانتی کا ارتکاب کرے۔

اس کے بعد یہ بتایا کہ قیامت تو ہر حال میں برپا ہوگی لیکن جو لوگ اس کے برپا ہونے کا یقین نہیں رکھتے تھے۔ وہ ساری عمر بدکاری اور دھوکہ بازی میں برباد کر کے آئے۔ آج وہ اس کی سزا بھگتیں گے جو بڑی دردناک ہوگی لیکن جن لوگوں نے قیامت کے وقوع کو تسلیم کر لیا اور اس روزِ جزا کے مواخذہ سے ساری عمر ڈرتے رہے اور کبھی بھولے سے بھی غلط راستے پر قدم نہ رکھا۔ قیامت کے روز اُن کی جس طرح عزت افزائی کی جائے گی اس کا دلکش منظر بھی پیش کر دیا۔

آخر میں کفار کی ایک خسیس حرکت کا تذکرہ کر دیا گیا کہ وہ خود ساری خرابیوں کا مجسمہ ہیں۔ اپنی غلاظتوں کو دیکھ کر انہیں کبھی ندامت نہیں ہوتی۔ بایں ہمہ اہل حق کو وہ بڑی حقارت آمیز نظروں سے دیکھتے ہیں کنکھیوں سے اشارے کرتے ہیں۔ اللہ والوں کی تذلیل کے بعد جب گھر لوٹتے ہیں تو بڑے شاداں و فرحاں۔ گویا کوئی بڑا معرکہ سر کر کے آئے ہیں۔ خود بادیۂ ضلالت میں بھٹک رہے ہیں اور گمراہی کا الزام اُن پاک طینت لوگوں پر لگاتے ہیں جن پر انسانیت فخر کرتی ہے اور دین حق کو بجا طور پر ناز ہے۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا
۷-۴-۷۷

سُورَةُ الْمُطَفِّفِينَ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ وَهِيَ سِتٌّ وَثَلَاثُونَ آيَةً

سورۃ المطففین مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — اس میں چھتیس آیات ہیں

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ﴿١﴾ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ﴿٢﴾

بربادی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے۱؎ جب وہ لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں۔

۱؎ اہل لغت کہتے ہیں مُطَفِّف: طفیف سے ماخوذ ہے۔ وھو القلیل۔ اس کا معنی قلیل ہے۔ مُطَفِّف کو اس لیے مطفف کہا جاتا ہے کہ وہ حق دار کو اس کا پورا حق نہیں دیتا بلکہ اس میں کمی کر دیتا ہے۔ زجاج نے اس کی اور وجہ بیان کی ہے انہ لا یکاد یسرق من المکیال والمیزان الا الشیء الطفیف الخفیف۔ کہ پیمانہ کو جھٹک کر یا ترازو میں ڈنڈی مار کر منوں کے حساب سے تو نہیں چراتا بلکہ تولے چھٹانک ہی مارتا ہے اس لیے اسے مُطَفِّف کہا۔

دورِ جاہلیت میں صرف عقائد میں ہی بگاڑ پیدا نہیں ہوا تھا بلکہ معاملات اور کاروبار میں بھی بددیانتی اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ قرآن کریم نے صرف عقیدے کی اصلاح پر ہی زور نہیں دیا بلکہ معاملات میں دیانت و امانت کی بھی تلقین کی ہے۔ اہل مکہ جن کا پیشہ ہی تجارت تھا ان کے ہاں اس قسم کی خرابیاں اپنے شباب پر تھیں۔ اس کاروباری بددیانتی سے باز آنے کی جب نصیحت کی تو اس کے لیے بڑا پُرجلال انداز اختیار فرمایا کہ ویل للمطففین الخ یعنی ایسا کرنے والوں کے لیے ہلاکت و بربادی ہے اور ان کا مقدر رنج و اندوہ ہے۔ قیل الویل شدۃ الشر۔ وقیل الحزن والھلاک۔ آخرت میں تو اس کی جو سزا ملے گی وہ ملے گی اس دنیا میں ہی اس کے بُرے اثرات کاروبار کو ٹھپ کر کے رکھ دیں گے۔ جب لوگوں کو اس کی بددیانتی کا پتہ چلے گا تو کوئی گاہک اس کی دکان کا رخ نہ کرے گا اور یہ سارا دن بیٹھا مکھیاں مارتا رہے گا۔ انجام کار غربت و تنگدستی اس کا مقدر بن جائے گی۔ صرف وہی تاجر کامیاب ہوتا ہے جس کی دیانت داری پر لوگوں کو پورا اعتماد ہو۔ صرف اُخروی کامیابی ہی نہیں تمہاری دنیوی فلاح کا انحصار بھی اسی پر ہے کہ تم ایسی حرکتیں چھوڑ دو۔ قرآن کریم میں جابجا اس فعل شنیع سے باز آنے کی تاکید کی گئی ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کی تباہی کا جہاں تذکرہ ہے وہاں بتایا گیا ہے کہ انہیں کاروباری بددیانتی کی پاداش میں برباد کر دیا گیا۔

اس قسم کے جرائم کی پوری سزا تو قیامت کو ہی ملے گی لیکن ان کے بُرے اثرات اس دنیا میں بھی ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہتے اور ان کی نوعیت اتنی سنگین ہوتی ہے کہ انسان کو دن میں ہی تارے نظر آنے لگتے ہیں۔ ایک حدیث پاک سماعت فرمائیے:

قال ابن عباس قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خمس بخمس ما نقض قوم العھد الا سلط اللہ علیھم عدوھم ولا حکموا بغیر ما انزل اللہ الا فشا فیھم الفقر وما ظھرت الفاحشۃ فیھم الا ظھر فیھم الطاعون وما طففوا الکیل الا منعوا النبات واخذوا بالسنین ولا منعوا الزکاۃ الا حبس اللہ عنھم المطر (قرطبی عن بزار)

ترجمہ: حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ان پانچ چیزوں پر یہ پانچ سزائیں ملتی ہیں۔ جو قوم عہد شکنی کرتی ہے اللہ تعالیٰ اس پر اس کے دشمن مسلط کر دیتا ہے۔ جو قوم احکام الٰہی کے خلاف فیصلہ کرتی ہے اللہ تعالیٰ ان کو تنگ دست کر دیتا ہے۔ جس قوم میں

وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝۳ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ

اور جب لوگوں کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو ان کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ کیا وہ اتنا خیال بھی نہیں کرتے کہ انہیں

مَّبْعُوْثُوْنَ ۝۴ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝۵ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۶

قبروں سے اٹھایا جائے گا ایک بڑے دن کے لیے ۲؎ جس دن لوگ (جواب دہی کے لیے) کھڑے ہوں گے پروردگار عالم کے سامنے۔

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ۝۷ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ۝۸

یہ حق ہے کہ بدکاروں کا نامۂ عمل سجین میں ہوگا۔ اور تمہیں کیا خبر کہ سجین کیا ہے۔

كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۝۹ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝۱۰ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ

یہ ایک کتاب ہے لکھی ہوئی ۳؎ تباہی ہوگی اس دن جھٹلانے والوں کے لیے۔ جو جھٹلاتے ہیں

بدکاری عام ہو جاتی ہے اس میں طاعون پھیل جاتی ہے اور جو قوم اپنے ناپ تول میں کمی کرتی ہے وہاں زرعی پیداوار میں برکت ختم ہو جاتی اور قحط سالی پھیل جاتی ہے۔ جو قوم زکوٰۃ نہیں دیتی اللہ تعالیٰ ان پر بارش نازل نہیں کرتا۔

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں تشریف لے گئے تو وہاں کے لوگ اس عادت کا بری طرح شکار تھے جب انہوں نے یہ آیت سنی تو توبہ کی اور آج تک اہل مدینہ میں کوئی تاجر کم تولنے اور کم ناپنے کا مرتکب نہیں ہوتا۔

۲؎ ان کفار کے دل میں روز قیامت کی باز پرس کا کوئی خوف نہیں۔ اگر اس بڑے خوفناک اور ہولناک دن کی آمد پر ان کا ایمان ہوتا جب اگلے پچھلے سب لوگ بارگاہ الٰہی میں حاضر کیے جائیں گے اور ان سے ان کی بداعمالیوں پر باز پرس ہوگی تو یہ لوگ اس طرح بے خوف ہو کر ان جرائم کا ارتکاب نہ کرتے۔

۳؎ وہ یہ نہ سمجھیں کہ قیامت تو عرصہ دراز کے بعد برپا ہوگی۔ اس وقت تک کسے یاد رہے گا کہ کس نے کیا کیا اور وہ صحیفے جن میں ان کے اعمال لکھے جا رہے ہیں وہ بھی بوسیدہ ہو کر پھٹ جائیں گے۔ ان کی اس غلط فہمی کو دور کیا جا رہا ہے کہ ان کے لیے ایک بہت بڑا دفتر ہے جس کا نام سجین ہے۔ جب یہ مر جائیں گے اور ان کے اعمال کا سلسلہ ختم ہو جائے گا تو ان کے تمام اعمال اس بڑے دیوان میں محفوظ کر دیے جائیں گے۔ اس لیے ان کے کرتوتوں کے فراموش ہونے یا ان صحائف کے بوسیدہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

سجین کے بارے میں بہت کچھ کہا گیا ہے لیکن جب خود قرآن نے اس کی وضاحت کر دی کہ یہ اس کتاب کا نام ہے جس میں ان کے اعمال سیئہ لکھ کر محفوظ کر دیے جائیں گے تو پھر مزید چھان بین کی ضرورت نہیں۔ اس لیے ان آیات میں سجین سے وہ دیوان مراد ہے جہاں اہل جہنم کے اسماء اور ان کے اعمال مندرج ہوں گے۔ بعض احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ سجین ایک جگہ کا نام ہے جہاں دوزخیوں کی روحیں محبوس

يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۱۱﴾ وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ﴿۱۲﴾ اِذَا

روزِ جزا کو۔ اور نہیں جھٹلایا کرتا اسے مگر وہی جو حد سے گزرنے والا گنہگار ہے۔ جب

تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳﴾ كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ

پڑھی جاتی ہیں اس کے سامنے ہماری آیتیں تو کہتا ہے کہ یہ تو پہلے لوگوں کے افسانے ہیں۔ نہیں نہیں درحقیقت زنگ چڑھ گیا ہے

عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ

ان کے دلوں پر ان کرتوتوں کے باعث جو وہ کیا کرتے تھے ۔ یقیناً انہیں اپنے رب (کے دیدار) سے اس دن

ہوں گی اس لیے علامہ آلوسی لکھتے ہیں وفی الکشف لا یبعد ان یکون السجین علم الکتاب وعلم الموضع ایضا جمعا بین ظاهر الآیة و ظواهر الاخبار۔ الکشف میں ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اس کتاب کا نام بھی سجین ہو اور اس مقام کا نام بھی سجین ہو جہاں کفار کی روحیں ہیں تاکہ آیت اور اخبار میں کسی قسم کا تعارض نہ رہے۔ (روح المعانی)

۲ے علامہ ابن منظور رَیْن کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں الرَّیْنُ، الصدأ الذی یعلو السیف والمرآۃ والرین کالصدأ یغشی القلب وقال الحسن ہو الذنب علی الذنب حتی یسود القلب۔ (لسان العرب) یعنی رَین اس زنگار کو کہتے ہیں جو تلوار یا آئینہ کو لگ جاتا ہے۔ جو غبار دل کو زنگار کی طرح ڈھانپ لیتا ہے اس کو بھی رَین کہتے ہیں۔ حسن بصری فرماتے ہیں پے در پے گناہ کرنے سے دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ اس سیاہی کو رَین کہتے ہیں۔ اس کی وضاحت حدیث شریف میں بھی آئی ہے۔

عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال ان العبد اذا اذنب ذنبا نکتت فی قلبہ نکتۃ سوداء فان تاب ونزع واستغفر صقل قلبہ وان عاد زادت حتی تعلو قلبہ فذلک الرین الذی ذکرہ اللہ تعالیٰ فی القرآن بل ران علی قلوبہم الخ۔

ترجمہ: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا بندہ جب گناہ کرتا ہے تو دل پر ایک سیاہ داغ بن جاتا ہے۔ اگر وہ توبہ کرے اس گناہ سے باز آجائے اور استغفار کرے تو دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر بار بار وہ گناہ کرتا ہے تو وہ داغ بڑھتے جاتے ہیں یہاں تک کہ سارے دل کو گھیر لیتے ہیں۔ یہی وہ رَین ہے جس کا اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے۔

جس طرح نیک اعمال کے نتیجہ میں نورانیت پیدا ہوتی ہے۔ آئینۂ دل شفاف ہو جاتا ہے اسی طرح بدکاریوں اور نافرمانیوں کے باعث دل کا آئینہ گرد آلود ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی چمک بالکل ناپید ہو جاتی ہے۔ ان آیات میں بتایا جا رہا ہے کہ ان سرکشوں کا آئینۂ دل تاریک ہو گیا ہے ان کی فطرت سلیمہ مسخ ہو چکی ہے اسی لیے یہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھوٹی کہانیاں اور بے سروپا افسانے خیال کرتے ہیں اور بڑی بے حیائی سے وقوعِ قیامت کا انکار کر رہے ہیں اور اس انکار کی وجہ سے یہ گناہوں کی دلدل میں پھنستے چلے جا رہے ہیں۔

لَمَحْجُوْبُوْنَ ۝۱۵ ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ۝۱۶ ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ

روک دیا جائے گا ﺷـ پھر وہ ضرور جہنم میں داخل ہوں گے پھر (ان سے) کہا جائے گا یہی وہ (جہنم) ہے

كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۝۱۷ كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ۝۱۸ وَ

جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔ یہ حق ہے نیکوکاروں کا صحیفۂ عمل علیین میں ہوگا۔ اور

مَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ۝۱۹ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۝۲۰ يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝۲۱

تمہیں کیا خبر کہ علیون کیا ہے ـــہ یہ ایک لکھی ہوئی کتاب ہے۔ (حفاظت کے لیے) دیکھتے رہتے ہیں اسے مقربین۔

ﺷـ ان نافرمانوں کو دیدارِ الٰہی کی نعمتِ عظمیٰ سے اس دن محروم کر دیا جائے گا۔ ان کے سامنے ان کے گناہ حجاب بن کر آڑے آ جائیں گے۔ اولیاء اللہ جب لذتِ دیدار سے شادکام ہو رہے ہوں گے یہ بدنصیب ان حجابات کے پیچھے سرپیٹ رہے ہوں گے اور اپنی قسمت کو کوس رہے ہوں گے۔

ـــہ جس دیوان میں ابرار و صالحین کے اعمالِ حسنہ لکھ کر محفوظ کر دیے جائیں گے اس کا نام علیین ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ علیین سبز رنگ کی زبرجد کی ایک لوح ہے جو عرش کے ساتھ معلق ہوگی اور اس میں صالحین کے اعمال مکتوب ہوں گے۔ اس مقام پر علامہ ثناء اللہ پانی پتی نے ایک بحث لکھی ہے جس کا خلاصہ ہدیۂ قارئین ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

بعض احادیث میں مذکور ہے کہ شہداء اور مومنین کی ارواح جنت کے سبز رنگ پرندوں میں ہوں گی اور بعض احادیث میں آیا ہے کہ مومن کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے۔ مثلاً بخاری شریف میں موجود ہے کہ شبِ اسریٰ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے دیکھا۔ احادیث میں اس تعارض کا کیا جواب ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ان متعارض احادیث کی تطبیق اس طرح ہے مومنین کی ارواح کا مقر (ٹھہرنے کی جگہ) تو علیین میں ہے یا ساتویں آسمان میں اور کفار کی روحوں کا ٹھکانا سجین میں ہے۔ ومع ذلک لکل روح منہا اتصال بالجسد فی قبرہ ولا یدرک کنھہ الا اللہ وبذلک الاتصال یسمع سلام الزائر ویجیب المنکر والنکیر ونحو ذلک۔ یعنی اس کے باوجود ہر روح کا اپنے جسم کے ساتھ اپنی قبر میں ایک تعلق ہے جس کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ اسی تعلق کی وجہ سے میت اپنے زائر کے سلام کو سنتی ہے اور منکر نکیر کے سوالوں کا جواب دیتی ہے۔ اسی طرح دوسرے احوال جو کتاب و سنت سے ثابت ہیں ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ اس کے بعد علامہ موصوف اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ جبریل کا اصل مقام تو آسمانوں میں ہے لیکن وہاں ہوتے ہوئے وہ بارگاہِ رسالت کے اس قدر نزدیک ہوتا کہ اپنے ہاتھ حضور کی رانوں پر رکھ دیتا۔

علیین کے اعراب کے بارے میں فراء کا قول بھی سن لیجیے۔ قال الفراء ھو اسم موضوع علی صفۃ الجمع ولا واحد لہ من لفظہ کقولک عشرون وثلاثون۔ یعنی یہ اسم ہے جو جمع کے معنی پر دلالت کرنے کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ اس کے اپنے لفظ سے اس کا کوئی واحد نہیں

إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ﴿٢٢﴾ عَلَى الْأَرَائِكِ يَنظُرُونَ ﴿٢٣﴾ تَعْرِفُ فِي

بے شک نیکوکار راحت و آرام میں ہوں گے ۔ پلنگوں پر بیٹھے (مناظرِ جنت کا) نظارہ کر رہے ہوں گے ۷ آپ پہچان لیں گے

وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيمِ ﴿٢٤﴾ يُسْقَوْنَ مِن رَّحِيقٍ مَّخْتُومٍ ﴿٢٥﴾ خِتَامُهُ

ان کے چہروں پر راحتوں کی شگفتگی ۔ انہیں پلائی جائے گی سربمہر خالص شراب اس کی مہر

مِسْكٌ ۚ وَفِي ذَٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ ﴿٢٦﴾ وَمِزَاجُهُ مِن

کستوری کی ہوگی ۔ اس کے لیے سبقت لے جانے کی کوشش کریں سبقت لے جانے والے ۸ اس میں تسنیم کی

تَسْنِيمٍ ﴿٢٧﴾ عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُونَ ﴿٢٨﴾ إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا

آمیزش ہوگی ۹ یہ وہ چشمہ ہے جس سے صرف مقربین پئیں گے ۔ جو لوگ جرم کیا کرتے تھے

جیسے عشرون، ثلاثون۔ حالتِ رفعی میں علیون اور نصبی و جری میں علیین ہوگا۔

۷ ابرار و صالحین کے ساتھ جو لطف و کرم فرمایا جائے گا اس کا بیان ہو رہا ہے۔

رحیق: پاکیزہ اور صاف شراب کو کہتے ہیں۔ مقاتل نے کہا ہے الرحیق : الخمر العتیقۃ البیضاء الصافیۃ من الغش النیرۃ (قرطبی) یعنی پرانی شراب جس کا رنگ سفید جو ہر میل سے پاک اور چمکدار ہو اسے رحیق کہتے ہیں۔ ختامہ مسک ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جن بلوریں مٹکوں میں رکھی ہوئی ہوگی وہ سربمہر ہوں گے اور مہر بھی کستوری کی لگی ہوگی تاکہ کوئی دوسرا آدمی ان کو ہاتھ تک نہ لگا سکے۔ جب بندگانِ خاص وہاں تشریف لے جائیں گے تو رشک سے سربمہر کیے ہوئے مٹکے کھولے جائیں گے اور خوبصورت نقرئی جاموں میں ڈال کر یہ شراب انہیں پیش کی جائے گی۔ بعض نے کہا ہے کہ مختوم کا معنی ممزوج ہے یعنی اس میں خالص کستوری ملی ہوگی۔ دنیا کی شرابوں کی طرح اس سے بدبو نہیں اٹھ رہی ہوگی اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب اس شراب کا آخری گھونٹ پئیں گے تو انہیں یوں محسوس ہوگا کہ اس میں مشک گھول دی گئی ہے اور تادیر یہی مہک انہیں محسوس ہوتی رہے گی۔

۸ تنافس: تسابق (لسان) یعنی اگر تم کسی چیز کے حصول میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانا چاہتے ہو تو یہ نعمت اس قابل ہے کہ اس کی طرف تم ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرو۔ وفی ذلک فلیتبادر المتبادرون (قرطبی)

۹ اس شراب میں تسنیم کے چشمہ کا پانی ملایا جائے گا۔ جنت کی تمام شرابوں سے یہ اعلیٰ درجہ کی شراب ہوگی۔ یہ نہروں میں عام نہ بہ رہی ہوگی بلکہ بلوریں مینائوں میں بند ہوگی جو کستوری سے سربمہر ہوں گی۔ ان میں بلندیوں سے بہ کر آنے والے چشمے تسنیم کا پانی ملا دیا جائے گا اور اس چشمہ شیریں کا پانی بھی ہر ایک کو پینا نصیب نہیں ہوگا بلکہ صرف مقربین کے لیے

كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَ اِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ ﴿۳۰﴾

وہ اہل ایمان پر ہنسا کرتے تھے ۔ نلہ اور جب ان کے قریب سے گزرتے تو آپس میں آنکھیں مارا کرتے

وَ اِذَا انْقَلَبُوْۤا اِلٰۤى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَ اِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْۤا

اور جب اپنے اہل خانہ کی طرف لوٹتے تو دل لگیاں کرتے واپس آتے ۔ اور جب وہ مسلمانوں کو دیکھتے تو کہتے

اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ ﴿۳۲﴾ وَ مَاۤ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ ﴿۳۳﴾ فَالْيَوْمَ

یقیناً یہ لوگ راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں لله حالانکہ وہ اہل ایمان پر محافظ بنا کر تو نہیں بھیجے گئے تھے ۱۲له پس آج

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ﴿۳۵﴾

مومنین کفار پر ہنس رہے ہیں ، (عروسی) پلنگوں پر بیٹھے (کفار کی خستہ حالی کو) دیکھ رہے ہیں ۱۳له

هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾

کیوں کچھ بدلہ ملا کفار کو (اپنے کرتوتوں کا) جو وہ کیا کرتے تھے ۔

مخصوص ہوگا۔

نله اب پھر ان مجرموں کی سنگ مزاجی اور خبث طینت کا ذکر ہو رہا ہے۔ اہل ایمان کو دیکھ کر ان کا مشخر اُڑاتے اور ایک دوسرے کو آنکھیں مار مار کر اشارہ بازی کرتے ہیں۔ جب مسلمانوں کی دل آزاری کرنے اور جی بھر کر ان پر پھبتیاں کسنے کے بعد یہ بے فکرے اپنے اپنے گھروں کو لوٹتے ہیں تو دل لگیاں کرتے جاتے ہیں گویا کوئی بڑا قلعہ فتح کر کے گھر لوٹ رہے ہیں۔ یتغامزون : یغمز بعضہم بعضاً ویشیرون باعینہم۔ (قرطبی)

لله مسلمانوں کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جو راہ راست سے بھٹک گئے ہیں، اپنے آباؤ اجداد کے مذہب کو چھوڑ بیٹھے ہیں، اپنے خاندانی معبودوں سے قطع تعلق کر چکے ہیں۔

۱۲له اللہ تعالیٰ ان کی ان کمینہ حرکتوں پر تنبیہ فرماتے ہیں کہ تمہیں ان لوگوں کی کیا فکر ہے۔ تم ان کے بارے میں کیوں ہر وقت چہ میگوئیاں کرتے رہتے ہو۔ کیا تم ان کے نگران ہو، کیا تم پر ان کو راہ راست پر چلانے کی ذمہ داری عائد ہے۔ تم اپنی خیر مناؤ، اپنے انجام کا خیال کرو۔ ان درویشوں کو خواہ مخواہ کیوں دق کرتے ہو۔ ان کا دل دکھانے سے تمہیں کیا ملے گا۔

۱۳له جب قیامت کا دن آئے گا، اس دن کفار رو رہے ہوں گے، اپنی بربادیوں پر آہ و فغاں کریں گے اور میرے محبوب کے یہ

پر ملنے اپنی ابدی فوز و فلاح پر خوش ہو رہے ہوں گے، اپنے زرنگار پلنگوں پر بیٹھے ہوئے کفار کی تباہ حالیوں کا مشاہدہ کر رہے ہوں گے۔ اس وقت سب کو پتہ چل جائے گا کہ منکرین نے جو کرتوت کیے تھے ان کا کس طرح انہیں پورا پورا بدلہ مل رہا ہے۔

○

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وعلیٰ آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت التواب الرحیم۔

○

تعارف

سُورۂ اِنشقاق

نام : اس سورت کا نام "الانشقاق" ہے جو "انشقت" کا مصدر ہے۔ اس میں ایک رکوع، ۲۵ آیتیں، ایک سو سات کلمات، چار سو تیس حروف ہیں۔

نزول : یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔

مضامین : ابتدائی آیات میں اُن ہولناک حادثات کا تذکرہ ہے جو وقوعِ قیامت کے وقت رُونما ہوں گے۔ اسکے بعد انسان کو بتایا جا رہا ہے کہ اُسے چاروناچار ہر حالت میں اپنے رب کے حضور میں پیش کیا جائے گا۔ اس روز تمام اولادِ آدم دو گروہوں میں بٹی ہوئی ہوگی۔ ایک گروہ وہ ہوگا جن کو ازراہِ بشارت اُن کا صحیفۂ عمل اُن کے دائیں ہاتھ میں پکڑایا جائے گا۔ اس وقت اُن کی خوشی کی انتہا نہ ہوگی۔ دُوسرا وہ گروہ جن کو اُن کا نامۂ عمل پس پشت دیا جائے گا۔ اُن کی خستہ حالی اور رنج واندوہ کا اندازہ لگانا ناممکن ہے۔ اس لیے ہر شخص کو آج یہ فیصلہ کرنا ہے کہ وہ کس زمرہ کے ساتھ اپنا حشر چاہتا ہے۔ یہ فیصلہ کرتے ہوئے اُسے بار بار غور وفکر کرنا چاہیے کیونکہ جو فیصلہ سوچ سمجھ کر اپنے اختیار سے اپنے بارے میں تم کروگے روزِ حشر اسی کے مطابق تمہارے ساتھ برتاؤ کیا جائے گا۔

آخر میں کئی قسمیں کھانے کے بعد انہیں بتایا جا رہا ہے کہ انہیں ان مرحلوں سے یکے بعد دیگرے ضرور گزرنا ہوگا۔ حیرت ہے اُن لوگوں پر جو یہ جاننے کے بعد ایمان نہیں لا رہے۔ اور جب قرآن کریم کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ سرِ نیاز خدا کی بارگاہِ جلال میں جھکا نہیں دیتے۔ اُن کا انجام بڑا دردناک ہوگا۔ روزِ محشر فقط اہلِ ایمان ہی ایسے اجر سے نوازے جائیں گے جس کی کوئی انتہا نہ ہوگی۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا

۲۲-۴-۷

سُوْرَةُ الْاِنْشِقَاقِ مَكِّيَّةٌ ۞ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۞ هِيَ خَمْسٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً

سورۃ الانشقاق مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — اس میں پچیس آیات ہیں۔

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ﴿۱﴾ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿۲﴾ وَاِذَا الْاَرْضُ

یاد کرو جب آسمان پھٹ جائے گا ۱ اور کان لگا کر سنے گا اپنے رب کا فرمان ۲ اور اس پر فرض بھی یہی ہے ۳ اور جب زمین

مُدَّتْ ﴿۳﴾ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ ﴿۴﴾ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿۵﴾

پھیلا دی جائے گی ۴ اور باہر پھینک دے گی جو کچھ اس کے اندر ہے اور خالی ہو جائے گی ۵ اور کان لگا کر سنے گی اپنے رب کا فرمان اور اس پر فرض بھی یہی ہے

يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ﴿۶﴾ فَاَمَّا مَنْ

اے انسان! تو محنت سے کوشاں رہتا ہے اپنے رب کے پاس پہنچنے تک پس تیری اس سے ملاقات ہو کر رہنی ہے ۶ پس جس کو

۱ قیامت کے برپا ہونے کی یاد تازہ کی جا رہی ہے۔ یعنی یاد کرو جب آسمان پھٹ جائے گا۔ آسمان پھٹنے کی یہ وجہ نہ ہوگی کہ وہ پرانا ہو کر بوسیدہ ہو جائے گا اس لیے اس میں جگہ جگہ شگاف پڑ جائیں گے۔ نہیں، بلکہ اس کو اپنے رب کا حکم ملے گا کہ پھٹ جا تو وہ پارہ پارہ ہو جائے گا۔ آسمان کا یہ فرض ہے کہ اپنے خالق کے ہر حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کرے۔

۲ اَذِنَتْ کا معنی ہے کان لگا کر سننا اور جو بات کان لگا کر سنی جائے اس کے مطابق عمل بھی کیا جاتا ہے اس لیے اَذِنَتْ کا معنی استمعت وانقادت کیا گیا ہے۔ (قرطبی) یعنی حکم کو سن کر بجا لانا، تعمیل فرمان کرنا۔

۳ یہ کہہ کر بتایا کہ آسمان نے تعمیل ارشاد کر کے کوئی احسان نہیں کیا، کوئی حیرت انگیز بات نہیں کی۔ بلکہ ہر مخلوق کی طرح اس کا بھی یہ فرض اولین ہے کہ وہ بے چون و چرا اپنے خالق کے حکم کے سامنے سر افگندہ ہو جائے۔

۴ جس اطاعت وانقیاد کا مظاہرہ آسمان کرے گا اسی طرح زمین بھی حکم الٰہی بجا لائے گی۔ جب اسے حکم ملے گا کہ بچھ جا، ہموار ہو جا، تجھ میں کوئی نشیب و فراز باقی نہ رہے، تو اونچے اونچے پہاڑ مٹی کا ڈھیر بن کر نشیبی جگہوں کو پر کر دیں گے۔ سمندروں کی گہرائیاں بھی بھر جائیں گی، ایک وسیع وعریض چٹیل میدان بن جائے گا، جہاں سب جن وانس دست بستہ حاضر کر دیے جائیں گے۔

۵ اس کے شکم میں جتنے لوگ اس وقت تک مدفون ہوں گے اور جو خزانے اپنی تہوں میں اس نے سمیٹ رکھے ہوں گے، حکم الٰہی ملتے ہی زمین ان سب کو اگل دے گی۔

۶ كَدَحَ يَكْدَحُ كَدْحًا هو اكتسابه بمشقة. قال ابو اسحاق الكدح في اللغة السعي والحرص او الدؤوب في العمل في باب الدنيا والآخرة (لسان العرب) یعنی کسی چیز کے حصول و کسب میں محنت و مشقت اٹھانا کدح کہلاتا ہے۔ ابو اسحاق کہتے ہیں کہ لغت عرب میں اس کا مفہوم

أُوتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ﴿٧﴾ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ﴿٨﴾ وَّيَنْقَلِبُ

دیا گیا اس کا نامۂ عمل اس کے دائیں ہاتھ میں ۞ تو اس سے حساب آسانی سے لیا جائے گا اور واپس لوٹے گا

اِلٰٓى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ﴿٩﴾ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ﴿١٠﴾ فَسَوْفَ

اپنے گھر والوں کی طرف شاداں و فرحاں۔ اور جس (بد نصیب) کو اس کا نامۂ عمل پس پشت دیا گیا ۞ تو وہ چلائے گا

یہ ہے کہ انسان دنیا و آخرت کے سلسلہ میں کسی کام میں کوشاں ہو۔ اس کے دل میں اس کی خواہش بھی ہو اور اس کی یہ کوشش لگاتار جاری رہے ان سب امور کے مجموعہ کو کدح کہتے ہیں۔

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ تو خواہ طالب دنیا ہو یا طالب عقبیٰ، دونوں صورتوں میں تو بڑی جانفشانی سے اپنے کاموں کی انجام دہی میں کوشاں رہتا ہے۔ ہر قسم کی صعوبت کو برداشت کرتا ہے اور یہ سلسلہ جاری رہتا ہے یہاں تک کہ تیرے رب سے تیری ملاقات کا وقت یعنی تیری موت کا وقت آجائے۔ اس وقت تیری جد و جہد ختم ہو جاتی ہے اور اس کے بعد اپنے اعمال شاقہ کا پھل کھانے کا وقت آجاتا ہے۔ فملاقیہ فرماکر بتا دیا کہ انسان کو وہ پھل ضرور مل کر رہتا ہے۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں انک جاھدٌ ومجدٌّ جداً فی عملك من خیر و شر طول حیاتك الی لقاء ربك اعنی الموت فملاقٍ له عقیب ذلك۔ (روح المعانی) یعنی تو اپنے اچھے یا برے اعمال کو انجام دینے میں محنت و مشقت سے کام لیتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اپنے رب سے تیری ملاقات کا یعنی تیری موت کا وقت آپہنچتا ہے۔

ؒ ہر شخص روز قیامت بارگاہ خداوندی میں پیش کیا جائے گا۔ جنہوں نے اپنی یہ زندگی اس کی یاد اور اس کی عبادت میں گزاری ہوگی، وہ جب پیش ہوں گے تو ان کا نامۂ عمل ان کے دائیں ہاتھ میں پکڑایا جائے گا اور ان سے بڑا آسان حساب لیا جائے گا۔ زیادہ چھان بین نہیں کی جائے گی۔ ان کے اعمال حسنہ کے باعث ان کے اعمال سیئہ سے صرف نظر کر لی جائے گی اور یہ لوگ جلدی فارغ ہو کر شاداں و فرحاں اپنے گھر والوں کے پاس واپس جائیں گے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لیس احدٌ یحاسب الا ھلك۔ جس سے حساب لیا جائے گا وہ ہلاک ہو جائے گا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں آپ پر قربان جاؤں کیا یہ اللہ کا فرمان نہیں ہے۔ فاما من اُوتی۔ تو آپ نے فرمایا ذالك العرض یعرضون فمن نوقش الحساب ھلك۔ یعنی یہ تو سرسری پیشی ہوگی لیکن جس کے ساتھ حساب کے وقت سوال جواب شروع ہو گیا وہ تو مارا گیا۔

اللہ تعالیٰ شفیع المذنبین کے طفیل ہمارا نامۂ عمل ہمارے دائیں ہاتھ میں دے اور ہم سے آسان آسان حساب لے۔ آمین ثم آمین!

ؒ ان لوگوں کے برعکس وہ بدنصیب بائیں ہاتھ میں اپنا اعمال نامہ لینے سے شرمائیں گے اور اپنا ہاتھ پیچھے کر لیں گے، لیکن فرشتے کب چھوڑنے والے ہیں۔ وہ وہیں ان کے بائیں ہاتھوں میں ان کی سیاہ کاریوں کے دفتر پکڑا دیں گے۔ اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ ان کے دونوں ہاتھ ان کی پیٹھ پیچھے باندھ دیے جائیں گے اس لیے اسی حالت میں ان کے اعمال نامے ان کے بائیں ہاتھوں میں دے دیے جائیں گے۔

يَدْعُوا ثُبُوْرًا ۝١١ وَّيَصْلٰى سَعِيْرًا ۝١٢ اِنَّهٗ كَانَ فِيْٓ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۝١٣

ہائے موت! ہائے موت! ۹ اور داخل ہوگا بھڑکتی آگ میں۔ بے شک وہ (دنیا میں) اپنے اہل وعیال میں خوش وخرم رہا کرتا تھا ۱۰

اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ ۝١٤ بَلٰٓى ۚ اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا ۝١٥

وہ خیال کرتا تھا کہ وہ (اللہ کے حضور) لوٹ کر نہیں جائے گا۔ کیوں نہیں، اس کا رب اسے خوب دیکھ رہا تھا۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ۝١٦ وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ۝١٧ وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ۝١٨

پس میں قسم کھاتا ہوں شفق کی۔ اور رات کی اور جن کو وہ سمیٹے ہوئے ہے اور چاند کی جب وہ ماہِ کامل بن جائے۔

لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ۝١٩ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝٢٠ وَاِذَا قُرِئَ

تمہیں (بتدریج) زینہ بہ زینہ چڑھنا ہے ۱۱ پس انہیں کیا ہوگیا ہے کہ ایمان نہیں لاتے ۱۲ اور جب ان کے سامنے

۹ اس وقت اس کی چیخ وپکار اور واویلا دیدنی وشنیدنی ہوگا۔ شور مچائے گا ہائے موت! ہائے موت! تو کدھر گئی، آبھی جا، مجھے نگل لے تاکہ میں عذاب جہنم سے بچ جاؤں۔ یا ثبوراہ تعالی فھذا اوانک والثبور الھلاک وھو جامع لانواع المکارہ۔ (روح المعانی) ثبور کا معنی ہلاکت ہے۔ ہر قسم کی مکروہ اور ناپسندیدہ چیزوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ یہاں اس سے مراد موت ہے کیونکہ یہ سب سے زیادہ مکروہ اور ناپسندیدہ ہے۔

۱۰ اس کی یہ حالت کیوں ہوگی، وجہ بتائی جا رہی ہے کہ وہ دنیا میں گلچھرے اڑاتا رہا۔ خود بھی عیش کرتا رہا اور اپنے اہل وعیال کو بھی عیش کراتا رہا۔ کبھی اس کو بھولے سے بھی یہ خیال نہ آیا کہ اسے ایک روز اللہ تعالیٰ کے روبرو پیش ہونا ہے اور اپنی خرمستیوں اور بداعمالیوں کا جواب دینا ہے۔ اسی خود فراموشی کا نتیجہ جناب بساط آج دیکھ رہے ہیں۔

۱۱ تین چیزوں کی قسم کھانے کے بعد فرمایا کہ تم منزل بمنزل بڑھتے چلے جاؤ گے۔ رحم مادر سے تم دنیا میں آئے، بچپن سے جوانی، جوانی سے بڑھاپا، صحت سے بیماری، قوت سے ضعف، خوشحالی سے بدحالی، ان مرحلوں کو طے کرتے ہوئے قبروں میں آگئے، پھر قیامت کو دامن جھاڑ کر اٹھ کھڑے ہوگے۔ پھر خدا معلوم کیسی کیسی حالتوں سے گزرتے ہوئے اپنے ابدی مستقر اور آخری ٹھکانے پر پہنچو گے۔

۱۲ ان تغیرات کا تم اپنی ذات میں اور اپنے اردگرد پھیلی ہوئی وسیع کائنات میں ہر لحظہ مشاہدہ کر رہے ہو، پھر بھی قیامت پر ایمان نہیں لاتے۔ وقوع قیامت میں جو حکمتیں اور انسانی اصلاح میں اس کے جو اثرات ہیں ان کو تسلیم نہیں کرتے۔ بڑے تعجب کی بات ہے۔

عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ ۝۲۱ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ ۝۲۲

قرآن پڑھا جاتا ہے تو سجدہ نہیں کرتے ۱۳ بلکہ یہ کفار اسے (اُلٹا) جھٹلاتے ہیں ۱۴

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ ۝۲۳ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۲۴ اِلَّا الَّذِيْنَ

اور اللہ خوب جانتا ہے جو اُن (کے دلوں) میں بھرا ہوا ہے ۱۵ پس آپ انہیں خوشخبری سنائیں دردناک عذاب کی ۱۶ البتہ جو لوگ

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝۲۵

ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لیے ایسا اجر ہے جو منقطع نہ ہوگا ۱۷

۱۳ اور ستم یہ ہے کہ قرآن کریم کی آیتیں جن کی تاثیر سے پتھر بھی پگھل جاتے ہیں اور پہاڑوں پر بھی لرزہ طاری ہو جاتا ہے، وہ ان کے سامنے تلاوت کی جاتی ہیں لیکن یہ کوئی اثر قبول نہیں کرتے۔ انہیں سن کر بھی ان کے سر اپنے رب کے حضور سجدہ ریز نہیں ہوتے۔

۱۴ متاثر ہونا یا سجدے میں سر جھکانا تو رہا ایک طرف، یہ ظالم ان کو اُلٹا جھٹلانا شروع کر دیتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں یہ جادو ہے، کبھی کہتے ہیں یہ ان کا خود ساختہ کلام ہے، کبھی کہتے ہیں ان کو کسی جن نے یہ سکھایا ہے۔ اس سے بیکار کی باتیں یہ بنانے لگتے ہیں۔ والعیاذ باللہ

۱۵ یُوْعُوْنَ: یجمعون فی الصدور من الکفر والعداوۃ۔ قال مجاهد ما یکتمون۔ (مظہری) یعنی جو کفر و عداوت ان کے سینوں میں بھرا ہوا ہے اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ جو کچھ اپنے دلوں میں انہوں نے چھپا رکھا ہے اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح آگاہ ہے۔

۱۶ یہ نابکار، حق ناشناس اس بات کے مستحق ہیں کہ انہیں آپ دردناک عذاب کی بشارت دیں۔

۱۷ ان کا تو یہ حشر ہوگا، لیکن جو لوگ سچے دل سے ایمان لائے اور ایمان کے تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے نیک اعمال کرتے رہے انہیں اجر ملے گا، اجر بھی ایسا جو کبھی منقطع نہیں ہوگا۔ ابدالآباد تک ان پر نوازشات و انعامات کا سلسلہ جاری رہے گا۔ اپنے رب کریم کے لطف و کرم سے ہمیشہ ہمیشہ بہرہ اندوز ہوتے رہیں گے۔

○

اللّٰھم لک الحمد ولک الشکر ومنک التوفیق اللّٰھم وفقنا لما تحب وترضی وتقبل منا ما نکدح فیہ انک سمیع الدعاء رب ارحمھما کما ربیانی صغیرا وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبنا وشفیعنا وطبیب قلوبنا وشفاء ارواحنا محمد وآلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیما کثیرا کثیرا۔

○

تعارف

سُورَۃ البُروج

نام : اس سورت کا نام "البروج" ہے جو اس کی پہلی آیت میں مذکور ہے۔ اس میں ایک رکوع، بائیس آیتیں ایک سو نو کلمات اور چار سو ینسٹھ حروف ہیں۔

نزول : یہ مکہ مکرمہ میں اس وقت نازل ہوئی جب اہل ایمان پر کفار کا ظلم و تشدد پورے شباب پر تھا۔ انہوں نے خون، قبیلہ اور ہمسائیگی کے تمام تعلقات کو نظر انداز کر دیا تھا اور ان کے بس میں جتنی قوت تھی اسے مسلمانوں کو اذیت پہنچانے میں صرف کر رہے تھے۔

مضامین : اصحاب الاخدود کون تھے؟ جن اہل ایمان کو انہوں نے انگاروں سے بھری ہوئی خندقوں میں پھینکا تھا۔ وہ کس علاقہ کے باشندے تھے؟ اور یہ کس زمانہ کا واقعہ ہے؟ یہ تفاصیل آپ کو اس سورت کی تشریح کے ضمن میں ملیں گی۔ یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ کفر اور باطل نعمت ہدایت سے محروم ہونے کے باعث جوہر انسانیت سے بھی عاری ہو جاتا ہے۔ رحمت و شفقت کا کوئی جذبہ اس کے دل میں باقی نہیں رہتا۔ کمزور اور بے بس حق پرستوں پر کفار بپھرے ہوئے وحشی درندوں کی طرح جھپٹتے ہیں۔ زندہ انسانوں کو بھڑکتے ہوئے شعلوں میں دھکے دے کر گرانا اور ان کو تڑپتے ہوئے دیکھ کر خوشی سے رقص کرنا ان کا معمول ہوا کرتا ہے لیکن جبر و تشدد کی انسانیت سوز قربانیوں میں اہل حق کی استقامت اور ثابت قدمی بھی اپنے اندر جو حسن اور دلفریبی رکھتی ہے اس کی بھی نظیر نہیں ملتی۔ وہ مظالم کی چکی میں پس رہے ہوتے ہیں، وہ تشدد کے شکنجوں میں کسے جا رہے ہوتے ہیں لیکن ان کے لبوں پر مسکراہٹ کھیل رہی ہوتی ہے۔ ان کی آنکھوں سے کوئی آنسو نہیں ٹپکتا نہ وہ آہ کرتے ہیں نہ فریاد، اپنے مولائے کریم کی خوشنودی کے حصول کو وہ اپنی مسرتوں اور سعادتوں کی معراج یقین کرتے ہیں۔

اس واقعہ کو بیان کرنے سے مدعا یہ ہے کہ مسلمان بھی ظلم و ستم کے اس دور میں عالی ہمتی اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کریں وہ یقین رکھیں کہ کفر کا طلسم بہت جلد ٹوٹ جائے گا۔ طاغوتی قوتیں سرنگوں ہو جائیں گی۔ مخالفت کے طوفان تھم جائیں گے۔ اسلام کو فتح مبین حاصل ہوگی۔ ابوجہل اور ابولہب سے پہلے بھی کئی فرعون اور نمرود گزرے ہیں، لیکن وہ اپنی موت آپ مر گئے اور حق کا پرچم لہراتا رہا اور قیامت تک لہراتا رہے گا۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا
۷-۳-۷۷

سُوْرَةُ الْبُرُوْجِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اثْنَتَانِ وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

سورۃ البروج مکی ہے۔ — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — اس میں بائیس آیات ہیں۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ﴿۱﴾ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ﴿۲﴾ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ﴿۳﴾

قسم ہے آسمان کی جو برجوں والا ہے[۱] اور اس دن کی جس کا وعدہ کیا گیا ہے[۲] اور حاضر ہونے والے کی اور اس کی جس کے پاس حاضر ہوں گے[۳]

[۱] اس سورت کا آغاز بھی قسمیں کھا کر کیا گیا ہے اور قسم اس بات پر کھائی جا رہی ہے کہ قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ یعنی جن کھائی والوں نے اہل حق کو پکڑ پکڑ کر ان دہکتے انگاروں اور بھڑکتے شعلوں میں پھینکا تھا اور یہ قصد کیا تھا کہ حق کا ماننے والا کوئی نہ رہے۔ ہر طرف باطل کا غلبہ ہو، ہر طرف کفر اور شرک کا اندھیرا چھا جائے۔ ایسا کرنے والے ایسا چاہنے والے برباد ہو گئے۔ ان کا نام و نشاں تک بھی نہ رہا، ان کی عظمت خاک میں مل گئی ان کے محلات کھنڈرات بن گئے، ان کے سنگین قلعے ٹوٹ پھوٹ گئے۔ حق کا بول اب بھی بالا ہے صداقت کا آفتاب اب بھی ضوفشاں ہے۔ حق کی شمع پر جو قربان ہو گئے وہ انسانیت کا سر بلند کر گئے اور اپنے پیچھے جوانمردوں، اولوالعزموں، وفاکیشوں کا ایسا لشکر عظیم چھوڑ گئے جن کے نعروں کی گونج سے باطل آج بھی لرزہ براندام ہے۔ انہی کے نقوش پا سے زندگی کی شاہراہ آج بھی جگمگ جگمگ کر رہی ہے۔ جب تک اس گلشن ہستی میں کوئی پھول کھلتا ہے کوئی کلی مسکراتی رہے گی، کوئی بلبل نغمہ الاپتی رہے گی، حق کا پرچم اونچا بہت اونچا لہراتا رہے گا۔

علامہ پانی پتی فرماتے ہیں کہ عوام نے قدیم فلسفیوں کے نظریات کو مانتے ہوئے آسمان کو بارہ موہوم حصوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ ہر حصہ کو برج کہتے ہیں اور ہر برج کے مخصوص ضوابط ہیں اور ان میں سیارات کا بھی نزول ہوتا رہتا ہے۔ انہی وہمی اشکال کے باعث انہوں نے برجوں کے نام مقرر کر رکھے ہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے ضیاء القرآن سورۃ الحجر آیت ۱۶ کے حواشی) آپ فرماتے ہیں اس کی کچھ حقیقت نہیں۔ اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ آسمان ہمیشہ متحرک ہوں اور ستارے ان میں گڑے ہوئے ہوں وکل ذالک باطل۔ کیونکہ کتاب و سنت سے یہ ثابت ہے کہ ہر کوکب اپنے فلک میں تیر رہا ہے۔ (مزید تشریح کے لیے ملاحظہ فرمائیں ضیاء القرآن سورۃ الانبیاء آیت ۳۳)

جدید سائنسی تحقیقات نے قرآنی نظریہ تسلیم کر لیا ہے۔ اس لیے بروج سے یہاں مراد وہ اصطلاحی بروج نہیں بلکہ وہ بڑے بڑے ستارے مراد ہیں جو اپنی درخشانی کے باعث بہت نمایاں نظر آتے ہیں۔ وقیل المراد بالبروج، عظام الکواکب سمیت بروجا لظهورها کذا قال الحسن ومجاهد وقتادة (مظہری)

[۲] اس سے مراد روز قیامت ہے جس کے آنے کا بار بار پختہ وعدہ کیا گیا ہے۔

[۳] شاہد اور مشہود کے بارے میں علماء کے بہت سے اقوال ہیں۔ شاہد سے مراد یوم جمعہ ہے۔ مشہود سے یوم عرفہ، شاہد سے مراد حضور نبی کریم ہیں اور مشہود سے مراد قیامت کا دن، شاہد سے مراد انبیائے کرام اور مشہود سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، شاہد سے مراد اللہ تعالیٰ، فرشتے، کراماً کاتبین، انبیائے کرام، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور جملہ اہل ایمان اور مشہود سے مراد کلمہ توحید اور دین اسلام کی تمام صداقتیں جن کی ان سچے گواہوں نے گواہی دی ہے۔

قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ۝٤ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ۝٥ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا

مارے گئے کھائی کھودنے والے ٤ (جس میں) آگ تھی بڑے ایندھن والی ٥ جب وہ اس (کے کنارہ) پر

٤ یہ جواب قسم ہے۔ الاخدود، الشق العظیم المستطیل فی الارض کالخندق۔ (قرطبی) یعنی وہ بڑا اور مستطیل گڑھا جو زمین میں خندق کی طرح کھودا جاتا ہے۔ اصحاب الاخدود کون لوگ تھے؟ اس کے بارے میں متعدد روایات مذکور ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے پہلے مذہبی رواداری نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ عقائد کے اختلاف کی بنیاد پر خون کے دریا بہا دیے جایا کرتے تھے۔ آبادیوں کو ان کے مکینوں سمیت نذر آتش کر دیا جاتا تھا۔ خصوصاً یہودیت و عیسائیت کی تاریخ اس قسم کی خونریزیوں سے بھری پڑی ہے۔ اس لیے ہر جگہ اس قسم کے واقعات وقوع پذیر ہوتے رہتے تھے۔ ان آیات میں کس مخصوص واقعہ کی طرف اشارہ ہے؟ اس کے بارے میں زیادہ قابل وثوق وہ روایت ہے جو امام مسلم نے اپنی صحیح میں درج کی ہے۔ اس کا ترجمہ حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر خزائن العرفان سے پیش کرتا ہوں:

"مروی ہے کہ پہلے زمانہ میں ایک بادشاہ تھا۔ جب اس کا جادوگر بوڑھا ہو گیا تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ میرے پاس ایک لڑکا بھیج دے جسے میں جادو سکھا دوں۔ بادشاہ نے ایک لڑکا مقرر کر دیا۔ وہ جادو سیکھنے لگا۔ راہ میں ایک راہب رہتا تھا۔ اس کے پاس بیٹھنے لگا اور اس کا کلام اس کے دل نشین ہو نے لگا۔ اب آتے جاتے اس نے راہب کی صحبت میں بیٹھنا مقرر کر لیا۔ ایک روز راستہ میں ایک مہیب جانور ملا۔ لڑکے نے ایک پتھر ہاتھ میں لے کر یہ دعا کی کہ یا رب اگر راہب تجھے پیارا ہو تو میرے پتھر سے اس جانور کو ہلاک کر دے۔ وہ جانور اس کے پتھر سے مر گیا۔ اس کے بعد لڑکا مستجاب الدعوات ہوا اور اس کی دعا سے کوڑھے اور اندھے اچھے ہونے لگے۔ بادشاہ کا ایک مصاحب نابینا ہو گیا تھا۔ وہ آیا۔ لڑکے نے دعا کی، وہ اچھا ہو گیا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آیا اور بادشاہ کے دربار میں پہنچا۔ اس نے کہا تجھے کس نے اچھا کیا؟ کہا میرے رب نے۔ بادشاہ نے کہا میرے سوا اور بھی کوئی رب ہے؟ یہ کہہ کر اس پر سختیاں شروع کیں، یہاں تک کہ اس نے لڑکے کا پتہ بتایا۔ لڑکے پر سختیاں کیں، اس نے راہب کا پتہ بتایا۔ راہب پر سختیاں کیں اور اس سے کہا اپنا دین ترک کر۔ اس نے انکار کیا تو اس کے سر پر آرا رکھ کر چروا دیا۔ پھر مصاحب کو بھی چروا دیا۔ پھر لڑکے کو حکم دیا کہ پہاڑ کی چوٹی سے گرا دیا جائے۔ سپاہی اس کو پہاڑ کی چوٹی پر لے گئے۔ اس نے دعا کی، پہاڑ میں زلزلہ آیا۔ سب گر کر ہلاک ہو گئے۔ لڑکا صحیح سلامت چلا آیا۔ بادشاہ نے کہا سپاہی کیا ہوئے؟ کہا سب کو خدا نے ہلاک کر دیا۔ پھر بادشاہ نے لڑکے کو سمندر میں غرق کرنے کے لیے بھیجا۔ لڑکے نے دعا کی، کشتی ڈوب گئی۔ تمام شاہی آدمی ڈوب گئے۔ لڑکا صحیح سلامت بادشاہ کے پاس آ گیا۔ بادشاہ نے کہا وہ آدمی کیا ہوئے؟ کہا سب کو اللہ تعالیٰ نے ہلاک کر دیا اور تو مجھے قتل کر ہی نہیں سکتا جب تک وہ کام نہ کرے جو میں بتاؤں۔ کہا وہ کیا؟ لڑکے نے کہا ایک میدان میں سب لوگوں کو جمع کر اور مجھے کھجور کے ٹھنڈ پر سولی دے۔ پھر میرے ترکش سے تیر نکال کر بسم اللہ رب الغلام (اللہ تعالیٰ کے نام سے جو اس لڑکے کا رب ہے) کہہ کر مار۔ ایسا کرے گا تو مجھے قتل کر سکے گا۔ بادشاہ نے ایسا ہی کیا۔ تیر لڑکے کی کنپٹی پر لگا۔ اس نے اپنا ہاتھ اس پر رکھا اور واصل بحق ہو گیا۔ یہ دیکھ کر تمام لوگ ایمان لے آئے۔ اس سے بادشاہ کو اور زیادہ صدمہ ہوا اور اس نے ایک خندق کھدوائی اور اس میں آگ جلائی اور حکم دیا کہ جو دین سے نہ پھرے اسے اس آگ میں ڈال دو۔ لوگ ڈالے گئے، یہاں تک کہ ایک عورت آئی، اس کی گود میں بچہ تھا، وہ ذرا جھجکی، بچے نے کہا اے ماں! صبر کر، نہ جھجک، تو سچے دین پر ہے۔ وہ بچہ اور ماں بھی آگ میں ڈال دیے گئے۔" یہ حدیث صحیح ہے۔ مسلم نے اس کی تخریج کی۔ اس سے اولیاء کی کرامتیں ثابت ہوتی ہیں۔ آیت میں اس واقعہ

قُعُوْدٌ ۝۶ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ۝۷ وَمَا

بیٹھے تھے۔ اور وہ جو کچھ اہل ایمان کے ساتھ سلوک کر رہے تھے اسے دیکھ رہے تھے ۲؎ اور نہیں

نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝۸ الَّذِيْ

ناپسند کیا تھا انہوں نے مسلمانوں سے بجز اس کے کہ وہ ایمان لائے تھے اللہ پر جو سب پر غالب سب خوبیوں سراہا ہے ۳؎ جس کے

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝۹

قبضہ میں آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے ۴؎ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو دیکھنے والا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ

بے شک جن لوگوں نے ایذا دی مومن مردوں اور مومن عورتوں کو پھر توبہ بھی نہ کی تو ان کے لیے

کا ذکر ہے۔ (خزائن العرفان)

۱؎ اُخدود سے بدل ہے۔ النار بدل اشتمال۔ ذات الوقود: جس میں ایندھن ڈالا گیا منظر کی ہیبت کا بیان ہے یعنی آگ جل رہی تھی اور اس میں لکڑیاں اور ایندھن ڈالا جا رہا تھا۔

۲؎ ان کی سنگدلی کا یہ عالم تھا کہ ان کے بھائی بند ان کے ہم قوم ان کے ہم وطن بڑی بے رحمی سے آگ میں دھکیلے جا رہے تھے اور یہ پاس بیٹھے تماشا دیکھ رہے تھے۔

۳؎ کس جرم میں ان کو یہ سزا دی جا رہی تھی، کون سا قصور ان سے سرزد ہوا تھا جس کا انتقام ان سے لیا جا رہا تھا، ان کی کون سی ایسی حرکت تھی جو انہیں ازحد ناگوار اور ناپسند تھی اور وہ اس سے برافروختہ ہو کر یہ ستم کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ بتایا جا رہا ہے کہ ان پاکبازوں کا اس کے سوا کوئی جرم نہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لے آئے تھے، اس کے احکام کی تعمیل کرتے تھے، بے جان مجسموں یا اپنے فرعون صفت حکمرانوں کو خدا ماننے کے لیے تیار نہ تھے۔ وہ اس اللہ تعالیٰ کو اپنا خالق و مالک سمجھتے تھے جو سب پر غالب، زبردست اور تمام صفات کمال سے موصوف ہے۔

۴؎ جس کی حکمرانی کا سکہ آسمانوں اور زمین میں چل رہا ہے۔ کائنات ارضی و سماوی میں کوئی پتہ، کوئی ذرہ اس کے حکم کے بغیر جنبش نہیں کر سکتا۔ بلندیوں اور پستیوں میں کوئی ایسی چیز نہیں جس کا اسے علم نہ ہو۔

عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيقِ ﴿١٠﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَ

جہنم کا عذاب ہے اور ان کے لیے جلائے جانے کی سزا ہے ف۹ جو لوگ ایمان لے آئے اور

عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ذَٰلِكَ

نیک عمل کرتے رہے ان کے لیے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ یہی

الْفَوْزُ الْكَبِيرُ ﴿١١﴾ إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ ﴿١٢﴾ إِنَّهُ هُوَ يُبْدِئُ وَ

بڑی کامیابی ہے۔ بے شک آپ کے رب کی گرفت بہت سخت ہے ف۱۰ بے شک وہی پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے اور وہی

يُعِيدُ ﴿١٣﴾ وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ ﴿١٤﴾ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ ﴿١٥﴾ فَعَّالٌ

دوبارہ پیدا کرے گا۔ اور وہی بہت بخشنے والا، بہت محبت کرنے والا ہے ف۱۱ عرش کا مالک ہے، بڑی شان والا۔ کرتا ہے

لِمَا يُرِيدُ ﴿١٦﴾ هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْجُنُودِ ﴿١٧﴾ فِرْعَوْنَ وَثَمُودَ ﴿١٨﴾

جو کچھ چاہتا ہے ف۱۲ کیا پہنچی ہے آپ کے پاس لشکروں کی خبر (یعنی) فرعون اور ثمود (کے لشکروں) کی ف۱۳

ف۹ جو ظالم اپنی طاقت کے نشہ میں اللہ تعالیٰ کے بندوں اور اللہ تعالیٰ کی بندیوں کو اذیت پہنچاتے ہیں اور پھر (بھی) ان غیر انسانی حرکتوں سے تائب بھی نہیں ہوتے وہ یہ نہ سمجھیں کہ ان کی یہ خودسری گوارا کر لی جائے گی۔ قدرت کا قانونِ مکافات ان کے معاملہ میں بے اثر ہو کر رہ جائے گا۔ ایسا ہرگز نہ ہو گا۔ انہیں دردناک سزا ملے گی اور جلائے جانے کا جو عذاب انہوں نے مقبولانِ خدا کے لیے تجویز کیا تھا بعینہٖ اسی قسم کے عذاب میں انہیں مبتلا کیا جائے گا۔ اگرچہ دونوں آگوں کی نوعیت میں بعد المشرقین ہو گا۔

ف۱۰ یہ عقل کے اندھے آپ کے رب کو کمزور نہ جانیں اس کا ہر کام پُر از حکمت ہوتا ہے۔ وہ تنگ مزاج اور زود رنج حکمرانوں کی طرح فوراً بھڑک نہیں اٹھتا۔ ہر کام کے لیے اس نے موزوں وقت مقرر کر رکھا ہے اور جب وہ وقت آجاتا ہے تو پھر وہ یوں سخت پکڑتا ہے کہ الامان والحفیظ۔ اس کے عذاب سے کوئی چھڑا نہیں سکتا، کوئی بچا نہیں سکتا۔ سارے کر و فر دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔

ف۱۱ حضور کے رب کریم کی مزید شانیں بیان کی جا رہی ہیں۔ تمہیں پہلے پیدا بھی اسی نے کیا تمہیں دوبارہ زندہ بھی وہی کرے گا۔ اس کی مغفرت کا دامن بڑا وسیع ہے۔ اس کو اپنے فرمانبردار بندوں سے بڑی محبت ہے اور بے اندازہ پیار ہے۔ اس کی غیرت انہیں ایذا پہنچانے والوں کو زیادہ دیر مہلت نہیں دیتی۔

ف۱۲ عرش کا مالک وہ ہے، ساری بزرگیاں، ساری عظمتیں، ساری شانیں اسی کے لیے مخصوص ہیں۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے سوائے اس

بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ ﴿۱۹﴾ وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ ﴿۲۰﴾

بلکہ یہ کفار جھٹلانے میں مصروف ہیں ۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ﴿۲۱﴾ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ﴿۲۲﴾

بلکہ وہ کمال شرف والا قرآن ہے ۱۴؎ ایسی لوح میں لکھا ہے جو محفوظ ہے ۱۵؎

کی مرضی اور ارادہ ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔

۱۳؎ اے میرے حبیب! سرکشی اور بغاوت کا علم بلند کرنے والے صرف یہی لوگ نہیں۔ ان سے پہلے کئی فرعون و ثمود اور ان کے جرار لشکر اپنا جاہ و جلال دکھا چکے ہیں، خدا کی مخلوق پر جور و ستم کی انتہا کر چکے ہیں، خدا کی زمین کو بے گناہوں کے خون سے رنگین بنا چکے ہیں۔ لیکن وہ سب فنا ہو چکے۔ سب کا نام و نشان مٹ گیا۔ وہ لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ ان سے طاقتور اور کوئی نہیں ان کا گھیراؤ نہیں کیا جا سکتا لیکن وہ خداوند عالم اور اس کی طاقتوں کو بھلائے ہوئے تھے۔

۱۴؎ ان قرآنی حقائق کو تم معمولی نہ سمجھو ان میں غور و تدبر کرو ان کو حرز جاں بناؤ۔ شاہراہ حیات پر چلنے کو تو یہ شمع فروزاں تمہارے ہاتھوں میں ہو۔ پھر تمہیں گرنے پھسلنے یا راہ سے بھٹک جانے کا کوئی اندیشہ نہ رہے گا۔ یہ بڑی عظمت والی اور اونچی شان والی کتاب ہے۔ اس کے سارے مندرجات حق ہیں، سچ ہیں، ہر شک و شبہ سے بالاتر ہیں۔

۱۵؎ یہ ایسی لوح میں مکتوب ہے جو ہر بیرونی دخل اندازی سے قطعاً محفوظ ہے۔

○

الحمد للّٰہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہٖ واصحابہٖ ومن تبعہٗ وأحبہٗ واستمسک بذیلہٖ اجمعین الی یوم الدین۔

رب اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علی وعلی والدی وان اعمل صالحاً ترضاہ واصلح لی فی ذریتی انی تبت الیک وانی من المسلمین۔

○

تعارف

سُورۃ الطَّارق

نام: اس سورۂ پاک کا نام 'الطارق' ہے جو اس کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔ اس میں ایک رکوع، سترہ آیتیں، اکسٹھ کلمے، دو سو انتالیس حروف ہیں۔

نزول: اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔

مضامین: اس سورت میں بھی وقوعِ قیامت پر دلائل پیش کیے جا رہے ہیں لیکن ان کے بیان سے پہلے قسمیں اٹھا کر یہ بتایا گیا ہے کہ انسان کو پیدا کرنے کے بعد اسے آوارہ نہیں چھوڑ دیا گیا کہ اس کے دل میں جو آئے کرتا رہے اور اسے کسی باز پرس کا اندیشہ نہ ہو کیونکہ یہ حکمتِ الٰہی کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو گوناگوں صلاحیتوں سے مالامال کر کے پیدا کیا ہے اور یہ دیکھنے کے لیے کہ وہ ان بخشی ہوئی نعمتوں کو کس طرح استعمال کرتا ہے۔ اس کے محافظ بھی مقرر کر دیے ہیں۔

قیامت کے منکرین کو بتایا جا رہا ہے کہ میری قدرت کا انکار کرنے سے پہلے ذرا اپنی پیدائش پر غور تو کرو۔ تمہارا مادۂ تخلیق پانی کی ایک بوند ہے۔ تمہاری چشمِ نرگسیں، چاند کی مانند چمکتا ہوا تمہارا چہرہ، تمہاری خوبصورت پیشانی، موتیوں کی طرح دمکتے ہوئے دانت، یہ قامتِ زیبا سب اسی ایک بوند سے نمودار ہوئی ہے۔ پھر جسمانی قوتیں، ذہنی اور روحانی استعداد بھی اسی میں بڑی خوش اسلوبی سے سمٹی ہوئی تھیں۔ جس کی قدرت کا یہ حیرت انگیز شاہکار تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے کیا وہ تمہیں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا۔ کیا اس میں کسی شک کی گنجائش ہے؟ یاد رکھو اگر تم راہِ راست اختیار نہیں کرو گے تو اس دن تمہیں کوئی ایسا دوست اور مددگار نہیں ملے گا جو خداوند قہار کے عذاب سے تمہیں چھڑا سکے۔

سورت کے اختتام سے پہلے صاف طور پر بتا دیا کہ اہلِ مکہ اسلام کو ناکام کرنے کے لیے سازشوں میں مصروف ہیں لیکن اللہ تعالیٰ بھی بے خبر نہیں۔ وہ ان کی کارستانیوں کو خوب جانتا ہے اور وہ اپنی قدرت سے ان کے تمام منصوبوں کو ناکام بنا کر رکھ دے گا۔ یہ کروفر، یہ شان و شوکت جو انہیں بدست کیے ہوئے ہے چند روزہ ہے۔ غور و تدبر کے لیے جو مہلت انہیں دی گئی ہے وہ جب اختتام پذیر ہو گی تو پھر غضبِ الٰہی کی بجلی کوندے گی اور انہیں خاک سیاہ بنا کر رکھ دے گی۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا

۷۷-۴-۷

سُوْرَةُ الطَّارِقِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ هِيَ سَبْعَ عَشْرَةَ اٰيَةً

سورۃ الطارق مکی ہے۔ اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اس میں سترہ آیات ہیں۔

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ﴿۱﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ﴿۲﴾ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ﴿۳﴾

قسم ہے آسمان کی اور رات کو نمودار ہونے والے کی اور آپ کو کیا معلوم یہ رات کو آنے والا کیا ہے؟ ایک تارا نہایت تاباں [1]

اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ﴿۴﴾ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ﴿۵﴾

کوئی شخص ایسا نہیں جس پر کوئی محافظ نہ ہو [2] سو انسان کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے [3]

[1] طارق، طرق سے مشتق ہے۔ اس کا لغوی معنی کوٹنا، کھٹکھٹانا ہے۔ رات کے وقت آنے والے مہمان کو طارق اس لیے کہتے ہیں کہ وہ سوتے ہوئے میزبان کو جگانے کے لیے اس کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے۔ ستارے کو بھی طارق کہتے ہیں کیونکہ وہ صرف رات کے وقت نمودار ہوتا ہے۔ یہاں الطارق سے مراد ستارہ ہے کیونکہ اگلی آیت میں اس کی تشریح کر دی گئی ہے۔ الثاقب: ثقب سوراخ کو کہتے ہیں۔ اندھیرے میں روشنی کی کرن ایسے دکھائی دیتی ہے گویا اس نے اندھیرے کی دیوار میں سوراخ کر دیا ہے۔ اس لیے وہ تارا جو نہایت چمکدار ہو اور جس کی تیز روشنی اندھیر کو چیرتی ہوئی دور سے نظر آئے اسے ہی النجم الثاقب کہتے ہیں۔ اس سے مراد کوئی مخصوص تارا نہیں بلکہ جنس ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ صبح کے وقت نمودار ہونے والے تارے کو الطارق کہتے ہیں کیونکہ وہ صبح کا پیغامبر بن کر طلوع ہوتا ہے اس لیے اس کی بڑی شان ہوتی ہے۔ ہندہ ابوسفیان کی بیوی احد کی جنگ میں یہ رجز پڑھا کرتی تھی:

نحن بنات طارق ۔ نمشی علی النمارق

اس میں طارق سے مراد ستارۂ صبح ہے۔ وہ کہتی ہے ہم نامور باپوں کی بیٹیاں ہیں، نرم و گداز قالینوں پر چلتی ہیں۔

[2] آسمان اور چمکدار ستارے کی قسم کھانے کے بعد جواب قسم کا ذکر ہو رہا ہے۔ فرمایا کہ کوئی شخص ایسا نہیں جس پر نگہبان مقرر نہ ہو۔ یعنی تم اس غلط فہمی کو دل سے نکال دو کہ تمہیں پیدا کر کے ہم نے یونہی بے لگام چھوڑ دیا ہے۔ ایسا نہیں بلکہ ہم نے تمہاری نگہداشت کا پورا انتظام کر دیا ہے تاکہ تم اپنی منزل (موت) تک پہنچنے سے پہلے کہیں راستہ میں ہی نہ مٹ جاؤ۔ ناگہانی حادثات تمہیں پیس کر نہ رکھ دیں۔ حدیث پاک میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہر شخص کی حفاظت کے لیے ایک سو ساٹھ فرشتے مقرر ہیں جو ایسے حادثات و مصائب سے اس کی پاسبانی کرتے ہیں جو اس کی تقدیر میں نہیں۔۔۔ اگر انسان کو اس کے اپنے حوالے کر دیا جائے تو شیاطین اور دوسرے انسان دشمن قوتیں اس کی تکا بوٹی کر کے رکھ دیں۔

غیر متوقع حادثات اور اچانک آفات کے جو جھکڑ چل رہے ہیں ان میں سے انسان کا بچ کر نکل جانا معجزہ سے کم نہیں۔ ہر انسان نے اپنی زندگی میں بارہا تجربہ کیا ہوگا کہ کوئی غیر مرئی طاقت اس کی حفاظت کر رہی ہے، ورنہ وہ سانپ جو اس کے پاؤں کو چھو کر نکل گیا ہے ضرور اسے ڈس لیتا، جس بلندی سے وہ گرا ہے اس کی ہڈی پسلی ٹوٹ جاتی، مہلک بیماری کا جو حملہ اس پر ہوا ہے اس سے اس کا بچ جانا محال تھا۔ اس کا یہ مطلب بھی

اسے پیدا کیا گیا ہے اچھلتے پانی سے جو (مرد و زن کی) پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے سکے

بیان کیا گیا ہے کہ انسان آزاد نہیں چھوڑ دیا گیا، جو چاہے کرتا ہے اور اس کا کوئی محاسبہ نہ ہو بلکہ اس کے تمام اعمال کو محفوظ کیا جا رہا ہے۔ مزید وضاحت کے لیے ملاحظہ ہو ضیاء القرآن سورۂ الرعد آیت (۱۱)

لَمَّا کا میم اگر مشدد ہو تو یہ اِلَّا کا ہم معنی ہوگا اور اِنْ نافیہ ہوگا اور میم مخفف ہو تو اِنْ اصل میں اِنَّ ہوگا۔ اس کا اسم ضمیر شان محذوف ہوگا اور مَا زائدہ ہوگا۔ (مظہری۔ قرطبی)

۳ جب انسان اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ملہ کا چشم ہوش سے مطالعہ کرتا ہے تو وقوع قیامت کا اسے یقین ہو جاتا ہے۔ اس لیے حکم دیا جا رہا ہے کہ ہر انسان اپنی آفرینش کی ابتدا میں غور کرے۔

۴ صُلْب کہتے ہیں ریڑھ کی ہڈی کو۔ تَرَائِب: تَرِيبَة کی جمع ہے۔ هي موضع القلادة من الصدر۔ (قرطبی عن ابن عباس) گلے کا ہار سینہ پر جس جگہ لٹکتا ہے اس کو ترائب کہتے ہیں۔ بعض مفسرین نے اس آیت کا یہ معنی کیا ہے کہ مادہ منویہ مرد کی پشت اور عورت کے سینہ کے درمیان سے نکلتا ہے۔ لیکن دوسرے مفسرین جن کے سرخیل حسن بصری ہیں، وہ کہتے ہیں وقال الحسن المعنی: يخرج من صلب الرجل وترائب الرجل ومن صلب المرأة وترائب المرأة (قرطبی) یعنی یہ مادہ مرد کی ریڑھ کی ہڈی اور اس کے سینے کی ہڈی کے درمیان سے اسی طرح عورت کی ریڑھ کی ہڈی اور اس کے سینے کی ہڈی کے درمیان سے نکلتا ہے۔ یہی قول طبی تحقیقات کے مطابق ہے۔

اس آیت پر بعض ملحدین نے اعتراض کیا ہے کہ مادہ منویہ کے خروج کا کیا مطلب ہے۔ خروج کا مطلب اگر جسم سے باہر خارج ہونا ہو تو بداہۃً غلط ہے کیونکہ منی کا خروج یہاں سے نہیں ہوتا۔ اگر خروج کا معنی اس کا مقر ہے جہاں وہ جمع ہوتی ہے تو یہ بھی درست نہیں کیونکہ اس کا ذخیرہ اوعیۃ المنی، خُصْيَتَيْن ہیں نہ کہ پشت و سینہ۔ اگر خروج کا مقصد یہ ہے کہ اس کے اجزائے ترکیبی یہاں تیار ہوتے ہیں تو بھی درست نہیں کیونکہ اس کے بنانے میں سب سے زیادہ حصہ دماغ کا ہے نہ کہ صلب و ترائب کا۔

جن لوگوں نے ان امور کا بنظر غائر مطالعہ کیا ہے ان کے نزدیک معترض کا یہ اعتراض اس کی جہالت اور اس کے الحاد کی دلیل ہے۔ قرآن کریم نے بین الصلب والترائب کے مختصر اور جامع الفاظ سے حقیقت کی جس طرح ترجمانی کی ہے اس سے بہتر ناممکن ہے۔ جسم میں کوئی ایک عضو ایسا نہیں جو تنہا اس مادہ تولید کو بناتا ہو، بلکہ تمام اعضائے رئیسہ کے اشتراک سے یہ مادہ تیار ہوتا ہے۔ دماغ، دل اور جگر کا حصہ اس میں نمایاں اور سب سے زیادہ ہے۔ دل اور جگر کا مقام تو بلاشبہ بین الصلب والترائب ہے۔ باقی رہا دماغ تو ریڑھ کی ہڈی میں نخاع وہ سفید رنگ کی تار جو دماغ سے گردن سے گزرتی ہوئی ریڑھ کی ہڈی کے سارے مہروں سے ہوتی ہوئی کمر تک پہنچتی ہے، اس مادہ کی تیاری میں حصہ لیتا ہے۔ یہاں اس کے اصل عناصر تیار ہو کر کیسہ منی میں پہنچتے ہیں اور وہاں سے نکل کر کئی نالیوں کو طے کرتے ہوئے باہر نکلتے ہیں۔ چنانچہ علامہ آلوسی نے اس حقیقت کو مندرجہ ذیل سطور میں بیان فرمایا ہے:

والله تعالى اعلم ان النخاع والقوى الدماغية والقلبية والكبدية كلها تتعاون في ابراز ذلك الفضل على ما هو عليه قابلا

إِنَّهُ عَلَىٰ رَجْعِهِ لَقَادِرٌ ﴿٨﴾ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ ﴿٩﴾ فَمَا لَهُ مِنْ قُوَّةٍ وَ

بے شک وہ اس کو پھر واپس لانے پر قادر ہے ۶ یاد کرو اس دن کو جب سب راز فاش کر دیئے جائیں گے ۷ پس نہ تو اس میں زور ہوگا اور نہ

لَا نَاصِرٍ ﴿١٠﴾ وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ﴿١١﴾ وَالْأَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ﴿١٢﴾

کوئی دوسرا مددگار ہوگا ۸ قسم ہے آسمان کی جس سے بارش برستی ہے ۹ اور زمین کی جو (بارش سے) پھٹ جاتی ہے ۱۰

لان يصير مبدأ الشخص على ما بيّن في موضعه وقوله سبحانه من بين الصلب والترائب عبارة مختصرة جامعة لتأثير الاعضاء الثلاثة فالترائب يشمل القلب والكبد . . . . والصلب النخاع ويتوسطه الدماغ. (روح المعانی)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ ریڑھ کی ہڈی کا ریشہ، دماغی، قلبی اور جگری قوتیں سب اس مادہ کو اس قابل بنانے میں ایک دوسرے کی اعانت کرتی ہیں یہاں تک کہ وہ انسان کا مبدأ بن جاتا ہے۔ من بین الصلب والترائب کی مختصر اور جامع عبارت اس امر کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ ترائب قلب اور جگر کو شامل ہے اور صلب سے وہ ریڑھ کی ہڈی کا ریشہ مراد ہے جس کے ذریعے دماغ اس کی تیاری میں حصہ لیتا ہے۔

علاوہ ازیں مادہ منویہ اگرچہ خصیتین پیدا کرتے ہیں اور کیسہ منویہ میں جمع ہو جاتا ہے مگر اس کے اخراج کا مرکز تحریک صلب اور ترائب کے درمیان واقع ہے اور دماغ سے اعصابی رو جب اس مرکز کو پہنچتی ہے تب اس مرکز کی تحریک سے کیسہ منویہ سکڑتا ہے اور اس سے مادہ دافق پچکاری کی طرح نکلتا ہے۔ قرآن کریم کا بیان علم طب کی جدید تحقیقات کے عین مطابق ہے۔

علامہ بیضاوی اور علامہ ثناء اللہ پانی پتی نے بھی اپنی تفاسیر میں اس آیت کا یہی مفہوم بیان کیا ہے۔

۶ ایسی قدرت والی ہستی کے لیے انسان کو دوبارہ زندہ کرنا قطعاً مشکل نہیں۔

۷ تُبلیٰ کے دو معنی بتائے گئے ہیں۔ تُبلیٰ: تُظھر یعنی اس دن تمام راز ظاہر کر دیئے جائیں گے کوئی بات پوشیدہ نہ رہے گی۔ دوسرا معنی تُبلیٰ: تُمتحن و تُختبر (قرطبی) ان کو پرکھا جائے گا، کھوٹا کھرا الگ الگ کر دیا جائے گا۔ جن اسرار کو فاش کرنے کا ذکر فرمایا جا رہا ہے ان میں وہ باتیں بھی ہیں جن کو صرف کرنے والا تو جانتا تھا لیکن دوسرے لوگوں کو اس کام کا علم ہی نہ ہوا یا علم تو ہوا لیکن اس کے پس پردہ جو نیت کارفرما تھی وہ صیغہ راز میں رہی اور بعض راز ایسے ہیں جن کا کرنے والے کو بھی دنیا میں علم نہ ہو سکا یعنی جو کام اس نے کیے ہیں ان کے نتائج کیسے نکلے اور ان نتائج کے اثرات کہاں تک اور کب تک موجود رہے، یہ ساری باتیں اس روز کھول کر سامنے رکھ دی جائیں گی۔

۸ نہ تو اس کے بازوؤں میں اتنا زور ہوگا کہ وہ اپنے آپ کو بچا سکے اور نہ اس کے دوست احباب اس کے مددگار بن کر آئیں گے اور اس کو عذاب الٰہی سے چھڑا کر لے جائیں گے۔

۹ رجع کا معنی لوٹنا ہے۔ یہاں اس سے مراد بارش ہے کیونکہ یہ لوٹ لوٹ کر آتی ہے، بار بار برستی ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ ایک

إِنَّهُ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ﴿١٣﴾ وَمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ﴿١٤﴾ إِنَّهُمْ يَكِيدُونَ كَيْدًا ﴿١٥﴾

بلاشبہ یہ قرآن قولِ فیصل ہے ۹ اور یہ ہنسی مذاق نہیں ہے ۔ یہ لوگ طرح طرح کی تدبیریں کر رہے ہیں ۱۰

وَأَكِيدُ كَيْدًا ﴿١٦﴾ فَمَهِّلِ الْكَافِرِينَ أَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ﴿١٧﴾

اور میں بھی تدبیر فرما رہا ہوں ۔ پس آپ کفار کو (تھوڑی سی) مہلت اور دے دیں ۱۱ کچھ وقت انہیں کچھ نہ کہیں ۱۲

ع ۱۷ / ۱۱

بار برسی اور پھر بند ہوگئی۔ وقت بے وقت اس کا برسنا جاری رہتا ہے۔ اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ پانی بخارات بن کر اڑتا ہے۔ پھر جب اسے مناسب درجہ کی ٹھنڈک پہنچتی ہے تو لوٹ کر پانی بن جاتا ہے اور بارش کی صورت میں ٹپکنے لگتا ہے۔

صدع: شگاف کو کہتے ہیں۔ جب کاشتکار زمین میں بیج بوتا ہے تو زمین پر سہاگہ مار کر سطح ہموار کر دیتا ہے۔ جب بیج اگتا ہے تو اس سطح میں سوراخ کر کے باہر نکلتا ہے۔

۹ ان حقیقتوں کی طرح جن کا تم بار بار مشاہدہ کرتے رہتے ہو تم انجان اور بھولے بننے کی ہزار کوشش کرو پھر بھی ان کا انکار نہیں کر سکتے اسی طرح قرآن بھی ایسے روشن حقائق کا مجموعہ ہے جن کا انکار کسی ہوش مند انسان کے بس کی بات نہیں۔ یہ قول فیصل ہے۔ اس کا ہر فیصلہ قطعی اور اٹل ہے۔ جس چیز کو اس نے حق کہہ دیا وہی حق ہے جس کو اس نے باطل کہہ دیا وہی باطل ہے۔ زمانہ کے تغیرات حالات کے تقاضے قرآنی حقائق کو الٹ پلٹ نہیں سکتے۔ یہ ایسی باتیں نہیں ہیں جو ازراہ مذاق محض دل لگی کے لیے کہہ دی ہوں اور جن کا ظاہر ان کے باطن کے برعکس ہو۔

۱۰ کفار اسلام کو زک پہنچانے کے لیے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ناکام بنانے کے لیے ہر وقت سازشیں کرتے رہتے ہیں چھپ چھپ کر منصوبے تیار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ جو چاہیں منصوبے بنائیں مکر و فریب کے دام بچھائیں میں ان کا توڑ کرتا جاؤں گا۔ ان کی ہر تدبیر الٹی ہوگی ان کی ہر کوشش ان کی ناکامی کا باعث بنے گی۔ اللہ تعالیٰ ان کی جدوجہد کو جو وہ کفر کے غلبہ کو برقرار رکھنے کے لیے کر رہے ہیں ان کی ناکامی اور شکست کا باعث بنا دے گا۔

وہ بڑے کر و فر سے بدر کے میدان میں گئے تھے۔ انہوں نے یہ اعلان کیا تھا کہ وہ آج اسلام کا چراغ بجھا کر واپس جائیں گے۔ بڑے بہادر سورما ان کا لشکر وہ ہمراہ لائے تھے لیکن ان کی یہی چال ان کی بربادی کا باعث بن گئی۔ ان کے بڑے بڑے رئیس مارے گئے۔ مکہ کے گھر گھر میں صف ماتم بچھ گئی۔ یہی حال ان کی دیگر سازشوں کا ہوا۔

۱۱ کس طرح اپنے محبوب کی دلنوازی کی جا رہی ہے کہ آپ ابھی ان نابکاروں کو کچھ مہلت اور دیں مختصر عرصہ کے لیے انہیں اپنے سارے ارمان پورے کر لینے دیں ان کی تکلیف رسانیوں پر صبر کریں میں خود ان سے نپٹ لوں گا میں خود ان کو ان کے کرتوتوں کا مزا چکھا دوں گا۔

۱۲ رُوَیدًا: اِرْوَاد سے حرفِ زائد کو حذف کر کے رُوَید اس کی تصغیر بنائی گئی ہے۔ اس کو تصغیر ترخیم کہتے ہیں۔ یہ اَرْوَدَتِ الرِّیحُ رَوْدًا وَرَوَدَانًا سے ماخوذ ہے جب ہوا آہستہ آہستہ چلے اور یہ لفظ بصیغہ مصغر ہی استعمال ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں دھمکی دی جا رہی ہے۔

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین وعلی آلہ وصحبہ ومن احبہ واتبعہ الی یوم الدین۔

رب اشرح لی صدری ویسر لی امری واحلل عقدۃ من لسانی یفقہوا قولی۔

تعارف

سُورہ الاعلیٰ

نام : اس سُورۂ مُبارکہ کا نام "الاعلیٰ" ہے۔ اس میں ایک رکوع، اُنیس آیتیں، بہتر کلمات اور دو سو اکہتر حروف ہیں۔
نزول : جمہور علماء کے نزدیک یہ سورت مکّہ مکرّمہ میں نازل ہُوئی۔ بعض نے اسے مدنی بھی کہا ہے، لیکن علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اس قول کو تسلیم نہیں کیا۔ انہوں نے امام بخاریؒ اور دیگر محدثین سے ایک روایت نقل کی ہے جس کے راوی حضرت براء ابنِ عازبؓ ہیں، وہ فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام میں سب سے پہلے ہجرت کر کے مصعب ابن عمیر رضی اللہ اور ابنِ اُمِّ مکتوم مدینہ تشریف لائے اور ہمیں قرآن کریم کی تعلیم دینی شروع کی۔ ان کے بعد عمار، بلال اور سعد رضی اللہ عنہم یہاں پہنچے۔ پھر حضرت عمر ابنِ خطاب رضی اللہ عنہ اپنے بیس ساتھیوں کے ساتھ یہاں آئے۔ اِن کے بعد رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سرزمینِ یثرب کو اپنے قدوم سے سرفراز کیا۔ میں نے اہلِ مدینہ کو جتنا اُس دن شاداں و فرحاں دیکھا ایسا کبھی نہیں دیکھا۔ یہاں تک کہ چھوٹے بچے اور بچیاں کہہ رہے تھے: "یہ اللہ کے رسُول ہیں جو ہمارے ہاں تشریف لے آئے ہیں۔" اُس وقت میں نے یہ سُورت پڑھی ہوئی تھی۔ اس سے معلوم ہُوا کہ حضور کے ہجرت کرنے سے پہلے ہی یہ نازل ہو چکی تھی۔
مضامین : اس سورت کا آغاز اس حکم سے ہو رہا ہے کہ اپنے ربِّ اعلیٰ کی تسبیح بیان کرو۔ یعنی وہ ہر نقص، ضعف اور ناتوانی سے پاک ہے۔ اُس کی ذات قُدرت و حکمت کا سرچشمہ ہے۔ آسمان۔ آفتاب و ماہتاب، فضا کی پہنائیاں، پہاڑوں کی بلندیاں، سمندروں کی بے قراریاں اُسی نے پیدا فرمائی ہیں۔ اِن تمام چھوٹی بڑی چیزوں کی تخلیق بے ہنگم اور بے جوڑ نہیں بلکہ ہر چیز کو اُس نے ایک اندازے اور سلیقہ کے مطابق پیدا فرمایا ہے اور ہر چیز کو اپنے طبعی فرائض انجام دینے کے لیے ظاہری اور باطنی قوتیں اور اُن قوتوں سے کام لینے کے لیے آلات و جوارح بھی مرحمت فرمائے ہیں۔ اُس نے ہر چیز کی جسمانی خوراک کا بھی مُناسب انتظام فرمایا ہے اور اُن کی اخلاقی اور رُوحانی بالیدگی کے لیے یہ صحیفۂ رُشد و ہدایت نازل کیا ہے اور اس کے ہر کلمہ کو آپ کی لوحِ قلب پر یُوں ثبت کر دیا ہے کہ اب اس کے بھولنے کا امکان تک بھی نہیں۔

اس کے بعد اپنے حبیب کو فرمایا کہ آپ کا کام نصیحت کرنا ہے جس کے دل میں حق پذیری کی صلاحیت ہوگی وہ اسے بصد ذوق و شوق قبول کرلے گا، لیکن جو ازلی بدبخت ہے وہ اس سے دُور بھاگے گا۔ اور اس انکار کی اسے جو سزا ملے گی بڑی المناک ہوگی۔

آخری آیات میں سمجھا دیا کہ دارین کی کامیابی کا تاج فقط اس شخص کے سر کی زینت بنتا ہے جو فکری اور عملی گمراہیوں سے اپنا دامن بچاتا ہے اور ذکر الٰہی میں شب و روز مصروف رہتا ہے۔ یہ ایک ابدی حقیقت ہے جسے قرآن کریم میں بھی بیان کر دیا گیا ہے اور اس سے پہلے جو آسمانی صحیفے انبیائے سابقین پر نازل ہوئے اُن میں بھی اس حقیقت کو بیان کر دیا گیا تھا۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا

۷۷ - ۳ - ۷

سُوْرَةُ الْاَعْلٰی مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ تِسْعَ عَشْرَةَ اٰيَةً

سورۃ الاعلیٰ مکی ہے اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اس میں انیس آیات ہیں

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ﴿١﴾ الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى ﴿٢﴾ وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى ﴿٣﴾ وَالَّذِيْ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى ﴿٤﴾ فَجَعَلَهٗ غُثَاۗءً اَحْوٰى ﴿٥﴾

(اے حبیب!) آپ پاکی بیان کریں [1] اپنے رب کے نام کی جو سب سے برتر ہے [2] جس نے (ہر چیز کو) پیدا کیا [3] پھر (ظاہری و باطنی نقائص سے) درست کیا [4] اور جس نے (ہر چیز کا) اندازہ مقرر کیا پھر اسے راہ دکھائی [5] اور جس نے زمین سے چارہ نکالا [6] پھر اسے بنا دیا کوڑا سیاہی مائل۔

[1] اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ اپنے پروردگار کی پاکی بیان کیا کرو۔ یعنی اپنے دل میں بھی یہ اعتقاد رکھو اور اپنی زبان سے بھی اس کا اعتراف کرو کہ میرا پروردگار ہر عیب اور نقص سے پاک ہے۔ وہ ہر چیز پر قدرت کاملہ رکھتا ہے۔ ہر قسم کے اختیارات کا مالک ہے۔

اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنے کے کئی طریقے ہیں۔ اس کے لیے ایسا لفظ استعمال نہ کیا جائے جس میں کسی نقص یا عیب کا شائبہ ہو یا اس کی صفات کمال کے منافی ہو۔ نیز اس کا ذکر ناپاک جگہ، ناپاک حالات میں نہ کیا جائے۔ ایسی محفل جہاں غلط قسم کے لوگ ہوں، وہاں اس انداز سے اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کیا جائے کہ وہ مضحکہ اڑانے لگیں۔ اس شخص کے سامنے بھی اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا جائے جو اس کو ادب و شوق سے سننے کے لیے تیار نہ ہو۔

[2] رَبِّكَ فرما کر اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت پر دلیل پیش کر دی۔ جس نے تجھ کو ان جاودانی عزتوں سے نوازا ہے، جس نے اس اُمّی کو سرِ نہاں خانۂ تقدیر کا محرم بنا دیا ہے، جس نے تمام ظاہری اسباب کے فقدان کے باوجود ہر میدان میں اسے فتح و نصرت عطا فرمائی ہے، جس نے شب اسریٰ اپنے برگزیدہ بندے کو مکان و لامکان کی سیر کرا دی وہ پروردگار یقیناً ہر عیب سے پاک ہے، بلاشبہ ہر خوبی سے متصف ہے۔

عزت و شان میں، قدرت اور کبریائی میں، علم و حکمت میں وہ سب سے ارفع، سب سے اعلیٰ، سب سے برتر، سب سے بالا ہے۔ سب اس سے نیچے، کمتر اور فروتر ہیں۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور نے فرمایا اس کو اپنے سجدہ کی تسبیح بنا لو۔

[3] یہاں فعل خَلَقَ (پیدا کیا) ذکر کیا لیکن مفعول (مخلوق) مذکور نہیں۔ مقصد یہ ہے کہ ہر چیز کا وہ خالق ہے۔ جسے بھی نعمت وجود سے نوازا گیا ہے اس کو نوازنے والا اور کوئی نہیں، وہی ہے، بس وہی ہے۔

[4] یہ کہہ کر بتا دیا کہ اس کی تخلیق بے ہنگم نہیں جہاں سلیقہ اور نظم کا نام و نشان نہ ہو۔ ہر تخلیق میں نظم و نسق، ترتیب اور یکسانیت کارفرما ہے۔ ہر نوع کے کروڑہا افراد ہیں، کسی کی وضع و ترتیب میں آپ کو کوئی فرق نظر نہیں آئے گا۔ کہیں بھی تو آپ نہیں دکھا سکتے کہ کوئی گیدڑ بڑھ کر شیر جتنا ہو گیا ہو یا بیل کی طرح گھوڑے کے سر پر سینگ نکل آئے ہوں۔

[5] ہر چیز کی تخلیق کا مقصد بھی متعین کر دیا ہے۔ اس کی افادیت کا دائرہ بھی مقرر کر دیا ہے۔ جو فرائض اس نے انجام دینے ہیں اور جس مقصد کے لیے اسے استعمال کیا جانا ہے سب کا پوری طرح اندازہ کر دیا ہے۔ غرضیکہ جملہ کلیات و جزئیات کے تمام احوال و کوائف بڑی تفصیل

سَنُقۡرِئُكَ فَلَا تَنۡسٰۤىۙ ۝٦ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ يَعۡلَمُ الۡجَهۡرَ وَمَا

ہم خود آپ کو پڑھائیں گے پس آپ اسے نہ بھولیں گے۔[۷] بجز اس کے جو اللہ چاہے۔[۸] بے شک وہ جانتا ہے ظاہر کو اور جو

سے قبل از وقت طے کر دیے گئے ہیں۔ فقط وجود بخش کر اپنی ایک اور مہربانی کی طرف متوجہ کیا کہ صرف فرائض کا بار گراں لاد کر کسی چیز کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ نہیں دیا گیا بلکہ ان کی بجا آوری کے لیے جن جسمانی اور ذہنی طاقتوں کی ضرورت تھی، جو بیرونی اسباب و وسائل درکار تھے، سب کے سب ہر چیز کی حیثیت اور ضرورت کے مطابق مہیا کر دیے گئے۔ یہ ہدایت کائنات کی ہر چیز کو دی گئی ہے۔ نباتات میں غور فرمایئے اگر گندم کا بیج اس موسم میں کاشت کیا جائے جو اس کی کاشت کے لیے مقرر ہے تو بیج اگتا ہے، بڑھ کر پودا بنتا ہے اور اس کے خوشے کی جیب میں دانوں کے موتی بھر دیے جاتے ہیں اور اگر کسی دوسرے موسم میں کاشت کیا جائے تو وہ اگتا ہی نہیں۔ زمین کتنی زرخیز ہو، اس میں کتنی کیمیاوی کھاد ڈالی گئی ہو، اس میں کتنی بار آبپاشی کی گئی ہو، سب بے سود، سب بے اثر۔ اس سے بھی زیادہ اس فطری ہدایت کے جلوے حیوانی زندگی میں نظر آئیں گے۔ اگر آپ ایک بطخ کا انڈا اور ایک مرغی کا انڈا لیں۔ دونوں سے بیک وقت بچے نکلیں۔ اگر آپ ان کے سامنے پانی کا برتن رکھیں تو بطخ کا بچہ فوراً اس میں کود جائے گا اور مرغی کا بچہ دور ہٹ جائے گا۔

حضرت انسان تو ایک طور ہے۔ اس کا ذرہ ذرہ حکمتِ الٰہی کی جلوہ گاہ ہے۔ اس کی حیوانی زندگی کو برقرار رکھنے والے اعضا معدہ، جگر، دل، پھیپھڑے، گردے، جسم کے ان گنت مسام اپنے کام میں جتے ہوئے ہیں اور آپ کو ان کی تگ و دو کی خبر ہی نہیں ہوتی۔ آپ کے ارادے کا بھی اس میں کوئی دخل نہیں۔ انسانی زندگی کے تقاضے پورے کرنے کے لیے آپ کو ظاہری حواس کے ساتھ ساتھ باطنی حواس اور ان سے بھی اعلیٰ چیز دماغ عطا فرمایا اور جہاں یہ قوتیں گھٹنے ٹیک دیتی ہیں اور آپ کی راہنمائی سے قاصر ہو جاتی ہیں یا آپ کو بہکانے لگتی ہیں تو اس وقت بارگاہِ الٰہی سے نبی، نورِ نبوت سے سراپا نور بن کر تشریف لاتا ہے اور شکوک و شبہات کے اندھیرے کو کافور کر دیتا ہے۔ اس کی حیات آفرین رہنمائی شیطان کی ساری فریب کاریوں اور عیاریوں کو بے اثر بنا کر رکھ دیتی ہے۔ پھر اس میں بھی ہدایت فرمائی اور ہدایت پذیری کے ان گنت درجات ہیں اور ایک مقام وہ بھی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا دستِ لطف و توفیق اپنے بندے کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے اور اس کو منزلِ مراد پر پہنچا دیتا ہے۔ سبحان من شئون لطفہ لا تحصیٰ والوان کرمہ لا تعد۔ سبحان ربی الاعلیٰ۔ سبحان ربی العظیم۔

۶۔ مَرْعٰی وہ گھاس چارہ جو مویشیوں کی خوراک کے کام آتا ہے۔ غُثَآءً، یابسًا متفتتًا جو سوکھ کر ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے۔ اَحۡوٰی: اسود، جس کی سبزی و شادابی رخصت ہو جاتی ہے، جس کی رنگت سیاہ ہو جاتی ہے۔

۷۔ حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بشارت ہے کہ آپ کو حفظِ قرآن کی نعمت بے محنت عطا ہو گی اور یہ آپ کا معجزہ ہے کہ اتنی بڑی کتابِ عظیم بغیر محنت و مشقت اور بغیر تکرار و دور کے آپ کو حفظ ہو گئی۔ (خزائن العرفان)

۸۔ مفسرین نے فرمایا کہ یہ استثناء واقع نہ ہوا اور اللہ تعالیٰ نے نہ چاہا کہ آپ کچھ بھولیں۔ (خزائن العرفان)

يَخْفٰى ۝۷ وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ۝۸ فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ۝۹

چھپی ہوئی ہے۔ اور ہم سہل بنادیں گے آپ کے لیے اس آسان (شریعت پر عمل) ۹ پس آپ نصیحت کرتے رہیے اگر نصیحت فائدہ مند ہو ۱۰

سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ۝۱۰ وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ۝۱۱ الَّذِيْ يَصْلَى

سمجھ جائے گا جس کے دل میں خدا کا خوف ہوگا ۱۱ اور دور رہے گا اس سے بدبخت۔ جو (بالآخر) بڑی

النَّارَ الْكُبْرٰى ۝۱۲ ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ۝۱۳ قَدْ اَفْلَحَ

آگ میں داخل ہوگا۔ پھر نہ وہ وہاں مرے گا اور نہ جیے گا۔ بے شک اس نے فلاح پائی

مَنْ تَزَكّٰى ۝۱۴ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۝۱۵ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ

جس نے اپنے آپ کو پاک کیا ۱۲ اور اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا۔ البتہ تم لوگ دنیوی زندگی کو ترجیح

۹ حقیقت میں شریعت اسلامیہ کو بنایا ہوا راستہ بڑا آسان راستہ ہے کیونکہ اس کے قوانین فطرت انسانی کے عین مطابق ہیں، اس کی صلاحیتوں کی نشوونما میں بڑے معاون ثابت ہوتے ہیں۔ لیکن بعض لوگ جن کے مزاج بگڑ چکے ہیں انہیں اس راہ پر قدم اٹھانا بڑا دشوار معلوم ہوتا ہے۔ یہی اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے پر بڑا احسان ہے کہ وہ اس آسان دین کو قبول کرنا آسان بنادے۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ کے لیے اس پر کاربند ہونا آسان بنادیا ہے۔ اسی لیے حضرت صدیقہؓ سے جب حضور کے اخلاق حسنہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے جواب دیا خُلُقُهُ الْقُرْاٰن۔

۱۰ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دعوت حق میں ہر لحظہ مشغول رہتے۔ وہ لوگ جو تعصب اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا کرتے انہیں بھی حضور بڑے خلوص اور دل سوزی سے تبلیغ فرماتے اور جب وہ انکار کرتے تو حضور کو دکھ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے حبیب! بے شک لوگوں کو نصیحت کرتے رہیے۔ اگر انہیں اس نصیحت سے کوئی نفع پہنچنے کی امید ہو۔ اور جن کے دل پتھر کی طرح سخت ہیں ان پر خون جگر صرف نہ کیجیے۔

۱۱ بتادیا کہ جس کے دل میں خدا کا خوف ہے، روز جزا کا ڈر ہے، وہ تو ضرور نصیحت قبول کرے گا، بلکہ وہ خود ہر وقت اس کوشش میں رہے گا کہ اسے ایسی باتیں بتائی جائیں جن پر عمل کرکے وہ قیامت کے روز سرخرو ہوسکتا ہے۔ لیکن جو ازلی بدبخت ہے، شقاوت جس کا مقدر بن چکی ہے، اسے اگر آپ دعوت دیں گے تو وہ اسے قبول نہ کرے گا اور اسی کو اس عذاب میں جس کا ذکر آگے آرہا ہے مبتلا کیا جائے گا۔

۱۲ اوپر کی آیت میں سعید اور شقی کا ذکر ہوا تھا اب اس پر مزید روشنی ڈالی جارہی ہے۔ فرمایا وہ شخص جو اپنے آپ کو شرک وکفر کی

الدُّنْيَا ﴿۱۶﴾ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿۱۷﴾ اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ

دیتے ہو دنیا کی زندگی کو۔ حالانکہ آخرت کہیں بہتر ہے اس سے اور باقی رہنے والی ہے۔ یقیناً یہ سب کچھ پہلے صحیفوں میں لکھا

آلودگیوں سے بھی پاک کرتا ہے اپنے دامن عمل کو فسق و فجور، نافرمانی و سرکشی سے بھی آلودہ نہیں ہونے دیتا جو اپنے رب کی یاد میں ہر وقت مشغول رہتا ہے اور نماز پنجگانہ میں بھی سستی نہیں کرتا، اسی کے سر پر دارین کی کامیابی کا تاج سجایا جائے گا۔ علامہ پانی پتی لکھتے ہیں کہ فصلّی کا ایک معنی دعا بھی کیا گیا ہے یعنی جو شخص دعا مانگنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتا ہے۔ آپ نے دعا کے آداب کے سلسلہ میں چند حدیثیں بھی لکھی ہیں جن میں سے دو آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

① حضرت فضالہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایک روز تشریف فرما تھے۔ ایک آدمی آیا۔ اس نے نماز ادا کی دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور کہا۔ اللّٰھم اغفرلی وارحمنی۔ اے اللہ! مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا عجلت ایھا المصلی۔ اے نمازی تو نے بڑی عجلت سے کام لیا ہے۔ اذا صلیت فقعدت فاحمد اللہ بما ھو اھلہ وصل علی ثم ادعہ۔ کہ جب تو نماز پڑھ کر بیٹھے تو اللہ تعالیٰ کی حمد کر جس طرح اس کی شان کے لائق ہے۔ پھر مجھ پر درود پڑھ۔ پھر دعا مانگ۔ اس کے بعد ایک اور شخص آیا۔ اس نے نماز پڑھی، نماز کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد کی، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھا۔ حضور نے فرمایا۔ ایھا المصلی ادع تجب۔ (رواہ الترمذی) اے نمازی! اب دعا مانگ تیری دعا قبول کی جائے گی۔

② حضرت عبد اللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور حضور کی خدمت میں حضرت ابوبکر و عمر بھی حاضر تھے۔ جب میں نماز پڑھ چکا تو میں نے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی پھر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھا۔ پھر اپنے لیے دعا مانگی حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا سل تعطہ۔ سل تعطہ (رواہ الترمذی) مانگ! اب تجھے دیا جائے گا۔ مانگ! اب تجھے دیا جائے گا۔

③ حضرت یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ ان آیات کی تفسیر کے بعد لکھتے ہیں: بخاطر این فقیر می آید واللہ تعالیٰ اعلم کہ دریں آیت اشارت است بمنازل سلوک۔ اوّل توبہ است و تزکیۂ نفس است بازالۂ صفات مذمومہ و اکتساب صفات حمیدہ۔ دوم: مداومت بر ذکر لسانی و قلبی و روحی و سری پس رسیدن بمشاہدات۔ قد افلح من تزکّٰی اشارت باولست و ذکر اسم ربہ اشارت بدوم فصلّٰی اشارت بسوم چوں صلوٰۃ معراج مومن است۔ وقرۃ عینی فی الصلوٰۃ اشارت بدیں ست۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ترجمہ: اس فقیر کے دل میں یہ بات آتی ہے اور اللہ تعالیٰ بہتر جاننے والا ہے کہ ان آیات میں منازل سلوک کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ پہلی منزل توبہ اور تزکیہ کی ہے کہ انسان صفات قبیحہ سے توبہ کرے اور ان سے اپنے آپ کو پاک کرے اور صفات حمیدہ کو اختیار کرے۔ دوسری منزل یہ ہے کہ زبانی، قلبی، روحی اور سری ذکر پر مداومت کرے اس کے بعد انوار الٰہی کے مشاہدہ کی منزل آتی ہے۔ قد افلح من تزکّٰی سے پہلی، ذکر اسم ربہ سے دوسری اور فصلّٰی سے تیسری منزل کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ نماز کو مومن کی معراج فرمایا گیا ہے اور حضور کا ارشاد گرامی ہے کہ میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الْاُوْلٰى ﴿١٨﴾ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ﴿١٩﴾

ہے۔ (یعنی) ابراہیم اور موسیٰ (علیہما السلام) کے صحیفوں میں۔

۱۳؎ عقلمندی کا تقاضا تو یہ تھا کہ تم تزکیۂ نفس کی طرف متوجہ ہوتے، ذکر الٰہی میں مشغول رہتے اور نماز ادا کرتے رہتے لیکن تم اخروی زندگی پر دنیوی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔ ہر وقت تم اسی کوشش میں لگے رہتے ہو کہ یہ چند دن تم آرام و فارغ البالی سے بسر کرو۔ یوم آخرت کے بارے میں تم نے سوچنے کی زحمت ہی کبھی گوارا نہیں کی۔ حالانکہ آخرت کی راحتیں اور مسرتیں کہیں زیادہ بہتر ہیں اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہیں۔

○

اللھم وفقنا ان نآثر الحیوۃ الآخرۃ علی الحیوۃ الدنیا ونقتفی آثار من تزکّٰی وذکر اسمک وصلی وافلح فی الدنیا والآخرۃ۔ اللھم صل وسلم وبارک علی عبدک المصطفٰی ورسولک المرتضٰی ونبیک المجتبٰی سیدنا ومولٰنا وحبیبنا محمد بدر الدجیٰ شمس الضحیٰ وعلی آلہ مصابیح الھدیٰ واصحابہ نجوم الرشد لمن اقتدی من لہ صلوات افضلھا ومن التسلیمات اطیبھا ومن البرکات ازکاھا ومن التحیات اسنٰھا۔ رب اغفر لی ولوالدی وللمؤمنین یوم یقوم الحساب۔

○

تعارف

سُورۃ الغاشیہ

نام : اس سورت کا نام "الغاشیہ" ہے۔ اس میں ایک رکوع، چھبیس آیتیں، بانوے کلمات، ۳۸۱ حروف ہیں۔

نزول : یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔

مضامین : رسالت کے مکی دَور میں سارا زور تین باتوں کو ذہن نشین کرانے پر دیا گیا۔

توحید ۔ رسالت ۔ آخرت۔

یہاں قیامت کا ذکر بڑے اچھوتے انداز سے ایک سوال کی صورت میں کیا جا رہا ہے۔ اے مخاطب! کیا تُو نے ایک ایسی چیز کے بارے میں کچھ سُنا ہے جو ساری کائنات پر چھا جائے گی۔ بلندیوں اور پستیوں میں کوئی چیز اُس سے بچ نہ سکے گی۔ یہی روزِ قیامت ہے۔ اس روز بنی نوعِ انسان کو فقط دو گروہوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ ایک گروہ ان بدنصیبوں کا ہو گا جنہوں نے اللہ کے رسولوں کی دعوت کو مسترد کر دیا تھا۔ اس روز ان کی جو درگت بنے گی اس کا ایسا مؤثر ذکر کیا گیا ہے کہ اسے پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ دُوسرا وہ گروہ جس نے اپنے رسولوں کی دعوت کو صمیمِ قلب سے قبول کیا۔ بڑی مضبوطی سے ان کے دامن کو تھام لیا۔ ہجومِ مصائب میں بھی ان کے پاؤں نہ ڈگمگائے۔ اس روز اُن کی جس طرح عزت افزائی کی جائے گی اس کا رُوح پرور نقشہ کھینچ دیا۔

اس تذکرہ کے بعد اب اہلِ عرب کو دعوت دی جا رہی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے علم و حکمت پر اب بھی وہ ایمان نہیں لائے تو ذرا ان چار چیزوں کی تخلیق پر غور کریں جن کا مشاہدہ سفر و حضر میں وہ ہر وقت کرتے رہتے ہیں۔ ذرا اُونٹ کی طرف دیکھو جو بے آب و گیاہ میدانوں اور لق و دق وسیع ریگستانوں کو عبور کرتا ہے۔ اس کے باوجود نہ وہ طولِ سفر سے تھکتا ہے اور نہ پیاس کی شدت اُسے درماندہ کرتی ہے۔ تمہیں اور تمہارے بوجھ کو اٹھائے ہوئے مستانہ وار وہ منزل کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے۔ کیا اس کی ساخت، اس کی قوتِ برداشت، بھوک اور پیاس کے باوجود اس کی بے پناہ توانائی اس بات کی گواہی نہیں دے رہی کہ جس نے اس کو پیدا کیا ہے اُس کی قدرت اور اس کی حکمت بے عدیل اور بے نظیر ہے۔

ذرا سر اُوپر اٹھاؤ اور جزیرۂ عرب کے اس نیلگوں آسمان پر نظر ڈالو، اس کی وسعت، اس کی بلندی، اس کی دل موہ لینے والی رنگت، پھر دن کے وقت اس میں چمکتا دمکتا سُورج اور رات کے وقت ستاروں کی اَن گنت آویزاں قندیلیں دیکھ کر تمہیں یقین نہیں آتا کہ یہ ایسے خالق کی تخلیق ہے جس کی قدرت اور حکمت لاجواب ہے۔ یہ سلسلۂ کوہ جو تمہیں ہر طرف

پھیلا ہوا نظر آتا ہے اس کے پتھر اور اس کی چٹانیں اس کی اونچی چوٹیاں اور پست وادیاں اپنی آفرینش میں جو افادیت رکھتی ہیں کیا تم اس کا انکار کر سکتے ہو؟ یہ فرشِ زمین جو حدِ نگاہ تک پھیلا ہوا ہے۔ جو اپنی تہوں میں تمہارے لیے بے شمار خزانے سمیٹے ہوئے ہے کیا تمہیں غور و فکر کی دعوت نہیں دے رہے۔

آخر میں اپنے حبیبِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دیا کہ آپ کا کام فقط ان کو نصیحت کرنا ہے۔ یہ فریضۂ نبوت آپ بڑی دلسوزی اور حسن و خوبی سے انجام دے رہے ہیں۔ اگر وہ ایمان نہیں لاتے تو آپ اس پر دلگیر کیوں ہوں اللہ تعالیٰ ان نابکاروں سے خود نبٹ لے گا۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا

۸-۴-۷۷

سُوْرَةُ الْغَاشِيَةِ مَكِّيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — هِيَ سِتٌّ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً

سورۃ الغاشیہ مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — اس میں چھبیس آیات ہیں۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ۝۱ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۝۲ عَامِلَةٌ

کیا پہنچی ہے آپ کو چھا جانے والی آفت کی خبر [۱] کتنے ہی چہرے اس دن ذلیل و خوار ہوں گے [۲] مشقت میں

نَّاصِبَةٌ ۝۳ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۝۴ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ۝۵ لَيْسَ

مبتلا تھکے ماندے۔ داخل ہوں گے دہکتی ہوئی آگ میں۔ انہیں پلایا جائے گا کھولتے ہوئے چشمہ سے [۳] انہیں

[۱] غاشیہ کا معنی ہے چھا جانے والی۔ اس سے مراد قیامت ہے۔ کیونکہ بلندیوں اور پستیوں میں کوئی چیز ایسی نہ رہے گی جس پر قیامت کی ہلاکت آفرینیوں کا اثر ظاہر نہ ہوگا۔ ساری مخلوقات لرزہ براندام ہوگی۔ قطرب نے کہا ہے کہ یہاں هَلْ استفہامیہ نہیں بلکہ بمعنی قَدْ ہے یعنی آپ کے پاس اس کی خبر یقیناً آچکی ہے۔

[۲] قیامت کے روز قومیت، وطن یا زبان کی بنیاد پر جتنی گروہ بندیاں ہوں گی سب ختم ہو جائیں گی۔ ساری اولادِ آدم دو حصوں میں بانٹ دی جائے گی۔ ایک وہ جنہوں نے دنیوی زندگی انکار، ناشکری اور بغاوت میں برباد کی ہوگی۔ دوسرے وہ جو اطاعت و بندگی کو اپنا شعار بنائے رہے ہوں گے۔ پہلی قسم کے لوگوں کی اس روز یہ حالت ہوگی کہ چہروں پر ذلت و رسوائی برس رہی ہوگی۔ عَامِلَةٌ: دوزخ میں بڑی مشقت جھیل رہے ہوں گے۔ وزنی طوق ان کے گلے میں پڑے ہوں گے۔ ستر ستر گز لمبی آہنی زنجیروں میں جکڑے ہوں گے۔ آگ کی تپش الگ ہوگی۔ نَّاصِبَةٌ: تھکے ماندے۔ انسان تھوڑی دیر ایسی مشقتوں میں مبتلا ہو تو وہ تھک جاتا ہے۔ یہاں تو مشقتیں بھی جان لیوا ہوں گی اور پھر یہ سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا۔ اس وقت انسان کی درماندگی اور تھکاوٹ کی جو کیفیت ہوگی اسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔

عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ کا ایک اور مفہوم بھی بیان کیا گیا ہے یعنی اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اسلام کو تو قبول نہیں کرتے ویسے ریاضات و مجاہدات میں دن رات مشغول رہتے ہیں۔ راہب اور جوگی قسم کے لوگ ایسی ایسی ریاضتیں کرتے ہیں کہ سن کر حیرت ہوتی ہے۔ کیونکہ ان کا عقیدہ غلط ہے اور اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ دین کو انہوں نے قبول نہیں کیا اس لیے ان کی یہ ساری محنتیں، شب بیداریاں رائیگاں جائیں گی۔ اسی طرح جو لوگ مختلف علوم و فنون میں کمال حاصل کرنے کے لیے رات دن محنتِ شاقہ کرتے رہتے ہیں۔ بڑے بڑے سائنس دان اور انجینئر جو ساری ساری رات بلکہ مسلسل کئی کئی مہینے دماغی کاوش کرتے رہتے ہیں ایمان کے بغیر ان کی یہ ساری جانکاہیاں ان کے کسی کام نہ آئیں گی۔

[۳] اٰنِيَةٍ کی تشریح کرتے ہوئے علامہ ابن منظور لکھتے ہیں اٰنٍ الحمیم، ای انتھٰی حرّہٗ و فی التنزیل تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ای متناهية فی شدة الحر۔ لسان یعنی حرارت کا انتہائی شدت اختیار کر لینا۔ یہ کفار زنجیروں میں جکڑے ہوں گے آگ میں جھلس رہے ہوں گے پیاس کی شدت ہوگی اور پینے کو ملے گا ایسے چشمے کا پانی جو ابل رہا ہوگا، کھول رہا ہوگا۔

لَهُمْ طَعَامٌ إِلَّا مِنْ ضَرِيعٍ ﴿٦﴾ لَا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِي مِنْ جُوعٍ ﴿٧﴾

کوئی کھانا نہ ملے گا بجز خاردار جھاڑ کے ۷ جو نہ فربہ کرے گا اور نہ بھوک دور کرے گا ۸

وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاعِمَةٌ ﴿٨﴾ لِسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ﴿٩﴾ فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿١٠﴾

کتنے ہی چہرے اس دن بارونق ہوں گے ۹ اپنی کاوشوں پر خوش ہوں گے عالی شان جنت میں۔

لَا تَسْمَعُ فِيهَا لَاغِيَةً ﴿١١﴾ فِيهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ﴿١٢﴾ فِيهَا سُرُرٌ

نہ سنیں گے وہاں کوئی لغو بات۔ اس میں چشمہ جاری ہوگا۔ اس میں اونچے اونچے تخت

مَرْفُوعَةٌ ﴿١٣﴾ وَأَكْوَابٌ مَوْضُوعَةٌ ﴿١٤﴾ وَنَمَارِقُ مَصْفُوفَةٌ ﴿١٥﴾ وَزَرَابِيُّ

بچھے ہوں گے اور ساغر قرینے سے رکھے ہوں گے اور گاؤ تکیے قطار در قطار لگے ہوں گے اور قیمتی قالین

۷ اور جب بھوک ستائے گی تو کھانے کے لیے خاردار جھاڑ ملے گا۔ قال عكرمة ومجاهد الضريع نبت ذو شوك لاصق بالارض تسميه قريش الشبرق اذا كان رطبا فاذا يبس فهو الضريع۔ (قرطبی) یعنی عکرمہ اور مجاہد کہتے ہیں کہ ضریع ایک کانٹوں والی بوٹی ہے جو زمین سے چمٹی رہتی ہے۔ جب وہ ہری ہو تو قریش اسے شبرق کہتے ہیں اور جب سوکھ جائے تو اسے ضریع کہا جاتا ہے۔

۸ ضریع کا لفظ ہی کافروں کی خوراک کی حقیقت بیان کرنے کے لیے کافی ہے۔ مزید یہ بتا کر کہ اس کے کھانے سے نہ تو جسم فربہ ہوگا اور نہ بھوک کی شدت میں کمی آئے گی، مزید اس کی ناپسندیدگی کے بارے میں بتلا دیا۔

۹ ان آیات میں اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کی حالت کو بیان کیا جا رہا ہے۔

ناعمة: تروتازہ، جن پر نعمت و راحت کے آثار نمایاں ہوں گے۔ لسعيها: جو کوشش وہ زندگی بھر کرتے رہے ہوں گے ان کی جگر سوزیوں، عرق ریزیوں اور جدوجہد کے عوض جو انعامات انہیں ملیں گے انہیں دیکھ کر ان کی خوشی کی کوئی حد نہ رہے گی۔ فردوس بریں میں یہ اقامت گزیں ہوں گے۔ کوئی ایسی بات یہ نہ سنیں گے جو انہیں ناگوار ہو۔ ٹھنڈے اور میٹھے پانی کے چشمے ہر طرف بہہ رہے ہوں گے۔ جگہ جگہ ان کے لیے اونچے اونچے پلنگ بچھے ہوں گے۔ بڑے قرینے سے ساغر اور بلوریں جام رکھے ہوں گے۔ نمارق جمع ہے اس کا واحد نمرقة ہے۔ چھوٹے چھوٹے تکیے اور وہ گدیلے جو کجاوا کے اوپر ڈالے جاتے ہیں ان کو بھی نمارق کہتے ہیں۔ زرابی، اس کا واحد زربية، قالین، چاندنی جو فرش پر بچھائی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ان مہمانوں کی جنت میں جو خاطر مدارات ہوگی ان کے آرام و آسائش کے جو سامان مہیا کیے جائیں گے انہیں جو شرف پذیرائی بخشا جائے گا ان کا اندازہ کر کے آپ نے سنا جو لوگ ان وعدوں کی سچائی پر ایمان رکھتے ہیں انہیں سب کچھ چھوڑ کر بلکہ جان دے کر بھی اللہ تعالیٰ کو

مَبْثُوْثَةٌ ﴿۱۶﴾ اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ﴿۱۷﴾ وَاِلَى السَّمَآءِ

بچھے ہوں گے ۔ کیا یہ لوگ (غور سے) اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ اسے کیسے عجیب طرح پیدا کیا گیا ہے ۷ اور آسمان کی طرف نہیں

كَيْفَ رُفِعَتْ ﴿۱۸﴾ وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ﴿۱۹﴾ وَاِلَى الْاَرْضِ

دیکھتے کہ اسے کیسے بلند کیا گیا ہے ۸ اور پہاڑوں کی طرف کہ انہیں کیسے نصب کیا گیا ہے اور زمین کی طرف

كَيْفَ سُطِحَتْ ﴿۲۰﴾ فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ﴿۲۱﴾ لَسْتَ عَلَيْهِمْ

کہ اسے کیسے بچھایا گیا ہے ۔ پس آپ انہیں سمجھاتے رہا کریں، آپ کا کام تو سمجھانا ہی ہے ۹ آپ ان کو جبر سے منوانے والے

راضی کرنا پڑے تو انہیں کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔

۷ کفار کو پھر اپنی قدرت کے شواہد میں غور کرنے کی دعوت دی جا رہی ہے۔ سب سے پہلے اونٹ کی طرف ان کی توجہ مبذول کی کیونکہ یہ جانور عرب میں بکثرت پایا جاتا ہے اس کی خوبیوں اور خصلتوں سے یہ لوگ پوری طرح آگاہ تھے اس لیے انہیں اس کی تخلیق میں جو عجوبے ہیں ان میں غور کرنے کی دعوت دی گئی۔

یہ اتنا بڑا جانور ہے لیکن ایک چھوٹا سا بچہ اس کی نکیل پکڑ لے تو بے چون و چرا اس کے ہر حکم کی تعمیل کرتا ہے۔ وہ بیٹھنے کو کہے تو بیٹھ جاتا ہے اٹھنے کا اشارہ کرے تو اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ بوجھ لادے تو اٹھا لیتا ہے۔ کیونکہ اسے وسیع ریگستانوں کو عبور کرنا پڑتا ہے جہاں پانی کی شدید قلت ہے اس لیے اس کے خالق نے اسے ایسا پیدا کیا ہے کہ دوسرے جانوروں کی طرح اسے بار بار پیاس نہیں لگتی۔ یہ لگاتار دس دن تک پانی پیئے بغیر سفر کر سکتا ہے۔ وہ جڑی بوٹیاں جو دوسرے جانور نہیں کھاتے انہیں کھا کر یہ اپنا پیٹ بھر لیتا ہے۔ مزید برآں سارے جانوروں کی تمام خوبیاں اس میں پائی جاتی ہیں۔ بعض جانور دودھ دیتے ہیں، بعض بوجھ اٹھاتے ہیں، کوئی سواری کے کام آتے ہیں، کسی کا گوشت کھایا جاتا ہے۔ اونٹ ایسا جانور ہے جو دودھ بھی دیتا ہے، بوجھ بھی اٹھاتا ہے، سواری کے کام بھی آتا ہے اور ذبح کر کے اس کا گوشت بھی کھایا جاتا ہے۔ اس کی ایک اور خصوصیت بھی ہے کہ سواری کے دوسرے جانوروں پر جب کوئی سوار ہوتا ہے تو وہ بیٹھتے نہیں بلکہ کھڑے رہتے ہیں اور یہ سواری کے وقت بیٹھ جاتا ہے۔ اس کی گردن لمبی اس کے پاؤں میں نرم گدیلے، اس کے سینہ کے نیچے ایک گدی سی بنی ہوئی ہے۔ الغرض اس کی ہر چیز میں آپ غور کریں گے آپ کو اپنے رب کی حکمتوں کے ان گنت جلوے نظر آئیں گے۔

۸ پھر آسمان کی بلندیوں، پہاڑوں کے جم کر کھڑا ہونے اور فرش زمین کے بچھائے جانے پر غور کرنے کی دعوت دی جا رہی ہے۔

۹ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہیں کہ آپ کا کام ان کو نصیحت کرنا ہے۔ ان کو خواب غفلت سے جگانا ہے۔ آپ اپنا فریضہ ادا کرتے رہیے۔ اس کے باوجود اگر یہ ہدایت قبول نہ کریں تو آپ فکرمند کیوں ہوں۔ ہم نے آپ کو ان کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا کہ اگر یہ ایمان نہ لائیں تو آپ سے باز پرس ہو۔ صحاح اور لسان العرب میں مسیطر کا یہی معنی کیا گیا ہے۔ المصیطر، المسیطر:

بِمُصَيْطِرٍ ﴿٢٢﴾ إِلَّا مَن تَوَلَّىٰ وَكَفَرَ ﴿٢٣﴾ فَيُعَذِّبُهُ اللَّهُ الْعَذَابَ

تو نہیں ہیں۔ مگر جس نے روگردانی کی اور کفر کیا تو اللہ اس کو سخت عذاب

الْأَكْبَرَ ﴿٢٤﴾ إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ ﴿٢٥﴾ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ﴿٢٦﴾

دے گا ؂۲ بے شک انہیں (آخر) ہمارے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے پھر یقیناً ہمارے ہی ذمہ ان کا حساب لینا ہے۔

؂۱ المسلّط علی الشیئ لیشرف علیہ ویتعھد احوالہ ویکتب عملہ۔ یعنی وہ شخص جس کو کسی پر مسلط کر دیا جائے تاکہ وہ اس کی نگرانی کرے اس کے احوال کی خبر رکھے اور اس کے اعمال کو لکھتا رہے اسے مُصَیْطِر کہتے ہیں۔

؂۲ جو بدبخت آپ کی طرف سے منہ پھیرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو سخت سزا دے گا۔

○

اللّٰھم انک عفو تحب العفو فاعف عنا یا اکرم المسئولین یا ارحم الراحمین واحشرنا فی عبادک المقربین وصل وسلم وبارک علی محب الفقراء والمساکین قائد الغر المحجلین وعلی آلہ واصحابہ وسائر امتہ الی یوم الدین۔

تعارف

سُورۃ الفجر

نام : اس سورت کا نام "الفجر" ہے۔ اس میں ایک رکوع، اُنتیس یا تیس آیتیں، ایک سو اکتالیس کلمے اور پانچ سو ستانوے حروف ہیں۔

نزول : یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور اس کے مضامین پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا نزول اس وقت ہوا جب کفار نے مسلمانوں پر بے دریغ مشق ستم شروع کر دی تھی۔ وہ انہیں جبراً پھر کفر کی طرف لوٹنے پر مجبور کر رہے تھے مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کے لیے اس سورت کا نزول ہوا۔

مضامین : ابتدا میں کفار نے اسلام کی دلوں کو مسخر کر لینے والی قوت کا صحیح اندازہ نہ لگایا تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہ آواز لوگوں کے عقائد کی پختگی سے ٹکرا ٹکرا کر خود ہی اپنا سر پھوڑ لے گی اور معاملہ ختم ہو جائے گا لیکن جب اس دعوت کے داعی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی تابانیاں تعصب و ہٹ دھرمی کی سنگین فصیلوں میں شگاف پیدا کرنے لگیں اور کفر و شرک کے بڑے بڑے ستون گرنے لگے تو اہل مکہ نے مزید رواداری اور چشم پوشی کا رویہ ترک کر دیا اور لنگوٹے کس کر اسلام کے سیل رواں کو روکنے کے لیے میدان میں نکل آئے اور ہر ایسے شخص پر ظلم و ستم کی حد کر دیتے جو اسلام قبول کر لیتا۔

اللہ تعالیٰ اپنے سرفروش اور جانثار بندوں کی حوصلہ افزائی فرما رہا ہے اور انہیں بتا رہا ہے کہ کفار کی یہ سنگدلانہ حرکات نرالی نہیں۔ آج سے پہلے بھی ایسا ہوتا آیا ہے۔ بڑے بڑے جابر اور طاقتور قبائل نے اور سنگدل حکمرانوں نے اپنے تمام وسائل کو بروئے کار لا کر اہل حق کو حرفِ غلط کی طرح مٹانے کی کوششیں کیں، لیکن عذاب خداوندی نے اُن کو نیست و نابود کر دیا۔ اگر مکہ کے ان رئیسوں نے اپنی یہ ظالمانہ روش نہ چھوڑی تو ان کا انجام بھی ایسا ہی المناک ہو گا۔ اللہ تعالیٰ سب لوگوں کے ہر قسم کے اعمال کو بڑے غور سے دیکھ رہا ہے اور مناسب وقت پر اُن کو عبرتناک سزا دی جائے گی۔

یہاں ایک نظریہ کا ابطال کر دیا جس میں اکثر خدا فراموش قومیں اور افراد پہلے بھی مبتلا تھے اور اب بھی مبتلا ہیں۔ اُن کا یہ خیال ہے کہ اگر انسان خوش حال اور باوقار زندگی بسر کر رہا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا منظورِ نظر ہے۔ وہ جو کچھ کر رہا ہے اُس کو خدا کی پسندیدگی کی سند حاصل ہے۔ کسی کو اس پر اعتراض کرنے کا حق نہیں اور جو شخص کسمپرسی اور افلاس کی زندگی گزار رہا ہے وہ خدا کی نظروں میں گرا ہوا ہے۔ اس کی کوئی قدر و منزلت نہیں۔ بتا دیا کہ یہ نظریہ سراسر باطل ہے۔ مال کی فراوانی اور مال کی قلت الٰہی آزمائش کے دو رُخ ہیں۔ وہ اپنے بندوں کو قارون کی دولت اور فرعون کا جاہ و جلال دے کر

آزماتا ہے اور کبھی فقر و فاقہ کی سختیوں سے دوچار کرکے ان کو پرکھتا ہے۔ جس نے اس کی نعمتوں پر شکر ادا کیا، اور مصائب میں صبر کا دامن نہ چھوڑا وہ دربارِ خداوندی میں سرخرو اور کامیاب ہے۔ اے اپنی ثروت کی کثرت اور اپنی ریاست و امارت پر فخر کرنے والے! کبھی تُو نے اپنے اعمال کی طرف دیکھنے کی زحمت گوارا کی ہے۔ نہ یتیم کا احترام، نہ غریب سے ہمدردی، مال و دولت سمیٹنے کے بغیر اور کوئی مقصد ہی پیشِ نظر نہیں۔ جائز و ناجائز ذرائع میں بھی امتیاز روا نہیں رکھتے ہو۔ یاد رکھو! قیامت کا دن آنے والا ہے اس وقت تمہاری چشم ہوش کھلے گی لیکن بے سُود۔ البتہ وہ پاک نہاد قُدسی صفات لوگ جو ذکرِ الٰہی سے اپنے قلب کی تسکین کا اہتمام کرتے رہے، جب وہ اس دارِ فانی سے رخصت ہوں گے تو انہیں رضائے الٰہی کے مژدہ سے خورسند کیا جائے گا۔ اللّٰھم اجعلنا منھم۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا

۹-۴-۷۷

سُوْرَةُ الْفَجْرِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ ثَلٰثُوْنَ اٰيَةً

سورۃ الفجر مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — اس میں تیس آیات ہیں

وَالْفَجْرِ ۝۱ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۝۲ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۝۳ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ۝۴

قسم ہے اس صبح کی اور ان (مقدس) دس راتوں کی اور قسم ہے جفت اور طاق (راتوں) کی [1] اور رات کی جب گزرنے لگے [2]

[1] دعوت اسلام سے مکہ کے مشرکانہ ماحول میں ایک ہلچل پیدا ہو گئی۔ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعوت اس وقت دو چیزوں تک محدود تھی۔ اللہ تعالیٰ کی توحید اور روز جزا پر ایمان۔ وہ لوگ وقوع قیامت پر طرح طرح کے اعتراضات کیا کرتے اور اسے محال اور خلاف عقل گمان کرتے۔ ان کے شکوک کے ازالہ کے لیے دیگر متعدد مقامات کی طرح اس سورت کا آغاز بھی پانچ قسمیں کھا کر فرمایا جا رہا ہے ایسی پانچ چیزوں کی قسمیں کھائی ہیں کہ انسان اگر ان میں غور و تدبر کرے تو قیامت کے بارے میں اس کے تمام شکوک و شبہات دور ہو جائیں گے۔ اس کا وقوع ممکن بلکہ عین حکمت معلوم ہونے لگے گا۔

فرمایا قسم ہے فجر کی۔ اس فجر کے بارے میں متعدد اقوال ہیں کہ کونسی فجر مراد ہے لیکن اولیٰ یہی ہے کہ اسے کسی فجر سے مخصوص نہ کیا جائے بلکہ ہر صبح مراد ہو جو طلوع ہوتی ہے تو رات کی تاریکی چھٹ جاتی ہے۔ ہر طرف روشنی پھیل جاتی ہے پرند، چرند، انسان جو آرام و سکون سے اپنی اپنی آرام گاہوں میں رات بسر کر رہے ہوتے ہیں اب اپنے اپنے معمولات اور فرائض کو انجام دینے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔

پھر فرمایا قسم ہے دس راتوں کی جو بڑی شان والی ہیں۔ تنکیر تفخیم شان کے لیے ہے۔ اس سے مراد کون سی راتیں ہیں۔ ذی الحجہ کی پہلی دس راتیں، رمضان کی آخری دس راتیں، محرم کی پہلی دس راتیں علماء سے تینوں قول منقول ہیں۔

اس کے بعد فرمایا قسم ہے شفع (جفت) کی اور وتر (طاق) کی۔ اس کے مصداق کے بارے میں متعدد اقوال ہیں۔ مجھے ان میں سے یہ قول پسند ہے شفع سے مراد مخلوق اور وتر سے مراد خالق۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عطیہ، مجاہد اور دیگر جلیل القدر علماء تفسیر نے اسی کو ترجیح دی ہے اور اس کی تشریح یوں کی ہے۔ ساری مخلوق دو دو ہے کفر و ایمان، ہدایت و ضلالت، سعادت و شقاوت، لیل و نہار، زمین و آسمان، بحر و بر، شمس و قمر، جن و انس، مذکر و مؤنث، زندگی اور موت، عزت و ذلت، علم و جہالت وغیرہ وغیرہ۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنی تمام شانوں اور صفات میں یکتا ہے اور طاق ہے۔ وہاں زندگی ہے موت نہیں، عزت ہے ذلت نہیں، علم ہے جہالت نہیں، قوت ہے ضعف نہیں۔ اس کی ذات بھی یکتا، اس کی تمام صفات بھی یکتا۔

بعض نے شفع سے مراد وہ نمازیں لی ہیں جن کی رکعتیں دو یا چار ہوں اور وتر سے وہ نمازیں جن کی رکعتیں تین ہیں جیسے نماز مغرب اور وتر۔

[2] یعنی اذا سار وذھب: یعنی جب رات رخصت ہونے لگتی ہے اور صبح کے طلوع کا وقت قریب آجاتا ہے۔

ان تمام قسموں کا جواب لَتُبْعَثُنَّ محذوف ہے یعنی تمہیں ضرور زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ یہ ساری چیزیں جس نظم و نسق اور باقاعدگی کے ساتھ رونما ہوتی رہتی ہیں وہ اس بات کی شہادت دے رہی ہیں کہ یہ اندھی بہری فطرت کی کارستانی نہیں بلکہ ایک قادر، حکیم اور علیم ذات کا ارادہ اس

هَلْ فِي ذَٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِي حِجْرٍ ﴿٥﴾ أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ﴿٦﴾

یقیناً اس میں قسم ہے عقلمند کے لیے ۳ کیا آپ نے ملاحظہ نہ کیا کہ آپ کے رب نے کیا کیا عاد ۴

إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ﴿٧﴾ الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ﴿٨﴾ وَثَمُودَ

ارم کے ساتھ جو اونچے ستونوں والے تھے ۵ نہیں پیدا کیا گیا جن کا مثل دنیا کے ملکوں میں ۶ اور ثمود کے ساتھ (کیا کیا)

کو معرضِ وجود میں لا رہا ہے۔ جس کی قدرت کا یہ عالم ہو اس کے لیے انسان کو دوبارہ پیدا کرنا قطعاً مشکل نہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کا ہر فعل حکیمانہ ہے تو وہ حضرتِ انسان کو اتنی قوتوں سے بہرہ ور کرنے کے بعد اس کو یوں ہی چھوڑ نہیں دیتا کہ وہ ان سے پوچھے ہی نہیں کہ انہوں نے خدا کی دی ہوئی قوتوں اور نعمتوں کو کس طرح استعمال کیا ہے۔ یہ بات بھی اس کی حکمت کے سراسر منافی ہے کہ جن لوگوں نے اس کی دی ہوئی قوتوں کو صحیح استعمال کیا ان سے اس کی مخلوق کو فائدہ پہنچایا، نیکی اور اخلاقِ حسنہ کی آبیاری کی ان کو تو کوئی اجر نہ ملے اور جنہوں نے ان نعمتوں پر ناشکری کی اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی تباہی و بربادی کے لیے انہیں استعمال کیا اور فسق و فجور کی داغ بیل ڈالی ان کو ان کے کرتوتوں کی کوئی سزا نہ دی جائے۔

۳ فرمایا جو لوگ عقل و خرد سے بہرہ ور ہیں اتنی ساری قسموں کے بعد انہیں روزِ جزا کا یقین آجائے گا اور اس کے بعد انہیں مزید کسی قسم کی ضرورت نہیں رہے گی اور جو لوگ عقل ہی سے محروم ہیں ان کے سامنے جتنی بھی قسمیں کھائی جائیں وہ ان سے کوئی ہدایت قبول نہیں کریں گے۔ عقل کو حجر اس لیے کہتے ہیں کہ وہ غلط کاموں سے روکتی ہے۔ غلط راستہ پر کوئی چلنے لگے تو اس کی راہ میں رکاوٹ بن کر کھڑی ہو جاتی ہے۔

۴ اہلِ مکہ دعوتِ حق کو بڑی بے نیازی سے پسِ پشت ڈال رہے تھے۔ چند قوموں کی داستان بطورِ عبرت سنائی جا رہی ہے۔ جو قوت و شوکت میں اپنے اپنے زمانہ میں اپنا جواب نہیں رکھتی تھیں، لیکن اخلاقی بیماریاں ان کو گھن کی طرح کھا گئیں۔ اپنے جرائم اور اعمالِ بد کے بوجھ تلے دب کر وہ فنا ہو گئیں۔ اہلِ مکہ اور دیگر عرب قبائل ان قوموں سے اچھی طرح روشناس تھے۔

تاریخ میں عاد کے دو قبیلے بہت مشہور ہیں۔ ایک کو عادِ ارم کہا جاتا ہے یا عادِ اولیٰ اور دوسرے کو عادِ اُخریٰ۔ عادِ اولیٰ کا نسب نامہ یہ تھا عاد بن ارم بن عوص بن سام بن نوح۔ اسی عاد کی اولاد قومِ عاد کے نام سے مشہور ہوئی۔ ہود علیہ السلام انہی کی طرف مبعوث ہوئے لیکن انہوں نے ان کی دعوت کو مسترد کر دیا اس لیے تباہ کر دیے گئے۔ اس قبیلہ کے جو لوگ اس عذاب سے بچ گئے اور پھر ان کی نسل بڑھی وہ بھی قومِ عاد ہی کہلائی۔ دونوں میں امتیاز کرنے کے لیے پہلی قوم کو عادِ اولیٰ یا عادِ ارم کہا جاتا ہے اور دوسری کو عادِ اُخریٰ۔

۵ علامہ جوہری نے عماد کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے العماد الابنیۃ الرفیعۃ واحدہ عمادۃ۔ وقال الشاعر عمرو بن کلثوم

ونحن اذا عماد الحی خرّت   علی الاحفاض نمنع من یلینا

وفلان طویل العماد اذا کان منزلہ معلما لزائریہ (الصحاح)۔ بلند و بالا قصور اور محلات کو عماد کہتے ہیں۔ عمرو بن کلثوم شاعر کا شعر ہے کہ ہم جب کسی قوم کا قصرِ عزت گر جاتا ہے تو ہم ان کی حفاظت کرتے ہیں۔ جس کا اونچا مکان اس کے زائرین کو دور سے معلوم ہو جائے تو

الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ﴿٩﴾ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَادِ ﴿١٠﴾ الَّذِينَ

جنھوں نے کاٹا تھا چٹانوں کو وادی میں ۷؎ اور (کیا کیا) فرعون کے ساتھ جو میخوں والا تھا ۸؎ جنھوں نے

طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ﴿١١﴾ فَأَكْثَرُوا فِيهَا الْفَسَادَ ﴿١٢﴾ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ

سرکشی کی تھی اپنے اپنے ملکوں میں۔ پھر ان میں بکثرت فساد برپا کر دیا تھا۔ پس آپ کے رب نے ان پر

سَوْطَ عَذَابٍ ﴿١٣﴾ إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴿١٤﴾ فَأَمَّا الْإِنْسَانُ إِذَا مَا

عذاب کا کوڑا برسایا ۹؎ بے شک آپ کا رب (سرکشوں اور مفسدوں کی) تاک میں ہے۔ مگر انسان (بھی عجیب شے ہے) کہ جب

عرب کہتے ہیں فلان طویل العماد۔

۶؎ یہ قد و قامت میں بھی دوسرے لوگوں سے ممتاز تھے اور جسمانی قوت و طاقت میں بھی اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔

۷؎ قوم ثمود سنگ تراشی کے فن میں ید طولیٰ رکھتی تھی۔ انہوں نے پہاڑوں کی چٹانوں کو کھود کر اور کاٹ کر اپنے لیے رہائش گاہیں تعمیر کر رکھی تھیں۔ انہیں ان کی پائیداری اور پختگی پر بڑا ناز تھا۔ انہیں یقین تھا کہ کوئی زلزلہ، کوئی سیلاب، کوئی جھکڑ ان کو ہلا نہیں سکتا۔ وادی القریٰ میں اب بھی ان کے تراشے ہوئے مکانات دیکھنے والوں کو محو حیرت کر دیتے ہیں۔ جس مہارت سے انہوں نے ان سخت چٹانوں کو کاٹا پھر جس خوبصورتی سے دروازوں پر بیل بوٹے بنائے انہیں دیکھ کر اس فن میں ان کی مہارت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔

۸؎ عاد و ثمود یہ دو قومیں جزیرہ عرب کی رہنے والی تھیں۔ ان سے اہل عرب خوب واقف تھے۔ ان کی تباہی کی داستانیں بھی اپنے آباء و اجداد سے سنتے آئے تھے۔ فرعون اگرچہ مصر کا فرمانروا تھا لیکن بنی اسرائیل کے ساتھ اہل عرب کا میل جول تھا۔ انہوں نے اس کے مظالم اور پھر اس کی غرقابی کے قصے بھی بارہا سنے تھے اس لیے فرعون کا ذکر ان کے نزدیک اجنبی کا ذکر نہ تھا۔

فرعون کو ذی الاوتاد کہا گیا ہے۔ اوتاد، وتد کی جمع ہے۔ لوہے کی میخوں کو بھی کہتے ہیں اور لکڑی کی کھونٹیاں جن کے ساتھ خیموں کی رسیاں باندھی جاتی ہیں ان کو بھی کہتے ہیں۔ فرعون کا بہت بڑا لشکر تھا۔ جب وہ چڑھائی کرتا تو لشکر کے خیموں کو نصب کرنے کے لیے کیلوں کا ایک بڑا ذخیرہ ان کے ہمراہ ہوتا۔ یا جن لوگوں پر ان کا عتاب نازل ہوتا ان کو زمین پر لٹا کر ان کے ہاتھ پاؤں میں لوہے کی میخیں گاڑ دی جاتیں۔ اس لیے اس کو ذی الاوتاد کہا گیا ہے۔

۹؎ ان قوموں کی تباہی کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے سرکشی اختیار کی۔ ظلم و ستم کی حد کر دی۔ کسی کی آبرو، کسی کی جان، کسی کی جائیداد محفوظ نہ رہی۔ جس طرح چاہتے زیردستوں کو لوٹ لیتے۔ ان کی عصمتوں کو تاراج کر دیتے اور ان کے خون کے دریا بہا دیتے اور اس بے محابا ظلم کی وجہ یہ تھی کہ انہیں روز حساب کا کوئی خوف نہ تھا۔ جب ان کے مظالم کی حد ہو گئی ان کے انبیاء ان کی اصلاح سے مایوس ہو گئے ان کے راہ راست پر آنے کی کوئی امید نہ رہی تو عذاب الٰہی کا کوڑا اس زور سے ان پر برسا کہ ان کی ناک تک اکھاڑ کر رکھ دی گئی۔ ان کی عظمتوں کا نام و نشان باقی نہ رہا۔ ان کی داستان عبرت

ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ۝۱۵ وَاَمَّآ

آزماتا ہے اسے اس کا رب یعنی اس کو عزت دیتا ہے اور اس پر انعام فرماتا ہے تو وہ کہتا ہے میرے رب نے مجھے عزت بخشی۔ اور جب

اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ۝۱۶ كَلَّا

اس کو (یوں) آزماتا ہے کہ اس پر روزی تنگ کر دیتا ہے تو کہنے لگتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا [۱۱] ایسا نہیں ہے [۱۲]

سنانے کے لیے ان کے قصور و محلات کے شکستہ کھنڈرات باقی رہ گئے۔

اے اہل مکہ! تم بھی قیامت کا انکار کرتے ہو، اسی لیے تم اپنی باغیانہ روش سے باز نہیں آتے۔ ان گزری ہوئی قوموں کی تباہی میں تمہارے لیے عبرت کے صدہا سامان ہیں۔ اگر تم پھر بھی اپنی اصلاح نہیں کرتے تو اسی انجام کے لیے تیار ہو جاؤ۔

[۱۱] بعض لوگوں کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہوتی ہے۔ رہنے کے لیے آرام دہ شاندار مکانات ہوتے ہیں۔ اولاد کی بھی کمی نہیں ہوتی۔ معاشرے میں بھی انہیں قدر و عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ان کے برعکس بعض لوگ مفلس اور تنگ دست ہوتے ہیں اور کئی قسم کی محرومیوں کا شکار ہوتے ہیں، لیکن ان لوگوں کا ردِّ عمل یکساں نہیں ہوتا۔ مادہ پرست ذہنیت کے مالک تو یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی یہ خوش حالی اور قدر و منزلت اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں وہ بڑے معزز و محترم ہیں۔ اس لیے ان پر نوازشات کی بارش ہو رہی ہے اور جب وہ تنگ دستی اور غربت کا شکار ہوتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی نگاہ کرم سے محروم کر دیا ہے تبھی ان کے ساتھ ایسا سلوک ہو رہا ہے۔ فصل کاشت کرتے ہیں تو اگتی نہیں، باغات ہیں تو وہ پھلتے نہیں، تجارت ہے تو روبہ تنزل۔ ایسے لوگوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور ناراضگی کا دارومدار دولت کی کمی بیشی پر ہے، لیکن وہ لوگ جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ پر یقین ہے اور شریعت اسلامیہ کی سچائی پر جن کا پختہ ایمان ہے ان کی سوچ کا انداز بالکل الگ ہوتا ہے۔ وہ دونوں حالتوں کو امتحان سمجھتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ وہ دونوں قسم کے امتحانوں میں کامیاب ہوں۔ اگر ان کی مالی حالت اچھی ہوتی ہے اور علاقہ میں ان کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے تو اس پر وہ خداوند کریم کا شکر ادا کرتے ہیں۔ اپنے مالی وسائل اور اثر و رسوخ کو اس کی مخلوق کی خدمت میں صرف کرتے ہیں۔ غریبوں کی امداد کرتے ہیں۔ کمزور اور ضعیف لوگوں پر کوئی ظلم کرنے لگے تو سپر بن کر آگے ہوتے ہیں۔ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی کی بیخ کنی کے لیے کوشاں رہتے ہیں اور اگر فقر و غربت کا دور آتا ہے تو صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑ لیتے ہیں۔ کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتے۔ اپنی مالی حالت کو درست کرنے کے لیے حرام ذرائع اختیار نہیں کرتے۔ اس غربت و افلاس میں بھی انہیں اپنے علیم و حکیم پروردگار کی بیسیوں حکمتیں نظر آتی ہیں۔

قرآن کریم کی ان آیات میں ان دونوں حالتوں کو ابتلاء و آزمائش سے تعبیر کیا گیا ہے جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ دولت کی قلت و کثرت اللہ تعالیٰ کی رضا و ناراضگی کا معیار نہیں بلکہ ان دونوں صورتوں میں جو طرزِ عمل آپ اختیار کریں گے اسی کے باعث آپ اپنے رب کی خوشنودی یا غضب کے مستحق ہوں گے۔

[۱۲] ان نادانوں کے اس نظریہ کا بطلان کر دیا۔ دولت اس کے فضل کی نشانی نہیں اور افلاس اس کی تحقیر کی وجہ سے نہیں، مفلس

بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ﴿۱۷﴾ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿۱۸﴾

بلکہ (اس کی وجہ یہ ہے کہ) تم یتیم کی عزت نہیں کرتے ۱۲؎ اور نہ تم ترغیب دیتے ہو مسکین کو کھانا کھلانے کی ۱۳؎

وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ﴿۱۹﴾ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿۲۰﴾ كَلَّآ

اور چٹ کر جاتے ہو میراث کا سارا مال ۱۴؎ اور دولت سے حد درجہ محبت کرتے ہو ۱۵؎ یقیناً

الغنی بفضلہ ولا الفقر لھوانہ۔ (قرطبی) نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بڑی وضاحت سے اس حقیقت کو بیان فرمایا یقول اللہ عز وجل کلا انی لا اکرم من اکرمت بکثرۃ دنیا ولا اُھین من اَھنت بقلتھا انما اکرم من اکرمت بطاعتی واُھین من اَھنت بمعصیتی۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں جس کی عزت کرتا ہوں کثرتِ دنیا کی وجہ سے نہیں اور جس کو ذلیل کرتا ہوں افلاس کی وجہ سے نہیں بلکہ میں اپنی اطاعت کی وجہ سے کسی کو سرفراز کرتا ہوں اور اپنی نافرمانی کی وجہ سے کسی کو ذلیل وخوار کرتا ہوں۔

۱۲؎ ان کی مادہ پرستانہ ذہنیت ان کو یتیم وغریب پر رحمت وشفقت کے جذبے سے محروم کر دیتی ہے۔ وہ ان یتیموں کے سر پر شفقت کا ہاتھ بھی نہیں پھیرتے بلکہ ان کو نحوست کی علامت خیال کرتے ہیں اور ان کے سائے سے بھی دور بھاگتے ہیں، حتیٰ کہ قریبی رشتہ دار بھی ان سے آنکھیں پھیر لیتے ہیں۔

۱۳؎ ان کی بستی میں، ان کے محلے میں، بلکہ ان کے پڑوس میں کئی لوگ فاقہ کشی کر رہے ہوتے ہیں، لیکن یہ اپنی رنگ رلیوں میں مصروف رہتے ہیں۔ انہیں کبھی ان مسکینوں کی تکلیف کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ نہ وہ خود ان کی طرف دستِ تعاون دراز کرتے ہیں نہ دوسرے خوش حال لوگوں کو اس کی ترغیب دیتے ہیں۔ انسان کا دل ہمدردی کے جذبات سے خالی ہو جائے تو اس کی سنگ دلی کی یہی کیفیت ہوتی ہے۔

۱۴؎ صرف یہی نہیں بلکہ جب کوئی تمہارا قریبی رشتہ دار مر جاتا ہے تو اس کی ساری جائیداد تم خود سمیٹ لینا چاہتے ہو۔ نہ اس کی بیوی کو کچھ دیتے ہو، نہ اس کی بوڑھی ماں کو کچھ ملتا ہے، بلکہ مرنے والے کے یتیم بچوں کو بھی تم بالکل محروم کر دیتے ہو۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں وکان اھل الشرک لا یورثون النساء ولا الصبیان بل یاکلون میراثھم مع میراثھم یعنی مشرکین عورتوں اور بچوں کو ورثہ میں سے کچھ نہ دیتے تھے بلکہ ان کے حصہ کو بھی اپنے حصے کے ساتھ ملا کر ہڑپ کر جاتے تھے۔

لَمًّا: جمعا اصل اللمم فی کلام العرب الجمع یقال لممت الشیء اَلُمُّہ لَمًّا اذا جمعتہ۔ ترجمہ: لمًّا کا معنی ہے جمع کرنا۔ کلام عرب میں لمم کا مادہ اسی مفہوم پر دلالت کرتا ہے۔ جب تو کسی چیز کو جمع کرے اور سمیٹ لے تو تو کہے گا لممت الشیء اَلُمُّہ لَمًّا۔

۱۵؎ مال کی محبت تمہارے رگ وریشہ میں سمائی ہوئی ہے۔ تم حلال وحرام کی تمیز بھی نہیں کرتے۔ جس طرح بن پڑے دولت کو دونوں ہاتھوں سے سمیٹنے میں مصروف رہتے ہو۔ الجم: الکثیر۔ بہت زیادہ۔ رشوت، جوا، سود، لوٹ مار، چوری وقزاقی کسی طرح بھی مال حاصل ہو تم اس پر ٹوٹ پڑتے ہو۔ اگر انسان غور کرے تو مال کی یہ بےجا خواہش ہی ہزاروں خرابیوں کو جنم دیتی ہے۔ اگر لوگوں کے دلوں سے اس کی یہ بے محابا چاہت ختم ہو جائے تو جرائم کا دائرہ بہت محدود ہو جائے اور مظالم کی یہ شدت بھی باقی نہ رہے۔

اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿۲۱﴾ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿۲۲﴾

جب زمین کو کوٹ کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا۔ اور جب آپ کا رب جلوہ فرما ہوگا اور فرشتے قطار در قطار حاضر ہوں گے۔

وَجِایْٓءَ یَوْمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ ۙ یَوْمَئِذٍ یَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ﴿۲۳﴾

اور (سامنے) لائی جائے گی اس دن جہنم۔ اس روز انسان کو سمجھ آئے گی لیکن اس سمجھنے کا کیا فائدہ؟ ۱۶

یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ قَدَّمْتُ لِحَیَاتِیْ ﴿۲۴﴾ فَیَوْمَئِذٍ لَّا یُعَذِّبُ عَذَابَهٗۤ اَحَدٌ ﴿۲۵﴾ وَّلَا یُوْثِقُ وَثَاقَهٗۤ اَحَدٌ ﴿۲۶﴾

(اس دن) کہے گا کاش! میں نے (کچھ) آگے بھیجا ہوتا اپنی (اس) زندگی کے لیے ۱۷ پس اس دن اللہ کے عذاب کی طرح کوئی عذاب دے سکے گا اور نہ اس کے باندھنے کی طرح کوئی باندھ سکے گا ۱۸

یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِیْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ﴿۲۸﴾ فَادْخُلِیْ

اے نفس مطمئن ۱۹ واپس چلو اپنے رب کی طرف ۲۰ اس حال میں کہ تو اس سے راضی (اور) وہ تجھ سے راضی ۲۱ پس شامل ہو جاؤ

یہ طریقہ کار صرف زمانہ جاہلیت کے ساتھ ہی مخصوص نہیں۔ آج بھی اکثر لوگ جن کو اسلام کے بتائے ہوئے نظریات پر پورا یقین نہیں وہ سب اسی چکر میں سرگرداں ہیں۔ اس کے بغیر نجات کی کوئی راہ نہیں کہ لوگوں کے سامنے اسلام کا نظریہ حیات دلآویز اسلوب میں پیش کیا جائے تاکہ وہ اشتراکیت اور سرمایہ داری کے سرابوں سے منہ پھیر کر قرآن کے چشمہ صافی و شیریں کی طرف متوجہ ہوں۔

۱۶ جب قیامت برپا ہوگی تو یہ سارا نظام عالم درہم برہم کر دیا جائے گا۔ اس وقت ان غافل انسانوں کی آنکھ کھلے گی اس وقت انہیں پتہ چلے گا کہ اللہ تعالیٰ کے رسولوں نے جو بتایا تھا وہی حق تھا۔ جو قرآن نے دعوت تھی اسی میں ان کی فلاح دارین کا راز مضمر تھا لیکن اس روز ان کا یہ سمجھنا ان کے کسی کام نہ آئے گا اور انہیں اپنے کیے کی سزا بھگتنی پڑے گی۔

۱۷ اس روز انسان کف افسوس ملے گا اور کہے گا کاش! میں نے آج کے دن کے لیے اس نہ ختم ہونے والی زندگی کے لیے کچھ توشہ فراہم کیا ہوتا۔ کاش! آج میں تہی دست نہ ہوتا۔

۱۸ اس روز اللہ تعالیٰ کی گرفت بڑی سخت ہوگی اور اسے آہنی زنجیروں میں جکڑ دیا جائے گا۔

۱۹ کفار و منکرین کے حسرت ناک انجام کے ذکر کے بعد اب اپنے مقبول اور محبوب بندوں کا حال بیان کیا جا رہا ہے۔ پہلے آپ یہ سمجھیے کہ نفس مطمئنہ کسے کہتے ہیں۔ علامہ پانی پتی فرماتے ہیں جس طرح مچھلی کو پانی میں سکون اور قرار حاصل ہوتا ہے اسی طرح جس

فِیۡ عِبٰدِیۡ ﴿۲۹﴾ وَ ادۡخُلِیۡ جَنَّتِیۡ ﴿۳۰﴾

میرے (خاص) بندوں میں اور داخل ہو جاؤ میری جنت میں ۲۲ھ

شخص کو اللہ تعالیٰ کی یاد میں سکون و اطمینان نصیب ہوئے نفس مطمئنہ کہیں گے۔ لکھتے ہیں کہ اس اطمینان کا اس وقت تک تصور نہیں کیا جا سکتا جب تک انسان سے صفات رذیلہ دُور نہ ہو جائیں اور یہ اس وقت تک دُور نہیں ہوتیں جب تک انسان اللہ تعالیٰ کی صفات حمیدہ کی تجلیات سے بہرہ ور نہ ہو۔ ان میں وہ فنا ہو جائے اور ان کے ساتھ اس کو بقا نصیب ہو۔ اسی وقت انسان کو ایمان حقیقی نصیب ہوتا ہے اور اسی وقت اسے اطمینان کی دولت ارزانی ہوتی ہے۔

علامہ اسماعیل حقی لکھتے ہیں کہ گھبراہٹ اور اضطراب کے بعد جو سکون ملتا ہے اسے اطمینان کہتے ہیں اور نفس کو سکون تب میسر آتا ہے جب وہ یقین، معرفت اور شہود کی اعلیٰ منزل پر فائز ہو جائے اور یہ مقام ذکر الٰہی کی کثرت اور دوام سے حاصل ہوتا ہے۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔ جب انسان اس مقام پر فائز ہوتا ہے تو پھر اسے "تمکین" سے نوازا جاتا ہے۔ اس کے بعد اسے رد ہونے کا کوئی خطرہ نہیں رہتا۔

علامہ سید شریف جرجانی نے نفس مطمئنہ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

النفس المطمئنة هي التي تنورت بنور القلب حتى تخلّت عن صفاتها الذميمة وتحلّت بالأخلاق الحميدة۔ یعنی نفس مطمئنہ وہ ہے جو نور قلب سے منور ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کی مذموم صفات فنا ہو جاتی ہیں اور وہ اخلاق حمیدہ سے مزین و آراستہ ہو جاتا ہے۔

۲۰ھ ایسے نفس مطمئنہ کو اپنے خطاب دلنواز سے یوں مشرف کیا جائے گا "واپس آجا اپنے رب کے پاس"۔ یعنی وہ مخصوص مقام جہاں وہ اپنے بندوں کو اپنی خصوصی عنایات سے سرفراز کرتا ہے۔ تو اس کی محبت میں آنسو بہاتا رہا، تو اس کے عشق کی آگ میں جلتا رہا اور اس کے سوز فراق میں تڑپتا رہا۔ لے! اب فراق کی طویل رات سحر آشنا ہو رہی ہے۔ دُوریاں سمٹ رہی ہیں، پردے اُٹھ رہے ہیں۔ اپنے بے تاب دل اور بے قرار نگاہوں سمیت حاضر ہو جا!

۲۱ھ اور کس شان سے آ۔ اس کا بیان ان دو کلمات میں فرمایا کہ ڈرتے ہوئے نہیں، گھبراتے ہوئے نہیں، اس خیال سے پریشان ہو کر نہیں کہ جس رب کو راضی کرنے کے لیے تُو نے اپنی زندگی وقف کی وہ راضی بھی ہوا یا نہیں۔ ان خدشات کو، ان وسوسوں کو دل سے نکال کر باہر پھینک دو۔ حریم ناز میں اس شان سے آؤ کہ تم بھی اپنے رب کریم پر راضی اور وہ بندہ نواز بھی تجھ سے راضی۔ کیا بات ہے، کیا کرم ہے۔ کتنی بلند قسمت ہے اس خاکسار بندے کی جس پر یہ عنایت ہوگی۔

۲۲ھ میرے وہ بندے جن پر شیطان کا کوئی مکر کارگر نہ ہوا، جو عمر بھر میرے بنے رہے اور میری خاطر سب جہان سے رُوٹھے رہے، میری بندگی کے بغیر جن کا اور کوئی کام ہی نہ تھا، اے نفس مطمئنہ! تو بھی ان میں داخل ہو جا اور میری وہ جنت جو میری ذاتی اور صفاتی تجلیات کے لیے مخصوص ہے اس میں تشریف لے چل۔ فالدخول في زمرة الخواص هي السعادة الروحية والدخول معهم في الجنات ودرجاتها هي السعادة البدنية (روح البیان) یعنی یہاں دو سعادتوں کا ذکر ہوا۔ ایک خاصانِ بارگاہِ خداوندی کی رفاقت۔ یہ رُوحانی سعادت ہے۔ دوسرا ان کی معیت میں جنت میں دخول، یہ بدنی سعادت ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے رب سے اس روحانی سعادت کے بارے میں التجا کی تھی۔ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ۔ (یوسف آیت ۱۰۱)

حضرت سلیمان علیہ السلام نے بھی بعینہٖ یہی دعا مانگی تھی۔

یہ بشارت کس وقت دی جائے گی۔ بعض علماء کی رائے ہے کہ روزِ محشر جب یہ لوگ قبروں سے اٹھیں گے تو اس وقت انہیں یہ مژدۂ جانفزا سنایا جائے گا۔ بعض کی رائے ہے کہ مرتے وقت یہ بشارت دی جائے گی لیکن علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں۔ ھٰذا یقال لھا عند الاحتضار وفی یوم القیامۃ ایضا یعنی دونوں وقت اسے یہ خوش خبری دی جائے گی۔

یہاں ایک روایت بھی سن لیجیے قال عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اذا توفی العبد المومن ارسل اللہ ملکین وارسل الیہ بتحفۃ من الجنۃ فیقال لھا اُخْرُجِیْ ایتھا النفس المطمئنۃ الی روح وریحان ورب عنک راض۔ الخ

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ جب بندۂ مومن فوت ہونے لگتا ہے اللہ تعالیٰ دو فرشتوں کو اس کی طرف بھیجتا ہے۔ وہ اسے کہتے ہیں اے نفسِ مطمئنہ! اس دارِ فانی سے نکل اور راحت و آرام اور گل پوش وادیوں کی طرف چل اور اپنے اس پروردگار کی طرف چل جو تجھ سے راضی ہے۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت صدیق اکبر بارگاہِ رسالت میں حاضر تھے عرض کرنے لگے کہ یارسول اللہ ما احسن ھٰذا۔ اے اللہ کے رسول یہ کتنی بڑی اچھی بات ہے۔ فقال اما انہ سیقال لک ھٰذا۔ حضورؐ نے فرمایا اے ابوبکر جب تم اس دنیا سے رخصت ہو گے تو تمہیں بھی یہ بشارت دی جائے گی۔ (ابن کثیر)

علامہ ابن کثیر نے حافظ ابن عساکر کے حوالے سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک شخص کو یہ دعا مانگنے کی تلقین فرمائی۔ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال لرجل قل اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ نَفْسًا بِکَ مُطْمَئِنَّةً تُؤْمِنُ بِلِقَائِکَ وَتَرْضٰی بِقَضَائِکَ وَتَقْنَعُ بِعَطَائِکَ۔ اے اللہ تعالیٰ! میں تجھ سے نفسِ مطمئن کا سوال کرتا ہوں جو تیری ملاقات پر ایمان رکھتا ہو جو تیری قضا پر راضی ہو اور جو تیری عطا پر قانع ہو۔

○

الحمد للہ رب العلمین واجمل الصلوات واحسن التسلیمات واکمل البرکات واطیب التحیات علی صاحب المقام المحمود وحامل لواء الحمد سیدنا محمد المبعوث رحمۃ للعلمین وعلی الہ الطیبین الطاھرین وازواجہ الطاھرات امھات المؤمنین وعلی سائر الصحابۃ والتابعین واولیاء امتہ الکاملین وعلماء ملتہ الربانیین وعلینا معھم الی یوم الدین اللھم انی اسئلک نفسا بک مطمئنۃ تؤمن بلقائک وترضی بقضائک وتقنع بعطائک۔

○

تعارف

سُورۃ البَلد

نام : اس سورۂ مبارکہ کا نام "البلد" ہے۔ یہ لفظ اس کی پہلی آیت میں مذکور ہے۔ اس میں ایک رکوع، بیس آیتیں، بیاسی کلمے، تین سو بیس حروف ہیں۔

نزول : یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور اس کی آیات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مکی زندگی کے اس دور میں نازل ہوئی جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے رئیسوں کے گھٹیا کردار کو ہدفِ تنقید بنانا شروع کر دیا تھا۔

مضامین : قسم اُٹھا کر انہیں بتا دیا گیا کہ تمہارا یہ خیال سراپا لغو ہے کہ تم اتنے طاقتور ہو کہ تم پر کسی کا قابو نہیں۔ تم فضول باتوں میں اور جھوٹی نمود کے لیے اپنا روپیہ پانی کی طرح بہاتے ہو اور پھر اس پر اتراتے ہو۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ جس نے تمہیں یہ رزق عطا فرمایا ہے وہ تمہارے اس غلط استعمال سے آگاہ نہیں۔

اسلام دینِ فطرت ہے۔ وہ انسان کے جسمانی اور رُوحانی دونوں فطری تقاضوں کی تکمیل پر یکساں توجہ مبذول کرتا ہے۔ نہ وہ انسان کو مادی لذتوں میں کھو جانے کی اجازت دیتا ہے اور نہ اُن سے کلیتاً قطع تعلق کر کے صرف رُوحانی لطافتوں میں محو ہو جانے کی تلقین کرتا ہے۔ اس سُورت میں اُن اعضاء اور جوارح کا ذکر کرنے کے بعد جو انسان کو اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے لیے مرحمت فرمائے گئے ہیں۔ اُسے تنبیہ کی جا رہی ہے کہ تجھے عقاب کی قوتِ پرواز دی گئی ہے اس سے کام لیتے ہوئے تمہارا فرض ہے کہ اخلاقِ حسنہ کی بلندیوں کو سر کرنے کے لیے پرکشا رہو۔ اس مقصد کے لیے جو اعمالِ حسنہ ناگزیر ہیں اُن کا ذکر بھی کر دیا۔ غلاموں کو آزاد کرنا۔ قحط سالی کے دنوں میں فاقہ زدہ لوگوں کی خوراک کا اہتمام کرنا، یتیموں اور مسکینوں پر شفقت کرنا۔ اس کے ساتھ ساتھ ایمان کے چراغ کو روشن رکھنا خود صبر کرنا اور دوسروں کو صبر اور ہمدردی کی تلقین کرنا یہ وہ اعمال ہیں جن کے ذریعے انسان اپنی منزل پا لیتا ہے لیکن جو غریبوں کی مادی ضروریات کو استطاعت کے باوجود پُورا کرنے کی طرف مائل نہیں ہوتا وہ جہنم کا ایندھن بنے گا۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے

نیو سنٹرل جیل سرگودہا

۷۷-۴-۹

سُوْرَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ عِشْرُوْنَ اٰيَةً

سورۃ البلد مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — اس میں بیس آیات ہیں

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝۱ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝۲ وَوَالِدٍ

میں قسم کھاتا ہوں اس شہر (مکہ) کی۔ درآں حالیکہ آپ بس رہے ہیں اس شہر میں[1] اور قسم کھاتا ہوں

وَّمَا وَلَدَ ۝۳ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ كَبَدٍ ۝۴ اَیَحْسَبُ اَنْ

باپ کی اور اولاد کی[2] بے شک ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں زندگی بسر کرنے کے لیے پیدا کیا ہے[3] کیا وہ خیال کرتا ہے کہ

[1] لا زائدہ ہے اور قسم کو مؤکد کرنے کے لیے مذکور ہوا ہے۔

البلد سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔ یہاں شہر مکہ کی اس حیثیت سے قسم اٹھائی جارہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حبیب محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والثناء اس میں تشریف فرما ہے۔ یہ شہر اگرچہ گوناگوں خوبیوں سے متصف ہے لیکن اس مکین ذی شان کی وجہ سے جو عزت و شرف اس کو حاصل ہوا ہے اس کی شان ہی نرالی ہے۔

وانت حلّ الخ والاجملہ حال ہے مقسم بہ البلد کا۔ علامہ پانی پتی لکھتے ہیں اقسم اللہ سبحانہ بمکۃ مقید ابحلول۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اظہارًا لمزید فضلہا باشرف المتمکن علی فضل لہا فی نفسہا (مظہری) وانت حلّ الخ کے دو مفہوم اور بھی بیان کیے گئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ کفار کی اذیت رسانیوں پر اظہار تعجب کیا جا رہا ہے کہ ویسے تو اس شہر کو یہ لوگ امن کا شہر قرار دیتے ہیں، نہ وہاں کسی جنگلی جانور کو ستاتے ہیں نہ اس کے درختوں اور گھاس کو کاٹتے ہیں۔ ان کے باپ کا قاتل بھی اگر حرم میں پناہ لے لے تو وہ اس پر بھی دست درازی نہیں کرتے لیکن اسی حرم میں ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے رسول کو دکھ دینے اور اذیت پہنچانے کو اپنے لیے حلال سمجھ رکھا ہے اور حضور کو تکلیف دینے سے یہ لوگ باز نہیں آتے۔ دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ کے لیے یہ شہر حلال کر دیا گیا ہے۔ آپ کسی کافر کو قتل کریں یا اس کو سزا دیں آپ اس کے مجاز ہیں۔

[2] والد سے مراد آدم علیہ السلام ہیں اور ما ولد سے مراد آپ کی ساری اولاد ہے۔ اس کی تفسیر میں بھی متعدد اقوال ہیں۔

[3] یہ جواب قسم ہے۔ یعنی ہم نے انسان کی تخلیق اس لیے نہیں کی کہ وہ آرام و آسائش کی زندگی بسر کر کے بزم عالم سے رخصت ہو جائے بلکہ اس کی زندگی کا سفینہ طوفانوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے بنایا گیا ہے۔ خطرات و مصائب اور اس کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ جب اس کا حمل رحم مادر میں قرار پکڑتا ہے تو اس وقت سے ہی طرح طرح کے خطرات اس کے گرد منڈلانے لگتے ہیں۔ ہر لحظہ اس کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔ جب وہ اس دنیا میں قدم رکھتا ہے تو بیماریاں، ناکامیاں، محرومیاں اور منافقین کی مخالفتیں، نفس و شیطان کی ریشہ دوانیاں قدم قدم پر اس کا راستہ روکے کھڑی ہو جاتی ہیں اور اس کی زندگی کے کارواں کو انہی دشوار گزار گھاٹیوں سے گزرنا پڑتا ہے گویا

لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ ۝۵ يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ۝۶

اس پر کسی کا بس نہیں چلے گا ۴ کہتا ہے میں نے ڈھیروں مال فنا کر دیا ۵

اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗۤ اَحَدٌ ۝۷ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۝۸ وَلِسَانًا

کیا وہ خیال کرتا ہے کہ اسے کسی نے نہیں دیکھا ۶ کیا ہم نے نہیں بنائیں اس کے لیے دو آنکھیں ۷ اور ایک زبان

انسان کی زندگی کا مقصد مصیبتوں اور تکلیفوں سے نبرد آزما ہوتا ہے اگر ایسا نہ ہو تو اس میں مضمر امکانی قوتیں اور صلاحیتیں کبھی نشوونما پا سکیں اور یہ قطرہ کبھی دُر شہوار نہ بن سکے۔ الکبد: المشقۃ والشدۃ (المنجد) مشقت اور شدت کو کبد کہتے ہیں۔

۴ اس کے باوجود کہ خطرات و آلام نے اسے چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے اس کے گھمنڈ کا یہ عالم ہے کہ وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس سے بالاتر کوئی ایسی ہستی نہیں جو اس سے بازپرس کر سکے یا جس کے حکم کے سامنے یہ سر جھکانے پر مجبور ہو۔ یہ محض اس کی کم فہمی ہے۔ اس کی بے بسی کی تو یہ کیفیت ہے کہ حادثات کا ایک ریلا اس کا کچومر نکال کر رکھ دے اور اس کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے۔

۵ لُبَدًا: لُبْدَۃٌ کی جمع ہے۔ وہ چیز جس کو ڈھیروں میں جمع کیا جائے۔

دنیادار لوگ اپنی ثروت کی نمائش کے لیے ہزاروں لاکھوں روپے پانی کی طرح بہا دیتے ہیں۔ کبھی کوٹھیاں اور محلات تعمیر کر کے اپنی دولت مندی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے، کبھی کاریں خرید کر اپنی رئیسانہ شان کا اظہار کیا جاتا ہے۔ بڑے بڑے امراء اور افسروں کی ضیافتیں کی جاتی ہیں، شادی بیاہ کے مواقع پر لاکھوں روپے اُڑا دیے جاتے ہیں اور اس چیز کو ہی یہ لوگ اپنے لیے فخر و مباہات کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور اس پر ڈینگیں مارتے ہیں کہ ہم نے ڈھیروں مال خرچ کر دیا۔ ہم نے روپیہ پانی کی طرح بہا دیا۔

۶ اس آیت سے ان کی اس حرکت کی مذمت کی جا رہی ہے کہ یہ لوگ جو کچھ کر رہے ہیں اور جس طرح اپنی دولت لٹا رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی ان حرکتوں کو دیکھ رہا ہے اور ان سے اس فضول خرچی کے بارے میں بازپرس ہوگی کہ تمہارے پڑوس میں صدہا غریب اور مسکین ضروریات زندگی کے لیے ترستے رہے اور تم لوگ اپنی نام و نمود کے لیے دولت کو لٹاتے رہے۔ تمہیں یہ خیال نہ آیا کہ یہ رزق تمہیں اللہ نے دیا ہے اور تم پر یہ فرض تھا کہ تم اس کے حکم کے مطابق اس کو صرف کرتے اور غریبوں اور مسکینوں کی، یتیموں اور بیواؤں کی ضروریات بہم پہنچاتے۔

۷ یہاں ان نعمتوں کا ذکر کیا جا رہا ہے جو اس ناشکر گزار انسان کو عطا کی گئی ہیں۔ اگر وہ ان کی قدر پہچانتا اور ان سے صحیح کام لیتا تو یوں آنکھیں بند کر کے سرکشی کی راہ اختیار نہ کرتا۔ فرمایا ہم نے اس کو دو آنکھیں دی ہیں جن سے وہ اپنے معاشرے کے نشیب و فراز کو پہچان سکتا ہے، ضرورت مند لوگوں تک رسائی حاصل کر سکتا ہے، بے نوا اور بے کس لوگوں کے حالات کو پہچان سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے رزق سے ان کی امداد کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کو زبان دی ہے اور اس کو دو ہونٹ عطا فرمائے ہیں جن کی وجہ سے وہ اپنے مافی الضمیر

وَشَفَتَيْنِ ﴿٩﴾ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ﴿١٠﴾ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴿١١﴾ وَمَآ

اور دو ہونٹ ۔ اور ہم نے دکھادیں اسے دونوں نمایاں راہیں ٭۸ پھر وہ داخل ہی نہیں ہوا (عملِ خیر کی) دشوار گھاٹی میں ٭۹ اور

اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿١٢﴾ فَكُّ رَقَبَةٍ ﴿١٣﴾ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ

کیا آپ سمجھے کہ وہ گھاٹی کیا ہے۔ وہ (غلامی سے) گردن چھڑانا ہے یا کھانا کھلانا ہے بھوک کے دن

مَسْغَبَةٍ ﴿١٤﴾ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ﴿١٥﴾ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿١٦﴾ ثُمَّ

(قحط سالی) میں ۔ یتیم کو جو رشتہ دار ہے ۔ یا خاک نشین مسکین کو ٭۱۰ پھر

صحیح اظہار کر سکتا ہے اور دوسرے لوگوں کو بھی نیکی کی دعوت دے سکتا ہے، غرباء و مساکین کی امداد پر انہیں برانگیختہ کر سکتا ہے۔

٭۸ النجد: الطریق فی ارتفاع۔ بلند سطح پر جو راستہ ہو اس کو نجد کہتے ہیں۔ یعنی ہم نے صرف انسان کو حواس ظاہری اور باطنی ہی عطا نہیں فرمائے بلکہ اپنے پیغمبروں کے ذریعے اس کے سامنے نیکی اور برائی کے راستوں کو واضح کر دیا ہے۔ اسے ارادہ و اختیار کی آزادی دی ہے کہ اب جس راستے کو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے اس پر گامزن ہو جائے۔ قتادہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرمایا کرتے یایہا الناس انما ھما النجدان۔ نجد الخیر و نجد الشر فلم تجعل نجد الشر احب الیک من نجد الخیر (قرطبی) اے لوگو! تمہارے لیے دو راستے ہیں، ایک بھلائی کا راستہ ایک برائی کا راستہ۔ پس تم کیوں برائی کے راستے کو نیکی کے راستے سے زیادہ پسند کرتے ہو۔

٭۹ اقتحم کا معنی ہے بلا سوچے سمجھے اپنے آپ کو کسی چیز میں پھینک دینا۔ الاقتحام الرمی بالنفس فی شیئ من غیر رویۃ۔ جب گھوڑا اپنے سوار کو منہ کے بل گرا دے تو عرب کہتے ہیں تقحم الفرس فارسہ تقحیما علی وجہہ اذا رماہ۔ العقبۃ: المرقی الصعب من الجبال۔ الطریق فی اعلی الجبال۔ (المنجد) دشوار گزار پہاڑی راستہ۔ وہ راستہ جو پہاڑ کی بلندی کی طرف جاتا ہو۔

آیت کا مدعا یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ یہ جھوٹی ناموری حاصل کرنے کے لیے اپنی دولت کریں لٹاتے چاہیے تو یہ تھا کہ جب ان کے سامنے بھلائی اور برائی کے راستے واضح کر دیے گئے تھے تو وہ اس راستے پر چلتے جو حقیقی بلندیوں کی طرف لے جاتا ہے۔ اگرچہ وہ راستہ کٹھن ہے اور اس کو طے کرنا از حد دشوار ہے لیکن جس منزل کی طرف وہ جاتا ہے وہ منزل انسان کی عظمتوں کے شایانِ شان ہے۔ وہاں تک پہنچنے کے لیے ہر قسم کی مشقت کو بطیب خاطر انہیں قبول کرنا چاہیے تھا، لیکن سخت کوشی سے ان کی سہل انگار طبیعت کو کوئی مناسبت نہیں۔ وہ ڈرتے جاتے ہیں، وہ بلندیوں کی طرف پرواز کرنے سے قاصر ہیں۔

٭۱۰ یہاں سے اس کٹھن راستے کی تفصیل بیان کی جا رہی ہے جو انسان کے شایانِ شان ہے۔ فرمایا کرنے کا کام تو یہ تھا کہ وہ کسی غلام کو آزاد کرنے کے لیے اپنا مال خرچ کرتے، کسی رشتہ دار یتیم کو عام قحط سالی کے دنوں میں کھانے پینے کی ضروریات مہیا کرتے یا ایسے مسکین کی طرف دستِ تعاون دراز کرتے جس کو فقر و تنگدستی نے خاک نشین بنا دیا ہے۔ بے شک ان امور میں مال خرچ کرنے سے ان کی شہرت کا

ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا

پھر وہ ایمان والوں سے ہو ⁽¹¹⁾ جو ایک دوسرے کو نصیحت کرتے ہیں صبر کی اور ایک دوسرے کو نصیحت

ڈھکانا بنتا۔ اس طرح اگرچہ ان کی دولت کی نمائش لوگوں کی آنکھیں خیرہ نہ کرتی لیکن ضرورت مندوں کی امداد کر کے، ایک انسان کو غلامی کی زنجیروں سے آزاد کر کے وہ ایسا کام کرتے جس کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی قدر ہے۔

چند مشکل الفاظ۔ مَسْغَبَةٍ : مصدر میمی ہے سغب سے۔ ابوحیان کہتے ہیں کہ عام بھوک کو مسغبة کہتے ہیں۔ امام راغب نے اس کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے ھو الجوع مع التعب۔ بھوک اور تھکن دونوں کے مجموعے کو مسغبة کہتے ہیں۔ یعنی ایسے دنوں میں کھانا کھلانا جب ہر طرف قحط کا دور دورہ ہو، غذائی اجناس بازار میں کمیاب ہوں اور ان کی قیمت گراں ہو جائے۔ ایسی حالت میں اپنے رشتہ دار یتیم کو کھانا کھلانا بڑا نیک عمل ہے۔ ہر یتیم کی امداد کرنا اگرچہ کار ثواب ہے لیکن رشتہ دار یتیم کی اعانت سے دگنا ثواب ملتا ہے۔ کیونکہ صدقہ اور صلہ رحمی دونوں یکجا ہو جاتی ہیں۔ مسکینا ذا متربة ، متربة بھی مصدر میمی ہے یعنی جب وہ اتنا محتاج ہو جائے کہ مٹی کے ساتھ مل جائے۔

یہاں تین چیزیں مذکور ہیں۔ ① عام قحط سالی اور غذائی اجناس کی نایابی کے وقت کھانا کھلانا۔ ② اپنے قریبی رشتہ دار یتیم کو کھانا کھلانا۔ ③ اور ایسے مسکین کو کھانا کھلانا جو خاک نشین ہو۔ اس عمل کو قرآن نے عقبہ کہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب غذائی اجناس کی ارزانی ہو اور ہر چیز سستے داموں خریدی جا سکے اس وقت کسی کو کھانا کھلانا اتنا مشکل نہیں ہوتا جتنا اس وقت ہوتا ہے جبکہ غذائی اجناس گراں اور نایاب ہوں اور انسان کو اپنی فاقہ کشی کا خطرہ بھی لاحق ہو۔ نیز قریبی رشتہ دار کو اگر کھانا کھلایا جائے تو لوگوں کی نگاہوں میں یہ کوئی قابل قدر چیز نہیں ہوگی۔ ہر شخص یہی سمجھے گا کہ اپنے یتیم رشتہ دار کو کھانا کھلایا ہے کسی غیر کو تو نہیں کھلایا۔ اس لیے اس سے وہ شہرت حاصل نہیں ہوتی جو اہل دنیا کے پیش نظر ہوا کرتی ہے۔ نیز وہ لوگ جن کا پیشہ ہی گداگری ہے ان کو اگر آپ کچھ دیں گے تو وہ جگہ جگہ آپ کی فیاضی اور سخاوت کا پرچار کریں گے لیکن وہ مسکین جس میں اٹھنے کی سکت بھی نہیں، جسے سوال کرنے کی عادت بھی نہیں، جس میں اتنی ہمت بھی نہیں کہ وہ کسی کے سامنے حرف مدعا زبان پر لا سکے، ایسے شخص کی جب آپ امداد کریں گے تو وہ اس کو قبول کرے گا، دل سے آپ کا شکر گزار بھی ہوگا لیکن اس میں یہ ہمت ہی نہیں کہ وہ لوگوں کے سامنے آپ کی سخاوت کے گن گا سکے۔ اس لیے ایسے لوگوں پر اتنی ضرورت کے وقت اپنی دولت خرچ کرنا صرف ان لوگوں کا ہی کام ہے جو فقط اللہ تعالیٰ کی رضا کے متمنی ہیں۔ دنیا میں شہرت حاصل کرنے کے خواہش مند لوگ یہاں مال خرچ نہیں کر سکتے۔ وہ تو وہیں کریں گے جہاں ان کی سخاوت کے گن گائے جائیں گے۔

⁽¹¹⁾ یعنی ان تمام اعمال کے ساتھ شرط یہ ہے کہ وہ مومن ہو کیونکہ کوئی عمل ایمان کے بغیر مقبول نہیں۔ فان شرط قبول الطاعة الایمان باللہ۔

ثم کان من الذین اٰمنوا کا معنی علامہ قرطبی نے یہ کیا ہے ای فعل ھذہ الاشیاء وھو مؤمن۔ علامہ قرطبی کہتے ہیں ثُمَّ بمعنی واؤ ہے۔

بِالْمَرْحَمَةِ ﴿۱۷﴾ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ﴿۱۸﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا

کرتے ہیں رحمت کی ۱۲ یہی لوگ دائیں ہاتھ والے ہیں ۱۳ اور جنہوں نے انکار کیا

بِآيَاتِنَا هُمْ أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ﴿۱۹﴾ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ﴿۲۰﴾

ہماری آیتوں کا وہ لوگ بائیں ہاتھ والے ہیں - ان پر آگ چھائی ہوئی ہوگی ۱۴

ع ۱ ۱۵

۱۲ آیت کے ان دو جملوں میں اسلامی معاشرے کی خصوصیتیں بیان کی گئیں کہ ان میں سے ہر فرد دوسرے کو صبر کی تلقین کرتا ہے۔ راہِ حق میں پیش آنے والی مشکلات اور مصائب کو بطیب خاطر گوارا کرنے کی نصیحت کرتا ہے۔ خود تو وہ صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہے لیکن وہ اس پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ وہ چاہتا ہے کہ امت کا ہر فرد صبر کے دامن کو مضبوطی سے پکڑ لے۔ اور دوسری خصوصیت یہ ہے کہ وتواصوا بالمرحمة۔ وہ سنگ دل نہیں ہیں، وہ ایک دوسرے کی تکلیفوں سے بے نیاز نہیں ہیں بلکہ اگر مشرق کے بھائی کے پاؤں میں کانٹا چبھتا ہے تو مغرب میں بسنے والا مسلم بے تاب ہو جاتا ہے۔ ان کا باہمی رشتہ رحمت و شفقت کا ہے۔ آپ خود سوچیے کہ جو قوم ان دو خصوصیتوں سے متصف ہوگی وہ حق کا بول بالا کرنے کے لیے کتنا زبردست کردار ادا کر سکتی ہے۔ انفرادی نیکی بھی نیکی ہے، انفرادی خوبیاں بھی خوبیاں ہیں، لیکن جب تک ان میں اجتماعی اور عمومی رنگ پیدا نہ ہو وہ انسانیت کی تقدیر کو نہیں بدل سکتیں، وہ اس ظلمت کدۂ عالم کو ہدایت کے نور سے منور نہیں کر سکتیں۔ اس لیے اسلام نے مسلمانوں کو انفرادی طور پر نیک، صالح، متقی اور صابر ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی بھی تاکید کی ہے کہ وہ اپنے دوسرے بھائیوں کو بھی اسی رنگ میں رنگنے کی بھرپور کوشش کریں۔

۱۳ یعنی یہ لوگ جن کے سینوں میں ایمان کا چراغ بھی روشن ہے اور جو مذکورہ بالا صفات سے بھی متصف ہیں، یہی وہ خوش نصیب ہیں جن کو ان کے اعمال نامے قیامت کے روز دائیں ہاتھ میں دیے جائیں گے۔

۱۴ جو بدنصیب ان خوبیوں سے محروم ہیں ان کے اعمال نامے ان کے بائیں ہاتھ میں دیے جائیں گے۔ مؤصدة: ای مطبقة، مغلقة۔ جب دروازے کو بالکل بند کر دیا جائے تو اہلِ عرب کہتے ہیں اوصدت الباب ای اغلقتہ۔ یعنی ان کو آگ میں پھینک دیا جائے گا اور دروازے بند کر دیے جائیں گے نکلنے کی کوئی صورت باقی نہ رہے گی۔ اعاذنا اللہ منہا۔

اللھم ارزقنی شہادۃ فی سبیلک وموتا فی بلد حبیبک
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم

تعارف
سُورۃُ الشّمس

نام : اس کا پہلا کلمہ "الشمس" ہی اس کا نام ہے۔ اس میں ایک رکوع، پندرہ آیتیں، چوّن کلمات اور دو سو چھیالیس (۲۴۶) حروف ہیں۔

نزول : یہ باتفاقِ علماء مکہ میں نازل ہوئی۔

مضامین : متعدد قسمیں اٹھانے کے بعد انسان کو اس حقیقت سے خبردار کیا کہ جس حکیم خالق نے اس کو پیدا فرمایا ہے اس کو گرانقدر قابلیتیں عطا کی ہیں اور ان کو استعمال میں لانے کیلئے اعضاء سے نوازا ہے۔ اُس نے اس کی فطرت میں نیک و بد، خیر و شر میں امتیاز کی تخم ریزی کر دی ہے۔ جو شخص اس بیج کی مناسب نگہداشت کرتا ہے۔ اس کی نشوونما پر پُوری توجہ دیتا ہے۔ وہ کامیاب و کامران ہے لیکن جو شخص اپنے لاشعور سے اُبھرنے والی آواز کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھتا کسی بُرائی کے اقدام پر اس کے نہاں خانۂ دل میں جو ہلچل برپا ہوتی ہے اس کی پروا نہیں کرتا اور اپنے نفس کی خواہشات کے ریلے میں تنکوں کی طرح بہتا چلا جاتا ہے، وہ دونوں جہانوں میں خائب و خاسر ہوگا۔ سُورج کے اُجالے میں بھی وہ اندھوں کی طرح بھٹکتا پھرتا ہے۔ قوم ثمود کا تذکرہ تم بار بار سُن چکے ہو۔ ان کے نبی نے ان کے مطالبہ کے مطابق معجزہ دکھایا۔ انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ چٹان پھٹی اور اس سے ایک جیتی جاگتی اونٹنی نمودار ہوگئی لیکن جن کے دل کی آنکھ اندھی تھی انہیں پھر بھی ہدایت نصیب نہ ہوئی۔ بلکہ ان کے ایک بدبخت ترین انسان نے اُس ناقہ کی کونچیں کاٹ کر اللہ کے غضب کو چیلنج کیا۔ خود بھی برباد ہُوا اور اپنی ساری قوم کو بھی برباد کر ڈالا۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا

۹-۴-۷۷

سُورَةُ الشَّمْسِ مَكِّيَّةٌ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ فِيْ خَمْسَ عَشْرَةَ اٰيَةً

سورۃ الشمس مکی ہے ۔ اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ ۔ اس میں پندرہ آیات ہیں

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ۝۱ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ۝۲ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ۝۳

قسم ہے آفتاب کی اور اس کی دھوپ کی اور قسم ہے ماہتاب کی لہ جب وہ غروب آفتاب کے بعد آئے ۲ے اور قسم ہے دن کی جب آفتاب کو روشن کرے ۳ے

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا ۝۴ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا ۝۵ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا ۝۶

اور رات کی جب وہ اسے چھپا لے ۴ے اور قسم ہے آسمان کی اور اسے بنانے والے کی ۵ے اور زمین کی اور اس کو بچھانے والے کی ۶ے

لہ اس سورت کا آغاز متعدد قسموں سے کیا جا رہا ہے تاکہ مخاطب پوری توجہ اور انہماک سے اس کو سنے اس کے مفہوم کو سمجھنے کی کوشش کرے اور جس حقیقت کو اتنی قسمیں کھا کر بیان کیا گیا ہے اس کی اہمیت کا پورا پورا احساس اس کے دل میں پیدا ہو۔ لغت و نحو کے امام مبرد نے ضحیٰ کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کا اصل الضح ہے جس کا معنی ہے آفتاب کی روشنی۔ الضح کی دوسری حاء کو الف سے بدل دیا گیا۔ قال المبرد اصل الضحیٰ من الضح وھو نور الشمس والالف مقلوبۃ عن الحاء الثانیۃ۔ (قرطبی)

ضحاک نے حضرت ابن عباس سے ضحاھا کا یہ معنی نقل کیا ہے۔ عن ابن عباس وضحاھا قال جعل فیھا الضوء وجعلھا حارۃ۔ یعنی ضحیٰ سے سورج کی روشنی اور حرارت دونوں مراد ہیں۔

۲ے تیسری قسم چاند کی کھائی جا رہی ہے جب وہ سورج کے غروب ہونے کے بعد طلوع ہوتا ہے۔ قمری مہینہ کے ابتدائی پندرہ دنوں میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ ادھر سورج غروب ہوتا ہے ادھر چاند نمودار ہو جاتا ہے اور آخری نصف میں چاند پہلے طلوع ہوتا ہے اور سورج اس کے بعد نمودار ہوتا ہے۔

۳ے چوتھی قسم دن کی کھائی جا رہی ہے جب وہ سورج کو روشن کر دیتا ہے۔ یعنی دن جیسے چڑھتا جاتا ہے سورج کی روشنی بھی زیادہ تیز ہوتی جاتی ہے۔ جلّٰھا کی ضمیر منصوب کا مرجع سورج بھی ہو سکتا ہے جس طرح ذکر ہوا اور اس کا مرجع امور غیر مذکورہ بھی ہو سکتے ہیں جیسے زمین، دنیا، ظلمت وغیرہ۔ اس وقت معنی ہو گا قسم ہے دن کی جب وہ ساری زمین کو روشن کر دیتا ہے۔

۴ے گویا جب رات آتی ہے تو سورج کو اپنے اندھیروں میں لپیٹ لیتی ہے۔ زمین کا جو حصہ پہلے سورج کی روشنی میں چمک رہا تھا وہاں رات کی تاریکی پھیل جاتی ہے۔

۵ے ان آیات میں ما مصدریہ بھی ہو سکتا ہے اور ما بمعنی مَنْ بھی ہو سکتا ہے۔ امام حسن بصری، مجاہد اور طبری کا پسندیدہ قول یہ ہے کہ ما بمعنی مَنْ ہے۔ ترجمہ اس کے مطابق کیا گیا ہے۔ باقی رہا یہ شبہ کہ ما کا استعمال بے جان مخلوق اور غیر عاقل اشیاء کے لیے ہوتا ہے یہاں ما سے اللہ تعالیٰ کی ذات کیسے مراد لی جا سکتی ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم میں ما بکثرت مَن کے معنی

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝۷ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝۸ قَدْ

قسم ہے نفس کی اور اس کو درست کرنے والے کی ۷ پھر اس کے دل میں ڈال دیا اس کی نافرمانی اور اس کی پارسائی کو ۸ یقیناً فلاح

میں استعمال ہوا ہے مثلاً فانکحوا ما طاب لکم من النساء ــــــ ولا انتم عابدون ما اعبد۔

۶ طحٰی اور دحٰی دونوں ہم معنی ہیں ای بسطہا من کل جانب۔ یعنی اسے ہر طرف سے کشادہ کر دیا ہے اور بچھا دیا ہے۔

۷ انسان کی ظاہری ساخت، اس کے ظاہری و باطنی حواس، اس میں غور و فکر اور فہم و استنباط کی صلاحیتیں جس علیم و حکیم نے بڑی خوبصورتی اور سلیقہ سے اس میں ودیعت فرمائی ہیں اس ذات کی قسم کھائی جا رہی ہے۔

۸ علامہ ابن منظور الہام کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں اَلْھَمَہ، الابتلاع لَھِمَ الشیئ لَھْمًا و لَھِمًا و تَلَھَّمَہٗ والتھمہ ابتلعہ بمرۃ۔ یکبارگی کسی چیز کو نگل جانا۔ اسی سے الہام مشتق ہے۔ والالہام ما یلقی فی الروع۔ دل میں کسی چیز کو ڈال دینا۔ ان یلقی اللہ فی النفس امرا یبعثہ علی الفعل او الترک۔ (لسان العرب) یعنی اللہ تعالیٰ کا نفس میں ایسا خیال پیدا کر دینا جس کے باعث وہ کسی کام کو کرے یا ترک کرے۔

علامہ راغب اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں الالہام: القاء الشیئ فی الروع ویختص ذلک بما کان من جہۃ اللہ تعالیٰ وجہۃ الملأ الاعلی۔ (المفردات) یعنی الہام، کسی چیز کے دل میں ڈالنے کو کہتے ہیں۔ اور الہام اس خیال کے لیے مخصوص ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو یا ملأ اعلیٰ کی طرف سے ہو۔

آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو نیک و بد، حق و باطل اور صحیح و غلط میں تمیز کرنے کا شعور عطا فرمایا ہے۔ وہ اچھی اور بری چیزوں میں پوری طرح امتیاز کر سکتا ہے۔ اس کا یہ مفہوم بھی بتایا گیا ہے کہ انسان میں نیکی کرنے اور برائی کرنے کی دونوں صلاحیتیں موجود ہیں اب اس کی مرضی کہ وہ نیکی کو پسند کرتا ہے یا برائی کو اختیار کرتا ہے۔ اس سے پہلی سورت میں بھی اس مفہوم کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے وھدینٰہ النجدین۔ اس کے علاوہ متعدد مقامات پر قرآن کریم نے یہ تصریح کی ہے۔ انا ھدینٰہ السبیل اما شاکرا واما کفورا۔ حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے قال قرأ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم فالھمھا فجورھا وتقوٰھا قال اللھم اٰت نفسی تقوٰھا وزکھا انت خیر من زکاھا انت ولیھا ومولاھا۔ (قرطبی) حضور نے اس آیت کو پڑھا اور اس کے بعد یہ دعا مانگی الٰہی! میرے نفس کو اس کا تقویٰ عطا فرما۔ اور تو ہی اس کو پاک فرما، تو بہترین پاک کرنے والا ہے۔ تو ہی اس کا مالک اور مددگار ہے۔

حضرت زید بن ارقم سے مروی ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم یوں دعا مانگا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْکَسَلِ وَالْھَرَمِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ۔

اَللّٰھُمَّ اٰتِ نَفْسِیْ تَقْوٰھَا وَزَکِّھَا اَنْتَ خَیْرُ مَنْ زَکّٰھَا اَنْتَ وَلِیُّھَا وَمَوْلٰھَا۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ قَلْبٍ لَّا یَخْشَعُ وَمِنْ نَفْسٍ لَّا تَشْبَعُ وَعِلْمٍ لَّا یَنْفَعُ وَدَعْوَۃٍ لَّا یُسْتَجَابُ لَھَا۔

حضرت زید فرمایا کرتے کہ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہمیں یہ دعا سکھایا کرتے اور ہم تم کو یہ دعا سکھاتے ہیں۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ﴿۹﴾ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ﴿۱۰﴾ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ

بے شک بامراد ہو گیا جس نے (اپنے) نفس کو پاک کر لیا ۹ اور یقیناً نامراد ہوا جس نے اس کو خاک میں دبا دیا ۱۰ جھٹلایا قوم ثمود نے (اپنے پیغمبر کو)

بِطَغْوٰىهَآ ﴿۱۱﴾ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ﴿۱۲﴾ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ

اپنی سرکشی کے باعث۔ جب اٹھ کھڑا ہوا ان میں سے ایک بڑا بدبخت ۱۱ تو کہا انہیں اللہ کے رسول نے کہ (خبردار رہنا)

(مسند احمد و ابن کثیر)

ترجمہ: الٰہی! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں عاجزی سے، سستی سے، بڑھاپے سے، بزدلی سے، بخل سے اور عذاب قبر سے۔

الٰہی! میرے نفس کو اس کا تقویٰ عطا کر، اس کو پاک کر، تو بہترین پاک کرنے والا ہے، تو ہی اس کا مالک اور مددگار ہے۔

الٰہی! میں تیری پناہ مانگتا ہوں ایسے دل سے جس میں خشوع نہ ہو، ایسے نفس سے جو سیر نہ ہو، ایسے علم سے جو نفع نہ دے اور ایسی دعا سے جو مقبول نہ ہو۔

۹ یہ ہے وہ حقیقت جس کو آشکارا کرنے کے لیے اتنی قسمیں کھائی گئی ہیں۔ فرمایا جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا وہ دونوں جہانوں میں کامیاب و کامران ہو گیا اور جس نے اسے گناہوں کی خاک میں دبا دیا وہ خائب و خاسر ہوا۔ علامہ زمخشری لکھتے ہیں التزكية الانماء والاعلاء والتدسية النقص والاخفاء۔

جو شخص اپنے آپ کو گناہوں سے پاک رکھتا ہے، اپنے آپ کو اخلاق حسنہ سے آراستہ کرتا ہے، اس کی فطرت سلیمہ نشو و نما پاتی ہے، اس کی قوت و توانائی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ ایسا شخص اپنے اندر ایسا عزم اور ہمت محسوس کرتا ہے کہ وہ مشکل سے مشکل کام کرنے کے لیے آمادہ ہو جاتا ہے، راہ میں حائل ہونے والی رکاوٹوں کو وہ پرکاہ کی وقعت نہیں دیتا، نہایت ثابت قدمی سے نیکی کی راہ پر گامزن رہتا ہے اس کی زندگی کا دامن اعمال حسنہ اور روشن کارناموں سے لبریز ہو جاتا ہے۔ اس کی روحانی قوتیں بیدار ہو جاتی ہیں اور آخر کار وہ اس منزل پر فائز ہو جاتا ہے جس کے بارے میں حدیث قدسی میں فرمایا گیا ہے۔ اکون بصره الذی یبصر بہ میں اس کی بینائی بن جاتا ہوں اور وہ مجھ سے دیکھتا ہے الخ۔ جب اس کی ظاہری زندگی رحمتوں اور برکتوں کا مخزن و منبع ہوتی ہے تو آخرت میں اس کی جو عزت افزائی ہو گی اس کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔

۱۰ اس کے برعکس جس نے اپنے نفس کی صلاحیتوں کا گلا گھونٹ دیا، جس نے گناہوں کے ڈھیر کے نیچے اس گوہر یکتا کو دبا دیا اور اس کی قوتوں کا غلط استعمال کر کے ناشکری کی انتہا کر دی، وہ شخص اپنی بدنصیبی اور محرومی کا جتنا بھی ماتم کرے کم ہے۔ قال اهل اللغة الاصل دسسها من التدسيس وهو اخفاء الشيئ في الشيئ فابدلت سينه ياء كما يقال تقضيت الظفار واصله تقضضت الظفار۔ یعنی اہل لغت کہتے ہیں کہ دسّٰها اصل میں دسّسها ہے۔ یہ تدسیس سے مشتق ہے اس کا معنی ہے کسی چیز کو دوسری چیز میں چھپا دینا۔ اس کے آخری سین کو یاء سے بدل دیا گیا جس طرح تقضیت الظفار اصل میں تقضضت الظفار تھا۔ آخری ضاد کو یاء سے

نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ﴿۱۳﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۙ۬ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ

اللہ کی اونٹنی اور اس کی پانی کی باری سے ۱۲؎ پھر بھی انہوں نے جھٹلایا رسول کو اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔ پس ہلاک کر دیا انہیں ان کے

رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ﴿۱۴﴾ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ﴿۱۵﴾

رب نے ان کے گناہِ عظیم کے باعث اور سب کو پیوندِ خاک کر دیا ۱۳؎ اور کوئی ڈر نہیں اللہ کو ان کے تباہ کن انجام کا ۱۴؎

بدل دیا۔

۱۱؎ انسانی تاریخ سے ایک مثال پیش کر کے یہ سمجھایا جا رہا ہے کہ جنہوں نے اپنے نفسوں کو گناہوں کی مٹی کے نیچے دبا دیا وہ خائب وخاسر ہوئے۔ قوم ثمود کے حالات سے اہل عرب بے خبر نہ تھے۔ عذاب الٰہی کی جس بجلی میں ثمود کو بھسم کر دیا گیا تھا اس کی تفصیلات سے بھی وہ بخوبی آگاہ تھے۔ تجارتی سفروں میں بارہا ان کا گزر ان ویران کھنڈروں سے ہوا کرتا جہاں کبھی قوم ثمود بڑے کروفر سے آباد تھی۔ اہل مکہ کو ان کی غلط روش سے باز رکھنے کے لیے ان کی توجہ ثمود کے عبرت ناک انجام کی طرف مبذول کرائی جا رہی ہے۔ انہوں نے بھی اپنے نبی کو جھٹلایا تھا۔ وہ اونٹنی جو ان کی فرمائش کے مطابق حضرت صالح علیہ السلام نے بطور معجزہ پیش کی تھی اور ان کو اچھی طرح متنبہ کیا تھا کہ خبردار! اس اونٹنی کو ہرگز اذیت نہ پہنچانا۔ ایک دن کنویں سے سارا قبیلہ پانی پئے۔ دوسرا دن اس اونٹنی کے لیے مخصوص کر دو۔ اس میں رد و بدل کی کوشش ہرگز نہ کرنا ورنہ خدا کا عذاب تمہیں تہس نہس کر کے رکھ دے گا۔ لیکن غرور و نخوت کی جو شراب انہوں نے پی رکھی تھی اس نے انہیں سرکش و نافرمان بنا دیا تھا۔ اس سرکشی کے باعث انہوں نے اپنے نبی کی ہدایات کی ذرا پروا نہ کی۔ بلکہ ان کو جھٹلانا شروع کر دیا اور اس ناقہ کی کونچیں کاٹ دیں اور اسے ہلاک کر دیا۔ جس شخص نے یہ ظلم ڈھایا اس کا نام قدار بن سالف تھا جو سارے ثمودیوں میں پرلے درجے کا شریر، مفسدہ پرداز اور خبیث النفس تھا۔ لیکن اسے ساری قوم کی تائید حاصل تھی اس لیے ساری قوم کو سزا ملی۔ ضحاک سے مروی ہے کہ ایک دن حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ سے پوچھا: اتدری من اشقی الاولین۔ اے علی! کیا تم جانتے ہو کہ پہلے لوگوں میں سب سے زیادہ بدبخت کون تھا؟ میں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ ورسولہ اعلم کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا ہے۔ حضور نے فرمایا اونٹنی کی کونچیں کاٹنے والا۔ پھر دریافت فرمایا اتدری من اشقی الآخرین کہ بعد میں آنے والوں میں سب سے زیادہ بدبخت کون ہے؟ حضرت علی نے عرض کیا اللہ ورسولہ اعلم۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا قاتلک۔ تیرا قاتل سب سے زیادہ بدبخت ہے۔

۱۲؎ ناقۃ اللّٰہ منصوب ہے جس طرح کہتے ہیں الاسد الاسد۔ اس کا فعل محذوف ہے۔ ای احذروا ناقۃ اللّٰہ۔

۱۳؎ علامہ قرطبی دمدم کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں الدمدمۃ اھلاک باستیصال فدمدم علیھم ای اھلکھم فجعلھم تحت التراب۔ کسی کی جڑ کو اکھیڑ کر تباہ کر دینا کہ اس کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے۔ یعنی ان کو نیست و نابود کر دیا گیا ان کا نام و نشان تک بھی باقی نہ رہا۔

۱۴؎ قوم ثمود اپنے عہدِ عروج میں بڑی نامور قوم تھی۔ دیگر قبائل و اقوام کے ساتھ ان کے دوستانہ مراسم تھے یقیناً انہوں نے باہمی معاہدہ کر رکھا ہوگا کہ اگر کسی قوم پر کوئی تاخت و تاراج کرے تو سب مل کر حملہ آور کا مقابلہ کریں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ثمود جیسی قوم کو تباہ و برباد کر دینے کے نتائج کا مجھے کوئی خوف نہیں۔ ان کے کسی حلیف قبیلہ یا دوست قوم کی یہ مجال نہیں کہ ہم سے ان کی بربادی کا انتقام لے سکے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ان تمام خدشات سے ماوراء ہے۔ اس کی قوت کے سامنے کسی کو دم مارنے کی جرأت نہیں۔ وہ جس کو تباہ و برباد کرنا چاہے کر سکتا ہے۔

ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنكونن من الخاسرين

اللهم صل على حبيبك المكرم وعلى آله واصحابه ومن تبعه وبارك وسلم

تعارف

سُورۃ الّیل

نام : اس سورت کا نام "الّیل" ہے۔ جو اس سورت کا پہلا لفظ ہے۔ اس میں ایک رکوع، اکیس آیتیں، اکہتر کلمے اور تین سو دس حروف ہیں

نزول : یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔

مضامین : اس سورت میں دیگر اہم نکات کے علاوہ ایک نفسیاتی راز سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔ وہ یہ کہ جو انسان اپنے آپ کو نیک اعمال کا عادی بنا لیتا ہے۔ اس کے لیے اچھے کام خواہ کتنے کٹھن اور مشکل ہوں آسان ہو جاتے ہیں۔ لوگوں کے لیے تو اطاعت و تقوی کا راستہ بڑا دشوار گزار اور خاردار ہوتا ہے لیکن وہ شخص اس پر یوں خراماں خراماں گزر جاتا ہے جیسے اس کے راستہ میں اطلس و کمخواب کا فرش بچھا ہو۔ اس کے برعکس جو لوگ برائیوں کے خوگر ہو جاتے ہیں، وہ ان گناہوں میں ایسی کشش اور لذت محسوس کرتے ہیں جو درحقیقت ان کی بربادی، بدنامی اور رسوائی کا باعث ہوتے ہیں۔ وہ ایک شراب کے گھونٹ کے لیے بڑی دریادلی سے اپنی دولت لٹاتے رہتے ہیں۔ جوئے کی ایک بازی پر وہ اپنی بیگمات کی عصمتوں کو داؤ پر لگانے سے بھی باز نہیں آتے۔ اپنے سگے بھائی کے قتل پر بھی نہ انہیں جھجک محسوس ہوتی ہے اور نہ خجالت۔

ارشادِ الٰہی ہے کہ لوگوں کو دعوتِ حق دینا ہم نے اپنے ذمہ کرم پر لیا ہوا ہے لیکن اس کو قبول کرنے پر ہم کسی کو مجبور نہیں کرتے۔ جو چاہے اپنی خوشی سے راہِ حق پر گامزن ہو جائے۔ اور جو چاہے ہلاکت کے گڑھے میں کود جائے۔ اس کو معاوضہ ایسا ہی ملے گا جیسا اس نے اپنی مرضی سے عمل کیے تھے۔ اللہ کے بندے اپنا مال ضرورتمندوں میں رات کی تاریکی میں چھپ چھپ کر بانٹ رہے ہوتے ہیں۔ اس سے ان کا مقصد کسی کے سابقہ احسان کا بدلہ چکانا نہیں ہوتا۔ وہ محض اپنے ربِّ اعلیٰ کو راضی کرنا چاہتے ہیں۔ اور انہیں مبارک ہو۔ یہ گوہرِ مقصود انہیں بخش دیا جائے گا۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا

۹-۴-۷۷

سُورَةُ الَّيْلِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اِحْدٰى وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ لیل مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — اس میں اکیس آیات ہیں

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ﴿١﴾ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ﴿٢﴾ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ

قسم ہے رات کی جب وہ ہر چیز پر چھا جائے اور قسم ہے دن کی جب وہ خوب چمک اٹھے اور اس کی قسم جس نے پیدا کیا نر

وَالْاُنْثٰى ﴿٣﴾ اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ﴿٤﴾ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ﴿٥﴾

اور مادہ کو [1] بے شک تمہاری کوششیں مختلف نوعیت کی ہیں [2] پھر جس نے (راہِ خدا میں) اپنا مال دیا اور (اس سے) ڈرتا رہا

[1] اس سورت کا آغاز بھی متعدد قسمیں کھا کر کیا گیا ہے۔

[2] یہ ان قسموں کا جواب ہے۔

آفتابِ رسالت کے طلوع ہونے سے پہلے ہر طرف کفر و شرک اور جاہلیت کا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ عمیق غاریں اور بلند چوٹیاں سب کی سب تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ سب اہلِ عرب ایک ہی ڈگر پر رواں دواں تھے۔ لیکن حضور کی بعثت نے عرب کے معاشرے کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ دونوں گروہوں کے عقائد و نظریات، افکار و جذبات اور اعمال و کردار میں زمین و آسمان سے بھی زیادہ بُعد تھا۔ ہر گروہ اپنی روش پر پختہ اور اپنی اپنی منزل کی طرف گرم سیر تھا۔ اللہ تعالیٰ قسم اٹھا کر فرماتے ہیں کہ جس طرح رات اور دن، نر اور مادہ الگ الگ ہیں، ہر ایک کی اپنی خصوصیات اور ان کے الگ الگ نتائج ہیں، اسی طرح ان دو گروہوں کے اعمال کی نوعیت بھی جدا جدا ہے۔ ان میں کسی قسم کی یکسانیت نہیں۔ ایک گروہ اپنے خالق و مالک کی بندگی اختیار کیے ہوئے ہے اس کے احکام کی بجاآوری میں کوشاں ہے اور اس کی رضا کا جویا ہے اور دوسرا گروہ معبودانِ باطل کی چوکھٹ پر سجدہ ریز ہے، اپنے نفس کی خواہشات کی تکمیل میں روز و شب مصروف ہے۔ عارضی لذتوں اور فانی جاہ و جلال کے حصول کے علاوہ اس کے پیشِ نظر کوئی منزل نہیں۔ اس بیّن تفاوت کے باوجود ان دو گروہوں کی جدوجہد یکساں نہیں ہو سکتی اور اس پر ایک جیسے نتائج مرتب نہیں ہو سکتے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس حقیقت کو یوں بیان فرمایا ہے الناس غادیان۔ فمبتاعٌ نفسہ فمعتقھا۔ وبائع نفسہ وموبقھا۔ (قرطبی) لوگ جب صبح کرتے ہیں تو ان کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ کچھ لوگ اپنے نفس کو خرید کر اس کو آزاد کر دیتے ہیں اور کچھ لوگ اپنے نفس کو فروخت کر کے اس کو ہلاک کر دیتے ہیں۔

شتّٰی، شتیت کی جمع ہے جس طرح مریض کی جمع مرضٰی۔ یعنی متفرق اور منتشر۔ چاہیے تو یہ تھا کہ ان سعیکم لشتیت ہوتا کہ اسم اور خبر دونوں واحد ہوتے۔ لیکن سعی مسلسل جدوجہد کو کہتے ہیں جو متعدد اعمال و افعال پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس لیے اگرچہ سعی لفظاً واحد ہے لیکن معناً جمع ہے۔ اس کے اس معنی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کی خبر شتّٰی جمع ذکر کی گئی۔

وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۙ﴿۶﴾ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ؕ﴿۷﴾ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ

اور جس نے اچھی بات کی تصدیق کی ۳ تو ہم آسان کر دیں گے اس کے لیے آسان راہ ۴ اور جس نے بخل کیا

۳۔ ان دو گروہوں کی جدوجہد کے چند اہم پہلو ذکر کر کے ان کے باہمی بُعد اور تفاوت کو واضح کیا جا رہا ہے۔ پہلے اس سعادتمند گروہ کی جدوجہد اور سعی پیہم کے اہم پہلوؤں کو ذکر فرمایا جس گروہ نے حضور نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کو صمیم قلب سے قبول کیا، حضور کے دست حق پرست پر ہاتھ رکھ کر اسلام کی بیعت کی اور ہر قیمت پر اللہ تعالیٰ کی توحید کے پرچم کو سربلند کرنے اور سربلند رکھنے کا عزم کیا' فرمایا یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے رزق سے اس کی رضا' اس کے دین کی سربلندی اور اس کے ضرورتمند بندوں کی اعانت کے لیے اپنا مال بصد مسرت خرچ کرتے ہیں۔ اس کو بوجھ نہیں سمجھتے' اس کو تاوان اور چٹی خیال نہیں کرتے بلکہ سب کچھ نثار کر کے شکر ادا کرتے ہیں کہ ان کے رب نے ان کو مال بھی بخشا اور اپنے راستے میں اسے خرچ کرنے کی توفیق بھی مرحمت فرمائی۔ ان کی دوسری خوبی یہ ہے کہ انہوں نے تقویٰ کو اپنا شعار بنا رکھا ہے۔ فرائض و واجبات کی ادائیگی میں بڑے سرگرم ہیں۔ منہیات اور محرمات کے قریب تک نہیں پھٹکتے۔ ان کا ظاہر و باطن تقویٰ کے نور سے جگمگا رہا ہے۔

ان کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول نے جن اچھی چیزوں کی انہیں تعلیم دی ہے ان کی وہ تصدیق کرتے ہیں اور دل سے تسلیم کرتے ہیں کہ یہ باتیں سراسر حق ہیں۔

۴۔ یہ جملہ بڑا توجہ طلب ہے۔ فرمایا جس گروہ میں یہ تین صفات پائی جاتی ہیں ہم ان کے لیے وہ راہ آسان کر دیتے ہیں جو انہیں ابدی فلاح اور حقیقی مسرتوں کی طرف لے جانے والی ہے۔ اس راہ پر چلنے کی لگن ہم ان کے دل میں پیدا کر دیتے ہیں اپنی منزل سے انہیں والہانہ عشق ہو جاتا ہے۔ جو کام لگن اور عشق سے کیا جائے وہ بظاہر کتنا کٹھن کیوں نہ ہو جذبۂ عشق کی برکت سے وہ ذرا مشکل نہیں ہوتا۔ اس راہ کے کانٹے بھی پھولوں سے زیادہ پیارے لگتے ہیں ہر مشکل گھاٹی راہی کو نئی لذتوں سے آشنا کرتی ہے۔ نماز اس کے لیے بوجھ نہیں رہتی بلکہ اس کی روح کی غذا بن جاتی ہے جس کے بغیر اسے قرار نہیں آتا۔ عبادات کی ادائیگی میں اس کو گرانی محسوس نہیں ہوتی بلکہ اسے وہ خوشی و مسرت حاصل ہوتی ہے جس کا اندازہ ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرنے کا شوق نئے نئے بہانے تلاش کرتا ہے اور جب اس کی رضا کے لیے سر کٹانے کا موقع آتا ہے تو اس وقت اس کا ذوق سرفروشی فرشتوں کو بھی محو حیرت کر دیتا ہے۔

اب ذرا آیت کے الفاظ میں غور فرمائیے :

علامہ آلوسی فَسَنُیَسِّرُہٗ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ اصل التیسیر من الیُسر بمعنی السھولۃ۔ لکن أرید التھیئۃ و الاعداد للامر۔ یعنی تیسیر یُسر سے باب تفعیل کا مصدر ہے۔ اس کا اصل معنی آسانی اور سہولت ہے لیکن یہاں اس کا مفہوم یہ ہے کہ کسی کام کے لیے کسی کو مستعد اور تیار کر دینا۔ عرب جب گھوڑے پر زین ڈال کر اور اس کے منہ میں لگام دے کر سواری کے لیے بالکل تیار کر دیتے ہیں تو کہتے ہیں یَسَّرَ الفرس المرکوب إذا أسْرَجھا و ألجمھا۔

علامہ ابن منظور نے بھی لسان العرب میں اس کا یہی مفہوم بتایا ہے اور متعدد احادیث بطور استشہاد پیش کیں۔ ان میں سے ایک

وَاسْتَغْنٰى ﴿٨﴾ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ﴿٩﴾ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ﴿١٠﴾ ط

اور بے پروا بنا رہا۔ اور اچھی بات کو جھٹلایا ۵ تو ہم آسان کر دیں گے اس کے لیے مشکل راہ ۶

آپ بھی سن لیجیے:

فی الحدیث: اعملوا وسددوا وقاربوا فکل میسر لما خلق لہ۔ ای مہیّئا۔ یعنی حضور نے فرمایا کہ نیک اعمال کرو، راست روی اختیار کرو، میانہ روی اختیار کرو۔ ہر شخص جس مقصد کے لیے پیدا کیا گیا اس کی استعداد اس میں رکھ دی گئی ہے۔ چنانچہ علامہ آلوسی اس جملہ کا مفہوم یوں بیان کرتے ہیں فَسَنُهَيِّئُهٗ لِلخصلۃ التی تؤدی الی یسر وراحۃ کدخول الجنۃ ومبادیہ۔ یعنی ہم اس میں اس خصلت کی استعداد پیدا کر دیتے ہیں جو اسے آسانی اور راحت کی طرف لے جاتی ہے جس طرح دخولِ جنت اور اس کے لوازمات وغیرہ۔ یُسرٰی، صفت مؤنث ہے لیکن اس کا موصوف مقدر ہے۔ اعمالِ صالحہ، اخلاقِ حسنہ، رضائے الٰہی، دخولِ جنت سب اس کے موصوف ہو سکتے ہیں۔ ان امور کو آسان اور سہل فرمایا گیا ہے۔ اس لیے بھی کہ جب انسان ان کو حاصل کر لیتا ہے تو اس کو ابدی راحت و آرام نصیب ہو جاتا ہے اور اس لیے بھی کہ وہ اس کی فطرتِ سلیمہ کے عین مطابق ہے۔ جو کام انسان کی فطرت سے ہم آہنگ ہو اس کا کرنا مشکل نہیں ہوتا بلکہ انسان بڑی سہولت سے اس کو انجام دے سکتا ہے۔ مشکل کام تو یہ ہے کہ جب کسی شخص کو اس کی فطرت کے تقاضوں کے خلاف کوئی کام کرنے پر مجبور کیا جائے۔ اسے قدم قدم پر اپنی فطرت سے جنگ کرنا پڑتی ہے۔ اپنے جذبات سے برسرِ پیکار ہونا پڑتا ہے اور اپنے مزاج کی مخالفت کرنا پڑتی ہے اور یہ کام واقعی بڑا کٹھن اور مشکل ہوتا ہے۔

علامہ جوہری نے اس کا معنی وَفَّقَہٗ کیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے فرمانبردار بندوں کو نیک اعمال کی توفیق عطا فرماتا ہے۔

اس میں انسانی نفسیات کا ایک پیچیدہ مسئلہ بھی حل کر دیا گیا۔ بتا دیا گیا کہ جو شخص نیک اعمال کرتا ہے اس میں مزید نیک اعمال کرنے کی قوت اور ہمت پیدا ہو جاتی ہے۔ جب وہ راہِ راست پر گامزن ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے مزید آگے بڑھنے اور بلند ترین منزل پر خیمہ زن ہونے کا شوق مرحمت فرما دیتا ہے جس کے باعث نیک اعمال اس کے لیے بالکل آسان ہو جاتے ہیں۔

۵ اہلِ سعادت کی خصوصیات بیان کرنے کے بعد اب اہلِ شقاوت کی قبیح عادات اور ان پر مرتب ہونے والے ہولناک نتائج و اثرات کا بیان ہو رہا ہے۔

ان کی ایک خصلت یہ ہے کہ راہِ حق میں ایک دمڑی خرچ کرنا بھی ان کے لیے بڑی مصیبت ہے۔ ویسے اپنی نام و نمود کے لیے وہ بے دریغ روپیہ صرف کرتے ہیں، اپنی بزمِ عیش و طرب سجانے کے لیے وہ پانی کی طرح روپیہ بہاتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا نام بلند کرنے کے لیے، دعوتِ اسلام کو کامیاب بنانے کے لیے اگر ان کی دولت کی ضرورت ہو تو ان کو سانپ سونگھ جاتا ہے۔ ایک پائی خرچ کرنے کی توفیق بھی انہیں نصیب نہیں ہوتی۔

ان کی دوسری خصلت یہ ہے کہ ان کی ساری تگ و دو دنیوی شہرت و ناموری حاصل کرنے تک محدود ہوتی ہے۔ انہوں نے اپنے انجام کو بالکل بھلا دیا ہے۔ اپنے رب کو راضی کرنے کا خیال تک بھی کبھی ان کے دل میں نہیں گزرتا۔ گویا وہ اس سے بے نیاز ہیں۔ نہ انہیں

وَمَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهُ إِذَا تَرَدَّىٰ ﴿١١﴾ إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدَىٰ ﴿١٢﴾

اور اس کے کسی کام نہ آئے گا اس کا مال جب وہ ہلاکت (کے گڑھے) میں گرے گا شہ بے شک ہمارے ذمہ کرم پر ہے رہنمائی کرنا شہ

اپنے خدا کی ضرورت ہے نہ اپنے نیک انجام کی کوئی آرزو ہے۔ اگر زیادہ سے زیادہ وہ دولت سمیٹ لیں اور اونچے سے اونچا منصب انہیں مل جائے تو گویا انہوں نے اپنا گوہر مقصود پا لیا۔ ان کی تیسری خصلت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا محبوب رسول جن اعلیٰ اور عمدہ باتوں کی انہیں تعلیم دیتا ہے، جن ابدی صداقتوں اور لازوال سچائیوں سے انہیں آگاہ کرتا ہے وہ ان کی سچائی کو ہرگز تسلیم نہیں کرتے بلکہ ان کو اٹھ جھٹلاتے ہیں ان کی تکذیب کرتے ہیں۔ ان کو غلط ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور صرف کرتے ہیں۔ جب ان کی یہ عادتیں اور خصلتیں ہیں تو آپ خود ہی فیصلہ کر لیں کہ ان کی جدوجہد اور ان پاکبازوں کی جدوجہد کیونکر یکساں ہو سکتی ہیں اور ان کے نتائج ایک جیسے کیونکر ہو سکتے ہیں۔

شہ آخر میں فرمایا کہ جن کی یہ عادات ہوں، جن کا یہ طریقہ کار ہو ان کو یہ سزا دی جاتی ہے کہ ان کے دلوں میں ان کرتوتوں کی محبت پیدا کر دی جاتی ہے جو انہیں کشاں کشاں جہنم کی طرف لے جانے والے ہیں۔ انہیں نیکیوں سے نفرت ہو جاتی ہے گندگی کے کیڑوں کی طرح فسق و فجور کی غلاظتوں میں وہ بڑی خوشی محسوس کرتے ہیں۔ شراب نوشی اور بدکاری سے ان کا لگاؤ اتنا شدید ہو جاتا ہے کہ وہ اپنا مال اور اپنی جائیداد تک ان کی راہ میں ضائع کر دیتے ہیں، اپنی ذاتی عزت اور خاندانی وقار کو بھی خاک میں ملا دیتے ہیں۔ اپنی بیوی کے کانوں کی بالیاں اتار کر بھی وہ دخترِ رز سے اپنا شوق پورا کرتے ہیں۔ چوری کی ایسی لت انہیں پڑتی ہے کہ کوئی سزا انہیں اس سے باز نہیں رکھ سکتی ہر وہ بری چیز جو ان کی تباہی کا باعث ہے اس پر سو جان سے وہ فریفتہ ہو جاتے ہیں۔ انہیں کوئی لاکھ سمجھائے وہ سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

عُسْرٰی صفت مونث ہے۔ اس کا موصوف بھی محذوف ہے۔ اعمال سیئہ، بداخلاقی، جہنم سب اس کے موصوف ہو سکتے ہیں۔ ان کو مشکل کہنے کی یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ جب انسان ان میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اس کی تکلیفوں اور مصیبتوں کی انتہا ہو جاتی ہے اور اس لیے بھی انہیں عُسْرٰی کہا گیا کہ ان کرتوتوں کے کرتے وقت اسے اپنی فطرت سے، اپنے مزاج سے جنگ لڑنی پڑتی ہے۔ قدم قدم پر اس کی فطرتِ سلیمہ صدائے احتجاج بلند کرتی ہے۔ اس کا ضمیر اس کو بری طرح ملامت کرتا ہے۔ اس کے باوجود اس کا گناہوں میں مگن رہنا بڑا کٹھن اور دشوار کام ہے۔

اس حقیقت کو قرآن کریم میں متعدد مقامات پر مختلف اسالیب سے بیان فرمایا گیا۔ سورۂ انعام کی ایک آیت ملاحظہ فرمایئے فَمَنْ يُرِدِ اللّٰهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ وَمَنْ يُرِدْ أَنْ يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا كَأَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَاءِ۔ (ترجمہ) اور جس خوش نصیب کے لیے اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے کہ ہدایت دے کشادہ فرما دیتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے اور جس بدنصیب کے لیے ارادہ فرماتا ہے کہ اسے گمراہ کر دے تو بنا دیتا ہے اس کے سینہ کو تنگ بہت تنگ گویا وہ زبردستی چڑھ رہا ہے آسمان کی طرف۔ (انعام ۱۲۵)

شہ جس مال کی محبت میں آج وہ مارا مارا پھر رہا ہے، جائز و ناجائز، حرام و حلال کے درمیان امتیاز بھی نہیں کرتا جب اسے دھکے دے کر جہنم رسید کیا جائے گا تو یہ مال اس کے کسی کام نہ آئے گا۔ اس وقت وہ بہت چاہے گا کہ اس کی ساری جائیداد لے لی جائے اس کے بدلے

وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى ﴿۱۳﴾ فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ﴿۱۴﴾

یقیناً آخرت اور دنیا کے ہم ہی مالک ہیں۔ پس میں نے خبردار کر دیا ہے تمہیں ایک بھڑکتی آگ سے۔

لَا يَصْلٰىهَآ اِلَّا الْاَشْقَى ﴿۱۵﴾ الَّذِيْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۱۶﴾ وَسَيُجَنَّبُهَا

اس میں نہیں جلے گا مگر وہ انتہائی بدبخت جس نے (نبی کریم کو) جھٹلایا اور (آپ سے) روگردانی کی ۹ اور دور رکھا جائے گا اس سے

الْاَتْقَى ﴿۱۷﴾ الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ﴿۱۸﴾ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ

وہ نہایت پرہیزگار جو دیتا ہے اپنا مال اپنے (دل) کو پاک کرنے کے لیے ۱۰ اور اس پر کسی کا کوئی

مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ﴿۱۹﴾ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ﴿۲۰﴾

احسان نہیں جس کا بدلہ اسے دینا ہو۔ بجز اس کے کہ وہ اپنے برتر پروردگار کی خوشنودی کا طلب گار ہے ۱۱

زیورات لے لیے جائیں، اس کی تجوریوں میں کھنکتے اور چمکتے ہوئے چاندی اور سونے کے سکے سب لے لیے جائیں اور اس کی جان بخشی کر دی جائے لیکن اس روز اس کی کوئی بات نہ سنی جائے گی۔ اس کی سب فریادیں صدا بصحرا ثابت ہوں گی۔ اس کی ساری پیشکشوں کو ٹھکرا دیا جائے گا۔ اذا تردی ای سقط فی جہنم۔

۸ سیدھی راہ دکھانا ہمارا کام ہے اور اس راہ پر چلنا انسان کا کام ہے۔ حق و باطل کو الگ الگ کر دینا ہمارا کام ہے اور باطل کو چھوڑ کر حق کو اختیار کرنا اس کا کام ہے۔

۹ جب ہم نے بروقت انہیں خبردار کر دیا ہے اس کے باوجود جو راہ حق اختیار نہیں کرتا اور غلط راستہ پر چل کر سیدھا جہنم میں جا گرتا ہے تو اس سے زیادہ بدبخت اور شقی کون ہو سکتا ہے۔ یہاں اشقی سے مراد امیہ بن خلف اور اس کے زمرے کے وہ رؤسائے کفر ہیں جنہوں نے دانستہ دعوت حق کو جھٹلایا اور محض عناد اور تعصب کی بنا پر باطل پر اڑے رہے۔

۱۰ ایک طرف اشقی ہے جس کا طریقہ کار حق کی تکذیب اور اسلام سے روگردانی ہے۔ اس کے مد مقابل وہ شخص ہے جو تقویٰ اور پارسائی میں اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہے۔ جو دعوت حق کو کامیاب کرنے کے لیے بصد مسرت اپنا سارا مال و متاع قربان کرنے کے لیے آمادہ ہوتا ہے۔ دونوں کا انجام یکساں نہیں ہو سکتا ہے۔ ان کے انجام میں اتنا ہی بعد ہے جتنا ان کے فکر و عمل میں تفاوت ہے۔

۱۱ اقلیم تقویٰ و پارسائی کا یہ تاجدار اپنا مال جس دریا دلی سے خرچ کر رہا ہے وہ کسی کا احسان اتارنے کے لیے نہیں یا کسی کی نیکی اور حسن سلوک کا صلہ ادا کرنے کے لیے نہیں، اس کی نیت ان تمام آلائشوں سے پاک ہے۔ اس کے پیش نظر فقط ایک ہی مقصد ہے اور اس مقصد کے حصول کے لیے وہ اپنی متاع جان و دل تک قربان کرنے کے لیے بیتاب ہے۔ وہ مقصد فقط اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی ہے۔

وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ﴿٢١﴾

اور وہ ضرور راضی ہو جائے گا۔ اُس سے خوش ہو گا ۱۲؎

حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حلقۂ عقیدت میں داخل ہونے والے سب انہی صفات سے متصف تھے اور ان کی اعلیٰ ترین مثال حضرت صدیق اکبر کے عمل میں ملتی ہے۔ ہجرت سے پہلے وہ اپنی دولت تو مسلم غلاموں اور کنیزوں کو ان کے کافر آقاؤں سے خرید کر آزاد کرنے میں صرف کرتے رہے۔ جب سفرِ ہجرت میں سید المرسلین کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا تو گھر میں جتنا روپیہ تھا ساتھ لے لیا۔ ہجرت کے بعد جہاد کے لیے جب بھی سرمائے کی ضرورت ہوئی تو اس میں سب سے بڑھ کر حصہ لیا۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر اپنے گھر کا سارا اثاثہ اپنے محبوب کے قدموں میں لا کر ڈھیر کر دیا۔ جب حضور نے دریافت کیا کہ ابوبکر! اپنے گھر میں بھی کچھ چھوڑ کر آئے ہو؟ تو عرض کیا آپ کا نام اور آپ کے پروردگار کا نام چھوڑ کر آیا ہوں۔

ان آیات کے شانِ نزول کے بارے میں حضرت ابن عباس سے یہ قول مروی ہے کہ جب حضرت بلال ؓ نے اسلام قبول کر لیا تو ان کے مالک امیہ بن خلف نے ان کو طرح طرح سے ستانا شروع کر دیا۔ ایک روز وہ آپ کو اذیت دے رہا تھا آپ پر غشی طاری تھی۔ اس وقت بھی آپ کی زبان پر احد احد جاری تھا۔ اسی اثنا میں رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا گزر ہوا۔ فرمایا احدٌ ینجیک۔ جس احد کا نام تم لے رہے ہو وہی تمہیں اس ظلم سے نجات دے گا۔ حضورؐ نے صدیق اکبر سے بلال کی کیفیت بیان کی۔ راز دانِ نبوت حضورؐ کے مدعا کو فوراً تاڑ گئے۔ اسی وقت گھر گئے اور نصف سیر سونا لے کر امیہ بن خلف کے پاس پہنچے اور کہا کیا تو بلال کو بیچنا چاہتا ہے؟ اس نے ہاں میں جواب دیا۔ آپ نے منہ مانگی قیمت ادا کر کے انہیں خرید لیا اور آزاد کر دیا۔ اس وقت یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

آپ کے والد ابو قحافہ کو جب علم ہوا کہ ان کا بیٹا ابوبکر کمزور اور نحیف غلاموں اور باندیوں کو خرید کر آزاد کر دیتا ہے تو انہوں نے کہا میرے بیٹے! تم ضعیف اور کمزور لوگوں کو آزاد کرتے ہو۔ اگر تم طاقتور اور بہادر غلاموں کو خرید کر آزاد کرتے تو وہ کسی مشکل کے وقت تمہارے کام آتے۔ آپ نے فرمایا ای ابت انما ارید ما عند اللہ۔ (ابن کثیر) ابا جان میرا اس سے مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی رضا ہے۔

۱۲؎ یرضٰی کا فاعل اللہ تعالیٰ اور صدیق اکبر دونوں ہو سکتے ہیں۔ اگر فاعل اللہ تعالیٰ ہو تو جملہ کا مطلب ہو گا کہ اللہ تعالیٰ ابوبکر پر راضی ہو جائے گا۔ جس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اس نے سب کچھ قربان کر دیا ہے اس کی رضا اس کو حاصل ہو جائے گی۔ اور اگر فاعل ابوبکر صدیق ہوں تو مطلب یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں کا وہ مینہ ابوبکر پر برسائے گا کہ ابوبکر اپنے ربِ کریم کے لطف و کرم اور جود و عطا کو دیکھ کر خوش ہو جائے گا۔

○

اللّٰھم انت ربنا نحن نطلب رضاک فارض عنا برحمتک و بکرمک انک رؤف رحیم۔ وصل وسلم وبارک علی سیدنا ومولانا محمد وعلی اٰلہ واصحابہ اجمعین۔

○

تعارف

سُورۃ وَالضُّحیٰ

نام : اس سورۂ مبارکہ طیبہ کا نام "والضحیٰ" ہے جس سے اس سورت کا آغاز فرمایا جارہا ہے۔ اس میں ایک رکوع، گیارہ آیتیں، چالیس کلمے، ایک سو بہتر حروف ہیں۔

شانِ نزول : کتب تفاسیر میں اس کی شانِ نزول کے بارے میں متعدد روایات درج ہیں میرے نزدیک روایت اور درایت کے نقطۂ نظر سے جو قول زیادہ مستند اور قرین قیاس ہے وہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی تفسیر دُرِّ منثور میں ذکر کیا ہے جو پیشِ خدمت ہے :

اخرج احمد وعبد بن حمید والبخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن جریر والطبرانی والبیھقی وابو نعیم معافی الدلائل عن جندب البجلی قال اشتکی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلم یقم لیلتین او ثلاثا فاتتہ امرأۃ فقالت یا محمد ما اری شیطانک الا قد ترکک لم نرہ قربک لیلتین او ثلاثا فانزل اللہ والضحیٰ واللیل اذا سجیٰ ۲/۶ (درمنثور)

ترجمہ : "جندب البجلی سے مروی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحت مبارکہ درست نہ رہی۔ چنانچہ حضور دو یا تین راتیں شب خیزی نہ فرما سکے۔ ایک گستاخ عورت آئی اور حضور کا نام لے کر کہنے لگی کہ مجھے یوں معلوم ہوتا ہے کہ تیرا شیطان تجھے چھوڑ کر چلا گیا ہے۔ ہم نے دو تین رات سے اُسے تمہارے قریب آتے نہیں دیکھا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ سورۂ مبارکہ نازل فرمائی۔"

مضامین : اس کے مضامین کے بارے میں تو آپ آیات کی تشریح کے ضمن میں تفصیلات ملاحظہ فرمائیں گے یہاں مختصراً یہ بات ذہن نشین کر لیجیے کہ ان آیات میں اُن عنایاتِ بے پایاں اور احسانات عظیم کا تذکرہ فرمایا جارہا ہے جو رحمٰن و رحیم رب العلمین نے اپنے محبوب ترین بندے اور رؤف و رحیم رسول پر فرمائیں۔ بعد ازاں اس رحمت للعالمین کو اپنی مخلوق پر ابر رحمت بن کر برسنے کے جو سلیقے اور آداب سکھائے اُن کا ذکر ہو رہا ہے۔ دینے والے کی شانِ کریمی کی کوئی حد نہیں تو لینے والے کے ظرف اور دامن کی وسعت بھی فکر انسانی کی حدود سے ماوریٰ ہے۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا
۷۷-۴-۹

سُوْرَةُ الضُّحٰى مَكِّيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — هِيَ اِحْدٰى عَشْرَةَ اٰيَةً

سورۃ الضحیٰ مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — اس میں گیارہ آیات ہیں

وَالضُّحٰى ﴿۱﴾ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ﴿۲﴾ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ﴿۳﴾ وَ

قسم ہے روزِ روشن کی [1] اور رات کی جب وہ سکون کے ساتھ چھا جائے [2] نہ آپ کے رب نے آپ کو چھوڑا اور نہ ہی وہ ناراض ہوا [3] اور

[1] آیات کی تشریح سے پہلے اس کی شانِ نزول آپ سن لیں۔ سورت کا مفہوم سمجھنے میں آسانی ہو گی۔ شیخین کی روایت کریہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم علالتِ طبع کے باعث دو تین روز سحری کے وقت بیدار ہو کر مصروفِ عبادت نہ ہوئے تو ابولہب کی بیوی اُمِّ جمیل جس کا مکان حضور کے مکان کے پڑوس میں تھا، وہاں آئی اور کہنے لگی مَا اَرٰی شَیْطَانَکَ اِلَّا قَدْ تَرَکَکَ لَمْ اَرَهٗ قَرُبَکَ مُنْذُ لَیْلَتَیْنِ اَوْ ثَلَاثٍ "میں دیکھتی ہوں کہ تمہارے شیطان نے تمہیں چھوڑ دیا ہے۔ دو تین رات سے میں نے اس کو تمہارے نزدیک آتے ہوئے نہیں دیکھا۔" اللہ تعالیٰ نے اس کی اس گستاخی کے جواب میں یہ سورۂ پاک نازل فرمائی۔

دوسری روایت میں یہ مذکور ہے کہ ابتدائے بعثت میں کچھ عرصہ نزولِ وحی کا سلسلہ جاری رہا اور پھر یکدم رک گیا۔ یہ انقطاع بارہ یا پندرہ یا پچیس یا چالیس دن تک باختلافِ روایات برقرار رہا۔ حضور کی طبعِ مبارک پر بہت گراں گزرا۔ وہ کان جو کلامِ الٰہی سننے کے عادی ہو چکے تھے وہ دل جو ارشاداتِ ربانی کا خوگر ہو چکا تھا اس کے لیے یہ بندش ناقابلِ برداشت تھی — نیز کفار نے بھی طعنہ زنی شروع کر دی کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو خدا نے چھوڑ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ناراض ہو گیا ہے۔ اس لیے وحی کا نزول رک گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کے ان خرافات کی تردید قسم اٹھا کر کی اور اپنے محبوبِ کریم کو بھی تسلی دی کہ آپ پریشان نہ ہوں۔ جس طرح دن کی روشنی کے بعد رات کی تاریکی میں گوناگوں حکمتیں ہیں اسی طرح نزولِ وحی اور پھر اس کے بعد انقطاع میں بھی بڑی بڑی حکمتیں مضمر ہیں۔

جب سورج پوری آب و تاب سے چاشت کے وقت چمکنے لگتا ہے اس وقت کو الضُّحٰی کہتے ہیں۔ اس کی لغوی تحقیق سورۃ الشمس میں گزر چکی ہے۔ لیکن علامہ قرطبی اور کئی دیگر مفسرین نے لکھا ہے کہ الضحیٰ کا لفظ رات کے مقابلہ میں ذکر کیا جائے تو اس وقت اس سے مراد سارا دن ہوتا ہے جیسے سورۂ اعراف میں ہے۔ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ۔ اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ۔

ترجمہ: کیا بستی کے باشندے اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب رات کے وقت آئے جب وہ سو رہے ہوں یا کیا بستی کے باشندے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب دن کے وقت آئے جبکہ وہ کھیل رہے ہوں۔

یہاں ضحیٰ سے مراد چاشت کا وقت نہیں بلکہ سارا دن ہے۔

والضحیٰ کے بعد والیل اذا سجیٰ ہے اس لیے یہاں بھی پورے دن کی قسم کھائی جا رہی ہے۔ علامہ ابن منظور کی بھی یہی رائے ہے ای هو النهار كله. (لسان العرب)

[2] جب رات خوب تاریک ہو جائے اور ہر سو آرام و سکون پھیل جائے تو عرب کہتے ہیں سجی اللیل۔ قال الفراء اذا اظلم ورکد فی

وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰی ﴿۴﴾ وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی ﴿۵﴾

یقیناً ہر آنے والی گھڑی آپ کے لیے پہلی سے (بدرجہا) بہتر ہے ۷ اور عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے ۸

ظلمۃ کما یقال بحرٌ ساجٍ ولیلٌ ساجٍ۔ سمندر پُر سکون ہے اور رات پُر سکون ہے۔

حضرت امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ ضحٰی سے مراد وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اور رات سے مراد شبِ معراج ہے۔ (قرطبی)

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر عزیزی کی چند سطور اہلِ شوق و محبت کے مطالعہ کے لیے نقل کر رہا ہوں:

"بعضے از مفسرین چنیں گفتہ اند کہ مراد از ضحٰی روزِ ولادتِ پیغمبر است صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و مراد از لیل شبِ معراج است۔ و بعضے گویند کہ مراد از ضحٰی روئے پیغمبر است صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم و از لیل موئے او کہ در سیاہی ہمچو شب است۔ و بعضے گویند کہ مراد از ضحٰی نورِ علمے است کہ آنجناب را داده بود و بسبب آں پردہ نشینانِ عالمِ غیب منجلی و منکشف گشتند۔ و مراد از شب خُلق عفو او ست کہ عیوبِ امت را پوشید۔ و بعضے گویند کہ مراد از روز علانیہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم است یعنی احوالِ ظاہرہ آنجناب ست کہ خلق بر آں مطلع شد و مراد از شب سرِ آنجناب یعنی احوالِ باطن او کہ غیر از علام الغیوب کسے بر آں مطلع نیست۔"

ترجمہ: بعض مفسرین نے کہا ہے کہ ضحٰی سے مراد حضور کی ولادتِ باسعادت کا دن اور لیل سے شبِ معراج مراد ہے۔ اور بعض فرماتے ہیں کہ ضحٰی سے مراد حضور کا رُخِ انور ہے اور لیل سے زلفِ عنبریں۔ اور بعض نے فرمایا کہ ضحٰی سے مراد نورِ علم ہے جو آنجناب کو دیا گیا تھا جس کے سبب عالمِ غیب کے مخفی اسرار بے نقاب اور منکشف ہو گئے اور لیل سے مراد حضور کا عفو و درگزر کا خُلق ہے جس نے امت کے عیبوں کو ڈھانپ دیا۔ بعض علما کا ارشاد ہے کہ دن سے مراد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ظاہری احوال ہیں جن سے مخلوق آگاہ ہے اور رات سے مراد حضور کے احوالِ باطن ہیں جن کو علام الغیوب کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔

۳؎ روشن دن اور تاریک اور پُر سکون رات کی قسم کھا کر کفار کے اعتراضات اور مطاعن کی تردید فرمائی اور ساتھ ہی اپنے حبیب کی دلبری کر دی کہ اے محبوب! آپ کے پروردگار نے نہ تو آپ کو چھوڑا ہے اور نہ وہ آپ سے ناراض ہوا ہے بلکہ وحی کے نزول میں بھی اس کی حکمت تھی اور اس کے انقطاع میں بھی کئی حکمتیں مضمر ہیں۔

۴؎ فرمایا بلکہ آپ پر آپ کے رب کے لطف و کرم اور انعام و احسان کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہے گا۔ ہر آنے والی ساعت گزری ہوئی ساعت سے، ہر آنے والی گھڑی گزری ہوئی گھڑیوں سے، ہر آنے والی حالت گزشتہ حالات سے اعلیٰ سے اعلیٰ، بہتر سے بہتر اور ارفع سے ارفع ہو گی۔ اس ایک جملہ سے کفار کے طعن و تشنیع اور الزام تراشیوں کا سدِّ باب بھی ہو گیا اور اسلام کے درخشاں مستقبل کے بارے میں نویدِ جانفزا بھی سنا دی۔

دعوتِ اسلام کے ابتدائی دور کا تصور کیجیے جس میں یہ سورت نازل ہوئی۔ گنتی کے چند افراد نے اس دینِ حق کو قبول کیا تھا۔ باقی تمام اہلِ مکہ حضور کے خون کے پیاسے تھے۔ انہوں نے عزمِ مصمم کر لیا تھا کہ اسلام کے چراغ کو بجھا کر رہیں گے۔ توحید کا یہ گلشن جو مصطفیٰ نے لگایا ہے

دیں اس کا ایک ایک پودا جڑ سے اکھیڑ پھینکیں گے۔ اس وقت کون یہ خیال کر سکتا تھا کہ یہ دین چند سالوں میں اتنی ترقی کر جائے گا کہ سارا جزیرۂ عرب اس کے نور سے جگمگانے لگے گا۔ اس نبی مکرم کو اللہ تعالیٰ وہ عزت و سروری اور شانِ محبوبی عطا فرمائے گا کہ آج جو خون کے پیاسے ہیں کل اشارۂ ابرو پر اپنی جانیں قربان کرنا سعادت سمجھیں گے اور حضور کے وضو کا پانی نیچے نہیں گرنے دیں گے اس کو اپنے چہروں اور سینوں پر مل لیں گے۔

قال ابن عباس أن النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم ما يفتح الله على امته بعده فسر بذلك ونزل جبرئيل بقوله والآخرة خير لك من الاولى یعنی حضور کے بعد امت جو فتوحات کرے گی وہ سب کی سب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دکھائی گئیں جسے دیکھ کر حضور بہت مسرور ہوئے۔ اسی وقت جبرئیل یہ آیت لے کر نازل ہوئے والآخرة خير لك من الاولى۔ یعنی ہماری نوازشات صرف ان فتوحات ہی میں منحصر نہیں بلکہ آپ کی ہر آنے والی شان پہلی شان سے اعلیٰ و بالا ہوگی۔

۵۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اسلام کی اشاعت و ترقی کے لیے ہر وقت فکر مند رہا کرتے۔ دینِ حق کی سربلندی کے لیے حضور نے اپنی تمام قوتیں اور کوششیں مرکوز کر رکھی تھیں۔ ایک لمحہ بھی بیس سے دگزرتا تھا۔ اپنی امت کی بخشش و مغفرت کا خیال ہر وقت مضطرب رکھتا تھا۔ ان تمام تفکرات اور اضطرابات کو یہ فرما کر دور کر دیا کہ آپ کا رب اپنے لطف و کرم کا آپ پر وہ مینہ برسائے گا کہ آپ کا قلبِ مبارک خورسند و مسرور ہو جائے گا۔ علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: هو عدة كريمة شاملة لما اعطاه الله تعالیٰ عز وجل في الدنيا من كمال النفس وعلوم الاولين والآخرين وظهور الامر واعلاء الدين بالفتوح الواقعة في عصره صلى الله تعالیٰ عليه وسلم وفي ايام خلفائه عليه الصلوٰة والسلام وغيرهم من الملوك الاسلامية وفشو الدعوة والاسلام في مشارق الارض ومغاربها ولما ادخر جل وعلا له عليه الصلوٰة والسلام في الآخرة من الكرامات التي لا يعلمها الا هو جل جلاله وعم نواله۔

ترجمہ: یہ اللہ تعالیٰ کا کریمانہ وعدہ ہے جو ان تمام عطیات کو شامل ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے حضور کو دنیا میں سرفراز فرمایا یعنی کمالِ نفس، اولین و آخرین کے علوم، اسلام کا غلبہ، دین کی سربلندی، ان فتوحات کے باعث جو عہدِ رسالت میں ہوئیں اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں ہوئیں یا دوسرے مسلمان بادشاہوں نے حاصل کیں اور اسلام کا دنیا کے مشارق و مغارب میں پھیل جانا نیز یہ وعدہ ان عنایات اور عزت افزائیوں کو بھی شامل ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبِ مکرم کے لیے آخرت کے لیے محفوظ رکھی ہیں جن کی حقیقت اور نہایت کو اللہ تعالیٰ کے بغیر اور کوئی نہیں جان سکتا۔

علامہ آلوسی نے یہاں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک روایت نقل کی ہے۔

حرب بن شریح کہتے ہیں کہ میں نے امام مذکور سے پوچھا کہ جس شفاعت کا ذکر اہلِ عراق کیا کرتے ہیں کیا یہ حق ہے؟ آپ نے فرمایا بخدا حق ہے۔ مجھے محمد بن حنفیہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی۔ ان رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم قال اشفع لامتي حتى ينادي ربي أرضيت يا محمد فاقول نعم يا رب رضيت۔

حضرت سیدنا علی سے مروی ہے کہ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں اپنی امت کے لیے شفاعت کرتا رہوں گا یہاں تک کہ میرا رب مجھے ندا کرے گا اور پوچھے گا یا محمد کیا آپ راضی ہو گئے؟ میں عرض کروں گا ہاں میرے پروردگار میں راضی ہو گیا۔

اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰى ۪ ﴿۶﴾ وَ وَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۪ ﴿۷﴾ وَ

کیا اس نے نہیں پایا آپ کو یتیم پھر (اپنی آغوش رحمت میں) جگہ دی ؎ اور آپ کو اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو منزل مقصود تک پہنچا دیا ؎ اور

اس کے بعد امام باقر نے اس شخص سے کہا کہ اے اہل عراق تم یہ کہتے ہو کہ قرآن کریم کی سب سے امید افزا آیت یہ ہے: یٰعبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا۔ لیکن ہم اہل بیت یہ کہتے ہیں کہ کتاب الٰہی میں سب سے زیادہ امید افزا آیت یہ ہے ولسوف یعطیک ربک فترضٰی۔

امام مسلم نے اپنی صحیح میں یہ حدیث نقل کی ہے: عن ابن عمر انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تلا قول اللہ تعالیٰ فی ابراھیم علیہ السلام فمن تبعنی فانہ منی وقولہ تعالیٰ فی عیسیٰ ان تعذبھم فانھم عبادک الآیۃ فرفع علیہ السلام یدیہ وقال اللھم امتی امتی وبکی۔ وقال اللہ تعالیٰ یا جبرئیل اذھب الی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وقل لہ انا سنرضیک فی امتک ولا نسوءک۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ ایک روز حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی فمن تبعنی فانہ منی (یعنی جس نے میری پیروی کی وہ میرے گروہ سے ہے) پھر یہ آیت پڑھی جس میں عیسیٰ علیہ السلام نے عرض کی ان تعذبھم الآیۃ (یعنی اگر تو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں) پھر اپنے دونوں مبارک ہاتھوں کو دعا کے لیے اٹھایا اور عرض کی الٰہی میری امت میری امت پھر حضور زار و قطار رونے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل کو حکم دیا کہ فوراً میرے حبیب کے پاس جاؤ اور اسے جا کر یہ پیغام پہنچاؤ کہ ہم آپ کو آپ کی امت کے معاملہ میں راضی کریں گے اور کبھی آپ کو پریشان نہیں کریں گے۔

یہاں رب کی اضافت اس ضمیر کی طرف ہے جس کا مرجع حضور کی ذات ہے۔ اس میں لطف و محبت کا جو اظہار کیا گیا ہے وہ ارباب ذوق سے مخفی نہیں۔

؎ وہ لطف و کرم جس سے اللہ تعالیٰ اپنے حبیب مکرم کو نوازنے والا ہے اس کے ذکر کے بعد اب ان انعامات و احسانات کو بیان فرمایا جا رہا ہے جن سے آپ کو اس سے پہلے سرفراز کیا جا چکا ہے تاکہ قلب مبارک کی تسکین و مسرت کا باعث ہو۔ اس لیے اس جملہ کو الگ مستقلاً ذکر کیا گیا۔

اس آیت میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام شکم مادر میں ہی تھے کہ والد ماجد کا سایہ اٹھ گیا۔ پیدا ہوئے تو یتیم تھے، لیکن والدہ ماجدہ نے انتہائی محبت و پیار سے پروان چڑھایا۔ عمر شریف چھ سال کی ہوئی تو والدہ ماجدہ بھی دار البقاء کو سدھاریں تو آپ کی پرورش کی خدمت آپ کے دادا حضرت عبد المطلب نے سنبھالی۔ آٹھ سال کی عمر میں جد محترم بھی داغ مفارقت دے گئے تو یہ سعادت حضور کے حقیقی اور شفیق چچا جناب ابو طالب کے سپرد ہوئی۔ انہوں نے تا دم واپسیں اس خدمت کو اس حسن و خوبی سے انجام دیا کہ اس کی مثال پیش نہیں کی جا سکتی۔ ویسے تو ہر ماں اپنے لخت جگر پر سو جان سے قربان ہوتی ہے ہر دادا اپنے متوفی فرزند کے یتیم بچے کو بڑی محبت بھری نگاہوں سے دیکھتا ہے اور چچا کا پیار بھی اپنے فوت شدہ بھائی کے فرزند کے لیے بڑا عمیق ہوتا ہے لیکن یہاں معاملہ ہی بالکل جدا ہے بچپن سے ہی جو علامات سعادت و نجابت وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتی رہیں اس نے ماں، دادا اور چچا کی محبت میں کئی گنا اضافہ کر دیا۔

حضور کی معصومانہ ادائیں اور پاکیزہ اطوار اور نجابت و سعادت کے وہ آثار جو ہر صبح و مسا نمایاں ہوتے رہتے تھے انہوں نے حضور کی محبوبیت میں اتنا اضافہ کر دیا تھا اور آپ کی قدر و منزلت کو ان حضرات کی نگاہوں میں اتنا بلند فرما دیا تھا جو اور کسی بچے کو نصیب نہیں ہو سکتی اور یہ ساری الطاف و لطف الٰہی اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی تھی اس لیے فآویٰ کی نسبت اپنی طرف فرمائی کہ ہم نے اپنی خاص مہربانی سے ان کے دلوں میں حضور کی محبت اور ادب و احترام اور قدر و منزلت پیدا فرما دی۔

علامہ قرطبی نے مجاہد سے ایک اور تفسیر نقل کی ہے قال مجاهد هو من قول العرب دُرَّةٌ يَتِيمَةٌ کہ یہاں یتیم سے مراد در شہوار ہے جو اپنی آب و تاب اور قدر و قیمت میں بے مثال ہو کیا علامہ آلوسی کہتے ہیں والاولیٰ ان یقال الم یجدك واحدا عديم النظير لم يحو مثالك صدف الامكان فآواك اليه وجعلك فى حق اصطفائه کہ بہتر یہ ہے کہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ساری مخلوقات میں یگانہ اور عدیم النظیر پایا، صدف امکان کو آپ جیسا موتی آج تک نصیب نہیں ہوا پس اللہ تعالیٰ نے اپنے آغوش رحمت میں آپ کو پناہ دی۔ (روح المعانی)

ے اس آیت کے ترجمہ میں بڑے بڑے مدعیان علم نے بری طرح ٹھوکر کھائی ہے اس لیے اس کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش فرمائیے ضالّ ضلالت سے اسم فاعل ہے۔ عام طور پر ضلالت کا یہی مفہوم سمجھا جاتا ہے راہ راست سے بھٹک جانا، گمراہ ہونا، عقیدہ و عمل میں غلط راستہ اختیار کرنا۔ علمائے اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ حضور سرور عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام اعلان نبوت سے پہلے بھی اور بعد بھی عقیدہ اور عمل کی ہر گمراہی سے معصوم تھے۔ حضور نے اس مشرکانہ ماحول میں عمر بسر کی لیکن ایک لمحہ کے لیے بھی شرک نہیں کیا۔ زمانہ جاہلیت کی لغویات سے حضور کا دامن ہمیشہ محفوظ رہا۔ تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ عرب معاشرہ جس قسم کی فکری اور عملی گمراہیوں میں مبتلا تھا، حضور علیہ السلام ان سے ہمیشہ بالکل منزہ اور مبرا تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کی سابقہ زندگی کو آپ کی صداقت کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ وَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ (۱۰: ۱۶) میں نے اپنی عمر اس سے پہلے تمہارے درمیان گزاری ہے۔ کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔ سورہ النجم کی اس آیت میں مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ بھی حضور سے عقیدہ اور عمل کی گمراہی کی نفی کی گئی ہے۔ ان آیات کی موجودگی میں تاریخ کی اٹل شہادت کے باوجود یہاں ضالاً کا معنی گمراہ یا بھٹکا ہوا کرنا خود بڑی ضلالت ہے۔ العیاذ باللہ۔

علمائے تفسیر نے اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے بہت سے اقوال بیان کیے ہیں۔ ان میں سے چند آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں:

① ضلالت کا لفظ غفلت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ لَّا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنسَى (طٰہٰ: ۵۲) ای لا یغفل۔ میرا رب نہ کسی چیز سے غافل ہوتا ہے اور نہ کسی چیز کو فراموش کرتا ہے۔ مذکورہ آیت میں ضالاً بمعنی غافل مستعمل ہوا ہے۔ یعنی آپ قرآن اور احکام شرعیہ کو پہلے نہیں جانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن کا علم بھی بخشا اور احکام شرعیہ کی تفصیلات سے بھی آگاہ فرمایا۔ ای لم تکن تدری القرآن والشرائع فهداك الله الى القرآن وشرائع الاسلام۔ ضحاک، شہر بن حوشب وغیرہما سے یہ قول منقول ہے۔ (قرطبی)

② جب پانی دودھ میں ملا دیا جائے اور پانی پر دودھ کی رنگت وغیرہ غالب آجائے تو عرب کہتے ہیں ضل الماء فى اللبن کہ پانی دودھ میں غائب ہو گیا۔ اس استعمال کے مطابق آیت کا معنی ہوگا کنت مغمورا بين الكفار بمكة فقواك الله تعالىٰ حتى اظهر دينه۔

رکیں یعنی آپ مکہ میں کفار کے درمیان گھرے ہوئے تھے پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو قوت عطا فرمائی اور آپ نے اس کے دین کو غالب کیا۔

③ ایسا درخت جو کسی وسیع صحرا میں تنہا کھڑا ہو اور مسافر اس کے ذریعے اپنی منزل کا سراغ لگائیں اس کو بھی عربی میں الضال کہتے ہیں العرب تسمی الشجرة الفريدة فی الفلاة ضالة اس مفہوم کے اعتبار سے آیت کا معنی یہ ہوگا کہ جزیرۂ عرب ایک سنسان ریگستان تھا جس میں کوئی ایسا درخت نہ تھا جس پر ایمان اور عرفان کا پھل لگا ہوا ہو۔ صرف آپ کی ذات جہالت کے اس صحرا میں ایک پھلدار درخت کی مانند تھی پس ہم نے آپ کے ذریعے مخلوق کو ہدایت بخشی۔ رکیں بوفانت شجرة فريدة فی مفازة الجهل فوجدتك ضالا فهديت بك الخلق۔

④ کبھی قوم کے سردار کو خطاب کیا جاتا ہے لیکن اصل مخاطب قوم ہوتی ہے یہاں بھی یہی معنی ہے۔ ای وجد قومك ضالا فهداهم بك۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کو گمراہ پایا اور آپ کے ذریعے ان کو ہدایت بخشی۔ علامہ ابو حیان اندلسی اپنی تفسیر میں اس مقام پر لکھتے ہیں کہ ایک رات خواب میں میں اس آیت کی ترکیب پر غور کر رہا تھا کہ فوراً میرے دل میں یہ خیال آیا کہ یہاں مضاف محذوف ہے۔ اصل میں عبارت یوں ہے۔ ووجد رهطك ضالا فهدايك۔ پھر میں نے کہا کہ جس طرح واسئل القرية اصل میں واسئلوا اهل القرية ہے اور اھل جو مضاف ہے محذوف ہے۔ اسی طرح یہاں بھی رھط مضاف محذوف ہے۔ (البحر المحیط)

⑤ حضرت جنید قدس سرہ سے منقول ہے کہ ضالا کا معنی متحیراً یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن کریم کے بیان میں حیران پایا تو اس کے بیان کی تعلیم فرما دی۔

⑥ امام رازی کہتے ہیں کہ الضلال بمعنی المحبة کما فی قوله تعالیٰ انك فی ضلالك القديم۔ یعنی یہاں ضلال سے مراد محبت ہے جس طرح سورہ یوسف کی اس آیت میں ہے۔ مذکورہ آیت کا معنی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی محبت میں وارفتہ پایا تو ایسی شریعت سے بہرہ ور فرمایا جس کے ذریعہ آپ اپنے محبوب حقیقی کا تقرب حاصل کر سکیں گے۔ علامہ پانی پتی نے اس قول کو یوں الفاظ بیان کیا ہے:

قال بعض الصوفية معناه وجدك محبا عاشقا مفرطا فی الحب والعشق . . . فهداك . . . الی وصل محبوبك حتی كنت قاب قوسين او ادنی۔ یعنی بعض صوفیا فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی محبت اور اپنے عشق میں از حد بڑھا ہوا پایا تو آپ کو اپنے محبوب کے وصال کی طرف رہنمائی کی یہاں تک کہ آپ قاب قوسین او ادنیٰ کے مقام پر فائز ہوئے۔

علامہ آلوسی نے اس آیت کے ضمن میں یہ واقعہ بھی لکھا ہے کہ ایک بار حضور عہد طفولیت میں اپنے دادا جان سے الگ ہو کر مکہ کی گھاٹیوں میں چلے گئے۔ حضرت عبد المطلب نے بہت تلاش کیا لیکن آپ نہ ملے جس سے آپ کی بے چینی بہت بڑھ گئی اور غلاف کعبہ کو پکڑ کر بارگاہ الٰہی میں فریاد کرنی شروع کر دی۔ حضور کسی گھاٹی میں گھوم رہے تھے۔ اسی اثنا میں ابو جہل اپنی اونٹنی پر سوار اپنے ریوڑ کو ہانک کر لا رہا تھا۔ اس نے جب حضور کو دیکھا تو اپنی اونٹنی کو بٹھایا۔ اتر کر حضور کو اٹھایا اور اپنے پیچھے بٹھایا اور خود آگے بیٹھا اور اونٹنی کو اٹھنے کا اشارہ کیا لیکن اونٹنی اٹھنے کا نام ہی نہ لیتی۔ جب بڑی کوشش کے باوجود اس نے جنبش نہ کی تو ابو جہل حیران رہ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اونٹنی کو قوت گویائی بخشی اور اس نے کہا یا احمق هو الامام وكيف يكون خلف المقتدی۔ اے بیوقوف یہ امام ہیں اور امام مقتدی کے پیچھے کھڑا نہیں ہوا کرتا۔ اس نے ناچار آپ کو اٹھا کر آگے بٹھایا تو اونٹنی فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے ذریعے اپنی والدہ تک پہنچایا تھا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس امت کے فرعون ابو جہل کے ذریعے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے جدّ امجد تک پہنچایا۔

وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰىؕ﴿۸﴾ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْؕ﴿۹﴾ وَاَمَّا

اس نے آپ کو حاجت مند پایا تو غنی کر دیا ۸ پس کسی یتیم پر سختی نہ کیجیے ۹ اور جو

۸ عائل کے دو معنی کیے گئے ہیں۔ (۱) المفتقر: تنگدست۔ (۲) ذو عیال: اہل وعیال والا۔ آیت کا مفہوم یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عیال دار پایا کیونکہ ساری امت حضور کی عیال ہے، تو غنی کر دیا یا آپ کو تنگ دست پایا تو غنی کر دیا۔ ظاہری غنی کی تو صورت یہ تھی کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی جان، اپنا سارا مال حاضر کر دیا اور اپنے تمام رشتہ داروں کی موجودگی میں یہ اعلان کر دیا کہ یہ مال اب میرا نہیں بلکہ ان کا ہے۔ چاہے تو انہیں تقسیم کر دیں چاہے اپنے پاس رکھیں۔ ام المؤمنین کے وصال کے بعد حضرت صدیق اکبر نے اپنا سارا مال ومتاع حضور کی خدمت کے لیے وقف کر دیا۔ لیکن حقیقی غنی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے بلاواسطہ ارزانی فرمائی کہ قلب مبارک کو غنی کر دیا اور زمین کے سارے خزانوں کی کنجیاں مرحمت فرما دیں اور کائنات کی ہر چیز کو تابع فرمان فرما دیا۔ ایک دن حضور کاشانہ اقدس میں تشریف لائے۔ مسلسل فاقہ کشی کے باعث شکم مبارک کمر کے ساتھ پیوست ہو گیا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر حضرت عائشہ بے تاب ہو گئیں اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ شکم مبارک کو بوسہ دیا اور عرض کی یا رسول اللہ! اپنے رب سے اتنا تو مانگیے کہ یوں فاقوں کی نوبت تو نہ آئے۔ حضور نے ارشاد فرمایا اے عائشہ! اگر میں چاہوں تو یہ سارے پہاڑ سونے کے بن کر میرے جلو میں چلنا شروع کر دیں۔ لو شئت لسارت معی هٰذہ الجبال ذهبا۔ حضور کا یہ فقر، فقر اضطراری نہ تھا بلکہ فقر اختیاری تھا۔ قاضی محمد سلیمان منصورپوری نے خوب لکھا ہے۔

گزید فقر کہ فرماں روائے ملک ابد ؎

بمشت خاک ندارد ہوائے سلطانی

یعنی حضور نے فقر کو پسند فرمایا کیونکہ جس کو ملک ابد کی سروری بخشی گئی ہو وہ مشت خاک پر حکومت کرنے کی کوئی خواہش نہیں رکھتا۔

۹ آپ یتیم تھے اللہ تعالیٰ نے اپنے آغوش لطف وکرم کو آپ کے لیے کشادہ کر دیا۔ اب دنیا بھر کے یتیموں کے لیے آپ کی بے پایاں شفقت ومحبت کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہنا چاہیے۔ کسی یتیم بے نوا پر سختی کرنا، اس پر غصہ ہونا یا اس سے بے اعتنائی کرنا آپ کو ہرگز زیبا نہیں۔ اس یتیم پرور آقا نے اپنے غلاموں کو بھی یتیم پروری کی بڑی تاکید فرمائی۔ ایک شخص نے بارگاہ رسالت میں اپنی سنگدلی کی شکایت کی۔ حضور نے فرمایا اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارا دل نرم ہو جائے تو یتیم کے سر پر دست شفقت پھیرا کرو اور مسکین کو کھانا کھلایا کرو۔ بخاری شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا انا وکافل الیتیم فی الجنۃ کہاتین واشار بالسبابۃ والوسطیٰ۔ کہ میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں یوں ساتھ ساتھ ہوں گے، پھر اپنی انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کی طرف اشارہ کیا۔

حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ان الیتیم اذا بکی هتز لبکائه عرش الرحمٰن کہ جب یتیم روتا ہے تو خداوند رحمٰن کا عرش لرزنے لگتا ہے۔

السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ﴿۱۰﴾ وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿۱۱﴾

منگنے آئے اس کو مت جھڑکیے ۱۰؎ اور اپنے رب (کریم) کی نعمتوں کا ذکر فرمایا کیجیے ۱۱؎

ع ۱ ۱۱ ۱۸

۱۰؎ سائلوں سے برافروختہ وہ ہوتا ہے جس کو اپنے سرمایہ کے ختم ہوجانے یا کم ہوجانے کا اندیشہ ہو جب آپ کے رب نے آپ کو غنی کردیا ہے تو یہ خزانے کبھی ختم ہونے والے نہیں پھر آپ کسی سائل کو کیوں جھڑکیں یا سائلوں کی کثرت سے تنگ دل کیوں ہوں آپ کو آپ کے رب نے بے شمار دولتیں اور بے حساب نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ آپ انہیں سائل کی استعداد کے مطابق بانٹتے رہیں۔ آپ کے در پر آنے والا کوئی سائل خالی نہ جائے۔

سیرت کی کتب ایسے ان گنت واقعات سے بھری پڑی ہیں جن سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جود و کرم کا اندازہ ہوتا ہے۔ جو سائل در اقدس پر حاضر ہوا اس کی جھولی بھر کر اسے واپس کیا گیا اور آج بھی کشورِ معنی کے اس تاجدار کی سخاوت کی دھوم مچی ہے۔ کوئی آئے، جو چاہے مانگے اسے خالی واپس نہیں کیا جاتا۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے کیا خوب لکھا ہے: "معلوم میشود کہ کارہا ہمہ بدستِ ہمت وکرامتِ اوست ہر چہ خواہد ہر کرا خواہد باذنِ پروردگار خود میدہد۔" (اشعۃ اللمعات اول ص ۳۹۹)

؎ اگر خیریت دنیا و عقبیٰ آرزو داری — بدرگاہش بیا و ہر چہ میخواہی تمنا کن

یعنی معلوم ہوتا ہے کہ سب کے معاملات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دستِ ہمت و کرامت کے سپرد ہیں۔ جو چاہتے ہیں جس کو چاہتے ہیں اپنے پروردگار کے اذن سے عطا فرماتے ہیں۔

امام بخاری نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور نے کبھی کسی سائل کے جواب میں "لا" (نہیں) نہ فرمایا۔

ماقال لا قط الا فی تشہدہ — لو لا التشہد کانت لاءہ نعم

یعنی حضور نے لا کبھی نہیں کہا سوائے کلمۂ شہادت کے۔ اگر یہ کلمۂ شہادت نہ ہوتا تو حضور کی "نہ" بھی ہاں ہوتی۔

ترمذی شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ بحرین سے نوے ہزار درہم آئے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسجد میں ایک چٹائی بچھا کر ان کا ڈھیر لگا دیا۔ نماز فجر ادا کرنے کے بعد ان کو بانٹنا شروع کیا اور ظہر تک ایک درہم بھی باقی نہ رہا جب سب درہم بانٹ دیے گئے تو اتفاقاً ایک سائل آگیا۔ حضور نے فرمایا اب تو کوئی چیز باقی نہیں رہی۔ البتہ تم کسی دکاندار کے پاس چلے جاؤ اور تمہیں جس چیز کی ضرورت ہے اس سے لو اور اسے کہو کہ وہ میرے نام لکھ لے میں اس کی قیمت ادا کر دوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حاضر خدمت تھے۔ عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! آپ اتنی زحمت کیوں گوارا کرتے ہیں کہ قرض لے کر سائل کو دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا مکلف تو نہیں کیا۔ حضور کو یہ بات ناپسند آئی اور رخ انور پر ناگواری کے آثار نمایاں ہوگئے۔ ایک انصاری بھی اس وقت بارگاہ اقدس میں حاضر تھا۔ اس نے عرض کیا انفق ولا تخش من ذی العرش اقلالا۔ اے اللہ کے پیارے رسول! بے دریغ خرچ فرمایا کیجیے اور عرش والے پروردگار سے قلت کا خوف مت کیجیے۔ یہ سن کر حضور خوشی سے ہنس پڑے چہرہ مقدس پھول کی طرح شگفتہ ہوگیا۔ ارشاد فرمایا کہ مرا ہمیں طریق امر فرمودہ اند۔ یعنی میرے رب نے مجھے یہی حکم دیا ہے۔ (تفسیر عزیزی)

ــــلــــہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر جو فضل وکرم فرمائے اس کا ذکر اور اس کا اظہار بھی شکر ہے۔ والتحدث بنعم اللہ و الاعتراف بھا شکر۔ (قرطبی)

اس آیت میں نعمت سے مراد کونسی نعمت ہے؟ علامہ آلوسی فرماتے ہیں والظاھر ان المراد بالنعمۃ ما افاضہ اللہ تعالیٰ علی نبیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم من فنون النعم التی من جملتھا ما تقدم (روح المعانی) یعنی اس نعمت سے مراد وہ گوناگوں نعمتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر فرمائی ہیں جن میں سے چند وہ ہیں جن کا ذکر ابھی ہو چکا ہے۔

چنانچہ سرور کون ومکاں، فخر زمان وزماں، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان انعامات کا ذکر و اظہار اکثر فرمایا کرتے جن سے آپ کے رب کریم نے آپ کو بڑی فیاضی سے نوازا ہے۔ بے شمار احادیث میں سے صرف ایک حدیث سن لیں۔ ایمان تازہ ہو جائے گا۔

عن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم انا سید ولد آدم یوم القیامۃ ولا فخر۔ وبیدی لواء الحمد ولا فخر۔ وما من نبی یومئذ آدم ومن سواہ الا تحت لوائی۔ وانا اول من تنشق عنہ الارض ولا فخر۔ (مشکوٰۃ شریف رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو سعید کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن تمام اولاد آدم کا سردار میں ہوں گا۔ یہ بات میں فخریہ نہیں کہہ رہا بلکہ حقیقت کا اظہار ہے۔ اس روز حمد کا پرچم میرے دست مبارک میں ہوگا۔ یہ بات میں فخریہ نہیں کہہ رہا بلکہ حقیقت کا اظہار ہے۔ اس دن تمام نبی آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ جتنے ہیں سب کو میرے پرچم کے نیچے پناہ ملے گی اور قیامت کے دن سب سے پہلے زمین سے میں باہر آؤں گا۔ یہ بات فخریہ نہیں کہہ رہا بلکہ اظہار حقیقت ہے۔

مولانا ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اس مقام پر لکھتے ہیں:

ومن ھذا القبیل ما قال الشیخ محی الدین عبد القادر رضی اللہ عنہ:

وکل ولی لہ قدم و انی — علی قدم النبی بدر الکمال

وقول قدمی ھذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ۔

یعنی حضرت شیخ محی الدین عبد القادر گیلانی رضی اللہ عنہ کے ارشادات اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہر ولی کا اپنا اپنا مقام ہوتا ہے اور میں حضور کے نقش قدم پر ہوں جو کمالات صوری اور معنوی کے ماہ چہاردہم ہیں۔ نیز آپ کا یہ ارشاد کہ میرا یہ قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے۔

اسی طرح حضرت مجدد صاحب نے اپنے مدارج قرب کا جو ذکر کیا ہے اور اپنے آپ کو مجدد اور قیوم کہا ہے یہ اقوال بھی اسی زمرہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

فمن انکر علی ما قال ائمۃ الرجال فی مثل ھذا المقال فکانہ انکر ھذہ الآیۃ الکریمۃ من اللہ ذی الجلال۔

جو شخص ان ائمہ رجال کے ان ارشادات کا انکار کرتا ہے اور زبان طعن دراز کرتا ہے وہ گویا اللہ تعالیٰ کی اس آیت کا انکار کرتا ہے۔ (مظہری)

ہر نعمت کا شکر واجب ہے اور شکر کا طریقہ یہ ہے کہ اس نعمت کو منعم کی رضا میں صرف کیا جائے۔ نعمت مال کا شکر یہ ہے

کہ وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں خلوص نیت کے ساتھ اسے خرچ کرے۔ صحت کی نعمت کا شکر یہ ہے کہ فرائض کو ادا کرے اور گناہوں سے مجتنب رہے اور علم و عرفان کی نعمت کا شکر یہ ہے کہ جاہلوں کو علم سکھائے اور گم کردہ راہوں کو راہ راست پر گامزن کرے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس سورت کا ایک مجرب خاصہ ذکر فرمایا ہے۔ آپ لکھتے ہیں :

"اگر کوئی چیز گم ہو جائے تو اس سورت کو انسان سات بار پڑھے اور اپنے سر کے اردگرد انگشت شہادت پھیرتا رہے جب سات بار پڑھ چکے تو کہے اصبحت فی امان اللہ و امسیت فی جوار اللہ۔ امسیت فی امان اللہ و اصبحت فی جوار اللہ۔ خوانندہ و تنگ نزنند۔ او رتالی بجائے" (تفسیر عزیزی)

○

الحمد للہ علی حسن توفیقہ

والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین سیدنا و مولانا محمد المبعوث رحمۃ للعٰلمین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

فاطر السمٰوات والارض انت ولی فی الدنیا والاٰخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصالحین۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت التواب الرحیم۔

○

تعارف

سُورۃ الانشراح

نام : اس سورۂ مبارکہ کا نام "الانشراح" ہے جو "الم نشرح" سے باب "انفعال" کا مصدر ہے۔ اس میں ایک رکوع، آٹھ آیتیں، ستائیس کلمے اور ایک سو تین حروف ہیں۔

نزول : اس کا نزول بھی مکہ مکرمہ میں سورۃ "والضحیٰ" کے مابعد ہوا۔

مضامین : نبوت کا بارِ امانت کوئی معمولی بوجھ نہ تھا، یہ وہ کوہ گراں تھا جسے آسمانوں اور پہاڑوں نے بھی اٹھانے سے معذوری ظاہر کر دی تھی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ توحید کا آغاز کیا تو مکہ کی ساری فضا سلگنے لگ گئی۔ لوگوں کے اطوار بدل گئے، ہر چہرہ پر نفرت، ہر آنکھ میں عناد کے شعلے ناچنے لگے۔ ان سراسر ناموافق حالات میں قلبِ نبوت کے لیے راحت و سکون کا اگر کوئی پیغام ہو سکتا تھا تو وہ اس کے کریم پروردگار کا ہی ارشاد ہو سکتا تھا۔ چنانچہ جبرائیل امین حاضر ہوئے اور یہ سورت اپنے ملکوتی اور نورانی ہونٹوں سے تلاوت کر کے سنائی۔ ہر آیت میں ایک عظیم احسان کا مژدہ، ہر آیت میں دلجوئی و بندہ نوازی اپنے جوبن پر ہے۔ جس سے اپنوں نے بھی آنکھیں پھیر لی تھیں، رشتے توڑ لیے تھے، جس کی شمعِ حیات کو بجھانے کے لیے تند آندھیاں امڈ رہی تھیں اس کو یہ بشارت دی جا رہی ہے کہ "وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ" : "اے حبیب پاک ہم نے آپکے ذکر کو بلند فرما دیا ہے۔" عرب کے ریگزاروں میں ہی نہیں، دنیا کے شرق و غرب میں ہی نہیں بلکہ فرازِ عرش پر بھی تیرے ذکر پاک سے بہار کا سماں ہو گا۔ جہاں جہاں خالقِ کائنات کا ذکر ہو گا وہاں وہاں باعثِ تخلیقِ کائنات کے ذکر کے زمزمے بھی فضا میں گونجیں گے۔

بتا دیا کہ یہ کالی رات سحر آشنا ہونے ہی والی ہے۔ مصائب کی گھنگھور گھٹائیں تھوڑی دیر میں چھٹنے والی ہیں۔ وہ دن عنقریب طلوع ہونے والا ہے جب اہلِ نظر تیری راہ میں آنکھیں بچھائیں گے۔ اہلِ دل سو جان سے تیری خاکِ راہ پر تصدق ہوں گے۔ آپ کا کام یہ ہے کہ جوں ہی فریضۂ تبلیغ سے کچھ فراغت ملے تو یادِ الٰہی میں مشغول ہو جایا کریں۔ یہی زندگی کی منزلِ مراد ہے اور اسی منزلِ مراد سے زندگی کو رعنائیاں، دلفریبیاں نصیب ہوتی ہیں اور اسی کے فیض سے زندگی کا دامن سچی مسرتوں سے معمور ہو جاتا ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی جو نعت اور مدحت ان چند آیات میں فرمائی ہے۔ دنیا بھر کے نعت گو اس سے دریوزہ گری کرتے رہیں گے۔

سُوْرَةُ الْاِنْشِرَاحِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ ثَمَانِيْ اٰيَاتٍ

سورۃ الانشراح مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — اس میں آٹھ آیات ہیں

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۙ﴿۱﴾ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۙ﴿۲﴾ الَّذِيْٓ

کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کر دیا ؟ [1] اور ہم نے اتار دیا ہے آپ سے آپ کا بوجھ [2] جس نے

[1] علامہ راغب اصفہانی الشرح کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اصل الشرح بسط اللحم ونحوہ یقال شرحت اللحم وشرحتہ ومنہ شرح الصدر ای بسطہ بنور الٰہی وسکینۃ من جھۃ اللہ وروح منہ۔ (المفردات) یعنی گوشت کاٹنے اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کو الشرح کہتے ہیں۔ اسی سے شرح صدر ماخوذ ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ نور الٰہی سے سینہ کا کشادہ ہو جانا۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے تسکین و طمانیت کا حاصل ہو جانا۔ اس کی طرف سے دل میں مسرت و راحت کا شعور پیدا ہو جانا۔

علامہ سید محمود آلوسی نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ الشرح اصل میں کشادگی اور فراخی کا مفہوم ادا کرتا ہے۔ کسی الجھی ہوئی اور مشکل بات کی توضیح کو بھی شرح کہتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ شرح کے لفظ کا استعمال دلی مسرت اور قلبی خوشی کے لیے بھی ہوتا ہے۔ آخر میں لکھتے ہیں: وقد یراد بہ تایید النفس بقوۃ قدسیۃ وانوار الٰھیۃ بحیث تکون میدانا لمواکب المعلومات وسماء لکواکب الملکات وعرشا لانواع التجلیات وفرشا لسوائم الواردات فلا یشغلہ شان عن شان ویستوی لدیہ یکون وکان وما کان۔ (روح المعانی)

یعنی شرح صدر کا یہ مفہوم بھی لیا جاتا ہے کہ نفس کو قوتِ قدسیہ اور انوارِ الٰہیہ سے اس طرح مؤید کرنا کہ وہ معلومات کے قافلوں کے لیے میدان بن جائے۔ ملکات کے ستاروں کے لیے آسمان بن جائے اور گوناگوں تجلیات کے لیے عرش بن جائے۔ جب کسی کی یہ کیفیت ہوتی ہے تو اس کو ایک حالت، دوسری حالت سے مشغول نہیں کر سکتی۔ اس کے نزدیک مستقبل، حال اور ماضی سب یکساں ہو جاتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں: والانسب بمقام الامتنان ھنا ارادۃ ھذا المعنی الاخیر۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ اپنے احسان کا ذکر فرما رہا ہے اس لیے یہاں شرح صدر کا یہی آخری معنی زیادہ مناسب ہے۔

اس تحقیق کے بعد آیت کی تشریح ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

فالمعنی اَلَمْ نَفْسَحْ صَدْرَكَ حَتّٰی حَوٰی عَالَمَيِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وَجَمَعَ بَيْنَ مَلَكَتَيِ الْاِسْتِفَادَةِ وَالْاِفَادَةِ فَمَا صَدَّكَ الْمُلَابَسَةُ بِالْعَلَائِقِ الْجِسْمَانِيَّةِ عَنِ اقْتِبَاسِ اَنْوَارِ الْمَلَكَاتِ الرُّوْحَانِيَّةِ وَمَا عَاقَكَ التَّعَلُّقُ بِمَصَالِحِ الْخَلْقِ عَنِ الْاِسْتِغْرَاقِ فِيْ شُئُوْنِ الْحَقِّ۔ (روح المعانی)

یعنی آیت کا معنی یہ ہے کہ کیا ہم نے آپ کے سینہ کو کشادہ نہیں کر دیا کہ غیب و شہادت کے دونوں جہاں اس میں سما گئے ہیں۔ استفادہ اور افادہ کی دونوں ملکتیں جمع ہو گئی ہیں۔ علائق جسمانیہ کے ساتھ آپ کی وابستگی ملکاتِ روحانیہ کے انوار کے حصول میں رکاوٹ نہیں۔ خلق کی بہبودی کے ساتھ آپ کا تعلق معرفتِ الٰہی میں استغراق سے رکاوٹ نہیں۔

علامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح کی تفسیر بیان کی ہے۔

مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں:

"اس میں علوم و معارف کے سمندر اتار دیئے اور لوازم نبوت اور فرائض رسالت برداشت کرنے کو بڑا وسیع حوصلہ دیا۔"

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جو علوم و معارف عطا فرمائے امام بوصیری نے قصیدہ بردہ میں یوں بیان کیا ہے۔

~ فَإِنَّ مِنْ جُوْدِكَ الدُّنْيَا وَضَرَّتَهَا وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

ترجمہ: یعنی دنیا اور آخرت دونوں آپ کی جود و کرم کے مظہر ہیں اور لوح و قلم کا علم آپ کے علوم کا ایک حصہ ہے۔

علامہ علی قاری حنفی آخری مصرعہ کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

علمهما ان يكون سطرا من سطور علمه ونهرا من بحور علمه۔ کہ لوح و قلم کا علم آپ کے علم کے دفتر کی ایک سطر ہے اور آپ کے علم کے سمندروں کی ایک نہر ہے۔ (شرح قصیدہ بردہ، ملا علی قاری قلمی کتب خانہ گڑھی افغاناں ضلع اٹک)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ساری زندگی اس آیت کی آئینہ دار ہے۔ حضور نے جس بلند حوصلگی اور اولوالعزمی سے فرائض نبوت کو ادا کیا، جس صبر اور شکر کے ساتھ اس راہ میں آنے والی مشکلات کو برداشت کیا، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے شرح صدر کے بغیر ممکن نہ تھا۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انسانی زندگی کے ہر پہلو کو اپنے علم کے نور سے منور کیا اس کو بھی شرح صدر کی برکت کے بغیر اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

اس آیت کے ضمن میں کئی مفسرین نے شق صدر کی روایات بھی ذکر کیں لیکن علامہ آلوسی لکھتے ہیں حمل الشرح في الآية على ذلك الشق ضعيف من المحققين کہ یہاں جو شرح صدر مذکور ہے اس سے شق صدر مراد لینا محققین کے نزدیک ضعیف ہے۔ البتہ شق صدر کا ثبوت احادیث نبوی سے ہوتا ہے۔

اس آیت میں غور کرنے سے کلیم اور حبیب کے درمیان فرق بھی نمایاں ہو جاتا ہے۔ دونوں کو شرح صدر بخشا گیا لیکن کلیم کو مانگنے پر اور حبیب کو بن مانگے۔ پھر دونوں کے شرح صدر میں بھی زمین و آسمان کا تفاوت ہے۔

۲-۳ یہ دو آیتیں غور طلب ہیں۔ پہلے مشکل الفاظ کی تشریح ملاحظہ فرمائیے:

الوزر: الحمل الثقيل، بارگراں۔ انقض کی تشریح کرتے ہوئے علامہ ابن منظور لکھتے ہیں، أنقض، أثقل ظهره۔ ایسا بوجھ جو پیٹھ کو بوجھل کر دے۔

صاحب قاموس نے أنقض کا ایک اور معنی تحریر کیا ہے یعنی کسی چیز کا لاغر اور دُبلا ہونا۔ قال ابن عرفة: اي اثقله حتى جعله نقضا اي مهزولا وهو الذي اتعبه السفر والعمل ونقض لحمه۔ (تاج العروس) یعنی اس بوجھ نے آپ کی پیٹھ کو دُبلا اور لاغر کر دیا کیونکہ پیہم سفر اور متواتر کام کرنے سے گوشت دُبلا ہو جاتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے "آں بار کہ گراں کردہ بود پشت ترا" یعنی وہ بوجھ جس نے آپ کی پشت کو بوجھل بنا دیا تھا۔ میں نے اسی کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔ ویسے لغت عرب میں جب اونٹ کی پشت پر زیادہ بوجھ لاد دیا جائے

أَنْقَضَ ظَهْرَكَ ﴿۳﴾ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴿٤﴾ فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ

بوجھل کر دیا تھا آپ کی پیٹھ کو۔ اور ہم نے بلند کر دیا ہے آپ کی خاطر آپ کے ذکر کو ۳ پس یقیناً ہر مشکل کے ساتھ

تو اس کی پسلیوں سے ایک قسم کی کڑکڑ کی آواز نکلتی ہے اسے بھی انقض کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

وہ بھاری بوجھ کیا تھا؟ جو پیٹھ کو گراں بار کر رہا تھا اور جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب سے اٹھا لیا۔ علمائے تفسیر نے متعدد اقوال لکھے ہیں۔ ان میں سے دو قول ہی پسندیدہ ہیں:

① اپنی قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھ کر خاطر عاطر کو بہت تکلیف ہوتی تھی۔ ان کا بے جان بتوں کو پوجنا، فسق و فجور میں غرق رہنا، قمار بازی اور شراب نوشی میں اپنی صحت و دولت کو برباد کرنا، غریبوں پر ظلم ڈھانا، ان کے حقوق غصب کرنا، باہمی جنگ و جدال اور قتل و غارت، ان کی اخلاقی پستی، ان کی معاشی بدحالی اور ان کی سیاسی ابتری۔ ان تمام چیزوں کو دیکھ کر حضور کو بہت دکھ ہوتا اور اس صورت حال کو یکسر بدل ڈالنے کے لیے دل ہر وقت مضطرب رہتا ——— اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت پر فائز کیا اور قرآن کریم جیسا صحیفہ رشد و ہدایت عطا فرمایا۔ دین اسلام جیسا جامع اور مکمل نظام حیات مرحمت فرمایا جس سے یہ بوجھ اتر گیا۔ منزل کا تعین بھی ہو گیا اور اس منزل کی طرف لے جانے والا راستہ بھی نور نبوت سے روشن ہو گیا۔

② یا اس بوجھ سے بار نبوت و رسالت مراد ہے۔ ایسے لوگ جو صدہا سال سے معبودان باطل کی پوجا پاٹ میں مشغول تھے، جن کی کئی پشتیں اخلاق آوارگی کی نذر ہو چکی تھیں، ظلم و ستم، لوٹ مار جن کے نزدیک فخر و مباہات کا باعث تھی، ان کو ان پستیوں سے نکال کر توحید، اخلاق حسنہ، نظم و ضبط کی بلندیوں پر لے جانا بڑا جان جوکھوں کا کام تھا۔ اس راستہ میں مشکلات کے فلک بوس پہاڑ سینہ تانے کھڑے تھے اور ناکامیوں کی عمیق غاریں منہ کھولے ہوئے نگل جانے کے لیے بے تاب تھیں۔ اس فرض کی ادائیگی کا احساس دل کو ہر وقت بے چین رکھتا۔ ان کا تعصب و عناد باطل سے چمٹے رہنے پر ان کا احمقانہ اصرار اس بے چینی میں مزید اضافہ کر دیا کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے شرح صدر کی دولت سے مالا مال فرما کر اس بوجھ کو ہلکا کر دیا۔ طبیعت میں قلق و اضطراب کی جگہ صبر و عزیمت نے لے لی۔ اپنی قوم کی بے اعتنائی اور دل آزاریوں پر دل گرفتہ ہونے کے بجائے ہمت و حوصلہ پیدا ہو گیا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تشریح اپنے مخصوص انداز میں فرمائی ہے اور خوب فرمائی ہے:

"آپ کی ہمت عالی اور پیدائشی استعداد جن کمالات و مقامات پر پہنچنے کا تقاضا کرتی تھی قلب مبارک کو جسمانی ترکیب یا انسانی تشویشات کی وجہ سے ان پر فائز ہونا دشوار معلوم ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے جب سینہ کھول دیا اور حوصلہ کشادہ کر دیا، وہ دشواریاں جاتی رہیں اور سب بوجھ ہلکا ہو گیا۔"

۳ ـــ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اتانی جبرئیل علیہ السلام وقال ان ربک یقول اتدری کیف رفعتُ ذکرک قلتُ اللّٰہ تعالیٰ اعلم قال اذا ذُکرتُ ذُکرتَ معی۔

یعنی حضرت جبرئیل میرے پاس آئے اور کہا کہ آپ کا رب کریم پوچھتا ہے کہ آپ جانتے ہیں کہ میں نے آپ کے ذکر کو کس طرح بلند کیا؟ میں نے جواب دیا اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ کے رفع ذکر کی کیفیت یہ ہے کہ جہاں میرا ذکر کیا جائے گا وہاں آپ کا بھی میرے ساتھ ذکر کیا جائے گا۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں: واتی رفع مثل ان قرن اسمہ علیہ الصلوٰۃ والسلام باسمہ عزوجل فی کلمتی الشہادۃ وجعل طاعتہ طاعتہ وصلی علیہ فی ملائکتہ وامر المومنین بالصلوٰۃ علیہ۔ وخاطبہ بالالقاب کیاایھا المدثر، یاایھا المزمل، یاایھا النبی، یاایھا الرسول، وذکرہ سبحانہ فی کتب الاولین واخذ علی الانبیاء علیہم السلام واممہم ان یومنوا بہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

ترجمہ: اور اس سے بڑھ کر رفع ذکر کیا ہو سکتا ہے کہ کلمہ شہادت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نام کے ساتھ اپنے محبوب کا نام ملا دیا۔ حضور کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا۔ ملائکہ کے ساتھ آپ پر درود بھیجا اور مومنوں کو درود و پاک پڑھنے کا حکم دیا اور جب بھی خطاب کیا معزز القاب سے مخاطب فرمایا جیسے یاایھا المدثر، یاایھا المزمل۔ پہلے آسمانی صحیفوں میں بھی آپ کا ذکر خیر فرمایا۔ تمام انبیاء اور ان کی امتوں سے وعدہ لیا کہ وہ آپ پر ایمان لے آئیں۔ آج دنیا کا کوئی آباد ملک ایسا نہیں جہاں روز و شب میں پانچ بار حضور کی رسالت کا اعلان نہ ہو رہا ہو۔

حضور کے سوانح پر اپنوں اور بیگانوں نے جتنی کتابیں لکھی ہیں دنیا کے کسی نبی، مصلح، فاتح اور سلطان کے بارے میں نہیں لکھی گئیں۔ بے شمار اعلیٰ پایہ کے لوگوں نے حضور کریم کے ذکر پاک کو بلند کرنے کے لیے جس طرح اپنی زندگیاں، اپنی علمی قوتیں، روحانی لطافتیں، اپنا مال اور اپنے وسائل وقف کیے ہیں کسی دوسرے کے بارے میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ آپ کے عشاق نے نثر و نظم میں انسانیت کو جو پاکیزہ ادب عطا فرمایا ہے اس کی نظیر بھی نہیں ملتی۔ الحادیت کے اس دور میں بھی آپ کے دین کی تبلیغ اور آپ کی سنت کے احیاء کی کوششیں بڑے خلوص سے کی جا رہی ہیں۔ آپ کا نام پاک لے کر، آپ کا ذکر خیر کر کے اور آپ کے محاسن سن کر کروڑوں دلوں کو جو سرور و فرحت نصیب ہوتی ہے اس کا جواب نہیں۔ اپنے تو رہے ایک طرف، بیگانوں اور متعصب مخالفوں کو بھی بارگاہ رسالت میں خراج عقیدت پیش کرنے کے بغیر چارہ نہ رہا۔

اگر آپ ان حالات کو پیش نظر رکھیں جن حالات میں یہ آیت نازل ہوئی اور پھر اس آیت کو پڑھیں تو اس کے پڑھنے کا لطف دوچند ہو جائے گا۔ ساری دنیا مخالف ہے، مکہ کے نامور سردار اور عوام چراغ مصطفوی کو بجھانے کے درپے ہیں۔ جس گلی سے گزرتے ہیں وہاں غلاظت کے ڈھیر لگا دیے جاتے ہیں اور کانٹے بچھا دیے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حضور میں سجدہ ریز ہوتے ہیں تو مرے ہوئے اونٹ کا اوجھ اٹھا کر گردن مبارک پر لاد دیا جاتا ہے۔ ان حالات میں یہ آیت نازل ہوئی۔ کون یہ تصور کر سکتا تھا کہ ان کا ذکر پاک دنیا کے گوشہ گوشہ میں بلند ہو گا، ان کے دین کی روشنی سے مہذب دنیا کا بہت بڑا علاقہ منور ہو گا اور کروڑوں انسان ان کے نام پر جان دینے کو اپنے لیے باعث سعادت تصور کریں گے۔ لیکن جو وعدہ مولا کریم نے اپنے برگزیدہ بندے اور محبوب رسول کے ساتھ کیا وہ پورا ہو کر رہا اور قیامت تک ذکر محمدی کا آفتاب ضوفشانیاں کرتا رہے گا۔ اعلیٰ حضرت بریلوی نے کیا خوب فرمایا ہے ۔

مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعدا تیرے نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا

يُسْرًا ۝٥ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝٦ فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝٧ وَ

آسانی ہے۔ بے شک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے ۔[۴] پس جب آپ (فرائض نبوت سے) فارغ ہوں تو (حسب معمول عبادت و ریاضت میں) کمر بستہ ہو جائیں[۵]

۴ کفار مسلمانوں کو طعنہ دیا کرتے تھے کہ تم نادار اور مفلس ہو، تم کمزور اور ناتواں ہو، ہم تمہیں پیس کر رکھ دیں گے ہم تمہارا نام و نشان تک مٹا دیں گے۔ جو شخص اسلام کو قبول کرتا اس کو ہر قسم کے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جاتا، درے، جب وہ فریاد کرتا تو اس کی فریاد سننے والا بھی کوئی نہ ہوتا بلکہ الٹا وہ سنگدل اس کو تڑپتا ہوا دیکھ کر تالیاں بجاتے اور خوشی کے نعرے بلند کرتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے حبیب! ان دشواریوں اور تکلیفوں سے پریشان ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ ہمارا یہ قانون ہے کہ ہر تکلیف کے بعد راحت ہوتی ہے، ہر دشواری کے بعد آسانی ہوتی ہے۔ یہ تکالیف جن سے آپ کے ماننے والے دوچار ہو رہے ہیں، یہ عسرت و تنگدستی جس کے باعث بیگانے زبان طعن دراز کیا کرتے ہیں، ختم ہو جائے گی اور عزت و اقبال، خوش حالی اور فارغ البالی کا ایک درخشاں دور شروع ہوگا۔

۵ یعنی جب تم ایک عبادت سے فارغ ہو جاؤ تو اس عبادت کی توفیق پر شکر ادا کرنے کے لیے دوسری ریاضت اور عبادت شروع کر دو۔ اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں اپنے رسول کریم پر فرمائی تھیں ان کا شمار کیا گیا اور جن نعمتوں سے مستقبل میں سرفراز کرنا تھا ان کا وعدہ کیا گیا اور اس کے بعد حکم دیا گیا کہ ان نعمتوں پر شکر ادا کرو اور اس کی صورت یہ ہے کہ اس کی عبادت میں مشغول رہا کرو۔

علامہ ابن جریر طبری نے حضرت ابن عباس سے اس کا یہ مفہوم نقل کیا ہے عن ابن عباس انہ قال ای اذا فرغت من الصلوٰۃ فانصب فی الدعاء یعنی جب آپ نماز ادا کرنے سے فارغ ہو جائیں تو بڑے خشوع و خضوع کے ساتھ دعا مانگنا شروع کر دیں۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ بندۂ مومن کے لیے مناسب یہی ہے کہ اس کے سارے اوقات یاد و عبادت الٰہی میں مستغرق رہیں یا دنیا کے ضروری کاروبار سے جونہی فرصت ملے خداوند کریم کے ذکر میں مشغول ہو جائے۔ بندۂ مومن کا بیکار بیٹھنا یا فضول مشاغل میں کھوئے رہنا بڑی بے عقلی اور نادانی ہے۔ یہاں انہوں نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک پُر از حکمت ارشاد نقل کیا ہے۔ اسے پیش خدمت کرتا ہوں اور توقع رکھتا ہوں کہ آپ اسے خوبصورت لکھ کر ایسی جگہ آویزاں کریں گے جہاں اکثر آپ کی نظر پڑتی ہے۔

إِنِّي لَأَكْرَهُ أَنْ أَرَى أَحَدَكُمْ فَارِغًا سَبَهْلَلًا لَا فِي عَمَلِ دُنْيَاهُ وَلَا فِي عَمَلِ آخِرَتِهِ (روح المعانی)

یعنی میں اس بات کو سخت ناپسند کرتا ہوں کہ میں تم میں نکما بیٹھے ہوئے دیکھوں، نہ تم دنیا کا کوئی کام کر رہے ہو اور نہ تم اپنی آخرت کو سنوار رہے ہو۔

آپ نے فارغ کے ساتھ سبہللاً کا وزنی اور رعب دار لفظ استعمال فرمایا ہے اور خود ہی اس کی تشریح بھی فرما دی ہے۔ بیکار نکما جسے نہ دنیا کی فکر نہ عاقبت کا اندیشہ، ہاتھ پر ہاتھ دھرے صبح سے شام تک وقت ضائع کرتا رہتا ہے۔ یہی فاروقی تربیت تھی جس کی برکت سے امت مسلمہ نے چند سالوں میں مشرقی اور مغربی عالمی طاقتوں پر فتح حاصل کی تھی اور اپنی عظمت کے پرچم لہرا دیے تھے۔ جس بے دردی سے آج ہم اپنا قیمتی وقت برباد کرتے ہیں، جس سنگدلی سے ہم اپنے شخصی اور ملی فرائض کی ادائیگی میں کاہلی اور بے اعتنائی کا مظاہرہ کرتے ہیں انہیں دیکھ کر خون کے آنسو ٹپکنے لگتے ہیں۔

اِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ﴿٨﴾

اور اپنے رب کی طرف راغب ہو جائیں [6]

ہمارے نوجوان جن کے دلوں میں اپنی ملت کا درد ہے، جو اپنی قوم کے مستقبل کو درخشاں دیکھنا چاہتے ہیں، جو موجودہ پستی اور انحطاط پر شکوہ سنج نظر آتے ہیں کاش! وہ حضرت فاروق اعظم کے اس ارشاد کو بلکہ اپنے رب کریم کے اس فرمان واجب الاذعان کو اپنی زندگی کا شعار (MOTTO) بنالیں۔ جب بھی ایک فرض کی ادائیگی سے فارغ ہوں، دوسرا فرض ادا کرنے کے لیے کمر ہمت باندھ لیں۔

فانصب کا لفظ بھی توجہ طلب ہے۔ نصب ایسا کام کرنا جس کے کرنے سے تھکاوٹ ہو جائے اور یہ ظاہر ہے کہ معمولی نوعیت کے کاموں سے تو تھکاوٹ پیدا نہیں ہوتی۔ وہ کام جو اولوالعزمی سے کیے جاتے ہیں، وہ مہمیں جو بڑی محنت اور ریاضت سے سر کی جاتی ہیں، وہ فرائض جن کی انجام دہی کے لیے دیدہ ریزیوں، جگر پاشیوں اور شب بیداریوں کی ضرورت پڑتی ہے ایسے کاموں کے کرنے کی ہدایت کی جارہی ہے۔ اہل حق تو مشکل پسند ہوا کرتے ہیں۔ سہل اور آسان کاموں میں تو ان کا جی ہی نہیں لگتا، بلکہ اللہ تعالیٰ گوارا نہیں کرتا کہ آسان کاموں کے کرنے میں وہ اپنی عمر صرف کریں۔ ایسے کاموں کے لیے اور بہت سی قومیں ہیں۔ ان کے لیے تو کٹھن اور دشوار کام ہیں۔

جنگ بدر کے بارے میں فرمایا کہ تم تو چاہتے تھے کہ تجارتی قافلہ پر حملہ بول دو جن کے پاس مزاحمت کے آلات نہیں لیکن ہم نے چاہا کہ تمہاری طاقتوں کو باطل کی ایک بڑی قوت سے ٹکرا دیں تاکہ حق کا بول بالا ہو اور باطل کو رسوائی اور ذلت نصیب ہو۔

ارشاد باری ہے واذ يعدكم الله احدى الطائفتين انها لكم وتودون ان غير ذات الشوكة تكون لكم ويريد الله ان يحق الحق بكلمٰته ويقطع دابر الكافرين۔ (الانفال ۷)

[6] اے حبیب! آپ اپنے رب کی طرف ہی راغب رہا کریں۔ اسی کی وہ ذات ہے جو تیرا رب ہے جس نے اس منصب عالی اور مقام بلند پر فائز ہونے کے لیے آپ کی تربیت فرمائی ہے۔ اگرچہ وہ سارے جہانوں کا رب ہے لیکن اس کی شان ربوبیت کا جو خصوصی تعلق تیرے ساتھ ہے وہ کسی کے ساتھ بھی نہیں۔ تو اس کا، وہ تیرا۔ کسی غیر کی یہاں کیا گنجائش۔

○

اللهم انت ربنا ورب حبيبنا المصطفى عليه اطيب التحية واجل الثناء وفقنا ان نقتفى آثاره النيرة السنيه ونؤدى ما اوجبت علينا الرفع كلمتك ورفع ذكر نبيك احسن الاداء۔ انت الموفق وبيدك ازمة التوفيق اياك نعبد واياك نستعين۔

○

تعارف

سُورہ التین

نام : اس سورۂ مُبارکہ کا نام "التین" ہے جو اس کا پہلا لفظ ہے۔ اس میں ایک رکوع، آٹھ آیتیں، چونتیس کلمے، ایک سو پانچ حروف ہیں۔

نزول : جمہور علماء کے نزدیک اس کا نزول مکہ مکرمہ میں ہُوا۔ قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ مدنی ہے لیکن یہ دُرست نہیں۔ کیونکہ "هٰذَا الْبَلَدِ الْأَمِيْنِ" یہ امن والا شہر سے بلا اختلاف مکہ مُراد ہے۔ هٰذَا کا اشارہ اسی کی طرف اس وقت ہی درست ہو سکتا ہے جب کہ اس کا نزول یہاں ہوا ہو۔ مدنی سُورت میں مکہ کا ذکر هٰذَا الْبَلَدِ الْأَمِيْنِ سے کسی طرح مُناسب نہیں۔

مضامین : بعض اُن مقامات کی قسمیں کھا کر اس سُورت کا آغاز کیا گیا ہے جن کا تعلق اولوالعزم رسُولوں میں سے کسی کے ساتھ ہے۔ پھر بتایا کہ ہم نے انسان کی آفرینش اس انداز سے کی ہے کہ صوری اور معنوی اعتبار سے یہ احسن الخلق اور اکمل الخلق ہے۔ انسانی عظمت کا تصور جو قرآن کریم نے پیش کیا ہے دُنیا کا کوئی فلسفی، نفسیات کا کوئی ماہر، عمرانیات کا کوئی اُستاد، طبیعیات کا کوئی معلّم اس کی گردِ راہ کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ قرآن نے عظمتِ انسان کا جو نظریہ پیش کیا ہے جب اُس کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو باقی سب مُدعیانِ دانش نادان بچوں کی طرح ٹامک ٹوئیاں مارتے نظر آتے ہیں۔

انسان کو احسنِ تقویم کے لقب سے سرفراز فرمانے کے بعد اس حقیقت سے پردہ اٹھایا کہ نوعِ انسانی کے بعض افراد اپنے مقامِ رفیع کے تقاضوں کو پسِ پُشت ڈال لیتے ہیں اور نفس کے سفلی جذبات کی تسکین کے درپے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ اپنے آپ کو ایسی پستیوں میں گرا لیتے ہیں جس سے مزید کسی پستی کا تصور نہیں کیا جا سکتا البتہ وہ لوگ جو خود شناس ہیں اپنی خداداد عظمتوں کے قدردان ہیں۔ ایمان اور عملِ صالح سے اپنے دامنِ حیات کو معمور رکھتے ہیں اُن کے لیے ایسا اجر ہے جو کبھی پایاں پذیر نہ ہوگا۔

اس حقیقت کے بیان کرنے کے بعد قیامت کی ضرورت اور اس کے برپا کرنے میں جو حکمت ہے اس کی طرف اشارہ کر دیا کہ جب "احکم الحاکمین" ہے تو اسکے عدل و انصاف کا یہ تقاضا ہے کہ ایک دن ایسا آئے اور ضرور آئے جب ہر شخص کو اسکے اعمال کے مطابق جزا و سزا ملے۔ اگر ساری عمر پھول کھلانے والا اور ہر سمت میں چراغ روشن کرنے والا اور ساری عمر کانٹے بونے والا اور اندھیر کا بیوپار کرنے والا ایک ہی انجام سے دوچار ہوں تو اس سے بڑی اندھیر گردی اور کیا ہو سکتی ہے۔ کیا کوئی ذی ہوش اُس ذات سے جو احکم الحاکمین ہے اس اندھیر گردی کی توقع رکھ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

سورۃ التین مکیۃ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم وھی ثمانی اٰیات

سورۃ التین مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — اس میں آٹھ آیات ہیں

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ﴿١﴾ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ﴿٢﴾ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ﴿٣﴾

قسم ہے انجیر اور زیتون کی ۱ اور قسم ہے طورِ سینا کی ۲ اور اس امن والے شہر (مکہ مکرمہ) کی ۳

۱۔ اس سورت کا افتتاح چار چیزوں کی قسمیں کھا کر کیا جا رہا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ سامعین ہمہ تن گوش ہو کر اس سورت کو سنیں کیونکہ اس میں نہایت اہم مضامین بیان کیے جانے والے ہیں۔

تین اور زیتون سے کیا مراد ہے؟ علمائے تفسیر کے اس میں متعدد اقوال ہیں۔ حضرت ابن عباس، حسن، مجاہد وغیرہم کا قول یہ ہے کہ تین سے مراد انجیر ہے اور زیتون سے مراد زیتون کا مشہور و معروف درخت ہے جس سے تیل نکالا جاتا ہے۔ انجیر کا پھل اور زیتون کا درخت اور اس کا تیل بے شمار فوائد اور خوبیوں کے مالک ہیں۔ اس لیے ان کی قسم کھائی۔ حضرت ابن عباس سے یہ قول بھی مروی ہے کہ تین اس مسجد کا نام ہے جو نوح علیہ السلام نے جودی پہاڑ پر تعمیر کی تھی اور زیتون سے مراد بیت المقدس کی مسجد ہے۔ قتادہ کی رائے یہ ہے کہ تین اس پہاڑ کا نام ہے جس پر دمشق کا شہر آباد ہے اور زیتون اس پہاڑ کا نام ہے جس پر بیت المقدس کا شہر ہے۔ ایک اور قول یہ بھی ہے کہ یہاں مضاف محذوف ہے۔ و منابت التین والزیتون۔ یعنی وہ علاقے جو انجیر اور زیتون کی پیداوار کے لیے مخصوص ہیں۔ علامہ قرطبی کی رائے یہ ہے کہ پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ بعض علماء نے قتادہ کے قول کو ترجیح دی ہے۔

علامہ آلوسی کا میلان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

اقسام ببقاع مبارکۃ شریفۃ علی ما ذھب الیہ کثیر۔ (روح المعانی) کہ یہاں مبارک مقامات کی قسمیں اٹھائی گئی ہیں۔ اکثر علماء کی یہی رائے ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۔ وہ پہاڑ جس پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی ہم کلامی کا شرف بخشا اس کا نام طور سینین ہے۔ اسے طور سِینا اور طورِ سَینا بھی کہتے ہیں۔

۳۔ اس سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔ مکہ مکرمہ کا شرف محتاجِ بیان نہیں۔ اس کا سنگِ بنیاد اللہ تعالیٰ کے خلیل حضرت ابراہیم اور ان کے فرزند جلیل حضرت اسماعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام نے اپنے مبارک ہاتھوں سے رکھا۔ اس شہر کے پُرامن ہونے کی دعا بھی آپ نے ہی مانگی۔ رب اجعل ھذا البلد اٰمنا۔ اس دعا کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ جس وقت سارا جزیرۂ عرب غارت گری، خونریزی اور لوٹ مار کا میدان بنا ہوا تھا اس وقت بھی مکہ مکرمہ فتنہ و فساد کی آگ سے محفوظ تھا۔ کسی کے باپ کا قاتل بھی اگر حرم میں پناہ لیتا تو اس کو کچھ نہ کہا جاتا۔ اگر جنگل میں کوئی چیتا ہرن کو شکار کرنے کے لیے اس کے تعاقب میں دوڑتا اور ہرن حدودِ حرم میں داخل ہو جاتا تو چیتا اس کا پیچھا چھوڑ کر واپس چلا جاتا۔ یہاں کے درختوں اور گھاس پھونس کو بھی کوئی نہیں کاٹتا تھا۔ کعبہ مقدسہ کی تعمیر سے اس شہر کو مزید شرف نصیب ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اس خطہ پر مزید کرم یہ فرمایا کہ اسے اپنے محبوب صلی اللہ

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۟ۙ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ

بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے (عقل و شکل کے اعتبار سے) بہترین اعتدال پر ۔ ۴ ۔ پھر ہم نے لوٹا دیا اس کو پست ترین

تعالیٰ علیہ وسلم کی جائے ولادت بنایا اور حضورؐ نے نبوت کا اعلان بھی یہیں سے کیا جس کے باعث مکہ کی عظمت کو چار چاند لگ گئے۔

طور کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے نسبت کی وجہ سے عزت نصیب ہوئی۔ یہیں آپ کو پیغمبری ملی، یہیں شرف ہمکلامی سے مشرف ہوئے۔ یہیں الواح تورات مرحمت ہوئیں۔ دمشق حضرت مسیح علیہ السلام کا مسکن و ماویٰ اور آپ کی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز رہا اور بیت المقدس کو بے شمار انبیاء و رسل سے نسبت کا شرف حاصل ہوا اس لیے ان بابرکت مقامات کی قسمیں اٹھائی گئیں جہاں ایسے نفوس قدسیہ کی ولادت باسعادت ہوئی جو انسانیت کے اعلیٰ ترین مقام نبوت و رسالت کے منصب پر فائز ہوئے جس سے ارفع کسی اور مقام کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔

۴ ۔ یہ جواب قسم ہے۔ یعنی ہم نے انسان کو شکل و صورت، قد و قامت، عقلی و ذہنی قوتوں، قلبی و روحانی بہترین صلاحیتوں سے متصف کر کے پیدا فرمایا ہے۔ ابن عربی کہتے ہیں: لیس لله تعالیٰ خلق احسن من الانسان فان الله خلقه حیا عالما قادرا مریدا متکلما سمیعا بصیرا مدبرا حکیما (قرطبی) کہ اللہ تعالیٰ نے انسان سے زیادہ خوبصورت کوئی چیز پیدا نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اور اسے ان عظیم صفات سے متصف فرمایا: حی، عالم، با اختیار، بالارادہ، متکلم، شنوا، بینا، مدبر اور حکیم۔

اگر انسان کو بنظر غائر دیکھا جائے تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ صوری اور معنوی حسن و کمال میں کوئی چیز بھی انسان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ گراں قیمت حیوان، نر و مادہ جانور، درندے، پرندے، ہوائی اور آبی مخلوقات، سب کی سب انسان کے سامنے سرافگندہ ہے اور اس کے حکم سے سرتابی کی جرأت نہیں کر سکتی۔ گرانڈیل ہاتھی سے ایک فیل بان جس طرح چاہتا ہے کام لیتا ہے۔ بچہ سات سال کا بچہ اونٹوں کی ایک قطار کو جدھر چاہتا ہے لے کر چلا جاتا ہے۔ شوخ و شنگ برق رفتار گھوڑے پر جب انسان سوار ہوتا ہے تو وہ اس کی مرضی کے مطابق عمل کرتا ہے۔ قوانین فطرت کو وہ اپنی علمی قوت سے مسخر کر کے ان سے اپنی چاکری لے رہا ہے۔ عقل، فکر و نظر، قیاس و استنباط کی جو بے نظیر قوتیں اسے بخشی گئی ہیں کائنات کی کوئی چیز اس کی برابری نہیں کر سکتی۔ اس کے علم و عرفان کی رفعتوں کا تو یہ حال ہے کہ نوری فرشتے بھی اس کو سجدہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس کی قامت راست اور اعضاء کی ساخت بھی بے نظیر ہے۔ ہر جانور اپنی خوراک حاصل کرنے کے لیے اپنا سر زمین پر جھکاتا ہے لیکن انسان کو اس کے لیے سر جھکانا نہیں پڑتا بلکہ اس کے ہاتھ لقمہ اٹھا کر منہ میں ڈال لیتے ہیں۔ اس کے جس پہلو کو دیدۂ حق بیں سے دیکھا جائے بے ساختہ تبارک اللہ احسن الخالقین کا نعرہ بلند ہونے لگتا ہے۔ علامہ قرطبی نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ عیسیٰ بن موسیٰ ہاشمی کو اپنی بیوی کے ساتھ شدید محبت تھی۔ ایک دن اس نے اس سے کہا انت طالق ثلاثا ان لم تکونی احسن من القمر۔ اگر تو چاند سے زیادہ خوبصورت نہ ہو تو تجھے تین طلاقیں۔ اس نے جب اپنے خاوند کی زبان سے یہ الفاظ سنے تو اٹھ کھڑی ہوئی اور عیسیٰ سے پردہ کر لیا اور کہا کہ تو نے مجھے طلاق دے دی ہے۔ اب ہمارا ازدواجی تعلق منقطع ہو گیا۔ عیسیٰ نے بڑی مشکل سے رات بسر کی۔ صبح سویرے خلیفہ منصور کے پاس پہنچا اور اسے اس واقعہ کی اطلاع دی اور بڑی گھبراہٹ اور ندامت کا اظہار کیا۔ خلیفہ نے فقہاء کو اپنے دربار میں بلایا اور ان سے فتویٰ پوچھا۔ جتنے فقہاء حاضر تھے سب نے کہا کہ طلاق واقع ہو گئی ہے لیکن امام ابوحنیفہ کے شاگردوں سے ایک شخص خاموش بیٹھا رہا۔ منصور نے پوچھا آپ کیوں چپ

سٰفِلِیْنَ ۙ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ

حالت کی طرف ۵ بجز ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے تو ان کے لیے نہ ختم ہونے

ہیں؟ کیوں کوئی بات نہیں کرتے تو وہ شخص گویا ہوا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم والتین والزیتون وطور سینین وھذا البلد الامین لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ اے امیرالمؤمنین اس ارشادِ الٰہی کے مطابق انسان سب چیزوں سے زیادہ حسین ہے اور کوئی چیز اس سے زیادہ حسین نہیں ہے۔ منصور نے عیسیٰ بن موسیٰ سے کہا کہ اس شخص نے جو کہا ہے درست کہا ہے تم اپنی بیوی کے ساتھ رہ سکتے ہو اور اس کی بیوی کو بھی کہلا بھیجا کہ طلاق واقع نہیں ہوئی۔ اس لیے اسے چاہیے کہ اپنے خاوند کے گھر آجائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان باطن اور ظاہر میں، صورت کے جمال میں، بناوٹ کی ندرت میں اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق سے زیادہ حسین و جمیل ہے۔ فلاسفہ نے اسی وجہ سے انسان کو عالمِ اصغر کہا ہے۔

۵ لیکن جو انسان ان نعمتوں کی قدر نہیں کرتا ہے جو اپنی عدیم النظیر صلاحیتوں کو غلط استعمال کرتا ہے جو عقل و فہم کے سارے چراغ گل کر دیتا ہے اور جو ہوائے نفس کی پیروی میں لگ جاتا ہے، اپنے خالق و رازق کی فرمانبرداری سے منہ موڑ لیتا ہے اس کے رسول کی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیتا ہے تو اسے اس جرم کی سزا بھی بڑی سخت دی جاتی ہے۔ وہ بے شعور اور بے سمجھ حیوانوں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔ اس سے ایسی ایسی رذیل حرکتیں سرزد ہوتی ہیں جن کا کسی بھلے آدمی سے تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اپنے ہاتھوں سے گڑھا کھود کر وہ اپنی بچیوں کو زندہ مٹی میں دفن کر دیتا ہے۔ وہ اپنے سگے بھائی کا گلا کاٹنے سے بھی نہیں شرماتا۔ معمولی فائدہ کے لیے وہ اپنی قوم اور وطن سے غداری کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ آپ خود سوچیے وہ سنگدل جو اپنے قومی غذائی ذخائر کو چند ٹکوں کے لالچ میں دشمن ممالک کو ناجائز ذرائع سے برآمد کرتا ہے، جو انجینئر ملک کی شاہراہوں، پلوں اور ڈیموں کی تعمیر میں بددیانتی کرتا ہے، جو صنعت کار اجناسِ خوردنی اور ادویہ میں ملاوٹ کرنے کا کاروبار کرتا ہے، جو تاجر اجناسِ خوردنی کی ذخیرہ اندوزی کرتا ہے کیا وہ کتے اور خنزیر سے پست تر نہیں؟ جو شخص فسق و فجور کی غلاظتوں میں خوش رہتا ہے گندگی میں جنم لینے والے کیڑوں سے کیا وہ کسی صورت میں بہتر ہو سکتا ہے۔ ایسے شخص سے انسانیت کی خلعتِ فاخرہ واپس لے لی جاتی ہے۔ اس کے سر سے اشرف المخلوق ہونے کا تاج اتار لیا جاتا ہے۔ معاشرے کی نگاہوں میں وہ حقیر و ذلیل ہو جاتا ہے۔ ایسے انسانوں کے لیے دوزخ کے طبقات میں سے وہ طبقہ مخصوص کیا جائے گا جو پست ترین ہوگا۔

دیکھیے قرآن حکیم، انسانی حمیت کو کس طرح مہمیز لگاتا ہے، انسانی شرف کا واسطہ دے کر خود فراموش انسانوں کو خوابِ غفلت سے کس طرح جھنجھوڑتا ہے، انسان کے احساسِ عظمت کو گرما کر گناہوں کی دلدل سے اسے نکل آنے کی جو دعوت دیتا ہے اس کا اسلوب کتنا اثر آفرین ہے۔

غَيْرُ مَمْنُونٍ ⑥ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّينِ ⑦ أَلَيْسَ اللَّهُ

والا اجر ہے ؎۶ پس کون جھٹلا سکتا ہے آپ کو اس کے بعد جزا و سزا کے معاملہ میں ؎۷ کیا نہیں ہے اللہ تعالیٰ

بِأَحْكَمِ الْحٰكِمِينَ ⑧ ع

سب حاکموں سے بڑا حاکم؟ ؎۸

؎۶ فرمایا جو لوگ اپنی انسانیت کی لاج رکھتے ہیں، اس کے دامن شرف پر کوئی داغ نہیں لگنے دیتے، اپنے خالق کے ذکر کی شمع روشن رکھتے ہیں، اس کے احکام کی بجا آوری میں سرگرم رہتے ہیں، اس کی خوشنودی حاصل کرنے کا شوق انہیں رات دن بے چین رکھتا ہے یہی وہ لوگ ہیں جو احسن تقویم کے کمالات سے موصوف ہیں۔ ان کو ہی اللہ تعالیٰ ایسا اجر دے گا جو کبھی منقطع نہ ہوگا، جب تک وہ اس دنیا میں زندہ رہیں گے ان پر ان کے رب کی رحمت نازل ہوتی رہے گی، جب یہاں سے رخت سفر باندھنے لگیں گے تو انہیں ارجعی الیٰ ربک راضیۃ مرضیۃ کی نوید جانفزا سنائی جائے گی، جب قیامت کے دن قبروں سے اٹھیں گے تو لاخوف علیہم ولا ہم یحزنون کی شان ان کے چہروں سے ظاہر ہو رہی ہوگی اور جب فردوس بریں میں قدم رکھیں گے تو سلام قولاً من رب رحیم سے ان کا استقبال کیا جائے گا۔ انہوں نے تو کچھ مدت اپنے رب کی بندگی میں گزاری لیکن ان کا رب جن نعمتوں سے انہیں نوازے گا وہ پایاں ناپذیر ہوں گی۔

؎۷ اس آیت کے کئی مفہوم بیان کیے گئے ہیں ان میں سے مجھے وہ مفہوم زیادہ پسند ہے جو علامہ قرطبی نے قتادہ اور فراء سے نقل کیا ہے۔ قال قتادة ایضاً والفراء المعنی فمن یکذبک ایھا الرسول بعد ھذا البیان بالدین واختارہ الطبری۔ یعنی قیامت کے برپا ہونے اور اس روز نیک و بد کو جزا و سزا کا جو نظریہ آپ نے پیش کیا ہے کون عقلمند اس کی تکذیب کر سکتا ہے۔ یہ کہنے کی جرأت کس میں ہے کہ جس شخص نے ساری عمر احکام الٰہی کی بجا آوری میں گزاری جس نے اپنے آرام و آسائش کو بنی نوع انسان کے آرام و آسائش کے لیے وقف کر دیا جس نے نور حق پھیلانے میں اپنی ساری کوششیں صرف کر دیں اس کو اس کی عمر بھر کی سعی پیہم کا کوئی اجر نہ ملے اور جو اپنے کرتوتوں کے باعث اسفل السافلین تک پہنچا اس کو کوئی سزا نہ ملے؟

؎۸ اگر کسی چھوٹے سے خطہ کا کوئی حاکم ہو تو تم اس سے عدل و انصاف کی توقع رکھتے ہو، اگر وہ ظلم و ستم پر اتر آئے تو تم اس سے نفرت کرنے لگتے ہو اور اگر حالات اجازت دیں تو اس کا تاج و تخت بھی چھین لیتے ہو۔ خود ہی بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ سے بڑا حاکم اور کون ہے؟ اس کی حکومت سے بڑی حکومت کس کی ہے؟ اس کی مملکت سے وسیع مملکت کہاں ہے؟ اس کے باوجود کیا تم اس ظلم کو روا رکھنے کی اس سے توقع رکھتے ہو کہ وہ ظالم کو کچھ نہیں کہے گا اور مظلوم کی داد رسی نہیں کرے گا، ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم اس سورت کی تلاوت ختم کرو تو کہو بلیٰ وانا علیٰ ذلک من الشاہدین۔ کبھی حضور اس کی تلاوت کے بعد فرماتے سبحانک فبلیٰ (روح المعانی)

فاطر السمٰوٰت والارض انت ولی فی الدنیا والاٰخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصالحین۔ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رحمۃ للعٰلمین وعلیٰ اٰلہ وصحبہ اجمعین۔

تعارف

سُورہ اِقْرَأ

نام : اس کو سُورۃ "العلق" اور سورۃ "اقرأ" دونوں ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ "العلق" دُوسری آیت میں مذکور ہے۔ اور "اقرأ" سے اس کا آغاز کیا گیا ہے اس میں ایک رکوع، اُنیس آیتیں، بانوے کلمے اور دو سو اسّی حروف ہیں۔

نزول : صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک کثیر تعداد جن میں اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، ابن عباس، ابو موسےٰ اشعری رضی اللہ عنہم کے اسماء سرِ فہرست ہیں اور بے شمار علمائے تفسیر کا یہ قول ہے کہ نزولِ قرآن کا آغاز اسی سورت کی پہلی پانچ آیتوں سے ہُوا۔ بقیہ آیات بعد میں نازل ہوئیں۔

مضامین : جس طرح اُوپر بتایا گیا ہے۔ یہ سورت دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلی پانچ آیتیں جبریل امین لے کر پہلی مرتبہ غارِ حرا میں تشریف لائے اور پہلی وحی آکر تعلیم کی جس کی تفصیلاً آپ آیات کی تشریح کے ضمن میں مطالعہ کریں گے۔

سورت کا دُوسرا حصہ بعد میں اُس وقت نازل ہُوا جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حرم شریف میں نماز پڑھنی شروع کی۔ حضور کا اندازِ عبادت اہلِ مکّہ کے لیے بالکل انوکھا تھا۔ لوگ دیکھ کر حیران ہوتے اور گزر جاتے۔ لیکن اَبُوجہل جو جہالت اور اُجڈ پن میں اپنی مثال آپ تھا وہ اس اندازِ عبادت کو دیکھ کر ضبط نہ کر سکا اور دھمکیاں دینی شروع کر دیں۔ اس کی حماقت اور حرماں نصیبی پر ناراضگی کا اظہار فرمایا جا رہا ہے۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا
۱۰ - ۴ - ۷۷

سُوْرَةُ الْعَلَقِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ هِيَ تِسْعَ عَشْرَةَ اٰيَةً

سورۃ العلق مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — اس میں انیس آیات ہیں

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ① خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ②

آپ پڑھیے اپنے رب کے نام سے جس نے سب کو پیدا فرمایا [1] پیدا کیا انسان کو جمے ہوئے خون سے [2]

[1] مفسرین کا تقریباً اس پر اتفاق ہے کہ سب سے پہلے اسی سورت کی پہلی پانچ آیتیں نازل ہوئیں۔ اس سلسلہ میں سب سے صحیح روایت وہ ہے جس کی راویہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔ جسے امام بخاری اور امام مسلم نے صحیحین میں روایت کیا ہے جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

حضرت ام المومنین کہتی ہیں کہ وحی کی ابتدا سچی خوابوں کی صورت میں ہوئی۔ جو خواب آپ رات کو دیکھتے دن کو اس کی تعبیر ہو بہو وہی سامنے آجاتی۔ کچھ عرصہ یہ سلسلہ جاری رہا۔ پھر حضور کے دل میں خلوت گزینی کا شوق پیدا ہوا۔ مکہ سے چند میل کی مسافت پر ایک غار ہے جسے غار حرا کہتے ہیں جس کا راستہ بڑا کٹھن ہے۔ حضور اس غار میں تشریف لے جاتے۔ چند روز وہاں قیام فرماتے اور مشغول عبادت رہتے۔ پھر گھر لوٹ آتے اور کچھ وقت گھر ٹھہرنے کے بعد کھانے پینے کی کچھ چیزیں لے کر حرا کی تنہائیوں میں آکر مصروف عبادت ہو جاتے۔ کافی مدت یہی دستور رہا۔ ایک رات آپ اسی غار میں مصروف ذکر و فکر تھے کہ جبریل امین آئے اور کہا اِقْرَاْ۔ آپ پڑھیے۔ حضور نے فرمایا مَا اَنَا بِقَارِیٍٔ۔ میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ جبریل نے آپ کو سینے سے لگا کر خوب زور سے بھینچا جس سے آپ کو کافی تکلیف پہنچی پھر جبریل نے کہا اقرأ۔ آپ نے اب بھی وہی جواب دیا۔ جبریل نے دوسری بار پھر سینے سے لگا کر خوب بھینچا اور کہا اقْرَاْ۔ حضور نے پھر بھی وہی جواب دیا۔ جبریل نے تیسری بار بھی زور سے سینے سے لگا کر بھینچا اور کہا اقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ تا مَا لَمْ يَعْلَمْ۔ حضور نے یہ پانچ آیتیں تلاوت فرمائیں۔ اس ناگہانی واقعہ سے حضور پر خوف طاری ہو گیا۔ گھر لوٹے۔ دہشت سے دل کانپ رہا تھا۔ حضرت خدیجہ کو فرمایا زَمِّلُوْنِیْ، زَمِّلُوْنِیْ۔ مجھ پر کپڑا ڈال دو مجھ پر کپڑا ڈال دو۔ انہوں نے کپڑا ڈال دیا۔ جب دہشت و سراسیمگی دور ہو گئی تو حضور نے سارا واقعہ حضرت خدیجہ سے بیان کیا اور فرمایا مجھے تو اپنی جان کا اندیشہ ہے۔ آپ کی دانشمند رفیقہ حیات نے تسلی دیتے ہوئے جواباً عرض کیا کہ یہ اندیشہ آپ ہرگز نہ کریں۔ بخدا آپ کو اللہ تعالیٰ کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ صلہ رحمی آپ کا شیوہ ہے۔ لوگوں کا بوجھ آپ برداشت کرتے ہیں۔ ناداروں کی امداد کرتے ہیں۔ مہمان کی خاطر تواضع آپ کا شعار ہے۔ مصیبت کے وقت لوگوں کی امداد کرنا آپ کا طریقہ ہے۔ پھر حضرت خدیجہ آپ کو اپنے ہمراہ ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو ان کا چچا زاد بھائی تھا اور زمانہ جاہلیت میں عیسائی مذہب اختیار کر چکا تھا اور انجیل کو عبرانی زبان سے عربی زبان میں لکھا کرتا تھا۔ اب وہ بہت بوڑھا ہو چکا تھا اور بینائی جاتی رہی تھی۔ حضرت خدیجہ نے ورقہ سے کہا اے میرے چچا کے بیٹے! ذرا اپنے بھتیجے کی بات سنو۔ ورقہ نے کہا بتائیے آپ نے کیا دیکھا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ ورقہ نے سن کر کہا کہ آپ پر وہی ناموس روحی لانے والا فرشتہ نازل ہوا ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا کرتا تھا۔ کاش! میں اس وقت طاقتور ہوتا۔ کاش! میں اس

اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝٣ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝٤ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ

پڑھیے آپ کا رب بڑا کریم ہے ۳؎ جس نے علم سکھایا قلم کے واسطے سے ۴؎ اسی نے سکھایا انسان کو

وقت زندہ ہوتا جس وقت آپ کی قوم آپ کو جلاوطن کرے گی۔ حضورؐ نے فرمایا کیا وہ مجھے یہاں سے نکال دیں گے اور قہ نے کہا بیشک جو بھی وہ چیز لے کر آیا جو آپ لے کر آئے ہیں تو اسے اذیت دی گئی۔ اگر اس وقت میں زندہ ہوا تو آپ کی بھرپور امداد کروں گا۔ اس کے بعد ورقہ جلد انتقال کر گئے۔

حکم ہو رہا ہے کہ اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھنا شروع کرو۔ پہلی آیت میں ہی ربوبیت کی اضافت اس ضمیر کی طرف کی جس کا مرجع آپ ہیں۔ اس میں جو لطف ہے وہ اہل ذوق پر مخفی نہیں۔ نیز اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ بعثت سے پہلے بھی حضورؐ کو اپنے رب کا عرفان حاصل تھا اسی لیے تو یہ کلمات استعمال ہوئے۔ اگر عرفان نصیب نہ ہوتا تو پہلے رب کی پہچان کرائی جاتی اس کے بعد اس کا نام لے کر پڑھنے کا حکم دیا جاتا جو کائنات کی ہر چھوٹی بڑی چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔ یہاں خَلَقَ کا مفعول کل شیئ محذوف ہے۔

۲؎ انسان کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ تخلیق کا شاہکار ہے اس لیے خصوصیت سے اس کا ذکر فرمایا۔ ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ انسان کی آفرینش کی ابتدا جمے ہوئے خون کے لوتھڑے سے کی گئی۔ ایک حقیر لوتھڑے سے اس سراپا کمال و جمال انسان کا پیدا کرنا اس کی شان کبریائی اور عظمت کی روشن دلیل ہے۔ نیز انسان کو بھی اس کی حقیقت سے آگاہ کر دیا تاکہ وہ گھمنڈ اور غرور کا شکار ہو کر اپنے خالق کا انکار اور اس کے احکام سے سرتابی نہ شروع کر دے۔

۳؎ حضورؐ نے جبریل کو تین بار جواب دیا کہ مَا اَنَا بِقَارِئٍ۔ آخر میں جبریل نے عرض کیا کہ اقرأ باسم ربك الذى خلق کہ آپ پڑھیے اور یہ فکر نہ کیجیے کہ میں جب پڑھنا نہیں جانتا تو کیونکر پڑھوں۔ یہ کوئی عذر نہیں۔ آپ خود تو نہیں پڑھ رہے آپ اپنے رب کا نام لے کر پڑھ رہے ہیں اور اس کی شان کریمی کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ جب وہ پڑھنے کا حکم دے اور آپ اس کا نام لے کر پڑھنا شروع کریں تو پھر آپ کو علوم و معارف سے سیراب کر دینا اس کا کام ہے۔ کریم کے بجائے اکرم فرمایا۔ یا تو یہ رَبُّكَ کی خبر ہے یا اس کی صفت۔ کریم کے بجائے اکرم فرمایا تاکہ مزید مبالغہ ہو۔ اى الذى له الكمال فى الكرم على كل كريم حيث ينعم بلا غرض ما لا يمكن احصاءه كماً وكيفاً (مظہری) اکرم میں کریم سے بھی زیادہ مبالغہ ہے اور اکرم اس کو کہتے ہیں جو بلا غرض انعام کرے اور اتنا کرے جس کے کم و کیف کا شمار نہ ہو سکے۔

۴؎ اس کی شان کریمی کا ایک جلوہ یہ ہے کہ اس نے قلم کو تعلیم کا واسطہ بنا دیا۔ علم کی نشر و اشاعت میں قلم کا جو حصہ ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔ قدیم زمانہ کے علماء و فضلاء کے علوم کو اگر قلم کے ذریعے صفحۂ قرطاس پر تحریر نہ کر دیا جاتا تو صدیاں سال بعد آج ہم ان سے کیونکر استفادہ کر سکتے۔ اگر قلم کا واسطہ نہ ہوتا تو آج زمین کے دور دراز گوشوں میں بسنے والے فضلاء کی تحقیقات اور نگارشات سے دور بسنے والے کیونکر مستفید ہو سکتے۔ یہ قلم ہی کی برکت ہے کہ علم کا کارواں آج ان رفعتوں پر خیمہ زن ہے اور مزید بلندیوں کو مسخر کرنے کا عزم کیے ہوئے ہے اور جب تک قلم کا فیض جاری رہے گا علوم و فنون میں ترقی اور اضافہ ہوتا رہے گا۔

وہ جس طرح قلم کے ذریعے سے علوم و معارف کی دولت سے اپنے بندوں کو مالا مال کر رہا ہے وہ جب چاہتا ہے تو قلم

مَا لَمْ يَعْلَمْ ﴿٥﴾ كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ﴿٦﴾ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ﴿٧﴾

جو وہ نہیں جانتا تھا ۵ ہاں ہاں! بے شک انسان سرکشی کرنے لگتا ہے ۶ اس بنا پر کہ وہ اپنے آپ کو مستغنی دیکھتا ہے

اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ﴿٨﴾ اَرَءَيْتَ الَّذِىْ يَنْهٰى ﴿٩﴾ عَبْدًا اِذَا

(اے غافل) یقیناً تجھے اپنے رب کی طرف ہی پلٹنا ہے۔ (اے حبیب!) آپ نے دیکھا اسے جو منع کرتا ہے ۸ ایک بندے کو جب وہ

کے سوا بھی جس کے سینے کو چاہے انوار و تجلیات کی جلوہ گاہ بنا دیتا ہے اور بغیر کسی واسطہ کے اس کا دل علم کی روشنی سے بقعۂ نور بن جاتا ہے۔
فکما علم سبحانہ القاری بواسطۃ الکتابۃ بالقلم یعلمک بدونہا۔

۵ انسان کو جو کچھ سکھایا ہے اللہ تعالیٰ نے ہی سکھایا ہے۔ سارے علوم و فنون، اسرار و معارف، اکتشافات و ایجادات اسی کے بے پایاں علم کی نہریں ہیں، جتنا چاہتا ہے، جس کو چاہتا ہے اور جس وقت چاہتا ہے عطا فرما دیتا ہے۔ ابو البشر آدم علیہ السلام کو علم الاسماء اسی نے تعلیم کیا۔ انبیائے کرام کے سینوں کو رشد و ہدایت کے نور سے اسی نے منور کیا۔ سابقہ آیت میں عَلَّمَ فعل ذکر کیا مفعول ذکر نہیں کیا۔ یہاں فعل اور مفعول دونوں ذکر کیے تاکہ اس کی قدرت کے کمال پر دلالت کریں۔ علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں والاشعار بانہ تعالیٰ یعلمہ علیہ الصلوٰۃ والسلام من العلوم مالا یحیط بہ العقول مالا یخفی۔ اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اتنے علوم سکھائے گا جن کا احاطہ عقلیں نہیں کر سکتیں۔ (روح المعانی)

علامہ پانی پتی لکھتے ہیں یحتمل ان یکون المراد بالانسان محمدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ . . . فاللہ سبحانہ علم نبیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بتلک الغطات الثلاث علوم الاولین والآخرین۔ (مظہری) یعنی ممکن ہے کہ اس آیت میں الانسان سے مراد محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے جبرئیل کے تین بار بھینچنے سے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اولین و آخرین کے علوم سکھا دیے۔

۶ یہ آیات پہلی پانچ آیات کے نزول کے کافی دنوں بعد نازل ہوئیں۔ پہلے تو یہ بتایا کہ کم ظرف انسان کا رویہ یہ ہوتا ہے کہ جب اس کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہو جاتی ہے اور ایک طاقتور جتھہ اس کا فرماں بردار بن جاتا ہے تو وہ اپنے آپ کو اپنے رب سے بھی مستغنی سمجھنے لگتا ہے گویا اس نے اپنے خدا سے جو کچھ لینا تھا لے لیا۔ اب اسے اس کی (العیاذ باللہ) کوئی ضرورت نہیں اور جب اس کی یہ کیفیت ہو جاتی ہے تو وہ سرکشی اختیار کرتا ہے۔ نہ اسے اللہ تعالیٰ کے کسی فرمان کی پروا ہوتی ہے اور نہ اس کے بھیجے ہوئے رسول کے ارشادات کو وہ قابل اعتنا سمجھتا ہے جو اس کے جی میں آتا ہے کر گزرتا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ ہفت کشور کا سلطان بھی بن جائے اگر دنیا بھر کی دولت بھی وہ جمع کر لے تو پھر بھی وہ ایک بے بس انسان ہے۔ جب اس کی موت کا وقت آئے گا تو فرشتۂ اجل اس کی اکڑی ہوئی گردن مروڑ کر رکھ دے گا اور آخر کار اسے اس کے پروردگار کے دربار میں جواب دہی کے لیے پیش ہونا پڑے گا۔ اس وقت اس کو اپنی ناتوانی اور بے نوائی کا احساس ہوگا۔

۸ اس میں ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ ابو جہل نے لات و عزیٰ کی قسم کھا کر کہا کہ اگر اس

صَلّٰى ﴿١٠﴾ اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰٓى ﴿١١﴾ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ﴿١٢﴾

نماز پڑھتا ہے۔ بھلا دیکھیے تو اگر وہ ہدایت پر ہوتا ۞ یا پرہیزگاری کا حکم دیتا (تو اس کے لیے کتنا بہتر ہوتا)

اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿١٣﴾ اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ﴿١٤﴾

آپ نے دیکھ لیا اگر اس نے جھٹلایا اور رُوگردانی کی۔ کیا نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ (اسے) دیکھ رہا ہے۔

كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِيَةِ ﴿١٥﴾ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ

خبردار اگر وہ (اپنی روش سے) باز نہ آیا تو ہم ضرور (اسے) گھسیٹیں گے اس کے پیشانی کے بالوں سے۔ وہ پیشانی جو جھوٹی (اور)

نے پھر حضور کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو العیاذ باللہ وہ حضور کی گردن کو روند دے گا اور آپ کے منہ کو خاک آلود کر دے گا۔ لیطان علی رقبتہ ولیعفرن وجہہ۔ ایک دن اس نے حضور کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو آگے بڑھا تاکہ اپنی قسم پوری کرے۔ جب اس بُری نیت سے ڈگ بھرتے ہوئے نزدیک پہنچا تو لوگوں نے دیکھا کہ وہ پیچھے ہٹ رہا ہے اور اپنے ہاتھوں سے کسی چیز کو پرے ہٹانے کی کوشش کر رہا ہے۔ پوچھا گیا ہوا کیوں پیچھے ہٹ آئے۔ بکنے لگا جب میں نزدیک ہوا تو مجھے ان کے درمیان اور اپنے درمیان ایک خندق دکھائی دی جو آگ سے بھری ہوئی ہے اور اس سے شعلے اٹھ رہے ہیں۔ حضور نے ارشاد فرمایا اگر وہ میرے نزدیک آنے کی جرأت کرتا تو فرشتے اس کا انگ انگ جدا کر دیتے۔ اس وقت یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

۞ اگر ابوجہل ہدایت قبول کر لیتا اور لوگوں کو بھی تلقین کرتا کہ وہ تقویٰ اختیار کریں تو اس کے لیے کتنا اچھا ہوتا۔ اب جب اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ میرے نبی کریم کی تکذیب کی اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری سے رُوگردانی کر لی ہے تو کیا اب وہ عذاب الٰہی سے بچ سکتا ہے؟ کیا وہ نہیں جانتا کہ اس کے سارے کرتوتوں کو اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے اور اس کا یہ طریقہ ہے کہ اس قسم کے نابکار مجرموں کو وہ بڑے شدید عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔

ان آیات کا ایک اور مفہوم بھی بیان کیا گیا ہے:

یہاں اَرَءَیْتَ کا کلمہ تین مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ دوسرے اَرَءَیْتَ میں ضمیر خطاب کا مرجع ابوجہل ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ اے ابوجہل تو جس بندے کو نماز سے منع کرتا ہے اگر وہ ہدایت پر ہو اور لوگوں کو تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دے رہا ہو تو پھر تمہارا انجام کیا ہوگا؟ وہ ہدایت یافتہ انسان جو تقویٰ کا نور پھیلانے میں کوشاں ہو اس کو ایسے نیک کام سے منع کرنے والا کیا غضب الٰہی سے بچ سکتا ہے؟

خَاطِئَةٍ ﴿١٦﴾ فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ﴿١٧﴾ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ﴿١٨﴾ كَلَّا ؕ

خطا کار ہے۔ ۹ پس وہ بلالے اپنے ہم نشینوں کو (اپنی مدد کے لیے) ہم بھی جہنم کے فرشتوں کو بلائیں گے۔ ہاں ہاں!

۹ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک روز مقام ابراہیم پر نماز ادا کر رہے تھے کہ ابوجہل کا وہاں سے گزر ہوا اور گستاخانہ لہجے میں کہنے لگا کہ کیا میں نے تمہیں نماز پڑھنے سے روکا نہیں، تم پھر وہی کام کر رہے ہو۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے بڑا کڑوا کسیلا جواب دیا۔ ابوجہل بولا اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) تو مجھے کیونکر دھمکی دے سکتا ہے۔ اعوان و انصار کی جتنی جمعیت میرے پاس ہے بطحا کی ساری وادی میں اور کسی رئیس کے پاس نہیں۔ ایک آواز دوں تو ساری وادی میں تل دھرنے کے لیے بھی جگہ نہ رہے۔ اس وقت جبریل امین یہ آیات لے کر نازل ہوئے جن میں بتایا گیا کہ اگر یہ نابکار اپنی گستاخیوں سے باز نہ آیا تو ہم اس کو اس کی پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر زمین پر گھسیٹیں گے اور یہ پیشانی لوگوں کی نظروں میں تو مکہ کے ایک رئیس کی پیشانی ہے، قریش کے ایک نامور سردار کی پیشانی ہے، لیکن درحقیقت یہ ایک ایسے شخص کی پیشانی ہے جو جھوٹا ہے، جو غلط کار ہے۔ ایسے شخص کی پیشانی اس قابل ہے کہ اسے مٹی میں خوب رگڑا جائے اور اسے خاک مذلت پر گھسیٹا جائے۔ اگر وہ اپنے ہمنشیں دوستوں اور مددگاروں کو بلائے گا تو ہم جہنم کے فرشتوں کو حکم دیں گے کہ اس نابکار کی اور اس کے اعوان و انصار کی تکہ بوٹی کر دیں۔

زبانیۃ: ملائکۃ العذاب وصف الاصل الشرط ای اعوان الولاۃ وسمی ملائکۃ العذاب بذالک لدفعھم زبانیہ: عذاب کے فرشتوں کو کہتے ہیں۔ اس کا اصل معنی پولیس ہے جو افسروں کی اعانت پر مقرر ہوتی ہیں۔ ملائکہ عذاب کو زبانیہ اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ مجرموں کو دھکے دے کر جہنم میں پھینکیں گے۔

ان آیات میں جو مشکل الفاظ ہیں ان کی تشریح بھی سن لیجیے:

لَنَسْفَعًا: اصل میں لَنَسْفَعَنْ ہے جو مضارع جمع متکلم کے آخر میں نون تاکید خفیفہ ہے، لیکن قرآن کے رسم الخط کا اتباع کرتے ہوئے اسے لَنَسْفَعًا کی صورت میں لکھا گیا ہے۔ یہ سفع سے ماخوذ ہے۔ قال المبرد: السفع الجذب بشدۃ: کسی چیز کو زور کے ساتھ کھینچنا۔ وقیل السفع الضرب۔ طمانچہ مارنا۔ وقیل ھو ماخوذ من سفعتہ النار والشمس اذا غیرت وجہہ الی حال تسوید۔ آگ اور دھوپ کی وجہ سے جب کسی کے چہرے کی رنگت سیاہی مائل ہو جائے۔

ناصیۃ: شعر مقدم الراس۔ پیشانی پر جو بال ہوتے ہیں انہیں ناصیہ کہتے ہیں۔ یعنی ہم اسے پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر اس کے منہ پر تھپڑ رسید کریں گے اور اسے گھسیٹتے ہوئے جہنم میں پھینک دیں گے۔ ناصیہ کا معنی تو پیشانی کے بال ہے لیکن اس سے مراد پورا شخص بھی ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں کاذبۃ خاطئۃ کا معنی یہ ہوگا کہ یہ نابکار سراسر جھوٹا اور خطا کار ہے۔

نادیہ: اھل مجلسہ وعشیرتہ انسان کے ہم نشین اور اس کے قبیلہ والوں کو نادی کہتے ہیں۔

زبانیۃ: یہ جمع ہے۔ اس کے واحد کے بارے میں کئی اقوال ہیں۔ کسائی کا قول ہے کہ اس کا واحد زِبْنِیّ ہے۔ اخفش کی رائے ہے کہ اس کا واحد زابنٌ ہے۔ ابوعبیدہ کہتے ہیں زِبْنِیَۃ ہے۔ بعض نے زبانی بتایا ہے۔ بعض علمائے لغت کے نزدیک یہ اسم جمع ہے جیسے

لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ﴿۱۹﴾

اس کی ایک نہ سنیئے۔ (اے حبیب!) سجدہ کیجیے اور (ہم سے) اور قریب ہو جائیے۔ ۱؎

ابابیل اور عبادید۔ جن کی پکڑ بہت سخت ہو اہل عرب انہیں زبانیہ کہتے ہیں۔ قال الشاعر:

مطاعیم فی القصوی مطاعین فی الوغی زبانیۃ غلب عظام حلومہا

ترجمہ: وہ لوگوں کو خوب کھانا کھلانے والے ہیں اور جنگ میں ان کی نیزہ زنی بہت سخت ہے۔ ان کی گرفت بہت شدید ہے ان کی گردنیں موٹی ہیں اور ان کی عقلیں بہت بڑی ہیں۔ آیت میں اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو اپنی جسامت کے لحاظ سے بڑے گرانڈیل اور برتاؤ کے اعتبار سے بڑے سخت اور کرخت ہیں۔

۱؎ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہیں کہ اس جھوٹے بدکار کی بات مت مانیے۔ یہ اگر نماز پڑھنے سے منع کرتا ہے تو اس کی پروا نہ کیجیے۔ آپ اپنے پروردگار کی جناب میں ہمیشہ سجدے کرتے رہیے اور کثرت سجود سے اس کا قرب حاصل کرتے رہیے۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی۔ علیک بکثرۃ السجود فانہ لا تسجد للہ تعالیٰ سجدۃ الا رفعک اللہ بہا درجۃ وحط عنک بہا خطیئۃ۔

اے ثوبان! کثرت سے سجدہ کیا کرو کیونکہ جب تو اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ ہر سجدے کے ساتھ تیرا ایک درجہ بلند کرے گا اور تیری ایک خطا معاف کرے گا۔

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا اقرب ما یکون العبد من ربہ وھو ساجد کہ بندہ اپنے رب کے نزدیک سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے جب وہ سجدہ کر رہا ہو۔

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب یہ آیت پڑھتے تو سجدۂ تلاوت ادا فرماتے۔

○

اللھم وفقنا ان نسجد لک ونقترب الیک یا ارحم الراحمین وصل وسلم وبارک علی حبیبک الکریم وعلی آلہ واصحابہ ومن تبعہ الی یوم الدین۔

○

تعارف

سُورۃ القدر

نام : اس کا نام القدر ہے۔ اس میں ایک رکوع، پانچ آیتیں، تیس کلمے اور ایک سو بارہ حروف ہیں۔

نزول : علامہ آلوسی اور دیگر مفسرین رقمطراز ہیں کہ سورت کے نزول کے بارے میں علماء کے دو قول ہیں۔ ابُوحیان اندلسی اپنی تفسیر بحرِ محیط میں لکھتے ہیں کہ یہ سورت مدنی ہے۔ علامہ واحدی کا قول ہے۔ یہ مدینہ طیبہ میں سب سے پہلے نازل ہُوئی لیکن اکثر علماء تفسیر کا یہی قول ہے کہ یہ مکی ہے۔ پہلے قول کی تائید میں جو روایات ذکر کی جاتی ہیں وہ سند کے اعتبار سے قابلِ اعتبار نہیں نیز سُورت کا مضمون بھی دُوسرے قول کی تائید کرتا ہے۔ اس سے پہلی سورت میں نزولِ قرآن کا ذکر تھا اس سُورت میں اُس رات کی قدر و منزلت بیان کی گئی ہے جسے یہ اعزاز نصیب ہُوا۔

مضمون : قدر کا معنیٰ تقدیر اور قسمت بھی ہے اور عزت و منزلت بھی۔ یہاں دونوں معنے لیے جا سکتے ہیں۔ بتایا کہ یہ معمولی رات نہیں بلکہ وہ رات ہے جس میں اللہ کے اس کلامِ معجز نظام کے نزول کی ابتدا ہُوئی جو قسمت اور تقدیر کو بدلنے والا ہے کسی ایک شخص یا قبیلے یا ملک کی نہیں بلکہ نوعِ انسانی کے ان تمام افراد کی جو اس کو قبول کرتے ہیں اور اس پر عمل کرنے کا تہیہ کر لیتے ہیں۔ پھر اس میں کسی زمانہ کی تخصیص بھی نہیں۔ جس طرح اس رسُول کی رسالت قیدِ زمانی سے ماورا ہے۔ اسی طرح اس کا لایا ہُوا کلام بھی ان زمانی حدود سے ناآشنا ہے۔ یا اس سے اُس رات کی قدر و منزلت بیان فرمائی جا رہی ہے جس رات کی خاموشیوں میں یہ صحیفۂ رُشد و ہدایت نازل ہُوا اور اس ذاتِ اقدس و اطہر کو منصبِ نبوت پر فائز کیا گیا۔ بتا دیا کہ اس رات کی خیرات و برکات ہزار ماہ کی عبادت سے برتر ہیں۔ ساری رات فرشتوں کی آمد اور رحمتوں کے نزول کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور سلامتی کی بشارتیں دی جاتی رہتی ہیں۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا

۷۷-۴-۱۰

سُوْرَةُ الْقَدْرِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ هِيَ خَمْسُ اٰيٰتٍ

سورۃ القدر مکی ہے ۔ اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے ۔ اس کی پانچ آیات ہیں

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ① وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ② لَيْلَةُ

بے شک ہم نے اس (قرآن) کو اتارا ہے شب قدر میں ۱؎ اور آپ کچھ جانتے ہیں کہ شب قدر کیا ہے ۔ شب

الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ③ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا

قدر بہتر ہے ہزار مہینوں سے ۲؎ اترتے ہیں فرشتے اور روح (القدس) اس میں ۳؎

۱؎ اگرچہ یہاں قرآن مجید کا صراحۃً ذکر نہیں لیکن انزلناہ کی ضمیر منصوب کا مرجع بالاتفاق قرآن مجید ہی ہے۔ فرمایا قرآن کسی فرشتے یا کسی انسان کا کلام نہیں، نہ ان میں سے کسی ایک فرد یا مجمع علمی کی تصنیف ہے۔ اس کو اتارنے والے ہم ہیں۔ یہ ہمارا کلام ہے۔ اس میں کسی غیر کے اختراع کا کوئی وجود نہیں۔ اور ہم نے اس کو اس رات میں اتارا ہے جو قدر و منزلت کے اعتبار سے بے مثل رات ہے۔ یا اس رات میں اتارا جو تقدیر ساز ہے۔ جس کی برکت سے صرف اہل مکہ اور ساکنان حجاز کے مقدر کا ستارہ ہی طلوع نہیں ہوا بلکہ ساری انسانیت کا بخت خفتہ بیدار ہو گیا۔ اس رات میں ایسی کتاب نازل ہوئی جس میں بنی نوع انسان کو اپنی پہچان اور اپنے خالق کا عرفان عطا فرمایا۔

امام زہری فرماتے ہیں سمیت بہا للعظمۃ والشرف . . . . لان العمل فیہا یکون ذا قدر عند اللہ (مظہری)، علامہ قرطبی نے اس رات کو لیلۃ القدر کہنے کی وجہ یوں بیان کی ہے قیل سمیت بذلک لانہ انزل فیہا کتابا ذا قدر علی رسول ذی قدر علی امۃ ذات قدر یعنی اسے شب قدر اس لیے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں ایک بڑی قدر و منزلت والی کتاب، بڑی قدر و منزلت والے رسول پر اور بڑی قدر و منزلت والی امت کے لیے نازل فرمائی۔ اس کی شان نزول یہ بیان کی گئی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی امت کی عمروں کو مختصر پایا اور خیال ہوا کہ وہ مختصر عمر میں اتنے اعمال صالحہ نہ کر سکیں گے جتنے پہلی امتوں نے اپنی طویل عمروں میں کیے ہیں۔ فاعطاہ اللہ لیلۃ القدر خیر من الف شہر (مظہری)، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کریم کو لیلۃ القدر عطا فرمائی جو ہزار مہینے سے بہتر ہے۔

۲؎ جو تحفہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو مرحمت فرمایا اب اس کی جلالت شان کا بیان ہو رہا ہے۔ خود ہی سوال کیا تو خود ہی جواب دیا۔ فرمایا بھلا تم جانتے ہو لیلۃ القدر کیا ہے؟ خود ہی جواب دیا کہ یہ ایک رات ایک ہزار ماہ سے بھی افضل ہے۔ یہ بہتری اور افضلیت کس اعتبار سے ہے؟ اکثر مفسرین کا یہ قول ہے العمل فیہا خیر من العمل فی الف شہر لیس فیہا لیلۃ القدر کہ اس ایک رات میں جو عمل کیا جاتا ہے وہ ایک ہزار ماہ کے عمل سے بہتر ہے جس میں لیلۃ القدر نہ ہو۔ علامہ قرطبی نے اپنی رائے ان الفاظ میں بیان کی ہے۔ وفی تلک اللیلۃ یقسم الخیر الکثیر الذی لا یوجد مثلہ فی الف شہر کہ اس رات میں اتنی خیر کثیر تقسیم کی جاتی ہے جتنی ایک ہزار مہینہ میں بھی تقسیم نہیں ہوتی اور یہ بھی مفہوم ہو سکتا ہے کہ انسان کی اصلاح اور فلاح کے لیے جو کام (نزول قرآن) اس ایک رات میں ہوا یہ ہزار مہینے کی کوششوں سے بھی بہتر

اور افضل ہے۔

رہی یہ بات کہ یہ رات کس مہینہ کی ہے اور کس تاریخ کو آتی ہے؟ مہینہ کا فیصلہ تو خود قرآن کریم نے کر دیا کہ قرآن کا نزول رمضان میں ہوا۔ ثابت ہو گیا کہ یہ رات ماہ رمضان ہی کی کوئی رات ہے۔ تاریخ کے تعین کے بارے میں علما کا بڑا اختلاف ہے۔ چالیس کے قریب اقوال مذکور ہیں، لیکن صحیح حدیث میں یہ الفاظ موجود ہیں۔ تحروا لیلۃ القدر فی العشر الاواخر من رمضان کہ رمضان شریف کے آخری عشرہ میں لیلۃ القدر کو تلاش کرو۔ دوسری حدیث میں ہے کہ آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔ اکثر علما کی رائے یہ ہے کہ رمضان شریف کی ستائیسویں رات لیلۃ القدر ہے۔ حضرت ابی ابن کعب تو اس پر قسم ہی کھایا کرتے تھے۔

اس کو متعین نہ فرمانے میں بھی کئی حکمتیں ہیں تاکہ مسلمان اس رات کی تلاش میں زیادہ نہیں تو کم از کم پانچ طاق راتیں اللہ تعالیٰ کے ذکر اور عبادت میں گزاریں۔ اگر رات متعین کر دی جاتی تو لوگ صرف اسی رات کو ہی جاگتے اور عبادت کرتے۔ نیز اس رات کو اگر مقرر کر دیا جاتا تو اسے ذکر و عبادت میں گزارنے والے تو اجر عظیم کے مستحق قرار پاتے لیکن اسے گناہوں میں صرف کرنے والے بھی سنگین سزاؤں میں مبتلا کیے جاتے کیونکہ انہوں نے شب قدر کو پہچانتے ہوئے اسے خدا کی نافرمانی میں ضائع کیا۔ اس لیے رحمت کا تقاضا یہی ہے کہ اسے مستور رکھا جائے تاکہ اگر کوئی بے نصیب بے خبری میں اس رات کو گناہوں کی بھینٹ چڑھا تا ہے تو اسے گناہ ایک عام رات کا ملے اور جاگنے والے زیادہ راتیں جاگتے رہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جو رات اپنے مالک حقیقی کی یاد میں بسر ہوتی ہے اہل عشق کے لیے وہ بھی لیلۃ القدر ہے۔ عارف ربانی عمر ابن فارض قدس سرہٗ کا یہ شعر کتنا پیارا ہے:

وکل اللیالی لیلۃ القدر ان دنت   کما کل ایام اللقاء یوم جمعۃ

ترجمہ: اگر محبوب کا قرب نصیب ہو جائے تو ساری راتیں لیلۃ القدر ہیں جس طرح اس کی ملاقات کا ہر دن جمعہ کا مبارک دن ہے۔

۳۔ حضرت انس سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اذا کان لیلۃ القدر ینزل جبریل فی کبکبۃ من الملائکۃ یصلون علی کل عبد قائم او قاعد یذکر اللہ عزوجل یعنی لیلۃ القدر کو جبریل فرشتوں کے ایک جم غفیر کے ساتھ زمین پر اترتا ہے اور ملائکہ کا یہ گروہ ہر اس بندے کے لیے دعائے مغفرت اور التجائے رحمت کرتا ہے جو کھڑے ہوئے یا بیٹھے ہوئے اللہ عزوجل کے ذکر میں مشغول ہوتا ہے۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ان سے مصافحہ بھی کرتے ہیں۔

کتنا خوش نصیب اور بلند اقبال ہے وہ بندہ جو اس رات کو اپنے پروردگار کی یاد میں بسر کرتا ہے، جبریل اور فرشتے اس کے ساتھ مصافحہ کرنے کا شرف حاصل کرنے کے لیے آسمان سے اتر کر اس کے پاس آتے ہیں اور اس کی مغفرت و بخشش کے لیے دعائیں مانگتے ہیں۔

حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم رمضان شریف کے آخری عشرہ کے لیے خصوصی اہتمام فرمایا کرتے۔ حضرت عائشہ کا ارشاد ہے کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اذا دخل العشر شد مئزرہ واحیا لیلہ وایقظ اھلہ۔ (متفق علیہ) یعنی رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ جب یہ آخری عشرہ شروع ہوتا تو آپ تہبند کس کر باندھ لیتے۔ راتوں کو ذکر الٰہی سے زندہ کرتے اور اپنے اہل و عیال کو بھی عبادت

بِاِذۡنِ رَبِّهِمۡ ۚ مِنۡ كُلِّ اَمۡرٍ ۛ﴿۴﴾ سَلٰمٌ ۛ هِىَ حَتّٰى مَطۡلَعِ الۡفَجۡرِ ﴿۵﴾

اپنے رب کے حکم سے ؎۴ ہر امر (خیر) کے لیے ؎۵ یہ سراسر امن و سلامتی ہے۔ یہ رہتی ہے طلوعِ فجر تک ؎۶

کے لیے جاگتے۔

حضرت عائشہ ہی کا ارشاد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جتنا مجاہدہ اس آخری عشرہ میں فرماتے کسی دوسرے وقت میں ایسا مجاہدہ نہ کرتے۔

اس آخری عشرہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اعتکاف بھی بیٹھا کرتے اور یہ معمول آخر تک جاری رہا اور اپنے غلاموں کو بھی اعتکاف بیٹھنے کی ترغیب دلاتے۔ حضور کے وصال کے بعد امہات المومنین بھی اپنے آقا کی اس سنت پر پابندی سے عمل کیا کرتیں۔

آیت میں الروح سے مراد جبرئیل امین ہے۔ ان کی جلالتِ شان کے پیشِ نظر خصوصیت سے ان کا ذکر کیا گیا۔ بعض علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ الروح فرشتوں کی ایک صنف ہے جو عام فرشتوں سے زیادہ لطیف ہے۔ جس طرح ہم فرشتوں کو نہیں دیکھ سکتے، عام فرشتے اس صنف کو اس کی حد درجہ لطافت کے باعث نہیں دیکھ سکتے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ الروح کا معنی رحمت ہے۔ یعنی فرشتوں کا وہ گروہ جو جبرئیل کی قیادت میں اس رات زمین پر اترتا ہے اپنے ساتھ رحمتِ خداوندی کے بے اندازہ خزانے لے کر آتا ہے۔

؎۴ یعنی فرشتوں کا یہ نزول از خود نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ انہیں حکم دیتا ہے کہ زمین پر جاؤ اور اس کے مشارق و مغارب کا چکر لگاؤ جہاں کہیں میرے محبوب کا کوئی 'امتی' میرے ذکر کی شمع روشن کر کے بیٹھا ہے' اس کے پاس پہنچو اور اس کو ہماری طرف سے نویدِ رحمت سناؤ اس سے مصافحہ کرو اور اس کے لیے مغفرت کی دعائیں مانگو۔ کیا شان ہے اللہ تعالیٰ کے محبوب کی اور اس کے طفیل کیا شان ہے اس کے غلاموں کی۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب اس مقام پر لکھتے ہیں: "یعنی فرود می آیند ملائکہ از آسمانہا و ارواح از مقام علیین دراں شب برائے ملاقات اہلِ کمال و اقتباس انوار اعمال بنی آدم و تلذذ بادراک کیفیات کہ در نفوس ارضیاں بنسبتِ محبوب و معبود خود حاصل شدہ است۔"

ترجمہ: یعنی آسمان سے اس رات فرشتے اترتے ہیں اور علیین سے روحیں نازل ہوتی ہیں تاکہ با کمال انسانوں کے ساتھ ملاقات کریں اور ان کے اعمال کے انوار سے روشنی حاصل کریں اور اپنے محبوب اور معبود کی محبت کا جو جذبہ ان کے سینوں میں جوش مار رہا ہے اس کی لذت سے بہرہ ور ہوں۔

؎۵ علامہ قرطبی نے لکھا ہے کل امر سے وہ تمام کام مراد ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ایک سال تک فیصلہ کر دیا ہے۔

؎۶ یعنی یہ رات امن و سلامتی کی رات ہے۔ نفس و شیطان کی وسوسہ اندازیاں عابدوں کو پریشان نہیں کرتیں۔ بڑی جمعیتِ خاطر کے ساتھ وہ اپنے رب سے لو لگائے رہتے ہیں اور اس کے ذکر سے لطف اندوز ہوتے رہتے ہیں اور یہ روح پرور اور ایمان افروز کیفیت رات بھر صبح کے طلوع ہونے تک جاری رہتی ہے۔ بعض علماء نے اس کا مفہوم یہ بتایا ہے کہ "ملائکہ و ارواح دراں شب بر جمیع مومناں سلام می گویند و با اہلِ کمال مصافحہ می نمایند پس ایں آیت بیان کیفیت ملاقات آنہاست بعد از بیان نزول آنہا۔"

یعنی فرشتوں کے زمین پر اترنے کے بیان کے بعد اب ان کی ملاقات کی کیفیت ذکر کی جارہی ہے کہ وہ اس رات کو تمام اہلِ ایمان کو سلام پیش کرتے ہیں اور اہلِ کمال سے مصافحہ کرتے ہیں۔ (عزیزی)

اس رات کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ جو دعا مانگی جائے وہ قبول ہوتی ہے۔

انسان کو چاہیے کہ بڑی سرگرمی سے اس رات کی تلاش کرے، غفلت اور کاہلی سے کام نہ لے۔ ذوق و شوق سے رمضان کے آخری عشرہ کی پانچ طاق راتوں کو بیدار رہے اور انہیں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہوئے گزارے جب دعا مانگے تو ایسی جامع دعا مانگے کہ پھر کوئی حسرت باقی نہ رہے۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ لیلۃ القدر نصیب ہو تو کیا دعا مانگوں؟ حضور نے فرمایا یوں دعا کرو۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّی۔

اے اللہ تعالیٰ! تو بہت درگزر فرمانے والا ہے، تو درگزر کو بہت پسند کرتا ہے، میرے گناہوں سے بھی درگزر فرمادے۔

اس رات کے بارے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشادِ گرامی بھی پیشِ نظر رہے:

من قام ليلة القدر ايمانا واحتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه۔

یعنی جو شخص لیلۃ القدر میں ایمان کے ساتھ اور حصولِ ثواب کے لیے قیام کرتا ہے اس کے پہلے سارے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔

○

واعف عنا واغفر لنا وارحمنا انت مولٰنا فانصرنا على القوم الكافرين

اللهم صل وسلم وبارك على خاتم الانبياء وسيد المرسلين شفيع المذنبين

رحمة للعٰلمين وعلى اٰله واصحابه ومن تبعه باحسان الى يوم الدين

○

تعارف

سُورۃ البیّنۃ

نام : اس کا نام سورۃ "البینۃ" اور سورت "لم یکن" دونوں بتائے جاتے ہیں۔ اس میں ایک رکوع۔ آٹھ آیتیں چوراسی کلمے اور تین سو ننانوے حروف ہیں۔

نزول : اس کے نزول کے بارے میں بھی علماء کے دو قول ہیں۔ علامہ ابوحیان اندلسی کہتے ہیں کہ جمہور کے نزدیک یہ مکی ہے۔ ان کے برعکس ابن الزبیر عطاء ابن یسار اور ابن عطیہ کی رائے ہے کہ یہ مدنی ہے۔ اس کو بھی جمہور کا قول کہا گیا ہے۔ ایک صحیح روایت سے اس دوسرے قول کی تصدیق ہوتی ہے۔ امام احمد طبرانی اور ابن مردویہ نے ابی خیثمہ البدری سے روایت کیا ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو جبرائیل نے عرض کیا یا رسول اللہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ابی ابن کعب کو پڑھ کر سنائیے حضور نے ابی کو جب یہ بات بتائی تو انہوں نے ازراہ حیرت عرض کیا : اے اللہ کے رسول کیا اس بندے کو وہاں بھی یاد فرمایا جاتا ہے ؟ حضور نے فرمایا بے شک ابی اپنی یہ عزت افزائی دیکھ کر رو پڑے۔ علامہ آلوسی یہ روایت لکھنے کے بعد فرماتے ہیں۔ "ھذا ھو الاصح" یہی زیادہ صحیح ہے۔ مشرکین کے ساتھ اہل کتاب کا ذکر بھی اسی قول کی تائید کرتا ہے۔

مضامین : سورۃ "العلق" میں نزول کتاب "القدر" میں اس رات کی قدر و منزلت اور اس سورت میں رسالت کی ضرورت کو بیان فرمایا جارہا ہے کہ مشرک اور اہل کتاب اس وقت تک اپنے باطل عقائد سے دستبردار نہیں ہوں گے جب تک ایسا رسول تشریف نہ لے آئے جس کی ذات اور جس کا کردار اس کی دعوت کی صداقت کی روشن دلیل ہو۔ پھر بتایا کہ اہل کتاب کا راہ حق سے انحراف اس وجہ سے نہ تھا کہ ان کے پاس کوئی آسمانی صحیفہ نہیں آیا تھا یا ان کی طرف کوئی رسول مبعوث نہیں کیا گیا تھا۔ بلکہ یہ لوگ محض ذاتی اغراض اور شخصی مفاد کی وجہ سے حق کو چھوڑ گئے۔

پھر اس حقیقت کو واضح کیا گیا کہ سب نبی اور رسول ایک ہی دین کی دعوت دینے کے لیے مبعوث کیے جاتے رہے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ پورے خلوص اور یکسوئی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت، نماز کی اقامت اور زکوٰۃ کی ادائیگی میں سرگرم رہو۔ جن لوگوں نے اس دعوت کو قبول نہ کیا اور اس پر عمل کرنے سے گریزاں رہے وہ بدترین خلائق ہیں لیکن جن خوش نصیبوں نے اس دعوت کو صمیم قلب سے قبول کیا اور خلوص سے اس کی ہدایات پر عمل پیرا ہے وہ تمام مخلوق سے اعلیٰ وارفع ہیں۔ جنت کی بشارت کے ساتھ انہیں یہ مژدہ جانفزا بھی سنایا جارہا ہے کہ انہوں نے اپنے رب سے ترساں لرزاں جس طرح اپنی زندگی گزاری اس کے عوض انہیں اس منصب رفیع پر فائز کیا جائیگا جہاں خداوند ذوالجلال ان سے اور وہ اپنے خداوند کریم سے راضی ہوں گے۔

سُوْرَةُ الْبَيِّنَةِ مَدَنِيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ ثَمَانِيْ اٰيَاتٍ

سورۃ البینہ مدنی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — اس میں آٹھ آیات ہیں

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ

جن لوگوں نے اہل کتاب میں سے کفر کیا (وہ) اور مشرکین (کفر سے)

مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝١ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا

الگ ہونے والے نہ تھے جب تک کہ نہ آجاتی ان کے پاس ایک روشن دلیل [1] (یعنی) ایک رسول اللہ کی طرف سے جو انہیں پڑھ کر سنائے

[1] رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے عرب کے باشندے دو گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ایک گروہ وہ تھا جو سرے سے کسی نبی پر ایمان نہیں رکھتا تھا اور نہ ان کے پاس کوئی آسمانی صحیفہ تھا۔ ان میں سے کوئی بتوں کی پوجا میں مگن تھا کوئی آگ کی عبادت میں کھویا ہوا اور کوئی آگ کو اپنا معبود بنائے ہوئے تھا۔ ان کے عقائد میں شدید اختلافات کے باوجود شرک قدر مشترک تھا۔

دوسرا گروہ ان لوگوں پر مشتمل تھا جو کسی نبی کے امتی ہونے کے دعویدار تھے۔ ان کے پاس کوئی نہ کوئی آسمانی کتاب بھی تھی لیکن مرور زمانہ سے وہ بھی کھلی گمراہی میں پھنس چکے تھے۔ ان کے آسمانی صحیفے تحریف کی نذر ہو چکے تھے۔ ان کے اعمال و عقائد میں واضح بگاڑ پیدا ہو چکا تھا۔ انبیاء کی تعلیمات سے انہوں نے رخ موڑ لیا تھا اور خود ساختہ مخترعات کو اپنا دین بنا لیا تھا۔ ان کا بگاڑ اس حد تک پہنچ چکا تھا کہ کوئی حضرت عزیر کو فرزند خداوند کوئی ابن مریم مسیح کو خدا کا بیٹا یقین کرتا تھا۔ اگرچہ شرک میں یہ لوگ بھی دیگر مشرکین سے پیچھے نہ تھے، لیکن قرآن کریم نے ان دو گروہوں کو ہمیشہ الگ الگ ناموں سے یاد کیا ہے۔ پہلے گروہ کو مشرک کہا گیا اور دوسرے گروہ کو اہل کتاب۔ اس لیے کہ دوسرا گروہ اپنے آپ کو ایک ایسے دین کا پیرو کہلاتا ہے جو بنیادی طور پر دین توحید ہے۔ اس لیے قرآن کریم نے انہیں مشرکین کے لفظ سے یاد نہیں کیا۔ شرعی احکام میں بھی اس فرق کو ملحوظ رکھا گیا۔ مشرکین کا ذبیحہ بھی حرام اور ان کی عورتوں کے ساتھ شادی بھی قطعاً ممنوع۔ اس کے برعکس اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کی بھی اجازت ہے اور ان کا ذبیحہ بھی حلال ہے بشرطیکہ وہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کریں اور شریعت کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق ذبح کریں۔

مذکورہ آیت میں ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ ان دونوں گروہوں میں کفر و شرک اتنا راسخ ہو چکا ہے کہ اب دوسرے درجہ کی کوشش انہیں اس دلدل سے نہیں نکال سکتی۔ کوئی عالم، کوئی زاہد، کوئی مصلح اب ان کو راہ راست پر نہیں چلا سکتا۔ جن تاریکیوں نے ان کا محاصرہ کر رکھا ہے کوئی معمولی روشنی اس محاصرہ کو نہیں توڑ سکتی۔ ان کی ہدایت کے لیے تو کسی ایسی قوی اور تابندہ دلیل کی ضرورت ہے جس کی کرنیں تاریکیوں کا سینہ چاک کر کے رکھ دیں۔ شکوک و شبہات کے غبار کو یکسر ناپید کر دیں۔ طلوع آفتاب سے جس طرح زمین کا گوشہ گوشہ چمکنے لگتا ہے، ہدایت کا کوئی ایسا آفتاب طلوع ہو جو ان کے قلب و اذہان کے کونے کونے میں اجالا کر دے۔

مُنْفَكِّيْنَ: انفکاک سے ہے یعنی کسی چیز کا کسی چیز سے الگ ہو جانا، جدا ہو جانا۔ البینۃ: روشن دلیل جو حق کو واضح کر دے۔

صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝٢ فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۝٣ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا

پاک صحیفے ؎۲ جن میں لکھی ہوئی سچی اور درست باتیں ہیں ؎۳ اور نہیں بٹے فرقوں میں اہل

الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝٤ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا

کتاب مگر اس کے بعد کہ آگئی ان کے پاس روشن دلیل ؎۴ حالانکہ نہیں حکم دیا گیا تھا انہیں مگر

؎۲ اس دوسری آیت میں بتا دیا کہ وہ البینۃ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے جسے اللہ تعالیٰ نے رسالت کے منصب پر فائز کر کے گمراہوں کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا ہے۔ قال الزجاج رَسُوْلٌ رفع علی البدل من البینۃ (قرطبی) رسول مرفوع ہے کیونکہ یہ البینۃ کا بدل ہے۔

یہ رسول روشنی اور ہدایت کا وہ بلند مینار ہے جس کی تابندہ شعاعوں سے عالم انسانیت کے نشیب و فراز جگمگا رہے ہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ وہ ایسی کتاب کی تلاوت فرماتا ہے جو ہر قسم کے نقص اور عیب سے پاک ہے۔ دوسری مذہبی کتابوں کی طرح اس میں شرف انسانیت سے گری ہوئی کوئی بات نہیں، عقل سلیم کا منہ چڑانے والی کوئی حکایت نہیں۔ اخلاق باختگی کی طرف بلانے والی کوئی دعوت نہیں ہے۔ ہر عیب سے وہ پاک ہے، ہر نقص سے وہ مبرا ہے۔

؎۳ ان کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ ان میں صرف ایسے احکام و ہدایات ہیں جو سراسر حق اور درست ہیں۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ آیت میں کتب سے مراد احکام ہیں۔ ان الکتب ھٰھنا بمعنی الاحکام (قرطبی) و قیمۃ: ای مستقیمۃ، مستویۃ، محکمۃ۔ (قرطبی) یعنی راست، درست اور مستحکم۔ حضور کی ذات اقدس جملہ انسانی کمالات کی مظہر اتم تھی۔ حضور کے اخلاق، سیرت اور اعمال ہر آلائش سے اس قدر پاک تھے کہ رخ انور دیکھ لینے سے حضور کی صداقت کا یقین دل میں پیدا ہو جاتا تھا۔ نیز جو کتاب مقدس آپ پڑھ کر سنایا کرتے اس کا ہر پہلو سراپا اعجاز تھا۔ جو نظام حیات اس کتاب نے انسانیت کو بخشا وہ اپنی افادیت، اپنی ظاہری و باطنی برکتوں کے اعتبار سے اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ جب ہدایت کے یہ جملہ سامان بہم ہو جائیں تو پھر ہدایت پذیری میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں ہوتی۔ بجز اس کے کہ انسان کو اس کی بدبختی اس چشمہ فیض سے سیراب ہونے سے محروم کر دے۔

؎۴ یہود و نصاریٰ بے شمار فرقوں میں بٹ چکے تھے۔ ہر فرقہ اپنے آپ کو ہی اپنے دین کا ٹھیکیدار یقین کرتا تھا۔ باقی تمام فرقے اس کے نزدیک گمراہ اور راہ راست سے بھٹکے ہوئے اور دوزخ کا ایندھن تھے۔ ان میں مذہبی تنگ نظری کے باعث باہمی جنگ و جدال کا سلسلہ جاری رہتا جس کو موقع ملتا دوسروں پر ہلہ بول کر کشتوں کے پشتے لگا دیتا اور خون کے دریا بہا دیتا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ان کی یہ تفرقہ بازیاں اور تشتت و افتراق جہالت اور بے علمی کا نتیجہ نہیں بلکہ بدبختوں نے اس وقت تفرقہ بازی کی آگ بھڑکائی جب حق کو کھول کر ان کے سامنے رکھ دیا گیا تھا۔ دلائل و براہین نے حق و باطل کو ممتاز کر دیا تھا۔ محض اپنے ذاتی مفادات اور جھوٹی انا کی قربان گاہ پر اپنے ملی اور دینی اتحاد و یکجہتی کو بھینٹ چڑھا دیا تھا۔ بعض علمائے تفسیر نے اس آیت کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ یہاں بھی البینۃ سے مراد حضور کی ذات بابرکات ہے۔ حضور کی تشریف آوری سے

لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

یہ کہ عبادت کریں اللہ تعالیٰ کی دین کو اس کے لیے خالص کرتے ہوئے۔ بالکل یکسو ہو کر اور قائم کرتے رہیں نماز،

وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ

اور ادا کرتے رہیں زکوٰۃ [۵] اور یہی نہایت سچا دین ہے [۶] بے شک جنہوں نے کفر کیا

پہلے جملہ اہل کتاب حضور کے لیے چشم براہ تھے۔ بڑی بے چینی سے انتظار کی گھڑیاں گن رہے تھے۔ جب کفار کے ساتھ برسرِ پیکار ہوتے تو سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اسم نامی کا وسیلہ پکڑ کر دشمنوں پر فتح حاصل کرنے کی دعائیں مانگا کرتے۔ لیکن جب وہ ہادی برحق تشریف لے آیا تو ان کے تیور بدل گئے۔ حسد و عناد کے شعلے بھڑک اٹھے اور حضور پر ایمان لانے سے انہوں نے انکار کر دیا۔ اپنی آسمانی کتب میں آخر الزماں نبی کی بیان کردہ نشانیاں حضور میں مشاہدہ کر لینے کے باوجود حضور کو جھٹلانے پر کمربستہ ہو گئے۔ وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا فلما جاءھم ما عرفوا کفروا بہ (البقرہ: ۸۹) (مظہری، قرطبی وغیرہما) اہل کتاب حضور کے وسیلے سے کفار پر فتح طلب کیا کرتے تھے لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے آئے تو انہوں نے نہ پہچانا۔ حضور کے ساتھ کفر کرنا شروع کر دیا۔

[۵] وہ قومیں جو آج گوناگوں شرک میں مبتلا ہیں ان میں سے کوئی بھی ایسی قوم نہیں جس کو اس کے نبی یا رسول نے اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانے کا حکم نہ دیا ہو اور غیر اللہ کی عبادت کو ضلالت و گمراہی نہ کہا ہو۔ ان انبیاء نے انہیں یہی تلقین کی کہ اپنے عقائد کو شرک و کفر کی ہر آلائش سے پاک صاف رکھیں۔ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے عقیدے پر مضبوطی سے جم جائیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس عقیدۂ توحید کی انہیں دعوت دی ہے یہ کوئی نئی دعوت نہیں پہلے انبیاء و رسل نے بھی اپنی اپنی قوموں کو یہی درس دیا اور اس پر ثابت قدم رہنے کی تاکید فرمائی۔ ہر باطل سے منہ موڑ کر جو شخص صرف حق کی طرف متوجہ ہو جائے اسے حنیف کہتے ہیں۔ حنفاء اس کی جمع ہے۔ یعنی انہیں یہ بھی بتایا گیا کہ ان کے گردوپیش باطل اپنی مختلف شکلوں میں موجود ہے، ہر باطل سے دامن چھڑا کر وہ پوری یکسوئی کے ساتھ حق کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ عقیدہ کی اصلاح کے ساتھ ساتھ انہیں عبادات، نماز، زکوٰۃ وغیرہ کی ادائیگی کا بھی بار بار حکم دیا گیا۔ دانائی اور راست بازی کا تقاضا تو یہ ہے کہ وہ حضور کی دعوت کو قبول کر لیں اور اس ہادی برحق کے نقوشِ پا کو اپنا خضرِ راہ بنا لیں۔

[۶] وہی دین سچا اور صحیح دین ہو سکتا ہے جس میں اصلاحِ عقائد اور اصلاحِ اعمال کا جامع نظام موجود ہو۔ اسلام کے علاوہ کہیں بھی انہیں عقائد و اعمال کا یہ حسین امتزاج نظر نہیں آئے گا۔ القیمۃ کے بارے میں کئی اقوال ہیں۔ القیمۃ صفت ہے۔ اس کا موصوف الملۃ مقدر ہے۔ عبارت یوں ہے ذالک دین الملۃ القیمۃ یعنی ایک راست رو ملت کا دین ہے۔ دوسرا قول یہ ہے جو زیادہ واضح اور پسندیدہ ہے۔ القیمۃ کے آخر میں تا تانیث کی نہیں بلکہ مبالغہ کی ہے جیسے علامہ میں۔ اور دین جو موصوف ہے۔ اس کو صفت کی طرف مضاف کر دیا گیا۔ القیمۃ التی لا عوج فیہا۔ جس میں کوئی کجی نہ ہو۔ یعنی ہادی برحق علیہ الصلوٰۃ والسلام کا لایا ہوا دین ایسا دین ہے جس میں کوئی کجی نہیں کوئی خامی نہیں کوئی کمی نہیں۔

اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ الْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ

اہل کتاب سے (وہ) اور مشرکین آتش جہنم میں ہوں گے (اور) اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہی لوگ

هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ؕ ۝۶ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ

بدترین مخلوق ہیں ؎۶ (اور) یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے،

اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ؕ ۝۷ جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ

وہی ساری مخلوق سے بہتر ہیں ؎۷ ان کی جزا ان کے پروردگار کے ہاں ہمیشگی کی جنتیں

عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ

ہیں رواں ہوں گی جن کے نیچے نہریں وہ ان میں تا ابد رہیں گے ؎۸ اللہ تعالیٰ ان

؎۶ آفتاب ہدایت ضوفشاں ہے۔ صحیفۂ رشد و ہدایت ان کے سامنے ایسا نظام حیات پیش کر رہا ہے جو ان کی جسمانی اور روحانی نشوونما اور ان کی دنیوی اور اخروی فلاح کا ضامن ہے۔ جو لوگ اب بھی اس کا انکار کرتے ہیں، جو اب بھی نبی کریم کا دامن مضبوطی سے پکڑ نہیں لیتے وہ تمام مخلوق سے بدتر ہیں۔ وہ اسی لائق ہیں کہ انہیں دوزخ کا ایندھن بنا دیا جائے۔ وہ ہمیشہ اس میں جلتے رہیں، یہ لوگ کسی رعایت اور رحم کے مستحق نہیں۔

؎۷ ان کے برعکس جو لوگ راستے کی صعوبتوں کو خاطر میں نہیں لاتے، آگے بڑھ کر اس رسول معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر سچے دل سے ایمان لے آتے ہیں اور آپ کے بتائے ہوئے راستے پر گامزن ہو جاتے ہیں، یہی نفوس قدسیہ فخر روزگار ہیں اور انسانیت کی آبرو ہیں۔ کائنات کی کوئی چیز ان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ ان کا دل پاک، نگاہیں پاک، نیت پاک، عزم بلند، شوق فراواں اور منزل اونچی، اتنی اونچی کہ کوئی نوری فرشتہ بھی وہاں پر نہیں مار سکتا۔

؎۸ بہشت کے سدا بہار باغات، انہی کے لیے چشم براہ ہیں، وہاں بسنے والی تمنائیں، انہی کے شوق دید میں گرم سیر ہیں۔ وہاں کا ہر پھول، ہر گل، ان کی محبت کے رنگ میں رنگی ہوئی ہے۔ وہ وہاں رہیں گے، تا ابد وہاں رہیں گے۔ جنت کی ساری رونقیں، ان کے دم قدم سے ہیں، یہ وہاں نہ رہیں تو شگفتگیاں، اداسیوں میں بدل جائیں۔ بہاریں بھی روٹھ جائیں۔

اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ۝۸

سے راضی اور وہ اس سے راضی [۱۰] یہ (سعادت) اس کو ملتی ہے جو اپنے رب سے ڈرتا ہے [۱۱]

[۱۰] جنت اور اس کی فرحت انگیز ابدی مسرتوں سے بھی ایک اعلیٰ ترین انعام انہیں بخشا جائے گا اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ ان پر راضی ہو جائے گا۔ یہ رضا و خوشنودی یکطرفہ نہیں، دو طرفہ ہوگی۔ ان کا پروردگار ان کی محبت اور نیازمندی کو دیکھ کر ان پر راضی ہو جائے گا اور وہ نیازمند اپنے کریم رب کی بے پایاں عنایات سے بہرہ ور ہو کر اس سے راضی ہو جائیں گے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل جنت کو پکاریں گے یا اهل الجنة۔ وہ جواب عرض کریں گے لبیک ربنا وسعدیك والخیر کلّه فی یدیك۔ اے ہمارے پروردگار! ہم حاضر ہیں، ساری سعادتیں اور بھلائیاں تیرے دستِ قدرت میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ دریافت کریں گے کہ اب تم راضی ہو؟ وہ عرض کریں گے اے ہمارے رب! ہم تجھ پر راضی کیوں نہ ہوں جبکہ تُو نے ہمیں ایسی نعمتوں سے سرفراز کیا ہے جو کسی مخلوق کو نصیب نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا میں اس سے بھی ایک اعلیٰ انعام تمہیں عطا نہ کروں؟ وہ کہیں گے الٰہی! اس سے افضل اور کیا چیز ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ میں تمہیں اپنی رضا اور خوشنودی سے اس طرح سرفراز کر دوں کہ اس کے بعد میری ناراضگی کا تمہیں کوئی اندیشہ نہ رہے۔ (متفق علیہ)

[۱۱] یہ مقام بلند اور منصبِ رفیع ہر ایک کو نہیں بخشا جاتا۔ جھوٹی آرزوئیں کرنے والوں کو اس پر فائز نہیں کیا جاتا۔ یہ شرف ان سعادت مندوں کا حصہ ہے جو زندگی بھر اس سے ڈرتے رہتے ہیں۔ اس کی حکم عدولی کی انہیں جرأت ہی نہیں ہوتی۔ اگر بھولے سے لغزش ہو جائے تو خوف اور ندامت کے باعث رو رو کر آنسوؤں کے دریا بہا دیتے ہیں۔ ان لوگوں کو محبوبیت کی خلعتِ فاخرہ پہنائی جاتی ہے۔

چوں تمام افتد سراپا ناز می گردد نیاز　　قیس را لیلیٰ ہمیں نامند در صحرائے ما

○

اللهم اجعلنا منهم ومعهم وانت اكرم المسئولين۔ فاطر السموات والارض انت ولی فی الدنيا والآخرة توفنی مسلمًا والحقنی بالصالحين۔

مسکیں کرم عرشے کند، اے جنتِ عشاق تو خوش
گر من ازیں شاں نیستم درکارِ ایشاں کن مرا

اللهم صل وسلم وبارك علی حبيبك الاكرم ومحبوبك المكرم صاحب الوجه الجميل والخد الاسيل والطرف الكحيل وعلی آله واصحابه واولياء امته وعلماء امته وعلی سائر محبيه الی يوم الدين۔

شاعر سے معذرت کے ساتھ۔ اصل الفاظ یہ ہیں: مسکیں حسن مے گوید الخ

تعارف

سُورۃ الزلزال

نام : اسے سُورۃ "اِذَا زُلزلت" اور سُورت "زلزال" بھی کہتے ہیں۔ اس میں ایک رکوع، آٹھ آیتیں، ۳۵ کلمے اور ایک سو انتالیس حروف ہیں۔

نزول : اس کے نزول کے بارے میں بھی علماء کے دو قول ہیں۔ حضرت ابن عباس، مجاہد اور عطاء کے نزدیک یہ مکی ہے۔ قتادۃ اور مُقاتل نے اسے مدنی بتایا ہے لیکن سورت کے مضامین میں غور کیا جائے تو پہلے قول کی تائید ہوتی ہے۔

مضامین : خُدا فراموش انسان بڑی بے باکی اور بے حیائی سے زمین کے گوشے گوشے کو اپنے گناہوں سے داغ دار کرتا رہتا ہے۔ وہ خیال کرتا ہے کہ یہ درخت، یہ پتھر، یہ خاک کے ذرّے گونگے بہرے ہیں۔ انہیں اس کے کرتوتوں کا احساس تک نہیں۔ لیکن یہ اُس کی نادانی ہے۔ جب قیامت کے جھٹکوں سے کرۂ زمین پھٹ جائے گا۔ اُس میں چھپی ہُوئی سب چیزیں آشکارا ہو جائیں گی۔ اُس وقت زمین کے وہ درخت جن کی گھنی چھاؤں میں وہ دادِ عیش دیتا رہا اور وہ چٹانیں جن کی اوٹ میں وہ گناہوں کی بزمیں آباد کرتا رہا وہ چشم دید گواہوں کی طرح گویا ہو جائیں گے اور اُس کے اعمال کا کچا چٹھا کھول کر سامنے رکھ دیں گے۔ اُس وقت اس کی آنکھ کھلے گی لیکن بے سُود!

اس وقت لوگ گروہ در گروہ پیش کیے جائیں گے۔ ہر شخص کی ہر چھوٹی بڑی نیکی کا اجر اُسے ملے گا۔ اسی طرح ہر شخص کی ہر چھوٹی بڑی بُرائی کا نتیجہ بھی اُسے دیکھنا پڑے گا۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا

۱۰-۳-۷۷

سُوْرَةُ الزَّلْزَلَةِ مَدَنِيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ ثَمَانِيْ اٰيَاتٍ

سورۃ الزلزال مدنی ہے ۔ اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ ۔ اس میں آٹھ آیات ہیں

إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا ﴿١﴾ وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا ﴿٢﴾

جب تھرتھرانے لگے گی زمین پوری شدت سے ۱؎ اور باہر پھینک دے گی زمین اپنے بوجھوں (یعنی دفینوں) کو ۲؎

وَقَالَ الْإِنْسَانُ مَا لَهَا ﴿٣﴾ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا ﴿٤﴾ بِأَنَّ

اور انسان (حیران ہو کر) کہے گا اسے کیا ہو گیا ۳؎ اس روز وہ بیان کر دے گی اپنے سارے حالات ۴؎ کیونکہ

۱؎ زوردار جھٹکے جو بار بار آئیں انہیں زلزلہ کہا جاتا ہے۔ علامہ راغب لکھتے ہیں التزلزل: الاضطراب وتکریر حروف لفظہ تنبیہٌ علی تکریر معنی الزلل۔ (مفردات) یعنی تزلزل مضطرب ہونے کو کہتے ہیں اور حروف کا تکرار جھٹکوں کے تکرار پر دلالت کرتا ہے۔ زلزالها تاکید اور شدت وقوت کے اظہار کے لیے ہے۔ یعنی جب زمین زوردار جھٹکوں کے باعث پوری قوت کے ساتھ تھرتھرانے لگے گی۔

بعض علما کے نزدیک اس سے مراد وہ زلزلہ ہے جو قربِ قیامت کے وقت آئے گا۔ اس کے باعث پہاڑ، لمبے لمبے درخت، اور بڑے بڑے محلات اور سنگین قلعے ریزہ ریزہ ہو کر پیوندِ زمین ہو جائیں گے اور بعض کا خیال ہے کہ نفخۂ ثانیہ کے وقت زمین پھر لرزے گی یہاں اس دوسرے زلزلہ کا ذکر ہو رہا ہے۔ بعد والی آیت اس کو ترجیح دیتی ہے۔

۲؎ نفخۂ ثانیہ کے وقت جب زلزلہ آئے گا تو زمین کے بطن میں جو کچھ چھپا ہوا ہے وہ اسے نکال کر باہر پھینک دے گی۔ سارے مُردے جو اس میں دفن ہوتے رہے وہ جس حالت میں ہوں گے، باہر نکل آئیں گے۔ اگر ان کے ذرے منتشر ہو کر زمین کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے ہوں گے تو ان کو بھی یکجا کر دیا جائے گا۔ جو معدنیات، جتنے خزانے اور ذخائر اس میں مستور ہوں گے، سب ظاہر ہو جائیں گے۔

۳؎ انسان سے مراد یہاں وہ انسان ہے جو قیامت کا شدت سے انکار کیا کرتا تھا۔ صدہا دلائل سن لینے کے باوجود اس کا دل اسے تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ جب وہ یہ سب کچھ ہوتے ہوئے دیکھے گا تو حیران وششدر رہ جائے گا۔ فرطِ حیرت سے پوچھے گا یہ کیا ہو رہا ہے۔ سورہ یٰسین میں ہے مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا یعنی ہمیں ہماری خوابگاہوں سے کس نے اٹھایا ہے۔ اہلِ ایمان جنہیں وقوعِ قیامت کا یقین تھا وہ جب دیکھیں گے کہ مُردے زندہ ہو کر قبروں سے نکل رہے ہیں تو ان کا علم الیقین اب عین الیقین کے درجہ پر پہنچ جائے گا وہ کہیں گے هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ۔ یہ وہی کچھ روپذیر ہو رہا ہے جس کا وعدہ خداوندِ رحمٰن نے کیا تھا اور رسولوں نے بالکل سچ فرمایا تھا۔

۴؎ اس وقت زمین اپنی سرگزشت کھول کر بیان کرے گی گزشتہ دنیا میں جو حالات، جو واقعات اس پر روپذیر ہوئے جو نیک

کام اس پر کیے گئے، جن گناہوں کا اس پر ارتکاب کیا گیا سب کے سب یہ زمین بیان کرے گی۔ ترمذی نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ پھر سامعین سے پوچھا جانتے ہو وہ خبریں کیسی ہوں گی۔ صحابہ نے جواب دیا اللہ ورسولہ اعلم۔ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ قال فان اخبارها ان تشهد على كل عبد او امة بما عمل على ظهرها۔ (ترمذی، نسائی) زمین ہر بندے اور ہر بندی کے متعلق گواہی دے گی کہ اس نے سطح زمین پر کیا کچھ کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے صحابہ کرام کو ہدایت فرمایا کرتے تحفظوا من الارض فانها امكم۔ وانه ليس من احد عامل عليها خيرا او شرا الا وهى مخبرة۔ کہ زمین سے اپنی حفاظت کیا کرو یہ تمہاری ماں ہے۔ جو کام بھی اس پر کوئی شخص کرے گا یہ اس کی اطلاع دے گی۔

حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ طریقہ تھا کہ آپ بیت المال کا سب روپیہ حق داروں میں تقسیم کر دیتے۔ جب وہ خالی ہو جاتا تو اس میں دو نفل ادا کرتے اور پھر فرماتے اے بیت المال کے در و دیوار تمہیں گواہی دینی ہو گی کہ میں نے تمہیں حق کے ساتھ بھرا اور حق کے ساتھ خالی کر دیا۔

آج سے کچھ عرصہ قبل جب یہ آیات تلاوت کی جاتیں تو کمزور ایمان والے لوگ ان کی مختلف تاویلات کرتے۔ اندھی بہری زمین کو کیا پتہ کہ اس پر کیا ہو رہا ہے بے جان در و دیوار کیا جانیں کہ ان کے احاطہ میں کیا کیا گل کھلائے جا رہے ہیں، ویرانوں اور تاریکیوں میں نیک و بد اعمال کی جو دنیا آباد رہی ان کا سراغ کیسے لگایا جا سکتا ہے۔ اس قسم کے شکوک انہیں پریشان کیا کرتے لیکن سائنس کی محیر العقول ایجادات نے ان سب سوالات کا عملی جواب بہم پہنچا دیا ہے۔ ریڈیو، ٹیلی ویژن اور پھر ٹیپ ریکارڈر کی ایجاد نے ان تمام شکوک کا ازالہ کر دیا۔ جب ریڈیو اسٹیشن سے نشر ہونے والی آواز آن واحد میں دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچ جاتی ہے اور سنی بھی جا سکتی ہے۔ جب ٹیلی ویژن اسٹیشن پر پیش کیا جانے والا پروگرام اپنی تفصیلات کے ساتھ دور دور تک دیکھا جا سکتا ہے۔ مکانوں کی دیواریں، قلعوں کی فصیلیں، اونچے اونچے پہاڑ اور گھنے جنگلات ان تصاویر کو دیکھنے میں مانع نہیں ہو سکتے۔ جب ٹیپ ریکارڈر کے ذریعے ہر آواز کو اس کے لب و لہجہ اور زیر و بم کے ساتھ مقید کیا جا سکتا ہے اور جب کوئی چاہے انہیں بار بار سن سکتا ہے۔ اگر راڈار کی آنکھ ہزاروں میل دور اڑانوں سے اڑنے والے جہازوں کا سراغ لگا سکتی ہے تو اب اس بات میں کوئی شبہ نہ رہا کہ زمین کا ذرہ ذرہ ایک خاموش تماشائی کی طرح ہماری کارستانیوں کو دیکھ رہا ہے اور اس کا ریکارڈ مرتب کر رہا ہے۔ قیامت کے روز ہماری زندگی کی پوری فلم تفصیل سے ہمیں دکھا دی جائے گی، پھر کس میں یہ ہمت ہو گی کہ وہ ان چیزوں کا انکار کرے؟

قرآن کریم نے بڑی صراحت سے ان انتظامات کا تذکرہ کیا ہے جو قدرت کی طرف سے روز حساب کے فیصلوں کو عدل و انصاف کے تقاضوں کے مطابق کرنے کے لیے کر دیے گئے ہیں۔ کراماً کاتبین موقع پر ہمارے نیک و بد اعمال کا تحریری ریکارڈ تیار کر رہے ہیں۔ ہمارے اعضا قیامت کے دن سلطانی گواہ کی حیثیت سے پیش کیے جائیں گے۔ ارشاد ہے الیوم نختم علی افواههم وتكلمنا ايديهم وتشهد ارجلهم بما كانوا يكسبون۔ (یٰس) کہ آج ہم ان کے لبوں پر مہر لگا دیں گے۔ ان کے ہاتھ ہمارے ساتھ گفتگو کریں گے اور ان کے پاؤں ان پر گواہی دیں گے۔ اگر پھر بھی کسی نے اپنی غلطی کو تسلیم کرنے سے انکار کیا تو اس کے سامنے اس کے ٹیپ ریکارڈ اور اس کی زندگی کی فلم پیش کر دی جائے گی۔

رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ۝٥ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ لِّيُرَوْا

آپکے ربّ نے اسے (ایسا) حکم بھیجا ہے ۵؎ اس روز پلٹ کر آئیں گے لوگ گروہ در گروہ ۶؎ تاکہ انہیں دکھائے جائیں

اَعْمَالَهُمْ ۝٦ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝٧ وَمَنْ

ان کے اعمال۔ پس جس نے ذرہ برابر بھی نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔ اور جس نے

يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝٨

ذرہ برابر بُرائی کی ہوگی وہ (بھی) اسے دیکھ لے گا ۷؎

۵؎ زمین کے شکم سے مُردوں کا زندہ ہوکر نکلنا یا زمین کا اپنی سرگزشت کو من وعن بیان کرنا از خود نہ ہوگا بلکہ اسے اللہ تعالیٰ ایسا کرنے کا حکم دے گا۔

۶؎ دو لفظ ہیں وارد اور صادر۔ وارد کہتے ہیں نیا آنے والا اور صادر کہتے ہیں لوٹ کر آنے والا۔ آیت کے دو مفہوم بیان کیے گئے ہیں کہ لوگ حساب دہی کے بعد جب لوٹیں گے تو وہ مختلف ٹولیوں میں بٹے ہوں گے۔ نیک' نیکوں کے ساتھ' نمازی' نمازیوں کے ساتھ' غازی' غازیوں کے ساتھ اور شہید شہیدوں کے ساتھ۔ اسی طرح چور' چوروں کے ساتھ' گناہگار' گناہ گاروں کے ساتھ' قاتل قاتلوں کے ساتھ۔

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جب قبروں سے نکل کر بارگاہ الٰہی میں حساب کتاب کے لیے جارہے ہوں گے تو اس وقت وہ جداجدا ہوکر جائیں گے۔

۷؎ قرآن کریم نے متعدد مقامات پر اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ انسان ایک ذمہ دار مخلوق ہے۔ جو اچھے یا بُرے کام یہ کرتا ہے اس کے لیے جواب دہ ہے۔ فرمایا افحسبتم انما خلقنٰکم عبثا وانکم الینا لاترجعون۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم نے تمہیں بے فائدہ پیدا کیا ہے اور تمہیں ہماری طرف لوٹایا نہیں جائے گا۔ دوسری جگہ ہے ان السمع والبصر والفؤاد کل اُولٰئک کان عنہ مسئولا۔ کہ تمہارے کان' آنکھیں اور تمہارا دل سب سے باز پرس کی جائے گی۔ اسی حقیقت کو یہاں بھی ایک نئے اسلوب میں بیان کیا جارہا ہے کہ بڑے بڑے اعمال حسنہ یا افعال سیئہ کا تو کیا پوچھنا' اللہ تعالیٰ کے ہاں تو یہ اصول طے پاچکا ہے کہ اگر ذرہ کے برابر کوئی نیکی کرے گا تو اسے معمولی سمجھ کر ضائع نہیں کردیا جائے گا بلکہ اس کو خوب حفاظت سے رکھا جائے گا اور جس نے وہ نیکی کی تھی اس کو دکھا دیا جائے گا۔ اسی طرح معمولی سے معمولی گناہ کو بھی پورے اہتمام کے ساتھ محفوظ رکھا جائے گا اور اسے بدکار کے سامنے پیش کردیا جائے گا۔

اگر عقل سلیم ہو اور انسان غور اور سنجیدگی سے انہی آیات کو پڑھے تو اس کی ہدایت کے لیے مزید کسی وعظ ونصیحت کی ضرورت نہیں رہتی۔

ایک اعرابی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے کچھ وعظ فرمائیے۔ حضور نے یہی سورت پڑھ کر اسے سنادی۔ سن کر کہنے لگا والذی بعثک بالحق لا ازید علیہ ابدًا کہ آپ کے رب کی قسم! مجھے اب اس سے زیادہ وعظ کی ضرورت نہیں رہی اور رخصت لے کر واپس جانے لگا۔ حضور نے دوبار فرمایا یہ شخص کامیاب ہو کر جا رہا ہے۔

بسا اوقات انسان چھوٹی نیکی کو حقیر سمجھ کر اسے نظر انداز کر دیتا ہے، بسا اوقات انسان صغیرہ گناہوں کی پروا نہیں کرتا انہیں معمولی خیال کر کے ان کا ارتکاب کرتا رہتا ہے۔ دونوں کو تنبیہ کر دی کہ ذرہ کے برابر اگر نیکی کرو گے تو اس کا بھی اجر ملے گا۔ ذرہ کے برابر اگر برائی کرو گے تو اس کی بھی سزا ملے گی۔ اس لیے نہ کسی نیکی کو حقیر سمجھ کر اس کو ترک کرو اور نہ کسی گناہ کو معمولی سمجھ کر اس کا ارتکاب کرو۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے یہ ارشادات خاص توجہ کے مستحق ہیں:

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من تصدق بعدل تمرۃ من کسب طیب ولا یقبل اللہ تعالیٰ الا الطیب۔ فان اللہ یقبلہا بیمینہ ثم یربیہا لصاحبہ کما یربی احدکم فلوہ حتی تکون مثل الجبل (متفق علیہ)

ترجمہ: رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسب حلال سے ایک کھجور بھی صدقہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے قبول کر کے اپنے دائیں ہاتھ میں لے لیتا ہے۔ پھر اس کی نشوونما کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ پہاڑ کی طرح بڑا ہو جاتا ہے۔ حضورؐ نے حضرت ابوہریرہ کو ارشاد فرمایا کہ کسی نیکی کو حقیر مت سمجھا کرو اور کچھ نہ ہو سکے تو اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملا کرو۔

یہاں ایک چیز دل میں کھٹکتی ہے کہ جب یہ اصول تسلیم کر لیا گیا کہ ہر شخص کو اس کی ذرہ برابر نیکی کا اجر اور ذرہ برابر بدی کی سزا ملے گی تو کیا کفار نے جو نیک کام کیے ہیں انہیں قیامت کے دن ان کا ثواب ملے گا؟ یا نیک لوگوں نے جو گناہ کیے ہیں انہیں ان کی سزا بھگتنی ہوگی؟ علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ کفار کے نیک اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بے وضو نماز ادا کرے۔ ان کے اعمالِ صالحہ کی قبولیت کے لیے ایمان شرط تھا، شرط کے مفقود ہونے کے باعث ان اعمال کی کوئی حقیقت نہیں ہوگی۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ کفار کو ان کے نیک اعمال کی جزا اس دنیا میں دے دی جاتی ہے، عزت، شہرت، اولاد، دولت کی کثرت، ان صورتوں میں ان کا حساب چکا دیا جاتا ہے۔ نہ قیامت پر ان کا ایمان تھا نہ انہوں نے اس نیت سے نیکیاں کی تھیں کہ انہیں اس روز اس کا ثواب ملے گا۔

بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ جس کی موت کفر پر ہوگی، خلودِ جہنم سے تو اس کو کوئی نیکی نہیں بچا سکے گی، البتہ ان کے اعمال کا اثر عذاب کی شدت میں تخفیف کی صورت میں ظاہر ہوگا۔

وہ مومن جن سے خطائیں سرزد ہوئی ہوں گی تو ان کے بارے میں فرمایا کہ جس شخص نے توبہ کر لی اس کی خطائیں بخش دی جائیں گی۔ نامۂ اعمال سے بھی انہیں محو کر دیا جائے گا۔ فرشتوں کو بھی یاد نہ رہے گا کہ انہوں نے کیا جرم کیے تھے یا ان کی لغزشوں کی سزا انہیں دنیا میں بیماری، غربت اور ناکامی کی شکل میں دے دی جائے گی۔

حضرت انس فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر خدمتِ اقدس میں حاضر تھے اور کچھ کھا رہے تھے۔ یہ بات سن کر کھانا چھوڑ دیا۔ عرض کیا کیا ہم اپنے تمام نیک و بد اعمال کو دیکھیں گے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا

ما رأيت مما تكره فهو مثاقيل ذر الشر ويدخر لكم مثاقيل ذر الخير حتى تعطوه يوم القيامة. (قرطبی) اس دنیا میں جو تمہیں تکلیف پہنچتی ہے یہ تمہاری خطاؤں کا نتیجہ ہے اور تمہاری نیکیاں محفوظ رکھی جائیں گی اور قیامت کے دن تمہارے حوالے کر دی جائیں گی

○

ربنا اللهم ربنا نسألك ان تغفرلنا وترحمنا انك ارحم الراحمين بجاه حبيبك ونبيك وصفيك محمد وعلى اله وصحبه ومن تبعه واحبه الى يوم الدين.

○

تعارف

سُورَۃُ العٰدِیٰت

نام : اس سورۂ مبارکہ کا نام ''العٰدیٰت'' ہے جو اس کا پہلا لفظ ہے۔ یہ ایک رکوع گیارہ آیتوں، چالیس کلمات اور ایک سو تریسٹھ حروف پر مشتمل ہے۔

نزول : اس کے بارے میں دو قول ہیں بعض علماء کے نزدیک یہ مکی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہی قول ہے اور بعض علماء اسے مدنی کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یوں ہی مروی ہے۔

مضامین : متعدد قسمیں کھا کر چند حقائق کی نقاب کشائی کی جا رہی ہے۔ پہلے تو یہ بتایا کہ انسان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے۔ بستا رہتا اس کی زمین پر ہے سانس اس کی ہوا میں لیتا ہے۔ اس کے دسترخوانِ نعمت کا ریزہ چین ہے۔ اس کے باوجود نہ اس کا شکر ادا کرتا ہے اور نہ اس کی عبادت و اطاعت کو اپنا وظیفۂ حیات بناتا ہے۔ یہ ایک کھلی حقیقت ہے جس پر اس کے اپنے اعمال و اطوار بطور گواہ پیش کیے جا سکتے ہیں۔ نہ کسی دوسرے گواہ کی ضرورت ہے اور نہ کوئی مزید ثبوت درکار ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ دولت کی محبت اس کے دل میں گھر کر چکی ہے۔ وہ اس کو حاصل کرنے اور اس کو زیادہ سے زیادہ جمع کرنے کی ہوس میں دیوانوں کی طرح شب و روز سرگرداں رہتا ہے۔ اس کی عقل و فہم پر جتنا افسوس کیا جائے اتنا کم ہے۔ اسے اتنی بھی خبر نہیں کہ اس کا خالق اس کے ظاہر و باطن کو جانتا ہے۔ اس کے سینے کے راز بھی اس پر عیاں ہیں، قیامت کے دن اسے اس ربّ کائنات کے سامنے پیش ہونا ہے جو اس کے جملہ حالات سے پوری طرح باخبر ہے۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا

۱۰-۴-۷۷

سُوْرَةُ الْعٰدِیٰتِ مَکِّیَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَهِیَ اِحْدٰی عَشْرَةَ اٰیَةً

سورۃ العادیات مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — اس میں گیارہ آیات ہیں

وَالْعٰدِیٰتِ ضَبْحًا ۙ﴿۱﴾ فَالْمُوْرِیٰتِ قَدْحًا ۙ﴿۲﴾ فَالْمُغِیْرٰتِ صُبْحًا ۙ﴿۳﴾

قسم ہے تیز دوڑنے والے گھوڑوں کی جب وہ سینہ سے آواز نکالتے ہیں، پھر پتھروں سے آگ نکالتے ہیں سُم مار کر، پھر اچانک حملہ کرتے ہیں صبح کے وقت۔

فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۙ﴿۴﴾ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۙ﴿۵﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ

پھر اس سے گرد و غبار اڑاتے ہیں۔ پھر اسی وقت دشمن کے لشکر میں گھس جاتے ہیں ؎۱ بے شک انسان اپنے رب کا بڑا

؎۱ آیات میں جو مشکل الفاظ ہیں پہلے ان کی وضاحت کی جائے گی اور اس کے بعد ان کا مفہوم سمجھنے میں دقت نہ ہوگی۔

العادیات: الجاریات بسرعۃ۔ بڑی تیزی سے دوڑنے والیاں۔ الضبح: تصویۃ جهیر عند العدو الشدید لیس بصهیل ولا رغاء ولا نباح۔ وہ آواز جو تیز دوڑتے وقت گھوڑے کے سینے سے نکلتی ہے۔ یہ آواز ہنہنانے وغیرہ سے بالکل جدا ہوتی ہے۔ علامہ آلوسی کہتے ہیں الجمهور علی انه قسم لخیل الغزاۃ فی سبیل اللہ تعالی التی تعدو۔ کہ جمہور علماء کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرنے والے غازیوں کے گھوڑوں کی قسم کھائی جا رہی ہے جو تیزی سے دوڑتے ہیں۔

موریات: الوریاء اخراج النار والقدح: هو الضرب والصك یقال قدح فاوری اذا اخرج نارا۔ پتھر سے آگ نکالنے کو ایراء کہتے ہیں۔ قدح: دو سخت چیزوں کا آپس میں ٹکرانا جس سے چنگاریاں جھڑتی ہیں۔ یہاں مجاہدین کے گھوڑوں کی دوسری صفت بیان کی جا رہی ہے کہ اپنے سُم جب زور سے پتھر پر مارتے ہیں تو اس سے چنگاریاں جھڑنے لگتی ہیں۔ ان چنگاریوں کو اہل عرب نار الحباحب کہتے ہیں۔ حباحب ایک بخیل آدمی کا نام تھا۔ وہ کھانا پکانے کے لیے اس وقت آگ جلاتا جب سب لوگ کھانا پکا کر اور کھا کر سو جاتے اور کسی مہمان کے آنے کا وقت بھی گزر جاتا۔ اس وقت بھی وہ آگ کو زیادہ روشن نہ کرتا بلکہ بڑی مدھم، تو پکانا پکاتا اور کسی کے پاؤں کی آہٹ سنتا تو اس کو بجھا دیتا۔ ایسی آگ جس سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا جائے اسے نار الحباحب کہتے ہیں۔ گھوڑوں کے سُموں سے جو آگ نکلتی ہے اسی وجہ سے اس کو بھی اس لفظ سے یاد کیا جاتا ہے۔

المغیرات: المغار علی العدو، هجم علیه بغتة بخیل۔ کسی پر اچانک حملہ کر دینا۔ حملہ آور اکثر صبح کے وقت دشمن پر ناگہانی حملہ بولتے تھے تاکہ دشمن کو بے خبری میں جا لیں۔ وہ وقت آرام و سکون کا ہوتا ہے اور دشمن کی غفلت سے فائدہ اٹھانے کا بہترین موقع ہوتا ہے نیز صبح کے اجالے میں خوب دیکھ کر نشانہ باندھا جا سکتا ہے۔

النقع: غبار کو کہتے ہیں۔ اثرن: غبار اڑانا، گرد کو پھیلانا۔ جمع: جتھہ، انبوہ، لشکر۔ حملہ آور جب حملہ کرتے ہیں تو وہ دشمن کی فوجوں میں داخل ہو کر ان پر پے در پے وار کرتے ہیں۔

مشکل الفاظ سمجھ لینے کے بعد اب آیات کے مفہوم پر مزید غور فرمائیے۔

لَكَنُوْدٌ ۝٦ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۝٧ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۝٨

بڑا ناشکرا ہے ۲؎ اور وہ اس پر (خود) گواہ ہے ۳؎ اور بلاشبہ وہ مال کی محبت میں بڑا سخت ہے ۴؎

اس سورت کا آغاز بھی قسم کھا کر کیا جا رہا ہے اور قسم مجاہدین کے ان گھوڑوں کی کھائی جا رہی ہے جو ان خوبیوں سے متصف ہوتے ہیں۔ وہ تیز رفتاری سے جب دوڑتے ہیں تو ان کے سینوں سے ایک خاص قسم کی آواز نکلتی ہے جو دشمن کو مرعوب کرنے میں بڑی مؤثر ہوتی ہے۔ وہ اپنے بھاری بھرکم سم جب پتھروں پر زور سے مارتے ہیں تو آگ کی چنگاریاں نکلنے لگتی ہیں، وہ صبح سویرے دشمن پر یلغار کرتے ہیں اور ان کی وجہ سے ساری فضا گرد و غبار سے اٹ جاتی ہے۔ وہ بے خطر دشمن کی صفوں میں گھس جاتے ہیں اور ان کو تہ و بالا کر کے رکھ دیتے ہیں۔

حافظ ابو بکر ابن العربی احکام القرآن میں لکھتے ہیں اقسم بمحمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وقال یٰس والقرآن الحکیم واقسم بحیاتہ وقال لعمرك انہم لفی سکرتہم یعمہون واقسم بخیلہ وصہیلہا وغبارہا وقدح حوافرہا النار من الحجر۔ (احکام القرآن)

یعنی اللہ تعالیٰ نے حضور کی ذات کی بھی قسم اٹھائی جیسے یٰس والقرآن الحکیم میں ہے۔ حضور کی حیات طیبہ کی بھی قسم اٹھائی جس طرح لعمرك الآیۃ اور حضور کے گھوڑوں کی، ان کے ہنہنانے کی، ان کی اڑائی ہوئی غبار کی اور ان کے سموں سے جو آگ نکلتی ہے اس کی بھی قسم اٹھائی۔

ان آیات میں اگر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ یہاں فقط صفات بیان کی گئی ہیں۔ عادیات، مُوریات وغیرہ، لیکن ان کا موصوف بیان نہیں کیا گیا۔ اس سے یہ بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ ہر زمانہ کے غازیوں کے سامان حرب کی اللہ تعالیٰ قسم اٹھاتا ہے جن میں یہ صفات پائی جائیں۔ اس زمانے میں مجاہد گھوڑوں پر سوار ہو کر جہاد کیا کرتے تھے اور ان گھوڑوں میں یہ صفات پائی جاتی تھیں۔ آج گھوڑوں کی جگہ ٹینکوں نے لے لی ہے اور یہ تمام صفات بدرجۂ اتم ان میں بھی پائی جاتی ہیں۔ وہ جب تیزی سے دشمن پر حملہ آور ہوتے ہیں تو ان سے ایک خاص قسم کی گڑگڑاہٹ نکلتی ہے۔ وہ آگ بھی اگلتے ہیں، جہاں سے گزرتے ہیں گرد و غبار بھی اڑاتے ہیں، دشمنوں کے مورچوں میں بھی گھس جاتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ ان ٹینکوں کی قسم ہے تو بھی بعید نہ ہوگا اور مستقبل قریب میں کوئی اور اسلحہ تیار ہو جائے جو ٹینکوں کی جگہ لے اور اس میں یہ خوبیاں پائی جائیں تو ان کا اطلاق اس جدید اسلحہ پر بھی ہو سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

۲؎ یہ جواب قسم ہے کہ انسان اپنے رب کے احسانات اور نوازشات پر سخت ناشکری کا اظہار کرنے والا ہے۔ اس کے لبوں پر ہمیشہ شکوہ رہتا ہے، ہزاروں نعمتوں کے باوجود اگر اس کی کوئی ایک تمنا پوری نہ ہو تو شکایات کا دفتر کھول دیتا ہے جو ختم ہونے میں نہیں آتا۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں لکنود: لکفور: جحود لنعم اللہ تعالیٰ۔ کنود کا معنی کفور ہے۔ یعنی ناشکرا، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کرنے والا۔ حسن بصری کہتے ہیں یذکر المصائب وینسی النعم کہ مصیبتوں کا ذکر کرتا ہے اور نعمتوں کو بھول جاتا ہے۔ الکنود: الذی ینفق نعم اللہ تعالیٰ فی معاصی اللہ۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اس کی نافرمانی میں خرچ کرے اس کو کنود کہتے ہیں۔ اس

أَفَلَا يَعْلَمُ إِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُورِ ﴿٩﴾ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُورِ ﴿١٠﴾

کیا وہ اس وقت کو نہیں جانتا جب نکال لیا جائے گا جو کچھ قبروں میں ہے ۵ اور ظاہر کر دیا جائے گا جو سینوں میں (پوشیدہ) ہے ۶

لیے اس زمین کو بھی کنود کہتے ہیں جو بنجر اور کاشت کے قابل نہ ہو۔ ومنہ الارض الکنود التی لا تنبت شیئاً۔

۳ اس چیز کو ثابت کرنے کے لیے کہ انسان ناشکر گزار ہے، کسی غیر معمولی غور و خوض کی ضرورت نہیں۔ انسان کے اپنے اطوار و اعمال اس بات کی شہادت دینے کے لیے کافی ہیں۔

۴ خیر سے مراد یہاں مال و دولت ہے اور مال و دولت سے انسان کی محبت اظہر من الشمس ہے۔ گناہوں کا یہ سیل بے پناہ، مظالم کی یہ آندھیاں، مزدور اور سرمایہ داروں کے درمیان یہ خونریز تصادم، سب کے پس پردہ دولت کی یہی بے پناہ محبت اور لالچ کارفرما ہے۔ دوست، دوست کو لوٹ رہا ہے، بھائی بھائی کا گلا کاٹ رہا ہے، انسان، انسان کے درپے آزار ہے۔ یہ سب کچھ دولت کے لالچ کے باعث ہو رہا ہے۔ تمام تعلقات تمام دوستیاں تمام رشتہ داریاں، دولت کے طلسم ہوشربا کے سامنے بے معنی ہو کر رہ جاتی ہیں۔ انسان کا عمل اس بات کی شہادت دے رہا ہے کہ اس کو جتنی ہوس سیم و زر کی ہے اس کے دل میں جتنی چاہت، دولت و ثروت کی ہے اتنی اور کسی چیز کی نہیں۔ اس کے حصول کے لیے جان توڑ محنتیں کرتا ہے، اپنے وطن کو چھوڑتا ہے، اپنی آسائش سے دست کش ہوتا ہے اور بسا اوقات اپنی عزت و آبرو کو بھی خاک میں ملا دیتا ہے اور اپنی زندگی کو طرح طرح کے خطرات سے دوچار کر دیتا ہے اس کی اور کہیں مثال نہیں ملتی۔

۵ یہ شخص جو دولت کے جنون میں تمام اقدار کو بڑی بے دردی سے پامال کر رہا ہے، اپنے رب کو بھی بھولے ہوئے ہے اور اس کی مخلوق کو بھی طرح طرح کی تکلیفیں پہنچا رہا ہے، کیا اس نادان کو اتنی بھی خبر نہیں کہ ایک دن آنے والا ہے جب اسے قبر سے نکال کر حشر کے میدان میں کھڑا کر دیا جائے گا اور اس سے اس کی دنیوی زندگی کے بارے میں سختی سے بازپرس کی جائے گی۔

۶ قال ابن عباس حُصِّلَ: اُبرِزَ۔ یعنی اس کا معنی ظاہر کرنا ہے۔ قیامت کے دن صرف اس کے ظاہری اعمال کی ہی جانچ پڑتال نہیں ہوگی بلکہ اس کے ارادوں، نیتوں اور اس کے قلبی جذبات اور باطنی کیفیات سب کی سب آشکارا کر دی جائیں گی اور ہر ایک کو پرکھا جائے گا کہ اس نے جو کچھ کیا اس کے پس منظر میں کون سے جذبات کارفرما تھے، کس نیت سے اس نے یہ سارے کام کیے۔ اس کے وہ گھناؤنے مقاصد جن پر اس نے حسن بیان کے ریشمی غلاف چڑھا رکھے تھے، سب ظاہر کر دیے جائیں گے۔ نہاں خانۂ دل میں کوئی چیز باقی نہیں رہے گی۔ اگرچہ دنیوی عدالتیں بھی مجرم کی نیت اور ارادے کو اہمیت دیتی ہیں لیکن ان کے پاس کوئی ایسا آلہ نہیں جس کے ذریعے وہ اس نازک ذمہ داری کو پورے وثوق کے ساتھ انجام دے سکیں۔ یہ کام صرف عدالتِ الٰہیہ میں ہی بحسن و خوبی انجام پا سکتا ہے اس لیے اس عدالت کے فیصلے سراسر حق ہوں گے۔ عدل و انصاف کے ادنیٰ سے ادنیٰ اور نازک سے نازک تقاضوں کو بھی پورا کیا جائے گا۔

إِنَّ رَبَّهُم بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيرٌ ﴿١١﴾

یقیناً ان کا رب ان سے اس روز خوب باخبر ہو گا ؎

؎ اگرچہ اللہ تعالیٰ آج بھی ان کے حالات سے پوری طرح واقف ہے لیکن اس روز کی آگاہی اور باخبری کی کیفیت بالکل جداگانہ ہو گی۔ ای عالم لا یخفی علیہ منہم خافیۃ۔ وھو عالم لھم فی ذلک الیوم وفی غیرہ ولکن المعنی انہ یجازیھم فی ذلک الیوم۔

○

اللھم انا نشھد انک خبیر بما فی صدورنا و نشھد انک عفو کریم تحب العفو فاعف عنا یا غفور یا رؤف یا رحیم۔ اللھم صل وسلم وبارک علی شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔
ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔

○

تعارف

سُورَۃُ القارعۃ

نام: اس سورۃ کا نام القارعۃ ہے۔ اس میں ایک رکوع، آٹھ آیتیں، چھتیس کلمے اور ایک سو باون حروف ہیں۔

نزول: باتفاقِ علماء یہ مکی سورت ہے۔

مضامین: پہلے قیامت کے بارے میں استفسار کر کے لوگوں کو چوکنا کر دیا۔ اس کے بعد ان لرزہ خیز حالات کو بیان کیا جو روزِ قیامت رُونما ہوں گے۔ لوگ پروانوں کی طرح مدہوش بکھرے پڑے ہوں گے۔ پہاڑ دھنی ہُوئی رنگین اُون کی طرح فضا میں اُڑ رہے ہوں گے۔

پھر ارشاد فرمایا، سُن لو جس شخص کی نیکیوں کا پلڑا اُس روز بھاری ہو گا فقط اُسے ہی خوش و خرم زندگی نصیب ہو گی۔ لیکن جس کی نیکیوں کا پلڑا ہلکا ہو گا وہ "ہاویہ" میں پھینک دیا جائے گا۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا

۱۰-۴-۷۷

سُوْرَةُ الْقَارِعَةِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ اِحْدٰى عَشْرَةَ اٰيَةً

سورۃ القارعہ مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — اس میں گیارہ آیات ہیں۔

اَلْقَارِعَةُ ﴿۱﴾ مَا الْقَارِعَةُ ﴿۲﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ﴿۳﴾ يَوْمَ

دل ہلا دینے والی کڑک۔ یہ زہرہ گداز کڑک کیا ہے؟ اور آپ کو کیا معلوم کہ یہ کڑک کیا ہے [1] جس دن

يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ﴿۴﴾ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ

لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح ہوں گے [2] اور پہاڑ رنگ برنگی دھنکی ہوئی اُون کی

الْمَنْفُوْشِ ﴿۵﴾ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ﴿۶﴾ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ

مانند ہوں گے [3] پھر جس کے (نیکیوں کے) پلڑے بھاری ہوں گے [4] تو وہ دل پسند عیش (و مسرت)

---

[1] دو چیزوں کا آپس میں شدت سے اس طرح ٹکرانا کہ خوفناک آواز پیدا ہو۔ اسے عربی میں القرع کہتے ہیں۔ القرع: هو الضرب بشدة بحيث يحصل منه صوت شديد۔ (روح المعانی)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں: واهل اللغة يقولون تقول العرب: قرعتهم القارعة وفقرتهم الفاقرة اذا وقع بهم امر فظيع۔ یعنی علمائے لغت کہتے ہیں کہ جب کوئی قوم کسی حادثہ فاجعہ سے دوچار ہو اور کسی عظیم مصیبت میں مبتلا ہو تو عرب کہتے ہیں قرعتهم القارعة وفقرتهم الفاقرة۔ اس سے مراد وقوع قیامت کے وقت جو دل دہلا دینے والی آوازیں پیدا ہوں گی جب اجرام فلکی آپس میں ٹکرا کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے، جب فلک بوس پہاڑ ٹوٹ پھوٹ جائیں گے۔ اس وقت جو زہرہ گداز گڑگڑاہٹ اور روح فرسا کڑک پیدا ہوگی اس کا اندازہ کیونکر کیا جا سکتا ہے۔ کسی بڑی توپ کا گولہ پھٹنے سے کانوں کے پردے پھٹ جاتے ہیں۔ آپ اس وقت کا تصور کیجیے جب عطارد اور مشتری، زحل اور مریخ جیسے سیارات باہم ٹکرائیں گے تو کتنا خوفناک دھماکا پیدا ہوگا۔ ما القارعة اور ما ادرٰك ما القارعة: اس کڑک کی زہرہ گدازیوں کو بطور استفہام ذکر کیا جا رہا ہے۔

[2] وقوع قیامت کے پہلے مرحلے کا ذکر ہو رہا ہے۔ اس وقت کے ہولناک واقعات سے انسان ہوش و حواس کھو بیٹھے گا، دماغی توازن برقرار نہ رہے گا۔ جس طرح بکھرے ہوئے پروانے سراسیمگی کی حالت میں ادھر اُدھر گر رہے ہوتے ہیں اسی طرح حضرت انسان کی بھی حالت ہوگی۔ کوئی ہوش باختہ یہاں گرا پڑا ہوگا، کوئی وہاں گرا پڑا ہوگا۔ انسان کا غرور و تکبر سب کافور ہو جائے گا۔ المبثوث: المتفرق المنتشر یعنی بکھری ہوئی پراگندہ۔

[3] رنگدار اون کو العهن کہتے ہیں۔ العهن: الصوف المصبوغ۔ منفوش: دھنکی ہوئی یعنی پہاڑ اپنی جگہ سے اکھڑ جائیں گے اور دھنی ہوئی

رَّاضِيَةٍ ۝۷ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝۸ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۝۹

میں ہوگا۔ اور جس کے (نیکیوں کے) پلڑے ہلکے ہوں گے ؁ تو اس کا ٹھکانا ہاویہ ہوگا۔

رنگدار صوف کی طرح ہوا میں اُڑ رہے ہوں گے۔

؁ موازین جمع ہے۔ اس کے واحد کے بارے میں دو قول ہیں۔ یہ موزون کی جمع ہے یا میزان کی۔ پہلی صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا کہ جس کے نیک اعمال وزنی ہوں گے۔ دوسری صورت میں معنی ہوگا جس کے نیکیوں کے پلڑے بھاری ہوں گے۔ عيشة راضية اى عيش مرضى يرضاه صاحبه (قرطبی) یعنی پسندیدہ زندگی۔ جس کو زندگی بسر کرنے والا دل سے پسند کرے۔ الفاعل هنا بمعنى المفعول اى عيشة مرضية۔

مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کی نیکیوں کے پلڑے بھاری ہوں گے ان کو ایسی زندگی بخشی جائے گی جس میں آرام و آسائش کے ہزاروں سامان ہوں گے۔ حزن و ملال کا وہاں نام و نشان بھی نہ ہوگا۔ زندگی گزارنے والا ایسی زندگی سے مطمئن اور مسرور ہوگا۔ توقع سے بہت زیادہ پاکر وہ شاداں و فرحاں ہوگا۔

؁ لیکن جن بدبختوں کی نیکیوں کے پلڑے ہلکے ہوں گے۔ کفر و نفاق کی وجہ سے ان کے وہ اعمال جو بظاہر بڑے نیک اور صالح تھے بارگاہِ الٰہی میں ان کا کوئی وزن نہ ہوگا۔ ان بدنصیبوں کا ٹھکانہ ہاویہ ہوگا۔ حدیث پاک میں ہے۔ قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم انه ليأتى الرجل العظيم السمين يوم القيامة لايزن عند الله جناح بعوضة ثم قرأ فلا نقيم لهم يوم القيامة وزنا۔ قیامت کے دن ایک بڑا موٹا تازہ آدمی پیش کیا جائے گا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے پر سے بھی وہ ہلکا ہوگا۔ پھر یہ آیت پڑھی فلا نقيم الآية کہ قیامت کے دن ان کا کوئی وزن نہیں ہوگا۔ الهاوية، دوزخ کے طبقات میں سے ایک طبقہ کا نام ہے جو اتنا گہرا ہوگا کہ اس کی گہرائی کا اندازہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہوگا۔ (مظہری)

لیکن یہ معاملہ سب کو پیش نہیں آئے گا۔ بعض وہ خوش نصیب ہوں گے جنہیں بلاحساب جنت میں داخلہ کی اجازت مل جائے گی اور بعض ایسے مجرم ہوں گے جن کے چہروں سے ہی ان کے جرم کی نوعیت عیاں ہوگی اور انہیں ان کی پیشانی کے بالوں اور پاؤں سے پکڑ لیا جائے گا۔ يعرف المجرمون بسيماهم فيؤخذ بالنواصى والاقدام۔

حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ترازو نصب کردیے جائیں گے، پھر اہلِ صلوٰۃ کو بلایا جائے گا اور ان ترازوؤں پر تول کر ان کو اجر دیا جائے گا۔ اسی طرح حجاج کے ساتھ بھی یہی برتاؤ کیا جائے گا۔ لیکن جب اہلِ بلاء کی باری آئے گی تو نہ ترازو نصب کیا جائے گا نہ ان کے اعمال نامے کھولے جائیں گے بلکہ ان پر اپنی رحمتوں کی بغیر حساب بارش کی جائے گی جس طرح قرآن کریم میں ہے۔ انما يوفى الآية۔ صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا۔

علامہ پانی پتی یہ حدیث نقل کرنے کے بعد رقمطراز ہیں لعل المراد باهل البلاء هٰهنا ايضا بلاء العشاق المحبين لله تعالىٰ لرضائهم بالبلاء كرضائهم بالعطاء۔ (مظہری)

اور آپ کو کیا معلوم کہ وہ ہاویہ کیا ہے ؟ ایک دہکتی ہوئی آگ ؎۶

شاید اہل بلا سے مراد اللہ تعالیٰ کے عاشق اور محب ہیں جو اس کی نازل کی ہوئی مصیبتوں پر بھی اسی طرح راضی رہتے ہیں جس طرح اس کی نعمتوں پر وہ راضی ہوتے ہیں۔

؎۶ وہ آگ جو حرارت اور تپش میں تمام حدود سے تجاوز کر گئی ہو۔ ذات حمی بلغت النهاية فی الحرارۃ

○

ربنا وقنا عذاب النار انك انت الغفار

واحشرنا مع الابرار انك انت الستار

اللهم صل على سيدنا ومولنا محمد واله وصحبه وبارك وسلم

○

تعارف

سُورۃ التکاثر

نام : اِس سورت کا نام التکاثر ہے یہ لفظ پہلی آیت میں مذکور ہے۔ اس کا ایک رکوع اور آٹھ آیتیں ہیں۔ اس کے کلمات کی تعداد اٹھائیس اور حروف کی تعداد ایک سو بیس ہے۔

زمانۂ نزول : اگرچہ بعض روایات میں یہ سورت مدنی ہے لیکن جمہور علماء کے نزدیک اس کا نزول مکہ مکرمہ میں ہی ہوا۔ یہی قول قرینِ صحت ہے۔

اس کے شانِ نزول کے بارے میں تفسیر عزیزی میں یہ روایت مذکور ہے کہ قریش کے دو قبیلوں بنی عبد مناف اور بنی سہم کے درمیان اس بحث کا آغاز ہوا کہ ان دونوں میں سے اعلیٰ و ارفع کون ہے۔ چنانچہ اپنے حریف پر اپنی فوقیت اور برتری ثابت کرنے کے لیے ہر قبیلہ نے اپنے اموال، اپنی جائیدادیں اور اپنے افراد کی کثرت تعداد کو پیش کیا۔ یہاں تک کہ جو لوگ اس روز سے پہلے مر چکے تھے ان کی قبروں کا بھی شمار کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرما کر ان کی اس احمقانہ معرکہ آرائی کی حقیقت کو آشکارا کر دیا۔

مضامین : اس سورت میں بڑی وضاحت سے ان لوگوں کی نادانی اور کم ہمتی کا پردہ چاک کیا گیا ہے جو ایسی چیزوں پر فخر کرتے ہیں جو فانی ہیں۔ ان امور کو اپنے لیے باعثِ عزو افتخار شمار کرتے ہیں جو مقامِ انسانیت سے فروتر ہے۔ انہیں بتایا جا رہا ہے کہ تم اپنے انجام سے آنکھیں بند کیے ہوئے دولت کے انبار سمیٹنے میں ازحد مصروف ہو، تمہیں اتنی فرصت بھی نہیں کہ اپنے مستقبل کے بارے میں غور و فکر کر سکو لیکن یاد رکھو جب تمہیں موت کا پیالہ پلایا جائے گا تو اس وقت تمہاری بند آنکھیں کھلیں گی اور مستور حقیقتیں عیاں ہو جائیں گی۔ تمہیں جہنم کی وادی پر کھڑا کر دیا جائے گا اس وقت تم پچھتاؤ گے، کفِ افسوس ملو گے لیکن سب بے سُود۔ اگر تم چاہتے ہو کہ مرنے کے بعد تمہیں شرمندگی اور خجالت نہ ہو تو اب آنکھیں کھولو، ہوش میں آؤ۔ اور فانی لذتوں کے پیچھے بھاگنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی رضا کی جستجو میں اپنی صلاحیتوں کو وقف کر دو۔ یہ مال و دولت، یہ فرزند و زن، یہ عزو جاہ جس نے تمہیں بدمست کر دیا ہے اور منعم حقیقی کی یاد کا چراغ بھی تم نے گل کر دیا ہے۔ یہ تمہیں اسلیے تو نہیں دی گئی تھیں کہ تم سرکش بن جاؤ اور اپنے پروردگار کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرو۔ عقلمندی کا تقاضا تو یہ تھا کہ تم احسان شناس بنتے اور ان نعمتوں سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے ربِ کریم کا شکریہ ادا کرتے۔ یاد رکھو قیامت کے دن جب تم داورِ محشر کے سامنے پیش کیے جاؤ گے تو تم سے ان تمام نعمتوں کے بارے میں بازپرس کی جائے گی اور تمہیں اس کا جواب دینا ہوگا۔

سُوْرَةُ التَّكَاثُرِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ ثَمَانِيْ اٰيَاتٍ

سورۃ التکاثر مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — اس میں آٹھ آیات ہیں

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝١ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝٢ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝٣

غافل رکھا تمہیں زیادہ سے زیادہ مال جمع کرنے کی ہوس نے ؎۱ یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پہنچے ؎۲ ہاں ہاں تم جلد جان لوگے ؎۳

؎۱ علامہ راغب لکھتے ہیں اللھو ما یشغل الانسان عما یعنیه ویھمه (مفردات) یعنی جو چیز انسان کو مفید اور اہم امر سے غافل کردے اسے لہو کہتے ہیں۔

التکاثر: اس کے دو معنی ذکر کیے گئے ہیں۔ مال جمع کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانا۔ دوسرا مال و دولت کی کثرت پر فخر کرنا۔

جو لوگ زیادہ سے زیادہ دولت جمع کرنے کی دوڑ میں لگے ہوتے ہیں ان کو بڑی اہم اور ضروری چیزیں فراموش ہوجاتی ہیں۔ دولت سمیٹنے کی خواہش جنون کی صورت اختیار کرلیتی ہے۔ اس وقت انہیں نہ خدا یاد رہتا ہے نہ موت یاد آتی ہے اور نہ قبر کا وہ تاریک گڑھا جس میں انہوں نے ایک نہ ایک دن آکر فروکش ہونا ہے۔ بس ایک ہی خیال میں مگن رہتے ہیں کہ جیسے بھی بن پڑے زیادہ سے زیادہ دولت جمع کرلی جائے خدا ناراض ہوتا ہے تو ہوتا رہے' قوم سے خیانت' اپنے ملک سے غداری' اپنے فرائض کی ادائیگی میں بددیانتی کے جرائم سرزد ہوتے ہیں تو ہوتے رہا کریں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ایسے بدنصیب لوگ خوف خدا اور آخرت کو ہی بھول نہیں جاتے' بلکہ وہ پرلے درجے کے خود فراموش بھی ہوتے ہیں۔ اپنی ذات' اپنی آبرو' اپنی شہرت سب کچھ داؤ پر لگا دیتے ہیں اور اکثر یہ بازی ہار جاتے ہیں۔ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔ لَوْ اَنَّ لِابْنِ اٰدَمَ وَادِيًا مِنْ ذَهَبٍ اَحَبَّ اَنْ يَكُوْنَ لَهٗ وَادِيَانِ وَلَنْ يَمْلَأَ فَاهُ اِلَّا التُّرَابُ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ تَابَ (بخاری) اگر کسی شخص کے پاس سونے سے بھری ہوئی ایک وادی ہو تو اس کی خواہش ہوتی ہے کہ کاش اس کے پاس ایک کے بجائے سونے سے بھری ہوئی دو وادیاں ہوں' اس کے منہ کو صرف مٹی ہی بھر سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے چشم کرم فرماتا ہے۔ دوسری حدیث میں نبی رحمت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قناعت و سیرچشمی کی یوں تلقین فرمائی ہے۔ مطرف عن ابیه اتیت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وآله وسلم وھو یقرأ الھٰکم التکاثر الآیة قال یقول ابن آدم مالی مالی۔ ھل لک یا ابن آدم من مالک الا ما اکلت فافنیت او لبست فابلیت او تصدقت فامضیت وما سوی ذالک فذاھب وتارکه للناس (مسلم) مطرف کے والد کہتے ہیں میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوا حضور اس وقت الھٰکم التکاثر پڑھ رہے تھے۔ فرمایا کہ انسان میرا مال میرا مال کہتا ہے۔ اے فرزند آدم کیا تمہارا مال کچھ ہے سوائے اس کے جو تم نے کھایا اور فنا کردیا یا پہنا اور بوسیدہ کردیا یا صدقہ کیا اور اس مال کو اپنے لیے آگے بھیج دیا تاکہ قیامت کے دن کام آئے۔ اس کے سوا جو کچھ ہے تو اسے لوگوں کے لیے چھوڑ کر چلا جائے گا۔

تکاثر کا دوسرا معنی لیا جائے تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ الھاکم ایھا الناس المباھاۃ بکثرۃ المال والعدد عن طاعة ربكم وعما ينجيكم من سخطه عليكم۔ یعنی اے لوگو! تم مال و دولت کی بنا پر فخر کرتے ہو۔ اس چیز نے تمہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے غافل کر دیا ہے اور

ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿٤﴾ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْيَقِينِ ﴿٥﴾

پھر ہاں! تمہیں (اپنی کوششوں کا انجام) جلد معلوم ہو جائے گا ہاں ہاں! اگر تم (اس انجام کو) یقینی طور سے جانتے (تو ایسا ہرگز نہ کرتے) ۵

لَتَرَوُنَّ الْجَحِيمَ ﴿٦﴾ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِينِ ﴿٧﴾ ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ

تم دیکھ کر رہو گے دوزخ کو۔ پھر (آخرت میں) تم دوزخ کو یقین کی آنکھ سے دیکھ لو گے ۶ پھر ضرور پوچھا جائے گا تم سے

اس چیز سے بے پروا کر دیا ہے جو تمہیں اس کی ناراضگی سے بچا سکتی ہے۔ تم اسی تفاخر میں اتنے مصروف رہتے ہو کہ تمہیں اپنے خالق کی عبادت کی بھی فرصت نہیں ملتی اور نہ تمہارے پاس ایسے کام کرنے کے لیے وقت ہے جن کے باعث اس کے غضب سے اپنے آپ کو بچا سکو۔

۲ تم اسی دھن میں مست رہتے ہو یہاں تک کہ حیاتِ مستعار کا سورج ڈوب جاتا ہے، موت کا فرشتہ آکر تمہاری روح قبض کر لیتا ہے اور تم ہمیشہ کے لیے قبر کی آغوش میں لٹا دیے جاتے ہو۔ جو شخص مر جائے اہل عرب کہتے ہیں قد زار قبرہ۔ گویا زیارتِ قبر کا لفظ قبر میں دفن ہونے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

۳ کلا زجر و توبیخ کے لیے ہے یعنی جو نادانی کا وطیرہ تم نے اختیار کیا ہوا ہے یہ ہرگز درست نہیں۔ اگر تم اس سے باز نہ آئے اور اس بیہودہ شغل سے دستبردار نہ ہوئے اور ذکر الٰہی اور احکام کی بجا آوری کی طرف متوجہ نہ ہوئے اور اسی غفلت کی حالت میں موت آ گئی تو اس وقت تمہیں معلوم ہوگا کہ تم کتنے غلط کار تھے، تم کتنے خسارے کے کاروبار میں مصروف رہے، لیکن اس وقت آنکھیں کھل بھی گئیں تو کیا فائدہ؟ جب فرصت کی گھڑیاں تم نے خود برباد کر دیں۔

۴ وعید بعد وعید۔ دوبارہ دھمکی دی جا رہی ہے اور تکرار سے مراد تاکید اور تغلیظ ہے، لیکن حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ پہلی وعید سے مراد عذاب قبر ہے اور دوسری وعید سے مراد عذاب آخرت ہے۔ دونوں حالتوں کو الگ الگ بیان کیا گیا، تکرار نہیں۔

۵ یہ بھی زجر و توبیخ کے لیے ہے یعنی اگر تم کو اس بات کا یقینی علم ہوتا تو تم فانی لذتوں، ناپائیدار عزتوں اور دولت و ثروت کے لیے اپنے اوقات کا قیمتی خزانہ اس بے دردی سے نہ لٹاتے۔ تمہارا ہر سانس، ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی، ابدی نعمتوں اور لازوال راحتوں کے حصول کے لیے وقف رہتا۔ لو تعلمون کا جواب محذوف ہے لما الہاکم التکاثر۔ علم الیقین کا معنی ہے ای علماً کعلم الامر المتیقن (مظہری) یعنی ایسا علم جو کسی یقینی بات کا ہوتا ہے۔

۶ قیامت کے دن تم جہنم کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے۔ مومن بھی اسے دیکھیں گے اور کفار بھی لیکن دونوں کے دیکھنے میں بڑا فرق ہوگا۔ فھی للکفار دار وللمومنین ممر۔ کفار کے لیے یہ گھر ہوگا۔ وہ وہیں ٹھہریں گے اور مومنوں کے لیے محض گزرگاہ۔ کئی بجلی کی سرعت کے ساتھ گزر جائیں گے، کوئی ہوا کی تیزی سے اور کوئی پرندوں کی طرح، اپنے اپنے درجات کے مطابق ان کے گزرنے کی رفتار ہوگی۔

ع ۱
۲۷

يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ ﴿٨﴾

اس دن جملہ نعمتوں کے بارے میں ؎

؎ امام مسلم نے اپنی صحیح میں یہ روایت لکھی ہے۔ اس کے مطالعہ سے اس آیت کا مفہوم واضح ہو جائے گا۔ حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ ایک روز حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور ابوبکر و عمر سے ملاقات ہوئی۔ حضور نے فرمایا اس وقت تم دونوں اپنے گھروں سے باہر کیسے آئے ہو۔ دونوں نے عرض کی الجوع یارسول اللہ۔ اے اللہ کے پیارے رسول! سخت بھوک لگی ہے۔ حضور نے فرمایا بخدا میں بھی اسی وجہ سے باہر نکلا ہوں۔ حضور دونوں کو ہمراہ لے کر ایک انصاری کے گھر تشریف لے گئے۔ (دوسری روایت میں ان کا نام مالک بن التیہان درج ہے) لیکن وہ گھر میں موجود نہ تھے۔ ان کی بیوی نے جب حضور کو دیکھا تو بڑی گرمجوشی سے خوش آمدید کہا۔ حضور نے پوچھا تمہارا شوہر کہاں ہے؟ اس نے عرض کیا ہمارے لیے میٹھا پانی لینے گئے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد انصاری آگئے۔ جب حضور کو اور حضور کے ساتھیوں کو دیکھا تو خوشی کی انتہا نہ رہی۔ کہنے لگے الحمد للہ ما احد الیوم اکرم اضیافا منی۔ الحمد للہ آج روئے زمین پر کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس کے پاس میرے مہمانوں سے زیادہ عزت والے مہمان آئے ہوں۔ یہ کہہ کر وہ اپنے باغ کی طرف چلا گیا اور کھجوروں کا ایک گچھا توڑ کر لے آیا جس میں پختہ، نیم پختہ اور تر کھجوریں تھیں خدمتِ اقدس میں رکھا اور تناول فرمانے کی التجا کی۔ پھر اس نے چھری پکڑی حضور نے فرمایا ایاک والحلوب۔ شیر دار بکری کو ذبح نہ کرنا۔ پس اس نے ایک بکری ذبح کی اور ان معزز مہمانوں نے اس کا گوشت بھی تناول فرمایا اور کھجوریں بھی کھائیں اور ٹھنڈا میٹھا پانی بھی پیا۔ جب سیر ہوگئے تو اللہ تعالیٰ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے دونوں یاروں سے فرمایا اس خدا کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ روزِ قیامت تم سے آج کی نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ فاقہ نے تم کو اپنے گھروں سے نکالا اور تم ان نعمتوں سے شادکام ہو کر اب واپس جا رہے ہو۔

اس آیت میں تمام انسانوں کو اس بات کی طرف متوجہ کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ ان پر جو انعام فرمائے وہ اس کا شکر ادا کرنے کی کوشش کریں اور اس بات کو کبھی فراموش نہ کریں کہ ان کے بارے میں ان سے بازپرس ہوگی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی ہر قسم کی نعمتوں سے بہرہ ور فرمائے اور ہمیں ان کا حق ادا کرنے کی بھی توفیق مرحمت فرمائے تاکہ جب قیامت کے روز بازپرس ہو تو ہمیں ندامت نہ ہو۔ واللہ ولی التوفیق۔

○

تعارف

سُورۃ وَالعصر

نام : اس سورت کا نام العصر ہے جو پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔ یہ ایک رکوع اور تین آیات پر مشتمل ہے۔ اس کے کلمات کی تعداد چودہ اور حروف کی تعداد اڑسٹھ ہے۔

زمانۂ نزول : جمہور علماء کے نزدیک یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس کا اسلوب بیان اسی قول کی تائید کرتا ہے۔

شانِ نزول : حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا شانِ نزول یہ بتایا ہے کہ کلاہ بن اُسید جس کی کنیت ابوالاسدین تھی۔ عہد جاہلیت میں حضرت ابوبکرؓ سے اس کا بڑا یارانہ تھا۔ حضرت ابوبکر مشرف باسلام ہوئے تو یہ ناصح مشفق بن کر آپ کو سمجھانے آیا۔ کہنے لگا کہ اے ابوبکر! تمہاری قابلیت اور دانشمندی ہر شک و شبہ سے بالاتر تھی۔ کاروبار میں بھی تمہارا کوئی ہمسر نہ تھا۔ اپنی تاجرانہ مہارت کے باعث تمہارا ہر سودا نفع بخش ہوا کرتا تھا۔ بایں فہم و دانش تم نے اپنے آباؤ اجداد کا طریقہ چھوڑ دیا۔ لات وہبل کی عبادت ترک کر دی اور ان کی شفاعت سے اپنے آپ کو محروم کر دیا۔ تم سے ایسی نادانی کی توقع ہرگز نہ تھی۔ آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ آپ نے اس کو جواب دیا کہ جو شخص حق کو قبول کر لیتا ہے اور ثابت قدمی سے راہ راست پر گامزن ہو جاتا ہے، وہ زیاں کار نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی جس سے حضرت صدیقؓ کے قول کی تصدیق ہوتی ہے۔ (تفسیر عزیزی)

مضامین : یہ تین آیات ہیں یا اسرار و معارف کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر ہیں جن کا کنارا ناپید ہے اور انکی گہرائی بے اندازہ ہے۔ عبارت کے ایجاز کو دیکھ کر فصحاء عرب تصویر حیرت بن گئے اور معانی کے شانِ اعجاز کو دیکھ کر عقلِ انسانی دنگ رہ جاتی ہے۔

علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ عمرو بن عاص ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے کہ ان کی ملاقات مسیلمہ کذاب سے ہوئی۔ اثنائے گفتگو میں مسیلمہ نے پوچھا کہ بتاؤ اس عرصہ میں تمہارے صاحب پر کیا نازل ہوا ہے۔ عمرو نے کہا بڑی مختصر اور انتہائی بلیغ سورت نازل ہوئی ہے۔ اس نے پوچھا کون سی؟ انہوں نے یہ سورت پڑھ کر سنائی۔ چند لمحے اس نے توقف کیا پھر کہا اسی قسم کی سورت مجھ پر بھی نازل ہوئی ہے اور یوں پڑھنے لگا :

"یا وَبْرُ یا وَبْرُ وانما انت اذنان وصدر وسائرک حفرٌ نقر۔"

پھر داد طلب نگاہوں سے عمرو بن عاص کی طرف دیکھنے لگا اور پوچھا بتاؤ کیسی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اے مسیلمہ تجھے خوب علم ہے کہ میں تجھے پرلے درجے کا جھوٹا جانتا ہوں۔ وَبْر بلی کا ہمشکل ایک جانور ہے جس کے دونوں کان اور

سینہ بہت بڑے ہوتے ہیں اور اس کا بقیہ جسم بڑا بدصورت ہوتا ہے۔ مسیلمہ کذاب نے چاہا قرآن کریم کی اس نورانی سورت کا ایسے خرافات سے مقابلہ کرے۔ بھلا قرآن کی آیات کے مقابلہ میں اس ہذیان سرائی کی کیا وقعت ہو سکتی تھی۔ اہل ایمان تو کجا ایک ایسا شخص جو ابھی کفر و شرک کی آلائشوں سے آلودہ ہے اس کا ذوقِ سلیم بھی اس مجموعہ خرافات کو مسترد کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

صحابہ کرام کو اس سورت کی معنویت اور عظمت کا پورا پورا احساس تھا! چنانچہ طبرانی نے عبید اللہ بن حفص سے روایت کیا ہے کہ جب کبھی دو صحابی ایک دوسرے سے ملاقات کرتے تو رخصت ہونے سے پہلے ایک صاحب یہ سورت پڑھ کر سناتے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بالکل بجا کہا ہے:

لو تدبر الناس هٰذه السورة لوسعتهم : یعنی اگر لوگ اس ایک سورت میں ہی غور و تدبر کریں تو ان کی فلاح دارین کے لیے یہ ایک سورت ہی کافی ہے۔

سُوْرَةُ الْعَصْرِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ ثَلٰثُ اٰيَاتٍ

سورۃ العصر مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — اس میں تین آیات ہیں

وَالْعَصْرِ ۝۱ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝۲ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

قسم ہے زمانہ کی [1] یقیناً ہر انسان خسارہ میں ہے [2] بجز ان (خوش نصیبوں) کے جو ایمان لے آئے اور نیک

[1] اس سورت کا آغاز العصر کی قسم کھا کر کیا جا رہا ہے۔ عصر کا معنی زمانہ بھی ہے اور عصر دن کے اس حصے کو بھی کہتے ہیں جس میں ظہر اور مغرب کی نمازوں کے درمیان نماز ادا کی جاتی ہے۔ اس سورت میں جو حقیقت بیان کی جا رہی ہے اس کی صداقت پر سب سے بڑا گواہ خود زمانہ ہے۔

آپ انسانی تاریخ کے کسی دور کا مطالعہ کریں، آپ یقیناً اسی نتیجہ پر پہنچیں گے جو اس مختصر سورت میں بیان کیا گیا ہے۔ جو افراد اور قومیں ان مذکورہ چار صفات سے متصف نہیں ہوتیں وہ خائب و خاسر ہی رہتی ہیں۔ نمرود اور فرعون کو دیکھو، قوم نوح اور قوم ثمود کے حالات کا مطالعہ کرو، ہر جگہ اس حقیقت کی سچائی روزِ روشن کی طرح واضح ہے۔ نمرود اپنے وقت کا بہت بڑا بادشاہ تھا، ساری رعایا اس کی فرمانبردار تھی، ملک کی ساری دولت اس کے قبضہ میں تھی۔ اس کے شاہی خزانے سونے چاندی اور دیگر نوادرات سے بھرے ہوئے تھے۔ فوج بھی اپنے بادشاہ کے ساتھ وفا کے جذبے سے سرشار تھی۔ یہی حال فرعون کا تھا۔ ان دونوں میں اگر کسی چیز کی کمی تھی تو صرف یہ کہ وہ دونوں ان صفاتِ جلیلہ سے محروم تھے جو انسانی فوز و فلاح کے لیے بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کا انجام کیا ہوا۔ ایک مطلق العنان بادشاہ فرمانروا کو ایک حقیر مچھر نے ہلاک کر دیا۔ دوسرے کو سمندر کی موجیں خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے گئیں۔ ان کے حسرتناک انجام پر ایک آنکھ بھی نمناک نہ ہوئی۔ ایک دل بھی سوگوار نہ ہوا۔ وما بکت علیہم السموات والارض۔ ان بدبختوں کی تباہی و بربادی پر چشم فلک سے کوئی آنسو ٹپکا اور نہ ہی زمین کی آنکھیں اشکبار ہوئیں۔ خس کم جہاں پاک۔ قوم نوح کو جب طوفان کی بپھری ہوئی موجوں نے گھیر لیا اور وہ سب کے سب غرق ہو گئے تو ان ظالموں کی بربادی پر کائنات نے حمدِ باری تعالیٰ کے گیت گائے۔

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ والعصر سے مراد وہ عہدِ ہمایوں ہے جب یہ جہاں محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وجودِ مسعود سے منور ہوا۔ ویسے تو ہر زمانہ اس سورت میں بیان کردہ مضامین کی حقانیت کا گواہ ہے، لیکن جیسی اٹل، ناقابلِ تردید شہادت عہدِ مصطفوی نے دی ہے اس کی کہیں نظیر نہیں مل سکتی۔ جن لوگوں نے دعوتِ محمدی کو قبول نہ کیا وہ اپنی امارتوں، ریاستوں اور گوناگوں دیگر خصوصیتوں کے باوجود شکے نیست و نابود ہو گئے۔ انسانیت نے ان کو فراموش کر دیا اور جن کی کچھ یاد باقی ہے ان کا نام گالی کے طور پر ہی استعمال ہوتا ہے۔ لیکن جن خوش نصیبوں نے اس ہادیٔ برحق کی دعوت کو قبول کر لیا اور اس کی غلامی کی سعادت سے بہرہ ور ہونے کے باعث ان چار خوبیوں سے اپنی زندگی کا دامن بھر لیا وہ انسانیت کی آبرو بن گئے، چشمِ گیتی کا نور، گلشنِ ہستی کی بہار اور فخرِ روزگار بن گئے۔ ان کا نام زبان پر آتا ہے تو پاکبازی اور نفع رسانی کی دنیا میں نور پھیل جاتا ہے۔ ان کے ذکر سے طاغوتی طاقتوں پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار قدسیوں کا یہ گروہ اور ان کے نقوشِ پا کو خضرِ راہ

الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ ۙ۬ وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ ﴿۳﴾

عمل کرتے رہے سے اور نیز ایک دوسرے کو حق کی تلقین کرتے رہے اور ایک دوسرے کو صبر کی تاکید کرتے رہے سے

بنانے والے کاروانِ انسانیت کی قیادت کا فریضہ ادا کرتے رہے ہیں۔ انہوں نے اپنی قربانیوں اور خلوصِ عمل سے انسان کے سرِ افتخار کو بلند کر دیا ہے۔

اس لیے اگر والعصر سے عہدِ رسالت مراد لیا جائے تو نہایت موزوں ہو گا۔

۲ے زندگی کے اس کاروبار میں ہمارا سرمایہ وقت ہے اور اس سے بیش قیمت اور عزیز القدر کوئی دوسرا سرمایہ نہیں۔ جو لوگ اس کو بے مقصد ضائع کرتے ہیں، عیش و عشرت میں برباد کرتے ہیں، باقیاتِ صالحات کے بجائے زوال پذیر اور فانی چیزوں کے حصول میں صرف کرتے ہیں، وہ کاروبارِ زیست سے نفع کیا خاک حاصل کریں گے۔ انہوں نے تو اپنی پونجی ہی ڈبو دی ہے۔ اس سے بڑا خسارہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ نفع کے بجائے نقصان اٹھایا اور نقد وقت بھی ہاتھ سے کھو بیٹھے۔ کاروبارِ زیست کو از سرِ نو شروع کرنے کا امکان بھی ختم ہو گیا۔ آپ نے کبھی اس مسافر کی حالتِ زار دیکھی ہے جو منزل کی طرف پیٹھ کر کے بھاگ رہا ہو، سورج ڈوبنے والا ہو، رات کی تاریکی چاروں سو پھیل رہی ہو۔

۳ے البتہ نوعِ انسانی کے وہ خوش قسمت افراد جن میں مندرجہ ذیل خوبیاں پائی جاتی ہیں، حقیقی فلاح کا تاج انہی کے سر پر سجایا جاتا ہے۔

پہلی اور اہم بات یہ ہے کہ وہ صدقِ دل سے اپنے ربِ کریم پر ایمان لے آئیں۔ نیز ان کے پروردگار نے ان کی ہدایت و رہنمائی کے لیے جس نبی کو مبعوث فرمایا ہے اس کی تصدیق کریں اور اس نبی نے ان کے سامنے جو نظامِ حیات پیش کیا ہے اس کو تہِ دل سے قبول کریں۔

دوسری صفت یہ ہے کہ اپنی زبان سے جس قلبی ایقان کا انہوں نے اظہار کیا ہے، میدانِ عمل میں اٹھنے والا ان کا ہر قدم اس کی تصدیق کرے۔

۴ے جہاں تک ان کی انفرادی کامیابی کا تعلق ہے وہ تو ان دو صفتوں کے پائے جانے سے حاصل ہو گئی۔ لیکن اسے چراغ کون کہے گا جو اپنے ماحول کی تاریکیوں کو شکست نہ دے سکے، وہ دریا ہی کیا ہے جو صحراؤں اور چٹیل میدانوں کو سیراب کر کے رشکِ فردوس نہ بنا دے۔ اس لیے فرمایا تیسری خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے حلقۂ اثر میں حق کی پذیرائی اور اس کی بالادستی قائم کرنے کے لیے بھرپور کوشش کرتا ہے اور یہ کوشش اس وقت تک بار آور نہیں ہو سکتی جب تک یہ خود اور اس کی محنت سے حق کو قبول کرنے والے اس راہ کی صعوبتوں کو جوانمردی سے برداشت کرنے کا حوصلہ پیدا نہ کر لیں۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب وہ ایک دوسرے کو صبر و استقامت کا درس دیتے رہیں، مصائب و آلام میں خود استقامت کا مظاہرہ کر کے دوسروں کے لیے دلکش نمونہ پیش کرتے رہیں۔ یہ صبر کامیابی کی اہم اور چوتھی شرط ہے۔ اس سے مراد فقط یہ نہیں کہ آپ کو کوئی تکلیف آئے اور آپ گھبرائیں نہیں، بلکہ اس کے علاوہ نیکیاں کرنے پر صبر، گناہوں سے اجتناب پر صبر، احکامِ شرعیہ کی پابندی پر صبر، ماحول کے دباؤ کے مقابلہ میں صبر۔ جب ایک ایسی امت وجود میں آ جائے گی جو ان صفات سے متصف ہو گی تو ہر حق کا

پرچم ہمیشہ سربلند رہے گا۔ کوئی طوفان اس کو سرنگوں نہ کر سکے گا۔ کوئی آندھی اس کی روشن کی ہوئی شمع کو بجھا نہ سکے گی۔ آپ ان خوش نصیب انسانوں کی سعادت مندی کا اندازہ لگائیں جن کی عرق ریزیاں، جگر کاویاں اور شب بیداریاں کے باعث حق کو قوت و غلبہ نصیب ہوا اور جن کی سرفروشی اور جذبۂ ایثار و خلوص نے ایسی شمعیں روشن کر دی ہیں جن سے وہ راستہ جگمگا رہا ہے جو انسان کو اپنی حقیقی اور بلند منزل کی طرف لے جانے والا ہے۔

یہاں تواصوا کا استعمال اور اس کا تکرار بڑا غور طلب ہے۔ علامہ ابن منظور لکھتے ہیں اوصی الرجل ووصاہ، عہد الیہ (لسان العرب) یعنی کسی شخص کا کسی دوسرے کو کسی کام کی تاکید کرنا۔ علامہ راغب اس کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں الوصیۃ : التقدم الی الغیر بما یعمل بہ مقترنا بوعظ من قولھم ارض واصیۃ متصلۃ النبات والمفردات) کسی کو پند و موعظت سے کوئی کام کرنے پر اجارنا اور انگیختہ کرنا۔ اس کے علاوہ اس میں تسلسل کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے۔ وہ زمین جس میں مسلسل کاشت ہوتی رہے اور فصلیں اگتی رہیں اسے ارض واصیۃ کہتے ہیں۔ جوہری نے صحاح میں اور زبیدی نے تاج العروس میں اس کی یہی تشریح کی ہے۔

اس تحقیق کی روشنی میں آیت کے اس جملہ کا مفہوم یہ ہوگا کہ حق کو قبول کرنے اور اس راہ میں پیش آنے والی مشکلات کا مقابلہ کرتے وقت صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑنے کی تلقین و تاکید کی جا رہی ہے۔ ان کے آباء و اجداد نے ان کو ان امور کے بارے میں جو وصیت کی ہے وہ اپنی آنے والی نسلوں کو اس کی وصیت کرتے رہیں۔

کیونکہ حق کو قبول کرنا اور اس راہ میں صبر و استقامت کا مظاہرہ کرنا دونوں باتیں نہایت اہم ہیں اس لیے تواصوا کو مکرر ذکر کیا تاکہ قاری ان کی مستقل نوعیت کو پیش نظر رکھے۔

○

لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ محمد وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

○

تعارف

سُورۃ الھمزہ

نام : اس سورت کا نام الھمزہ ہے جو اس کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔ یہ ایک رکوع اور نو آیات پر مشتمل ہے۔
اس کے تیس کلمات اور ایک سو تیس حروف ہیں۔

زمانۂ نزول : علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔

مضامین : کفارِ مکہ یوں تو سب کے سب حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بغض و عناد رکھتے تھے، لیکن ان میں چند ایسے بدباطن بھی تھے جو جھوٹے الزامات لگانے اور بہتان تراشی میں پیش پیش تھے۔ ان کی کیفیت بھی یکساں نہ تھی۔ کچھ ایسے تھے جو پس پشت ترغیبت و عیب جوئی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے لیکن رُو برو کوئی ناروا بات کہنے کی وہ جسارت نہ کرتے۔ بعض بدبخت اور بے حیا ایسے بھی تھے جو منہ پر بھی طعن و تشنیع سے باز نہ آتے۔ اخنس بن شریق ان کا سرغنہ تھا۔ انہی لوگوں کے بارے میں یہ سورت نازل ہوئی۔

بتایا جا رہا ہے کہ چاند کی چاندنی سے روشن تر، قطرہ ہائے شبنم سے پاکیزہ تر، گلاب کی پتی سے بھی زیادہ لطیف سیرتِ طیبہ پر جو لوگ نازیبا الزام لگاتے ہیں ان کا اپنا کردار کیا ہے۔ ان کے دلوں میں دولت کی محبت رچی بسی ہوئی ہے۔ مال جمع کرنا ان کا محبوب مشغلہ ہے۔ دراہم و دنانیر کو گننا اور بار بار گننا ان کی مرغوب تفریح ہے۔ خود تو مکھی کی طرح دُنیا کی غلاظتوں پر بھنبھنا رہے ہیں اور بے ادبیاں کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے اس محبوب کی ذاتِ اطہر پر جس کی ضیاء پاشیوں سے ایک عالم منور ہے۔

وہ صرف دولت کے پجاری اور پرلے درجے کے کنجوس ہی نہیں بلکہ عقل و فہم سے بھی بے بہرہ ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ دولت کی فراوانی انہیں موت کے چنگل سے چھڑا لے گی۔ کوئی بیماری ان کے قریب نہیں آئے گی۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہیں گے حالانکہ اگر ایسا ہوتا تو ان سے پہلے جو ان سے بھی کئی گنا زیادہ دولت مند لوگ تھے، وہ خاک میں مل کر خاک نہ ہو چکے ہوتے۔ کیا یہ لوگ آج ان کا کوئی نام و نشان دکھا سکتے ہیں۔ ایسے ناعاقبت اندیش لوگوں کے انجام کے بارے میں بھی وضاحت فرما دی تاکہ کوئی شخص کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ رہے۔ جس شخص کی تمنا ہے کہ وہ ایسے المناک انجام سے دوچار نہ ہو تو اسے چاہیے کہ وہ آج ہی سلامتی اور ہدایت کی راہ پر گامزن ہو جائے۔

سُوْرَةُ الْهُمَزَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعُ اٰيٰتٍ

سورہ الہمزہ مکی ہے اور اس کی نو آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۝١ الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۝٢

ہلاکت ہے ہر اس شخص کے لیے جو روبرو طعنے دیتا ہے (اور) پیٹھ پیچھے عیب جوئی کرتا ہے[1] جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھتا ہے[2]

[1] یہاں دو لفظ ھمزہ، لُمزہ استعمال ہوئے ہیں۔ علمائے لغت نے ان کی تشریح کرتے ہوئے متعدد اقوال ذکر کیے ہیں۔ قال ابن عباس ھم المشاؤن بالنمیمۃ المفرقون بین الاحبۃ۔ الباغون للبراء العیب ومعناھما واحد۔ یعنی یہ دونوں لفظ ہم معنی ہیں۔ یہ چغلی کھانے والے، دوستوں میں جدائی اور تفرقہ ڈالنے والے، بے قصور اور بے عیب انسان میں نقص نکالنے والے کو ہمزہ اور لمزہ کہتے ہیں۔

مقاتل کا قول یہ ہے الھمزۃ الذی یعیبک فی الوجہ واللمزۃ الذی یعیبک فی الغیبۃ۔ یعنی جو روبرو طعنہ زنی کرے اسے ہمزہ اور جو پس پشت عیب جوئی کرے اسے لمزہ کہتے ہیں۔ ابوالعالیہ اور حسن نے ان کا معنی برعکس کیا ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی اقوال مذکور ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ الفاظ اتنے قریب المعنی ہیں کہ اہل لغت کے لیے ان کا الگ الگ معنی متعین کرنا مشکل ہو گیا۔

کفار میں یہ کمزوریاں عام تھیں، جہاں کسی غریب اور کمزور سے آمنا سامنا ہوا تو اس کے منہ پر اس کو برا بھلا کہتے کیونکہ انہیں اس کی طرف سے کسی مزاحمت یا جوابی کارروائی کا کوئی اندیشہ نہ ہوتا اور جہاں کوئی اپنے سے طاقتور مدمقابل ہوا اس کے سامنے اس کی تعریف بھی کر دی، اس کی خوشامد میں چند جملے بھی بول لیے اور جب وہ چلا گیا تو اس کی غیبت کرنا شروع کر دی۔ یہ ایسا ہے، وہ ایسا ہے، اس میں یہ عیب ہے، اس میں فلاں کمزوری ہے۔ ناحق شناس لوگ اس اخلاقی کمزوری میں عموماً مبتلا ہوتے ہیں۔

[2] دوسرے لوگوں پر زبان طعن دراز کرنے کی عادت اس میں اس لیے ہے کہ یہ بڑا مال دار اور دولت مند ہے۔ اسی وجہ سے وہ اپنے آپ کو بڑا آدمی سمجھنے لگا ہے اور دوسرے لوگوں کو بنظر حقارت دیکھتا ہے لیکن دولت مند ہونے کے باوجود بڑا کنجوس ہے۔ گن گن کر بڑی احتیاط سے سنبھال کر رکھتا ہے، ایک درہم بھی خرچ کرنے کی اسے ہمت نہیں ہوتی۔ بعض علماء نے عددہ کا معنی اعدہ کیا ہے، یعنی اس نے ناگہانی مصائب کا مقابلہ کرنے کے لیے مال جمع کر رکھا ہے۔ وجعلہ عُدّۃ للنوازل۔

يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُۥٓ أَخْلَدَهُۥ ﴿٣﴾ كَلَّا ۖ لَيُنۢبَذَنَّ فِى ٱلْحُطَمَةِ ﴿٤﴾ وَ

وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس کے مال نے اسے لافانی بنا دیا ہے ۳ ہرگز نہیں وہ یقیناً حطمہ میں پھینک دیا جائے گا ۴ اور

مَآ أَدْرَىٰكَ مَا ٱلْحُطَمَةُ ﴿٥﴾ نَارُ ٱللَّهِ ٱلْمُوقَدَةُ ﴿٦﴾ ٱلَّتِى تَطَّلِعُ عَلَى

تم کیا جانو کہ حطمہ کیا ہے۔ وہ اللہ کی آگ ہے خوب بھڑکائی ہوئی ۵ جو دلوں تک جا

ٱلْأَفْـِٔدَةِ ﴿٧﴾ إِنَّهَا عَلَيْهِم مُّؤْصَدَةٌ ﴿٨﴾ فِى عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍۭ ﴿٩﴾

پہنچے گی ۶ بے شک وہ آگ ان پر بند کر دی جائے گی ۷ اس کے شعلے لمبے لمبے ستونوں کی صورت میں ہوں گے ۸

ع ۱ — ۲۹

۳ وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ اگر اس کی دولت اس کے پاس رہی تو موت کا فرشتہ اس کے قریب نہیں پھٹکے گا۔ اسی کروفر کے ساتھ یہ ہمیشہ زندہ رہے گا۔

بعض علماء نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ یہ مال اس کے پاس ہمیشہ رہے گا، کبھی فنا نہ ہوگا، کبھی ختم نہ ہوگا۔

۴ نبذ کی تشریح کرتے ہوئے علامہ راغب لکھتے ہیں۔ النبذ: القاء الشیء وطرحہ لقلۃ الاعتداد بہ۔ کسی چیز کو حقیر سمجھتے ہوئے اسے پھینک دینا۔ کہتے ہیں نبذت النعل الخلق، میں نے پرانی جوتی اتار کر پھینک دی۔

ایسے ننگِ انسانیت کو دوزخ میں پھینکنے کا ذکر کرتے وقت ایسا لفظ استعمال فرمایا جو اس مفہوم کو ادا کرنے کے ساتھ اس کی تحقیر اور تذلیل کی طرف بھی اشارہ کر رہا ہے۔

یعنی آج وہ اپنے آپ کو بڑا رئیس اور سردار تصور کرتا ہے، معاشرے میں اس کو جو اہمیت حاصل ہے، دولت کی کثرت کے باعث لوگوں کے دلوں پر اس کا رعب بیٹھا ہوا ہے اس لیے یہ اپنے آپ کو کوئی بڑی چیز سمجھنے لگا ہے، لیکن خداوند کریم کے نزدیک یہ پرانی جوتی سے بھی زیادہ حقیر ہے۔

حطمہ: حطم سے ہے۔ اس کا لغوی معنی توڑ ڈالنا، پیس ڈالنا، ریزہ ریزہ کر دینا، یہ دوزخ کے ایک طبقے کا نام ہے جس کی آگ اتنی تیز ہوگی کہ جو چیز اس میں پھینکی جائے گی آنِ واحد میں اس کو پیس کر رکھ دے گی، اس کے پرزے اڑا دے گی۔

۵ اس حطمہ کی مزید تشریح کر دی۔ یہ وہ آگ ہے جسے اللہ نے جلایا ہے، جو ہمیشہ بھڑکتی رہے گی، کبھی نہیں بجھے گی۔

۶ جس کی آنچ دلوں تک پہنچ جائے گی، اس کی سوزش اور تپش سے دل بھن کر کباب ہو جائیں گے۔

۷ جب کسی دروازے کے کواڑوں کو بھینچ کر بند کر دیا جائے اور کنڈی لگا دی جائے اور ان کے دوبارہ کھلنے کی بظاہر کوئی صورت نہ ہو تو عرب کہتے ہیں آصدت الباب۔ اسی سے مؤصدۃ اسم مفعول ہے۔ یعنی ان نابکاروں کو حطمہ میں ڈال دیا جائے گا اس کے دروازے بڑی مضبوطی سے مقفل کر دیے جائیں گے، نہ انہیں کوئی کھول سکے گا اور نہ اس عذاب الیم سے ان کے نکلنے کی کوئی صورت ہوگی۔

ش‍ه عَمَد : عمود کی جمع ہے یعنی ستون۔ مُمَدَّدَة : طویل لمبے۔ یعنی اس آگ کے شعلے لمبے لمبے ستونوں کی صورت میں بلند ہوں گے، نہ وہ بجھیں گے اور نہ ان کے درد والم میں کوئی تخفیف ہوگی۔

○

یا حی یا قیوم برحمتك استغیث لا تکلنی الی نفسی طرفة عین واصلح لی شانی کله وقنا ربنا عذاب النار وتوفنا مع الابرار۔ وصل وسلم وبارك علی النبی المختار ما تعاقب فی ایکها الاطیار۔

تعارف

سُورۃ الفیل

نام : اس سورہ مُبارکہ کا نام الفیل ہے۔ اس میں ایک رکُوع' پانچ آیتیں' بیس کلمات اور چھیانوے حروف ہیں۔

زمانہ نزول : مکہ مکرمہ میں عہدِ نبوت کے آغاز میں نازل ہُوئی۔

تاریخی پس منظر : اس سورت میں جس واقعہ کی طرف اشارہ ہے اس کو پُوری طرح سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس واقعہ کی تفصیلات کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا جائے۔ صرف اسی طرح ہم اس سورت کے مقصدِ نزول سے آگاہ ہو سکتے ہیں۔

نقشہ پر نظر ڈالنے سے پتہ چل جاتا ہے کہ بحرِ احمر کے دائیں طرف یمن کا ملک ہے اور اس کے مدِ مقابل دُوسری طرف براعظم افریقہ کا ملک حبشہ ہے جسے ایتھوپیا یا ابی سینیا بھی کہا جاتا ہے۔ علم انساب کے ماہرین کا خیال ہے کہ حبش کے باشندے اصل یمن کی قوم سبا کے ہی افراد تھے جنھوں نے یمن کی خوشحالی کے دَور میں یمن سے نقل مکانی کرکے ایبے سینیا کے ساحل پر اپنی تجارتی منڈیاں اور مراکز قائم کر لیے تھے۔ زیادہ دیر تک وہ اپنی انفرادیت قائم نہ رکھ سکے۔ افریقہ کے اصلی باشندوں کے ساتھ ان کے شادی بیاہ کا سلسلہ شروع ہو گیا یہاں تک کہ نہ وہ خالص سبائی رہے اور نہ خالص افریقی بلکہ ایک مخلوط قوم بن گئے۔ اسی لیے ان کو حبش کہا جاتا ہے جس کا معنی اختلاط و امتزاج ہے۔ گویا سبا کی قوم دو حصّوں میں بٹ گئی۔ ایک حصہ اپنے اصلی وطن یمن میں اقامت پذیر رہا' انہیں سبائے حمیر کہا جاتا ہے اور جو لوگ ترکِ وطن کرکے یہاں آکر آباد ہو گئے انہیں سبائے حبش کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

یمن کے اصلی باشندے ستاروں کی پُوجا کیا کرتے تھے۔ مختلف ستاروں کے لیے اُنھوں نے بڑے بڑے معبد بنوا رکھے تھے' لیکن اس زمانہ میں افریقہ' قیصرِ روم کے قبضہ میں تھا۔ رومی عیسائی تھے۔ ان کے حکومتی اثر اور سرگرم تبلیغی کوششوں کے باعث عیسائیت کو یہاں بڑا فروغ حاصل ہُوا۔ حبشہ کے باشندے بھی اس سے متاثر ہُوئے بغیر نہ رہ سکے۔ ان کی اکثریت نے عیسائی مذہب کو قبول کر لیا۔ یمن میں بھی عیسائی مبلغین کی کوششوں سے نجران کے خطہ میں عیسائیت نے اپنا اثر و رسُوخ قائم کر لیا۔ ذونواس حمیر کا آخری بادشاہ عیسائیت کے فروغ سے آتش زیرپا ہو گیا اور اس نے گڑھے کھدوائے' اُن میں آگ جلائی اور ان عیسائیوں کو آگ میں پھینک کر جلا دیا۔ اس کا تفصیلی تذکرہ آپ ابھی ابھی سُورہ البروج میں پڑھ چکے ہوں گے۔ یمن کا ایک عیسائی امیر دوس بن ثعلبان جو بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا' وہ نجاشی بادشاہ حبشہ کے پاس فریادی ہُوا۔ نجاشی نے قیصرِ روم سے مشورہ کیا اور یمن پر حملہ کرنے کی تیاری شروع کر دی۔ بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ چند عیسائی جو بچ گئے تھے وہ قیصر کے پاس

قسطنطنیہ پہنچے اور وہاں جا کر اپنے بھائیوں کی داستان الم بیان کی۔ قیصر نے نجاشی کو یمن پر حملہ کرنے اور ان مقتولین کا انتقام لینے کی ہدایت کی۔ چنانچہ حبشی لشکر یمن پر حملہ کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ قیصر نے اپنا بحری بیڑہ فراہم کیا تاکہ یہ لشکر جرار اس کے ذریعہ بحر احمر کو عبور کرے۔ قیصر نے یہ رویہ کیوں اختیار کیا، اس فراخدلانہ اعانت کا محرک کیا صرف مذہبی جذبہ تھا۔ بعض مؤرخین کی رائے ہے کہ یہ محض بہانہ تھا۔ اصل مقصد یہ تھا کہ اس تجارتی شاہراہ پر اپنی گرفت مضبوط کی جائے جس کے ذریعے مشرقی ممالک کا قیمتی سامان تجارت مغربی ممالک تک پہنچتا ہے۔ اس سے پیشتر اس شاہراہ پر اہل عرب کی اجارہ داری تھی اور انہی کے انگنت اونٹوں پر مشتمل قافلے اس سامان کو بحر احمر کی بندرگاہ سے اٹھا کر بحر روم کے ساحل تک پہنچایا کرتے تھے۔ کئی صدیوں سے رومی للچائی ہوئی نظروں سے اس شاہراہ کو دیکھتے تھے اور محض کسی بہانہ کی تلاش میں تھے۔ عرصے سے رومیوں اور ایرانیوں میں جنگ شروع تھی اور حالت جنگ میں اس راستہ کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ گئی تھی۔ ممکن ہے قیصر کے اس اقدام کے محرک یہ دونوں سبب ہوں۔

الغرض جب حبشی لشکر حملہ آور ہوا تو شاہ یمن ذونواس نے عدن اور حضرموت کے ساحل پر اس کا استقبال کیا اور اسے پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔ حبشی وطن واپس آئے اور از سر نو بڑے زور شور سے دوبارہ حملہ کرنے کی تیاری شروع کر دی۔ اس دفعہ ذونواس ان کے حملے کی تاب نہ لا سکا اس کا حمیری لشکر بُری طرح شکست سے دوچار ہوا۔ ذونواس نے راہ فرار اختیار کی اور اپنا گھوڑا ایک دریا میں ڈال دیا، لیکن وہیں اس کا کام تمام کر دیا گیا۔ اس کے قتل کے بعد اس کا نائب ذوجدن مقابلہ کے لیے بڑھا لیکن وہ بھی مارا گیا۔ ذوالیزان نے حبشی فوج کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام ہوا۔ اس طرح ۵۲۵ عیسوی میں سارا یمن حبشیوں کے قبضہ میں چلا گیا۔ عرب مؤرخین کے نزدیک اس حبشی لشکر کے سالار کا نام ارباط تھا۔ شاہ نجاشی نے اسی کو وہاں کا والی مقرر کر دیا۔ لیکن یونانی مؤرخ اس سالار کا نام 'اسمیفیوس' بتاتے ہیں اور اس وقت کے نجاشی کا نام 'ایلباس' لکھتے ہیں۔

عربی روایات کے مطابق ارباط نے تقریباً ۲۰ سال تک یمن پر حکومت کی۔ اس کے بعد حبشی فوج نے ایک فوجی افسر ابرہہ کی قیادت میں اس کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ ارباط مارا گیا اور ابرہہ یمن کا والی بن بیٹھا۔ سال کا تعین مشکل ہے البتہ ایک کتبہ جو ابرہہ کا نصب کردہ ہے اس پر ۶۵۸ یمنی سال مرقوم ہے جو ۵۴۳ء کے مطابق ہے۔

نجاشی نے ابرہہ کی بغاوت اور ارباط کے قتل کی خبر سنی تو بہت غضبناک ہوا۔ قسم اٹھائی کہ وہ خاک یمن کو اپنے پاؤں تلے روند ڈالے گا اور ابرہہ کا خون بہائے گا۔ ابرہہ نے ایک شیشی میں اپنا خون بھرا اور یمن کی کچھ مٹی ایک خریطہ میں بند کی۔ دونوں کو بادشاہ کے پاس بھیجا اور لکھا کہ میں آپ کا حلقہ بگوش غلام ہوں۔ آپ نے جو حلف اٹھایا ہے اس کو پورا کرنے کے لیے اپنا خون اور یمن کی مٹی بھیج رہا ہوں۔ آپ اس مٹی کو اپنے پاؤں سے روند ڈالیے اور میرا خون جو شیشی میں ہے اسکو زمین پر بہا دیجیے۔ ابرہہ کی اس پیشکش سے نجاشی بہت خوش ہوا اور اسے یمن کا والی برقرار رکھا۔

جب ابرہہ کو کچھ اطمینان ہوا تو اس نے یمن میں عیسائیت کی تبلیغ کے لیے تحریک شروع کر دی۔ بڑے بڑے شہروں

میں گرجے تعمیر کیے اور یمن کے دار السلطنت صنعاء میں ایک بہت بڑا عظیم الشان گرجا تعمیر کیا جس کو عرب اَلْقُلَّیْس یا اَلْقُلَیْس کہتے ہیں یہ لفظ کلیسہ کا معرب ہے۔ اس کی زیب وزینت و آرائش پر دل کھول کر روپیہ خرچ کیا۔ ان تمام کوششوں اور اقدامات کے باوجود عیسائیت کی اشاعت میں اسے حسبِ منشا کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ اس کے سامنے ایک ایسی رکاوٹ تھی جس نے اس کی کوششوں کو تقریباً بے اثر بنا دیا۔ مکہ مکرمہ میں جو کعبہ حضرت خلیل اور اسماعیل علیہم السلام نے اپنے مبارک ہاتھوں سے تعمیر کیا تھا ہر عربی باشندے کو اس سے قلبی اور فطری عقیدت تھی، وہ کسی قیمت پر اس سے صرفِ نظر نہیں کر سکتا تھا عیسائیت قبول کرنے کا فوری نتیجہ اس رشتہ کا انقطاع تھا جس کے لیے اہلِ عرب بالکل تیار نہ تھے۔

ابرہہ نے اس رکاوٹ کو اپنے راستے سے ہٹانے کا عزم کر لیا۔ اس نے عرب کے تمام علاقوں میں منادی کرا دی کہ میں نے تمہارے لیے ایک بہت خوبصورت کعبہ بنایا ہے تم وادی غیر ذی زرع میں واقع اُن گھڑے سیاہی مائل پتھروں کے بنے ہوئے کعبہ کے بجائے یہاں آکر اپنا حج کیا کرو جو صنعاء کی جنت نظیر وادی میں انسانی فنِ تعمیر کا ایک شاہکار ہے۔ لیکن اس کی یہ دعوت صدا بصحرا ثابت ہوئی۔ لوگ اس کے ہر طرح کے پراپیگنڈے کے باوجود تپتے ہوئے صحرا بے آب و گیاہ ریگستانوں کو مستانہ وار عبور کرتے ہوئے مکہ مکرمہ حاضر ہوتے اور کعبہ مشرفہ کا طواف کر کے سکونِ دل حاصل کرتے۔ اس چیز نے ابرہہ کو اور مشتعل کر دیا۔ اس نے قسم کھائی کہ وہ اس گھر کو گرا کر نیست و نابود کر دے گا۔ ان حالات میں ایک اور واقعہ رونما ہوا جس نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ کہتے ہیں بنی کنانہ کے کسی شخص نے رات کو اس کلیسا میں جا کر قضائے حاجت کر دی بعض کی رائے ہے کہ چند عرب نوجوانوں نے اس کلیسا کو نذرِ آتش کرنے کی کوشش کی لیکن مقاتل بن سلیمان کی رائے یہ ہے کہ چند مسافر رات بسر کرنے کے لیے اس گرجا کے پڑوس میں اُترے۔ اُنھوں نے کھانا پکانے کے لیے آگ جلائی۔ آندھی آگئی اور کوئی چنگاری اُڑ کر اس گرجے میں جا پہنچی جس سے وہاں آگ بھڑک اُٹھی۔ ابرہہ یہ سُن کر برافروختہ ہو گیا اور اس نے مکہ پر فوری چڑھائی کا عزم کر لیا۔ چند روز میں ایک لشکر جرار کعبہ کو منہدم کرنے کے لیے مکہ کی طرف روانہ ہو گیا اس کا سالارِ اعلیٰ خود ابرہہ تھا۔ جزیرۂ عرب میں یہ خبر آگ کی طرح پھیل گئی۔ خود یمنی امراء و سرداروں نے کعبہ مقدسہ کو بچانے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دی۔ یمن کے ایک رئیس ذو نفر نے اپنی قوم اور جملہ قبائلِ عرب کو ابرہہ کا مقابلہ کرنے کے لیے للکارا۔ اس دعوت پر لبیک کہتے ہوئے بیشمار لوگ اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے گھمسان کی جنگ ہوئی لیکن ذو نفر کے لشکر نے شکست کھائی اور یہ خود گرفتار کر لیا گیا۔ ابرہہ اس کو اپنے ہمراہ لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوا جب اس کا گزر بلادِ خثعم سے ہوا تو بنی خثعم کے سردار نفیل بن حبیب خثعمی نے اس کا مقابلہ کیا۔ بنی خثعم کے دونوں قبیلے شہران اور ناہس اس کے ساتھ تھے لیکن انہیں بھی شکست کا منہ دیکھنا پڑا نفیل گرفتار کر لیا گیا۔ ابرہہ نے اس کو قتل کرنے کا ارادہ کیا لیکن پھر اسے معاف کر دیا۔ اس نے اس کو بھی ساتھ لیا تاکہ بلادِ حجاز میں وہ اس کا دلیلِ کارواں بن سکے۔

جب یہ لشکر طائف کے قریب پہنچا تو اہلِ طائف کو یہ خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں ابرہہ ان کے مندر کو منہدم نہ کر دے جس میں ان کے معبود لات کا بُت نصب تھا، چنانچہ وہاں کے رؤسا ابرہہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسے بتایا کہ ہمارا یہ معبد وہ نہیں جس کو گرانے کا تم نے قصد کیا ہے بلکہ وہ آگے مکہ میں ہے اور ہم اس سلسلہ میں آپ کی ہر خدمت بجا لانے کے لیے

تیار ہیں۔ چنانچہ ابرہہ نے ان کو اطمینان دلایا، ان کی عزت و تکریم کی۔ اُنہوں نے ابورغال کو اس کے ہمراہ بھیجا تاکہ وہ راستہ بتائے اور کعبہ کی نشاندہی کرے۔ جب ابرہہ اپنے لشکرِ جرار کو ساتھ لیے مکہ کے نزدیک وادی مغمس میں خیمہ زن ہُوا تو اس کے لشکریوں نے مار دھاڑ شروع کر دی۔ بھیڑ بکریاں اور اُونٹ جو چیز ان کے ہتھے چڑھی ہانک کر وہ اسے اپنے پڑاؤ میں لے آئے۔ اس لُوٹ کے مال میں حضرت عبدالمطلب کے دو صد اُونٹ بھی تھے۔

ابرہہ نے حمیر قبیلہ کے حناطہ نامی ایک شخص کو مکہ بھیجا تاکہ وہاں کے لوگوں کو یہ بتائے کہ ابرہہ ان سے جنگ کرنے کے لیے نہیں آیا بلکہ خانہ کعبہ کو گرانے آیا ہے۔ اگر اہلِ مکہ نے مزاحمت نہ کی تو انہیں کچھ نہیں کہا جائے گا لیکن اگر انہوں نے مزاحمت کی کوشش کی تو پھر نتائج کے وہ خود ذمہ دار ہوں گے۔ حناطہ مکہ گیا، اُس نے لوگوں سے پُوچھا تمہاری بستی کا سردار کون ہے۔ اُنہوں نے حضرت عبدالمطلب کا نام لیا۔ اس نے آپ سے مُلاقات کی اور ابرہہ کا پیغام پہنچایا۔ آپ نے فرمایا کہ ابرہہ سے جنگ کرنے کا نہ ہمارا ارادہ ہے اور نہ ہم میں اس کی ہمت ہے۔ یہ اللہ کا گھر ہے اور اس کے خلیل کا حرم ہے۔ اگر وہ چاہے گا تو خود اسکی حفاظت کرے گا ورنہ جیسے اس کی مرضی۔ حناطہ نے آپ کو ساتھ چلنے کے لیے کہا۔ آپ اس کے ہمراہ ابرہہ کے پاس تشریف لائے۔ آپ کی بارُعب شخصیت اور نُورانی چہرہ دیکھ کر وہ بہت متاثر ہُوا۔ تخت سے نیچے اُتر آیا اور آپ کے ساتھ فرش پر بیٹھ گیا۔ ترجمان کے ذریعے اُس نے پُوچھا کوئی ارشاد؟ آپ نے کہا میری درخواست تو یہ ہے کہ تمہارے لشکری میرے دو صد اُونٹ ہانک کر لے آئے ہیں وہ مجھے واپس کر دیے جائیں۔ ابرہہ اس غیر متوقع جواب سے بہت حیران ہُوا۔ کہنے لگا جب میں نے آپ کو پہلی مرتبہ دیکھا میرے دل میں آپ کا از حد احترام پیدا ہو گیا، لیکن آپ کی یہ حقیر درخواست سُن کر احترام کا جذبہ ناپید ہو گیا۔ آپ کو اپنے اُونٹوں کا تو اتنا خیال ہے اور کعبہ کا ذرا خیال نہیں جس کی وجہ سے تمہاری عزت کی جاتی ہے۔ آپ نے بڑی سادگی سے جواب دیا: اِنِّیْ اَنَا رَبُّ الْاِبل و ان للبیت ربا سَیَمْنَعُہٗ۔ یعنی میں اُونٹوں کا مالک ہوں ان کی حفاظت میری ذمہ داری ہے۔ اس گھر کا بھی ایک مالک ہے وہ خود اس کی حفاظت کرے گا۔ ابرہہ نے بڑے غرور سے کہا اب اس گھر کو میری تاخت و تاراج سے کوئی چیز نہیں بچا سکتی۔ حضرت عبدالمطلب واپس آئے اور قریش کو حکم دیا سب مکہ سے کوچ کر جائیں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ جائیں تاکہ یمنی لشکر ان کو تس نس کر کے نہ رکھ دے۔ آخر میں آپ اپنی قوم کے رئیسوں کو ساتھ لے کر کعبہ کے پاس آئے تاکہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں دُعا کریں کہ وہ انہیں اور کعبہ کو ابرہہ کی دستبرد سے بچائے۔ کعبہ کے دروازہ کے کنڈا کو پکڑ کر عبدالمطلب نے بڑے عجز و نیاز سے فریاد کی، عرض کیا:

لَاهُمَّ اِنَّ الْمَرْءَ یَمْنَعُ ۔۔۔ رِحْلَهٗ فَامْنَعْ رِحَالَكْ

اے اللہ! ہر شخص اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہے تو بھی اپنے گھر کی حفاظت فرما۔

لَا یَغْلِبَنَّ صَلِیْبُهُمْ ۔۔۔ وَمِحَالُهُمْ اَبَدًا مِحَالَكْ

کل ان کی صلیب اور ان کی قوت تیری قوت پر غالب نہ آجائے۔

ان کنت تارکھم وقب ۔۔۔ لتنا فامر ما بدالك

(اگر تو انہیں اور ہمارے قبلہ کو اپنے حال پر چھوڑ دینا چاہتا ہے تو جو تیری مرضی ہوا کر)

ابن جریر نے عبدالمطلب کے یہ اشعار بھی نقل کیے ہیں جو اس موقع پر دُعا مانگتے ہُوئے اُنہوں نے ارتجالاً کہے :

یَارَبِّ لَا اَرجُو لَهُم سِوَاكَ   یَارَبِّ فَامنَع مِنهُم حِمَاكَ

(اے میرے پروردگار تیرے بغیر میں اُن کے مقابلہ کی کسی سے توقع نہیں رکھتا اے میرے پروردگار ان کی دستبرد سے اپنے حرم کی حفاظت فرما)

اِنَّ عَدُوَّ البَيتِ مَن عَادَاكَ   اِمنَعهُم اَن يُخَرِّبُوا قُرَاكَ

(اس گھر کا دُشمن تیرا دُشمن ہے ان کو روک دے کہ وہ تیری بستی کو ویران نہ کریں۔)

دُعا سے فارغ ہُوئے تو سب کو ساتھ لے کر پہاڑوں میں روپوش ہو گئے۔ ابرہہ نے صبح سویرے مکہ پر چڑھائی کا ارادہ کیا۔ اس کے لشکر میں نو یا بارہ جنگی ہاتھیوں کا دستہ تھا۔ سب سے بڑے ہاتھی کا نام محمود تھا۔ جب اس ہاتھی کو مکہ کی طرف پیشقدمی کے لیے ہانکا گیا تو وہ زمین پر بیٹھ گیا۔ فیل بان نے آنکس سے بڑے کچوکے دیئے اور تبر سے اسے مارا، لیکن وہ اُٹھنے کا نام نہ لیتا تھا اگر کسی اور سمت اُسے چلنے کا اشارہ کیا جاتا تو بغیر کسی توقف کے وہ چلنے لگتا۔ نفیل بن حبیب بنی خثعم کا سردار جو اب تک ابرہہ کے ہمراہ تھا بھاگ کر پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گیا۔ انہی حالات میں فضا میں چھوٹے چھوٹے پرندوں کے غول در غول نمودار ہوئے ہر ایک نے ایک سنگریزہ اپنی چونچ میں اور ایک ایک اپنے دونوں پنجوں میں پکڑا ہوا تھا —— ان سنگریزوں کی مقدار چنے یا مسور کے دانہ کے برابر تھی۔ ہر سوار پر ایک ایک پرندہ ایک کنکر مارتا تھا جو اس کے فولادی خود، آہنی زرہ اور اس کے جسم کو چیرتا ہُوا زمین میں دھنس جاتا تھا۔ لشکر کا اکثر حصہ تو وہیں تباہ و برباد ہو گیا۔ ایک مختصر تعداد جن میں ابرہہ بھی تھا وہاں سے بھاگ جانے میں کامیاب ہو گئی، لیکن ان کے جسموں میں اتنی زبردست خارش پیدا ہو گئی کہ وہ ہر وقت کھجلاتے رہتے۔ کھجلانے سے زخم نمودار ہو گئے۔ زخموں سے پیپ اور لہو بہنے لگا۔ گوشت گل سڑ کر نیچے گرنے لگا۔ کئی راستہ میں ہی ہلاک ہو گئے۔ ابرہہ صنعاء پہنچ گیا، لیکن اس کی حالت یہ تھی کہ سارا جسم ناسور بنا ہُوا تھا اور وہ ہیل تن گرانڈیل جوان چوزے کی مانند دُبلا پتلا ہو گیا تھا۔ یہ تکلیف بڑھتی گئی یہاں تک کہ اس کا سینہ شق ہو گیا اور اس نے دم توڑ دیا۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کی حفاظت فرمائی وہ دشمن جسے اپنی قوت اور لشکر کی کثرت پر بڑا گھمنڈ تھا، اس کو چھوٹے چھوٹے پرندوں کی سنگباری سے فنا و برباد کر دیا۔ اللہ تعالیٰ چاہتا تو بنی کنانہ کے سردار ذونفر کے ہاتھوں اسے موت کے گھاٹ اتار دیتا۔ اگر چاہتا تو بنی خثعم کے سردار نفیل کو اس کی بربادی کا باعث بنا دیتا، لیکن اس کی حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ وہ دشمن کو حرم خلیل تک پیشقدمی کرنے کی مہلت دے اور تمام لوگوں کے سامنے اپنی قوت قاہرہ کا مظاہرہ کرے تاکہ قیامت تک کسی کو شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے۔ اس سال کو اہل عرب عام الفیل کہتے ہیں۔

یہ واقعہ ۵۷۰ء عیسوی میں رونما ہُوا، محرم کا مہینہ تھا۔ اسی سال ربیع الاوّل کے مبارک مہینہ میں کعبہ مقدسہ کو بتوں کی نجاستوں سے پاک کرنے والے، اس کے در و دیوار کو نورِ توحید سے منور کرنے والے اور اس کو ذکرِ الٰہی کے نغموں سے آباد کرنے والے اللہ تعالیٰ کے حبیب، محبوب اور اس کی مخلوق کے ہادی و مرشد محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہُوئی۔

سُوۡرَةُ الۡفِيۡلِ مَكِّيَّةٌ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ وَهِيَ خَمۡسُ اٰيَاتٍ

سورۃ الفیل مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے — اس میں پانچ آیات ہیں

اَلَمۡ تَرَ كَيۡفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصۡحٰبِ الۡفِيۡلِ ؕ﴿۱﴾ اَلَمۡ يَجۡعَلۡ كَيۡدَهُمۡ

کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ آپ کے رب نے ۱؎ ہاتھی والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا ۲؎ کیا اللہ تعالیٰ نے ان کے مکر و فریب کو

۱؎ یہ عبرت انگیز واقعہ کس سال میں ظہور پذیر ہوا اس کے بارے میں متعدد اقوال ہیں، لیکن صحیح قول وہ ہے جو ابن عباس اور دیگر محققین علماء سے منقول ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادتِ باسعادت سے تقریباً پچاس دن پہلے یہ واقعہ رونما ہوا یعنی مہینہ کے ماہ محرم کی سترہ تاریخ تھی اور بارہ ربیع الاول کو سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رونق افروزِ بزمِ گیتی ہوئے۔ ارشادِ نبوی ہے وُلِدْتُ عام الفیل کہ میری ولادت عام الفیل میں ہوئی۔

ابونعیم لکھتے ہیں کہ حملہ آور فوج نصاریٰ تھی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار اور انجیل کو ماننے والے تھے۔ اہلِ مکہ کا اس وقت مذہب بت پرستی تھا، تین سو ساٹھ بت کعبہ شریف میں رکھے ہوئے تھے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ ان مشرکین اور بت پرستوں کے مقابلہ میں ابرہہ کی مدد کی جاتی اور کعبۂ خلیل کو صنم کدہ بنانے والوں کو عبرتناک سزا دی جاتی۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ اب کعبہ کو آباد کرنے والے، اس کو نورِ توحید سے روشن کرنے والے کی آمد کا وقت قریب تھا۔ ابرہہ اگرچہ عیسائی تھا لیکن دنیائے عیسائیت میں حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ کے مجسموں کی پرستش بڑے دھڑلے سے کی جاتی تھی اس لیے عقیدے کے لحاظ سے مشرکین مکہ اور ابرہہ میں اگر کوئی فرق تھا تو محض برائے نام۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی ولادت کے سال میں اہلِ مکہ پر ایسا فضل و کرم فرمایا جس کا شکریہ وہ تاقیامت ادا نہیں کر سکتے۔ علامہ پانی پتی لکھتے ہیں: كانت قصة الفيل توطية لنبوته ومقدمة لظهوره وبعثته۔ یعنی اس قصہ کا وقوع حضور کی آمد سے پہلے بمنزلہ تمہید کے تھا۔

آیت میں استفہام اظہارِ تعجب و حیرت کے لیے ہے۔ الم تر کا معنی جاننا، مطلع ہونا بھی کیا گیا ہے۔ مزید لطف یہ ہے کہ الم تر ما فعل ربك کے بجائے الم تر كيف فعل ربك فرمایا گیا ہے۔ یعنی آپ کے رب نے کیسا سلوک کیا۔ مقصد یہ ہے کہ اس واقعہ کا ظہور اس صورت میں ہوا کہ اس کا ہر پہلو انسان کو محوِ حیرت کر دیتا ہے۔ اس واقعہ کی تفصیلات اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ، علمِ محیط اور کعبہ کی عظمت و شرف کی گواہی دے رہی ہیں۔

۲؎ ابرہہ کا لشکر ساٹھ ہزار جنگجو سپاہیوں پر مشتمل تھا لیکن اس میں ایک ہاتھیوں کا دستہ بھی تھا جس میں ۹ یا ۱۲ ہاتھی شریک تھے۔ یہ دستہ لشکر کے جلو میں جھوم جھوم کر چل رہا تھا۔ اہلِ مکہ بلکہ اہلِ عرب نے نہ کبھی اتنی فوج دیکھی تھی اور نہ اس ساز و سامان اور اسلحہ کا انہوں نے کبھی تصور کیا تھا۔ ہاتھی اہلِ عرب کے لیے بالکل ایک نئی چیز تھی۔ اسی خصوصیت کے باعث اس سارے لشکر کو اصحاب الفیل کہا گیا۔ چند غیرت مند قبائل نے ابرہہ کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوئی۔ مکہ والے بے بسی اور بے چارگی کی حالت میں کعبہ کو چھوڑ کر ادھر ادھر پہاڑوں میں جا چھپے۔ کعبہ کو گرانے میں بظاہر کوئی رکاوٹ نظر نہ آتی تھی۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کو جس طرح بچایا اور اپنے پیارے

فِیْ تَضْلِیْلٍ ۙ﴿۲﴾ وَّ اَرْسَلَ عَلَیْهِمْ طَیْرًا اَبَابِیْلَ ۙ﴿۳﴾ تَرْمِیْهِمْ

ناکام نہیں بنا دیا ۲؎ اور (وہ یوں کہ) بھیج دیے ان پر ہر سمت سے پرندے، ڈاروں کے ڈار۔ جو برساتے تھے

بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّیْلٍ ۙ﴿۴﴾ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ﴿۵﴾

ان پر کنکر کی پتھریاں ۴؎ پس بنا ڈالا ان کو جیسے کھایا ہوا بھوسہ ۵؎

رسول کی اولین درس گاہ کی عزت و حرمت کا سکہ جس طرح لوگوں کے دلوں پر بٹھایا، عقل انسانی اس کو دیکھ کر دنگ رہ جاتی ہے۔ انسان یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ جس ذات کا یہ گھر ہے اس کی قدرت بے پناہ، اس کی حکمتیں بیکراں اور اس کی تدبیریں لاجواب ہیں۔ جس بات کا وہ ارادہ فرماتا ہے وہ ہو کر رہتی ہے جسے کوئی روک نہیں سکتا۔

۳؎ ابن منظور نے الکید کے دوسرے معانی کے ساتھ ساتھ اس کا یہ معنی بھی ذکر کیا ہے۔ الکید: التدبیر بباطل او بحق. (لسان العرب) یعنی کسی اچھے یا برے، غلط یا صحیح کام کرنے کے لیے تدبیر کرنا۔ یہاں اس کا یہی معنی مراد ہے۔ ابرہہ کی لشکر کشی پوشیدہ اور چھپی ہوئی نہ تھی۔ اس کے مذموم ارادے بھی کوئی راز نہ تھے۔ اس نے ڈنکے کی چوٹ سے یہ اعلان کر دیا تھا کہ وہ کعبہ کو منہدم کرنے کے لیے آیا ہے۔ یہاں کید کا معنی خفیہ تدبیر یا مکر کرنا درست معلوم نہیں ہوتا۔ تضلیل کہتے ہیں کسی تدبیر کا ناکام ہو جانا، کسی سعی کا بار آور نہ ہونا، کسی جد و جہد کا اکارت جانا۔

ابرہہ نے کعبہ مقدسہ کو گرانے کا عزم کیا۔ اس عزم کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اس نے پوری تدبیر کی۔ مکہ کا شہر جس کی آبادی چند ہزار سے زیادہ نہ تھی، ان میں بوڑھے بچے اور عورتیں بھی تھیں، اس شہر پر اتنے بڑے عظیم لشکر سے حملہ آور ہونا اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ وہ اپنی کامیابی کو یقینی بنانا چاہتا تھا۔ وہ شکست کے ہر امکان کو ختم کر دینا چاہتا تھا۔ پھر جنگی ہاتھیوں کا ایک دستہ بھی اپنے ہمراہ لے گیا۔ یہ ساری تدبیریں صاف صاف بتا رہی تھیں کہ وہ اپنے اس ارادے کو ہر قیمت پر عملی جامہ پہنانا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے جنگی منصوبے میں ناکامی کا ایک فیصد شائبہ بھی نہ رہنے دیا تھا۔ مکہ اور اس کے حلیف قبائل اگر اپنے تمام جنگجو مردوں کو جمع کر لیتے تو اس لشکر کا عشر عشیر بھی نہیں ہو سکتے تھے۔ ابرہہ نے تو جنگی تدبیر میں کوئی کسر نہ رہنے دی تھی۔ لیکن اے محبوب! آپ کے پروردگار کی حکمت نے اس کی ساری تدبیروں کو ناکام بنا دیا، اس کی ساری چالوں کو خاک میں ملا دیا۔ کسی کوشش و تدبیر کو ناکام بنانے کو عربی میں تضلیل کہتے ہیں۔

۴؎ ان کے اس حملہ کو پسپا کرنے کے لیے رب مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء نے کیا جوابی کارروائی کی اس کا ذکر اس آیت میں ہو رہا ہے کہ اس لشکر جرار کو جو ہر قسم کے اسلحہ سے لیس تھا، اس کے آگے آگے چنگھاڑتے ہوئے مست ہاتھی اپنی سونڈیں لہرا لہرا کر دلوں میں خوف و ہراس پیدا کر رہے تھے۔ ایسے لشکر کو تباہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کو کسی غیر معمولی طاقت کے استعمال کی ضرورت نہ پڑی۔ اپنے مختلف قسم کے ان گنت لشکروں میں سے اس نے چھوٹے چھوٹے پرندوں کے چند ڈار بھیج دیے جو اشارہ ملتے ہی ساحل سمندر کی طرف سے اُمنڈ پڑے اور چند لمحوں کی سنگباری سے اس لشکر کا بھرکس نکال دیا۔ علامہ قرطبی لفظ ابابیل کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

ابابیل: قال عکرمۃ مجتمعۃ وقیل متتابعۃ بعضہا فی اثر بعض وقیل مختلفۃ متفرقۃ تجیئ من کل ناحیۃ من ھھنا ومن ھھنا۔
قال النحاس ھذہ الاقوال متفقۃ وحقیقۃ المعنی انہا جماعات عظام۔ (قرطبی)

یعنی عکرمہ کہتے ہیں کہ ابابیل کا معنی مجتمع ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کا معنی مختلف ٹکڑیوں کا یکے بعد دیگرے آنا ہے۔ بعض نے اس کا معنی کیا ہے کہ ہر طرف سے اِدھر اور اُدھر سے مختلف جھنڈ نمودار ہو گئے۔ نحاس کہتے ہیں کہ ان مختلف اقوال کا مفہوم ایک ہی ہے۔ سب کا خلاصہ یہ ہے کہ پرندوں کی بڑی بڑی جماعتیں اچانک ہر طرف سے نمودار ہو گئیں۔

ان پرندوں کو خدائی اسلحہ خانہ سے مسلح کر کے بھیجا گیا تھا۔ ان کا اسلحہ چھوٹے چھوٹے سنگریزوں سے عبارت تھا۔ وہ سنگریزے ایسے تھے جنہیں آتش جہنم میں پکایا گیا تھا۔ ایسی بھٹیوں میں جو چیز پک کر آتی ہے اس کی تباہ کاری کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ جو بم ان پرندوں نے اٹھائے ہوئے تھے وہ تو جہنم کی بھٹی میں تیار ہوئے تھے۔ ان کا حجم چنے یا مسور کے دانے کے برابر تھا' لیکن ان کی قوت کا اندازہ فقط اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ ہر پرندے کو صرف تین تین بم برسانے کا حکم دیا گیا تھا۔ ایک بم انہوں نے اپنی اپنی چونچ میں اور دو بم اپنے پنجوں میں پکڑے ہوئے تھے۔ وہ اڑتے ہوئے آئے' آن واحد میں لشکر پر چھا گئے اور حسب حکم ایک ایک سنگریزہ ایک ایک سوار پر پھینکا۔ مسور کے حجم کا دانہ ان کے فولادی خود' ان کی آہنی زرہوں کو چیرتا ہوا ان کے گٹھے ہوئے جسموں کو گھائل کرتا ہوا' ان کی سواری کے جانوروں کو چھلنی کرتا ہوا زمین میں دھنس جاتا۔ نشانہ خطا ہونے کا امکان ہی نہ تھا۔ جس کو لگا اس کے جسم میں زہریلے اثرات سرایت کر گئے۔ فوراً پھنسیاں پھوڑے نمودار ہونے لگے اور ان سے پیپ اور خون بہنے لگا۔ درد کی شدت ناقابل برداشت تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ گوشت گل سڑ کر گرنے لگا۔ اس ناگہانی سنگباری نے ان کے اوسان خطا کر دیئے۔ فوجی نظم و ضبط کی پابندی کا کسی کو ہوش تک نہ رہا۔ چند لمحے پہلے جو فوج' فوجی نظم و ضبط سے بڑے کر و فر کے ساتھ مکہ کی طرف بڑھ رہی تھی' اب بدنظمی کا شکار تھی۔ ہر کوئی جدھر موقع ملا سر اٹھائے بھاگا جا رہا تھا۔ لشکر کا بیشتر حصہ تو وہاں ہی تباہ و برباد ہو گیا' چند لوگ صنعاء تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ ان کی حالت بھی ناگفتہ بہ تھی۔ جسم پھوڑوں سے بھرے ہوئے' ہر پھوڑے سے پیپ کا دریا رواں' بدبو کے مارے دم گھٹا جا رہا تھا۔ ان کی آہ و فغاں سے صنعاء کی فضا وحشت ناک ہو گئی تھی۔ ان لوگوں میں ابرہہ بھی تھا۔ وہ سرو قامت' خوبرو' جواں سال اور قوت و طاقت کا مجسمہ اب گل سڑ کر ایک چوزے کی مانند ہو گیا جس کا گوشت آہستہ آہستہ گلتا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ اس کا سینہ گل کر پھٹ گیا اور اس طرح کعبہ کے گرانے کا ارادہ کرنے والے اپنے کیفر کردار کو پہنچ گئے۔

ان لوگوں کو اپنے دارالسلطنت صنعاء میں زندہ پہنچانے میں یہ حکمت بھی ہو سکتی ہے کہ صرف اہل مکہ ہی نہیں' بلکہ یمن والے بھی اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیں کہ جو لوگ ایسی گستاخی کے مرتکب ہوتے ہیں' غضب الٰہی ان کو کس طرح تباہ و برباد کر دیتا ہے۔

ؒ ان کی خستہ حالی اور تباہی کی کتنی صحیح اور موثر تصویر کھینچ کر رکھ دی گئی ہے۔ عصف کہتے ہیں گندم' باجرہ' مکئی وغیرہ کے پتوں کو۔ ماکول جن کو جانوروں نے کھا لیا ہو۔ جب کوئی جانور چارہ کھاتا ہے تو پہلے وہ اسے اپنے دانتوں سے چبا کر ریزہ ریزہ کرتا ہے۔ وہ چبائے ہوئے پتے معدے میں جا کر ہضم کا مرحلہ طے کرتے ہیں اور آخر گوبر یا لید بن کر باہر نکلتے ہیں۔ خود سوچو ان پتوں کی حالت کتنی خستہ اور تباہ ہوتی ہے؟ یہی حالت ان کی بھی ہو گئی تھی۔

بعض لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرت کو محض اپنی سمجھ کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ واقعہ جیسے قرآن نے بیان کیا ہے' قابل تسلیم نہیں۔

اس لیے وہ اس کی تاویلیں کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ طیر سے مراد پرندے نہیں بلکہ وبال ہے اور حجارہ سے مراد پتھر نہیں بلکہ مصیبت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ کہیں سے پرندوں کی ٹکڑیاں نمودار ہوئیں، نہ ان کی چونچوں اور پنجوں میں سنگریزے تھے اور نہ انہوں نے سنگباری کر کے اس لشکر کو تہس نہس کیا، بلکہ اس لشکر میں زہریلے چیچک کی وبا پھوٹ پڑی اور اس کی وجہ سے وہ لشکر تباہ ہو گیا۔

اگر ان کی اس بے بنیاد تاویل کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر وہ وبا اس لشکر تک ہی کیوں محدود رہی، وہاں کی مقامی آبادی اس سے کلیۃً کیوں محفوظ رہی؟ ایک مثال بھی تو یہ لوگ نہیں بتا سکتے کہ اہل مکہ میں سے کوئی شخص اس وقت اس وبا سے مرا ہو۔ آیات قرآنی کی من مانی تاویلیں کرنا یا اغیار کی خوشنودی کے لیے ایسا رد و بدل کرنا جسے عربی بلاغت قبول کرنے سے قاصر ہو بہت بڑی زیادتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی خطاؤں کو معاف فرمائے۔ آمین!

اللہ تعالیٰ نے جب اپنی قدرت کاملہ سے حملہ آوروں کو تباہ و برباد کر دیا اور اپنے گھر کو بچا لیا تو حضرت عبد المطلب نے ان الفاظ سے اپنے رب کی حمد اور اس کا شکر ادا کیا:

أنت منعت الحبش والأفيالا — وقد رعوا بمكة اجبالا

وقد خشينا منهم القتالا — وكل أمر لهم معضالا

شكرا وحمدا لك يا ذا الجلالا

ترجمہ: تو نے حبشی لشکر اور ہاتھیوں سے ہماری حفاظت کی اور وہ کافی دن مکہ کے پہاڑوں میں اپنے جانوروں کو چراتے رہے۔ ہمیں یہ اندیشہ تھا کہ وہ ہم سے برسر پیکار ہوں گے۔ اے خداوند ذوالجلال ہم تیرا شکر ادا کرتے ہیں اور ہم تیری ثنا کرتے ہیں۔

جیسے آپ پہلے پڑھ آئے ہیں کہ بنی خثعم کے سردار نفیل بن حبیب کو ابرہہ اپنے ہمراہ لایا تھا تاکہ وہ بلاد حجاز کے راستوں سے اسے آگاہ کرے۔ جب ابرہہ کا لشکر کعبہ پر حملہ کرنے کے لیے روانہ ہوا تو وہ وہاں سے کھسک کر اہل مکہ سے جا ملا جو پہاڑ کی چوٹی پر فروکش تھے۔ اس نے جب پرندوں کو سنگباری کرتے ہوئے اور ابرہہ کے لشکر کو تباہ و برباد کرتے ہوئے دیکھا تو وہ کہنے لگا:

ردينة لو رأيت ولا تريه — لدى جنب المحصب ما رأينا

اے ردینہ (اس کی بیوی کا نام)، کاش تو اس منظر کو دیکھتی جو ہم نے وادیٔ محصب کے قریب دیکھا تھا۔

اذا لعذرتني وحمدت أمري — ولم تأسي على ما فات بينا

تب تو مجھے معذور سمجھتی اور میرے کارنامہ کی تعریف کرتی اور جو چیز فوت ہو گئی ہے اس پر تو افسوس نہ کرتی۔

حمدت الله اذ ابصرت طيرا — وخفت حجارة تلقى علينا

جب میں نے پرندوں کے جھنڈ کو دیکھا تو میں نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور جب پتھر برسنے لگے تو میں خوفزدہ ہو گیا۔

فكل القوم تسأل عن نفيل — كأن على للحبشان دينا

ابرہہ کی فوج کا ہر سپاہی پوچھتا تھا کہ نفیل کہاں ہے تاکہ وہ ہمیں یہاں سے بھاگ جانے کا راستہ دکھائے۔ وہ میرے بارے میں یوں استفسار کر رہے تھے گویا ان حبشیوں کا کوئی قرض میرے ذمہ واجب الادا تھا۔

ان اشعار سے بھی ہمارے تجدد پسند مفسرین کے مفروضے کی تکذیب ہوتی ہے۔

اس واقعہ کا ایک خوش آئند اثر یہ ہوا کہ مشرکین عرب کا اعتماد ان بتوں سے اٹھ گیا اور تمام اللہ رب العزت کی بارگاہ بے کس پناہ میں اس مصیبت سے نجات پانے کے لیے بڑی عاجزی سے فریاد کرنے لگے۔ کہتے ہیں کہ یہ اثر ان پر سات سال تک باقی رہا اور وہ صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرتے رہے۔

اس سورت سے اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اے اہل مکہ! تم میرے حبیب کی دعوت توحید کو بڑی بے رخی سے ٹھکرا رہے ہو اور ان بتوں کی الوہیت کے نظریے سے دست بردار ہونے کے لیے کسی قیمت پر تیار نہیں ہو۔ تمہیں عام الفیل کا وہ واقعہ بھول گیا! اس روز تمہیں اس لشکر جرار سے کس نے نجات دی تھی۔ کس نے عالم غیب سے پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیجے تھے؟ کس کے حکم سے ان پرندوں نے سنگباری کر کے تمہارے دشمن کو تہس نہس کر دیا تھا؟ اس نے تمہارا بال بیکا نہ ہونے دیا اور اس گھر کی بھی حفاظت فرمائی جس سے تمہاری عظمتیں اور عزتیں وابستہ ہیں۔

○

سبحان ذی الملك والملكوت

سبحان ذی العزة والهيبة والكبرياء والجبروت

لا غالب الا انت. انك انت العزيز الحكيم

اللّٰهم زد بيتك عزا وشرفا وصل وسلم على رسولك الذی ارسلته بالهدى

ودين الحق ليظهره على الدين كلّه

تعارف

سُورۂ قریش

نام : اس سورہ پاک کا نام قریش ہے۔ یہ کلمہ اس کی پہلی آیت میں مذکور ہے۔ اس کا ایک رکوع اور چار آیتیں ہیں۔ اس کے کلمات کی تعداد سترہ اور حروف کی تعداد تہتر ہے۔

زمانۂ نزول : اگرچہ ضحاک اور کلبی کی رائے میں یہ سورت مدنی ہے لیکن جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اس کا نزول مکہ مکرمہ میں سورۃ الفیل کے بعد جلد ہی ہوا۔ مضمون کی یگانگت اور کلمات کا باہمی تعلق بھی اسی قول کی تائید کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض حضرات نے انہیں دو علیحدہ علیحدہ سورتوں کے بجائے ایک سورت ہی شمار کیا ہے لیکن حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کے جو نسخے کتابت کرائے تھے ان میں ان دو سورتوں کے درمیان بسم اللہ مرقوم ہے جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ دو الگ الگ سورتیں ہیں۔

مضامین : اس میں قریش پر اپنے عظیم احسانات کا تذکرہ فرمایا جا رہا ہے اور ان احسانات کو یاد دلانے کے بعد انہیں اپنے رب کریم کی عبادت کی دعوت دی جا رہی ہے۔

قریش عرب کا ایک مشہور اور معزز ترین قبیلہ ہے۔ اس کا اطلاق نضر کی اولاد پر ہوتا ہے جس کا نسب نامہ یہ ہے: نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر۔ بعض علماء کے نزدیک نضر کے پوتے فہر بن مالک کی اولاد کو قریش کہا جاتا ہے لیکن پہلا قول صحیح ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات سے بھی اسی قول کی تصدیق ہوتی ہے۔ ارشاد ہے: اِنَّا وُلْدُ نضر بن کنانۃ لَا نَقْفُو اُمَّنَا وَلَا ننتفی من ابینا (قرطبی)۔ یعنی ہم نضر بن کنانہ کی اولاد ہیں۔ نہ ہم اپنی ماؤں کو متہم کرتے ہیں اور نہ اپنے باپوں سے اپنے نسب کی نفی کرتے ہیں یعنی ہمیں اپنی ماؤں کی عفت پاکی (اور) اپنے باپوں کی شرافت و بزرگی دونوں پر ناز ہے۔ دوسرا ارشاد ہے: واثلہ بن اسقع راوی ہیں، قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی کِنَانَۃَ مِنْ وُلْدِ اِسمٰعِیل وَاصْطَفٰی مِنْ بَنِی کِنَانَۃَ قُرَیْشًا وَاصْطَفٰی مِنْ قُرَیْشٍ بَنِی ھَاشِمٍ وَاصْطَفَانِی مِنْ بَنِی ھَاشِمٍ۔

ترجمہ: حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اولادِ اسماعیل سے کنانہ کو چنا اور بنی کنانہ سے قریش کو اور قریش سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم سے مجھ کو۔

ان احادیث سے بھی معلوم ہوا کہ کنانہ کے بیٹے نضر کی اولاد قریش کہلائی۔

کنانہ کے دوسرے بیٹوں کی اولاد کا شمار قریش میں نہیں ہوتا۔

وجہ تسمیہ: قبیلہ قریش کی وجہ تسمیہ کیا ہے اس کے بارے میں متعدد اقوال منقول ہیں۔

۱۔ یہ تقرش سے ماخوذ ہے۔ اس کا معنی التجمع والالتئام، کسی کا منتشر و متفرق ہو جانے کے بعد اکٹھا اور مجتمع ہو جانا۔ قریش کا قبیلہ پہلے سارے عرب میں منتشر تھا قصی بن کلاب نے انہیں مکہ مکرمہ میں یکجا کیا اور حرم کے پڑوس میں آباد کیا۔ شاعر کہتا ہے:

ابونا قصیّ کان یُدعیٰ مُجمّعا — بہٖ یجمع اللّٰہ القبائل من فہر

ہمارا باپ قصی ہے جسے مُجمّع کہا جاتا ہے فہر کی اولاد کے قبائل کو اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعہ جمع کیا۔

۲۔ یہ تقرش سے ماخوذ ہے جس کا معنی تکسّب ہے۔ کیونکہ قریش تجارت پیشہ تھے اور اس طرح اپنا رزق خود کمایا کرتے تھے، اس لیے انہیں قریش کہا گیا۔

۳۔ قرش کا ایک اور معنی تفتیش اور تلاش ہے۔ اس قبیلہ کا یہ شیوہ تھا کہ حاجیوں کی ضروریات و مشکلات کے بارے میں تجسس کیا کرتے تھے اور جب انہیں پتہ چلتا تو ان ضروریات کو پورا کرنے اور ان مشکلات کو دور کرنے کی حتی الامکان سعی بلیغ کرتے، اس لیے ان کو قریش کہا گیا۔

۴۔ یہ قول حضرت ابن عباس سے منقول ہے۔ حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت ابن عباس سے قریش کی وجہ تسمیہ دریافت کی۔ آپ نے فرمایا: لدابۃ فی البحر من اقوی دوابہ یقال لہا القرش تاکل ولا تؤکل وتعلو ولا تُعلیٰ: سمندری جانوروں میں سے ایک بڑے طاقتور جانور کو قرش کہتے ہیں جو دوسرے جانوروں کو ہڑپ کر جاتا ہے لیکن اس کو کوئی نہیں کھا سکتا۔ مقابلہ میں وہ ہمیشہ غالب رہتا ہے مغلوب نہیں ہوتا۔

علامہ ابو عبد اللہ قرطبی اپنی شہرۂ آفاق تفسیر الجامع لاحکام القرآن میں لکھتے ہیں: عبد مناف کے چار فرزند تھے۔ ہاشم، عبدشمس، مطلب اور نوفل چاروں بڑی خوبیوں اور صلاحیتوں کے مالک تھے۔ ہر ایک نے اپنے پڑوسی بادشاہوں میں سے کسی نہ کسی کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کر رکھے تھے اور انہوں نے ان کو یہ مراعات دی تھیں کہ یہ لوگ ان کے ملکوں میں ہر طرح کی تجارت اور کاروبار کر سکتے ہیں اور جس شخص کے پاس ان کا دیا ہوا امان نامہ ہوگا اسے بھی یہ رعایت حاصل تھی۔ ہاشم کے تعلقات شام کے بادشاہ سے تھے۔ عبدشمس نے حبشہ، مطلب نے یمن، نوفل نے فارس کے بادشاہوں سے اپنے لیے اور اپنی قوم کے لیے مراعات حاصل کر لی تھیں۔

قریش نے تجارت کے پیشہ کو کن حالات میں اختیار کیا اس کے بارے میں بھی علامہ قرطبی نے بڑی وضاحت سے لکھا ہے: قصی نے قریش کو حرم کعبہ کے پڑوس میں لا کر آباد تو کر دیا لیکن یہاں کھیتی باڑی کا کوئی امکان نہ تھا۔ نہ پانی دستیاب تھا اور نہ زمین قابل کاشت تھی۔ ان کی معیشت کا سارا انحصار ان نذرانوں اور خدمات پر تھا جو ایام حج میں جزیرہ عرب کے گوشہ گوشہ سے آنے والے حاجی پیش کیا کرتے تھے۔ جب قریش کا کوئی خاندان مفلس اور کنگال ہو جاتا اور فاقہ کشی کی نوبت پہنچتی تو اس کے افراد ایک مقررہ جگہ پر چلے جاتے، وہاں ایک خیمہ نصب کر لیتے اور اس کے اندر داخل ہو جاتے یہاں تک کہ موت انہیں اپنے آغوش میں چھپا لیتی۔

عبد مناف کا بلند اقبال فرزند جن کا نام عمرو تھا اور جو ہاشم کے لقب سے مشہور ہوئے۔ ان کا ایک بیٹا تھا جس کا نام اسد تھا۔ بنی مخزوم کے قبیلے کے ایک لڑکے سے اسد کا دوستانہ تھا۔ اس کے خاندان کو جب بھوک نے اپنے نرغہ میں لے لیا اور انہوں نے حسب دستور فیصلہ کیا کہ کل وہ مقررہ جگہ پر خیمہ نصب کر کے اس میں داخل ہوں گے یہاں تک کہ موت ان کا قصہ تمام کر دے۔ اپنے دوست کی یہ بات سن کر اسد کو بہت صدمہ پہنچا۔ وہ روتا ہوا اپنی ماں کے پاس آیا اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ ماں نے اسد کو اس کے مخزومی دوست کے خاندان کے لیے چربی اور آٹا کی وافر مقدار دی۔ چنانچہ چند روز کے بعد جب وہ راشن ختم ہو گیا اور نوبت فاقہ کشی پر آپہنچی۔ اس نے اپنے دوست اسد کو اپنے فیصلے سے آگاہ کیا۔ اسد روتا ہوا اس دفعہ اپنے باپ عمرو (ہاشم) کے پاس آیا اور ساری داستان بیان کی۔ عمرو کو یہ سن کر از حد قلق ہوا۔ انہوں نے اپنے قبیلہ کا اجلاس عام طلب کیا اور تقریر کرتے ہوئے کہا کہ تم نے ایک ایسا طریقہ اختیار کر لیا ہے جس سے تمہاری تعداد گھٹتی چلی جا رہی ہے اور دوسرے عرب قبائل کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ تم کمزور اور ذلیل ہو جاؤ گے اور دوسرے قبائل تم پر غلبہ پالیں گے حالانکہ تم اللہ کے حرم کے باشندے ہو اور اولاد آدم میں سب سے زیادہ معزز و محترم ہو۔ باقی تمام لوگ تمہارے پیروکار ہیں۔ یہ موت کے خیمہ میں داخلہ کی رسم تمہیں فنا کر کے رکھ دے گی۔ سامعین نے کہا آپ حکم دیں ہم آپ کا حکم ماننے کے لیے تیار ہیں۔ ہاشم نے کہا پہلے اسد کے دوست کے والدین کو اس ہلاکت سے چھڑا لیں۔ چنانچہ اسی وقت ان کے لیے خورد و نوش کا اہتمام کر دیا گیا پھر ہاشم نے خود اونٹ بھیڑ بکریاں ذبح کیں۔ ان کے شوربے میں روٹی کو تر کر کے ثرید بنائی اور لوگوں کو خوب کھانا کھلایا اسی وجہ سے عمرو کا لقب ہاشم مشہور ہوا۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے :

عمر و الذی هشم الثرید لقومه ورجال مكة مسنتون عجاف

یعنی عمرو وہ ہے جس نے اپنی قوم کی ضیافت کے لیے شوربہ میں روٹی کو بھگو یا، حالانکہ مکہ کے دوسرے لوگ بری طرح قحط کا شکار تھے اور مسلسل فاقوں سے لاغر و کمزور ہو گئے تھے۔

اس کے بعد ہاشم نے اپنے قبیلے کے ہر خاندان کو تجارت کرنے کی ترغیب دی۔ ہر خاندان سال میں دو تجارتی سفر اختیار کیا کرتا۔ سردیوں میں یمن کی طرف اور گرمیوں میں شام کی طرف ان کے قافلے بحر احمر کی مشرقی بندرگاہوں سے مشرقی ممالک کا آیا ہوا مال لاتے اور اسے شام اور مصر تک پہنچاتے پھر اسی طرح شام سے مال اٹھاتے اور یمن کی بندرگاہوں پر پہنچاتے۔

اس کاروبار اور تجارت سے انہیں جتنا نفع حاصل ہوتا وہ امیر غریب آپس میں برابر تقسیم کر لیتے۔ اس طرح تجارت اسکے نفع کی مساویانہ تقسیم سے چند سالوں میں سارے قریش کی مالی حالت بہت بہتر ہو گئی۔ یہاں تک کہ دولت و ثروت میں عرب کا کوئی دوسرا قبیلہ ان کا ہمسر نہ تھا۔ اس شعر میں اسی کی طرف اشارہ ہے :

والخالطون فقیرهم بغنیهم حتی یصیر فقیرهم کالکافی

یعنی ہم (قریش)، وہ لوگ ہیں کہ غریب کو امیر کے ساتھ حصہ دار بنا دیتے ہیں یہاں تک کہ فقیر بھی کسی کا محتاج نہیں رہتا۔

وہ اسی حالت میں تھے کہ اسلام کا آفتاب عالمتاب طلوع ہوا۔

مقصد: مکہ کے معزز قبیلہ قریش کو اپنے احسانات کی یاددلائی جارہی ہے۔ پھر انہیں یہ سمجھایا جارہا ہے کہ اس خانہ کعبہ پر ابرہہ نے حملہ کیا تو اس کی حفاظت تمہارے ان بتوں نے نہیں کی بلکہ رب العالمین نے پرندوں کی ایک ٹکڑی بھیج کر ابرہہ کے لشکر جرار کو فنا کے گھاٹ اتار دیا اور اس گھر کی حفاظت فرمائی۔

تجارت کا راستہ کھول کر تمہارے لیے خوشحالی اور فارغ البالی کا سامان بھی اللہ تعالیٰ نے فراہم کیا۔ لوگوں کے دلوں میں تمہارا اس قدر احترام پیدا کر دیا جس کے باعث تم بڑے امن و سکون سے جہاں چاہو جا سکتے ہو۔ تمہارے کاروان تجارت کی طرف کوئی میلی ہوئی نظر نہیں اٹھا سکتا۔ جس نے تمہیں ان انعامات سے بہرہ ور فرمایا ہے وہی اس لائق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے۔

◎

سُوْرَةُ قُرَيْشٍ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ وَهِيَ اَرْبَعُ اٰيٰتٍ

سورۃ القریش مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — اس میں چار آیات ہیں

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ۝۱ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ۝۲

اس لیے کہ اللہ نے قریش کے دلوں میں الفت پیدا کر دی ۱؎ الفت تجارتی سفر کی جاڑے اور گرمی (کے موسم) میں ۲؎

۱؎ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قریش پر گوناگوں بے شمار احسانات فرمائے ہیں انہیں چاہیے تھا کہ وہ اس کے شکر گزار بندے بنتے کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراتے بڑے ذوق و شوق سے اس کی عبادت و بندگی میں مصروف رہتے۔ اگر دوسرے احسانات انہیں یاد نہیں ہے اور ان کا شکر ادا کرنے کا احساس ان کے دلوں میں پیدا نہیں ہوا تو وہ اس احسان کو تو فراموش نہ کرتے کہ اس وادی غیر ذی زرع میں اس لق و دق صحرا میں جہاں غذائی اجناس کے پیدا ہونے کا احتمال تک نہیں سامان زیست اور ضروریات زندگی کا کلیۃً فقدان ہے اللہ تعالیٰ نے ان کی رزق رسانی کا بھی انتظام فرمایا کہ ان کے دلوں میں تجارت کی الفت پیدا فرما دی۔ جاڑے اور گرمی کے موسموں میں یہ الگ الگ علاقوں میں کاروبار کرنے کے لیے جاتے ہیں اور انہیں کوئی نہیں روکتا۔ رہتے یہ صحرا میں ہیں لیکن اس کے باوجود دنیا بھر کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے رہتے ہیں۔ مکہ کے بازاروں میں اشیائے خوردنی کے ڈھیر لگے رہتے ہیں۔ تازہ پھلوں سے ان کی دکانیں بھری ہوتی ہیں تو انہیں چاہیے تھا کہ اس گھر کے رب کی عبادت کو اپنا شعار بنا لیتے اور کسی غیر کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی گوارا نہ کرتے۔

علامہ زمخشری لکھتے ہیں کہ لایلف پر جو لام ہے وہ لام تعلیلیہ ہے اور اس کا متعلق فلیعبدوا ہے۔ علامہ قرطبی نے بھی اسی توجیہ کو پسند کیا ہے۔ لکھتے ہیں ای فلیعبدوا ہولاء رب هذا البيت لايلافهم رحلة الشتاء والصيف للامتيار (قرطبی) یعنی انہیں چاہیے کہ اس گھر کے پروردگار کی عبادت کریں کیونکہ کسب معاش کے لیے اسی نے ان کے دلوں میں سردی اور گرمی کے تجارتی سفروں کی الفت و محبت پیدا کی۔

۲؎ جس طرح تفصیل سے سورۃ کے تعارف میں بیان کیا جا چکا ہے قریش تجارت پیشہ تھے۔ وہ سردی کے موسم میں جزیرہ عرب کے جنوبی صوبہ یمن کی بندرگاہوں میں پہنچتے۔ یہاں سے ہندوستان اور جنوبی ایشیا کے دوسرے ممالک کی مصنوعات وغیرہ موجود ہوتیں انہیں خریدتے اور اونٹوں پر لاد کر رومی سلطنت کے علاقے شام میں لے جا کر فروخت کرتے۔ اسی طرح گرمی کے موسم میں شام و فلسطین کے ٹھنڈے اور خنک علاقوں میں جاتے۔ وہاں سے مغربی دنیا کی درآمدات و مصنوعات خرید کر یمن میں لے جا کر فروخت کرتے۔ جو خرید و فروخت کی سکت نہیں رکھتے تھے وہ باربرداری میں کافی اجرت کما لیتے۔ یمن اور شام کے درمیان ایک وسیع صحرا ہے۔ یہ لوگ ہی اس کے نشیب و فراز سے واقف تھے۔ اس کو طے کرنے کا حوصلہ بھی انہی کو تھا۔ اس زمانے میں عرب میں کوئی متمدن حکومت نہ تھی۔ افراتفری کا دور دورہ تھا۔ تجارتی قافلوں کو قدم قدم پر صحرائی بدوؤں اور رہزنوں سے واسطہ پڑتا تھا لیکن قریش ان تمام خطرات اور راہزنی کی وارداتوں سے محفوظ تھے۔ عرب کا کوئی باشندہ ان کے قافلہ کی طرف للچائی ہوئی نظر سے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اور ان پر دست درازی کی کسی میں ہمت تھی۔ یہی ان پر اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان تھا کہ اپنے گھر کی برکت سے جزیرہ عرب کے تمام باشندوں کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے قریش کے لیے مسخر کر دیا تھا۔

فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ﴿۳﴾ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ

پس چاہیے کہ وہ عبادت کیا کریں اس خانہ (کعبہ) کے رب کی ۳؎ جس نے انہیں رزق دے کر فاقہ سے نجات بخشی ۴؎

وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ﴿۴﴾

اور امن عطا فرمایا انہیں (فتنہ و) خوف سے ۵؎

۳؎ جب اللہ تعالیٰ نے ان کی رزق رسانی کا ایسا باعزت انتظام فرما دیا ہے تو انہیں چاہیے کہ اب اسی ذات کی عبادت کریں جو اس کعبہ کا مالک ہے۔ جس نے ابھی چند سال پہلے ابرہہ کی یلغار سے اس کی حفاظت کی اور حملہ آوروں کو ایسی عبرت ناک سزا دی کہ اب آئندہ کوئی ایسی جرأت نہ کر سکے گا۔

۴؎ یہاں مِنْ بمعنی بَعْدَ ہے۔ یعنی کافی عرصہ ان کی مالی حالت ناگفتہ بہ رہی۔ بارہا فاقہ کشی کی نوبت بھی آ جاتی لیکن اس نے اپنی حکمت سے ان کے دلوں میں کاروبار کی رغبت پیدا کر کے ان کو خوشحال بنا دیا۔

۵؎ جزیرہ عرب میں ہر طرف بدامنی کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ فتنہ و فساد کی آگ لگی ہوئی تھی۔ عام شاہراہوں پر لوٹ مار کا سلسلہ جاری رہتا۔ کسی مسافر کا سلامتی سے واپس گھر پہنچنا ایک معجزہ تصور کیا جاتا۔ ہر قبیلہ اپنی جگہ خوفزدہ رہتا۔ شہروں اور دیہات میں بھی ہر وقت قزاقوں کے آدھمکنے کا دھڑکا لگا رہتا لیکن قریش کعبہ مشرفہ کی برکت سے جہاں جاتے ان کی عزت کی جاتی۔ ان پر دست درازی کی کسی کو جرأت نہ ہوتی۔ یہ بھی محض اللہ تعالیٰ کا احسان تھا کہ اس نے لوگوں کے دلوں میں ان کا احترام پیدا کیا تھا اور اس کی محض یہ وجہ تھی کہ یہ اللہ تعالیٰ کے گھر کے خادم ہیں۔

○

ایاک نعبد و ایاک نستعین اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم

وصل وسلم وبارک علی حبیبک الکریم محمد وآلہ واصحابہ ومن تبعہ الی یوم الدین

تعارف

سُورۃ الماعون

نام : اس سُورت کی آخری آیت میں الماعون کا کلمہ مستعمل ہے۔ یہی اس سورت کا عنوان ہے۔ اس کی سات آیتیں اور ایک رکوع ہے پچیس کلمات اور ایک سو پچیس حروف پر مشتمل ہے۔

نزول : عطا اور جابر کے نزدیک یہ مدنی ہے۔ حضرت ابن عباس کا ایک قول بھی یہی ہے۔ لیکن جمہور نے اسے مکی سُورتوں میں شمار کیا ہے۔

مضامین : اس سُورت میں ان لوگوں کے اخلاق و کردار کی تصویر کشی کی گئی ہے جو روزِ جزا پر ایمان نہیں رکھتے۔ اس فانی زندگی کو ہی انسانی زندگی خیال کرتے ہیں اور اسی کو زیادہ سے زیادہ آرام دہ اور معزز بنانے کی دھن میں مگن رہتے ہیں۔ خود سوچیے جو معاشرہ در پر آنے والے خستہ حال یتیموں کو دھکے دے کر اپنے ہاں سے نکال دیتا ہے۔ جو غریب فاقہ کشوں پر نہ خود رحم کھاتا ہے اور نہ دُوسرے لوگوں کو ان کی اعانت کی ترغیب دیتا ہے۔ از خود تو اس سے انسانی ہمدردی کے جذبہ کا اظہار نہیں ہوتا لیکن اگر کوئی چار و ناچار اس سے بھلائی صادر ہو جاتی ہے تو پھر ریا و نمود سے اس کو غارت کر دیتا ہے۔ نیکی کی توفیق سے وہ اس قدر محروم ہے کہ کسی کے لیے کوئی بڑا ایثار تو رہا ایک طرف اس سے تو معمولی نیکی بھی سرزد نہیں ہوتی۔ وہ روزمرہ کے استعمال میں لائی جانے والی چیزیں بھی اپنے دوستوں اور پڑوسیوں کو استعمال کے لیے نہیں دیتا۔ جس شخص کا کردار یہ ہو اس سے زیادہ بدبخت کون ہو سکتا ہے۔ قرآن کریم کا ہم پر یہ کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیں ذلت و رسوائی اور نحوست کے اس گڑھے سے نکلنے اور بلندیوں پر آشیاں بند ہونے کا درس دیا۔

سُوْرَةُ الْمَاعُوْنِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ سَبْعُ اٰيَاتٍ

سورۃ الماعون مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — اس میں سات آیات ہیں

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ﴿۱﴾ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ﴿۲﴾

کیا آپ نے دیکھا ہے اس کو جو جھٹلاتا ہے (روزِ) جزا کو [۱] پس یہی وہ (بدبخت) ہے جو دھکے دے کر نکالتا ہے یتیم کو [۲]

وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿۳﴾ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ﴿۴﴾

اور نہیں برانگیختہ کرتا ہے (دوسروں کو) [۳] کہ غریب کو کھانا کھلائیں [۴] پس خرابی ہے ایسے نمازیوں کے لیے

[۱] استفہام اظہارِ تعجب کے لیے ہے۔ رَاَیْتَ سے آنکھوں سے دیکھنا بھی مراد ہو سکتا ہے اور کسی کو جاننے اور پہچاننے کے لیے بھی یہ مستعمل ہوتا ہے۔

الدین کے دونوں معنی مراد لیے جا سکتے ہیں۔ الدین سے مراد دینِ اسلام ہو۔ یعنی کیا تم اس احمق کے حالات کو جانتے ہو جو اس دینِ حق کی تکذیب کرتا ہے اور اگر دین سے مراد روزِ جزا ہو تو پھر معنی ہوگا کہ جو نادان روزِ جزا پر ایمان نہیں رکھتا کیا تم نے اس کی اخلاقی پستی کا اندازہ لگایا؟

[۲] یہاں فا جزائیہ ہے۔ جملہ شرطیہ محذوف ہے۔ یہ عبارت اس کی جزا ہے۔ تقدیرِ کلام یوں ہے۔ هل عرفت الذی یکذب بالجزاء او بالاسلام ان لم تعرفه فذلك الذی۔ یعنی جو روزِ جزا یا دینِ اسلام کا منکر ہے۔ اگر تم اس کی حالت کو جانتے ہو تو فبہا اور اگر نہیں جانتے تو اب جان لو کہ اس کی اخلاقی پستی کا یہ حال ہے کہ اگر کوئی یتیم اس کے ہاں رحمت و شفقت کا خواستگار بن کر آتا ہے تو اس کو اس کی خستہ حالی پر ذرا ترس نہیں آتا۔ اس کی بے کسی کو دیکھ کر اس کا دل نہیں پسیجتا بلکہ قہر آلود اور حقارت آمیز نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتا ہے اور دھکے دے کر اس کو اپنے ہاں سے نکال دیتا ہے۔ دَعّ بمعنی الدفع ہے یعنی دھکے دے کر نکالنا۔ اس کا دوسرا معنی کسی کو کسی کے حق سے محروم کر دینا ہے۔ ای یدفعه عن حقه وقاله ویقهره ویظلمه (قرطبی) یتیم کے ساتھ ان کے اس سنگدلانہ برتاؤ کی کیا وجہ ہے؟

اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ انہیں اس سنگدلی پر معاشرہ کی طرف سے کسی ردِ عمل کا کوئی اندیشہ نہیں۔ انہیں یقین ہے کہ یتیم بچوں سے ان کا حق چھین لینے کے خلاف کوئی صدائے احتجاج بلند نہ ہوگی اور نہ ان سنگدلانہ حرکتوں کے باعث ان کی ساکھ میں کمی واقع ہوگی۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ قیامت پر انہیں یقین نہیں۔ وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ اگر ہم نے اس یتیم کے ساتھ کوئی احسان کیا تو یہ بے آسرا، بے سہارا، کمسن بچہ انہیں اس کا کیا معاوضہ دے گا۔ جہاں دس خرچ کر کے سو ملنے کی امید نہ ہو وہاں اپنا مال خرچ کرنا پرلے درجے کی بیوقوفی خیال کرتے ہیں۔ اگر انہیں قیامت پر یقین ہوتا تو وہ اس امید پر اس بچے کے ساتھ احسان و مروت کا سلوک کرتے کہ اگرچہ یہاں تو مجھے اس کا کوئی معاوضہ نہیں ملے گا لیکن جب قیامت برپا ہوگی تو اللہ تعالیٰ کی جناب سے اس کو اس کا بڑا فیاضانہ بدلہ ملے گا۔

[۳] قیامت پر ایمان نہ رکھنے والے انسانی ہمدردی کے جذبہ سے کس قدر بے بہرہ ہوتے ہیں۔ فرمایا کہ وہ خود تو ان یتیموں کی

الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝۵ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝۶

جو اپنی نماز (کی ادائیگی) سے غافل ہیں ؎ وہ جو ریاکاری کرتے ہیں ؎

کچھ امداد کرسکے گنجائش نہ تھی یا بخل نے ہاتھ پکڑ لیے لیکن دوسرے لوگوں کو ان مفلوک الحال لوگوں کی ضروریاتِ زندگی فراہم کرنے کی ترغیب تو دے سکتے تھے۔ وہ بدنصیب اس سے بھی قاصر ہے۔ کوئی غریب ان کے نزدیک امداد و اعانت کا مستحق نہیں۔ انہوں نے ایک خود ساختہ ضابطہ بنا رکھا ہے۔ کہتے ہیں انطعم من لو یشاء اللہ اطعمہ (یٰس) یعنی اگر اس غریب کو فارغ البال کرنا مناسب ہوتا تو اللہ تعالیٰ کے ہاں کس چیز کی کمی تھی۔ وہ خود اس کو ضروریاتِ زندگی مہیا فرما دیتا۔ جب اس نے اسے مفلس و کنگال رہنے دیا ہے تو ہم ایسے گستاخ کیوں بنیں کہ ایسے شخص کی امداد کرکے مشیتِ خداوندی کا مقابلہ کریں۔

ان آیات میں غور فرمائیے آپ کو پتہ چل جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی یہ کتاب معاشرہ کے بے سہارا اور ضرورت مند افراد کی امداد اور ان کو ضروریاتِ زندگی فراہم کرنے کو کتنی اہمیت دیتی ہے۔ جو لوگ اسلامی تعلیمات کے اس پہلو کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھتے وہ کتنے کوتاہ نظر ہیں اور ان کے رویہ میں کتنی سنگدلی اور کمینگی پائی جاتی ہے۔

؎ اس کا مفہوم راغب نے اطعام المسکین بتایا ہے۔ میں نے ترجمہ اسی کے مطابق کیا ہے۔ لیکن دوسرے علماء نے طعام سے مراد غذا ہی لی ہے۔ اگرچہ وہ غذا اس شخص کی ملکیت ہے جس نے اس کو پکایا ہے اور جو اپنے ہاتھوں سے غریبوں کو دے رہا ہے۔ لیکن یہاں اس کی اضافت المسکین کی طرف کرکے یہ بتا دیا کہ یہ غذا اس مسکین کا حق ہے۔ گویا یہ دینے والے کی ملکیت نہیں بلکہ لینے والا اس کا مالک ہے۔ دینے والا دے کر کوئی احسان نہیں کر رہا بلکہ اسی کی چیز اسی کو دے رہا ہے۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں بان المسکین کانہ مالک لما یعطی لہ وفیہ اشارۃ الٰی عدم الامتنان (روح المعانی)

؎ پہلے بندوں جو آخرت کا انکار کرتے تھے ان کا حال تو آپ نے سنا اب ذرا ان منافقین کا حال بھی سنیے جنہوں نے بظاہر تو اپنے آپ کو مسلمانوں کے زمرے میں شامل کر رکھا ہے لیکن ان کے دلوں میں قیامت پر ایمان نہیں۔ اس لیے نماز کے بارے میں بڑی غفلت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ساھون: غافلون۔ یعنی نماز کی ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں۔ نماز ادا ہوگئی تو ہوگئی۔ نہ ہوئی تو انہیں ذرا دکھ نہیں۔ اگر نماز پڑھتے ہیں تو کسی ثواب کے امیدوار نہیں ہوتے اور اگر نہیں پڑھتے تو کسی عذاب کا اندیشہ نہیں ہوتا۔ اگر لوگوں میں گھر گئے تو نماز پڑھ لی تنہا ہوئے تو ختم کر گئے یا نماز پڑھتے تو ہیں لیکن صحیح وقت پر ادا نہیں کرتے۔ یونہی بیٹھے گپیں ہانکتے رہتے ہیں اور جب وقت ختم ہونے کے قریب ہوتا ہے تو تیزی سے اٹھتے ہیں اور تین چار ٹھونگے مار کر فارغ ہو جاتے ہیں یا نماز میں جس خشوع و خضوع کی ضرورت ہے اس کی انہیں ہوا تک نہیں لگی ہوتی۔ کھڑے تو نماز میں ہوتے ہیں لیکن دل افکارِ غیر سے پُر ہوتے ہیں۔ عبادت و ذکرِ الٰہی کی لذت سے کبھی سرشار نہیں ہوتے۔ غفلت کی سب قسمیں ہیں۔ سچے مومن کو چاہیے کہ ان تمام سے پرہیز کی پوری پوری کوشش کرے۔ عطا نے بڑی پیاری بات کہی ہے۔ فرماتے ہیں الحمد للہ الذی قال عن صلاتہم ولم یقل فی صلاتہم۔ یعنی اللہ کا شکر ہے کہ عن صلاتہم فرمایا۔ فی صلاتہم نہیں فرمایا۔ ورنہ شاید ہی کوئی نمازی اس وعید سے محفوظ رہتا۔ ہر مسلمان کو اثنائے نماز میں سہو و نسیان سے کبھی نہ کبھی سابقہ پڑتا رہتا ہے اس کی تلافی کے لیے سجدۂ سہو کا حکم دیا گیا۔

وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ ﴿٧﴾

اور مانگے بھی نہیں دیتے روزمرہ استعمال کی چیز ۵

۴ نماز کے معاملہ میں غافل ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ریاکار بھی ہیں۔ کوئی کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نہیں کرتے۔ خلوص نیت سے یکسر محروم ہیں۔ جو نیکی کرتے ہیں اس خیال سے کرتے ہیں کہ لوگ انہیں نیک کہیں گے۔ ان کی عبادتوں کو دیکھ کر لوگوں کے دلوں میں ان کی عزت پیدا ہو جائے گی۔ انہیں شہرت و ناموری حاصل ہو گی اور اس طرح وہ دنیوی منفعتیں اور مفادات آسانی سے حاصل کر سکیں گے۔

۵ ماعون کے متعدد معانی بتائے گئے ہیں۔ حضرات سیدنا علی، ابن عباس، محمد بن حنفیہ کی رائے میں ماعون سے مراد زکوٰۃ ہے لیکن علمائے تفسیر کی کثیر جماعت نے اس کا معنی روزمرہ استعمال کی چیزیں بتایا ہے جو ہر پڑوسی بوقت ضرورت اپنے پڑوسی سے عاریۃً لے لیتا ہے اور اپنی ضرورت پوری کر کے مالک کو واپس کر دیتا ہے جیسے ہنڈیا، ڈول، کلہاڑا، چقماق وغیرہ وغیرہ۔

منکرین قیامت کی اخلاقی پستی، منافقین کی عبادات سے کلیۃً بے اعتنائی اس پر ریاکاری اور اپنے ہمسایوں، عزیز دوستوں، قریبی رشتہ داروں سے عام ضرورت کی چیزوں کو روکنے کی قبیح عادت کا ذکر کر کے مسلمانوں کو ان سے اجتناب کی تلقین کی۔ بتایا یہ خصلتیں ان لوگوں کی ہیں جو دین کو نہیں مانتے۔ جن کے دلوں میں نفاق کی غلاظت ہے۔ تم تو قیامت پر ایمان رکھتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کی توحید، اس کے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صداقت اور قرآن کریم کے کلام الٰہی ہونے پر یقین رکھتے ہو۔ تمہیں تو اپنے دامن کو ان آلائشوں سے ہرگز آلودہ نہ ہونے دینا چاہیے ورنہ تم میں اور ان لوگوں میں وجہ امتیاز کیا رہے گی۔ خط فاصل کہاں کھینچا جائے گا۔

لا الٰه الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین۔ فاطر السمٰوٰت والارض انت ولی فی الدنیا والآخرة توفنی مسلما والحقنی بالصالحین۔

یارب صل وسلم علی من خلقه عظیم واسوته حسنة وشمائله سنیة وعلی اٰله واصحابه وحبه الی یوم الدین۔

تعارف

سُورۃ الکوثر

نام : اس سورہ طیبہ کا نام الکوثر ہے جو اس کی پہلی آیت میں مذکور ہے۔ یہ ایک رکوع اور تین آیات پر مشتمل ہے۔ اس کے دس کلمات اور چالیس حروف ہیں۔

نزول : علامہ جلال الدین سیوطی نے اس سورت کے نزول کے بارے میں دو قول لکھے ہیں۔ ایک حضرت انس کا قول ہے وہ کہتے ہیں کہ اس سورت کا نزول مدینہ طیبہ میں ہوا اور ان کی روایت کا مفہوم یہ ہے کہ ہم حضور کی خدمت میں حاضر تھے اچانک نزولِ وحی کی کیفیت طاری ہوگئی۔ حضور کا سرِ مبارک جھک گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد تبسم فرماتے ہوئے اپنے سر کو اٹھایا۔ لوگوں نے تبسم کی وجہ پوچھی تو ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے ابھی مجھ پر یہ سورت نازل فرمائی ہے۔ پھر الکوثر کی تلاوت کی لیکن ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس، حضرت عبداللہ بن زبیر، اُم المومنین عائشہ صدیقہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ ان اکابر صحابہ کے قول کو بہرحال حضرت انس کے قول پر ترجیح دی جائے گی۔ اور ان کی اس روایت کی توجیہ یوں بیان کی جاسکتی ہے کہ کئی سورتیں ایسی ہیں جن کا نزول متعدد بار ہوا۔ ہوسکتا ہے یہ سورت اس محفل میں کسی خاص حکمت کے پیشِ نظر دوسری بار نازل کی گئی ہو۔ اس کی تائید حضرت انس کی دوسری روایت سے ہوتی ہے جسے امام مسلم اور ترمذی و دیگر محدثین نے روایت کیا ہے۔

حضور نے ارشاد فرمایا کہ شبِ معراج جب میں جنت میں داخل ہوا تو میں نے وہاں ایک نہر دیکھی۔ اس کے دونوں کناروں پر موتیوں کے خیمے نصب تھے میں نے جب اس کے پانی میں ہاتھ مارا تو اس سے خالص کستوری کی مہک اٹھنے لگی۔ اس کے بارے میں جبرئیل سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا ھذا الکوثر الذی اعطاکہ اللہ۔ یعنی یہ نہر کوثر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہے۔ معراج تو مکہ میں ہوئی، اسی رات کو الکوثر کے عطا فرمائے جانے کا مژدہ ملا۔ اس لیے اس کی اطلاع بھی مکہ میں ہی دی گئی ہوگی۔ چنانچہ سیوطی لکھتے ہیں : المشھور بین اھل التفاسیر والمغازی ان ھذہ السورۃ مکیۃ (درمنثور) یعنی علماء تفسیر اور مغازی کے نزدیک یہی بات زیادہ مشہور ہے کہ یہ سورت مکی ہے۔ اس کا اندازِ بیان بھی مکی سورتوں سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے۔

شانِ نزول : اُم المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بطن مبارک سے حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی چار صاحبزادیاں اور دو صاحبزادے تولد ہوئے۔ ایک صاحبزادے کا نام نامی قاسم اور دوسرے کا اسم گرامی عبداللہ تھا۔

ان کا لقب طیب اور طاہر بھی ہے۔ اعلانِ نبوت سے پہلے یہاں کے باشندے حضور کا بڑا احترام کرتے تھے۔ انہوں نے آپ کی ذات سے بڑی حسین توقعات وابستہ کر رکھی تھیں۔ آپ کی سیرت و کردار سے وہ اتنے متاثر تھے کہ آپ کو صادق اور امین کہہ کر پکارا کرتے تھے۔

حضور نے صفا کی چوٹی پر کھڑے ہو کر جب قولوا لا الٰہ الا اللہ تفلحوا کی دعوت دی تو اہلِ مکہ کے تیور بدل گئے۔ دلوں میں نفرت، حقارت اور عداوت کے جذبات اُمڈ آئے۔ انہیں حضور کی ہر بات سے چڑ ہو گئی۔ ہر وہ حادثہ جس سے نبی کریم کے خاطر عاطر کو دکھ پہنچا ان کے لیے وہ مسرت و شادمانی کا باعث بنتا چنانچہ جب دونوں صاحبزادے یکے بعد دیگرے کمسنی میں وفات پا گئے تو ان جانکاہ حادثوں پر اہلِ مکہ کو ذرا رنج نہ ہوا، بلکہ انہوں نے اطمینان کا سانس لیا اور خوشی کے شادیانے بجائے۔ ان کے اعتقادات، انکے رسم و رواج اور ان کے تمدن و معاشرہ کو اسلام سے جو سنگین قسم کا خطرہ محسوس ہو رہا تھا اس کی شدت میں کمی آگئی۔ انہوں نے یہ کہہ کر اپنے آپ کو بہلانا شروع کر دیا کہ جب ان کی شمع زیست بجھے گی تو ان کا یہ لایا ہوا دین بھی دم توڑ دے گا۔ لڑکا تو کوئی ہے نہیں جو اس سلسلہ کو جاری رکھ سکے۔

ابتر: اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کا کوئی فرزند نہ ہو۔ قریش کے گستاخ یہی لفظ اللہ تعالیٰ کے محبوب کے حق میں استعمال کرنے لگے تھے۔ ابولہب حقیقی چچا تھا، لیکن بغض و عناد کی یہ حالت تھی کہ جب حضور کے دوسرے صاحبزادے کا انتقال ہوا، تو اس کی خوشی کی حد نہ رہی۔ دوڑا ہوا مشرکین کے پاس گیا اور ان کو یہ مژدہ جانفزا سنایا بَتِرَ مُحَمَّدُ اللَّیلَۃ۔ یعنی آج رات محمد کی نسل منقطع ہو گئی ہے۔ عاص بن وائل بھی کہا کرتا تھا: ان محمدا ابتر لا ابن لہ یقوم مقامہ بعدہ فاذا مات انقطع ذکرہ واسترحتم منہ۔ یعنی محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام ابتر ہیں ان کا کوئی بیٹا نہیں جو ان کی وفات کے بعد انکا جانشین بنے جب یہ فوت ہو جائیں گے، ان کا ذکر مٹ جائے گا اور اس وقت تمہیں راحت و آرام کا سانس لینا نصیب ہو گا۔

اس قسم کی دلآزاریاں جب تہذیب و شائستگی کی ساری حدود کو توڑ گئیں، ان کے طعن و تشنیع کے تیروں سے صبر کا دامن تار تار ہونے لگا۔ اس وقت اللہ کریم نے اپنے محبوب بندے اور برگزیدہ رسول پر یہ سورۂ مبارکہ نازل فرمائی جس میں انتہائی مختصر اور بعد مؤثر انداز میں ان بے حد و بے حساب خیرات و برکات کا مژدہ سنایا گیا جن کا اللہ تعالےٰ نے اپنے حبیب کو مالک بنا دیا تھا جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ بتا دیا کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ میرے محبوب کا ذکر مٹ جائے گا۔ ان کا کوئی نام و نشان باقی نہیں رہے گا۔ سن لو! یہ سراسر غلط ہے۔ میرے پیارے رسول کا چشمۂ فیض تا ابد جاری رہے گا۔ دنیا اس سے ہمیشہ ہمیشہ سیراب ہوتی رہے گی۔ اہلِ دل اس کی بارگاہِ جمال میں اپنے عقیدت و محبت کے رنگین پھول پیش کرتے رہیں گے۔ اربابِ ذوق و شوق بزمِ عالم کو اس کے ذکرِ خیر سے آباد رکھیں گے۔ درود و سلام کی روح پرور صدائیں ہر لحظہ گلشنِ ہستی کے لیے مژدۂ بہار سناتی رہیں گی جب تک میری کبریائی کا پرچم فرش و عرش پر لہرا رہا ہے اس وقت تک میرے پیارے رسول کا ذکر ہوتا رہے گا۔ یہ شمع جس کو میں نے خود روشن کیا ہے۔ تند و تیز طوفانوں کے باوجود ہمیشہ نور افشاں رہے گی۔ فنا تو وہ ہو گا، نام و نشان تو اس کا مٹے گا۔ جڑ تو اس کی کٹے گی جس کے دل میں میرے نبی کریم کی عداوت ہو گی۔ سلام

کی چودہ صد سالہ تاریخ اس ارشادِ خداوندی کی تصدیق و توثیق کر رہی ہے اور ہمیشہ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہے گا بلکہ ان لوگوں نے خود دیکھا کہ چند سال بعد وہ دل و جان سے اس کے خادم اور پیروکار بن گئے تھے۔ وہ ذاتِ اقدس و اطہر جس نے ایک تاریک شب میں مکہ سے بڑی بے سروسامانی کی حالت میں ہجرت کی تھی جس کا رفیقِ سفر صدیق اکبر کے بغیر اور کوئی نہ تھا، چند سال بعد وہ دس ہزار کا لشکر لے کر مکہ کی سمت بڑھا تو مکہ نے اپنے بند دروازے اس کے استقبال کے لیے کھول دیے اور قریش کے سارے سردار گردنیں جھکاتے ہوئے اس کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہو گئے۔

ایک نکتہ اور یاد رکھنے کے قابل ہے۔ قرآن کریم میں جس جس موقع پر حضور رحمت للعالمین کی شانِ رفیع کا بیان ہوا ہے ان تمام آیات میں ایک بات قدرِ مشترک ہے وہ یہ کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنا ذکر کیا ہے اور اس کے بعد اپنے حبیب کی شان بتائی ہے۔ مثلاً سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً۔ وما ارسلناك الا رحمة للعالمین۔ اسی طرح یہاں بھی انا اعطینٰك الكوثر۔ اس کی حکمت کیا ہے؟ جہاں تک اس ناقص کی فہمِ نارسا کی رسائی ہے مجھے تو اس میں دو حکمتیں جلوہ کناں نظر آتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ لوگ حضور کے بے اندازہ کمالات کو دیکھ کر حضور کو خدا نہ سمجھنے لگیں۔ بتا دیا کہ یہ کمالات ان کے ذاتی نہیں، بلکہ میں جو رب السموات والارض ہوں نے انہیں ارزانی فرمائے ہیں۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ کوئی کم نظر حضور کے کمالات کا انکار نہ کر سکے کیونکہ یہ سب کمالات خود اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے ہیں جو علیم بھی ہے حکیم بھی ہے اور قدیر بھی ہے۔ جو کمالاتِ رسالت کا انکار کرتا ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت اور اس کی صفتِ جود و عطا کا انکار کرتا ہے۔

الحمد للہ الذی اعطیٰ نبینا من المواهب السنية مالا تحصیٰ والمحامد الجليلة مالا تعد۔

سُوْرَةُ الْكَوْثَرِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ ثَلٰثُ اٰيٰتٍ

سورۃ الکوثر مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — اس میں تین آیات ہیں

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ؕ﴿۱﴾ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ؕ﴿۲﴾ اِنَّ

بے شک ہم نے آپ کو (ہر خیر و خوبی میں) بے حد و بے حساب عطا کیا[1] پس آپ نماز پڑھا کریں اپنے رب کے لیے اور قربانی دیں (اسی کی خاطر)[2]

[1] حضور رحمت للعالمین شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے محامد و کمالات کے ذکر کا جو سلسلہ سورۃ والضحیٰ سے شروع ہوا ہے وہ ابھی جاری ہے۔ ان تمام درمیانی سورتوں میں مختلف عنوانوں سے اللہ تعالیٰ نے ان انعامات و احسانات کا ذکر فرمایا جو اس نے اپنے حبیب پر یا اس کے طفیل اس کی امت پر فرمائے ہیں۔ اس سورت میں ان تمام عنایات کو الکوثر کے ایک کلمہ میں سمو کر رکھ دیا تاکہ چشم حق بین حسن محمدی کے ایک ایک جلوے کو دیکھتی رہے اور سرشار ہوتی رہے۔ اس پیکر جمیل و رعنا کی رعنائیوں اور دلربائیوں میں کھوئی رہے دل اس حسین سرمدی کی دلنوازیوں پر قربان ہوتا رہے۔ اس کی ایک ایک ادا جان پرور ہے اس کا ایک ایک انداز روح افزا ہے۔ زبان قدرت جب اپنے حبیب کی شان بیان کرتی ہے وہاں اسلوب ہی نرالا اختیار کیا جاتا ہے۔ ارشاد فرمایا اِنَّا، ہم نے۔ جمع کی ضمیر استعمال ہوئی۔ جمع کا صیغہ کبھی کثرت اور تعدد پر دلالت کرتا ہے اور کبھی عظمت و شان کے اظہار کے لیے آتا ہے۔ یہاں یہی مقصد ہے۔ یعنی ہم نے جو زمین و آسمان کے خالق و مالک ہیں، ہم جو عروس گیتی کو سنوارنے اور نکھارنے والے ہیں، ہم جن کے جود و کرم کا وسیع دسترخوان ہر وقت بچھا ہوا ہے اور ہر ایک کے لیے صلائے عام ہے۔ اے حبیب! ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمایا ہے۔ جو چیز ہم عطا فرمانا چاہیں اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ جو چیز ہم عطا فرمائیں اسے کوئی چھین نہیں سکتا۔

یہاں اٰتَیْنَا کے بجائے اَعْطَیْنَا مذکور ہے۔ ان دونوں کے مفہوم میں بین فرق ہے۔ اعطیٰ کے لفظ کی لغوی تحقیق کرتے ہوئے ابن منظور رقمطراز ہیں:

الاعطاء والمعاطات جمیعا: المناولۃ وعند اعطاء الشیٔ وعطوت الشیٔ: تناولتہ بالید۔ یعنی اپنے ہاتھ سے کوئی چیز کسی کے حوالے کر دینا۔ (لسان العرب)

اس تحقیق کی رو سے آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ ہم نے اپنے دست قدرت سے الکوثر آپ کے حوالے کر دیا۔ آپ کو اس کا مالک بنا دیا۔

علامہ نیشاپوری اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس آیت میں گوناگوں مبالغہ ہے: منھا التصدیر بِاَنَّ ومنھا الجمع المفید للتعظیم ومنھا لفظ الاعطاء دون الایتاء وفی الاعطاء دلیل التملیک دون الایتاء ومنھا صیغۃ الماضی الدالۃ علی التحقیق۔ (نیشاپوری)

ترجمہ: اس آیت کی ابتداء اِنَّ سے کی گئی ہے جو تاکید پر دلالت کرتا ہے۔ پھر ضمیر جمع ذکر کی گئی ہے جو تعظیم کا مفہوم دیتی ہے۔ نیز یہاں اعطاء کا لفظ استعمال ہوا ہے ایتاء کا نہیں اور اعطاء میں ملکیت پائی جاتی ہے ایتاء میں یہ معنی نہیں پایا جاتا۔ پھر یہاں ماضی کا صیغہ ذکر کیا جو تحقیق پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی یہ کام ہو گیا۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں وفی اسناد الاعطاء الیہ دون الایتاء اشارۃ الی أن ذلک ایتاء علی جہۃ التملیک۔ یہاں اعطاء کا اسناد ضمیر متکلم کی طرف کیا گیا ہے ایتاء کا نہیں۔ اس سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو الکوثر کا مالک بنا دیا ہے۔ کیا شان جود و سخا ہے دینے والے کی اور کیا مقام رفعت و عُلا ہے لینے والے کا۔

اب ذرا الکوثر کو سمجھنے کی کوشش کیجیے تب آپ کو پتہ چلے گا کہ اس میں فضائل و مکارم کے کتنے سمندر سمو دیے گئے ہیں۔

۱۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں الکوثر: ھو فوعل من الکثرۃ صیغۃ مبالغۃ الشیئ الکثیر کثرۃ مفرطۃ۔ کوثر کثرت سے ماخوذ ہے اس کا وزن فوعل ہے جو مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اس کا معنی ہے کسی چیز کا اتنا کثیر ہونا کہ اس کا اندازہ نہ لگایا جا سکے۔

۲۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں والعرب تسمی کل شیئ کثیر فی العدد والقدر والخطر کوثرا۔ یعنی جو چیز تعداد میں، قدر و قیمت میں اور اپنی اہمیت کے لحاظ سے بہت زیادہ ہو اسے کوثر کہتے ہیں۔ یہاں ایک چیز بڑی قابل غور طلب ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ موصوف اور صفت دونوں کیجا مذکور ہوتے ہیں، لیکن یہاں معاملہ اس کے برعکس ہے۔ الکوثر جو صفت ہے وہ مذکور ہے لیکن اس کا موصوف مذکور نہیں۔ اس میں کیا حکمت ہے؟ علماء فرماتے ہیں اگر ایک چیز اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو کثیر بے حد و بے حساب عطا کی ہوتی تو اس کو ذکر کر دیا جاتا۔ اگر چند چیزیں ہوتیں تو ان کے بیان کا تکلف کیا جاتا۔۔۔ یہاں تو حالت یہ ہے کہ جو عطا فرمایا بے حد و بے حساب عطا فرمایا۔ کس کا ذکر کیا جائے اور کس کا نہ کیا جائے اس لیے صفت ذکر کر دی اور موصوف کو قاری کے ذہن پر چھوڑ دیا گیا۔ مقصد یہ ہے کہ اے حبیب! میں نے آپ کو جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں وہ بے حد و بے حساب ہیں۔ علم، حلم، جود و کرم، عفو و درگزر الغرض جن محامد سے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو سرفراز فرمایا وہ ایک سمندر ہے بے پایاں کنار، جس کی حد کو کوئی پا نہیں سکتا۔

علمائے تفسیر نے الکوثر کی تفسیر میں متعدد اقوال ذکر کیے ہیں۔ چند آپ بھی سماعت فرمائیے:

۱۔ کوثر سے مراد جنت کی وہ نہر ہے جس سے جنت کی ساری نہریں نکلتی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو عطا فرما دی ہیں۔ عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الکوثر نھر فی الجنۃ حافتاہ من ذھب ومجراہ علی الدر والیاقوت تربتہ اطیب من المسک وماءہ احلی من العسل وأبیض من الثلج۔

ترجمہ: یعنی حضور نے فرمایا کہ کوثر جنت کی ایک نہر ہے جس کے دونوں کنارے سونے کے ہیں۔ موتیوں اور یاقوت کا فرش بچھا ہوا ہے اس کی مٹی کستوری سے زیادہ خوشبودار ہے۔ اس کا پانی شہد سے زیادہ میٹھا اور برف سے زیادہ شفاف ہے۔

۲۔ اس حوض کا نام ہے جو میدان حشر میں ہوگا جس سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی امت کے پیاسوں کو سیراب فرمائیں گے۔ جس کے کناروں پر پیالے اگر تعداد کے لحاظ سے آتنی کثرت سے رکھے ہوں گے جتنے آسمان پر ستارے ہیں تاکہ درِ حبیب پر آکر کسی پیاسے کو انتظار کی زحمت نہ اٹھانی پڑے۔ اس حوض کے بارے میں احادیث متواترہ مذکور ہیں اور علماء نے یہ بھی لکھا ہے۔ وان علی ارکانہا الاربعۃ خلفاءہ الاربعۃ۔ اس کے چاروں کونوں پر خلفائے اربعہ تشریف فرما ہوں گے۔ جو شخص ان میں سے کسی کے ساتھ بغض کرے گا اسے حوض کوثر سے ایک گھونٹ بھی نہیں ملے گا۔

۳۔ النبوۃ، انبیاء تو حضور سے پہلے بھی تشریف لائے لیکن نبوت محمدیہ کے فیوض و برکات کی کثرت کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ نبوت کا دامن ساری نوع انسانیت کو سمیٹے ہوئے ہے بلکہ آپ ساری کائنات کے نبی ہیں۔ آپ کا بحر رسالت زمان و مکان کی حدود سے

آشنا نہیں۔

۴۔ کوثر سے مراد قرآن کریم ہے۔ انبیاء سابقین بھی صحائف اور کتابیں لے کر آئے لیکن جو جامعیت اور ابدیت اس کی تعلیمات میں ہے اس کی نظیر کہاں۔ علوم و معارف کے جو خزینے اس صحیفۂ رشد و ہدایت میں مستور ہیں وہ کسی اور کو نصیب نہیں۔ انسانی زندگی کے ان گنت شعبوں پر جس طرح اس کتاب مبین کا نور ضیا پاشیاں کر رہا ہے وہ کسی اہل بصیرت والے سے مخفی نہیں۔

۵۔ اس سے مراد دین اسلام ہے۔

۶۔ اس سے مراد صحابہ کرام کی کثرت ہے۔ جتنے صحابہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تھے کسی دوسرے نبی یا رسول کو اتنے صحابہ میسر نہیں آئے۔

۷۔ اس سے مراد رفع ذکر ہے۔ ساری کائنات کی بلندیوں اور پستیوں میں جس طرح اس نبی رحمت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر مبارک کا ڈنکا بج رہا ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔

۸۔ قال جعفر الصادق علیہ وعلی آبائہ الکرام السلام۔ نور قلبہ الذی دلّہ علی اللہ تعالیٰ وقطعہ عما سواہ۔ یعنی امام جعفر صادق کے نزدیک کوثر سے مراد حضور کے دل کا نور ہے جس نے آپ کی اللہ تعالیٰ تک رہنمائی کی اور ماسوا سے ہر قسم کا رشتہ منقطع کر دیا۔

۹۔ مقام محمود۔ روزِ محشر جب تشفیع المذنبین شفاعت عامہ فرمائیں گے۔

۱۰۔ حضرت ابن عباس نے الکوثر کی تفسیر بیان کی ہے الخیر الکثیر۔ یعنی خیر کثیر۔

حضرت سعید بن جبیر نے عرض کیا کہ لوگ تو کہتے ہیں کوثر جنت کی ایک نہر کا نام ہے تو آپ نے فرمایا وہ بھی اس خیر کثیر میں سے ایک ہے۔ ھو من الخیر الکثیر۔

علامہ اسماعیل حقی الکوثر کے بارے میں متعدد اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ والاظھر ان جمیع نعم اللہ داخلۃ فی الکوثر ظاھرۃ وباطنۃ۔ فمن الظاھر خیرات الدنیا والاخرۃ ومن الباطنۃ العلوم اللدنیہ الحاصلۃ بالفیض الالٰھی بغیر اکتساب۔ یعنی ظاہر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ساری ظاہری و باطنی نعمتیں کوثر میں داخل ہیں۔ ظاہری نعمتوں سے مراد دنیا و آخرت کی بھلائیاں ہیں اور باطنی نعمتوں سے مراد وہ علوم لدنیہ ہیں جو بغیر کسب کے محض فیضان الٰہی سے حاصل ہوتے ہیں۔

علامہ قرطبی نے بھی اسی سے ملتی جلتی تشریح کی ہے۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں انہ الخیر الکثیر والنعم الدنیویۃ والاخرویۃ من الفضائل والفواضل۔ ۔ ۔ ۔ وفیہ اشارۃ الی ان ما فی الاحادیث من تفسیرہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایاہ بالنھر من باب التمثیل والتخصیص لنکتۃ۔ یعنی کوثر سے مراد خیر کثیر ہے اور دنیوی و اخروی نعمتیں جن میں فضیلتیں اور فضائل سب شامل ہیں۔ اس میں اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ احادیث میں کوثر کا معنی نہر بتایا گیا ہے یہ بطور تمثیل ہے۔

۲؎ پہلے اپنی بے پایاں عنایات سے اپنے حبیب کو سرفراز کرنے کا ذکر فرمایا۔ اب ان انعامات و احسانات کا شکر ادا کرنے کی تلقین فرمائی جا رہی ہے۔ ارشاد ہے اے حبیب! اپنے رب کے لیے نماز پڑھا کرو اور اسی کی خاطر قربانی دیا کرو۔ کم فہم لوگ کھاتے اللہ تعالیٰ کے دستر خوان سے ہیں پلتے اس کی رحمت کے ٹکڑوں پر ہیں۔ نشو و نما اس کے آغوشِ لطف و کرم میں پاتے ہیں لیکن شکریہ غیروں کا ادا کرتے ہیں۔ عبادت باطل معبودوں کی کرتے ہیں۔ قربانیاں بتوں کے نام پر دیتے ہیں۔ اے میرے محبوب! آپ ان کی روش کو اختیار نہ کرنا۔ یہ

شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ﴿۳﴾

یقیناً آپ کا جو دشمن ہے وہی بے نام و نشان ہو گا۔ ۳

سب سے بڑی ناشکری اور کفرانِ نعمت ہے۔

اس عبدِ منیب اور حبیبِ لبیب کی تعمیلِ ارشاد کی یہ حالت تھی کہ ساری ساری رات کھڑے رہ کر نماز ادا فرماتے رہتے یہاں تک کہ پاؤں بھی سوج جاتے۔ کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ! حضور اتنی زحمت کیوں اٹھاتے ہیں فرمایا افلا اکون عبدًا شکورًا۔ کیا میں اپنے رب کی بے پایاں نعمتوں پر اس کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ ساری عمر ہی عبادت و ذکرِ الٰہی میں بسر ہوئی۔ روز و شب کا ایک لمحہ بھی تو غفلت میں نہ گزرتا تھا۔ جس نبی کرم، ہادیٔ معظم کی ساری زندگی سجود و رکوع اور خضوع و خشوع میں گزری اس کی امت اگر اپنے رب کے ذکر سے محروم ہو جائے ان کی پیشانیوں پر اگر سجدوں کے نشان چمک رہے ہوں، انہیں اگر نماز کی سعادت نصیب نہ ہو تو اس سے بڑی بدقسمتی اور کیا ہو سکتی ہے۔

۳؎ شانیٔ: مبغض، جس کے دل میں بغض و عداوت ہو تو اس کو شانی کہتے ہیں۔ ابتر: بتر سے ہے اور بتر کا معنی القطع۔ کسی چیز کو کاٹ دینا۔ اہلِ لغت کے نزدیک وہ مرد جس کا فرزند نہ ہو اسے ابتر کہتے ہیں۔ وہ چارپایہ جس کی دم نہ ہو اسے بھی ابتر کہتے ہیں۔ نیز ہر وہ کام جس کا نیک اثر باقی نہ رہے اس کو بھی ابتر کہتے ہیں۔ (قرطبی)

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بطن سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی یہ اولاد پیدا ہوئی۔ قاسم، پھر زینب، پھر عبداللہ، پھر ام کلثوم، پھر فاطمہ، پھر رقیہ۔ صلی اللہ علی ابیہم وعلیہم اجمعین۔ پہلے قاسم کا انتقال ہوا، پھر عبداللہ (جن کا لقب طیب و طاہر ہے) دارِ مفارقت دے گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعویٔ نبوت کے بعد تو سارے مکہ والے دشمن بن گئے تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ ان کے دونوں فرزند فوت ہو گئے ہیں، اب صرف صاحبزادیاں ہی ہیں تو انہوں نے طرح طرح کی باتیں بنانا شروع کر دیں۔ عاص بن وائل کہنے لگا قد انقطع نسلہ وھو ابتر۔ کہ ان کی نسل منقطع ہو گئی ہے پس وہ ابتر ہیں۔

کفار جب اسلام کی روز افزوں ترقی کو دیکھتے تو اپنا دل بہلانے کے لیے کہتے کہ فکر کی کوئی بات نہیں، یہ چند روزہ کھیل ہے۔ لڑکا ان کا کوئی نہیں جو ان کے بعد اس مشن کو جاری رکھ سکے۔ یہ چند سال کے مہمان ہیں۔ جب یہاں سے رخصت ہوں گے تو ان کا یہ دین بھی نیست و نابود ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس ایک آیت سے ان کی گستاخیوں کا منہ توڑ جواب دیا۔ ان کی خوش فہمیوں کا خاتمہ کر دیا۔ فرمایا جو میرے محبوب کا دشمن ہو گا، جو اس کے دین کا بدخواہ ہو گا، جو اس کے نظامِ شریعت سے پرخاش رکھے گا وہ مٹ جائے گا۔ اس کی قوم اسے بھول جائے گی۔ تاریخ اسے فراموش کر دے گی۔ اس کا کوئی نام لینے والا نہیں ہو گا۔ اس کی اولاد بھی اس کا نام لینا چھوڑ دے گی اس کی طرف ہر قسم کی نسبت ان کے لیے باعثِ ننگ و عار بن جائے گی اور میرے محبوب کی یہ شان ہے کہ اس کا ہر امتی خواہ وہ کسی قبیلہ کا فرد ہو، کسی ملک کا رہنے والا ہو، کوئی زبان بولنے والا ہو، میرے محبوب کریم کے ذکرِ پاک کی شمع ہر وقت روشن رکھے گا۔ دوسرے لوگوں کی نسل ان کے بیٹوں سے چلتی ہے، لیکن میں اپنے حبیب کی نسل ان کی نورِ نظر، لختِ جگر بتول زہرا، خاتونِ جنت سیدہ طاہرہ

ذکیہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے چلاؤں گا اور اس نسل میں اتنی برکت دوں گا کہ دنیائے اسلام کے گوشے گوشے میں یہ نسل پھیل جائے گی۔

یہ سورت اپنے اختصار و ایجاز کے باوصف فصاحت و بلاغت کا وہ مرقع جمیل ہے کہ فصحائے عرب، بلغائے حجاز کو بھی اسے پڑھ کر کہنا پڑا۔ ما ھذا کلام البشر۔ یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے۔

○

الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا رسول اللہ الذی اعطاہ ربہ الکوثر۔ کلما ذکرہ الذاکرون وغفل عن ذکرہ الغافلون۔ اللھم ارزقنا حبہ واتباعہ واحشرنا فی زمرتہ تحت لوائہ واغفرلنا ولوالدینا وذریتنا بشفاعتہ یارب العلمین یااکرم المسئولین۔

○

تعارف

سُورۃ الکافرون

نام : اس سورت کا نام الکافرون ہے۔ اس کی آیتیں چھ اور ایک رکوع ہے۔ اس کے کلمات کی تعداد چھبیس اور حروف کی تعداد چورانوے ہے۔

نزول : یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور حضور نے مجمع عام میں جاکر اس کی تلاوت کی۔

مقاصدِ نزول : باطل بڑا عیار ہے۔ حق سے نبرد آزما ہونے کے لیے وہ طرح طرح کے بھیس بدل کر آیا کرتا ہے۔ کسی قسم کا حربہ استعمال کرنے میں اسے کوئی جھجک محسوس نہیں ہوتی۔ بسا اوقات وہ اپنے موقف میں بھی بے حد لچک پیدا کر لیا کرتا ہے۔ اس کا مقصد صرف اتنا ہوتا ہے کہ حق حق نہ رہے۔ باطل تو ہر حال میں باطل ہے کسی چیز کی ملاوٹ اس کے بطلان پر اثر انداز نہیں ہو سکتی بلکہ جو پاک چیز اس میں ملے گی وہ بھی پلید ہو جائے گی۔ وہ اس حقیقت سے پوری طرح باخبر ہے کہ حق صرف اس وقت تک حق ہے جب تک یہ ہر قسم کی ملاوٹ اور آمیزش سے پاک ہے۔

رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب دعوتِ توحید کا آغاز کیا تو ابتدا میں کفار نے اس کو در خورِ اعتنا ہی نہ سمجھا، لیکن سعادت مند روحیں اس کی طرف جب کھچ کھچ کر جانے لگیں انہیں اپنے ماحول میں تبدیلی کے کچھ آثار دکھائی دینے لگے تو انہوں نے اس دعوت کی طرف توجہ دینی شروع کی۔ انہوں نے سوچا کہ ہمارے پاس بے پناہ وسائل ہیں۔ اس داعی حق کو خریدنے کے لیے ہم بڑی سے بڑی قیمت ادا کر سکتے ہیں؛ چنانچہ حضرت ابو طالب کی معرفت سودا بازی کا آغاز ہوا۔ کفار کے ایک وفد نے جناب ابو طالب سے ملاقات کی اور آکر کہا کہ آپ کا بھتیجا ہمارے بتوں کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کرتا ہے وہ ہمارے لیے ناقابلِ برداشت ہیں، آپ قوم کے سردار ہیں ہمارے دلوں میں آپ کا از حد احترام ہے۔ اسی وجہ سے ہم آپ کے بھتیجے کی باتیں سن کر اب تک خاموش رہے ہیں لیکن اب پیمانۂ صبر لبریز ہو چکا ہے۔ آپ اپنے بھتیجے کو کہیں کہ اگر اس کو مال و دولت کی خواہش ہے تو ہم سونے چاندی کا ڈھیر اس کے قدموں میں لگانے کے لیے تیار ہیں۔ اگر اس کو حاکم بننے کا شوق ہے تو ہم متفقہ طور پر اس کو اپنا رئیسِ اعلیٰ تسلیم کرنے پر رضامند ہیں اور اگر کوئی رشتہ مطلوب ہے تو وہ صرف اشارہ کر دیں ہم فخر و مسرت کے ساتھ وہ رشتہ پیش کر دیں گے۔

طالع آزما لوگ جو مذہب و دین کو اپنے مقصد کے حصول کے لیے بطور زینہ استعمال کرتے ہیں انہی چیزوں میں سے کوئی چیز ان کا مقصد ہوا کرتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب ان کی یہ پیشکش سنی تو فرمایا کہ وہ نادان مجھے پہچان نہیں سکتے۔

میرے دائیں ہاتھ پر اگر وہ سورج لاکر رکھ دیں اور بائیں ہاتھ پر چاند لاکر رکھ دیں تو بھی میں اپنے رب کی توحید کی تبلیغ میں رائی برابر بھی سستی نہیں کروں گا۔

جب اس سودا بازی میں ناکام ہوئے تو انہوں نے ایک اور چال چلی۔ ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، اسود بن عبدالمطلب اور امیہ بن خلف رؤسا مکہ اکٹھے ہو کر ایک روز حضور کے پاس آئے۔ کہنے لگے آپ کی تبلیغ اور دعوت سے قوم میں انتشار و افتراق پھیل رہا ہے، یہ کسی اچھے مستقبل کا پیش خیمہ نہیں۔ اگر ہمارے اور آپ کے درمیان انتشار کی یہ خلیج یونہی وسیع ہوتی چلی گئی تو ایک دن ایسا آئے گا جب ہماری قوت کا جنازہ نکل جائے گا۔ اور دشمن قبائل ہم پر حملہ بول کر ہمیں ختم کر کے رکھ دیں گے۔ اس صورتِ حال سے ہم سخت پریشان ہیں۔ آؤ ایک ایسی تجویز پر متفق ہو جائیں کہ آپ کی بات بھی رہ جائے اور قوم کی یکجہتی اور اتحاد بھی برقرار رہے۔ اس کے لیے انہوں نے یہ تجویز پیش کی۔ ایک سال ہم سب مل کر آپ کے خدا کی عبادت کیا کریں اور دوسرے سال آپ ہمارے ساتھ مل کر ہمارے معبودوں کی پرستش کیا کریں۔ یہ تجویز سن کر نبی مکرم نے فرمایا: معاذ اللہ ان اشرک باللہ غیرہ۔ میں اس بات سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں اس کے ساتھ کسی اور کو شریک ٹھہراؤں۔ اس وقت یہ سورہ مبارکہ نازل ہوئی جس نے ان کی ساری امیدوں کو خاک میں ملا دیا اور انہیں ہمیشہ کے لیے مایوس کر دیا کہ وہ اپنی حیلہ سازیوں سے حق کو اپنے دام فریب میں پھانس سکتے ہیں۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حرم میں تشریف لے گئے۔ کفر و شرک کے سارے سرغنے وہاں جمع تھے۔ مجمع عام میں بڑی جرأت کے ساتھ حضور نے یہ سورت پڑھ کر انہیں سنائی تاکہ ان کے دل میں پھر اس قسم کے فاسد خیال پیدا ہونے کا امکان ہی ختم ہو جائے

سُوْرَةُ الْكٰفِرُوْنَ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ سِتُّ اٰيَاتٍ

سورۃ الکافرون مکی ہے اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اس میں چھ آیات ہیں

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ① لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ② وَلَآ اَنْتُمْ

آپ فرما دیجیے اے کافرو! [1] میں پرستش نہیں کیا کرتا ان بتوں کی جن کی تم پرستش کرتے ہو [2] اور نہ ہی تم عبادت

[1] وہ لوگ اگرچہ کفر و شرک میں بری طرح پھنسے ہوئے تھے، لیکن اپنے آپ کو کافر نہ کہتے اور نہ یہ پسند کرتے کہ ان کو کافر کہا جائے۔ حضورؐ کو یہاں انہیں یاایہا الکافرون سے خطاب کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ گویا اعلان کر دیا کہ مجھے تمہارا کوئی ڈر نہیں۔ میرے دل میں تمہارے لیے کوئی عزت و احترام نہیں اور نہ ہی میں کسی مداہنت کے پیش نظر تمہارے لیے کوئی ایسا لفظ استعمال کرنا روا رکھتا ہوں جس سے اس قسم کا شبہ تک بھی پیدا ہو۔ میرے نزدیک تم کافر ہو اور میں اسی لفظ سے تمہیں مخاطب کر رہا ہوں نیز کافرون کہہ کر اس امر کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ میری تمہاری کوئی ذاتی مخاصمت نہیں۔ میری اور تمہاری عداوت کی وجہ یہ بھی نہیں کہ میرے اور تمہارے دنیاوی مفادات میں تصادم ہے۔ میں نے تو فقط اس لیے تم سے قطع تعلق کر لیا ہے کہ تم نے کفر کو اپنا شعار بنا لیا ہے۔ اگر تم کفر کو ترک کر دو اور ایمان قبول کر لو تو میری اور تمہاری دشمنی، محبت و اخوت میں بدل جائے گی، میں تمہیں اپنے سینے سے لگا لوں گا اور ہم سب توحید کے پرچم کے نیچے متحد و متفق ہو جائیں گے۔

[2] ان آیات کا ترجمہ تو واضح ہے۔ بظاہر ان میں تکرار نظر آتا ہے، لیکن درحقیقت ایسا نہیں۔ پہلی دو آیتیں مستقبل سے متعلق ہیں اور پچھلی دو آیتیں ماضی سے تعلق رکھتی ہیں۔ دو ٹوک الفاظ میں فرما دیا کہ نہ میں نے زمانہ ماضی میں کبھی تمہارے معبودان باطل کی پرستش کی اور نہ آئندہ کبھی تم مجھ سے اس کی توقع کر سکتے ہو۔ تم یہ چاہتے ہو کہ میں ایک سال تمہارے معبودوں کی پرستش کروں اور ایک سال تم میرے خداوند حقیقی کی عبادت کرو۔ کان کھول کر سن لو ایک سال تو بڑا لمبا عرصہ ہے، میں تو ایک لمحے کے لیے بھی تمہارے ان جھوٹے خداؤں کی عبادت نہیں کروں گا۔ میرا سر جھکے گا، تو صرف اپنے پروردگار کے سامنے جو وحدہٗ لاشریک ہے، میری جبین نیاز سجدہ ریز ہوگی تو صرف اپنے اس خداوند قدوس کی بارگاہ اقدس میں جو کائنات کی ہر چیز کا خالق بھی ہے اور مالک بھی، مجھے پیدا بھی اسی نے کیا ہے، مجھے نبوت و رسالت کا رتبہ بھی اسی نے بخشا ہے۔ میں ایک لمحے کے لیے بھی یہ تصور نہیں کر سکتا کہ اس کے علاوہ کسی غیر کو اپنا معبود و مسجود بناؤں؛ چنانچہ علامہ زمخشری کہتے ہیں لا اعبد ارید بہ العبادۃ فی ما یستقبل لان لا۔ لا تدخل الا علی مضارع فی معنی الاستقبال۔ یعنی مضارع پر لا داخل ہے اور اس صورت میں مستقبل کی نفی کرتا ہے۔

ان آیات کی تفسیر میں مندرجہ توجیہ کے علاوہ متعدد اقوال بھی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ چوتھی آیت دوسری آیت کی تاکید کر رہی ہے کیونکہ دوسری آیت جملہ فعلیہ ہے جو تجدد و حدوث پر دلالت کرتا ہے اور چوتھی جملہ اسمیہ ہے جو ثبات اور ہمیشگی پر دلالت کرتا ہے۔ چوتھی آیت سے دوسری آیت کو مؤکد کر دیا۔ تیسری آیت کی تاکید پانچویں آیت کر رہی ہے کیونکہ الفاظ

عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ﴿۳﴾ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ﴿۴﴾ وَلَآ اَنْتُمْ

کرنے والے ہو اس (خدا) کی جس کی میں عبادت کیا کرتا ہوں ۳؎ اور نہ ہی میں کبھی عبادت کرنے والا ہوں جن کی تم پوجا کیا کرتے ہو ۴؎ اور نہ تم اس

عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ﴿۵﴾ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ﴿۶﴾

کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کیا کرتا ہوں ۵؎ تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین ۶؎

بالکل یکساں ہیں۔ کلام عرب میں اس قسم کی تاکید نظم و نثر دونوں میں کثیر الاستعمال ہے، چنانچہ ایک شعر ہے ؎

نعق الغراب ببین لیلیٰ غدوۃ ۔۔۔ کم، کم وکم بفراق لیلیٰ ینعق

کہ جدائی کا کوا صبح کے وقت لیلیٰ کی جدائی کی خبر دینے کے لیے بولا وہ کب تک، کب تک، کب تک لیلیٰ کے فراق پر چلاتا رہے گا۔

اس تکرار کا مدعا یہ ہے کہ کفار کو ہمیشہ کے لیے مایوسی ہو جائے کہ مسلمان ان کے کفر کو ایک لمحے کے لیے بھی قبول نہیں کریں گے۔ نیز ان کے بارے میں بتا دیا کہ وہ کبھی مسلمان نہیں ہوں گے۔ وفائدۃ ھذا التوکید قطع اطماع الکفار وتحقیق الاخبار بموافاتھم علی الکفر وانھم لایسلمون ابداً (بحر)

۳؎ الکافرون سے کیونکہ وہ گنتی کے چند بدبخت مراد ہیں جن کی قسمت میں ایمان لانے کی سعادت نہ تھی اس لیے ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا جس حی وقیوم کی میں عبادت کرتا ہوں تم کبھی اس کی عبادت نہ کرو گے۔ کفر میں تم اس قدر متعصب ہو کہ تم نے غور و فکر کے سارے دیے بجھا دیے ہیں۔ عقل و فہم کی قوتوں کو تم نے بانجھ بنا دیا ہے۔

۴؎ زمخشری کہتے ہیں کہ اس کا تعلق زمانہ ماضی سے ہے کہ میں نے آج تک کسی معبود باطل کی عبادت نہیں کی جن کے سامنے تم اپنی پیشانیوں کو گھساتے رہتے ہو اور اپنی ناک رگڑتے رہتے ہو۔ یعنی لم تعھد منی عبادۃ صنم فی الجاھلیۃ وکیف ترجی منی فی الاسلام۔ (کشاف) نبوت کے اعلان سے پہلے جب میرا دامن کفر و شرک کی ہر آلائش سے پاک رہا ہے، تو اب جبکہ میں نے اپنی نبوت کا اعلان بھی کر دیا ہے اور میرے خداوند نے میرے سینے کو نور نبوت سے روشن اور مستنیر کر دیا ہے شک وشبہ کا شائبہ تک بھی باقی نہیں رہا۔ اس وقت اگر تم مجھ سے شرک کی توقع کرو تو تم سے بڑا بیوقوف دنیا میں اور کوئی نہیں۔

۵؎ اسی طرح تم نے گزشتہ زمانے میں کبھی اس معبود برحق کی عبادت نہیں کی جس کی عبادت کا شرف مجھے حاصل رہا۔

کہا جاتا ہے کہ ما کا لفظ عام طور پر غیر ذوی العقول اور بے جان چیزوں کے لیے استعمال ہوتا ہے، اس لیے ما اعبد کی جگہ من اعبد ہوتا تو زیادہ بہتر تھا۔ اس کے کئی جواب دیے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ پہلی دو آیتوں میں ما۔ الذی کے معنی میں مستعمل ہے اور دوسری دو آیتوں میں ما مصدریہ ہے۔ ای اعبد عبادتکم ولا تعبدون عبادتی۔ یعنی جس طرح تم عبادت کرتے ہو میں عبادت نہیں کرتا اور جس طرح میں عبادت کرتا ہوں اس طرح تم عبادت نہیں کرتے۔ دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ

ما یہاں ذات پر دلالت کرنے کے لیے نہیں بلکہ صفت پر دلالت کر رہا ہے۔ کانہ قال لا اعبد الباطل ولا تعبدون الحق۔

۶ے حق و باطل میں آمیزش کا میں قائل نہیں۔ مجھے ایسے اتحاد کی بھی ضرورت نہیں جو باطل کے ساتھ مصالحت پر موقوف ہو۔ بے شک تم اپنے کفر پر ڈٹے رہو، میری خاطر تم اس کفر میں توحید کا پیوند نہ لگاؤ۔ ان دونوں میں کوئی جوڑ نہیں۔ ان میں کوئی مناسبت نہیں۔ اس طرح میں تمہارے فریب میں آکر توحید کو کفر سے ہرگز نہیں کروں گا کیونکہ اس صورت میں توحید، توحید نہ رہے گی۔ حق کا نور پھیلانے کے لیے مجھے مبعوث کیا گیا ہے۔ اگر میں تمہاری بات مان لوں تو حق، باطل بن جائے گا۔

تم اپنے حال میں مست رہو، میں اپنے حق پر ثابت قدم رہتا ہوں۔ حق و باطل کا یہ معرکہ اپنے منطقی نتیجہ پر پہنچ کر رہے گا۔ تم دیکھو گے کہ چند بدنصیبوں کے سوا سارا جزیرۂ عرب اسلام قبول کرے گا۔

لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین

وصلی اللہ تعالٰی علٰی حبیبہ وصفیہ محمد وعلٰی

آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

تعارف

سُورۃُ النصر

نام : اس سورہ مبارکہ کے کئی نام ہیں۔ اسے سورۃ تودیع یعنی الوداعی سورۃ بھی کہتے ہیں کیونکہ اس میں اس امر کی طرف واضح اشارہ ہے کہ اللہ کا حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اپنے فرائض نبوت کو بحسن وخوبی انجام دینے کے بعد اپنے رب کے حضور میں مراجعت فرما ہونے سے پہلے اپنے جاں نثار غلاموں کو الوداع کہہ رہا ہے۔

اسے سورت فتح بھی کہتے ہیں، لیکن اس کا مشہور ترین نام النصر ہے جو پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔

یہ ایک رکوع اور تین آیات پر مشتمل ہے۔ اس کے کلمات کی تعداد اُنیس ہے اور حروف کی اناسی۔

زمانۂ نزول : ہجرت کے بعد جو سُورتیں نازل ہوئیں انہیں مدنی کہا جاتا ہے خواہ ان کا نزول مدینہ طیبہ میں ہُوا ہو یا اثنائے سفر مدینہ سے باہر کسی دُوسرے مقام پر۔ ہجرت کے بعد جو سُورت مکّہ مکرمہ میں نازل ہوئی اُسے بھی مدنی سورتوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ یہ سورت مکّہ مکرمہ میں نازل ہوئی، لیکن ہجرت کے بعد نازل ہُوئی اس لیے اسے مدنی ہی کہا جاتا ہے۔

علماء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ قرآن کریم کی یہ آخری مکمل سورت ہے جو سرور عالمیان علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوئی۔

اس سورت کے نزول کے وقت کے بارے میں دو قول ہیں ایک یہ کہ یہ فتح مکّہ کے وقت نازل ہُوئی۔ یہ وہ ساعتِ سعید ہے کہ چند سال پہلے جو ہستی یہاں سے ہجرت کرنے پر مجبور ہُوئی تھی اور اس کے ساتھ صرف ایک جاں نثار ابوبکر تھا، آج وہ دس ہزار کے لشکرِ جرار کو ہمراہ لیے مکّہ میں داخل ہو رہی ہے۔ اہلِ مکّہ نے اتنا بڑا لشکر آج تک نہیں دیکھا تھا۔ ہر قبیلہ کا اپنا اپنا رسالہ ہے۔ گھوڑوں اور اُونٹوں پر سوار ہیں۔ جسموں پر آہنی زرہیں اور سروں پر فولادی خود چمک رہے ہیں۔ جوش وخروش کا عجیب عالم ہے۔ جب یہ فوج ظفر موج وادیٔ بطحا سے گزرتی ہے تو زمین ان کے قدموں کے نیچے لرز جاتی ہے۔ ایک عجیب رُوح پرور منظر ہے۔ کفر کے سارے دفاعی مورچے پیوند خاک ہو چکے ہیں۔ مخالفت کے طوفان سہم کر رہ گئے ہیں۔ ہر شخص کو اپنے انجام کی فکر نے حواس باختہ کر دیا ہے لیکن اس لشکر کے سپہ سالار نے تاکیدی ہدایات جاری کر دی ہیں کہ خون خرابہ سے قطعاً اجتناب کیا جائے۔ کسی پر دست درازی نہ کی جائے۔ تلواریں میانوں میں، تیر ترکشوں میں، کمانیں کندھوں سے آویزاں رہیں۔ اس وقت تک کوئی تلوار بے نیام نہ ہو جب تک مکّہ والوں کی طرف سے پہل نہ ہو۔ اعلان عام کر دیا گیا ہے کہ جو حرم میں پناہ لے گا، جو گھر کے کواڑ بند کر دے گا، بلکہ جو ابوسفیان کی حویلی میں داخل ہو جائے گا سب کو امان ہے۔

مکہ کا فاتح اگر کوئی بادشاہ ہوتا، کوئی ڈکٹیٹر ہوتا، کوئی فوجی جرنیل ہوتا تو آج مکہ کی اینٹ سے اینٹ بجادی جاتی، قتلِ عام کا حکم دے دیا جاتا، پل بھر میں کشتوں کے پشتے لگ جاتے، خون کے دریا بہنے لگتے۔ ہر سو آگ کے شعلے بھڑک رہے ہوتے، لیکن ان باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی تو آج نہیں ہو رہی۔ کیونکہ آج کا فاتح محمد رسول اللہ ہے۔ آج کا فاتح رحمۃ للعالمین کی خلعتِ فاخرہ پہنے ہوئے ہے۔ آج کا فاتح قیامت تک فاتح بن کر داخل ہونے والوں کے لیے اپنا اسوۂ حسنہ پیش کرنا چاہتا ہے۔ حضور اپنی ناقہ قصویٰ پر سوار ہیں۔ سر فخر سے تنا ہوا نہیں۔ گردن غرور سے اکڑی ہوئی نہیں، بلکہ سر جھکا ہوا ہے اتنا جھکا ہوا کہ پالان کے سامنے والی لکڑی کو چھو رہا ہے۔ چشمِ مبارک سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہے۔ ہونٹوں پر اپنے خداوند کریم کی عظمت و کبریائی کے کلمات ہیں۔ دل اپنے رؤف و رحیم پروردگار کے الطاف بے پایاں پر شکر گزار ہے۔ ہر ادا دلنواز ہے۔ ہر نگاہ روح پرور ہے۔ ہر قدم ناز پر امیدوں اور آرزوؤں کے چمن آباد ہو رہے ہیں۔ اس وقت جبریل امین یہ مبارک سورت لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوتے ہیں اور فتح و کامرانی کی تقریب منانے کا الٰہی منشور پیش کرتے ہیں۔

دیگر روایات کے مطابق یہ سورت حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی۔ منیٰ کا میدان قدسی صفات بندوں کے پرنور چہروں اور ضیا بار پیشانیوں کے باعث نورٌ علیٰ نور ہے۔ تہلیل و تسبیح کی دلنواز صدائیں ہر گوشہ سے بلند ہو رہی ہیں۔ شرک و بت پرستی کے وطن میں آج توحید کا بابرکت پرچم نصب کیا جا رہا ہے۔ سارا جزیرۂ عرب اسلام قبول کر چکا ہے۔ عناد و فساد کی آخری چنگاری بھی بجھ گئی ہے۔ انسانیت کا ہادیٔ برحق اور مرشد کامل اپنے خالق کا محبوب بندہ اور برگزیدہ رسول اپنی ناقہ پر سوار ہو کر اپنا تاریخ ساز خطبہ ارشاد فرما رہا ہے۔ بین الاقوامی قانون، بین الاقوامی اخلاقی ضابطوں اور فلاح دارین کے اصول بیان کر رہا ہے۔ اس وقت یہ سورت نازل ہوتی ہے جس میں فتح و کامرانی کی حالت میں جن آداب کی پابندی ضروری ہے ان کی وضاحت کی جا رہی ہے۔

ہر میدان میں اسلام کی عظمت کے پرچم لہرانے کی اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔ اور ہر حالت میں ہمیں ان آداب کی پابندی کی ہمت بخشے جو اس نے امتِ محمدیہ علی صاحبہا احسن الصلوٰۃ واجمل التحیہ کے لیے مقرر فرمائے ہیں۔

آمین بجاہ طٰہٰ و یٰسٓ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم

سُوْرَةُ النَّصْرِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثُ اٰيٰتٍ

سورہ النصر مدنی ہے اور اس کی تین آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝۱ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ

جب اللہ کی مدد آپہنچے اور فتح (نصیب ہوجائے) اور آپ دیکھ لیں لوگوں کو کہ وہ داخل ہو رہے ہیں اللہ کے دین میں فوج

اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝۲ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝۳

در فوج۔ تو اس وقت) اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے اس کی پاکی بیان کیجیے[1] اور (اپنی امت کے لیے) اس سے مغفرت طلب کیجیے[2] بیشک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے[3]

ع ۳ | ۳۵ | ۱۰

ا: پہلی آیت میں ہی بتا دیا کہ اگر تکمیلِ فرض کی سعادت حاصل ہو کسی مہم میں کامیابی نصیب ہو تو اے بندگانِ خدا بھولے سے بھی یہ خیال نہ کرنا کہ اس کامیابی میں تمہاری قابلیت، تمہاری ہونہاری، تمہاری ہوشیاری کا بھی دخل ہے، بلکہ یہ یقین رکھنا کہ یہ میرے بندہ نواز خدا کی نصرت اور تائید کی برکت ہے۔ میری یہ کامیابی اس کی امداد کی مرہونِ منت ہے۔ اگر تم اسے اپنی قابلیت کا نتیجہ خیال کرو گے تو تمہارے دل میں غرور پیدا ہو جائے گا اور مغرور فاتحین سے ایسی ایسی نازیبا حرکتیں سرزد ہوتی ہیں کہ ان کی کامیابی، شکست سے بھی زیادہ ان کے لیے رسوا کن بن جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول اور پیارے بندے محمد مصطفےٰ علیہ اطیب التحیۃ والثنا کو فرما رہا ہے کہ جب میری مدد تشنہ پناہی کے لیے پہنچ جائے اور میری مہربانی سے فتح نصیب ہو جائے اور جو لوگ اب تک شمعِ اسلام کو بجھانے کے لیے طوفان بن کر اٹھتے رہے وہ اس پر پروانوں کی طرح نثار ہونے لگیں اور فوج در فوج اس دین کو قبول کرنے لگیں تو آپ کا فرض یہ ہے کہ آپ اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے اس کی پاکی بیان کریں۔

فتح مکہ کے بعد فوراً دس ہجری میں جزیرہ عرب میں دُور و نزدیک جتنے قبائل آباد تھے وہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہونے لگے اور حضورؐ کے دستِ حق پرست پر اسلام قبول کرنے لگے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس کثرت سے لوگوں کے اسلام قبول کرنے پر اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح کثرت سے فرمایا کرتے۔

خود سوچیے جس قوم کو دشمن پر مکمل فتح بھی مدہوش اور بدمست نہ کرسکے وہ کتنی عالی ظرف قوم ہے۔ اس کا وجود انسانیت کے لیے منبعِ خیر و سعادت ہے۔ جب تک اس کا آفتابِ اقبال چمکتا رہے گا غم واندوہ کی تاریکیاں انسانیت کے نزدیک آنے

کی جرأت نہ کر سکیں گی۔

۲؎ اس جملے سے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب رسول کو استغفار کا حکم دے رہا ہے تاکہ قیامت تک آنے والے غلاموں کے لیے استغفار ان کے نبی کی سنت بن جائے اور کوئی شخص طلب مغفرت میں تذبذب محسوس نہ کرے۔ علمائے تفسیر نے اس کا یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ اپنی امت کے گناہوں کے لیے اپنے رب سے بخشش کی التجا کیجیے۔ آپ کے ہاتھ استغفار کے لیے جب اٹھیں گے تو وہ خالی واپس نہیں کیے جائیں گے۔ چنانچہ علامہ ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں۔ او المعنی استغفر لامتك۔ (تفسیر مظہری) یعنی اے حبیب! آپ اپنی امت کے لیے مغفرت طلب کیجیے۔ یہی الفاظ علامہ قرطبی نے بھی تحریر کیے ہیں۔ وقیل استغفر لامتك۔ (قرطبی)

اس مفہوم کو حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مخصوص انداز میں یوں لکھا ہے:

"چوں عارف بمرتبہ تکمیل رسید واز ہر گونہ مردم تابع او شدند واستعدادات آں ہا در نقصان وکمال تفاوت فاحش دارد لاجرم او را می باید کہ برائے تکمیل ناقصاں طلب آمرزش نماید تا آں ہمہ نقصانات اصلیہ استعداد باتباع او روز محشر منجبر بکمال استقلالی او گردد"

ترجمہ: جب عارف ایسے مرتبہ پر فائز ہوتا ہے جہاں وہ دوسروں کو باکمال بنا سکتا ہے تو اس کے مریدوں میں ہر قسم کے لوگ شامل ہو جاتے ہیں جن کی صلاحیتوں اور استعدادوں میں بہت تفاوت ہوتا ہے۔ کوئی بالکل ناقص اور کوئی کامل مکمل اس وقت عارف کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے تاکہ اس کے ناقص مرید بھی مرتبہ کمال پر فائز ہو جائیں اور عارف کی اس دعائے مغفرت کے باعث جبلی استعداد میں جو خامی تھی وہ پوری ہو جائے۔

۳؎ اس کا ایک معنی تو یہ ہے کہ وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے جب کوئی رُوسیاہ اور بدکار اس کے درِ کرم پر پہنچ جاتا ہے تو اس کی رحمت اس کا استقبال کرتی ہے اور اس کے گناہوں کو معاف کر دیا جاتا ہے۔ دوسرا معنی شاہ صاحب موصوف نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"ہر آئینہ او تعالیٰ بفیض رجوع می کند در حق ناقصاں۔ وتکمیل رحمت می فرماید پس از وے بعید نیست کہ اتباع ترا بطفیل تو کامل سازد۔" یعنی اللہ تعالیٰ اپنی نگاہِ فیض سے ناقصوں کی طرف توجہ فرماتا ہے اور ان کے نقص کو کمال سے بدل دیتا ہے۔ اے اللہ کے رسول! اس کی رحمت سے ذرا بعید نہیں کہ وہ آپ کے طفیل آپ کے ناقص امتیوں کو مرتبہ کمال پر فائز فرمائے۔

○

اللھم تب علینا انك انت التواب الرحیم بجاہ حبیبك محمد الرؤف الرحیم علیہ و علی الہ واصحابہ افضل الصلوٰۃ واجمل التسلیم۔

○

تعارف

سُورۃ اللھب

نام : اس سورت کا نام اللھب ہے۔ اس میں ایک رکوع، پانچ آیتیں، بیس کلمات اور اسّی حروف ہیں۔

نزول : یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس کی شانِ نزول کے بارے میں اس سورت کا حاشیہ ملاحظہ فرمایئے۔

یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ قرآن کریم میں نام لے کر ابولہب کا ذکر کیوں کیا گیا۔ حالانکہ مکہ، مدینہ اور دیگر قبائل عرب میں حضور کے دشمنوں اور دین کے بدخواہوں کی کمی نہ تھی۔ ان کی اذیت رسانیاں، دل آزاریاں اور اسلام کو بحیثیت دین ناکام کرنے کی کوششیں ابولہب کی سازشوں سے کسی طرح کم نہ تھیں۔ پھر اس کی کیا خصوصیت ہے جس کے باعث اس کا نام لے کر اس کی گوشمالی کی گئی۔

جہاں محبت کی توقع ہو وہاں سے اگر نفرت و عداوت کا لاوا پھوٹ نکلے۔ جہاں سے تائید و اعانت کی امید ہو وہاں سے مخاصمت کا طوفان اٹھنے لگے تو یقیناً یہ چیز بڑی تکلیف دہ ہوتی ہے۔ ابولہب حضور کا حقیقی چچا تھا۔ حضرت عبداللہ اور ابولہب دونوں حقیقی بھائی تھے۔ اس سے بجا طور پر یہ امید کی جا سکتی تھی کہ وہ اپنے سگے بھائی کے یتیم بیٹے کے ساتھ شانہ بشانہ کھڑا ہو گا اور اس کی تائید و نصرت میں ذرہ برابر کوتاہی نہیں کرے گا۔ نیز یہ بنی ہاشم کا رئیس تھا۔ عرب کا وہ معاشرہ جس میں ہادیِ برحق صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اس میں ہر قسم کی مرکزیت قبیلہ کو حاصل تھی۔ قبیلہ کے ہر فرد کی امداد کرنا اس قبیلہ کے سردار کی اخلاقی اور سیاسی ذمہ داری تھی۔ اگر وہ فرد ظالم بھی ہوتا تو مظلوم کی مدد کے بجائے قبیلے کے سارے افراد اپنے ظالم بھائی کی مدد کرنا ضروری سمجھتے۔ ابولہب بنی ہاشم کا رئیس تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی ہاشمی تھے۔ اس کا یہ فرضِ اوّلین تھا کہ وہ اپنے خاندان کے ایک باکمال فرد کی دعوت کو قبول کرتا اور دعوت کو کامیاب بنانے کے لیے اپنے سارے وسائل داؤ پر لگا دیتا۔

خونی اور خاندانی قریبی تعلقات کے علاوہ وہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پڑوسی تھا۔ دونوں مکانوں میں صرف ایک دیوار حائل تھی۔ پڑوسی کا حق دنیا کے ہر معاشرہ میں مسلّم ہے۔ نیز ہمسائگی کے باعث وہ حضور کے ذاتی اور عائلی ایسے حالات کو بھی جانتا تھا جن سے عموماً دوسرے لوگ واقف نہیں ہوتے۔ ایسی پاکیزہ زندگی، ایسی من موہنی سیرت، ایسے بے داغ کردار کا مشاہدہ وہ شب و روز کرتا اور پھر بھی اس مرقعِ زیبائی و رعنائی پر کیچڑ اچھالنے سے باز نہ آتا تھا۔ پھر جس شدت اور خست سے وہ اپنی عداوت کا مظاہرہ کیا کرتا اس کی بھی نظیر مشکل سے ہی ملے گی۔ حضور اپنے گھر میں جب مصروفِ عبادت ہوتے تو وہ مردہ جانوروں کے بدبودار اوجھ گلی سڑی آنتیں اٹھا کر لاتا اور حضور پر پھینک دیتا۔ گھر کے آنگن میں

کوڑا کرکٹ ڈالنا اور جہاں ہنڈیا پک رہی ہوتی وہاں غلاظت پھینکنا اس کا روزمرہ کا معمول تھا۔ صرف اسی پر بس نہیں' اس کی بدبخت بیوی امارت و وجاہت کے باوصف خود جنگل میں جاتی اور خاردار ٹہنیاں چنتی' ان کا گٹھا اپنے سر پر اٹھا کر لاتی اور رات کے وقت حضور کی راہ میں ڈال دیتی تاکہ آخر شب جب حضور حرم کی طرف تشریف لے جائیں' تو آپ کے نرم و نازک پاؤں میں کوئی کانٹا ہی چبھ جائے۔

اعلانِ نبوت سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دو صاحبزادیاں اُس کے دو بیٹوں' عتبہ اور عتیبہ کے ساتھ بیاہی گئی تھیں۔ جب سرور عالم نے اسلام کی تبلیغ شروع کی تو اس نے اپنے دونوں بیٹوں کو بلایا اور دو ٹوک الفاظ میں کہا کہ اگر تم ان کی بیٹیوں کو طلاق نہیں دو گے تو تمہاری میری بول چال' لین دین' آنا جانا قطعاً بند ہو جائے گا۔ تم میرا منہ بھی نہ دیکھ سکو گے۔ چنانچہ دونوں نے حضور کی صاحبزادیوں کو طلاق دے دی اور عتیبہ نے اپنے خبثِ باطن کا کچھ زیادہ ہی مظاہرہ کیا۔ کہنے لگا میں والنجم اذا ھوی کے رب کا کفر کرتا ہوں۔ اس ناپاک نے رُخِ انور پر تھوکنے کی جسارت کی جو لوٹ کر اسی کے قبیح منہ پر آ پڑی۔ حضور کی زبان سے نکلا' الٰہی اپنے کتوں میں سے ایک کتا اس ناہنجار پر مقرر فرمائے۔ چنانچہ ایک سفر میں ایک شیر نے اسے پھاڑ ڈالا' لیکن نہ اس کا ناپاک خون پیا اور نہ اس کے پلید گوشت کو کھایا۔ اس واقعہ کی تفصیل آپ سورۃ النجم کے حواشی میں پڑھ چکے ہوں گے۔

ابولہب کی بدباطنی کا ایک اور واقعہ سُنیے: نبوت کے ساتویں سال کفار مکہ نے حضور کے ساتھ اور حضور کے سارے خاندان بنی ہاشم اور بنی مطلب کے ساتھ مکمل بائیکاٹ کا اعلان کیا تو بنی ہاشم اور بنی مطلب کے وہ افراد بھی جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا محض قبائلی عصبیت کے باعث شعبِ ابی طالب میں محصور ہو گئے' لیکن ابولہب نے ہاشمی ہوتے ہوئے حضور کی مخالفت کی اور اس بائیکاٹ میں کفار مکہ کا ساتھ دیا۔

دینِ اسلام اور رسولِ اسلام سے اس کا بغض و عناد اتنا شدید تھا کہ وہ ہر وقت حضور کے پیچھے لگا رہتا اور حضور کی تکذیب کرتا۔ حضور کا یہ معمول تھا کہ جہاں کہیں تجارتی بازار لگتے یا لوگوں کا اجتماع ہوتا وہاں تشریف لے جاتے اور حاضرین کو توحید کی دعوت دیتے۔ یہ کمبخت ہر ایسے موقع پر پہنچ جاتا اور چلا چلا کر لوگوں کو کہتا کہ لوگو! یہ میرا بھتیجا ہے' یہ دیوانہ ہو گیا ہے اس کے قریب مت جانا' اس کی بات ہرگز نہ سننا ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے۔ الغرض اس سے اسلام کی تائید و نصرت کی جتنی توقعات وابستہ کی جاسکتی تھیں وہ ان کے برعکس اتنی شدت سے ہی اسلام کی مخالفت میں سرگرم رہا کرتا۔ عداوت و مخالفت میں اس کا بڑا نمایاں کردار تھا جو ایک انفرادی حیثیت کا مالک تھا۔ اس لیے قرآنِ کریم میں اس کا نام لے کر لعنت کی بوچھاڑ کی گئی۔ ابولہب اس کی کنیت تھی اور اسی سے وہ زیادہ مشہور تھا۔ عبدالعزیٰ اس کا نام تھا۔ یہ ناپاک نام اس قابل نہ تھا کہ اس کو قرآن میں ذکر کیا جاتا۔ اس لیے اس کے نام کے بجائے اس کی کنیت ابولہب ذکر کی گئی تاکہ لوگوں کو اس کے دوزخی ہونے کا بھی پتہ چل جائے۔

اس سورت کے مطالعہ سے اس امر کا بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ بارگاہِ رسالت میں معمولی سی گستاخی سے جبینِ قدرت پر کس طرح شکن پڑ جاتے ہیں' غضبِ خداوندی کے شعلے کس طرح بھڑکنے لگتے ہیں۔ اس بدنصیب نے تو ایک انگلی اٹھا کر

اشارہ کیا اور نازیبا الفاظ بکے۔ اس کے جواب میں رحمتِ عالم نے تو اسی حلم اور عفو و درگزر کا ثبوت دیا جو آپ کی شایانِ شان تھا لیکن غیرتِ خداوندی جوش میں آگئی اور تبت یدا ابی لھب فرما کر ہر بے ادب اور ہر گستاخ کو صاف صاف بتا دیا کہ اگر تم سے کوئی ایسا لفظ یا فعل صادر ہوا جس سے میرے حبیب کی شان میں بے ادبی کا کوئی پہلو نکلے تو یاد رکھو غضب الٰہی کی بجلی کوندے گی اور تمہیں جلا کر خاکستر کر دے گی۔ عزت بخاری نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا

◎

سُوْرَةُ اللَّهَبِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسُ آيَاتٍ

سورہ اللھب مکی ہے اور اس میں پانچ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ① مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ②

ٹوٹ جائیں ابولہب کے دونوں ہاتھ اور وہ تباہ و برباد ہو گیا[۱] کوئی فائدہ نہ پہنچایا اسے اس کے مال نے اور جو اس نے کمایا[۲]

۱۔ تَبَّ کا لفظ خسران، نامرادی اور بربادی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ وَمعنی تَبَّتْ خَسِرَتْ وقیل خابَتْ وقیل هَلَكَتْ۔ (قرطبی)

جب حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: وانذر عشیرتک الاقربین کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے۔ اس ارشاد الٰہی کی تعمیل کے لیے حضور صفا کی پہاڑی پر کھڑے ہوئے اور یاصباحاہ بلند آواز سے کہا۔ عرب کا دستور تھا کہ جب کوئی ناگہانی آفت آجاتی اور لوگوں کو امداد کے لیے بلانا مقصود ہوتا تو "یاصباحاہ" کے الفاظ سے ندا کرتے۔ لوگوں نے جب یہ ندا سنی تو بھاگتے ہوئے صفا کی پہاڑی کے دامن میں آپہنچے اور جو خود حاضر ہونے سے قاصر تھے انہوں نے حقیقت حال دریافت کرنے کے لیے اپنے نمائندے بھیجے۔ جب سارے قریشی قبیلے جمع ہو گئے تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں تمہیں یہ بتاؤں کہ اس پہاڑ کے پیچھے سے دشمنوں کا لشکر سوار دستہ تم پر حملہ کرنے کے لیے آرہا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ سب نے بیک زبان جواب دیا بے شک ہم آپ کی تصدیق کریں گے کیونکہ ہم نے آج تک آپ کی زبان سے سچ ہی سنا ہے۔ حضور نے فرمایا میں تمہیں تنبیہ کرتا ہوں کہ اگر تم شرک سے باز نہ آئے تو خدا کا عذاب تمہیں نیست و نابود کر دے گا۔ ابولہب، جو حضور کا چچا تھا، اس نے انگلی اٹھا کر اشارہ کیا اور گستاخی کرتے ہوئے بولا تَبًّا لَكَ اَمَا جَمَعْتَنَا اِلَّا لِهٰذَا۔ اللہ تعالیٰ کو اس گستاخ کی گستاخی اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں سخت ناگوار گزری اور انتہائی غضب اور ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں جن ہاتھوں کی ایک انگلی بے ادبی کے لیے اٹھی ہے وہ دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں، انہیں کبھی اپنے مقصد میں کامیابی نہ ہو، یہ بددعا ہے۔ وَتَبَّ فرمایا کہ وہ تباہ و برباد ہو گیا، وہ ٹوٹ پھوٹ کر رہ گیا، اس کا جسم ریزہ ریزہ کر دیا گیا اور جو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تھا اسے پورا ہونے میں زیادہ دیر نہ لگی۔ بزدلی کے باعث بدر کی جنگ میں یہ شریک نہ ہوا، لیکن بدر کی عبرت ناک شکست پر ابھی صرف ایک ہفتہ ہی گزرا تھا کہ اس کے جسم پر ایک زہریلا پھالا (العدسہ) نمودار ہوا جو چند دنوں میں اس کے سارے جسم پر پھیل گیا۔ ہر جگہ سے بدبودار پیپ بہنے لگی۔ گوشت گل گل کر گرنے لگا۔ اس کے بیٹوں نے جب دیکھا کہ اسے ایک متعدی بیماری لگ گئی ہے تو انہوں نے اس کو اپنے گھر سے باہر نکال دیا اور تڑپتے تڑپتے اس نے جان دے دی۔ اب بھی اس کی نعش کو ٹھکانے

سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ﴿۳﴾ وَّامْرَاَتُهٗ ۭ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ﴿۴﴾

عنقریب وہ جھونکا جائے گا شعلوں والی آگ میں ۳؎ اور اس کی جورو بھی ۴؎ بدبخت ایندھن اٹھانے والی ۵؎

لگانے کے لیے کوئی عزیز اس کے قریب نہ گیا۔ تین دن تک اس کی لاش پڑی رہی۔ جب اس کے تعفن اور بدبو سے لوگ تنگ آگئے اور اس کے بیٹوں کو لعنت ملامت شروع کی تب انہوں نے چند حبشی غلاموں کو اس کی لاش ٹھکانے لگانے پر مقرر کیا۔ انہوں نے ایک گڑھا کھودا اور لکڑیوں سے اس کی لاش کو دھکیل کر اس گڑھے میں پھینک دیا اور اوپر سے مٹی ڈال دی۔ اتنے بڑے قوم کے سردار اور مکہ کے چوٹی کے چار رئیسوں میں سے ایک رئیس کا یہ حشر اللہ تعالیٰ کے غضب ہی کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔ اولاد اپنے باپ کو یوں کس مپرسی کے عالم میں نہیں چھوڑا کرتی مرنے کے بعد اس کی لاش کو یوں گلتے سڑتے نہیں دیکھ سکتی لیکن جب اللہ تعالیٰ کا غضب آتا ہے تو اولاد کے دل میں محبت یا فاہر داری کے جذبات بھی ختم ہو جاتے ہیں اور اس کا وہی حشر ہوتا ہے جو اس گستاخ بارگاہ نبوت کا ہوا۔ سارے اہل مکہ نے دیکھا کہ مصطفیٰ کریم نے اپنے رب کی طرف سے جو یہ پیشگوئی کی تھی وہ حرف بحرف پوری ہوئی۔ نعوذ باللہ من غضبہ ومن غضب رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

بعض علما کا خیال ہے کہ تَبَّتْ یہ جملہ خبریہ ہے اور تَبَّ بھی جملہ خبریہ اور اس سے مراد تاکید ہے۔ لیکن علامہ قرطبی نے فراء کا یہ قول نقل کیا ہے کہ تَبَّتْ يَدَا۔ یہ بددعا ہے اور تَبَّ جملہ خبریہ ہے۔ پہلے فرمایا ایسا ہو جائے پھر بتا دیا ایسا ہو گیا۔ قال الفراء التب الاول دعاء والثانی خبر (قرطبی) علامہ پانی پتی بھی فرماتے ہیں: اخبار بعد اخبار للتاکید او الاولی دعائیۃ والثانی اخباریۃ۔ (مظہری)

ابولہب کا نام عبد العزیٰ تھا۔ اپنے حسن و جمال اور چمکتے ہوئے چہرے کی وجہ سے اس نے اپنی کنیت ابولہب رکھی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی کنیت ذکر کی اور اس کا نام ذکر نہیں کیا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ بتائی گئی ہے کہ وہ اپنے نام سے زیادہ اپنی کنیت سے مشہور تھا اور دوسری وجہ یہ کہ عبد العزیٰ (عزیٰ کا بندہ) یہ نام اس قابل نہ تھا کہ اسے قرآن کریم میں ذکر کیا جاتا۔

۲؎ یہ مکہ کے چار دولت مندوں میں سے ایک تھا۔ اس کے پاس آٹھ سیر سے زیادہ سونے کی اشرفیاں تھیں۔ دیگر جائیداد، سامان، مال مویشی اس کے ماسوا تھے اور صاحب اولاد بھی تھا۔ اس کے کئی لڑکے تھے جو اس کی موجودگی میں پورے جوان تھے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اسے پکڑا اور ایک زہریلا آبلہ اس کے جسم پر نمودار ہوا تو سارے نوکر، خادم، بھائی، رشتہ دار حتیٰ کہ اس کے اپنے فرزند بھی اس کو تڑپتا چھوڑ کر چلے گئے۔ اس دنیا ہی میں اس نے دیکھ لیا کہ جس دولت کی کثرت پر وہ فخر کیا کرتا تھا جن بیٹوں پر اس کو بڑا ناز تھا مصیبت کے وقت وہ اسے بے یار و مددگار چھوڑ کر چلے گئے اور اس کے ذرا کام نہ آئے۔ مَا كَسَبَ کا معنی بعض علما نے اولاد کیا ہے۔

۳؎ آج یہ میرے محبوب کی جناب میں گستاخی کرتا ہے، بے ادبی سے انگلی کا اشارہ کرتا ہے اور بڑی ڈینگیں مارتا ہے۔ قلیل عرصے کے بعد جب اسے اس گستاخی کا مزا چکھائیں گے اور اسے ایسی آگ میں جھونکیں گے جس میں شعلے اٹھ رہے ہوں گے۔

۴؎ اس کی بیوی کا نام اروہ تھا اور کنیت ام جمیل تھی۔ یہ ابوسفیان کی بہن تھی اور بھینگی تھی اور اس کے دل میں حضور کی عداوت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اسلام دشمنی میں یہ اپنے بدبخت خاوند سے کسی طرح پیچھے نہ تھی۔ اس کا مشغلہ یہ تھا کہ دن کے وقت جنگل میں نکل جاتی، خاردار لکڑیاں چنتی رہتی اور گٹھا باندھ کر اٹھا لاتی اور رات کے وقت اُس راستے میں ان کانٹوں کو بچھا دیتی جس سے گزر کر اللہ کا حبیب اپنے پروردگار

فِیْ جِیْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ﴿٥﴾

اس کے گلے میں مونج کی رسّی ہوگی ؀٦

کی جناب میں سجدہ ریز ہونے کے لیے حرم کی طرف تشریف لے جاتا۔ جب یہ سورت نازل ہوئی تو یہ سن کر آگ بگولا ہوگئی اور اپنی مٹھیوں میں سنگریزے بھر کر حضور کی تلاش میں نکل کہ جہاں ملیں گے ان پتھروں سے خبر لوں گی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کعبہ کے پاس بیٹھے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق حاضر خدمت تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق نے جب اس کو آتے ہوئے دیکھا تو عرض کی، یا رسول اللہ! ام جمیل آرہی ہے اور یہ ضرور کوئی خباثت کرے گی۔ حضور نے ارشاد فرمایا وہ مجھے نہ دیکھ سکے گی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ وہ قریب آکر حضور کو نہ دیکھ سکی اور بڑبڑاتے ہوئے واپس چلی گئی۔ ارشاد فرمایا جس آگ میں اس کا گستاخ خاوند جلایا جائے گا اسی آگ میں وہ بھی جھونکی جائے گی۔

؀٥ حطب: ایندھن کو کہتے ہیں۔ جلانے کی لکڑی۔ حمالة: اٹھانے والی۔ ان الفاظ سے اس کے اس معمول کو بیان کیا گیا ہے جس پر وہ عمل پیرا رہی۔

حمالة الحطب کا ایک اور مفہوم بھی بیان کیا گیا ہے۔ جو شخص لوگوں کے درمیان چغل خوری کرے اس کے بارے میں کہتے ہیں۔ فلان یحطب علی فلان اذا ورش علیه۔ جب کوئی شخص لوگوں کے درمیان چغلیاں کھائے اور مخالفت کی آگ کو بھڑکائے اس کے لیے یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ ایسے شخص کی حدیث پاک میں بھی بڑی مذمت کی گئی ہے۔ ارشاد نبوی ہے: لا یدخل الجنة نمّام کوئی چغلخور جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

کعب احبار سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل میں قحط پڑ گیا۔ موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے ہمراہ تین دن تک بارش کی دعا کرتے رہے۔ لیکن ایک بوند بھی نہ گری۔ آخر آپ نے عرض کی: الٰھی عبادك — الٰہی یہ تیرے بندے ہیں۔ اگر تو رحم نہیں فرمائے گا تو کون رحم کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کی کہ موسیٰ! میں تمہاری دعا قبول کروں گا اور نہ تمہارے ساتھیوں کی، کیونکہ ان میں ایک ایسا آدمی ہے جو چغلخور ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا یارب العالمین! وہ کون ہے تاکہ ہم اسے اپنی صفوں سے نکال دیں۔ ارشاد ہوا اے موسیٰ! میں تمہیں چغل خوری سے روکتا ہوں، میں خود اس شخص کی چغلی کیسے کھا سکتا ہوں، چنانچہ سب نے مل کر توبہ کی پھر انہوں نے بارش کے لیے دعا مانگی جو قبول ہوئی۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ چغل خوری کبیرہ گناہ ہے۔ حضرت فضیل بن عیاض کا قول ہے: ثلاث تھد العمل الصالح ویفطرن الصائم وینقضن الوضوء، الغیبة والنمیمة والکذب۔ یعنی تین ایسی باتیں ہیں جو نیک اعمال کو غارت کر دیتی ہیں، روزہ توڑ دیتی ہیں اور وضو ٹوٹ جاتا ہے، غیبت، چغلی اور جھوٹ۔

اس کی ترکیب کے بارے میں متعدد اقوال ہیں، لیکن صحیح قول یہ ہے کہ اس کی نصب مذمت کی وجہ سے ہے۔ حمالة الحطب بالنصب علی الذم کانھا اشتھرت بذلك فجاءت الصفة للذم لا للتخصص۔ یعنی اپنی اس صفت کی وجہ سے وہ مشہور و معروف تھی اس لیے یہ صفت اس کی تخصیص کے لیے نہیں، بلکہ اس کی مذمت کے لیے ہے۔

؀٦ جید: گردن۔ حبل: رسّی۔ مسد: مونج۔ ام جمیل کے بارے میں خصوصی طور پر یہ الفاظ استعمال کرنے میں

یہ راز ہے کہ وہ مکہ کے رئیسِ اعظم کی بیوی تھی۔ اس کے گلے میں جواہرات کا گراں بہا ہار تھا اور وہ کہتی تھی، واللات والعزی لانفقنھا فی عداوۃ محمد۔ کہ لات و عزیٰ کی قسم میں موتیوں کے اس بیش قیمت ہار کو فروخت کر کے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی عداوت میں خرچ کروں گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اسی اکڑی ہوئی گردن میں جس میں آج بڑا قیمتی ہار ہے، ہم مونج کی رسی ڈال کر اسے جہنم میں گھسیٹیں گے جو شرر گولی ہوگی۔ بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ وہ حسبِ معمول خاردار لکڑیوں کا گٹھا سر پر اٹھائے ہوئے آرہی تھی۔ وہ گٹھا مونج کی رسی میں بندھا ہوا تھا۔ وہ ایک پتھر پر آرام کرنے کے لیے بیٹھ گئی۔ وہ گٹھا پیچھے ہٹ گیا اور رسی اس کے گلے میں حائل ہوگئی جس سے اس کا دم گھٹ گیا اور وہ مرگئی۔

لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

اللھم انا نعوذ بک من سوء الادب فی حضرۃ المصطفیٰ ونعوذ بک بجاھہ عندک من سخطک وسخط نبیک وحبیبک واجعلنا من خدامہ المتادبین فی جنابہ المتمسکین بذیلہ المقتفین بآثارہ النیرۃ علیہ وعلی آلہ من الصلوات اطیبھا ومن التسلیمات ازکٰھا

۱۰ رمضان المبارک ۱۳۹۹ھ

تعارف

سُورۃ الاخلاص

نام : اس سورۂ مبارکہ کے بہت سے نام ہیں جو اس کی عظمت شان اور مقام رفیع پر دلالت کرتے ہیں ان میں سے چند آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

سُورۃ توحید: کیونکہ اس میں عقیدۂ توحید کو بڑی جامعیت اور دلکش انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

سُورۃ نجات : اس کے ذریعہ انسان کو کفر و شرک کی آلودگیوں سے نجات حاصل ہوتی ہے۔ نیز عذاب جہنم سے بھی رستگاری کا ذریعہ ہے۔

سُورۃ مقشقشہ : تقشقش کہتے ہیں بیماری سے شفایاب ہوجانا۔ اس سُورت کے ذریعے کیونکہ کفر و شرک کے مرض سے شفا نصیب ہوتی ہے اسی لیے اسے مقشقشہ کہا گیا۔

سُورۃ الاساس : کیونکہ ایمان وعمل کا قصر رفیع توحید کی بُنیادوں پر تعمیر ہوتا ہے۔ اس کے بغیر اعلیٰ سے اعلیٰ عمل بھی بے معنی اور بے سُود ہے۔

سُورۃ المانعہ : یہ اپنے قاری کو عذاب دوزخ سے بچالیتی ہے۔

سُورۃ النور : اس کی ضیاء پاشیوں سے مومن کے دونوں جہاں رَوشن ہوجاتے ہیں۔ اس کے ذہن اور اس کے دل دونوں میں اُجالا ہو جاتا ہے۔

سورۃ الامان : اس سُورت پر ایمان رکھنے والے کو خداوند ذوالجلال کے قہر و غضب سے امان مل جاتی ہے۔

سورۃ الاخلاص : اس سورت کے متعدد ناموں میں سے یہ اس کا مشہور ترین نام ہے کیونکہ توحید خالص کا مضمون پُوری فصاحت سے اس میں مذکور ہے گویا یہ نام اس سورت کے لیے بطور علامت مستعمل نہیں ہُوا بلکہ اس کے مضامین و مطالب کا ایک جامع عنوان ہے۔

اس کی آیات کی تعداد چار اور بروایت پانچ۔ یہ پندرہ کلمات اور ۴۷ حروف پر مشتمل ہے۔

زمانۂ نزول : اس کے مکی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔ بعض علماء کے نزدیک یہ سُورت مکہ مکرمہ میں نازل ہُوئی اور بعض کے نزدیک مدینہ طیبہ میں۔ کتب حدیث میں دونوں قسم کی روایات موجود ہیں۔ بعض سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا نزول مکہ مکرمہ میں ہوا۔ اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں یہ سورت نازل ہُوئی۔ پہلے ہم وہ احادیث آپکے

سامنے پیش کرتے ہیں جن سے اس کے مکی ہونے کی تائید ہوتی ہے۔

۱۔ عن ابی العالیہ عن ابی بن کعب ان المشرکین قالوا للنبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا محمد انسب ربک فانزل اللہ تعالیٰ قل ھو اللہ احد الایۃ (رواہ احمد)

ترجمہ: ابوالعالیہ ابی بن کعب سے روایت کرتے ہیں کہ مشرکین کا ایک گروہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) جس رب پر ایمان لانے کی آپ ہمیں دعوت دیتے ہیں اس کا نسب نامہ تو ہمیں بتائیے تاکہ ہمیں اس کی پہچان ہو جائے۔ اس وقت اللہ تعالےٰ نے انکے جواب میں یہ سورت نازل فرمائی۔

۲۔ عن الشعبی عن جابر ان اعرابیا جاء الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال انسب لنا ربک فانزل اللہ قل ھو اللہ احد۔ الایۃ۔

ترجمہ: شعبی حضرت جابر سے نقل کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آیا کہنے لگا اپنے رب کا نسب نامہ ہمیں سنائیے۔ اس وقت اللہ تعالےٰ نے یہ سورت نازل فرمائی۔

۳۔ عن ابی وائل عن ابن مسعود قالت قریش لرسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم انسب لنا ربک فنزلت ھذہ السورۃ

ترجمہ: ابی وائل حضرت ابن مسعود سے روایت کرتے ہیں کہ قریش نے ایک وفعہ اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے فرمائش کی کہ اپنے رب کا نسب نامہ تو ہمیں بتائیے۔ اس وقت یہ سورت نازل ہوئی۔

ان تینوں روایات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ وہیں کے مشرکوں اور قریش نے یہ سوال پوچھا اور انہیں کو یہ جواب دیا گیا۔

لیکن مندرجہ ذیل روایات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس کا نزول مدینہ طیبہ میں ہوا۔

۱۔ عن ابن عباس ان الیھود جاءوا الی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم و معھم کعب بن اشرف فقالوا یا محمد ھذا اللہ خلق الخلق فمن خلق اللہ فغضب نبی اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام فنزل جبرئیل فسکنہ وقال اخفض جناحک یا محمد فنزل قل ھو اللہ احد الایۃ۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ یہودیوں کا ایک گروہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ ان کے ساتھ کعب بن اشرف یہودی بھی تھا۔ انہوں نے کہا یہ اللہ ہے جس نے مخلوق کو پیدا کیا۔ پس اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ازحد غضبناک ہو گئے۔ جبریل حاضر ہوئے تو حضور کو تسلی دی اور عرض کیا اپنے پروں کو نیچا کیجئے۔ اس وقت یہ سورت نازل ہوئی۔

۲۔ روی عطاء عن ابن عباس قال قدم وفد نجران فقالوا صف لنا ربک أمن زبرجد او یاقوت او ذھب او فضہ۔ وقال ان ربی لیس من شیٔ لانہ خالق الاشیاء فنزلت قل ھو اللہ احد۔

ترجمہ: عطاء حضرت ابن عباس سے نقل کرتے ہیں کہ جب نجران کے نصاریٰ کا وفد آیا تو انہوں نے حضور سے کہا کہ

اپنے رب کی حقیقت ہمیں بتائیے وہ زبرجد کا بنا ہوا ہے، یاقوت کا بنا ہوا ہے یا سونے چاندی کا بنا ہوا ہے۔ حضور نے فرمایا کہ میرا رب ان چیزوں میں سے نہیں، میرا رب ان تمام اشیاء کا خالق ہے۔ اس وقت یہ سورت نازل ہوئی۔ یہودیوں کا وفد بھی مدینہ طیبہ میں حاضرِ خدمت ہوا تھا اور نجران کے عیسائی بھی اسی مقام پر حاضری سے شرف یاب ہوئے تھے۔ ان دو حدیثوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سورت مدنی ہے۔

اہلِ تحقیق نے روایات کے اس تعارض کو یہ کہہ کر ختم کیا کہ اس سورت کا نزول دو بار ہوا۔ ایک بار مکہ میں اور دوسری بار مدینہ میں۔ اس کی توجیہ یہ بھی کی جا سکتی ہے کہ یہ سورت نازل تو مکہ مکرمہ میں ہوئی لیکن جب اسی قسم کے سوالات یثرب کے یہودیوں اور نجران کے عیسائیوں نے پوچھے تو ان کے جواب کے لیے اس سورت کی طرف توجہ مبذول کرا دی۔ اسی کو نزولِ سورت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

مضامین : اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفاتِ کاملہ کے بارے میں جس قسم کی غلط فہمیاں نوعِ انسانی کے کسی حلقہ میں پائی جاتی تھیں ان تمام کا ازالہ یہ سورت نازل کر کے کر دیا۔ بعض کہتے تھے کہ یہ عالم قدیم ہے۔ اس کا کوئی خالق اور مبدأ نہیں۔ اپنی محیر العقول بوقلمونیوں اور بے عدیل باہمی نظم و ضبط کے ساتھ یہ خود بخود معرضِ وجود میں آ گیا ہے۔ یہ کہنے والے یونان کے قدیم فلسفی ہوں یا عصرِ حاضر کے ملحد دانشور ہوں، مصر اور بابل کے ترقی یافتہ تمدنوں کے بانی ہوں یا وحشی قبائل، سب غلط کہتے ہیں، بتا دیا اس کائنات کا خالق ہے اور ہے بھی وہ وحدہٗ لاشریک۔ قل ہو اللہ احد۔

بعض قومیں ذاتِ خداوندی کو تسلیم کرتی تھیں لیکن اس کی صفاتِ کاملہ کا عرفان انہیں نصیب نہیں ہوا تھا، اس لیے اوہام و ظنون کی وادیوں میں صدیوں سے بھٹک رہی تھیں۔ باقی آیات سے ان کے شکوک و شبہات کا ازالہ کر دیا اور انہیں کفر و شرک کے اندھیروں سے نکال کر معرفتِ الٰہی کی روشنی میں پہنچا دیا۔

یہی مسئلہ توحید اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے۔ تمام انبیاء و رسل یہی سبق لوگوں کو ذہن نشین کرانے کے لیے تشریف فرما ہوئے خاتم النبیین رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت کا مقصد وحید بھی یہی تھا۔

اس سورت کی چند مختصر آیات میں قدیم و جدید ہر قسم کی فکری گمراہیوں کا استیصال کر دیا۔

<u>فضیلت و اہمیت</u> **:** اس سورۂ پاک کی فضیلت و اہمیت اس کے مضمون سے عیاں ہے لیکن بطورِ تبرک زبانِ رسالتمآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھی اس کی عظمتِ شان کا تذکرہ سنیے :

۱۔ عن عائشۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا ان النبی صلی اللّٰہ تعالٰے علیہ وسلم بعث رجلا علے سریۃ فکان یقرأ لاصحابہ فی صلوتہ ویختم بقل ھو اللّٰہ احد ۔ لما رجعوا ذکروا ذلک للنبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال سلوہ لای شیٔ یصنع ذلک فسألوہ فقال لانہا صفۃ الرحمٰن وانا احب ان اقرأ بہا وقال النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم اخبروہ ان اللّٰہ تعالیٰ یحبہ (بخاری ۔ مسلم)

ترجمہ : حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو ایک لشکر کا امیر بنا کر کسی مہم پر روانہ کیا۔

ان کا یہ معمول تھا کہ جب وہ جماعت کراتے ہر رکعت کے اختتام پر سورۂ اخلاص تلاوت کرتے۔ واپسی پر لشکریوں نے اس بات کا تذکرہ بارگاہِ رسالت میں کیا۔ حضور نے فرمایا تم اس سے پوچھو وہ ایسا کیوں کیا کرتا ہے۔ اس سے دریافت کیا گیا تو اس نے جواب دیا: اس سورت میں خداوند رحمٰن کی صفت ہے اس لیے میں اس کی تلاوت کو محبوب رکھتا ہوں۔ نبی کریم نے فرمایا اسے بتادو کہ اللہ تعالیٰ بھی اس کو محبوب رکھتا ہے۔

۲۔ عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان رجل من الانصار یؤمھم فی مسجد قباء فکان کلما افتتح سورۃ یقرأبھا لھم فی الصلوٰۃ مما یقرأ بہ افتتح بقل ھو اللہ احد حتی یفرغ منھا ثم کان یقرأ سورۃ اخری معھا۔۔

... وقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا فلاں ما یمنعک ان تفعل ما یأمرک بہ اصحابک وما حملک علی لزوم ھذہ السورۃ فی کل رکعۃ قال انی احبھا قال حبک ایاھا ادخلک الجنۃ (بخاری)

ترجمہ: حضرت انس سے مروی ہے کہ ایک انصاری مسجدِ قبا میں انصار کی امامت کیا کرتے تھے۔ ان کا یہ دستور تھا کہ وہ سورت پڑھنے سے پہلے سورۂ اخلاص کی تلاوت کرتے۔ ان کے مقتدیوں نے انہیں کہا کہ یہ آپ کیا کرتے ہیں یا سورہ اخلاص پڑھا کیجیے یا کوئی دُوسری سُورت۔ اُنہوں نے کہا میں تو ایسا ہی کروں گا۔ اب آپ کی مرضی ہو تو جماعت کرا لوں اور اگر آپ کی مرضی نہ ہو تو کسی دُوسرے کو اپنا امام مقرر کر لیجیے۔ ان کی نیکی اور پارسائی کی وجہ سے لوگ کسی دُوسرے کو امام مقرر کرنا پسند نہ کرتے تھے چنانچہ اس کا تذکرہ حضور کی خدمتِ اقدس میں کیا گیا۔ حضور نے فرمایا تمہارے مقتدی جس طرح کہتے ہیں تم ایسا کیوں نہیں کرتے۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے اس سورت سے بڑا پیار ہے۔ حضور نے ارشاد فرمایا اس کی محبت نے تجھے جنت میں داخل کر دیا ہے۔

اگرچہ یہ سورت صرف چار آیات پر مشتمل ہے لیکن اپنی عظمتِ شان کے باعث اس کو ایک بار پڑھنے سے دس پاروں کی تلاوت کا ثواب ملتا ہے۔

۱۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم احشدوا فانی ساقرأ علیکم ثلث القرآن فحشد من حشد ثم خرج فقرأ قل ھو اللہ احد الخ ثم دخل ... فقال انی قلت ساقرأ علیکم ثلث القرآن الا وانھا تعدل ثلث القرآن۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک روز صحابہ کو حکم دیا کہ اکٹھے ہو جاؤ میں تمہیں ایک تہائی قرآن سناؤں گا چنانچہ لوگ جمع ہو گئے۔ حضور تشریف لائے۔ سورۂ اخلاص کی تلاوت فرمائی اور حجرۂ مبارکہ میں تشریف لے گئے۔ لوگ کہنے لگے حضور نے تو فرمایا تھا کہ میں تمہیں ایک تہائی قرآن سناؤں گا۔ اور آپ صرف ایک سُورت سُنا کر تشریف لے گئے ہیں۔ حضور نے واپس آ کر فرمایا کہ میں نے تمہیں یہی کہا تھا کہ میں تمہیں ایک تہائی قرآن سناؤں گا۔ کان کھول کر سُن لو یہ سُورت ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔

۲۔ عن ابی سعید قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لاصحابہ ایعجز احدکم ان یقرأ ثلث القرآن فی لیلۃ

فشق ذٰلك عليهم قالو اينا يطيق ذٰلك يارسُول الله فقال الله الواحد الصمد ثلث القران ۔

ترجمہ : ایک روز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کو فرمایا کیا تم ایک تہائی قرآن ہر رات تلاوت نہیں کرسکتے ۔ اُنہوں نے عرض کی یارسول اللہ ہم میں سے کون اس کی طاقت رکھتا ہے ۔ فرمایا قُل ھو اللہ احد الخ قرآن کی ایک تہائی ہے ۔

اس سُورت کو قرآن کریم کی ایک تہائی کہنے کی کئی وجوہات علماء نے ذکر کی ہیں ۔ سب سے بہتر یہ ہے کہ قرآن میں تین چیزوں پر پُوری توجہ صرف کی گئی ہے ۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان ، رسالت پر ایمان اور روزِ قیامت پر ایمان ۔ اس سُورت میں توحید کا ذکر کیا گیا ہے جو ان تین چیزوں میں سے ایک ہے اس لیے اسے قرآن کی ایک تہائی فرمایا گیا ۔

اس بابرکت سُورت کے واسطے سے اللہ تعالیٰ کی جناب میں جب دامنِ طلب پھیلایا جاتا ہے ، وہ کریم اسے خالی واپس نہیں کرتا ۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ انہٗ دخل مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم المسجد فاذا رجل یصلی یدعو یقول اللّٰھم انی اَسْأَلُكَ بِاَنّی اشھد اَن لَّا اِلٰہَ اِلَّا انت الاحد الصمدُ الذی لم یلد ولم یُولد ولم یکن لہٗ کفوًا احد ، قال والذی نفسی بیدہٖ لقد سأله باسمه الاعظم الذی اذا سُئل بہٖ اعطیٰ واذا دُعی بہٖ اَجَابَ ۔

ترجمہ : حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ میں حضور کریم کی معیت میں مسجد میں داخل ہُوا تو وہاں ایک شخص نماز پڑھ کر دُعا مانگ رہا تھا اور عرض کر رہا تھا : اللّٰھم انی اسألك بانی اشھد ان لَّا الٰہ الَّا انت الاحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن لہٗ کفوًا احد ۔ یہ سُن کر حضور نے فرمایا اس ذات پاک کی قسم جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے اس شخص نے اپنے رب سے اس کے اسمِ اعظم کے وسیلہ سے دُعا مانگی ہے ۔ جب بھی اس کے وسیلہ سے سوال کیا جاتا ہے وہ عطا فرماتا ہے اور جب بھی دُعا کی جاتی ہے وہ قبول کرتا ہے ۔

روی انہ دخل المسجد فسمع رجلا یدعو ویقول اَسْأَلُكَ یا اللہ یا اَحد یا صمد یا من لم یلد ولم یُولد ولم یکن لہٗ کفوًا احد فقال غُفِرَ لك غُفِرَ لك غُفِرَ لك ثلاث مرات (تفسیر کبیر)

ترجمہ : ایک دفعہ حضور مسجد میں تشریف لے گئے اور ایک شخص کو یُوں دُعا کرتے ہُوئے سُنا ۔ وہ عرض کر رہا تھا : اسألك یا اللہ یا احد یا صمد یا من لم یلد ولم یولد ولم یکن لہٗ کفوًا احد ۔ یہ سُن کر حضور نے تین مرتبہ فرمایا : اے شخص تجھے بخش دیا گیا ، اے شخص تجھے بخش دیا گیا ، اے شخص تجھے بخش دیا گیا ۔

روی انہ کان جبرئیل علیہ السلام مع الرسول علیہ الصلوٰۃ والسلام اذا اقبل ابوذر الغفاری ۔ قال جبرئیل ھذا ابوذر قد اقبل وقال علیہ الصلوٰۃ والسلام اوتعرفونہ قال ھو اشھر عندنا منہ عندکم ۔ قال علیہ الصلوٰۃ والسلام بماذا نال ھذہ الفضیلۃ قال لصغرہ فی نفسہ وکثرۃ قرأتہ قل ھو اللہ احد ۔ (تفسیر کبیر)

ترجمہ : ایک دفعہ حضرت جبرئیل بارگاہِ رسالت میں حاضر تھے کہ ابُوذر غفاری آگئے ۔ جبرئیل نے عرض کی یہ ابوذر ہیں جو آ رہے ہیں ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پُوچھا کیا تم ملائکہ ابوذر کو پہچانتے ہو ؟ اُنہوں نے کہا کہ وہ یہاں سے زیادہ ہمارے

ہاں مشہور ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دریافت فرمایا کس وجہ سے انہیں یہ فضیلت ملی ہے۔ انہوں نے عرض کی، ایک تو یہ اپنے آپ کو اپنے دل میں چھوٹا سمجھتے ہیں، دوسرا قل ھو اللہ احد کی کثرت سے قرأت کرتے ہیں۔

علامہ ابو عبداللہ الانصاری القرطبی اپنی تفسیر میں اس مقام پر ایک روایت نقل کرتے ہیں۔ آپ بھی سنیئے اور اس پر عمل کیجیے: عن سهل بن سعد الساعدی قال شكا رجل الى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم الفقر وضيق المعيشة فقال له رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم اذا دخلت البيت فسلم ان كان فيه احد وان لم يكن فيه احد فسلم علىّ واقرأ قل هو الله احد مرة واحدة ففعل الرجل فادرّ الله عليه الرزق حتى افاض على جيرانه۔

(القرطبی)

ترجمہ: سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے بارگاہ رسالت میں اپنے فقر اور تنگدستی کی شکایت کی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے فرمایا کہ جب تم اپنے گھر میں داخل ہو اگر وہاں کوئی موجود ہو تو اس کو سلام کہو اور اگر کوئی موجود نہ ہو تو مجھ پر سلام بھیجو اور پھر ایک مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھو۔ اس آدمی نے حسب ہدایت عمل کیا، اللہ تعالیٰ نے اسے اتنا وافر رزق عطا فرمایا کہ وہ اپنے پڑوسیوں کو بھی مستفید کرنے لگا۔

قاضی عیاض شفا شریف میں ان مقامات کا ذکر کرتے ہوئے جہاں نبی رحمت صلے اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ والسلام بھیجنا مستحب ہے رقمطراز ہیں:

وقال عمرو بن دينار فى قوله فاذا دخلتم بيوتا فسلموا على انفسكم قال ان لم يكن فى البيت احد فقل السلام على النبى ورحمة الله وبركاته۔

ترجمہ: عمرو بن دینار (جو امام حدیث ہیں اور صحاح ستہ کے مصنفین نے ان سے احادیث روایت کی ہیں) اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے ضمن میں فاذا دخلتم (الآیۃ) لکھتے ہیں جب تم اپنے گھروں میں داخل ہو تو اپنے آپ پر سلام بھیجو۔ ابن دینار کہتے ہیں اگر گھر میں کوئی نہ ہو تو کہو السلام على النبى ورحمة الله وبركاته۔

علامہ علی قاری شرح شفا میں اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

اى لان روحه عليه السلام حاضر فى بيوت اهل الاسلام

یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روح مبارک اہل اسلام کے گھروں میں حاضر ہوتی ہے۔ اس لیے حضور پر سلام عرض کرنا چاہیے۔ (شرح شفا۔ قاضی عیاض جلد ۲ صفحہ ۱۱۸)

اُٹھایا ہوا ہے' وہ کھاتا کیا ہے؟ ان کے ذہنوں کی تنگ دامانی اور ان کے افکار کی کجی عجیب وغریب سوالات کے پیکر میں ظاہر ہو رہی تھی۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبِ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر یہ سُورۂ مبارکہ نازل کی اور اس کی چند آیتوں میں گمراہی کی اگنت صورتوں کا قلع قمع کر دیا۔ ارشاد ہے: قُلْ: اے عبد کامل! سب سے بڑی سچائی کا اعلان تو اپنی زبان سے فرما تاکہ کسی کو مجالِ انکار نہ رہے۔

بسا اوقات کمال بھی حجاب بن جایا کرتا ہے۔ کمالات بھی بے شمار ہیں اور ان سے پیدا ہونے والے حجابات بھی اگنت ہیں۔ کہیں حُسن' کہیں قوت' کہیں علم' کہیں دولت' کہیں اقتدار وحکومت اور کہیں جنگی فتوحات کے نقاب حق کے رُوئے زیبا کو مستور کر دیتے ہیں۔ ان حجابات کو وہی اٹھا سکتا ہے' ان نقابوں کو وہی اُلٹ سکتا ہے جو خود جملہ کمالات سے یوں متصف ہو کہ اس کی نظیر پیش نہ کی جا سکے۔ اے حبیب! ہم نے آپ کو تمام کمالات کا پیکرِ رعنا بنا کر بھیجا ہے۔ اُٹھیے اور اپنی صدائے دلنواز سے نخوت و پندار کے ان بتوں کو ریزہ ریزہ کر دیجیے۔ فرعون نے ملکِ مصر کی حکمرانی سے اپنا دماغی توازن کھو دیا تھا اور خدائی کا دعویٰ کیا تھا۔ تجھے تو ہم نے وہ سلطانی عطا فرمائی ہے کہ تیری انگلی کے اشارے سے چاند دو ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ اس بے مثال سلطانی کے باوجود اگر تو یہ کہے گا کہ لا الٰہ الا اللہ تو کسی حکمران کی یہ مجال نہیں ہو گی کہ وہ اپنی خدائی کا اعلان کر سکے۔ ہم نے تجھے وہ شانِ رفیع عطا فرمائی ہے کہ سب نبی سب رسول اس کی جلالتِ شان کو دیکھ کر سرنگوں ہیں۔ جب تو یہ کہے گا لا الٰہ الا اللہ کہ میں باایں ہمہ کمال خدا نہیں' بلکہ بندہ ہوں تو کسی کو یہ حق نہ پہنچے گا کہ وہ کسی نبی یا رسول کو خدا یقین کرے۔ تیرے علم کا بحرِ بے پایاں کنار زکان و مایکون کو محیط ہے' تیری نگاہِ رسا اسرار و معارف کی گہرائیوں تک پہنچی ہوئی ہے' اس علم بے پایاں کے باوجود اگر تو یہ کہے گا کہ میں خدا نہیں' بلکہ اس کا بندہ ہوں' جب تیری زبان سے لا الٰہ الا اللہ کا اعلان ہو گا تو کسی علامۂ دہر اور فاضلِ اجل کو جرأت نہ ہو گی کہ اپنی خدائی کا دم بھر سکے۔

آپ کے جدِ امجد میرے خلیل نے لوہے کی گرز سے اپنی قوم کے صنم کدے میں سجے ہوئے بتوں کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ اے فرزندِ خلیل! اُٹھیے اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کی کمرشکن ضرب سے افکار و نظریات کے بتکدوں کو پاش پاش کر دیجیے تاکہ اس کے بعد کوئی سلیم الفطرت انسان یہ کہنے کی جرأت نہ کر سکے کہ تیرے خدا کے بغیر بھی کوئی اور خدا ہے' تیرے رب کے بغیر بھی اس جہان کا کوئی رب ہے۔ تیرے عزتوں والے' شانوں والے' قوتوں والے' حکمت والے' ہمہ بین اور ہمہ دان پروردگار کے سوا کوئی اور بھی خدا ہے۔ تیرے لبوں سے حق کی صدا نکلے گی تو زمین کی وسعتیں' فضا کی پہنائیاں' آسمان کی رفعتیں' عرش کی بلندیاں' اس صدائے حق سے گونجنے لگیں گی۔

اللہ تعالیٰ نے جو چاہا' وہ پورا ہو کر رہا' بطحا کی سنسان وادی سے اٹھنے والی یہ میٹھی آواز سارے جہاں کی غوغا آرائیوں پر غالب آ گئی۔ دینِ اسلام کا آفتاب کیا طلوع ہوا کہ مذاہبِ باطلہ کے چراغ بے نور ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق' آدم کی اولاد کو اپنے خالق و مالک کا صحیح عرفان نصیب ہو گیا۔ حکم ہوا قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ یعنی آپ ان پوچھنے والوں کو بتا دیجیے کہ جس معبود کی طرف میں تمہیں بُلا رہا ہوں' جس کی حریمِ ناز تک میں تمہیں لے جانا چاہتا ہوں' وہ تمہارے اندھے' بہرے بتوں کی طرح پتھر' تانبے' لکڑی کا بنا ہوا نہیں ہے' وہ اللّٰہ ہے جو احد ہے' جو یکتا ہے۔ احد' اس ایک کو کہتے ہیں جس کا دوسرا نہ ہو' نہ ذات میں' نہ صفات میں' نہ کمالات میں۔ اس اعلان کے ہوتے ہی سونے' چاندی' لوہے' تانبے' پتھر' لکڑی کے بنے ہوئے جو معبود صدیوں سے خدائی کی مسند پر بیٹھے کر و فر سے براجمان تھے منہ کے

ترجمہ: علماء لکھتے ہیں کہ شرک کبھی عدد میں ہوتا ہے "احد" کہہ کر اس کی نفی فرمادی، کبھی مرتبہ و منصب میں ہوتا ہے "صمد" کہہ کر اس کا بطلان کر دیا، کبھی نسب میں ہوتا ہے "لم یلد ولم یولد" سے اس کا ابطال کر دیا اور کبھی کوئی کام کرنے اور اثر اندازی میں ہوتا ہے اس کی تردید "لم یکن لہ کفوا احد" سے کر دی۔ توحید کے اسی جامع مضمون کے باعث اس سورت کو سورتِ اخلاص کہا جاتا ہے۔

اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير، و اشهد هو الله احد، الله الصمد، لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفوًا احد، و اشهد ان سيدنا ومولنا وحبينا وحبيب ربنا محمد ارسول الله ـ اللهم صل من الصلوات اطيبها وسلم من التسليمات ازكها وبارك من البركات اسنٰها على حبيبي وشفيعي وقرة عيني وسرور قلبي عبدك ونبيك محمد وعلى اٰله الطيبين الطاهرين وعلى ازواجه الطاهرات امهات المومنين وعلى سائر الصحابة والتابعين وعلى اولياء امته الكاملين وعلى علماء شريعته الربانيين وعلينا معهم اجمعين۔ فاطر السمٰوات والارض انت ولى في الدنيا والاٰخرة توفني مسلمًا والحقني بالصالحين امين بجاه طٰهٰ ويٰسين صلى الله عليه وسلم۔

تعارف

سُورۃ الفلق والنّاس

نام : پہلی سورت کا نام 'الفلق' اور دُوسری کا 'الناس' ہے۔ دونوں سُورتوں کا نزول بھی بیک وقت ہُوا مفہوم معنی اور مقصد کے اعتبار سے بھی ان میں اس قدر اتصال ہے کہ انہیں الگ الگ کرنا بہت دُشوار ہے۔ اس لیے انہیں معوّذتین کے ایک نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ ان کے الگ الگ تعارف لکھنے کے بجائے ایک ہی تعارف پر اکتفا کروں گا۔

پہلی سورۃ 'الفلق' ایک رکوع، پانچ آیتوں، تیئس کلموں اور چوہتّر حروف پر مشتمل ہے اور دُوسری سورت الناس، میں ایک رکوع، چھ آیات، بیس کلمے اور اناسّی حروف ہیں۔

نزول : اس بات پر تو سب متفق ہیں کہ یہ دونوں سُورتیں ایک ساتھ نازل ہُوئیں لیکن کہاں نازل ہُوئیں؟ اس میں دو قول ہیں حضرت حسن بصریؒ، عطاءؒ، عکرمہ اور جابر رضی اللہ عنہم کی یہ رائے ہے کہ ان کا نزول مکہ میں ہُوا حضرت ابنِ عباس کے ایک قول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے لیکن قتادہ، ابوصالح اور ابنِ عباس کے علاوہ علماء کی ایک جماعت کا یہ قول ہے کہ دونوں سورتیں مدنی ہیں۔ بعض مفسّرین نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے لیکن احادیثِ مرفوعہ دُوسرے قول کی تائید کرتی ہیں، اس لیے مرفوع حدیث کے مقابلہ میں کسی کے قول کو ترجیح دینا بہت مشکل ہے۔ ایک مرفوع حدیث جسے مُسلم، ترمذی، نسائی، احمد بن حنبل علیہم الرحمۃ نے حضرت عقبہ بن عامر سے یوں روایت کیا ہے۔ عقبہ کہتے ہیں ایک روز رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: الم تر آیات انزلت اللیلۃ لم یر مثلھن اعوذ برب الفلق، اعوذ برب الناس یعنی تمہیں خبر ہے اللہ تعالےٰ نے آج رات مجھ پر ایسی آیتیں نازل فرمائی ہیں جن کی پہلے مثال نظر نہیں آتی۔ وہ اعوذ برب الفلق اور اعوذ برب الناس ہیں۔

عقبہ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں مشرف بہ اسلام ہُوئے تھے۔ ان کو حضور کا یہ ارشاد کہ 'آج رات مجھ پر ایسی آیتیں نازل ہُوئی ہیں جن کی مثال پہلے نظر نہیں آتی' یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ ان سورتوں کا نزول مدینہ طیبہ میں ہُوا۔ دُوسری حدیث جو اس قول کی تائید کرتی ہے وہ ہے جس میں ان کے شانِ نزول کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ اس حدیث کو ائمہ کبار بغویؒ، نسفیؒ، بیہقیؒ، ابن سعدؒ نے روایت کیا ہے۔ ان کے علاوہ شراح حدیث میں سے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اور علامہ بدرالدین عینی نے اپنے اسفارِ جلیلہ میں لکھا ہے کہ سات ہجری میں جب ایک یہودی لبید بن اعصم نے جادو کیا۔ (جس کی تفصیل آگے بیان ہو رہی ہے۔) اُس وقت اس جادو کے اثرات کو کالعدم کرنے کے لیے یہ دو سورتیں نازل ہُوئیں۔ ان ائمہ حدیث کی تحقیق کے بعد اور حضرت عقبہ کی مرفوع روایت کے بعد مزید کسی دلیل کی ضرورت نہیں رہتی۔ اس لیے ان سُورتوں کے مکی ہونے پر اصرار کرنا اور

ان صریح روایات کے بارے میں یہ کہہ دینا کہ "ان مواقع پر ان سورتوں کی طرف توجہ مبذول کرائی گئی جو پہلے مکہ میں نازل ہو چکی تھیں" بہر حال میرے لیے ناقابل فہم ہے۔ جہاں تک میری سمجھ اور تحقیق کا تعلق ہے، میں تو اسی نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ مدینہ طیبہ میں نازل ہوئیں۔

چند مباحث: یہاں چند ایسے الجھے ہوئے مباحث ہیں۔ جن سے دامن بچا کر آگے نکل جانا کسی طرح درست نہیں۔ ان سورتوں کے تعارف کے ضمن میں ان مباحث کا تذکرہ اور ان سے جو شبہات جنم لیتے ہیں اُن کا ازالہ از بس ضروری ہے۔ اس لیے قارئین کرام سے ان مباحث کے تذکرہ کی اجازت طلب کرتا ہوں۔

بحث اوّل: کیا یہ دونوں سورتیں قرآن کریم کا جزو ہیں اور قرآن کریم کی دوسری سورتوں کی طرح ان کا جزو قرآن ہونا قطعی الثبوت ہے؟

یہ سوال اس لیے پیدا ہوا کہ بعض ایسی روایات موجود ہیں جن میں یہ مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ انہیں قرآن کی سورتیں شمار نہیں کیا کرتے تھے اور جو مصحف انہوں نے مرتب کیا تھا۔ اس میں بھی یہ سورتیں موجود نہ تھیں علامہ سیوطی نے صراحتہً لکھا ہے۔

اخرج احمد والبزاز والطبرانی وابن مردویه من طرق صحیحة عن ابن مسعود انه کان یحك المعوذتین من المصحف ویقول لا تخلطوا القرآن بما لیس منه انهما لیستا من کتاب الله انما امر النبی صلی الله علیه وسلم ان یتعوذ بهما وکان ابن مسعود لا یقرء بهما (الدر المنثور)

ترجمہ: امام احمد، بزاز، طبرانی، ابن مردویہ نے صحیح طریقوں سے حضرت ابن مسعود سے نقل کیا ہے کہ وہ معوذتین کو مصحف سے محو کر دیا کرتے تھے اور کہا کرتے قرآن کے ساتھ ایسی چیزیں خلط ملط نہ کرو جو اس میں سے نہیں ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تو ان دو سورتوں کے ساتھ فقط پناہ مانگنے کا حکم دیا تھا نیز حضرت ابن مسعود ان سورتوں کی تلاوت نماز میں نہ کیا کرتے۔ (الدر المنثور)

اس میں تو کلام نہیں یہ سب اخبار احاد ہیں۔ علماء اصول حدیث نے یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ اخبار احاد کی صحت کے لیے صرف راویوں کی عدالت اور قوت حافظہ ہی کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اخبار احاد کا درایت کے معیار پر پورا اترنا بھی لازمی ہے اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ روایت بداہت عقل کے خلاف نہ ہو۔ اگر اس قاعدہ کو پیش نظر رکھا جائے تو ان روایات کو بنیاد بنا کر انکار کی عمارت استوار کرنا قرین دانشمندی نہیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان صحابہ میں سے نہ تھے جنہیں ساری عمر میں ایک آدھ بار حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی ہو یا دنیاوی مصروفیتوں کے باعث بارگاہ نبوت میں کبھی حاضری کی سعادت مل جاتی ہو اور کبھی نہ ملتی ہو۔ بلکہ آپ ان خوش نصیب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تھے جو ہمیشہ خدمت عالیہ میں حاضر باش رہا کرتے تھے۔ آپ کا شمار اصحاب صفہ میں تھا جو آٹھوں پہر مسجد نبوی میں پڑے رہتے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت، خدمت میں حاضری، ارشاد رسالت کو سننا، اُن کو یاد رکھنا۔ قرآن کریم کی جو آیتیں نازل ہوتیں اُن کو حفظ کرنا۔ ان کی زندگی کی ساری سرگرمیاں انہی چند باتوں میں سمٹ کر رہ گئی تھیں۔ وہ تقریباً ہر نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں ادا کیا کرتے تھے۔ عقبہ ابن عامر جو ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں ایمان

لائے تھے، انہیں توان سُورتوں کے بارے میں علم ہو کہ یہ قرآن کا حصہ ہیں اور ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ، جو ہجرت سے پہلے ہی دولتِ ایمان سے مُشرف ہو چکے تھے اور شاذ و نادر ہی کبھی غیر حاضر ہُوئے ہوں۔ حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار ان سُورتوں کو نماز میں تلاوت فرمایا۔ صدہا صحابہ نے اپنے کانوں سے اسے سُنا۔ یہ کیسے تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ جیسے ہمہ وقت حاضر باش ہر نماز حضور کی اقتداء میں پڑھنے والے کو یہ معلوم نہ ہو کہ یہ قرآن کی سُورتیں ہیں یا نہیں؟ بڑی تعجب خیز بات ہے۔۔۔

اس لیے یہ روایات جو سب کی سب احاد ہیں، ان کی بناء پر حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ خیال اور خیال بھی ایسا جس سے فقط ابنِ مسعود پر ہی اعتراض وارد نہیں ہوتا، بلکہ ایک ایسا دروازہ کُھل جاتا ہے جس سے کفار و ملحدین کو جملہ قرآنِ کریم کے بارے میں زبانِ طعن دراز کرنے کی سند مل جاتی ہے۔ کم از کم میرے فہم سے یہ بات بالاتر ہے۔

یہ روایت جو ابنِ قُتیبہ نے نقل کی ہے کہ عبداللہ ابنِ مسعود اپنے مصحف میں معوذتین کو نہ لکھا کرتے تھے کیونکہ یہ سنا کرتے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ دو سُورتیں پڑھ کر سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہم کو دم فرماتے ہیں اور یہ دُوسرے دموں کی طرح ایک دَم ہی ہے۔ یہ بات بھی کسی طرح قابلِ تسلیم نہیں، کیونکہ قرآنِ کریم سراپا اعجاز ہے۔ جس کی مثال لانا کسی ایک فرد کسی انسانی جماعت بلکہ فصحاء و بلغاء کے کسی مجمع علمی سے بھی ممکن نہیں۔ اس میں اور دُوسرے دموں میں کیوں کر التباس پیدا ہو سکتا ہے خصوصاً ابنِ مسعود جیسی شخصیت کو جو فصیح اللسان، لُغتِ عربی کے ماہر، اسالیبِ کلام اور اندازِ گفتگو کے عارف تھے۔ مزید برآں جسے افصح العرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضانِ صحبت نے کُندن بنا دیا تھا، اُن کا اس اشتباہ میں مبتلا ہونا ناممکن ہے۔ خود علامہ سیوطیؒ نے طبرانی سے ایک حدیث بیان کی ہے:

اخرج الطبرانی فی الاوسط بسند حسن عن ابن مسعود عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لقد انزل علی آیات لم ینزل علی مثلهن المعوذتین۔ (الدر المنثور)

ترجمہ: "طبرانی نے اوسط میں سندِ حسن سے حضرت ابنِ مسعود سے یہ ارشادِ رسالت نقل کیا ہے کہ حضور نے فرمایا کہ مُجھ پر ایسی آیتیں نازل ہوئی ہیں جن کی مثل مجھ پر نازل نہیں ہوئی اور وہ معوذتین ہیں۔"

اس حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابنِ مسعود کو ان آیات کے نزول کے بارے میں آگاہ فرمایا۔ ہو سکتا ہے کہ پہلے آپ کا یہی خیال ہو کہ یہ محض جھاڑ پھونک کے لیے چند جُملے نازل ہُوئے ہیں اور قرآن کا جزو نہیں ہیں لیکن حضور کا یہ ارشاد سُننے کے بعد اگر ان کے بارے میں انہیں کوئی شک تھا بھی تو وہ دُور ہو گیا اور آپ نے اپنے پہلے قول سے رجُوع کر لیا۔

یہ الگ بات ہے کہ کسی کے دل میں صحابہ کو غلط کار ثابت کرنے کا اتنا زیادہ شوق ہو کہ وہ ان تمام واضح حقائق کو بھی بآسانی نظر انداز کرنے کے لیے تیار ہو جس طرح صاحبِ تفہیم القرآن نے اس مقام پر اظہارِ خیال کیا ہے۔ اگر مان بھی لیا جائے کہ حضرت ابنِ مسعود کے مصحف میں یہ سورتیں مرقوم نہ تھیں، اس لیے وہ ان کو قرآن کا جزو نہیں سمجھتے تھے۔ تو عرض ہے کہ ان کے مصحف میں تو سورۃ فاتحہ بھی مرقوم نہ تھی۔ کیا اس کا آپ یہ مطلب لیں گے کہ وہ اسے بھی قرآن کی سُورت شمار نہ کرتے تھے۔

جس کو وہ ہر نماز کی ہر رکعت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قرأت فرماتے ہوئے اپنے کانوں سے سنا کرتے تھے۔ ان سورتوں کے نہ لکھنے کی معقول وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ وہ بکثرت تلاوت کی جاتی تھیں، اس لیے انہیں نوکِ زبان تھیں انہیں قطعاً یہ وہم تک بھی نہ تھا کہ وہ انہیں فراموش ہو جائیں گی۔ یہ مصحف آپ نے اپنی سہولت کے لیے مرتب کیا تھا۔ ان سورتوں کے لکھنے کی انہوں نے ضرورت محسوس نہ کی اس لیے نہ لکھیں۔

مختلف کتب میں اس قسم کی روایات پائی جاتی ہیں۔ ہر قاری کے پاس نہ اتنی استعداد ہوتی ہے اور نہ اتنی فرصت کہ وہ ان روایات کی تحقیق کر سکے، اس لیے لوگ طرح طرح کی غلط فہمیوں کا شکار ہو سکتے ہیں۔ ان تمام اعتراضات اور شبہات کو دُور کرنے کے لیے اس ایک اصول کو آپ خوب ذہن نشین کر لیں کہ قرآن کریم کس کو کہتے ہیں؟ قرآن کریم وہ ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سنا اور پھر بذریعہ تواتر نقل کیا، صحابہ سے تابعین نے اسی تواتر سے سنا۔ یوں ہی سلسلہ وار وہ ہم تک منقول ہوتا چلا آیا ہے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں صحابہ کرام نے بالاتفاق حضرت زید ابن ثابت کے مدوّن کردہ نسخہ کے مطابق ایک نسخہ تیار کیا اور اس کی متعدد نقول اپنی نگرانی میں تیار کر کے مملکتِ اسلامیہ کے مختلف اُمراء کی طرف روانہ کیں تاکہ عرب و عجم میں اسی کے مطابق تلاوت کی جائے اور عمل کیا جائے۔ اس لیے قرآن کریم صرف اسی مصحف مبارک کا نام ہے۔ اس کے خلاف آپ کو جو روایت نظر آئے یا وہ سند کی وجہ سے ساقط الاعتبار ہو گی یا وہ خبرِ واحد ہو گی یا کسی کا اپنا ذاتی قول ہو گا۔ الغرض کلام اللہ وہی ہے جو اس مصحفِ عثمانی کے مطابق ہے جس پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے اور اس وقت سے لیکر آج تک اس میں نہ کسی لفظ کی کمی بیشی ہوئی نہ کسی آیت میں تقدیم و تاخیر رونما ہوئی نہ کلمات کی ترتیب میں کوئی تغیر رونپذیر ہوا۔

بحثِ دوم: نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کیا جادو کیا گیا؟ اور ذاتِ اقدس و اطہر پر اس کا اثر کیا ظاہر ہوا؟

اس کے بارے میں اپنی تحقیق پیش کرنے سے پہلے میں قارئین کرام کے سامنے اُن تمام روایات کا خلاصہ پیش کرتا ہوں جو مختلف کتب میں 'باختلافِ الفاظ' منقول ہیں۔ اس کے بعد ان اعتراضات کا ذکر کروں گا جو قدیم اور جدید معتزلیوں نے وارد کیے ہیں۔ بعد ازاں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اہلِ سنت کے موقف کو بیان کروں گا۔

"یثرب کے یہودیوں کو روزِ اوّل سے ہی جو بلاوجہ عداوت اور حسد حضور کی ذاتِ اقدس کے ساتھ تھا اس کی تفصیلات کئی مقامات پر آپ پڑھ چکے ہیں۔ جیسے جیسے اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کی شان کو بلند کرتا، فتوحات کے دروازے کھلتے جاتے، ایسے ایسے ہی ان کی عداوت کے شعلے بھڑکنے لگتے۔ ۷ھ میں جب حدیبیہ سے حضور بخیریت واپس تشریف لائے تو خیبر کے یہودیوں کا ایک وفد مدینہ کے ایک مشہور جادوگر لبید ابن اعصم کے پاس آیا۔ بعض مؤرخین نے اسے یہودی کہا ہے لیکن یہ درحقیقت انصار کے ایک قبیلہ بنی زُریق کا ایک فرد تھا۔ ممکن ہے اُس نے یہودی مذہب اختیار کر لیا ہو۔ اس لیے اسے یہودی کہا گیا ہو۔ خیبر کے وفد نے آکر اس کے سامنے اپنی بپتا بیان کی اور کہا کہ مکہ کے اس قریشی نے یہاں آکر ہماری عزت خاک میں ملا دی ہے۔ ہم نے سیاسی طور پر ان کو ناکام بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، سازشیں کیں، منصوبے بنائے، مشرک قبائل کو ان کے خلاف بھڑکایا لیکن

ناکام رہے۔ اس کے علاوہ ہمارے ہاں جتنے ماہر جادوگر تھے انہوں نے بھی بڑے جتن کیے، بڑی زور آزمائی کی لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ ہمارے اس علاقہ میں تمہارے سحر کی دھوم مچی ہوئی ہے ہر طرف سے مایوس ہو کر ہم تیرے پاس آئے ہیں۔ اگر تو ہماری امداد کرے تو یہ مشکل آسان ہو سکتی ہے۔ انہوں نے اس کی خدمت میں بھاری نذرانہ بھی پیش کیا۔ چنانچہ اس نے حامی بھر لی۔

ایک یہودی لڑکا حضور کی خدمت میں رہا کرتا تھا کسی طرح ورغلا کر اس سے حضور کی کنگھی کا ایک ٹکڑا اور چند موئے مبارک حاصل کر لیے۔ اس نے اور اس کی بیٹیوں نے جو اس فن میں اپنے باپ سے بھی دو قدم آگے تھیں جادو کیا اور ان چیزوں کو زکھجور کے خوشے کے غلاف میں رکھ کر بنی زُریق کے ایک کنوئیں کی تہ میں ایک بھاری پتھر کے نیچے دبا دیا۔ اس کنوئیں کا نام "ذروان یا ذی اروان" بتایا جاتا ہے۔ بعض نے اس کا نام "بئر اریس" بھی لکھا ہے۔

چھ ماہ گزرنے کے بعد معمولی معمولی اثر ظاہر ہونے لگا۔ آخری چالیس دن زیادہ تکلیف کے تھے۔ ان میں سے بھی آخری تین دن تکلیف اپنی نہایت کو پہنچ گئی۔ اس جادو سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کس قسم کی تکلیف محسوس ہوتی تھی۔ اس کے بارے میں بھی تصریحات موجود ہیں۔ علامہ سیوطی لکھتے ہیں :

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یذوب ولا یدری ما وجعہ : یعنی حضور کی طبیعت گھٹنے لگی۔ نقاہت بڑھنے لگی لیکن بظاہر اس کی کوئی وجہ معلوم نہ ہوتی۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں : حتی لیخیل الیہ انہ فعل الشیء ولم یکن فعلہ (روح المعانی)

یعنی ایسا کام جو نہ کیا ہوتا اس کے بارے میں حضور کو خیال ہوتا کہ کر لیا گیا ہے۔

کُتبِ حدیث میں اس جادو کے اثرات کے بارے میں جتنی روایات ملتی ہیں۔ ان کا یہی نچوڑ ہے کہ جسمانی طور پر نقاہت و کمزوری محسوس ہوتی لیکن ایسی کوئی ضعیف سے ضعیف روایت بھی موجود نہیں جس سے یہ پتہ چلتا ہو کہ فرائضِ نبوت کی ادائیگی میں کبھی بال برابر فرق آیا ہو۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ نماز کے ارکان میں تقدیم و تاخیر سرزد ہوئی ہو یا تلاوتِ قرآن کے وقت نسیان طاری ہو گیا ہو یا مملکتِ اسلامیہ کی توسیع اور استحکام یا اسلام کی تبلیغ میں کوئی معمولی سا رخنہ بھی پیدا ہوا ہو۔

جب تکلیف زیادہ بڑھی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بارگاہِ الٰہی میں دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ اسی رات حضور کو خواب میں حقیقتِ حال سے آگاہ فرما دیا گیا ! چنانچہ حضور نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کو بتایا کہ اے عائشہ میں نے اپنے رب سے جس بات کے بارے میں دریافت کیا تھا میرے خدا نے مجھے اس کے متعلق بتا دیا ہے۔ حضرت عائشہ نے عرض کی یا رسول اللہ کیا بتایا گیا ہے۔ ارشاد ہوا رات کو خواب میں دو آدمی میرے پاس آئے۔ ایک میرے سرہانے بیٹھ گیا اور دوسرا پاؤں کے نزدیک۔ (بعض روایات میں ہے کہ وہ جبرائیل اور میکائیل تھے)، ایک نے دوسرے سے پوچھا "انہیں کیا تکلیف ہے"۔ دوسرے نے جواب دیا "انہیں جادو کیا گیا ہے"۔ پوچھا "کس نے کیا ہے ؟" جواب ملا "لبید ابن اعصم نے"۔ پوچھا "کس چیز میں"۔ بتایا "کنگھی کے ایک ٹکڑے کو اور چند بالوں کو زکھجور کے خوشہ کے پردے میں رکھ کر"۔ پوچھا "کہاں رکھا ہے ؟" بتایا "ذی اروان کے کنوئیں کی تہ میں ایک پتھر کے نیچے"۔ پوچھا "اب کیا کرنا چاہیے"۔ بتایا "اس کنوئیں کا سارا پانی نکال دیا جائے پھر اس

پتھر کے نیچے سے ان چیزوں کو نکالا جائے"۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فوراً حضرت سیدنا علی، عمار ابن یاسر اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کو اس مقصد کے لیے اس کنویں کی طرف بھیجا۔ انہوں نے پانی نکال کر اس کنویں کو خشک کر دیا۔ اتنے میں حضور خود بھی وہاں تشریف لے گئے پتھر کو اٹھایا تو اس کے نیچے سے وہ غلاف نکلا، اسے کھولا تو اس کے اندر کنگھی کا ایک ٹکڑا، چند بال جو تانت کے ایک ٹکڑے میں بندھے ہوئے تھے اور اس تانت میں گیارہ گرہیں لگی ہوئی تھیں۔ اسی اثنا میں حضرت جبرائیل حاضر ہوئے اور یہ دو سورتیں پڑھ کر سنائیں اور عرض کیا کہ "آپ ان سورتوں کی ایک ایک آیت پڑھتے جائیں اور ایک ایک گرہ کھولتے جائیں اور ایک ایک سوئی نکالتے جائیں"۔ چنانچہ دونوں سورتوں کی گیارہ آیتیں پڑھی گئیں۔ ان کی تلاوت سے گیارہ گرہیں کھلیں اور ساری سوئیاں نکل گئیں۔ اس طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طبیعت ہشاش بشاش ہو گئی اور جادو کا سارا اثر زائل ہو گیا۔

صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ اجازت ہو تو اس خبیث کا سر قلم کر دیا جائے۔ حضرت سید عالم نے ارشاد فرمایا:

اما انا فقد شفانی اللہ واکرہ ان اثیر علی الناس شرا۔

ترجمہ: "مجھے تو اللہ تعالیٰ نے شفا بخش دی ہے۔ میں اپنے لیے لوگوں میں فتنہ کی آگ بھڑکانا نہیں چاہتا"۔

سبحان اللہ رحمت للعالمین کی کیا شان ہے۔ اپنی ذات کے لیے اپنی جان کے دشمنوں سے بھی کبھی انتقام نہیں لیا۔ صلی اللہ علیک یارسول اللہ۔ صلی اللہ علیک یا مقیل العثرات۔ صلی اللہ علیک یا صفوح عن الزلات وبارک وسلم۔

اس واقعہ کا خلاصہ آپ نے ملاحظہ فرما لیا ہے۔ اب ذرا قدیم معتزلہ اور جدید عقلیت پسندوں کے اعتراضات کا مطالعہ فرمائیے۔ وہ ان تمام روایات کو ساقط الاعتبار، ناقابلِ اعتماد قرار دیتے ہوئے بیک قلم ان پر خطِ تنسیخ کھینچ دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اگر ان روایات کو صحیح تسلیم کیا جائے، تو اس سے منصبِ نبوت کی توہین ہوتی ہے بلکہ ہر قسم کی وحی اور شریعت کے جملہ احکام پر سے وثوق اٹھ جاتا ہے۔ کیونکہ اگر ان روایات کے مطابق مان لیا جائے کہ حضور پر جادو کا اثر ہو گیا تھا تو پھر یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے اثر سے کوئی آیت ذہن سے اتر گئی ہو قرآنی آیت کے بجائے کسی خود ساختہ جملہ کو آیتِ قرآنی فرض کر لیا گیا ہو۔ شریعت کا یہ قانون اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ ہو بلکہ سحر کی فسوں کاری کا کرشمہ ہو نیز یہ روایات اس آیت کے بھی منافی ہیں۔ "واللہ یعصمک من الناس"۔ "کہ لوگوں کی شرانگیزیوں سے اللہ تعالیٰ آپ کا محافظ ہے"۔ جب عصمتِ نبوت کی ذمہ داری خود اللہ رب العزت نے لی ہے تو پھر یہ کیسے مان لیا جائے کہ یہودیوں کے سحر کا حضور پر اثر ہو گیا ہو۔ عقل کے جدید اور قدیم پرستاروں کا نظریہ آپ نے پڑھ لیا۔ بات کا جس طرح انہوں نے تبنگڑ بنایا ہے اس کو بھی آپ نے دیکھ لیا۔

ان اعتراضات اور شکوک کے بارے میں اہلِ سنت یہ کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دو حیثیتیں تھیں۔ ایک حیثیتِ نبوت اور دوسری حیثیتِ بشریت۔ عوارضِ بشری کا ورود ذاتِ اقدس پر ہوتا رہتا تھا۔ بخار، درد، چوٹ لگنا۔ دندانِ مبارک کا شہید ہونا۔ طائف میں پنڈلیوں کا لہولہان ہونا اور احد میں جبینِ سعادت کا زخمی ہونا۔ یہ سب واقعات

تاریخ کے صفحات کی زینت ہیں۔ یہ لوگ بھی ان سے انکار کی جرأت نہیں کرسکتے اور ان عوارض سے حضور کی شانِ رسالت اور حیثیت نبوت پر قطعاً کوئی اعتراض وارد نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح یہاں بھی جادو کا اثر حضور کی جسمانی صحت تک محدود تھا رسالت کا کوئی پہلو قطعاً اس سے متاثر نہ تھا۔ اگر ایسا ہوتا کہ اس جادو سے حضور کوئی آیت بھول جاتے یا الفاظ میں تقدیم و تاخیر کر دیتے یا قرآن میں اپنی طرف سے کوئی جملہ بڑھا دیتے یا نماز کے ارکان میں ردو بدل ہوجاتا تو اسلام کے بدخواہ اتنا شور و غل مچاتے کہ الامان والحفیظ! ابطالِ رسالت کے لیے انہیں ایک ایسا مہلک ہتھیار دستیاب ہوجاتا کہ اس کے بعد انہیں دعوتِ اسلامی کو ناکام کرنے کے لیے مزید کسی ہتھیار کی ضرورت نہ رہتی۔ لیکن اس قسم کا کوئی واقعہ کسی حدیث یا تاریخ کی کتاب میں موجود نہیں۔ دشمنانِ اسلام نے آج تک جتنی کتابیں پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں لکھی ہیں اُن میں بھی اس قسم کا کوئی واقعہ درج نہیں۔ معلوم ہوا کہ لبید یہودی کے جادو کا اثر فقط اس حد تک ہوا کہ صحتِ گرامی متاثر ہوئی جس طرح علامہ سیوطیؒ اور علامہ آلوسیؒ کے حوالے نقل کیے جاچکے ہیں۔

رہی یہ بات کہ جادو کی کوئی حقیقت ہے یا نہیں؟ جادو سے کسی چیز کی حقیقت بدل جاتی ہے یا فقط نظربندی کے طور پر چیز ہوتی کچھ ہے اور دکھائی کچھ دیتی ہے۔ یہ ایک الگ بحث ہے لیکن اس سے لوگوں کا متاثر ہونا ایک یقینی چیز ہے۔ ساحرانِ فرعون کا تذکرہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر فرمایا گیا ہے۔ نصِ قرآنی سے یہ چیز ثابت ہے کہ لوگ ان رسیوں کو سانپ خیال کرنے لگے۔ سانپوں کی طرح انہیں لہراتے ہوئے دیکھ کر وقتی طور پر موسیٰ علیہ السلام بھی خائف و ہراساں ہوگئے قرآن کریم کے الفاظ ملاحظہ فرمائیے:

فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ اَنَّهَا تَسْعٰى. فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى.

ترجمہ: پس ان کی رسیاں اور سونٹیاں آپ کو یوں معلوم ہوتا کہ وہ دوڑ رہی ہیں، ان کے دل میں خوف پیدا ہوا۔ ہم نے کہا اے موسیٰ! مت ڈرو۔ تم ہی سربلند ہو۔

انہیں کے بارے میں سورہ طٰہٰ میں ہے: سَحَرُوْا اَعْيُنَ النَّاسِ: یعنی ان جادوگروں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا تھا۔

بحث سوئم: جھاڑ پھونک کے بارے میں اسلام کا کیا حکم ہے؟

ایک بات پہلے ہی ذہن نشین کرلینا ضروری ہے۔ جھاڑ پھونک کا رواج ہر انسانی معاشرہ میں قدیم ازمنہ سے موجود رہا ہے اس مقصد کے لیے جو منتر، طلسم یا نقوش اُن کے ہاں رواج پذیر تھے۔ اُن کی دیویاں، دیوتاؤں کے نام، شیطانی قوتوں سے استمداد، آسمانی کواکب و سیارات سے استغاثہ وغیرہ عام تھا۔ نیز وہ ان چیزوں کو مؤثر حقیقی اور فاعلِ مستقل یقین کرتے تھے۔

اسلام نے شرک کو بیخ و بُن سے اکھیڑ کر رکھ دیا۔ اُن کے اس عقیدہ کے بطلان کو طشت ازبام کردیا کہ اللہ کے علاوہ کوئی دیوی، دیوتا، کوئی چاند تارا یا سورج مؤثر حقیقی ہوسکتا ہے۔ اس لیے یہ تو گمان ہی نہیں کیا جاسکتا کہ اسلام کسی ایسے منتر یا جھاڑ پھونک کی اجازت دے جس میں شرک یا شرکیہ عقائد کا شائبہ تک بھی پایا جاتا ہو۔ اس لیے ایسے تمام منتر، طلسم، نقوش

تعویذات وغیرہ اسلام میں قطعاً حرام اور ممنوع ہیں۔ جن احادیث میں دم کرنے، جھاڑ پھونک کرنے وغیرہ کی ممانعت کی گئی ہے ان جملہ احادیث سے اسی قسم کے شرکیہ اعمال مُراد ہیں لیکن ایسا دم یا تعویذ جس میں اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے کوئی اسم مُبارک، کوئی آیت قرآنی یا سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ پاک سے نکلا ہُوا کوئی جُملہ ہو یا جس نقش میں یا دم میں شرکیہ بات نہ ہو اُس کا کرنا جائز ہے۔ حضور خود بھی اپنے آپ کو دم فرمایا کرتے اور صحابہ کرام پر بھی دم کرتے اور حسنین کریمین کو تو خصوصی دم فرمایا کرتے۔ عہدِ رسالت میں اور اس کے بعد صحابہ کا بھی یہ معمول تھا۔ اُس وقت سے لے کر اَب تک پاکانِ اُمت کا بھی یہ دستور ہے۔ آپ چند شواہد ملاحظہ فرمایئے!

سب سے پہلی دلیل قرآن دو سُورتوں کا نزول ہے اور ان کے پڑھنے کی برکت سے جادو کی تاثیر کا ختم ہو جانا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ معمول تھا کہ ہر شب آرام کرنے سے پہلے آخری تینوں قُل پڑھتے، اپنے مبارک ہاتھوں پر دم فرماتے پھر اپنے سارے جسم پر انہیں پھیر لیتے۔ یہ معمول حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے۔ جو خود عینی شاہد ہیں۔ جن محدثین نے اس روایت کو اسنادِ صحیحہ سے نقل کیا ہے۔ اُن میں امام بخاری، امام مُسلم، امام مالک۔ ابن ماجہ، ابوداؤد علیہم الرحمۃ جیسے اکابر ہیں۔

نیز امام بخاری، امام احمد، ترمذی، ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس سے یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سیدنا امام حسن اور سیدنا امام حُسین کو یہ پڑھ کر دم فرمایا کرتے:

اُعِیْذُ کُمَا بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّآمَّۃِ مِنْ کُلِّ شَیْطَانٍ وَّ ھَامَّۃٍ وَّمِنْ کُلِّ عَیْنٍ لَّامَّۃٍ

حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی نے ایک روز عرض کیا: یا رسُول اللہ! جب سے مُسلمان ہُوا ہوں مجھے شدید درد ہوتا ہے یُوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ جان لیوا ثابت ہوگا۔ حضُور نے فرمایا: درد کی جگہ پر اپنا دایاں ہاتھ رکھو، پھر تین بار بسم اللہ پڑھو اور سات مرتبہ یہ پڑھتے ہُوئے درد کی جگہ پر ہاتھ رکھو: اَعُوْذُ بِاللّٰہِ وَقُدْرَتِہٖ مِنْ شَرِّ مَآ اَجِدُ وَاُحَاذِرُ۔

مسند امام احمد اور طحاوی میں طلق بن علی کی روایت ہے کہ مجھے رسُول اللہ کی موجودگی میں بچھو نے ڈنگ مارا۔ حضُور نے مجھے دَم فرمایا اور دستِ مُبارک پھیرا۔

صحیح مسلم میں ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم بیمار ہُوئے عیادت کے لیے جبریل امین حاضر ہُوئے۔ پُوچھا: جانِ عالم! کیا آپ بیمار ہو گئے؟ فرمایا ہاں۔ جبرئیل نے یہ پڑھ کر دم کیا:

بِاسْمِ اللّٰہِ اَرْقِیْکَ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ یُّؤْذِیْکَ مِنْ شَرِّ کُلِّ نَفْسٍ اَوْعَیْنٍ حَاسِدٍ، اَللّٰہُ یَشْفِیْکَ۔ بِاسْمِ اللّٰہِ اَرْقِیْکَ۔ (ترجمہ) مَیں اللہ کا نام لے کر آپ کو دَم کرتا ہُوں ہر اُس چیز سے جو آپ کو اذیت دے اور ہر نفس اور حاسد کی نظر سے۔ اللہ آپ کو شفا دے۔ مَیں اللہ کا نام لے کر آپ کو دم کرتا ہُوں۔

مُسند امام احمد میں اُمّ المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے حُجرہ میں رونق افروز ہُوئے میرے پاس شفاء نامی ایک خاتون بیٹھی تھی جو نملہ (دنبل) کا دَم کیا کرتی تھی۔ حضُور نے فرمایا شفاء یہ دَم حفصہ کو بھی سکھا دو۔ خود شفاء بنتِ عبداللہ کہتی ہیں کہ مجھے حضور نے فرمایا کہ تم نے حفصہ کو جس طرح لکھنا پڑھنا

سکھایا ہے نملہ کا دم بھی سکھا دو۔ (مسند امام احمد، ابوداؤد، نسائی)

صحیح مسلم میں عوف ابن مالک اشجعی کی یہ روایت مذکور ہے کہ ہم نے حضور کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ! ہم جاہلیت میں جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے۔ اب اس کے بارے میں کیا ارشاد ہے۔ حضور نے فرمایا: جو پڑھ کر تم دم کیا کرتے تھے وہ مجھے سناؤ۔ جھاڑنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے جب تک اس میں شرک نہ ہو۔"

حضرت جابر ابن عبداللہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھاڑ پھونک سے منع فرما دیا۔ پھر حضرت عمرو ابن حزم کے خاندان کے لوگ آئے اور عرض کیا کہ ہمارے پاس ایک عمل تھا جس سے ہم بچھو، سانپ کے کاٹے کو دم کیا کرتے تھے مگر حضور نے ان کاموں سے منع فرما دیا ہے۔ پھر انہوں نے وہ دم پڑھ کر سنایا۔ حضور نے فرمایا: اس میں تو میں کوئی مضائقہ نہیں پاتا، تم میں سے جو شخص اپنے کسی بھائی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے وہ ضرور پہنچائے۔

(مسلم، مسند احمد، ابن ماجہ)

میں نے کثیر التعداد احادیث میں سے صرف چند احادیث پیش کی ہیں۔ طالب حق کے لیے اس میں کفایت ہے۔

ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ ہر چیز اسی وقت نفع پہنچاتی جب اذنِ الٰہی ہو۔ اس کے علاوہ کوئی چیز بھی اثر نہیں کرتی۔ اگر جڑی بوٹیاں، گولیاں، شربت، معجونیں اور ٹیکے اذنِ الٰہی سے صحت و عافیت کا سبب بن جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ آیاتِ قرآنی اور فرمودات رسالت اذنِ الٰہی سے کیوں مؤثر نہیں ہو سکتے۔ آخر میں ایک بات کی طرف اشارہ کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ کیا دم اور تعویذ پر نذرانہ وصول کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اس کے لیے حضرت ابوسعید خدری کی اس روایت سے استدلال کافی ہے جو امام بخاری، امام مسلم، ترمذی اور دیگر کتب احادیث میں منقول ہے۔ اس کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مہم پر اپنے چند صحابہ کو بھیجا جن میں حضرت ابوسعید خدری بھی تھے۔ ان کا گزر ایک بستی سے ہوا جہاں ایک عرب قبیلہ سکونت پذیر تھا۔ انہوں نے اس قبیلہ سے اپنے لیے کھانے کا مطالبہ کیا، لیکن انہوں نے انہیں کوئی چیز دینے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ مسلمانوں نے بغیر کچھ کھائے رات بسر کی۔ اسی اثنا میں قبیلہ کے سردار کو کسی زہریلے بچھو نے ڈنگ مار دیا۔ جب اس کی تکلیف حد سے زیادہ بڑھی تو وہ لوگ مسلمانوں کے پاس آئے اور آکر کہا کہ ہمارے سردار کو بچھو نے کاٹا ہے۔ وہ درد سے تلملا رہا ہے۔ اگر تم لوگوں کے پاس کوئی دوا ہو یا کوئی دم کر سکتا ہو تو وہ آکر اسے دم کرے۔ حضرت ابوسعید نے کہا کہ ہمارے پاس اس کا علاج تو ہے لیکن تم نے بڑی بے مروتی کا سلوک کیا ہے ہمیں کھانا تک نہیں دیا اس لیے جب تک تم ہمیں کچھ معاوضہ دینا طے نہ کرلو اس وقت تک ہم اس کا علاج نہیں کریں گے۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ اگر ہمارے سردار کو آرام آگیا تو ہم تیس بکریوں کا ایک ریوڑ دیں گے۔ حضرت ابوسعید گئے اور سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد اپنا لعاب دہن اس پر ملا۔ درد زائل ہوگیا اور ان کا سردار بالکل تندرست ہوگیا۔ قبیلے والوں نے وعدہ کے مطابق ریوڑ جس میں تیس بکریاں تھیں مسلمانوں کو دیا۔

جب حضرت ابوسعید وہ ریوڑ لے کر مسلمانوں کے پاس واپس آئے تو انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ جب تک حضور نبی کریم سے مسئلہ دریافت نہ کرلیں اس وقت تک ہمیں یہ بکریاں استعمال میں نہیں لانی چاہئیں۔ جب مہم سے فارغ ہونے کے بعد یہ حضرات مدینہ طیبہ واپس پہنچے تو سارا قصہ عرض خدمت کیا۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مسکراتے ہوئے فرمایا۔ تمہیں یہ کس طرح پتہ چلا کہ یہ سورت پڑھ کر دم کیا جاتا ہے۔ بکریاں لے لو اور اس میں سے میرا حصہ بھی نکالو۔

اس روایت کے بعد اس مسئلہ پر مزید بحث کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔

موضوع ان سورتوں کی تشریح کے ضمن میں تمام چیزیں تفصیل سے بیان کردی گئی ہیں۔ یہاں آپ اتنا ہی خیال رکھیں کہ بندہ کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو اگر وہ حق کے لیے سربکف باطل کے سامنے میدان جہاد میں قدم رکھتا ہے تو ایک ذات ایسی ہے جس کے دامن میں اُسے پناہ مل سکتی ہے اور وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ہے۔ مسلمان کو چاہیے کہ کبھی ہراساں اور مایوس نہ ہو، اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھے اور ان کلماتِ طیبات سے اس کی بارگاہ میں پناہ کے لیے عرض کرتا رہے۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا

۱۵ اپریل ۱۹۷۷ء

کل مجھے اور میرے پانچ ساتھیوں کو رحیم بخش فیاض مجسٹریٹ درجہ اول بھلوال نے چار ماہ قید بامشقت کی سزا سنائی۔ الحمدللہ۔

اللّٰھُمَّ اغفِر لِکاتِبِہٖ

سُوْرَةُ الْفَلَقِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسُ اٰيَاتٍ

سورہ الفلق مدنی ہے اور اس میں پانچ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ① مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ② وَمِنْ شَرِّ

آپ عرض کیجیے میں پناہ لیتا ہوں صبح کے پروردگار کی [۱] ہر اس چیز کے شر سے جس کو اس نے پیدا کیا [۲] اور (خصوصاً) رات کی

[۱] علامہ راغب عوذ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: العوذ: الالتجاء الی الغیر والتعلق بہ. کسی کی پناہ لینا اور اس کے ساتھ چمٹ جانا۔ علامہ ابن منظور لکھتے ہیں: عاذ بہ یعوذ عوذًا: لاذ بہ والجأ الیہ واعتصم. (لسان العرب) کسی کی پناہ لینا، کسی کا دامن مضبوطی سے پکڑ لینا۔

الفلق کا اصلی معنی تو چیرنا اور پھاڑنا ہے۔ اس آیت میں اس سے مراد صبح ہے جو رات کا سینہ چاک کرکے باہر نکلتی ہے۔ قرآن کریم کی یہ دو آخری سورتیں ہیں۔ انہیں معوذتین کہتے ہیں۔ اس کتاب مقدس میں انسان کا منشورِ حیات پیش کر دیا گیا۔ اس کی منزل متعین کر دی گئی جس کے بغیر اور کوئی منزل اس قابل نہیں کہ نوعِ انسانی کے کسی فرد کی یا کسی جماعت کی منزل بن سکے۔ یہی وہ بلند منزل ہے جس پر خیمہ زن ہونے کے لیے پرکشا ہونا اس مسجودِ ملائک کو زیب دیتا ہے۔ لیکن اس منزل کی راہ مشکلات سے اَٹی ہوئی ہے۔ قدم قدم پر رکاوٹوں کے پہاڑ راستہ روکے کھڑے ہیں۔ کمین گاہوں میں اس کے دشمن اس کی تاک میں بیٹھے ہیں تاکہ جب موقع ملے وہ اس پر جھپٹ پڑیں۔ اس کی دشمن قوتیں ایسی بھی ہیں جو اس کی جسمانی صلاحیتوں کو فنا کرنے کے لیے پر تول رہی ہیں۔ بعض ایسی ہیں جو اس کی متاعِ ایمان کو غارت کر دینا چاہتی ہیں۔ یہ مشتِ خاک بیک وقت ان تمام دشمنوں سے کیسے برسرِ پیکار ہو سکتا ہے اور کیونکر ان میں سے ہر ایک کو پچھاڑ سکتا ہے؟ اس لیے اس راہروِ منزلِ شوق کو قرآن کریم ایک ایسی ہستی کی پناہ لینے کا درس دے رہا ہے جو سب سے اعلیٰ سب سے بالا اور سب سے اقویٰ اور سب پر غالب ہے۔ وہ تیرے ظاہری اور باطنی دشمنوں کو جانتا ہے۔ وہ تیرے جسمانی اور روحانی اعداء کو بھی پہچانتا ہے۔ تیرے خلاف ان کے کھلے منصوبوں اور خفیہ سازشوں سے اچھی طرح آگاہ ہے اور ان منصوبوں کو خاک میں ملانے اور ان کی سازشوں کو ناکام کرنے کی بھی پوری قوت رکھتا ہے۔ آؤ! اس کی پناہ لے لو۔ اس کے دامنِ کرم کو مضبوطی سے پکڑ لو پھر بے خوف و خطر اپنی منزل کی طرف بڑھتے چلو۔ تم کس بلندی پر اپنا آشیانہ بناتے ہو، یہ تمہارے عزم اور ہمت پر منحصر ہے۔ خارجی اور داخلی مزاحمتوں سے اب تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں۔

اس سورت میں ان امور کا ذکر کیا گیا جو انسان کی جسمانی نشوونما اور صحت و عافیت کے لیے خطرناک ہیں اور دوسری سورت میں

غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۝۳ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ۝۴ وَ

تاریکی کے شر سے جب وہ چھا جائے ۳ـــہ اور ان کے شر سے جو پھونکے مارتی ہیں گرہوں میں ۴ـــہ اور

ان خطرات کا ذکر کیا گیا جو اس کے ایمان و ایقان کو اس سے چھین لینا چاہتے ہیں۔

اس سورت کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو حکم دیا اور حضور کے واسطے سے ہر غلام بارگاہِ رسالت کو حکم دیا کہ کہہ: میں پناہ لیتا ہوں صبح کے پروردگار کی جس نے رات کی تاریکی کو صبح کے اجالے سے بدل دیا' رات کے سناٹے اور ویرانے کو دن کی رونقوں سے نواز دیا' جس نے رات کی وحشتوں کو دن کی دلچسپیوں میں تبدیل کر دیا' جو نامساعد حالات کو یوں تبدیل کرنے پر قادر ہے' وہ تیری بگڑی بھی بنا سکتا ہے' تیری امیدوں کی دنیا میں جو گھپ اندھیرا ہے' اس کی نظرِ کرم سے وہ بھی کافور ہو سکتا ہے' اس کی بارگاہِ بیکس پناہ میں حاضر ہو کر فریاد تو کر' پھر دیکھ کیا ہوتا ہے؟

۲ـــہ میں ہر چیز کی اذیت رسانی اور شر انگیزی سے پناہ مانگتا ہوں۔ کیونکہ ہم نہ تمام چیزوں کو شمار کر سکتے ہیں اور نہ ہر چیز کی مضرتوں کا اندازہ لگا سکتے ہیں' اپنے ناقص علم کے باعث ہم ایک چیز کو اپنے لیے بڑا فائدہ مند خیال کرتے ہیں درحقیقت وہی چیز ہمارے لیے ضرر اور تکلیف دہ ثابت ہوتی ہے' اس لیے تفصیلات کو رہنے دو اور یہ عرض کرو کہ جس چیز کا تُو خالق ہے' اس میں مضرت اور تکلیف کا میرے لیے جو پہلو ہے' جسے تُو خوب جانتا ہے اور جس کے دُور کرنے پر تُو قادر ہے' میں تجھ سے ہی اس کی پناہ مانگتا ہوں۔

۳ـــہ الغاسق: اللیل المظلم: تاریک رات' شبِ دیجور۔ وَقَبَ: کسی چیز کا کسی چیز میں داخل ہو جانا' اس کے رگ و پے میں سما جانا۔

رات کی تاریکی کی شدت کا ذکر ہو رہا ہے کہ جب اس کی ظلمت کائنات کی ہر چیز کو اپنے دامن میں لپیٹ لے' ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا پھیل جائے' یہ منظر بذاتِ خود بڑا دہشت ناک اور کرب انگیز ہوتا ہے۔ نیز رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھا کر چور' چوری کرتا ہے' قاتل خونریزی کرتا ہے' آبروئیں اور عصمتیں اسی کی اوٹ میں لوٹی جاتی ہیں' شر انگیز قوتیں ہر قسم کی مزاحمت سے بے خوف ہو کر شر انگیزی کی حد کر دیتی ہیں اور جس کو لوٹنا ہوتا ہے' وہ خود خوابِ غفلت میں بے سدھ پڑا ہوتا ہے۔ دشمن بے خبری میں اس کو اپنے نرغے میں لے لیتا ہے' اُسے اتنی فرصت بھی نہیں ملتی کہ وہ مدد کے لیے اپنے کسی دوست کو پکار سکے' اس لیے رات کی تاریکی کے شر سے بالخصوص پناہ مانگنے کی تلقین کی جا رہی ہے۔

۴ـــہ نفاثات: نفاثہ کی جمع ہے' یہ مبالغہ کا صیغہ ہے۔ نَفَثَ کا معنی ہے قذف الریق القلیل (مفردات)' تھوڑی سی تھوک پھینکنا' لیکن علامہ ابنِ منظور کہتے ہیں کہ تھوڑی سی تھوک پھینکنے کو التفل کہا جاتا ہے۔ نفث اس سے بھی نیچے کا درجہ ہے جو پھونک مارنے سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے۔ النفث اقل من التفل لان التفل لایکون الامعہ شیئ من الریق والنفث شبیہ النفخ۔ (لسان العرب)

مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ ۝

(میں پناہ مانگتا ہوں) حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے ۵

عقد: عقدہ کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے گرہ۔ جادوگر جب جادو کرتے ہیں، تو وہ منتر اور طلسم پڑھ کر ایک دھاگے میں گرہ ڈالتے ہیں اور اس پر پھونک مارتے ہیں۔ جس طرح پاک کلام کے پاکیزہ اثرات ہوتے ہیں، اسی طرح ابلیسی منتروں اور شیطانی طلسموں کے تکلیف دہ نتائج ہوتے ہیں۔ سحر سے کسی چیز کی حقیقت بدلتی ہے یا نہیں؟ یہ ایک الگ موضوع ہے، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اس سے انسان نفسیاتی طور پر ضرور متاثر ہوتا ہے۔ ہاروت و ماروت کے واقعہ میں بھی یہ بتایا گیا ہے کہ شیاطین لوگوں کو ایسا جادو سکھایا کرتے تھے ما یفرقون بہ بین المرء و زوجہ کہ اچھا بھلا رستا بستا گھر اختلاف کی نذر ہو جاتا۔ میاں بیوی کی باہمی محبت و پیار، نفرت و عداوت سے بدل جاتی۔ ساحران فرعون کے متعلق بھی قرآن کریم میں مذکور ہے کہ جب انہوں نے اپنے منتر پڑھ کر رسیوں پر پھونک ماری تو ہزارہا لوگ جو وہاں دربار میں موجود تھے، ان سب کو یہی نظر آیا کہ وہ رسیاں سانپ بن گئی ہیں اور سانپ کی طرح لہرا رہی ہیں۔

کسی کو کیا خبر کہ کوئی خبیث الفطرت انسان اس کے لیے کیا کیا جادو کر رہا ہے اور چند ٹکوں کے عوض کس طرح اس کے درپئے آزار ہے، اس لیے اس چیز کو بھی خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا کہ الٰہی جو بدکیش مجھے دکھ پہنچانے میرے گھر کا سکون برباد کرنے میری صحت کو بگاڑنے کے لیے ان ذلیل حرکتوں میں لگے ہوئے ہیں، میں خود ان کے شر سے اپنی حفاظت نہیں کر سکتا۔ اے میرے مولا! اے میرے نگہبان! مجھے اپنی پناہ میں لے لے اور ان کے شر سے مجھے بچا لے۔

جادوگری کا پیشہ اکثر و بیشتر عورتیں کیا کرتی تھیں، اس لیے نفاثات مونث کا صیغہ استعمال کیا۔

۵ حسد کی تشریح کرتے ہوئے ابن منظور لکھتے ہیں: اذا تمنّی ان تتحول الیہ نعمتہ و فضیلتہ او یسلبھما ھو۔ (لسان العرب) یعنی کسی کی خوشحالی اور عزت کو دیکھ کر جلنا اور یہ آرزو کرنا کہ کاش یہ دولت اس کے بجائے مجھے ملتی، اس عزت و فضیلت سے اس کے بجائے میں بہرہ ور ہوتا ——— اور اگر یہ چیزیں میرے نصیب میں نہ تھیں، تو کم از کم اس سے چھین لی جاتیں، اس کو بھی ان سے محروم کر دیا جاتا۔

یہ جذبہ انسان کی کمینگی اور خست طبع پر دلالت کرتا ہے، لیکن بات یہاں تک محدود نہیں رہتی۔ بسا اوقات یہ بڑے بڑے جور و ستم کا سبب بن جاتی ہے۔ جو انسان حسد کی آگ میں جل رہا ہوتا ہے، وہ ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھا نہیں رہتا بلکہ ایسی تدبیریں سوچتا ہے، ایسی سازشیں کرتا ہے، اس قسم کے گٹھ جوڑ کرتا ہے جس سے وہ اپنی ناپاک آرزو کو پورا کر سکے۔ اس سے ایسی ایسی مذموم حرکتیں سرزد ہوتی ہیں جو شرف انسانی سے کوئی مناسبت نہیں رکھتیں۔ قابیل نے ہابیل کو حسد کی وجہ سے ہی قتل کیا تھا۔ ابوجہل اور دیگر اکابر قریش یہ جانتے ہوئے بھی کہ حضور سچے نبی ہیں، محض حسد کی وجہ سے دین اسلام کو قبول نہیں کرتے تھے۔

جس انسان پر اللہ تعالیٰ کا کوئی خصوصی کرم ہوتا ہے، اس کے بدخواہ اکثر پیدا ہو جاتے ہیں، وہ ان کی عزت کرتا ہے، ان کی

دلجوئی کرتا ہے ' جہاں تک بن پڑے ان کی خدمت سے بھی گریز نہیں کرتا اس کے باوجود حاسدوں کے سینوں میں حسد کی آگ بھڑکتی رہتی ہے۔ وہ بلا وجہ جلتے رہتے ہیں۔ انسان نہ تو خود ہر حاسد کو پہچان سکتا ہے اور نہ حاسدوں کے منصوبوں سے آگاہ ہو سکتا ہے اور اگر آگاہ ہو بھی جائے تو بسا اوقات ان کا تدارک کرنے سے قاصر ہوتا ہے۔ اس لیے حکم دیا جا رہا ہے کہ تم اپنے رب کریم کے دامن عاطفت میں پناہ لے لو۔ بے شک ان حاسدوں کی شرانگیزیوں سے وہی بچ سکتا ہے جسے اس کی پناہ حاصل ہو جائے۔

الٰہی! تیرا یہ زار و ناتوان' ضعیف و بے نوا بندہ تیرے دامن لطف و کرم میں پناہ طلب کرتا ہے۔ تیری پناہ کے بغیر اس کا کوئی ٹھکانا نہیں۔

اللھم صل وسلم وبارک علی سیدنا ومولنا محمد الحامد المحمود وعلی الہ وصحبہ ومن تبعہ و احبہ الی یوم الدین۔

تعارف

سُورۃُ الفلق والنّاس

نام : پہلی سورت کا نام 'الفلق' اور دُوسری کا 'الناس' ہے۔ دونوں سُورتوں کا نزول بھی بیک وقت ہُوا مفہوم معنی اور مقصد کے اعتبار سے بھی ان میں اس قدر اتصال ہے کہ انہیں الگ الگ کرنا بہت دُشوار ہے۔ اس لیے انہیں معوذتین کے ایک نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ ان کے الگ الگ تعارف لکھنے کے بجائے ایک ہی تعارف پر اکتفا کروں گا۔

پہلی سورۃ 'الفلق' ایک رکوع، پانچ آیتوں، تئیس کلموں اور چوہتر حروف پر مشتمل ہے اور دُوسری سورت الناس، میں ایک رکوع، چھ آیات، بیس کلمے اور اناسی حروف ہیں۔

نزول : اس بات پر تو سب متفق ہیں کہ یہ دونوں سُورتیں ایک ساتھ نازل ہُوئیں لیکن کہاں نازل ہُوئیں؟ اس میں دو قول ہیں حضرت حسن بصریؒ، عطاءؒ، عکرمہ اور جابر رضی اللہ عنہم کی یہ رائے ہے کہ ان کا نزول مکہ میں ہُوا حضرت ابنِ عباس کے ایک قول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے لیکن قتادہ، ابو صالح اور ابنِ عباس کے علاوہ علماء کی ایک جماعت کا یہ قول ہے کہ یہ دونوں سورتیں مدنی ہیں۔ بعض مفسرین نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے لیکن احادیثِ مرفوعہ دُوسرے قول کی تائید کرتی ہیں، اس لیے مرفوع حدیث کے مقابلہ میں کسی کے قول کو ترجیح دینا بہت مشکل ہے۔ ایک مرفوع حدیث جسے مسلم، ترمذی، نسائی، احمد بن حنبل علیہم الرحمۃ نے حضرت عقبہ بن عامر سے یوں روایت کیا ہے۔ عقبہ کہتے ہیں ایک روز رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: الم تر آیات انزلت اللیلۃ لم یر مثلھن اعوذ برب الفلق، اعوذ برب الناس یعنی تمہیں خبر ہے اللہ تعالےٰ نے آج رات مجھ پر ایسی آیتیں نازل فرمائی ہیں جن کی پہلے مثال نظر نہیں آتی۔ وہ اعوذ برب الفلق اور اعوذ برب الناس ہیں۔

عقبہ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں مشرف بہ اسلام ہُوئے تھے۔ ان کو حضور کا یہ ارشاد کہ "آج رات مجھ پر ایسی آیتیں نازل ہُوئی ہیں جن کی مثال پہلے نظر نہیں آتی" یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ ان سورتوں کا نزول مدینہ طیبہ میں ہُوا۔ دُوسری حدیث جو اس قول کی تائید کرتی ہے وہ ہے جس میں ان کے شانِ نزول کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ اس حدیث کو ائمہ کبار بغویؒ، نسفیؒ، بیہقیؒ، ابن سعدؒ نے روایت کیا ہے۔ ان کے علاوہ شراحِ حدیث میں سے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اور علامہ بدرالدین عینی نے اپنے اپنے اسفارِ جلیلہ میں لکھا ہے کہ سات ہجری میں جب ایک یہودی لبید بن اعصم نے جادو کیا۔ (جس کی تفصیل آگے بیان ہو رہی ہے۔) اُس وقت اس جادو کے اثرات کو کالعدم کرنے کے لیے یہ دو سورتیں نازل ہُوئیں۔ ان ائمہ حدیث کی تحقیق کے بعد اور حضرت عقبہ کی مرفوع روایت کے بعد مزید کسی دلیل کی ضرورت نہیں رہتی۔ اس لیے ان سُورتوں کے مکی ہونے پر اصرار کرنا اور

ان صریح روایات کے بارے میں یہ کہہ دینا کہ "ان مواقع پر ان سورتوں کی طرف توجہ مبذول کرائی گئی جو پہلے مکہ میں نازل ہو چکی تھیں" بہر حال میرے لیے ناقابل فہم ہے۔ جہاں تک میری سمجھ اور تحقیق کا تعلق ہے، میں تو اسی نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ مدینہ طیبہ میں نازل ہوئیں۔

چند مباحث : یہاں چند ایسے اُلجھے ہوئے مباحث ہیں، جن سے دامن بچا کر آگے نکل جانا کسی طرح درست نہیں۔ ان سورتوں کے تعارف کے ضمن میں ان مباحث کا تذکرہ اور ان سے جو شبہات جنم لیتے ہیں اُن کا ازالہ ازبس ضروری ہے۔ اس لیے قارئین کرام سے ان مباحث کے تذکرہ کی اجازت طلب کرتا ہوں۔

بحث اوّل : کیا یہ دونوں سورتیں قرآن کریم کا جزو ہیں اور قرآن کریم کی دوسری سورتوں کی طرح ان کا جزو قرآن ہونا قطعی الثبوت ہے؟

یہ سوال اس لیے پیدا ہوا کہ بعض ایسی روایات موجود ہیں جن میں یہ مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ انہیں قرآن کی سورتیں شمار نہیں کیا کرتے تھے اور جو مصحف اُنہوں نے مرتب کیا تھا۔ اُس میں بھی یہ سورتیں موجود نہ تھیں علامہ سیوطی نے صراحۃً لکھا ہے۔

اخرج احمد والبزاز والطبرانی وابن مردویه من طرق صحیحة عن ابن مسعود انه كان يحك المعوذتين من المصحف ويقول لا تخلطوا القرآن بما ليس منه انهما ليستا من كتاب الله انما امر النبی صلى الله عليه وسلم ان يتعوذ بهما وكان ابن مسعود لا يقرء بهما (الدر المنثور)

ترجمہ : امام احمد، بزاز، طبرانی، ابن مردویہ نے صحیح طریقوں سے حضرت ابن مسعود سے نقل کیا ہے کہ وہ معوذتین کو مصحف سے محو کر دیا کرتے تھے اور کہا کرتے قرآن کے ساتھ ایسی چیزیں خلط ملط نہ کرو جو اس میں سے نہیں ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے تو ان دو سورتوں کے ساتھ فقط پناہ مانگنے کا حکم دیا تھا نیز حضرت ابن مسعود ان سورتوں کی تلاوت نماز میں نہ کیا کرتے۔ (الدر المنثور)

اس میں تو کلام نہیں یہ سب اخبار احاد ہیں۔ علماء اصول حدیث نے یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ اخبار احاد کی صحت کے لیے صرف راویوں کی عدالت اور قوتِ حافظہ ہی کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اخبار احاد کا درایت کے معیار پر پورا اُترنا بھی لازمی ہے اور اُن میں سے ایک یہ ہے کہ وہ روایت بداہتِ عقل کے خلاف نہ ہو۔ اگر اس قاعدہ کو پیش نظر رکھا جائے تو ان روایات کو بنیاد بنا کر انکار کی عمارت استوار کرنا قرین دانشمندی نہیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اُن صحابہ میں سے نہ تھے جنہیں ساری عمر میں ایک آدھ بار حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی ہو یا دُنیاوی مصروفیتوں کے باعث بارگاہِ نبوت میں کبھی حاضری کی سعادت مِل جاتی ہو اور کبھی نہ ملتی ہو۔ بلکہ آپ اُن خوش نصیب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تھے جو ہمیشہ خدمتِ عالیہ میں حاضر باش رہا کرتے تھے۔ آپ کا شمار اصحاب صُفّہ میں تھا جو آٹھوں پہر مسجد نبوی میں پڑے رہتے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت، خدمت میں حاضری، ارشاد رسالت کو سُننا، اُن کو یاد رکھنا۔ قرآن کریم کی جو آیتیں نازل ہوتیں اُن کو حفظ کرنا۔ ان کی زندگی کی ساری سرگرمیاں انہی چند باتوں میں سمٹ کر رہ گئی تھیں۔ وہ تقریباً ہر نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں ادا کیا کرتے تھے۔ عقبہ ابن عامر جو ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں ایمان

لائے تھے، انہیں تو ان سورتوں کے بارے میں علم ہو کہ یہ قرآن کا حصہ ہیں اور ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ، جو ہجرت سے پہلے ہی دولتِ ایمان سے مشرف ہو چکے تھے اور شاذ و نادر ہی کبھی غیر حاضر ہوئے ہوں۔ حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار ان سورتوں کو نماز میں تلاوت فرمایا۔ صدہا صحابہ نے اپنے کانوں سے اسے سنا۔ یہ کیسے تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ جیسے ہمہ وقت حاضر باش ہر نماز حضور کی اقتدا میں پڑھنے والے کو یہ معلوم نہ ہو کہ یہ قرآن کی سورتیں ہیں یا نہیں؟ بڑی تعجب خیز بات ہے۔۔۔

اس لیے یہ روایات جو سب کی سب احاد ہیں، ان کی بنا پر حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ خیال اور خیال بھی ایسا جس سے فقط ابنِ مسعود پر ہی اعتراض وارد نہیں ہوتا بلکہ ایک ایسا دروازہ کھل جاتا ہے جس سے کفار و ملحدین کو جملہ قرآنِ کریم کے بارے میں زبانِ طعن دراز کرنے کی سند مل جاتی ہے کم از کم میرے فہم سے یہ بات بالاتر ہے۔

یہ روایت جو ابنِ قتیبہ نے نقل کی ہے کہ عبداللہ ابنِ مسعود اپنے مصحف میں معوذتین کو نہ لکھا کرتے تھے کیونکہ سنا کرتے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ دو سورتیں پڑھ کر سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہم کو دم فرماتے ہیں اور یہ دوسرے دموں کی طرح ایک دم ہی ہے۔ یہ بات بھی کسی طرح قابلِ تسلیم نہیں، کیونکہ قرآنِ کریم سراپا اعجاز ہے۔ جس کی مثال لانا کسی ایک فرد کسی انسانی جماعت بلکہ فصحاء و بلغاء کے کسی مجمع علمی سے بھی ممکن نہیں۔ اس میں اور دوسرے دموں میں کیوں کر التباس پیدا ہو سکتا ہے خصوصاً ابنِ مسعود جیسی شخصیت کو جو فصیح اللسان، لغتِ عربی کے ماہر اسالیبِ کلام اور اندازِ گفتگو کے عارف تھے۔ مزید براں جسے افصح العرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضانِ صحبت نے کندن بنا دیا تھا اُن کا اس اشتباہ میں مبتلا ہونا ناممکن ہے۔ خود علامہ سیوطیؒ نے طبرانی سے ایک حدیث بیان کی ہے:

اخرج الطبرانی فی الاوسط بسند حسن عن ابنِ مسعود عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لقد انزل علی آیات لم ینزل علی مثلهن المعوذتین۔ (الدر المنثور)

ترجمہ: طبرانی نے اوسط میں سندِ حسن سے حضرت ابنِ مسعود سے یہ ارشادِ رسالت نقل کیا ہے کہ حضور نے فرمایا کہ مجھ پر ایسی آیتیں نازل ہوئی ہیں جن کی مثل مجھ پر نازل نہیں ہوئی اور وہ معوذتین ہیں۔

اس حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابنِ مسعود کو ان آیات کے نزول کے بارے میں آگاہ فرمایا۔ ہو سکتا ہے کہ پہلے آپ کا یہی خیال ہو کہ یہ محض جھاڑ پھونک کے لیے چند جملے نازل ہوئے ہیں اور قرآن کا جزو نہیں ہیں لیکن حضور کا یہ ارشاد سننے کے بعد اگر ان کے بارے میں انہیں کوئی شک تھا بھی تو وہ دور ہو گیا اور آپ نے اپنے پہلے قول سے رجوع کر لیا۔

یہ الگ بات ہے کہ کسی کے دل میں صحابہ کو غلط کار ثابت کرنے کا اتنا زیادہ شوق ہو کہ وہ ان تمام واضح حقائق کو بھی بآسانی نظر انداز کرنے کے لیے تیار ہو جس طرح صاحبِ تفہیم القرآن نے اس مقام پر اظہارِ خیال کیا ہے اگر مان بھی لیا جائے کہ حضرت ابنِ مسعود کے مصحف میں یہ سورتیں مرقوم نہ تھیں، اس لیے وہ ان کو قرآن کا جزو نہیں سمجھتے تھے۔ تو عرض ہے کہ ان کے مصحف میں تو سورۃ فاتحہ بھی مرقوم نہ تھی۔ کیا اس کا آپ یہ مطلب لیں گے کہ وہ اسے بھی قرآن کی سورت شمار نہ کرتے تھے۔

جس کو وہ ہر نماز کی ہر رکعت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قرأت فرماتے ہوئے اپنے کانوں سے سنا کرتے تھے۔ ان سورتوں کے نہ لکھنے کی معقول وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ وہ بکثرت تلاوت کی جاتی تھیں، اس لیے انہیں نوک برزبان تھیں انہیں قطعاً یہ وہم تک بھی نہ تھا کہ وہ انہیں فراموش ہو جائیں گی۔ یہ مصحف آپ نے اپنی سہولت کے لیے مرتب کیا تھا۔ ان سورتوں کے لکھنے کی انہوں نے ضرورت محسوس نہ کی اس لیے نہ لکھیں۔

مختلف کتب میں اس قسم کی روایات پائی جاتی ہیں۔ ہر قاری کے پاس نہ اتنی استعداد ہوتی ہے اور نہ اتنی فرصت کہ وہ ان روایات کی تحقیق کر سکے، اس لیے وہ لوگ طرح طرح کی غلط فہمیوں کا شکار ہو سکتے ہیں۔ ان تمام اعتراضات اور شبہات کو دُور کرنے کے لیے اس ایک اصول کو آپ خوب ذہن نشین کر لیں کہ قرآن کریم کس کو کہتے ہیں؟ قرآن کریم وہ ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سنا اور پھر بذریعہ تواتر نقل کیا۔ صحابہ سے تابعین نے اسی تواتر سے سنا۔ یوں ہی سلسلہ وار وہ ہم تک منقول ہوتا چلا آیا ہے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں صحابہ کرام نے بالاتفاق حضرت زید ابن ثابت کے مدون کردہ نسخہ کے مطابق ایک نسخہ تیار کیا اور اُس کی متعدد نقول اپنی نگرانی میں تیار کر کے مملکت اسلامیہ کے مختلف اُمراء کی طرف روانہ کیں تاکہ عرب وعجم میں اسی کے مطابق تلاوت کی جائے اور عمل کیا جائے۔ اس لیے قرآن کریم صرف اسی مصحف مبارک کا نام ہے۔ اس کے خلاف آپ کو جو روایت نظر آئے یا وہ سند کی وجہ سے ساقط الاعتبار ہو گی یا وہ خبر واحد ہو گی یا کسی کا اپنا ذاتی قول ہو گا۔ الغرض کلام الٰہی وہی ہے جو اس مصحفِ عثمانی کے مطابق ہے جس پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے اور اُس وقت سے لیکر آج تک اس میں نہ کسی لفظ کی کمی بیشی ہوئی نہ کسی آیت میں تقدیم وتاخیر رونما ہوئی نہ کلمات کی ترتیب میں کوئی تغیر رونما پذیر ہوا۔

بحثِ دوئم: نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کیا جادو کیا گیا؟ اور ذاتِ اقدس واطہر پر اس کا اثر کیا ظاہر ہوا؟

اس کے بارے میں اپنی تحقیق پیش کرنے سے پہلے میں قارئین کرام کے سامنے اُن تمام روایات کا خلاصہ پیش کرتا ہوں جو مختلف کتب میں باختلافِ الفاظ منقول ہیں۔ اس کے بعد ان اعتراضات کا ذکر کروں گا جو قدیم اور جدید معتزلیوں نے وارد کیے ہیں۔ بعد ازاں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اہلِ سُنت کے موقف کو بیان کروں گا۔

"یثرب کے یہودیوں کو روزِ اول سے ہی جو بلاوجہ عداوت اور حسد حضور کی ذاتِ اقدس کے ساتھ تھا اس کی تفصیلات کئی مقامات پر آپ پڑھ چکے ہیں۔ جیسے جیسے اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کی شان کو بلند کرتا۔ فتوحات کے دروازے کھلتے جاتے، ایسے ایسے ہی ان کی عداوت کے شعلے بھڑکنے لگتے۔ ۷ھ میں جب حدیبیہ سے حضور بخیریت واپس تشریف لائے تو خیبر کے یہودیوں کا ایک وفد مدینہ کے ایک مشہور جادوگر لبید ابن اعصم کے پاس آیا۔ بعض مورخین نے اسے یہودی کہا ہے لیکن یہ درحقیقت انصار کے ایک قبیلہ بنی زریق کا ایک فرد تھا۔ ممکن ہے اُس نے یہودی مذہب اختیار کر لیا ہو۔ اس لیے اسے یہودی کہا گیا ہو۔ خیبر کے وفد نے آکر اس کے سامنے اپنی بپتا بیان کی اور کہا کہ مکہ کے اس قریشی نے یہاں آکر ہماری عزت خاک میں ملا دی ہے۔ ہم نے سیاسی طور پر ان کو ناکام بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، سازشیں کیں، منصوبے بنائے، مشرک قبائل کو ان کے خلاف بھڑکایا لیکن

ناکام رہے۔ اس کے علاوہ ہمارے ہاں جتنے ماہر جادوگر تھے اُنھوں نے بھی بڑے جتن کیے؛ بڑی زور آزمائی کی لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ ہمارے اس علاقہ میں تمہارے سحر کی دھوم مچی ہوئی ہے ہر طرف سے مایوس ہو کر ہم تیرے پاس آئے ہیں۔ اگر تو ہماری امداد کرے تو یہ مشکل آسان ہو سکتی ہے۔ اُنھوں نے اس کی خدمت میں بھاری نذرانہ بھی پیش کیا۔ چنانچہ اُس نے حامی بھر لی۔

ایک یہودی لڑکا حضور کی خدمت میں رہا کرتا تھا۔ کسی طرح ورغلا کر اُس سے حضور کی کنگھی کا ایک ٹکڑا اور چند موئے مبارک حاصل کر لیے۔ اُس نے اور اُس کی بیٹیوں نے جو اس فن میں اپنے باپ سے بھی دو قدم آگے تھیں جادو کیا اور ان چیزوں کو کھجور کے خوشے کے غلاف میں رکھ کر بنی زُریق کے ایک کنویں کی تہ میں ایک بھاری پتھر کے نیچے دبا دیا۔ اس کنویں کا نام "ذروان یا ذی اروان' بتایا جاتا ہے۔ بعض نے اس کا نام 'بئر اریس' بھی لکھا ہے۔

چھ ماہ گزرنے کے بعد معمولی معمولی اثر ظاہر ہونے لگا۔ آخری چالیس دن زیادہ تکلیف کے تھے۔ اُن میں سے بھی آخری تین دن تکلیف اپنی نہایت کو پہنچ گئی۔ اس جادو سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کس قسم کی تکلیف محسوس ہوتی تھی۔ اس کے بارے میں بھی تصریحات موجود ہیں۔ علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

كان النبي صلى الله عليه وسلم يذوب ولا يدري ما وجعه : یعنی حضور کی طبیعت گھٹنے لگی۔ نقاہت بڑھنے لگی لیکن بظاہر اس کی کوئی وجہ معلوم نہ ہوتی۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں: حتى يخيل اليه انه فعل الشيء ولم يكن فعله (روح المعانی)

یعنی ایسا کام جو نہ کیا ہوتا، اس کے بارے میں حضور کو خیال ہوتا کر لیا گیا ہے۔

کُتبِ حدیث میں اس جادو کے اثرات کے بارے میں جتنی روایات ملتی ہیں۔ اُن کا یہی نچوڑ ہے کہ جسمانی طور پر نقاہت و کمزوری محسوس ہوتی لیکن ایسی کوئی ضعیف سے ضعیف روایت بھی موجود نہیں جس سے یہ پتہ چلتا ہو کہ فرائضِ نبوت کی ادائیگی میں کبھی بال برابر فرق آیا ہو۔ کبھی ایسا نہیں ہُوا کہ نماز کے ارکان میں تقدیم و تاخیر سرزد ہوئی ہو یا تلاوتِ قرآن کے وقت نسیان طاری ہو گیا ہو یا مملکتِ اسلامیہ کی توسیع اور استحکام یا اسلام کی تبلیغ میں کوئی معمولی سا رخنہ بھی پیدا ہُوا ہو۔

جب تکلیف زیادہ بڑھی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بارگاہِ الٰہی میں دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے۔ اُسی رات حضور کو خواب میں حقیقتِ حال سے آگاہ فرما دیا گیا؛ چنانچہ حضور نے اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کو بتایا کہ اے عائشہ میں نے اپنے ربّ سے جس بات کے بارے میں دریافت کیا تھا میرے خُدا نے مجھے اس کے متعلق بتا دیا ہے۔ حضرت عائشہ نے عرض کی یا رسول اللہ کیا بتایا گیا ہے۔ ارشاد ہُوا رات کو خواب میں دو آدمی میرے پاس آئے۔ ایک میرے سرہانے بیٹھ گیا اور دُوسرا پاؤں کے نزدیک۔ (بعض روایات میں ہے کہ وہ جبرائیل اور میکائیل تھے،) ایک نے دُوسرے سے پُوچھا "انہیں کیا تکلیف ہے"۔ دُوسرے نے جواب دیا "انہیں جادو کیا گیا ہے"۔ پُوچھا "کس نے کیا ہے؟" جواب ملا "لبید ابن اعصم نے"۔ پُوچھا "کس چیز میں"۔ بتایا "کنگھی کے ایک ٹکڑے کو اور چند بالوں کو کھجور کے خوشہ کے پردے میں رکھ کر"۔ پُوچھا "کہاں رکھا ہے؟" بتایا "ذی اوان کے کنوئیں کی تہ میں ایک پتھر کے نیچے"۔ پُوچھا "اب کیا کرنا چاہیے"۔ بتایا "اس کنوئیں کا سارا پانی نکال دیا جائے پھر اس

پتھر کے نیچے سے ان چیزوں کو نکالا جائے "۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فوراً حضرت سیدنا علی، عمار ابن یاسر اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کو اس مقصد کے لیے اس کنوئیں کی طرف بھیجا۔ انہوں نے پانی نکال کر اس کنوئیں کو خشک کر دیا۔ اتنے میں حضور خود بھی وہاں تشریف لے گئے پتھر کو اٹھایا تو اس کے نیچے سے وہ غلاف نکلا، اسے کھولا تو اس کے اندر کنگھی کا ایک ٹکڑا، چند بال جو تانت کے ایک ٹکڑے میں بندھے ہوئے تھے اور اس تانت میں گیارہ گرہیں لگی ہوئی تھیں۔ اسی اثنا میں حضرت جبرائیل حاضر ہوئے اور یہ دو سورتیں پڑھ کر سنائیں اور عرض کیا کہ "آپ ان سورتوں کی ایک ایک آیت پڑھتے جائیں اور ایک ایک گرہ کھولتے جائیں اور ایک ایک سوئی نکالتے جائیں"۔ چنانچہ دونوں سورتوں کی گیارہ آیتیں پڑھی گئیں۔ ان کی تلاوت سے گیارہ گرہیں کھلیں اور ساری سوئیاں نکل گئیں۔ اس طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طبیعت ہشاش بشاش ہو گئی اور جادو کا سارا اثر زائل ہو گیا۔

صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اجازت ہو تو اس خبیث کا سر قلم کر دیا جائے۔ حضرت سید عالم نے ارشاد فرمایا:

اما انا فقد شفاني الله واكره ان اثير على الناس شرا۔

ترجمہ: "مجھے تو اللہ تعالیٰ نے شفا بخش دی ہے۔ میں اپنے لیے لوگوں میں فتنہ کی آگ بھڑکانا نہیں چاہتا"۔

سبحان اللہ رحمت للعالمین کی کیا شان ہے۔ اپنی ذات کے لیے اپنی جان کے دشمنوں سے بھی کبھی انتقام نہیں لیا صلی اللہ علیک یا رسول اللہ۔ صلی اللہ علیک یا مقیل العثرات۔ صلی اللہ علیک یا صفوح عن الزلات و بارک وسلم۔

اس واقعہ کا خلاصہ آپ نے ملاحظہ فرما لیا ہے۔ اب ذرا قدیم معتزلہ اور جدید عقلیت پسندوں کے اعتراضات کا مطالعہ فرمائیے۔ وہ ان تمام روایات کو ساقط الاعتبار، ناقابلِ اعتماد قرار دیتے ہوئے بیک قلم ان پر خطِ تنسیخ کھینچ دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اگر ان روایات کو صحیح تسلیم کیا جائے، تو اس سے منصب نبوت کی توہین ہوتی ہے بلکہ ہر قسم کی وحی اور شریعت کے جملہ احکام پر سے وثوق اٹھ جاتا ہے۔ کیونکہ اگر ان روایات کے مطابق مان لیا جائے کہ حضور پر جادو کا اثر ہو گیا تھا تو پھر یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے اثر سے کوئی آیت ذہن سے اتر گئی ہو قرآنی آیت کے بجائے کسی خود ساختہ جملہ کو آیتِ قرآنی فرض کر لیا گیا ہو۔ شریعت کا یہ قانون اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ ہو بلکہ سحر کی فسوں کاری کا کرشمہ ہو نیز یہ روایات اس آیت کے بھی منافی ہیں۔ "واللہ یعصمک من الناس"۔ "کہ لوگوں کی شرانگیزیوں سے اللہ تعالیٰ آپ کا محافظ ہے"۔ جب عصمتِ نبوت کی ذمہ داری خود اللہ رب العزت نے لی ہے تو پھر یہ کیسے مان لیا جائے کہ یہودیوں کے سحر کا حضور پر اثر ہو گیا ہو۔ عقل کے جدید اور قدیم پرستاروں کا نظریہ آپ نے پڑھ لیا۔ بات کا جس طرح انہوں نے تبنگڑ بنایا ہے اس کو بھی آپ نے دیکھ لیا۔

ان اعتراضات اور شکوک کے بارے میں اہلِ سنت یہ کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دو حیثیتیں تھیں۔ ایک حیثیت نبوت اور دوسری حیثیتِ بشریت۔ عوارضِ بشری کا ورود ذاتِ اقدس پر ہوتا رہتا تھا۔ بخار، درد، چوٹ لگنا، دندانِ مبارک کا شہید ہونا۔ طائف میں پنڈلیوں کا لہولہان ہونا اور احد میں جبینِ سعادت کا زخمی ہونا۔ یہ سب واقعات

تاریخ کے صفحات کی زینت ہیں۔ یہ لوگ بھی ان سے انکار کی جرأت نہیں کر سکتے اور ان عوارض سے حضور کی شانِ رسالت اور حیثیتِ نبوت پر قطعاً کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح یہاں بھی جادو کا اثر حضور کی جسمانی صحت تک محدود تھا رسالت کا کوئی پہلو قطعاً اس سے متاثر نہ تھا۔ اگر ایسا ہوتا کہ اس جادو سے حضور کوئی آیت بھول جاتے یا الفاظ میں تقدیم و تاخیر کر دیتے یا قرآن میں اپنی طرف سے کوئی جملہ بڑھا دیتے یا نماز کے ارکان میں ردّ و بدل ہو جاتا تو اسلام کے بدخواہ اتنا شور و غل مچاتے کہ الامان والحفیظ! ابطالِ رسالت کے لیے انہیں ایک ایسا مہلک ہتھیار دستیاب ہو جاتا کہ اس کے بعد انہیں دعوتِ اسلامی کو ناکام کرنے کے لیے مزید کسی ہتھیار کی ضرورت نہ رہتی لیکن اس قسم کا کوئی واقعہ کسی حدیث یا تاریخ کی کتاب میں موجود نہیں۔ دشمنانِ اسلام نے آج تک جتنی کتابیں پیغمبرِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں لکھی ہیں اُن میں بھی اس قسم کا کوئی واقعہ درج نہیں۔ معلوم ہُوا کہ لبید یہودی کے جادو کا اثر فقط اس حد تک ہُوا کہ صحتِ گرامی متاثر ہُوئی جس طرح علامہ سیوطیؒ اور علامہ آلوسیؒ کے حوالے نقل کیے جا چکے ہیں۔

رہی یہ بات کہ جادو کی کوئی حقیقت ہے یا نہیں؟ جادو سے کسی چیز کی حقیقت بدل جاتی ہے یا فقط نظر بندی کے طور پر چیز ہوتی کچھ ہے اور دکھائی کچھ دیتی ہے۔ یہ ایک الگ بحث ہے لیکن اس سے لوگوں کا متاثر ہونا ایک یقینی چیز ہے۔ ساحرانِ فرعون کا تذکرہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر فرمایا گیا ہے۔ نصِ قرآنی سے یہ چیز ثابت ہے کہ لوگ ان رسیوں کو سانپ خیال کرنے لگے۔ سانپوں کی طرح انہیں لہراتے ہُوئے دیکھ کر وقتی طور پر موسیٰ علیہ السلام بھی خائف و ہراساں ہو گئے قرآن کریم کے الفاظ ملاحظہ فرمائیے:

فاذا حبالهم وعصيهم يخيل اليه انها تسعى ۔ فاوجس في نفسه خيفة موسى قلنا لا تخف انك انت الاعلى۔

ترجمہ: پس ان کی رسیاں اور سونٹیاں آپ کو یُوں معلوم ہوتا کہ وہ دوڑ رہی ہیں، ان کے دل میں خوف پیدا ہوا۔ ہم نے کہا اے مُوسیٰ! مت ڈرو۔ تم ہی سربلند ہو۔

انہیں کے بارے میں سُورہ طٰہٰ میں ہے: سحروا اعين الناس: یعنی ان جادوگروں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا تھا۔

بحث سوئم: جھاڑ پھونک کے بارے میں اسلام کا کیا حکم ہے؟

ایک بات پہلے ہی ذہن نشین کر لینا ضروری ہے۔ جھاڑ پھونک کا رواج ہر انسانی معاشرہ میں قدیم ازمنہ سے موجود ہے اس مقصد کے لیے جو منتر، طلسم یا نقوش اُن کے ہاں رواج پذیر تھے۔ اُن کی دیویاں، دیوتاؤں کے نام، شیطانی قوتوں سے استمداد، آسمانی کواکب و سیارات سے استغاثہ وغیرہ عام تھا۔ نیز وہ ان چیزوں کو مؤثرِ حقیقی اور فاعلِ مستقل یقین کرتے تھے۔

اسلام نے شرک کو بیخ و بُن سے اکھیڑ کر رکھ دیا۔ اُن کے اس عقیدہ کے بطلان کو طشت ازبام کر دیا کہ اللہ کے علاوہ کوئی دیوی، دیوتا، کوئی چاند تارا یا سُورج مؤثرِ حقیقی ہو سکتا ہے۔ اس لیے یہ تو گمان ہی نہیں کیا جا سکتا کہ اسلام کسی ایسے منتر یا جھاڑ پھونک کی اجازت دے جس میں شرک یا شرکیہ عقائد کا شائبہ تک بھی پایا جاتا ہو اس لیے ایسے تمام منتر، طلسم نقوش

تعویذات وغیرہ اسلام میں قطعاً حرام اور ممنوع ہیں۔ جن احادیث میں دم کرنے، جھاڑ پھونک کرنے وغیرہ کی ممانعت کی گئی ہے ان جملہ احادیث سے اسی قسم کے شرکیہ اعمال مراد ہیں لیکن ایسا دم یا تعویذ جس میں اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے کوئی اسم مبارک، کوئی آیت قرآنی یا سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ پاک سے نکلا ہوا کوئی جملہ ہو یا جس نقش میں یا دم میں شرکیہ بات نہ ہو اس کا کرنا جائز ہے۔ حضور خود بھی اپنے آپ کو دم فرمایا کرتے اور صحابہ کرام پر بھی دم کرتے اور حسنین کریمین کو تو خصوصی دم فرمایا کرتے۔ عہدِ رسالت میں اور اس کے بعد صحابہ کا بھی یہ معمول تھا۔ اس وقت سے لے کر اب تک پاکانِ اُمّت کا بھی یہ دستور رہا ہے۔ آپ چند شواہد ملاحظہ فرمائیے!

سب سے پہلی دلیل قرآن دو سورتوں کا نزول ہے اور ان کے پڑھنے کی برکت سے جادو کی تاثیر کا ختم ہو جانا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ معمول تھا کہ ہر شب آرام کرنے سے پہلے آخری تینوں قُل پڑھتے، اپنے مبارک ہاتھوں پر دم فرماتے پھر اپنے سارے جسم پر انہیں پھیر لیتے۔ یہ معمول حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے۔ جو خود عینی شاہد ہیں۔ جن محدثین نے اس روایت کو اسنادِ صحیحہ سے نقل کیا ہے۔ ان میں امام بخاری، امام مسلم، امام مالک۔ ابن ماجہ، ابوداؤد علیہم الرحمۃ جیسے اکابر ہیں۔

نیز امام بخاری، امام احمد، ترمذی، ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس سے یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سیدنا امام حسن اور سیدنا امام حسین کو یہ پڑھ کر دم فرمایا کرتے:

أُعِيذُكُمَا بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَّهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَّامَّةٍ

حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی نے ایک روز عرض کیا: یا رسول اللہ! جب سے مسلمان ہوا ہوں مجھے شدید درد ہوتا ہے یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ جان لیوا ثابت ہوگا۔ حضور نے فرمایا: درد کی جگہ پر اپنا دایاں ہاتھ رکھو، پھر تین بار بسم اللہ پڑھو اور سات مرتبہ یہ پڑھتے ہوئے درد کی جگہ پر ہاتھ رکھو: أَعُوذُ بِاللهِ وَقُدْرَتِهِ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ وَأُحَاذِرُ۔

مسند امام احمد اور طحاوی میں طلق بن علی کی روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ کی موجودگی میں بچھو نے ڈنگ مارا۔ حضور نے مجھے دم فرمایا اور دستِ مبارک پھیرا۔

صحیح مسلم میں ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بیمار ہوئے عیادت کے لیے جبرئیل امین حاضر ہوئے۔ پوچھا: جانِ عالم! کیا آپ بیمار ہو گئے؟ فرمایا ہاں۔ جبرئیل نے یہ پڑھ کر دم کیا:

بِاسْمِ اللهِ أَرْقِيكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ أَوْ عَيْنِ حَاسِدٍ، اَللهُ يَشْفِيكَ۔

بِاسْمِ اللهِ أَرْقِيكَ۔ (ترجمہ) میں اللہ کا نام لے کر آپ کو دم کرتا ہوں ہر اس چیز سے جو آپ کو اذیت دے اور ہر نفس اور حاسد کی نظر سے۔ اللہ آپ کو شفا دے۔ میں اللہ کا نام لے کر آپ کو دم کرتا ہوں۔

مسند امام احمد میں اُمّ المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے حجرہ میں رونق افروز ہوئے میرے پاس شفاء نامی ایک خاتون بیٹھی تھی جو نملہ (ذباب) کا دم کیا کرتی تھی۔ حضور نے فرمایا شفاء یہ دم حفصہ کو بھی سکھا دو۔ خود شفاء بنت عبداللہ کہتی ہیں کہ مجھے حضور نے فرمایا کہ تم نے حفصہ کو جس طرح لکھنا پڑھنا

سکھایا ہے نملہ کا دم بھی سکھا دو۔ (مسند امام احمد، ابوداؤد، نسائی)

صحیح مسلم میں عوف ابن مالک اشجعی کی یہ روایت مذکور ہے کہ ہم نے حضورؐ کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ! ہم جاہلیت میں جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے۔ اب اس کے بارے میں کیا ارشاد ہے۔ حضورؐ نے فرمایا: جو پڑھ کر تم دم کیا کرتے تھے وہ مجھے سناؤ۔ جھاڑنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے جب تک اس میں شرک نہ ہو"۔

حضرت جابر ابن عبداللہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھاڑ پھونک سے منع فرما دیا۔ پھر حضرت عمرو ابن حزم کے خاندان کے لوگ آئے اور عرض کیا کہ ہمارے پاس ایک عمل تھا جس سے ہم بچھو سانپ کے کاٹے کو دم کیا کرتے تھے مگر حضورؐ نے ان کاموں سے منع فرما دیا ہے۔ پھر انہوں نے وہ دم پڑھ کر سنایا۔ حضورؐ نے فرمایا: اس میں تو میں کوئی مضائقہ نہیں پاتا۔ تم میں سے جو شخص اپنے کسی بھائی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے وہ ضرور پہنچائے۔

(مسلم، مسند احمد، ابن ماجہ)

میں نے کثیر التعداد احادیث میں سے صرف چند احادیث پیش کی ہیں۔ طالب حق کے لیے اس میں کفایت ہے۔

ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ ہر چیز اسی وقت نفع پہنچاتی جب اذنِ الٰہی ہو۔ اس کے علاوہ کوئی چیز بھی اثر نہیں کرتی۔ اگر جڑی بوٹیاں، گولیاں، شربت، معجونیں اور ٹیکے اذنِ الٰہی سے صحت وعافیت کا سبب بن جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ آیاتِ قرآنی اور فرمودات رسالت اذنِ الٰہی سے کیوں مؤثر نہیں ہو سکتے۔ آخر میں ایک بات کی طرف اشارہ کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ کیا دم اور تعویذ پر نذرانہ وصول کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اس کے لیے حضرت ابوسعید خدری کی اس روایت سے استدلال کافی ہے جو امام بخاری، امام مسلم، ترمذی اور دیگر کتب احادیث میں منقول ہے۔ اس کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مہم پر اپنے چند صحابہ کو بھیجا جن میں حضرت ابوسعید خدری بھی تھے۔ ان کا گزر ایک بستی سے ہوا جہاں ایک عرب قبیلہ سکونت پذیر تھا۔ انہوں نے اس قبیلہ سے اپنے لیے کھانے کا مطالبہ کیا، لیکن انہوں نے انہیں کوئی چیز دینے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ مسلمانوں نے بغیر کچھ کھائے رات بسر کی۔ اسی اثنا میں قبیلہ کے سردار کو کسی زہریلے بچھو نے ڈنگ مار دیا۔ جب اس کی تکلیف حد سے زیادہ بڑھی تو وہ لوگ مسلمانوں کے پاس آئے اور آ کر کہا کہ ہمارے سردار کو بچھو نے کاٹا ہے۔ وہ درد سے تلملا رہا ہے۔ اگر تم لوگوں کے پاس کوئی دوا ہو یا کوئی دم کر سکتا ہو تو وہ آ کر اسے دم کرے۔ حضرت ابوسعید نے کہا کہ ہمارے پاس اس کا علاج تو ہے لیکن تم نے بڑی بے مروتی کا سلوک کیا ہے ہمیں کھانا تک نہیں دیا اس لیے جب تک تم ہمیں کچھ معاوضہ دینا طے نہ کرلو اس وقت تک ہم اس کا علاج نہیں کریں گے۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ اگر ہمارے سردار کو آرام آگیا تو ہم تمہیں بکریوں کا ایک ریوڑ دیں گے۔ حضرت ابوسعید گئے اور سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد اپنا لعاب دہن اس پر ملا۔ درد زائل ہو گیا اور ان کا سردار بالکل تندرست ہو گیا۔ قبیلے والوں نے وعدہ کے مطابق ریوڑ جس میں تیس بکریاں تھیں مسلمانوں کو دیا۔

جب حضرت ابوسعید وہ ریوڑ لے کر مسلمانوں کے پاس واپس آئے تو انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ جب تک حضور نبی کریم سے مسئلہ دریافت نہ کرلیں اس وقت تک ہمیں یہ بکریاں استعمال میں نہیں لانی چاہئیں۔ جب مہم سے فارغ ہونے کے بعد یہ حضرات مدینہ طیبہ واپس پہنچے تو سارا قصہ عرض خدمت کیا۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسکراتے ہوئے فرمایا۔ تمہیں یہ کس طرح پتہ چلا کہ یہ سورت پڑھ کر دم کیا جاتا ہے۔ بکریاں لے لو اور اس میں سے میرا حصہ بھی نکالو۔

اس روایت کے بعد اس مسئلہ پر مزید بحث کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔

موضوع ان سورتوں کی تشریح کے ضمن میں تمام چیزیں تفصیل سے بیان کردی گئی ہیں۔ یہاں آپ اتنا ہی خیال رکھیں کہ بندہ کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو اگر وہ حق کے لیے سربکف باطل کے سامنے میدان جہاد میں قدم رکھتا ہے تو ایک ذات ایسی ہے جس کے دامن میں اُسے پناہ مل سکتی ہے اور وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ہے۔ مسلمان کو چاہیے کہ کبھی ہراساں اور مایوس نہ ہو اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھے اور ان کلماتِ طیبات سے اس کی بارگاہ میں پناہ کے لیے عرض کرتا رہے۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا

۱۵ اپریل ۱۹۷۷ء

کل مجھے اور میرے پانچ ساتھیوں کو رحیم بخش فیاض مجسٹریٹ درجہ اول بھلوال نے چار ماہ قید بامشقت کی سزا سنائی۔ الحمد للہ۔

اللھم اغفر لکاتبہ

سُوْرَةُ النَّاسِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ سِتُّ اٰيٰتٍ

سورہ الناس مدنی ہے اور اس میں چھ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ① مَلِكِ النَّاسِ ② اِلٰهِ النَّاسِ ③

(اے حبیب!) عرض کیجیے میں پناہ لیتا ہوں سب انسانوں کے پروردگار کی ۱ سب انسانوں کے بادشاہ کی، سب انسانوں کے معبود کی

۱ اس سے پہلی سورت میں ان مضرتوں اور شر انگیزیوں سے پناہ طلب کی گئی تھی جو انسان کے ظاہری حالات اور جسمانی ضروریات کو متاثر کرتی ہیں، اس لیے جس کی پناہ لینے کی تلقین کی گئی، اس کا تعارف صرف رب الفلق (صبح کا پروردگار) سے کرانے پر اکتفا کیا گیا۔ اب ایمان اور ایقان کو جو خطرات درپیش ہیں، ان کی روحانی دنیا پر جن یلغاروں اور یورشوں کا اندیشہ ہے ان سے پناہ لینے کی ہدایت کی جا رہی ہے۔ متاعِ دین و ایمان یقیناً جسم اور جسمانی نعمتوں سے کہیں اہم اور بیش قیمت ہے، اس لیے جس ذاتِ پاک کے دامنِ عاطفت میں پناہ لینے کا حکم دیا جا رہا ہے اس کا تفصیلی تعارف کرا دیا گیا تاکہ ہر شخص اپنی ہمت اور ذہنی بالیدگی کے مطابق اس کی عظمت کا اعتراف کر سکے اور حسبِ حیثیت اسی جذب و شوق سے اس کی پناہ لے۔

عام آدمی کی نگاہ فقط ان نعمتوں تک محدود رہتی ہے جو اس کی ظاہری نشوونما میں ممد و معاون ثابت ہوں۔ اگر اسے کھانا اچھا مل جائے، رہنے کے لیے آرام دہ مکان میسر آ جائے، اس کی روزمرہ کی ضروریات آسانی، بلکہ فراوانی سے پوری ہوتی رہیں تو وہ مطمئن اور مسرور ہو جاتا ہے۔ معاشی حوائج کی سرحد سے آگے جھانکنے کی اس کو کبھی نہ خواہش ہوتی ہے اور نہ اس میں ایسی صلاحیت پائی جاتی ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے رب الناس (لوگوں کا پروردگار) کے کلمات سے اللہ تعالیٰ کا تعارف کرایا کہ تمہیں ایسی ذات سے پناہ مانگنے کا حکم دیا جا رہا ہے جو تمہاری جملہ ضروریات کا کفیل ہے، جس کی مہربانی سے تمہاری زندگی محرومیوں اور مایوسیوں سے پاک ہو جائے گی تو وہ مطمئن ہو جاتے ہیں۔

لیکن تمام انسانوں کے حوصلے یہاں تک محدود نہیں ہوتے۔ بعض چاہتے ہیں کہ عدل و انصاف کی بالادستی ہو، کسی پر ظلم نہ کیا جائے، کسی کو اس کے جائز حقوق سے محروم نہ کیا جائے، اگر کوئی ظالم بننے کی کوشش کرے یا کسی کا حق غصب کرنے کا ارادہ کرے تو اس کی تمام وجاہتوں اور شوکتوں کو بالائے طاق رکھ کر انصاف کے تقاضے پورے کیے جائیں۔ یہ کام ایک با اختیار سلطان اور طاقتور حاکم ہی انجام دے سکتا ہے، اس لیے ان لوگوں کو بتایا کہ جس کی پناہ لینے کا تمہیں درس دیا جا رہا ہے، وہ صرف تمہاری معاشی ضروریات کا کفیل ہی نہیں، بلکہ وہ بادشاہ اور فرمانروا بھی ہے۔ اس کا حکم ہر وقت، ہر جگہ، ہر چیز پر نافذ ہے۔

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۵ الْخَنَّاسِ ﴿٤﴾ الَّذِىْ يُوَسْوِسُ فِىْ

باربار وسوسہ ڈالنے والے، بار بار پسپا ہونے والے کے شر سے ۲ جو وسوسہ ڈالتا رہتا ہے

کسی کی مجال نہیں کہ اس کے حکم سے سرتابی کر سکے۔ وہ عادل اور منصف ہے۔ کسی پر جبر و تشدد اس کا شیوہ ہی نہیں۔ اس قسم کے لوگوں کو ایسے عظیم سلطان کا تعارف مَلِكِ النَّاسِ کے کلمات سے کرایا گیا تاکہ ان کا اضطراب دُور ہو جائے۔

تیسرے اور اعلیٰ قسم کے وہ لوگ ہیں جو محض اس لیے اس سے محبت کا دم بھرتے ہیں، محض اس لیے اس کے دامنِ عاطفت کے سایہ کے طلب گار ہیں کہ وہ ان کا معبود ہے۔ وہ بھوک برداشت کر سکتے ہیں، وہ محرومیوں پر راضی برضا رہ سکتے ہیں، وہ طاغوتی قوتوں کے ہر تیرِ ستم کے سامنے خوشی سے اپنا سینہ تان سکتے ہیں، ان کے ہونٹ حرفِ شکایت سے بھی آشنا نہیں ہوتے، وہ فقط اس لیے اس سے پیار کرتے ہیں کہ وہ معبودِ برحق ہے، وہ ان کا خداوند کریم ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے اِلٰهِ النَّاسِ کے مبارک کلمے ذکر کیے گئے۔

جب انسان اللہ تعالیٰ کو اس کی ان تینوں صفاتِ کمالیہ سے پہچان لیتا ہے تو وہ اسی کی جناب میں فریاد کرتا ہے کہ اے میرے پروردگار! اے ملکوت السموات والارض کے حقیقی فرمانروا! اے مجھ جگر سوختہ اور دل خستہ کے عشق و مستی کے مرکز! مجھے ہر قسم کے شیاطین کی چیرہ دستیوں سے بچا۔ ان کی وسوسہ اندازیوں کا مقابلہ کرنے کی ہمت عطا فرما اور اس نحیف و نزار بندہ کی دستگیری کر اور اسے اس کی منزل تک پہنچا۔ جب یہ سعادت اسے حاصل ہوتی ہے تو اس کی اولوالعزمی کی شان قابلِ دید ہوا کرتی ہے۔ حضرت ہاجرہ سے شیطان آکر کہتا ہے: جانتی ہے ابراہیم تیرے لختِ جگر کو آج نہلا دھلا کر اسے ذبح کرنے کے لیے لے جا رہا ہے؟ ہاجرہ نے کہا: پاگل تو نہیں ہو گئے، کبھی باپ بھی اپنے بیٹے کو ذبح کیا کرتا ہے؟ پھر وہ باپ جس کو پیرانہ سالی میں چاند سے حسین تر بچہ نصیب ہوا ہو، اس نے کہا اس کے خدا نے اسے حکم دیا ہے کہ اپنے بچے کو ذبح کر دے۔ یہ سُن کر ہاجرہ نے بڑی بے نیازی سے کہا اگر میرے رب کا حکم ہے تو ایک اسماعیل کیا لاکھوں اسماعیل اس کی رضا کے لیے قربان کیے جا سکتے ہیں۔ یہ ان لوگوں کی حالت ہوتی ہے جنہیں ربِ کریم اپنی پناہ میں لے لیا کرتا ہے۔

۲ وسوسہ: حدیثِ نفس کو کہتے ہیں۔ وسواس: دل میں طرح طرح کے خیالات ڈالنے والا۔ خناس: پیچھے کھسک جانے والا، دبک جانے والا۔

جب کوئی شخص کسی کو اس کی افتادِ طبع کے خلاف کسی کام پر اکساتا ہے تو اس کا پہلا ردِ عمل بڑا شدید ہوتا ہے۔ وہ بڑی حقارت سے اس خیال کو جھٹک دیتا ہے۔ ہر وسوسہ انداز اصرار نہیں کرتا، بلکہ پیچھے کھسک جاتا ہے۔ بظاہر پسپائی اختیار کر لیتا ہے پھر موقع ملنے پر وہی بات اس کے کانوں میں ڈالتا ہے۔ اگر وہ پھر بھی تیوری چڑھائے، تو وہ دبک جاتا ہے۔ یہ تسلسل جاری رہتا ہے آہستہ آہستہ اس کا ردِ عمل کمزور ہونے لگتا ہے، یہاں تک کہ وہ دن آ جاتا ہے کہ یہ شخص جس بات پر پہلی بار برافروختہ ہو گیا تھا، وہ خود لپک کر اس کی طرف بڑھتا ہے۔ شیطان کا یہی طریقہ ہے۔ وہ انسان کو گمراہ کرنے کی کوششوں سے تھکتا نہیں، بلکہ لگاتار اپنی کوشش

صُدُوْرِ النَّاسِ ۙ﴿۵﴾ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ﴿۶﴾

لوگوں کے دلوں میں - خواہ وہ جنات میں سے ہو یا انسانوں سے ۳

جاری رکھتا ہے، کبھی حملہ کرتا ہے، کبھی دفاعی پسپائی اختیار کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ بڑے سے بڑے زیرک انسان کو اگر اسے اپنے رب کی پناہ حاصل نہ ہو تو چاروں شانے چت گرا دیتا ہے۔ اس کی ان دونوں چالوں کو وسواس اور خناس کے الفاظ استعمال کر کے بیان کر دیا۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ جب شیطان، انسان کو ذکر الٰہی سے غافل پاتا ہے تو اس کے حملے شروع ہو جاتے ہیں اور جب انسان اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے لگتا ہے تو وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے اور کسی کونے میں چھپ جاتا ہے۔ بعینہٖ اسی طرح جیسے کوئی چور نقب لگا رہا ہو اور کہیں سے روشنی نمودار ہو جائے تو وہ نقب لگانا بند کر دیتا ہے اور ایک بے جان پتھر کا روپ دھار لیتا ہے اور جب روشنی بجھ جاتی ہے تو پھر اپنا شغل شروع کر دیتا ہے۔

۳ اس کی وسوسہ اندازی بڑے ماہرانہ اور عیارانہ انداز سے ہوتی ہے۔ چپکے سے وہ دلوں میں وسوسے ڈالتا رہتا ہے۔ وہاں کی پرسکون فضا میں تہلکہ برپا کر دیتا ہے۔ وسوسہ اندازی کا یہ دھندا جنوں اور انسانوں میں سے شریر نفوس دونوں کرتے ہیں۔ ایسے افراد کو قرآن کی اصطلاح میں شیاطین کہا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ۔ بے شک بندے کو جب تک اللہ تعالیٰ کی پناہ نہ ملے اس کی متاع جان و ایمان کا محفوظ رہنا مشکل بلکہ ناممکن ہے۔

الٰہی! تیرا یہ عاجز بندہ جس کا علم بھی ناقص، فہم بھی نارسا، ہمت بھی پست اور قوت مدافعت بھی نہ ہونے کے برابر ہے، اسے اپنی پناہ میں لے لے۔

میرا ایمان، میرا یقین، میرا ذوق، میرا شوق، تیرے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کی ایک ٹمٹاتی ہوئی شمع، سب تیری پناہ میں دیتا ہوں۔ اپنی توفیق سے اپنی اس کتاب مقدس کی خدمت کی جو سعادت تو نے اس ذرہ ناچیز بندۂ بے کس کو ارزانی فرمائی ہے، اس کو قبول فرما!

تیرے محبوب بندے حضرت غوث الاعظم سیدنا عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کے یہ دو شعر یہ رو سیاہ بھی خدمت عالی میں پیش کرنے کی جرأت کرتا ہے۔

اید رکنی ضیم وانت ظہیری	أأظلم فی الدنیا وانت نصیری
فعار علی حامی الحمٰی وھو قادر	اذا ضاع فی البیدا عقال بعیری

الٰہی! اس ناچیز بندے پر رحم فرما۔ اسے نگاہ لطف و کرم سے ہمیشہ نواز! اس کی خطاؤں کو بخش دے۔ اس کے ماں باپ کو بخش دے! ان کے درجات کو بلند فرما! اس کے اہل و عیال کو بخش دے! اس کے احباب گرامی کو بخش دے۔ دار العلوم محمدیہ

خوشیہ کے اساتذہ، طلبہ اور اس کے معاونین کو بخش دے۔ ضیاء القرآن کو شرف قبول عطا فرما! اس کو اپنے بندوں کی ہدایت کا سبب بنا! اور مجھ خطاکار و رُوسیاہ کی بخشش کا سامان بنا!

الحمد للہ رب العٰلمین الرحمٰن الرحیم مالک یوم الدین ایاک نعبد و ایاک نستعین اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین امین۔

اللھم صل علی حبیبک الاکرم و نبیک المعظم ورسولک المحتشم حبیبی وقرۃ عینی وسرور قلبی ملجائی وملاذی فی الدارین سیدی وسید الخلق محمد منبع الجود والکرم من الصلوات اطیبھا ومن التسلیمات ازکٰھا ومن البرکات اسنٰھا ومن التحیات اجملھا وعلی آلہ الکرام واصحابہ العظام و من احبہ واتبعہ الی یوم الدین۔ اللھم اجعلنا من احبائہ ومن خدام دینہ وانصار شریعتہ وارزقنا محبتہ واحشرنا فی زمرتہ تحت لواء الحمد یا ارحم الراحمین۔

رب اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علی وعلی والدی وان اعمل صالحا ترضاہ واصلح لی فی ذریتی انی تبت الیک وانی من المسلمین۔

فاطر السمٰوات والارض انت ولی فی الدنیا والاٰخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصالحین۔

اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان سیدی وحبیبی محمدا عبدہ ورسولہ۔

سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔

لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

اپنے کریم ورحیم اور عزیز وحکیم پروردگار پر توکل کرتے ہوئے یہ نحیف وضعیف مسافر جس منزل کی طرف یکم رمضان المبارک ۱۳۷۹ھ بروز دوشنبہ ۲۹ فروری ۱۹۶۰ء روانہ ہوا تھا، اپنے کریم ورحیم اور عزیز وحکیم پروردگار کی توفیق سے آج بتاریخ ۲۹ رمضان المبارک ۱۳۹۹ھ بروز خمیس ۲۳ اگست ۱۹۷۹ء اس منزل پر اس ساعت سعید میں پہنچا جب مؤذن عصر کی اذان میں

اشھد ان محمدا رسول اللہ

کا جاں پرور اور جہاں افروز اعلان کر رہا ہے۔ میں بھی اعلان کرتا ہوں:

اشہد ان لا الہ الا اللہ

اشہد ان محمدا رسول اللہ

اللھم صل وسلم وبارک علی طور التجلیات الاحسانیۃ ومھبط الانوار الرحمانیۃ

عبدک وحبیبک محمد

وعلی الہ واصحابہ ومن احبہ واتبعہ الی یوم الدین

عبدک المسکین

محمد کرم شاہ